وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد سوم

المائدہ ۰ الانعام

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸- اردو بازار، لاہور-۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیٔ عند العارفین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوۃ اللہ عن صلوۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القران وبین لنا ما نزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القران وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمٰن لواءہ فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والاخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی الہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ اللھم اجعلنی فی تبیان القران علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہ اللھم الق فی قلبی اسرار القران واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القران ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القران، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفر لی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت آمین یارب العالمین۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے۔ جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے نزدیک ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوۃ و سلام کا سیدنا محمد پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوۃ بھیجنے والے کی صلوۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا' ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں۔ قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہو گا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں' اولین اور آخرین کے امام ہیں' تمام نیکوکاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں' یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے' اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا' اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے' اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما' اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاکر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لیے کھول دے۔ مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر۔ اے میرے رب تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقہ سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لیے) مددگار ہو۔ اے اللہ اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لیے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول کر دے۔ اس کو قیامت تک کے لیے تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفرین بنا دے۔ اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' اور نجات کا وسیلہ بنا اور قیامت تک کے لیے اس کو صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما۔ اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں' میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما' کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ الْمَآئِدَة

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المائدہ

سورۃ المائدہ قرآن کی مجید کی ترتیب مصحف کے اعتبار سے پانچویں سورت ہے۔ قراء کوفیین کے نزدیک اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں' ہمارے پاس جو قرآن مجید کے نسخے ہیں' ان میں ایک سو بیس آیتیں ہی لکھی ہوئی ہیں اور حجازیین کے نزدیک اس میں ایک سو بائیس آیتیں ہیں اور بصریین کے نزدیک اس میں ایک سو تیس آیتیں ہیں۔ یہ اختلاف صرف آیتوں کے گننے کی وجہ سے ہے' ورنہ سب کے نزدیک سورۃ المائدہ کی وہی آیتیں ہیں جو اس میں درج ہیں۔ البتہ بعض کے نزدیک یہ آیتیں ایک سو بیس ہیں' بعض کے نزدیک ایک سو بائیس اور بعض کے نزدیک ایک سو تیس آیتیں ہیں اور اس میں بالاتفاق سولہ رکوع ہیں۔

نام:

اس سورت کا نام المائدہ ہے کیونکہ اس کی دو آیتوں میں المائدہ (کھانے کا خوان) کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ آیتیں یہ ہیں:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (المائدہ: ۱۱۲)

جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان اتار سکتا ہے۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ (المائدہ: ۱۱۴)

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان نازل فرما' تاکہ (اس کے نزول کا دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید اور تیری طرف سے نشانی ہو جائے۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے لکھا ہے' اس سورت کا نام سورۃ العقود اور سورۃ المنقذہ بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ المائدہ اللہ کی ملکوت میں منقذہ کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو عذاب کے فرشتوں کے ہاتھوں سے نجات دیتی ہے۔ (التفسیر المنیر' ج ۶' ص ۴۰) ہمیں اس روایت کا ماخذ نہیں مل سکا۔

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ سے روایت ہے کہ جس شخص نے سورۂ مائدہ کو پڑھا' اس کو دس نیکیوں کا اجر دیا جائے گا اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے درجات بلند کیے جائیں گے اور یہ درجات ہر متنفس یہودی اور نصرانی کے عدد کے برابر ہوں گے۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے' یہ موضوع ہے۔ امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو حضرت ابی کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے۔ یہ موضوع ہے۔

(عنایۃ القاضی' ج ۳' ص ۲۰۷' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ)

زمانہ نزول

سورۃ المائدہ مدنی ہے۔ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگرچہ اس کی بعض آیتیں حدیبیہ سے لوٹتے وقت مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس سورت کی ابتداء میں عمرہ اور حج کے آداب اور احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ٦ھ میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے' جسے حدیبیہ کہتے ہیں۔ وہ گاؤں بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ اس مقام پر کفار نے مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا اور حسب ذیل شرائط پر صلح کی:

۱- مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

۲- اگلے سال عمرہ کرنے آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

۳- ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں' وہ بھی نیام میں ہو اور نیام بھی تھیلے میں ہو۔

۴- مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں' ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۵- کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اس کو واپس کر دیا جائے' لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

٦- قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں' معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۹۹' ۲۷۰۰' ۲۷۰۱' صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۷۸۴' ۱۷۸۳' سبل الہدی والرشاد' ج ۵' ص ۵۲-۵۱)

سات ہجری کو مسلمانوں نے عمرۃ القضاء کیا اور نو ہجری میں مسلمان فرضیت حج کے بعد پہلی بار حضرت ابوبکر کی قیادت میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اس لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کو عمرہ اور حج کے آداب اور احکام بتائے جاتے۔ کافروں کے بہت سے قبائل مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں سے گزر کر حج کے لیے مکہ مکرمہ جاتے تھے۔ اس لیے یہ ہو سکتا تھا کہ جس طرح کافروں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے اور زیارت بیت اللہ سے روک دیا تھا' کہیں مسلمان بھی کافروں کو زیارت حرم سے نہ روک دیں۔ اس لیے ان کو اس معاملہ میں بھی ہدایت دینی تھی۔ سورۃ المائدہ کی ابتدائی آیات میں اسی نوع کا مضمون بیان فرمایا ہے۔

اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو' تمہارے لیے ہر قسم کے چارپاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا' لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا' بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو' اور نہ حرمت والے مہینہ کی' اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی' اور نہ ان

جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں' اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔ اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا' تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو۔ اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (المائدہ: ۲-۱)

ان آیات سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ المائدہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی' اس کی بعض آیات حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ان سے کہا: اے امیر المومنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس کی آپ لوگ تلاوت کرتے ہیں۔ اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے' آپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ تو یہودی نے کہا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ: ۳) حضرت عمر نے فرمایا ہمیں معلوم ہے۔ وہ کون سے دن نازل ہوئی تھی؟ اور کس مقام پر نازل ہوئی تھی؟ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مقام عرفات میں نازل ہوئی تھی اور وہ جمعہ کا دن تھا۔

(صحیح بخاری' ج۱' رقم الحدیث: ۴۵' صحیح مسلم ج ۴' رقم الحدیث: ۳۰۱۷' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۴' سنن نسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۰۲' سنن کبریٰ للنسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ۱۱۱۳۷' سنن کبری للبیھقی' ج ۵' ص ۱۱۸)

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کو پڑھا "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" اور ان کے پاس ایک یہودی تھا۔ اس نے کہا' اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے۔ جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے اور حدیث ابن عباس صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں "میرے نزدیک امام بخاری نے اس حدیث میں اشارہ پر اکتفاء کیا ہے' ورنہ امام اسحٰق کی قبیصہ سے روایت میں یہ تصریح ہے کہ یہ روایت جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے اور الحمد للہ! یہ دونوں دن ہمارے لیے عید ہیں اور اسی طرح امام ترمذی کی آیت میں ہے کہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن عید ہیں"۔ (فتح الباری' ج۱' ص ۱۰۵' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں "امام احمد اور امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے اپنی "سنن" میں' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی' وہ سورۃ المائدہ اور سورۃ الفتح ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی "مسند" میں' امام بغوی نے اپنی "معجم" میں' امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں ام عمرو بنت عبس سے اور انہوں نے اپنے عم محترم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں جا رہے تھے تو سورۃ المائدہ نازل ہوئی اور اس کے ثقل سے آپ کی اونٹنی عضباء کا شانہ ٹوٹ گیا۔

امام ابو عبید نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر مکہ اور مدینہ کے درمیان حجۃ الوداع میں سورۃ المائدہ نازل ہوئی' اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے' اس کا شانہ ٹوٹ گیا' اور نبی ﷺ اس سے اتر گئے۔

امام سعید بن منصور اور امام ابن المنذر نے ابو میسرہ سے روایت کیا ہے کہ جو سورت آخر میں نازل ہوئی' وہ المائدہ ہے اور اس میں سترہ فرائض ہیں۔

امام فریابی اور امام ابن المنذر نے ابو میسرہ سے روایت کیا ہے کہ المائدہ میں اٹھارہ ایسے فرائض ہیں جو کسی اور سورت میں نہیں ہیں' اور اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

امام احمد' امام نسائی' امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ میں حج کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا' اے جبیر! کیا تم المائدہ کی تلاوت کرتے ہو؟ میں نے کہا' ہاں! حضرت عائشہ نے فرمایا یہ آخری سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جو حلال ہے' تم اس کو حلال سمجھو اور اس میں جو حرام ہے' تم اس کو حرام سمجھو۔ (الدر المنثور' ج ۲' ص ۲۵۲' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمی' ایران)

ان احادیث کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یعنی ۷ھ سے لے کر ۱۰ھ تک سورۃ المائدہ کے نزول کا زمانہ ہے۔

سورۃ النساء اور المائدہ میں ارتباط اور مناسبت

سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ دونوں میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ' منافقین اور مشرکین کے اعتراضوں کے جوابات بیان کیے گئے ہیں اور ان کے باطل عقائد اور نظریات کارد کیا گیا ہے اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت کو ثابت فرمایا ہے۔

ان دونوں سورتوں میں عقود اور عہود کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ النساء میں عقد نکاح' عقد امانت' عقد وصیت' عقد وکالت اور عقد اجارہ کو پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور سورۃ النساء کی ابتداء عقد کو پورا کرنے کے حکم سے کی گئی ہے۔

سورۃ النساء میں تحریم خمر (انگوری شراب) کی تمہید بیان کی تھی اور سورۃ المائدہ میں قطعی طور پر خمر کو حرام قرار دیا ہے۔

جس طرح سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران دونوں سورتوں میں توحید اور رسالت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں مسائل فرعیہ اور احکام شرعیہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

وضو اور تیمم کے احکام ان دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔ سورۃ النساء میں پاک دامن مسلمان عورتوں سے نکاح کے احکام بیان فرمائے ہیں اور سورۃ المائدہ میں پاک دامن اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے احکام بیان کیے ہیں اور عدل و انصاف کرنے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم ان دونوں سورتوں میں ہے۔

سورۃ المائدہ کھانے پینے' شکار' احرام' چوروں اور ڈاکوؤں کی حد اور کفارہ قسم کے احکام میں منفرد ہے۔ جیسے سورۃ النساء خواتین کے حقوق' وراثت اور قصاص کے احکام میں منفرد ہے۔

سورۃ المائدہ کے مضامین کا خلاصہ

اللہ سے کیے ہوئے ہر عہد کو پورا کرنے کا حکم' حرمت والے مہینوں اور تمام شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم' حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت' جن چیزوں کا کھانا حرام ہے' ان کا بیان' شکاری جانوروں کی تربیت اور آداب کا ضابطہ۔ اہل کتاب کے کھانوں اور ان کی عورتوں سے نکاح کے احکام۔ (المائدہ: ۵-۱)

وضو کی فرضیت کا بیان' حالت عذر میں تیمم کا حکم' مسلمانوں کو کفار کے شر اور فساد کے باوجود عدل و انصاف پر قائم رہنے کا

حکم' بنو اسرائیل سے اتباع شریعت کے عہد و میثاق لینے کا بیان اور اس عہد کے توڑنے کی وجہ سے ان کا لعنتی ہونا۔

(المائدہ: ۱۳-۶)

نصاریٰ سے میثاق لینے کا ذکر اور میثاق پورا نہ کرنے پر ان کے عذاب کا بیان' اھل کتاب کو دعوت اسلام' یہود اور نصاریٰ کے اس دعویٰ کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ بنو اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کا بیان' فتح و نصرت کی بشارت کے ساتھ ان کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم اور ان کی نافرمانی اور بزدلی کی سزا میں ان کا چالیس سال تک صحرا میں بھٹکنا۔

(المائدہ: ۲۶-۱۴)

قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا' ایک انسان کا قاتل تمام انسانوں کا قاتل ہے' ڈاکوؤں کی حد' مسلمانوں کو اتباع شریعت کا حکم' چوری کی حد' نبی ﷺ کی عدالت سے گریز کرنے کے لیے یہود کی سازشوں کا بیان اور ان کا رد۔ (المائدہ: ۴۵-۲۷)

نصاریٰ کو ان کا عہد یاد دلانا' قرآن مجید کا قول فیصل ہونا' اہل کتاب اگر اپنی بدعات سے باز نہیں آتے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑنا' مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بنانے کا حکم' یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعلق رکھنے کی بنا پر منافقوں کو زجر و توبیخ' اللہ کو منافقوں کی کوئی پرواہ نہیں' خواہ وہ مرتد ہو جائیں۔ (المائدہ: ۵۶-۴۶)

یہود کو دوست بنانے پر منافقوں کو سرزنش' یہود کی دھوکہ بازی اور ان کے علماء کی بے حمیتی پر سرزنش' یہود کے اللہ پر طنز کا جواب' یہود کا جنگ کی آگ بھڑکاتے رہنے کا بیان' اھل کتاب کو دعوت اسلام' یہود کا اللہ سے عہد و میثاق کرنے کے بعد اس کے خلاف کرنا اور نبیوں کو قتل کرنا۔ (المائدہ: ۷۱-۵۷)

نصاریٰ کے عقیدہ حلول اور تثلیث کا کفر ہونا' حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کا صحیح مرتبہ' بنو اسرائیل پر حضرت داؤد اور حضرت مسیح کا لعنت کرنا' اسلام دشمنی میں یہود' مشرکین قریش اور نصاریٰ کے مزاج کا فرق' عیسائیوں میں سے حق پرستوں کی تحسین۔ (المائدہ: ۸۶-۷۲)

از خود کسی حلال چیز کو حرام کرنے کی ممانعت' عہد پورا کرنے کی تاکید' قسم کے کفارہ کا بیان' شراب' جوئے' بت اور فال نکالنے کے تیروں کے حرام ہونے کا بیان' حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت' بلاضرورت سوال کرنے سے منع کرنا' بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام وغیرہ کو کفار کے حرام کہنے کی مذمت کرنا اور کفار جو اپنے آباء کی اندھی تقلید کرتے تھے' اس کا رد کرنا۔

(المائدہ: ۱۰۸-۸۷)

سفر میں وصیت پر گواہ مقرر کرنے کی ہدایت' گواہی کے آداب اور احکام' قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصاً اپنی امت کو تبلیغ کرنے کا بیان' حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا حضرت عیسیٰ سے نزول مائدہ (کھانے کا خوان) کی درخواست کرنا اور ان کے لیے آسمان سے مائدہ کا نازل ہونا' عیسائیوں کے الوہیت مسیح کے عقیدے سے حضرت عیسیٰ کا بیزار ہونا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گنہ گاروں کی شفاعت کرنا' اور اللہ کی عظمت اور کبریائی کا بیان۔

(المائدہ: ۱۲۰-۱۰۹)

سورۃ المائدہ کا اجمالی خاکہ بیان کرنے کے بعد میں اللہ کی توفیق اور اعانت سے سورۃ المائدہ کی تفسیر شروع کرتا ہوں۔ الٰہ العالمین! مجھے اس تفسیر میں ہدایت پر برقرار رکھنا اور خطاؤں اور لغزشوں سے بچانا۔ اس تفسیر کو اختتام تک پہنچانا' اسے اپنی اور اپنے رسول مکرم ﷺ کی بارگاہ میں اور مسلمانوں کے نزدیک مقبول بنانا اور اس کو قیامت تک فیض آفریں اور نفع آور رکھنا اور اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنانا اور محض اپنے فضل سے مجھے بخش دینا۔ آمین یا رب

العلمین بجاہ حبیبک سیدنا محمد قائد الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین رحمۃ للعلمین علیہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ افضل الصلوات واکمل التحیات الی یوم الدین۔

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ المائدہ مدنی ہے اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ

اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال

الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ

کیے گئے ہیں، ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آیندہ تلاوت کیا جائے گا لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا، بے شک

اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ

اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے ○ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی

اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ

نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے

الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا

پڑے ہوں، اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں، اور جب

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ

تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو، اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ

میں آنے سے روک دیا تھا تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو، اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے

المنزل الثانی ۲

وقف لازم

التَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

کی مدد کرو، اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

الترجمہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے عقود (عہدوں) کو پورا کرو

عقود کا لغوی اور عرفی معنی

عقود عقد کی جمع ہے۔ عقد کا معنی ہے کسی چیز کو پختگی اور مضبوطی کے ساتھ دوسری چیز کے ساتھ واصل کرنا' یا ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ گرہ باندھنا' عہد کا معنی ہے کسی چیز کو لازم کرنا اور عقد کا معنی ہے پختگی کے ساتھ کسی چیز کا التزام کرنا' یعنی اس لزوم کو ماننا' اور عقود سے مراد وہ عہود ہیں جو اللہ اور بندوں کے درمیان کیے گئے' یا وہ عہود ہیں جو بندوں نے آپس میں عقد بیع اور عقد نکاح وغیرہ کے ساتھ کیے' یا جو لوگوں نے ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے عہد کیے' یا جس چیز پر حلف اٹھا کر عہد کیا۔

عقود کا شرعی معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اے ایمان والو! اپنے عقود کو پورا کرو" اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات' اس کے احکام اور اس کے افعال کو ماننے اور قبول کرنے کا نام ایمان ہے' اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان والے اس کے تمام احکام پر عمل کریں اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے' ان سے باز رہیں۔ لہٰذا جو شخص ایمان لاتا ہے' اس کا ایمان اس عقد اور عہد کو متضمن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو بجالائے گا' تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم نے اللہ پر ایمان لا کر جس عقد کا التزام کر لیا ہے' اس کو پورا کرو۔

اس آیت میں عقود سے کیا مراد ہے؟ اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں' اس کی اطاعت کریں' جن چیزوں کو اس نے حلال کیا ہے' ان کو حلال قرار دیں اور جن کو اس نے حرام کیا ہے' ان کو حرام قرار دیں۔

ابن زید اور زید بن اسلم نے کہا اس سے مراد وہ عقد اور عہد ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ مثلاً قسم کھا کر معاہدہ کرنا' عقد نکاح اور عقد بیع وغیرہ

مجاہد نے بیان کیا اس سے مراد وہ عقود ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے کرتے تھے

قتادہ نے کہا "اس سے مراد وہ عقود ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے تورات اور انجیل میں لیے تھے کہ وہ نبی ﷺ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی کتاب پر ایمان لائیں گے"۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٦٦-٦٤' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

عقود کی اقسام

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ عقد کی تین قسمیں ہیں:

(١) اللہ اور بندہ کے درمیان عقد

(٢) بندہ اور اس کے نفس کے درمیان عقد

(٣) ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ عقد۔

جو عقد اللہ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا موجب عقل ہے یا شرع ہے۔ عقل سے مراد یا تو بداہت عقل ہے کیونکہ انسان کی عقل میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نور رکھا ہے جس سے انسان اپنے خالق کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور یا عقل سے مراد یہ ہے کہ انسان مخلوق میں غور و فکر کرے تو ہر چیز کا ایک نظم اور ضبط کے ساتھ کام کرنا اور نظام کائنات میں کسی فرق اور رخنہ کا واقع نہ ہونا' زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق وحدہ لا شریک ہے' اور یا اس عقد کا موجب شرع ہے اور شرع سے مراد کتاب اور سنت ہے۔ سو کتاب اور سنت میں اللہ تعالیٰ کے جو احکام بیان کیے گئے ہیں' بندہ ایمان لانے کے بعد ان سب پر عمل کرنے کا اللہ سے عقد کر لیتا ہے۔ جو عقد بندہ اور اس کے نفس کے درمیان ہے' اس سے مراد ہے بندہ کا نذر مان لینا۔ اگر وہ کسی عبادت کی اور کار خیر کی نذر مان لیتا ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اگر وہ کسی مباح کام کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے' مثلاً یہ کہ وہ اونٹ کا گوشت یا شہد نہیں کھائے گا تو اس قسم کو پورا کرنا مستحب ہے۔ اور اس کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر وہ کسی معصیت کی یا کسی عبادت کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے تو اس قسم کو پورا کرنا حرام ہے' اور اس کو توڑنا واجب ہے۔

اور جو عقد ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان ہوتا ہے' جیسے عقد بیع' عقد نکاح وغیرہ۔ ان کا حکم معقود علیہ کے اعتبار سے ہے۔ جس چیز پر عقد کیا ہے اگر وہ واجب ہے تو عقد واجب ہے' مثلاً غلبہ شہوت کے وقت نکاح واجب ہے تو یہ عقد واجب ہے۔ اگر وہ سنت ہے تو عقد سنت ہے' جیسے عام حالات میں عقد نکاح۔ اگر وہ جائز ہے تو عقد جائز ہے' جیسے بیع شراء۔ اگر وہ مکروہ ہے تو عقد مکروہ ہے' جیسے نبیذ کی بیع۔ اگر وہ حرام ہے تو عقد حرام ہے' جیسے خمر اور خنزیر کی بیع ہے۔ اسی طرح عقد اجارہ (کرایہ) کی اقسام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں

بھیمۃ الانعام کا معنی

بھیمہ اس جاندار کو کہتے ہیں جو بے عقل ہو اور عرف میں یہ سمندر اور خشکی کے چار پاؤں والے جانوروں کے ساتھ خاص ہے اور انعام اونٹ' گائے اور بکریوں کو کہتے ہیں اور جو جانور ان کے ساتھ ملحق ہیں' جیسے بھینس' بھیڑ' اور ہرن وغیرہ۔

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (المومن: ٧٩)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنائے' تاکہ تم ان میں سے بعض پر سوار ہو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ..... ○ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ..... ○ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ..... ○ (الانعام: ١٤٢-١٤٤)

اور بعض (قد آور) چوپائے (پیدا کیے) بوجھ اٹھانے والے اور بعض زمین سے لگے ہوئے کھاؤ اس رزق سے جو اللہ نے تمہیں دیا۔ آٹھ جوڑے پیدا کیے' بھیڑ سے دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ......) اور اونٹ سے دو پیدا کیے اور گائے سے دو پیدا کیے۔

ان آیتوں میں آٹھ چوپایوں' بھیڑ' بکری' اونٹ اور گائے کے جوڑوں پر انعام کا اطلاق فرمایا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے المائدہ کی تیسری آیت میں جن چوپایوں کا استثناء فرمایا ہے' ان کے علاوہ باقی تمام جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد ان کو کھانا اور ان سے بار برداری وغیرہ کے دیگر منافع حاصل کرنا جائز ہیں۔

جانوروں کے ذبح کرنے پر اعتراض کا جواب

مجوسی اور ہندوؤں کے بعض فرقے یہ کہتے ہیں کہ جانوروں کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ یہ جانور بے زبان ہیں اور اپنے خلاف مدافعت نہیں کر سکتے اور ان کو پکڑ کر زبردستی ذبح کر دینا ظلم ہے اور کسی پر ظلم کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض مسلمانوں نے اس کے جواب میں کہا کہ ذبح کے وقت ان کو تکلیف نہیں ہوتی اور اللہ ان سے اس تکلیف کو اٹھالیتا ہے۔ لیکن اس جواب میں مکابرہ ہے اور بداہت کا انکار ہے۔ معتزلہ نے کہا' درد اور تکلیف مطلقاً قبیح نہیں ہے' انسان سرجری اور جراحی کرتا ہے' تاکہ اس عمل جراحی کے ذریعہ اس کو کسی بڑی تکلیف سے نجات مل جائے۔ اسی طرح ان جانوروں کو آخرت میں ذبح کی اس تکلیف کے بدلہ بہت عمدہ عوض ملے گا' اس لیے یہ قبیح نہیں ہے اور اہل سنت نے یہ کہا کہ چوپایوں کو ذبح کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے' اور اللہ ہر چیز کا مالک ہے' اور وہ ہر طرح تصرف کر سکتا ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے' ظلم اس وقت ہوتا جب غیر کی ملک میں تصرف کیا جاتا' اور جب ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے' تو پھر جب وہ اپنی ملک میں کوئی تصرف کرے تو کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا۔ (المائدہ: ١)

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس استثناء کا بیان (المائدہ: ٣) میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

مردار' رگوں کا بہا ہوا خون' خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو' اور گلا گھٹ جانے والا' اور چوٹ سے مارا ہوا اور اوپر سے گرا ہوا' اور جس کو درندے نے کھالیا ہو مگر جس کو تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کر لیا اور جس کو بتوں کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو (یہ سب) تم پر حرام کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا' بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ (المائدہ: ١)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھیمۃ الانعام (چوپایوں) کو حلال فرمایا تھا۔ اب یہ فرمایا ہے کہ جو چوپائے شکار ہوں' وہ حالت احرام میں حلال نہیں ہیں' اور جب احرام کھول دیا ہو' تو حلال ہیں۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ محرم کے لیے ہر قسم کا شکار کرنا جائز نہیں ہے' لیکن ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم پر صرف خشکی کا شکار کرنا ممنوع ہے' اور سمندری شکار کرنا جائز ہے' قرآن مجید میں ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا (المائدہ: ٩٦)

تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام (اس کی پھینکی ہوئی مچھلیاں وغیرہ) حلال کر دی گئی ہیں' تمہارے لیے (بھی) اور تمہارے مسافروں کے لیے (بھی) اور جب تک تم محرم ہو' تم پر خشکی کا شکار کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے محرم پر خشکی کا شکار کرنا حرام کیا ہے' اور سمندر کا شکار حلال کر دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا مالک اور خالق ہے اور کسی عام حکم میں کسی چیز کو مستثنیٰ کرنے یا کسی چیز کی

تخصیص کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بے شک اللہ جو چاہتا ہے' حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو' اور نہ حرمت والے مہینہ کی' اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی' اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں۔ (المائدہ: ٢)

شعائر اللہ کا لغوی اور شرعی معنی

شعائر شعیرہ کی جمع ہے' ہر وہ چیز جس کو کسی چیز کی علامت قرار دیا جائے' اس کو شعیرہ' شعار اور مشعرہ کہتے ہیں۔ جس ھدی (قربانی کے جانور) کو مکہ بھیجا جاتا ہے' اس کے گلے میں ہار' جوتا' یا درخت کی چھال ڈال دیتے ہیں۔ اس کو بھی شعار کہتے ہیں۔

شعائر کی شرعی تعریف میں حسب ذیل اقوال ہیں:

عطاء نے کہا کہ شعائر اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے اجتناب کیا جائے' اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شعائر اللہ سے مراد ہے اللہ کی حدود کی علامتیں' اس کا امر' اس کی نہی' اس کے مقرر کیے ہوئے فرائض اور محرمات۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا شعائر اللہ سے مراد ہیں مناسک حج۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مشرکین کعبہ کا حج کرتے تھے' ھدی بھیجتے تھے' مشاعر کی تعظیم کرتے تھے اور سفر حج میں تجارت کرتے تھے۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کہ اے ایمان والو! شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرو۔

مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا: شعائر اللہ سے مراد ہے صفا' مروہ' ھدی اور دوسرے مشاعر۔

(جامع البیان' جز ٦' ص ٧٤-٧٣' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

حرمت والے مہینوں' ھدی اور قلائد کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور نہ حرمت والے مہینہ کی بے حرمتی کرو" حرمت والے مہینوں کا بیان اس حدیث میں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں۔

"حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زمانہ گھوم کر اسی ہیئت پر آچکا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا' سال میں بارہ مہینہ ہیں' ان میں سے چار حرمت والے مہینہ ہیں۔ تین مہینہ متواتر ہیں۔ ذوالقعدہ' ذوالحجہ اور محرم' رجب مضر کا مہینہ جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے' الحدیث۔

(صحیح البخاری' ج ٥' رقم الحدیث: ٤٤٠٦)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ ھدی کی (بے حرمتی کرو)

ھدی کا معنی ہے: وہ اونٹ' بکری' یا گائے جس کو بیت اللہ میں ہدیہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ قلائد کی (بے حرمتی کرو)

قلائد قلادہ کی جمع ہے' ھدی کے گلے میں قربان کیے جانے کی نشانی کے طور پر اون کا ہار' یا جوتی یا درخت کی چھال ڈال دی جاتی ہے۔ اس کو قلادہ کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کے گلوں میں قلائد ڈالے جاتے ہیں۔ اور ابن زید نے یہ کہا ہے کہ جو شخص حرم کے درخت کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لیتا تھا' وہ مامون قرار دیا جاتا' اور جہاں چاہتا چلا جاتا' اور قلائد کا یہی معنی ہے (جامع البیان' ج ٦' ص ٧٦) حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کا معنی ہے' ان مہینوں میں قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی جائے' اور ھدی کی بے حرمتی کا معنی ہے ان جانوروں کو ان کے مالکوں سے چھین لیا جائے یا ان کو کعبہ میں نہ پہنچنے دیا جائے' اور

قلائد کی بے حرمتی کا معنی یہ ہے کہ ہدی کے گلے سے قلادہ اتار لیا جائے' یا اس کو نوچ' کھسوٹ کر خراب کر دیا جائے' یا جس شخص نے اپنے جسم پر حرم کے درخت کی چھال لپیٹ لی ہو' اس کی بے حرمتی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نہ ان لوگوں کی (بے حرمتی کرو) جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں (المائدہ: ٢)

آیت مذکورہ کا شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا' اس آیت میں حجاج پر لوٹ مار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حطم نبی ﷺ کے پاس آیا' تاکہ آپ کی دعوت کے متعلق غور و فکر کرے' اس نے آپ سے کہا: میں اپنی قوم کے سامنے آپ کی دعوت پیش کروں گا۔ آپ بتلائیے کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' اور نماز قائم کرو' اور زکوٰۃ ادا کرو' اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھو' اور بیت اللہ کا حج کرو۔ حطم نے کہا آپ کے اس دین میں سختی ہے۔ میں اپنی قوم کے پاس جا کر آپ کی دعوت کا ذکر کروں گا' اگر انہوں نے اس دین کو قبول کر لیا تو میں بھی ان کے ساتھ قبول کر لوں گا' اور اگر انہوں نے اس سے پیٹھ پھیر لی تو میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا۔

آپ نے اس سے فرمایا: تم واپس جاؤ' جب وہ چلا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا یہ میرے پاس کافر چہرے کے ساتھ آیا اور میرے پاس سے دھوکہ دیتا ہوا نکلا۔ جب وہ اہل مدینہ کی چراگاہوں کے پاس سے گزرا تو آپ کے اصحاب نے اس کو پکڑنا چاہا' لیکن وہ نکل گیا اور یمامہ پہنچ گیا۔ وہ حج کے موقع پر سامان تجارت لے کر آیا' صحابہ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ اس کو پکڑ کر اس کا سامان اس سے چھین لیں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی۔ اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٧٩' مطبوعہ دار الفکر' ١٤١٥ھ' بیروت)

آیت مذکورہ کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے میں اختلاف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ کسی شخص کو بیت اللہ کے حج سے منع کریں یا اس کو کوئی تکلیف پہنچائیں' خواہ وہ مومن ہو یا کافر' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ (التوبہ: ٢٨)

اے ایمان والو! تمام مشرک محض ناپاک ہیں' وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ۔ (التوبہ: ١٧)

مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں' درآنحالیکہ وہ اپنی جانوں کے کفر پر گواہ ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام میں آنے سے منع فرمادیا۔

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے' زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص حج کے لیے روانہ ہوتا اور ھدی کے گلے میں قلادہ ڈالتا تو کوئی شخص اس پر حملہ نہ کرتا' ان دنوں میں مشرک کو بیت اللہ میں جانے سے منع نہیں کیا جاتا تھا اور ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ حرمت والے مہینوں میں اور بیت اللہ کے پاس قتال نہ کریں' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ' ان کو قتل کردو۔

(التوبہ: ٣)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مجاہد نے یہ کہا ہے: کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا' زمانہ جاہلیت میں لوگ حج کے لیے جانے والوں کو لوٹ لیتے تھے' اور ان مہینوں میں قتال بھی کرتے تھے' اسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کاموں کو حرام کردیا' سو اس آیت کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے: کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا' کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مشرکین کے خلاف سال کے تمام مہینوں میں قتال کرنا جائز ہے' خواہ وہ حرمت والے مہینے ہوں یا نہ ہوں۔ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر مشرک اپنے گلے میں حرم کے تمام درختوں کی چھال بھی ڈال لے' تب بھی اس کا یہ فعل اس کے لیے قتل سے پناہ نہیں ہوگا' جب تک کہ اس سے پہلے اس نے مسلمانوں سے پناہ نہ حاصل کرلی ہو' یا کوئی معاہدہ نہ کرلیا ہو۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٨٣-٧٩' ملخصاً مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤٠٥ھ)

امام رازی نے لکھا ہے جو علماء اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں' وہ اس آیت میں تخصیص کے قائل ہیں۔ ان میں سے بعض علماء نے یہ کہا کہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ جو مسلمان بیت اللہ کی زیارت کے قصد کے لیے روانہ ہوں ان کی ھدی کو لوٹنا اور ان پر حملہ کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ شعائر اللہ کو حلال نہ کرو۔ اور شعائر اللہ کا اطلاق مسلمانوں کی قربانیوں اور ان کی عبادتوں ہی کے لائق ہے' نہ کہ کفار کی قربانیوں کے اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: جو لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا کو تلاش کرتے ہیں' اور یہ بھی مسلمانوں کے لائق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت ابتداء مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے' کفار کو شامل ہی نہیں ہے' حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ یہ آیت بعد میں منسوخ ہو گئی۔

ابو مسلم اصفہانی نے یہ کہا: کہ اس آیت کے عموم میں وہ کافر داخل تھے جو نبی ﷺ کے عہد میں تھے اور جب سورۃ توبہ کے نازل ہونے کے بعد ان سے معاہدہ ختم کردیا گیا' تو اب وہ کافر اس آیت کے عام حکم میں داخل نہیں رہے۔

(تفسیر کبیر' ج ٣' ص ٣٥٤' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو (المائدہ: ٢)

صیغہ امر کے مواضع استعمال

اس آیت میں "فاصطادوا" (شکار کرو) امر کا صیغہ ہے' امر کا صیغہ متعدد معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں مشہور چھبیس معانی ہیں۔

١- وجوب کے لیے جیسے "واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ" (البقرۃ: ٤٣) "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو"

٢- استحباب کے لیے جیسے "فکاتبوھم" (النور' ٣٣) تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں انہیں مکاتب کردو۔

۳- ارشاد (دنیاوی مصلحت کی طرف رہنمائی کرنے) کے لیے مثلاً "واشھدوا اذا تبایعتم" (البقرۃ: ۲۸۲) "اور جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالو" استحباب اور ارشاد میں یہ فرق ہے کہ استحباب میں اخروی ثواب مطلوب ہوتا ہے' اور ارشاد میں دنیاوی فائدہ اور مصلحت۔

۴- اباحت کے لیے "فکلوا مما امسکن علیکم" (المائدہ: ۴) "سو اس (شکار) سے کھاؤ جسے وہ (شکاری جانور مار کر) تمہارے لیے روک رکھیں" اس کی دوسری مثال زیر بحث آیت ہے "واذا حللتم فاصطادوا" (المائدہ: ۲) اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو"

۵- اکرام (عزت افزائی) کے لیے مثلاً "ادخلوھا بسلام امنین" (الحجر: ۴۶) "تم ان جنتوں میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ"

۶- امتنان (احسان فرمانے) کے لیے مثلاً کلوا مما رزقکم اللہ (الانعام: ۱۴۲) "اللہ نے جو تمہیں رزق دیا ہے اس سے کھاؤ"۔

۷- اہانت (رسوا کرنے) کے لیے مثلاً "ذق انک انت العزیز الکریم" (الدخان: ۴۹) "لے چکھ عذاب کا مزہ' بے شک تو ہی بڑا معزز مکرم ہے"

۸- تسویہ (دو چیزوں میں مساوات بیان کرنے کے لیے) مثلاً "اصلوھا فاصبروا او لا تصبروا سواء علیکم" (الطور: ۱۶) "اس آگ میں داخل ہو جاؤ' پھر تم صبر کرو یا صبر نہ کرو' تم پر برابر ہے"

۹- تعجب کے لیے مثلاً "اسمع بھم وابصر یوم یاتوننا" (مریم: ۳۸) "وہ کیسا سنتے ہوں گے اور کیسا دیکھتے ہوں گے' جس دن وہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے"۔

۱۰- تکوین (کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے) کے لیے مثلاً "کن فیکون" (البقرۃ: ۱۱۷) "ہو' سو وہ ہو جاتا ہے"

۱۱- احتقار کے لیے مثلاً "القوا ما انتم ملقون" (یونس: ۸۰) "ڈالو جو تم ڈالنا چاہتے ہو"

۱۲- اخبار کے لیے مثلاً "فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا" (التوبہ: ۸۲) "سو انہیں چاہیے کہ تھوڑا ہنسیں اور روئیں زیادہ"

۱۳- تہدید (ڈرانے اور دھمکانے کے لیے) مثلاً "اعملوا ما شئتم" (حم السجدہ: ۴۰) "تم جو چاہو کیے جاؤ" اس کی ایک اور یہ مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا: "واستفزز من استطعت منھم بصوتک" (بنی اسرائیل: ۶۴) تو ان میں سے جن کو اپنی آواز سے ڈگمگا سکتا ہے' ڈگمگا دے"

۱۴- انذار (ڈرانے) کے لیے۔ یہ بھی قسم اول کے قریب ہے۔ مثلاً "قل تمتعوا" (ابراہیم: ۳۰) "آپ کہیے (چند روزہ) فائدہ اٹھا لو"

۱۵- تعجیز (عاجز کرنے) کے لیے' مثلاً "فاتوا بسورۃ من مثلہ" (البقرۃ: ۲۳) "سو اس قرآن کی مثل کوئی سورت لے آؤ"

۱۶- تسخیر کے لیے مثلاً "کونوا قردۃ خسئین" (البقرۃ: ۶۵) "دھتکارے ہوئے بندر ہو جاؤ"

۱۷- تمنی کے لیے مثلاً امرؤ القیس کے شعر میں ہے "الا ایھا اللیل الطویل انجلی" "سن اے لمبی رات! تو ظاہر ہو جا"

۱۸- تادیب (ادب سکھانے) کے لیے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: "کل مما یلیک" (صحیح بخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۵۳۷۷) "تم اپنے آگے سے کھاؤ"

۱۹- امتثال (کسی کی اطاعت شعاری بیان کرنے کے لیے) کوئی شخص کسی سے کہے' مجھے پانی پلاؤ۔

۲۰- اجازت دینے کے لیے مثلاً کوئی شخص دروازہ کھٹکھٹانے والے سے کہے 'اندر آجاؤ۔

۲۱- انعام کے لیے مثلاً "کلوا من طیبت ما رزقنکم" (البقرہ: ۵۷) "ہماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے کھاؤ"

۲۲- تکذیب کے لیے مثلاً "قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صدقین" (آل عمران: ۹۳) "آپ کہئے کہ تورات لے کر آؤ' اور اس کو پڑھو' اگر تم سچے ہو"

۲۳- مشورہ کے لیے' مثلاً حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل سے فرمایا: "فانظر ماذا تری" (الصفت: ۱۰۲) "تو اب تم غور کرو' تمہاری کیا رائے ہے؟"

۲۴- اعتبار (تدبر) کرنے کے لیے مثلاً "انظروا الی ثمرہ اذا اثمر و ینعہ" (الانعام: ۹۹) "دیکھو درخت کے پھل کی طرف' جب اس کو پھل لگے اور اس کے پکنے کی طرف"

۲۵- تفویض کے لیے' مثلاً ایمان لانے والے ساحروں نے فرعون سے کہا: "فاقض ما انت قاض" (طٰہٰ: ۷۲) "تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے سو کر"

۲۶- دعا کے لیے مثلاً "واعف عنا واغفرلنا وارحمنا" (البقرۃ: ۲۸۶) "ہم کو معاف فرما اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما"۔

۲۷- تخییر کے لیے مثلاً "ھذا عطاءنا فامنن او امسک بغیر حساب" (ص: ۳۹) یہ ہماری عطا ہے' تو آپ (جس پر چاہیں) احسان کریں' اور جس سے چاہیں احسان روک رکھیں۔ آپ سے کچھ باز پرس نہیں ہوگی۔

(کشف الاسرار' ج ۱' ص ۵۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۱۱ھ۔ توضیح و تلویح' ج ۱' ص ۲۸۳' ۲۸۲)

تقاضائے امر کے واحد ہونے پر دلیل

ابن جریج نے کہا' امر ان مختلف معانی میں استعمال کیا جاتا ہے' اس لیے اس کا مقتضی توقف ہے۔ حتیٰ کہ کسی قرینہ سے معلوم ہو جائے کہ یہاں پر کون سا معنی مراد ہے؟ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے' کیونکہ اگر امر کا مقتضی توقف ہو تو پھر نہی کا مقتضی بھی توقف ہونا چاہیے' کیونکہ نہی کا استعمال بھی متعدد معانی میں ہوتا ہے۔ کبھی نہی تحریم کے لیے ہوتی ہے مثلاً "لا تاکلوا الربوا" (آل عمران: ۱۳۰) "سود نہ کھاؤ" اور کبھی تنزیہ کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً "ولا تمنن تستکثر" (المدثر: ۶) "اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کیجئے" اور کبھی تحقیر کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً "ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منھم" (الحجر: ۸۸) "آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر بھی ان چیزوں کو نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے گروہوں کو کچھ فائدہ اٹھانے کے لیے دے رکھی ہیں" اور کبھی ارشاد کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً "لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم" (المائدہ: ۱۰۱) "ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جو اگر تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں" اور کبھی شفقت کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا یمش احدکم فی نعل واحد" (ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۷۸۱) "تم میں سے کوئی شخص ایک جوتی پہن کر نہ چلے" اور اگر نہی کا مقتضی بھی توقف ہو تو پھر امر اور نہی میں کوئی فرق نہیں رہے گا' حالانکہ فعل کی طلب اور ترک فعل کی طلب میں فرق بداہتہً ثابت ہے۔

امر کا مقتضیٰ وجوب ہونے پر دلائل

عام علماء اور فقہاء کے نزدیک امر کا مقتضیٰ واحد ہے' کیونکہ امر کا ان معانی میں مشترک ہونا خلاف اصل ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ واحد مقتضیٰ اباحت ہے' کیونکہ یہ امر کا ادنیٰ درجہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک امر کا مقتضیٰ استحباب ہے' کیونکہ امر میں فعل کی جانب وجود کو ترجیح دینا ضروری ہے اور اس کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے اور اکثر علماء کے نزدیک امر کا مقتضیٰ وجوب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ (النور: ٦٣)

جو لوگ رسول کے امر (حکم) کی مخالفت کرتے ہیں' وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی آفت پہنچے یا انہیں دردناک عذاب پہنچ جائے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے پر عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر کے مقتضیٰ پر عمل کرنا واجب ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۝ (الاحزاب: ٣٦)

اور نہ کسی مسلمان مرد کے لیے یہ جائز ہے اور نہ کسی مسلمان عورت کے لیے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دے دیں' تو ان کے لیے اس حکم میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو' اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے' وہ بے شک کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے امر کے مقتضیٰ پر عمل کرنا واجب ہے' اور اس میں کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہے' اور اللہ اور اس کے رسول کے امر پر عمل نہ کرنا گمراہی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (الاعراف: ١٢)

(اللہ نے) فرمایا: تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے منع کیا تھا؟ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے سجدہ نہ کرنے کی اس لیے مذمت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سجدہ کا امر کیا تھا اور یہ مذمت اسی وقت ہوگی جب امر وجوب کے لیے ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے شکوہ کرتے ہوئے فرمایا: "افعصیت امری" (طٰہٰ: ٩٣) "کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

وَلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا (الکہف: ٦٩) میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

ان دونوں صورتوں میں امر کی خلاف ورزی اسی وقت لائق مواخذہ ہوگی جب امر کا مقتضیٰ وجوب ہو' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم: ٦)

(فرشتے) اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے۔

حکم پر عمل نہ کرنا معصیت اسی وقت ہوگا جب حکم پر عمل کرنا واجب ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ اور جب ان سے کہا جاتا ہے' نماز پڑھو' تو وہ نماز نہیں پڑھتے۔ (المرسلات: ۴۸)

ان کی مذمت اس وجہ سے کی گئی ہے کہ ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی' اور یہ مذمت اسی وقت درست ہوگی' جب ان کو نماز پڑھنے کا حکم وجوب کے لیے ہو۔

قرآن مجید کی ان آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ امر کا مقتضیٰ واحد ہے' اور وہ مقتضیٰ وجوب ہے۔ اسی طرح لوگوں کا عرف ہے کہ جب وہ کسی فعل کو جزماً اور حتماً طلب کرتے ہیں' تو امر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔

ممانعت کے بعد امر کے مقتضیٰ کی تحقیق

جب پہلے کسی فعل سے منع کیا جائے اور پھر بعد میں امر کے صیغہ سے اس فعل کو طلب کیا جائے' تب بھی امر کا مقتضیٰ وجوب ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں بعض علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا: ممانعت کے بعد اس فعل کا امر استحباب کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورۃ جمعہ میں فرمایا: "جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو بیع (کاروبار) کو چھوڑ دو' اور اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو"۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ" اور:

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (الجمعہ: ۱۰) اللہ کے فضل کو تلاش کرو (یعنی بیع' کاروبار کرو)

اس آیت میں ممانعت کے بعد رزق طلب کرنے اور کاروبار کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے' وہ بطور استحباب ہے۔

اور بعض علماء نے کہا کہ ممانعت کے بعد امر کا صیغہ اباحت کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ المائدہ میں پہلے اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں شکار کرنے سے منع فرمایا' اس کے بعد فرمایا:

إِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (المائدہ: ۲) جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں استحباب اور اباحت قرینہ سے ثابت ہے' کیونکہ رزق طلب کرنے اور شکار کرنے کا حکم بندوں کو ان کی منفعت حاصل کرنے کے لیے دیا گیا ہے' اگر اس حکم کو واجب قرار دے دیا جائے تو یہ نفع ضرر سے منقلب ہو جائے گا' کیونکہ پھر جو بیع نہیں کرے گا' یا شکار نہیں کرے گا' وہ گنہ گار ہوگا اور جو معنی کسی قرینہ کی بناء پر کیا جائے' وہ مجاز ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت کے بعد بھی امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

ممانعت کے بعد امر کے وجوب کے لیے ہونے کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں مشرکین کے خلاف قتل سے منع فرمایا اور ان مہینوں کے بعد ان سے قتال کرنے کا حکم دیا' اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبہ: ۵) پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو قتل کرو' جہاں انہیں پاؤ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی ﷺ کے گھر میں بلا اذن داخل ہونے سے منع فرمایا' پھر فرمایا: جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو اور ممانعت کے بعد یہ داخل ہونے کا حکم بھی وجوب کے لیے ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ اے ایمان والو! جب تک تمہیں کھانے کے لیے بلایا نہ جائے' نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو' پہلے سے آکر کھانا پکنے کا

وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا (الاحزاب: ٥٣) انتظار نہ کرو' ہاں جب بلایا جائے تو آجاؤ۔

اسی طرح حیض اور نفاس میں مبتلا عورتوں کو نماز اور روزے سے منع کیا گیا اور حیض اور نفاس منقطع ہونے کے بعد نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا' اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح حالت نشہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا اور اس عارض کے زوال کے بعد نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا' اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان شخص کو حالت اسلام میں اور کافر کو عہد ذمہ کی وجہ سے قتل کرنے سے منع کیا گیا' لیکن اس کے مرتد ہونے' یا ڈاکہ ڈالنے کی وجہ سے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا' یا شادی شدہ کے زنا کی وجہ سے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا گیا' اور یہ حکم بھی وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے ہاتھ اور پیر کاٹنا ممنوع ہیں' لیکن چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹنا واجب ہیں۔ ان مثالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی کام سے منع کرنے کے بعد جب اس کام کا امر کیا جائے تو سابقہ ممانعت اس امر کے وجوب کے منافی نہیں ہے اور اس امر کے اباحت یا استحباب کے لیے ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ امام شافعی اور بعض حنابلہ کے نزدیک ممانعت کے بعد امر اباحت کے لیے ہوتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ' امام مالک اور شوافع میں سے محققین' مثلاً امام رازی اور قاضی بیضاوی او جمہور اصولیین کے نزدیک ممانعت کے بعد بھی امر وجوب ہی کے لیے ہوتا ہے اور فقہاء احناف میں سے کمال الدین ابن الہمام کے نزدیک ممانعت سے پہلے امر کا جو مقتضیٰ ہو ممانعت کے بعد بھی وہی مقتضیٰ ہوتا ہے۔ اگر وجوب ہو تو وجوب اور استحباب ہو تو استحباب۔

(توضیح و تلویح' ج ۱' ص ۲۸۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع۔ وکشف الاسرار' ج ۱' ص ۲۸۲-۲۷۹' ملخصاً)

نبی ﷺ کے افعال سے وجوب کا ثابت نہ ہونا

صدر الشریعہ علامہ عبید اللہ بن مسعود لکھتے ہیں:

امر کا اطلاق جمہور کے نزدیک قول پر حقیقتاً ہے اور فعل پر امر کا اطلاق مجازاً ہے۔ اس میں بھی اتفاق ہے اور بعض کے نزدیک نبی ﷺ کے فعل پر بھی امر کا اطلاق حقیقتاً ہے۔ کیونکہ آپ کا فعل حقیقتاً امر ہے اور ہر امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور فعل پر امر کے اطلاق کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما امر فرعون برشید" (ھود: ۹۷) "اور فرعون کا فعل درست نہ تھا" اور نبی ﷺ نے فرمایا "صلوا کما رایتمونی اصلی" (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۳۱) "اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو"

ہم کہتے ہیں کہ امر کا اطلاق فعل پر حقیقتاً نہیں ہے' اور مشترک ہونا خلاف اصل ہے' کیونکہ جب کوئی شخص کوئی کام کرے اور یہ نہ کہے کہ یہ کام کرو تو اس کے اس فعل سے امر کی نفی کرنا صحیح ہے' اور سورۂ ھود کی آیت میں جو فعل کو امر فرمایا ہے' وہ مجاز ہے اور اگر بالفرض ہم یہ مان لیں کہ فعل پر امر کا اطلاق حقیقت ہے' تب بھی دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ امر قولی وجوب کے لیے ہوتا ہے نہ کہ فعلی' کیونکہ جو دلائل اس پر پیش کیے گئے ہیں کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے' وہ سب امر قولی سے متعلق ہیں۔ مثلاً یہ آیت:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ وہ لوگ ڈریں جو رسول کے امر (حکم) کی مخالفت کرتے ہیں۔ (النور: ٦٣)

اس آیت میں امر سے مراد امر قولی ہے اور اس کو امر فعلی پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے۔

اور امر قولی مقصود (ایجاب) کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے اور ترادف خلاف اصل ہے' اور نبی ﷺ نے جو فرمایا: "صلوا کما رایتمونی اصلی" اس حدیث میں ایجاب آپ کے قول صلوا سے مستفاد ہوا ہے۔ علاوہ ازیں جب

آپ نے وصال کے روزے رکھے اور آپ کو دیکھ کر صحابہ نے وصال کے روزے رکھ لیے اور جب آپ نے نماز میں نعلین اتاریں اور آپ کو دیکھ کر آپ کے اصحاب نے بھی اپنی نعلین اتاریں تو آپ نے ان کو منع فرمایا' حالانکہ دونوں صورتوں میں آپ کے اصحاب نے آپ کے فعل کی اتباع کی تھی۔ ان حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ فعل وجوب کے لیے نہیں ہوتا۔

(توضیح مع تنقیح' ج ١' ص ٢٨١-٢٧٨' مختصراً' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ٧٩١ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے کوئی فعل منقول ہو' پس اگر وہ فعل سہو ہو یا طبعی ہو یا آپ کا خاصہ ہو تو اس سے اجماعاً وجوب ثابت نہیں ہوتا اور اگر وہ فعل قرآن مجید کی کسی مجمل آیت کا بیان ہو تو اس سے اجماعاً وجوب ثابت ہوتا ہے' اور اگر وہ فعل ان کے ماسوا ہو تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ نبی ﷺ نے حقیقتاً ہم کو اس فعل کا امر فرمایا ہے اور ہم پر اس فعل کی اتباع واجب ہے یا نہیں؟ سو بعض نے کہا ہاں اور اکثر نے کہا نہیں' اور یہی مختار ہے۔

(تلویح مع توضیح' ج ١' ص ٢٧٨' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

علامہ عبدالعزیز بن احمد بخاری متوفی ٧٣٠ھ لکھتے ہیں:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے' آپ نے اپنی نعلین اتاریں اور ان کو اپنی بائیں جانب رکھ دیا' جب قوم نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری کر لی تو آپ نے فرمایا تم لوگوں کے جوتیاں اتارنے کا کیا سبب تھا؟ صحابہ نے کہا ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنی جوتیاں اتاریں تو ہم نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ ان جوتیوں میں کوئی نجاست یا گھناؤنی چیز ہے اور فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اچھی طرح دیکھ لے۔ اگر اس کی جوتیوں میں کوئی نجاست یا گھناؤنی چیز ہو تو اس کو کھرچ کر صاف کر لے' پھر ان جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ (سنن ابوداؤد' ج ١' رقم الحدیث: ٦٥٠)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم وصال کے روزے نہ رکھو' صحابہ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! آپ وصال کے روزے رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں۔ مجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔ یا فرمایا: میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں' کھلایا اور پلایا جاتا ہوں۔

(صحیح البخاری' ج ١' رقم الحدیث: ١٩٦١)

ان حدیثوں میں اس پر واضح دلیل ہے کہ نبی ﷺ کا فعل کسی چیز کو واجب نہیں کرتا' کیونکہ اگر آپ کا فعل آپ کے امر کی طرح موجب ہوتا تو پھر آپ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں تھی' جیسے اگر آپ کسی چیز کا امر فرمائیں اور صحابہ اس پر عمل کریں۔

(کشف الاسرار' ج ١' ص ٢٥٠-٢٤٩' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت)

نبی ﷺ کے افعال کے سنت' مستحب اور واجب ہونے کا ضابطہ

جس فعل کو آپ نے احیاناً (کبھی کبھی) کیا ہو اور غالب اوقات میں ترک کیا ہو' وہ سنت غیر مؤکدہ یا سنت مستحبہ ہے اور جس کو آپ نے غالب اوقات میں کیا ہو اور احیاناً ترک کیا ہو' وہ سنت مؤکدہ ہے اور جس پر آپ نے مواظبت فرمائی ہو' اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو' وہ فعل واجب ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ٥٩٣ھ لکھتے ہیں: "صحیح یہ ہے کہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ نبی

ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ میں اس پر مواظبت (دوام) فرمائی ہے اور مواظبت سنت کی دلیل ہے"

(ھدایہ اولین 'ص ۲۲۹ 'مطبوعہ شرکت علمیہ 'ملتان)

علامہ محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں "ایک قول یہ ہے کہ مواظبت وجوب کی دلیل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مواظبت سنت مؤکدہ کی دلیل ہے اور یہ وجوب کی قوت میں ہے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ آپ نے اعتکاف ترک کرنے والے پر انکار نہیں فرمایا 'اگر اعتکاف واجب ہوتا تو آپ اس کے ترک پر انکار فرماتے"۔

(البنایہ 'ج ۳ 'ص ۷۴۲ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت '۱۴۱۱ھ)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ جس فعل پر مواظبت فرمائیں اور اس فعل کے تارک پر انکار نہ فرمائیں تو وہ سنت موکدہ ہے اور اگر آپ کسی فعل پر مواظبت فرمائیں اور اس کے تارک پر انکار فرمائیں تو وہ فعل واجب ہے۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن الھمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں "نبی ﷺ نے اعتکاف پر بلاترک مواظبت فرمائی ہے 'لیکن جن صحابہ نے اعتکاف نہیں کیا 'آپ نے ان پر انکار نہیں فرمایا 'تو یہ اعتکاف کے سنت ہونے کی دلیل ہے اور اگر آپ ترک کرنے والوں پر انکار فرماتے تو یہ وجوب کی دلیل ہوتا"۔

(فتح القدیر 'ج ۲ 'ص ۳۹۴ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ 'بیروت '۱۴۱۵ھ)

علامہ سعدی چلپی متوفی ۹۴۵ھ لکھتے ہیں:

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت موکدہ کی تعریف یہ ہے کہ جس فعل پر آپ نے مواظبت فرمائی ہو 'حالانکہ سنت موکدہ کی تعریف یہ ہے کہ آپ نے کسی فعل پر مواظبت فرمائی ہو اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی کیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ نے اس کے ترک پر انکار نہیں فرمایا 'تو یہ احیاناً ترک کرنے کے حکم میں ہے۔ کیونکہ آپ کا احیاناً ترک کرنا جواز ترک کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے اور آپ کا تارک پر انکار نہ فرمانا بھی تعلیم جواز کے لیے تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سنت مؤکدہ کی تعریف میں جو احیاناً ترک کرنا ملحوظ ہے 'وہ اس سے عام ہے کہ احیاناً ترک کرنا حقیقتاً ہو یا حکماً 'اور اب سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہو گی کہ جس فعل پر نبی ﷺ مواظبت فرمائیں اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی فرمادیں 'خواہ ترک کرنا حقیقتاً ہو یا حکماً 'اور جس فعل پر نبی ﷺ بلاترک مواظبت فرمائیں اور تارک پر انکار فرمائیں 'وہ فعل واجب ہو گا۔ (حاشیہ سعدی چلپی مع فتح القدیر 'ج ۲ 'ص ۲۹۴ 'مطبوعہ بیروت)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

"سنت مؤکدہ میں شرط یہ ہے کہ مواظبت ہو اور اس کے ساتھ ترک بھی ہو 'خواہ حکماً ہو 'لیکن تعریف میں عموماً شروط کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ (الدر المختار مع رد المحتار 'ج ۱ 'ص ۷۱ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی 'بیروت '۱۴۰۷ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی مصری متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جس فعل پر بلاترک مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار نہ کیا ہو 'وہ سنت موکدہ ہے اور اگر کبھی کبھی اس فعل کو ترک بھی کیا ہو تو وہ سنت غیر موکدہ ہے اور جس فعل پر آپ نے مواظبت کی ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو 'وہ وجوب کی دلیل ہے۔ (البحر الرائق 'ج ۱ 'ص ۱۷ 'مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ 'کوئٹہ)

علامہ سید احمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

"البحر الرائق" میں سنت مؤکدہ کی دو تعریفوں کو اختیار کیا گیا ہے۔ ایک تعریف یہ ہے کہ:

الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین من غیر لزوم علی سبیل المواظبۃ۔ وہ طریقہ جس پر دین میں بغیر لزوم کے ہمیشہ عمل کیا گیا ہو۔

اور دوسری تعریف یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جس فعل پر بلا ترک مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار نہ فرمایا ہو' اور اگر آپ نے کسی فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار فرمایا ہو' تو وہ وجوب کی دلیل ہے۔

(حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار' ج ۱' ص ٦٦' مطبوعہ بیروت' ۱۳۹۵ھ)

نیز علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

سنت اس طریقہ مسلوکہ فی الدین کو کہتے ہیں جو کسی قول یا فعل سے متعلق ہو۔ وہ قول یا فعل لازم نہ ہو' اور نہ اس کے تارک پر انکار ہو اور نہ وہ خصوصیت ہو۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ لازم نہ ہو اس قید سے فرض' سنت کی تعریف سے خارج ہو گیا اور ہم نے جو کہا اس کے تارک پر انکار نہ ہو' اس قید سے واجب خارج ہو گیا اور ہم نے جو کہا ہے کہ وہ خصوصیت نہ ہو' اس قید سے صوم وصال خارج ہو گئے۔ پھر اگر نبی ﷺ نے غالب اوقات میں اس فعل پر مواظبت نہ کی ہو' تو وہ سنت مستحبہ ہے۔ اس کو سنت زائدہ' مستحب' مندوب اور ادب وغیرہ بھی کہتے ہیں اور اگر آپ نے اس فعل کے تارک پر وعید فرمائی ہو' تو پھر یہ واجب ہے۔ (ایضاً' مراقی الفلاح) سنت مؤکدہ کی یہ مثالیں ہیں۔ اذان' اقامت' جماعت' پانچ نمازوں کی سنتیں' کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔ اس سنت کو سنت الھدیٰ بھی کہتے ہیں' یعنی اس سنت پر عمل کرنا ہدایت اور دین کی تکمیل کے لیے ہے' اور اس کو ترک کرنا کراہت اور اساءت ہے۔

علامہ قہستانی نے کہا ہے کہ دنیا میں مطالبہ عمل کے لحاظ سے سنت مؤکدہ واجب کی مثل ہے' مگر واجب کے ترک پر آخرت میں عذاب کا مستحق ہو گا' اور سنت مؤکدہ کے ترک پر آخرت میں عتاب کا مستحق ہو گا' اور سنت غیر مؤکدہ کی یہ مثالیں ہیں: تنہا شخص کا اذان دینا' وضو میں گردن پر مسح کرنا اور دائیں جانب سے ابتداء کرنا اور نفلی نماز' نفلی روزہ اور نفلی صدقہ۔

(حاشیہ مراقی الفلاح' ص ۳۹-۳۸' مطبوعہ مصر' ۱۳۵٦ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

"البحر الرائق" میں مذکور ہے' سنت وہ فعل ہے جس پر نبی ﷺ نے مواظبت کی ہو' پھر اگر یہ مواظبت بغیر ترک کے ہے تو یہ سنت مؤکدہ کی دلیل ہے اور اگر آپ نے اس فعل کو کبھی کبھی ترک کیا ہو تو وہ اس فعل کے سنت غیر مؤکدہ ہونے کی دلیل ہے' اور اگر آپ نے اس فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار فرمایا' تو یہ اس فعل کے واجب ہونے کی دلیل ہے اور النہر الفائق کے مصنف نے یہ کہا ہے کہ یہاں پر یہ قید بھی ملحوظ ہے کہ جس فعل پر آپ نے مواظبت کی ہے' اس کا وجوب آپ کے ساتھ مختص نہ ہو۔ مثلاً صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) اس میں آپ کا دوسروں کے ترک پر انکار نہ فرمانا' آپ کے حق میں اس کے واجب ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ نیز ترک میں یہ قید بھی لگانی چاہیے کہ وہ ترک بلاعذر ہو' کیونکہ عذر کی وجہ سے تو فرض کا ترک بھی جائز ہے۔ مثلاً نماز میں قیام فرض ہے' لیکن اگر کوئی شخص بیماری یا کمزوری کی وجہ سے نماز میں قیام پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ (رد المحتار' ج ۱' ص ۷۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

کتنی مقدار ڈاڑھی رکھنا سنت ہے؟

اس تمام تفصیل سے واضح ہو گیا کہ وجوب صرف نبی ﷺ کے امر سے ثابت ہوتا ہے' آپ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں! جس فعل پر نبی ﷺ نے مواظبت کی ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو' تو یہ بھی اس فعل کے واجب ہونے

کی دلیل ہے۔ ڈاڑھی رکھنے کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ نبی ﷺ نے ڈاڑھی منڈانے پر انکار فرمایا ہے' اس لیے نفس ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور ڈاڑھی منڈانا مکروہ تحریمی ہے اور حرام ظنی ہے۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

عبیداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مجوسی آیا' درآنحالیکہ اس نے ڈاڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں لمبی رکھی ہوئی تھیں۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا' یہ ہمارے دین میں ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کم کرائیں اور ڈاڑھی بڑھائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۸' ص ۳۷۹' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

چونکہ نبی ﷺ نے ڈاڑھی منڈانے پر انکار فرمایا ہے' اس لیے ڈاڑھی منڈانا حرام (ظنی) ہوا اور ڈاڑھی رکھنا واجب ہوا۔ رہا اس کی مقدار کا معاملہ تو نبی ﷺ نے اس کی تحدید نہیں فرمائی۔ البتہ آپ کی ڈاڑھی مبارک بہت دراز اور گھنی تھی جو سینہ مبارک کو بھر لیتی تھی۔ (الشفاء' ج ۱' ص ۳۸' مطبوعہ ملتان) اور اتنی لمبی اور گھنی ڈاڑھی رکھنا جو سینہ کو یا کم از کم سینہ کے بالائی حصہ کو بھرے' سنت کے مطابق ہے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت اور کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اتنی لمبی اور گھنی ڈاڑھی ہی رکھنی چاہیے۔ بالعموم فقہاء کرام نے قبضہ بھر ڈاڑھی رکھنے کو سنت کہا ہے اور بعض فقہاء (مثلاً ملا علی قاری اور علامہ زبیدی) نے قبضہ کو مستحب لکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک بہر حال قبضہ سے زائد تھی' کیونکہ آپ کوتاہ گردن نہیں تھے۔ آپ کی گردن لمبی تھی اور یہی حسن کا تقاضا ہے۔ پھر سینہ مبارک کے بالائی حصہ کو بھرنے کے لیے بھی دو ڈھائی مشت ڈاڑھی ہونی چاہیے' اس لیے رسول اللہ ﷺ کی سنت قبضہ بھر ڈاڑھی نہیں' بلکہ قبضہ سے زائد مقدار رکھنا ہے۔ اور فقہاء نے جو قبضہ کو سنت لکھا ہے' اس سے رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سنت سے مراد لغوی معنی ہے' یعنی وہ طریقہ جو ان کے دور کے مسلمانوں میں مروج تھا۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس کو سنت غیر موکدہ لکھا ہے' یہ بھی لغوی معنی میں ہے' کیونکہ کسی حدیث میں آپ نے قبضہ کی تاکید نہیں فرمائی۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد میں قبضہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ سے قبضہ کے بعد ڈاڑھی کاٹنا ثابت ہے' لیکن صحابی کے فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ وجوب رسول اللہ ﷺ کے امر سے ثابت ہوتا ہے' یا رسول اللہ ﷺ نے کسی فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر وعید فرمائی ہو' تو یہ بھی وجوب کی دلیل ہے۔ لیکن قبضہ کے متعلق ان میں سے کسی چیز کا ثبوت نہیں ہے۔

ہر چند کہ قبضہ بھر ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں ہے' لیکن ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے جس پر عرف میں ڈاڑھی کا اطلاق کیا جاتا ہو اور عرفی مقدار بھی دلیل شرعی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی مقدار کے متعلق دلیل شرعی نہ پائی جائے' اس کی مقدار کو اس میں مبتلا شخص کے ظن غالب کی طرف مفوض کر دینا چاہیے۔ (ردالمحتار' ج ۱' ص ۲۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

سو اگر کوئی شخص خشخشی ڈاڑھی یا فرنچ کٹ ڈاڑھی رکھتا ہے یا ایک یا دو انگل ڈاڑھی رکھتا ہے تو اس کو عرف میں مطلقاً ڈاڑھی نہیں کہتے۔ بلکہ فرنچ کٹ ڈاڑھی یا خشخشی ڈاڑھی کہتے ہیں۔ لہٰذا ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے۔ جس کو عرف میں مطلقاً ڈاڑھی کہا جائے۔ خواہ وہ قبضہ سے ایک آدھ انگل کم ہو یا زائد ہو۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ڈاڑھی میں قبضہ کو واجب نہیں فرمایا اور آپ نے اس کی تحدید نہیں کی' اس لیے ہم اس کی حد قبضہ مقرر کرنے کا خود کو مجاز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ہم مبلغ ہیں شارع نہیں ہیں' اس بناء پر ہمیں کافی مطعون بھی کیا گیا ہے اور

ہمارے خلاف کتابیں بھی لکھی گئیں۔ بہرحال! ہم نے اپنا فرض ادا کیا ہے اور انسانوں کی بنائی ہوئی شریعت کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت کو پیش کیا ہے اور حق گو لوگ ہر دور میں شخصیت پرستوں اور غالی اور جاہل لوگوں کے لعن طعن کا شکار ہوتے رہے ہیں' ہم ان کے سب و شتم پر صبر کرتے ہیں اور اللہ ہی سے جزاء کے طالب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس کے ساتھ اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا' تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو۔ (المائدہ: ۲)

شنان کے معنی بغض ہیں اور آیت کا معنی یہ ہے کسی قوم کے ساتھ تمہارا بغض تمہیں اس کے ساتھ زیادتی پر نہ ابھارے' یعنی جس طرح مشرکین نے تمہیں عمرہ کے لیے مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا' اسی طرح تم ان کو مسجد حرام میں جانے سے نہ روکنا۔

واضح رہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود مشرکوں کو مسجد حرام میں جانے سے منع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا ۚ اے ایمان والو! تمام مشرک محض ناپاک ہیں' وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔ (توبہ: ۲۷)

اس خاص صورت کے علاوہ یہ حکم عام ہے اور کسی قوم کے ساتھ عداوت رکھنے کی وجہ سے اس کے ساتھ زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (المائدہ: ۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بر (نیکی) اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ بر سے مراد ہر وہ نیک کام ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور تقویٰ سے مراد ہر اس کام سے اجتناب ہے جس کو کرنے سے شریعت نے روکا ہے' اور فرمایا ہے: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ گناہ سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اور ہر وہ کام جس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو انسان ناپسند کرتا ہے' اور ظلم کا معنی ہے دوسروں کے حقوق میں تعدی اور تصرف کرنا اور اثم اور عدوان سے مراد وہ تمام جرائم ہیں جن کی وجہ سے انسان اخروی سزا کا مستحق ہوتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے' ان کو کرو اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے' ان سے باز رہو اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی اور خلاف ورزی کریں' تو بے شک اللہ ان کو سخت سزا دینے والا ہے۔

یہ آیت جوامع الکلم میں سے ہے اور یہ ہر خیر اور شر اور ہر معروف اور منکر کے حکم کو شامل ہے۔

آیات مذکورہ سے استنباط شدہ احکام

قرآن مجید کی یہ دو آیتیں بہت سے فقہی احکام کو شامل ہیں۔

۱- اپنے عہد پورے کرو' یعنی اللہ تعالیٰ سے جن احکام شرعیہ کو بجالانے کا عہد کیا ہے' ان کو پورا کرو اور ایک دوسرے کے ساتھ جو عہد کیے ہیں' ان کو پورا کرو۔ خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا کرنا' بیویوں کا مہر ادا کرنا' ان کا خرچ اٹھانا' امانت' عاریت اور رہن رکھی ہوئی چیز کو حفاظت کے ساتھ ادا کرنا اور ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت کرنا' ان عقود میں شامل ہے۔ اسی طرح

عبادات مقصودہ مثلاً نماز' روزہ' حج' اعتکاف اور صدقات کی نذر پوری کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ کسی غیر مقصودہ عبادت مثلاً وضو' یا کسی مباح کام کی نذر ماننا جائز نہیں ہے۔ ان پڑھ عوام میں جو پیروں' فقیروں کی نذر مشہور ہے' یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے۔

۲۔ شرعی طریقہ سے ذبح کر کے حلال جانوروں کا کھانا' کچلیوں سے پھاڑنے والے درندوں اور پالتو گدھے کو اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں کو نبی ﷺ نے حرام کر دیا ہے اور (المائدہ: ۳) میں بھی ان جانوروں کی حرمت بیان کی گئی ہے جن کو شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو' ان کے علاوہ خنزیر کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے۔

۳۔ حالت احرام میں شکار کرنے کی حرمت بیان کی گئی ہے' اسی طرح حرمین میں شکار کرنا بھی منع ہے۔

۴۔ جو شخص محرم نہ ہو' اس کے لیے حرمین کے علاوہ دوسری جگہوں پر شکار کا حلال ہونا۔

۵۔ محرم کے لیے صرف خشکی کا شکار ممنوع ہے۔ سمندری جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے۔

۶۔ قربانی کے لیے بھیجے ہوئے جانوروں کو ضرر پہنچانے کی حرمت' جو اونٹ قربانی کے لیے حرم میں بھیجا جاتا ہے' اس کے گلے میں قلادہ ڈال دیتے ہیں' تاکہ معلوم ہو کہ یہ ھدی ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے کوہان پر معمولی سا شگاف ڈالتے ہیں جس سے اس کے کوہان پر خون بہہ جاتا ہے' اور یہ بھی اس کے ھدی ہونے کی علامت ہے۔ اس کو اشعار کہتے ہیں' یہ سنت ہے۔ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ آ جکل لوگ جو اشعار کرنا نہیں جانتے' ان کے حق میں یہ سنت نہیں ہے' کیونکہ وہ زیادہ شگاف ڈال دیتے ہیں جس سے بڑا زخم پڑ جاتا ہے' ایسے لوگوں کو امام ابوحنیفہ اشعار کرنے سے منع کرتے ہیں۔

۷۔ شعائر اللہ میں ھدی اور قلائد کے علاوہ حرمت والے مہینے بھی داخل ہیں' تحقیق یہ ہے کہ اب ہر مہینہ میں جہاد کرنا جائز ہے۔

۸۔ کسی کے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے انسان اس کے ساتھ بے انصافی اور زیادتی نہ کرے۔

۹۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا' اس میں ملک اور قوم کے اجتماعی مفاد میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور سماجی خدمت اور سوشل ورک داخل ہیں۔

۱۰۔ جرم اور گناہ میں کسی کی مدد نہ کرنا۔ بینک اور بیمہ کمپنی' جوئے خانہ اور کسی بھی بدی کے اڈے میں ملازمت کرنا' خواہ وہ ملازمت کلرکی کی ہو یا چوکیداری کی' وہ بہرحال اس برائی کے ساتھ ایک نوع کا تعاون ہے اور ناجائز ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ

تم پر حرام کیا گیا' مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس (جانور) پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ

اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ

کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھٹ جانے والا' اور چوٹ کھا کر مرا ہوا اور بلندی سے گر کر مرا ہوا اور سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جس

أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا

کو درندے نے کھایا ہو ماسوا اس کے جس کو تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا' اور جو بتوں کے تقرب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا اور

بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ

فال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا یہ (تمام کام) فسق ہیں، آج کفار تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہو گئے،

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ

سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِىْ مَخْمَصَةٍ

کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کر لیا، پس جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر (کوئی حرام

غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ

چیز کھالے) درآں حالیکہ وہ اس کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے ○ (اے رسول مکرم!) آپ سے

مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ

پوچھتے ہیں ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں، آپ کہیے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور

الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّاۤ

سدھا لیے ہیں درآں حالیکہ تم انھیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، تم انھیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں سکھایا ہے

اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

سو اس (شکار) سے کھاؤ جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے روک رکھیں، (اور شکار چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٤﴾ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ

پڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○ آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں، اور اہل کتاب کا ذبیحہ

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ

تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور آزاد پاک دامن

مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی) تمہارے لیے حلال

قَبۡلِكُمۡ اِذَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ مُحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ

ہیں)، جب تم ان کے مہر ان کو ادا کر دو، دراں حالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو نہ

وَلَا مُتَّخِذِىۡۤ اَخۡدَانٍ‌ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ

علانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا بنانے والے، اور جس نے ایمان (لانے) کے بعد کفر کیا تو بیشک اس کا عمل

عَمَلُهٗ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۞ ع

ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے ○

ع ١ ٥ ٥

مردار کا معنی اور اس کے شرعی احکام

جو جانور طبعی موت مرجائے' نہ اس کو ذبح کیا گیا ہو نہ شکار کیا گیا ہو' اس کو میتہ (مردار) کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں جو جانور بغیر ذبح کے مرجائے' اس کو میتہ کہتے ہیں۔ اس کو شریعت میں حرام کر دیا گیا ہے' کیونکہ رگوں میں خون کے رک جانے یا کسی بیماری کی وجہ سے جسم میں زہریلے مادے پیدا ہو جاتے ہیں' جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں اور اگر اس جانور کو ذبح کر لیا جائے تو اس کے جسم سے سارا خون بہہ جاتا ہے اور خون کے ساتھ زہریلے اور نقصان دہ اجزاء جسم سے نکل جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں طبائع سلیمہ مردار جانور کا گوشت کھانے سے متنفر ہوتی ہیں' سو مردار جانور صحت کے اعتبار سے بھی مضر ہے اور دین کے اعتبار سے بھی' کیونکہ اللہ کے نام سے اس کی جان نہیں نکلی۔ لہٰذا مردار جانور کو کھانا بالاتفاق حرام ہے۔ البتہ! فقہاء احناف کے نزدیک اس کے بال اور اس کی ہڈیاں پاک ہیں اور اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ (بدائع الصنائع' ج ١' ص ٦٣' مطبوعہ کراچی) علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ امام احمد' امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مردار کی ہڈی نجس ہے۔ (المغنی' ج ١' ص ٥٦) اور امام شافعی کے نزدیک مردار کے پر اور بال بھی نجس ہیں' کیونکہ حیوان کی نشوونما سے وہ بڑھتے ہیں' اور باقی اعضاء کی طرح اس کی موت سے نجس ہو جاتے ہیں اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک مردار کے پر اور بال پاک ہیں۔ کیونکہ امام دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مردار کی مشک میں کوئی حرج نہیں ہے' جب اسے رنگ لیا جائے اور اس کے اون اور بالوں میں کوئی حرج نہیں ہے' جب انہیں دھو لیا جائے۔ نیز اس پر موت طاری نہیں ہوتی' اس لیے جانور کی موت سے یہ نجس نہیں ہوں گے' جیسے انڈا نجس نہیں ہوتا۔ (المغنی' ج ١' ص ٦٠' مختصراً مطبوعہ بیروت)

مردار جانور حرام ہے' لیکن اس کے عموم سے بالاتفاق مچھلی اور ٹڈی مستثنیٰ ہیں۔ امام ابن ماجہ متوفی ٢٧٣ھ روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی۔ (سنن ابن ماجہ' ج ٣' رقم الحدیث: ٣٢١٨' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تمام قسم کے سمندری جانور بغیر ذبح کے حلال ہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی' متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا' یارسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے۔ اگر ہم اس سے وضو کر لیں تو پیاسے رہ جائیں گے' تو کیا ہم سمندر کے پانی

سے وضو کر لیا کریں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے' اور اس کا مرا ہوا جانور حلال ہے۔
(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۶۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۸۳' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۵۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۸۶' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۴۳' مسند احمد' ج ۳' ۷ ۲۳' المستدرک' ج ۱' ص ۱۴۰)

خون کے شرعی احکام

اس آیت میں خون کو حرام کیا گیا ہے۔ اس سے مراد بہنے والا خون ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں بہنے والے خون کو حرام فرمایا ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا - الایہ (الانعام: ۱۴۵)

آپ کہئے کہ مجھ پر جو وحی کی جاتی ہے اس میں کسی کھانے والے پر جو وہ کھاتا ہو' صرف مردار' بہنے والے خون اور خنزیر کے گوشت کو میں حرام پاتا ہوں' کیونکہ وہ نجس ہے' یا نافرمانی کی وجہ سے جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکار ا گیا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کے بعد گوشت میں جو خون عادتاً باقی رہ جاتا ہے' وہ حرام نہیں ہے اور جو خون جامد ہو جیسے کلیجی اور تلی' وہ بھی حرام نہیں ہے۔ امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے دو مردے حلال کیے گئے ہیں اور دو خون حلال کیے گئے ہیں' رہے مردے تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور رہے دو خون تو وہ کلیجی اور تلی ہیں۔
(سنن ابن ماجہ' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۱۴' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

بہنے والے خون کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خون نجس ہے اور اس میں جراثیم اور زہریلے اجزاء ہوتے ہیں' اور اس کو ہضم کرنا مشکل ہے' تمام قسم کی بیماریوں کے اجزاء اور جراثیم خون میں ہوتے ہیں۔ اس لیے مادی طور پر بھی خون کو کھانا صحت کے لیے سخت مضر ہے۔

خنزیر کے نجس اور حرام ہونے کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے تم پر مردار خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔ اسی طرح (الانعام: ۱۴۵) میں بھی خنزیر کے گوشت کو حرام فرمایا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال مکہ میں فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے خمر (شراب) مردار' خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام فرما دیا ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۲۳۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں۔ سلیمان بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص نردشیر کے ساتھ کھیلا' اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیا۔
(صحیح مسلم' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۶۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اس حدیث میں آپ نے خنزیر کے خون اور گوشت سے نفرت دلائی ہے۔ خنزیر کا خون' گوشت اور اس کے تمام اجزاء حرام ہیں۔ قرآن مجید میں خنزیر کے گوشت کا ذکر کیا ہے' کیونکہ کسی جانور کا اہم مقصود اس کا گوشت کھانا ہوتا ہے۔

خنزیر کے گوشت کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت گندہ اور نجس جانور ہے اور یہ بالعموم گندگی میں رہتا ہے۔ اس کے جسم اور بالوں میں کیڑے ہوتے ہیں۔ اس کا گوشت بہت ثقیل اور دیر ہضم ہوتا ہے' اور اس میں چربی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے خون میں کلسٹرول کی بہت زیادتی ہوتی ہے۔ جس جانور کا گوشت کھایا جائے' اس کے اوصاف کا انسان کی طبیعت پر اثر پڑتا ہے۔ جانوروں میں خنزیر نہایت بے غیرت جانور ہے۔ اس کی مادہ سے ایک خنزیر جفتی کرتا ہے اور باقی کئی خنزیر اس کے قریب کھڑے اپنی باری کے منتظر رہتے ہیں' جبکہ دوسرے جانور اپنی مادہ کے قریب دوسرے نر کو آنے نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اقوام خنزیر کا گوشت کھاتی ہیں وہ بھی بے غیرت ہوتی ہیں' ان میں بہت زیادہ فحاشی اور بد چلنی ہوتی ہے۔ بہرحال ! مسلمان کے لیے صرف یہ وجہ کافی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سختی کے ساتھ خنزیر کو حرام فرمادیا' خواہ حرمت کی یہ وجوہ ہوں یا نہ ہوں۔ ہم نے یہ وجوہ صرف اس لیے بیان کی ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے اور اس نے جن تمام چیزوں سے منع فرمایا ہے' اس کی وجوہ نہایت معقول ہیں۔

"ما اھل لغیر اللہ بہ" کا معنی اور اس کے شرعی احکام

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں و ما اھل لغیر اللہ بہ کا معنی ہے جس پر غیر اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے اور یہ وہ جانور ہے جس کو بتوں کے لیے ذبح کیا جائے۔ اھلال کا معنی ہے چاند دیکھتے وقت بلند آواز سے چلانا' پھر ہر بلند آواز کو اھلال کہا گیا۔ نوزائیدہ بچے کے رونے کو بھی اھلال کہتے ہیں۔

(المفردات' ص ۵۴۴' مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ' ایران' ۱۳۶۲ھ)

ملا احمد جون پوری متوفی ۱۱۳۰ھ لکھتے ہیں: "و ما اھل لغیر اللہ بہ" کا معنی ہے جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو' مثلاً لات' عزیٰ اور انبیاء علیہم السلام وغیرہم کے نام پر۔ (تفسیرات احمدیہ' ص ۴۴' مطبوعہ مکتبہ حقانیہ' پشاور)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں اس کا معنی ہے جانور کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند آواز سے پکارنا اور اھلال کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ جس کے لیے جانور ذبح کیا جائے' مثلاً لات اور عزیٰ اس کا ذبح کے وقت بلند آواز سے ذکر کرنا (روح المعانی' ج ٦' ص ۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷٦ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: "و آنچہ نام غیر خدا بوقت ذبح او یاد کردہ شود"۔

عام ازیں کہ ذبح کے وقت صرف غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ مثلاً مسیح کا نام لے کر ذبح کیا جائے' یا اللہ کے ساتھ بطریق عطف غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ مثلاً یوں کہے کہ اللہ اور مسیح کے نام سے ذبح کرتا ہوں' تو یہ ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر غیر وقت ذبح میں غیر اللہ کے ساتھ وہ جانور نامزد ہو' مثلاً قربانی کے جانوروں کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ محمود کا بکرا ہے' یہ اسلم کا بکرا ہے' یہ فہیم کی گائے ہے' یا کسی نے اپنے والد عبد الرحیم کی طرف سے قربانی کرنے کے لیے کوئی بکرا موسوم کیا ہو' اور کسی نے حضرت غوث اعظم کو ایصال ثواب کرنے کے لیے بکرا نامزد کیا ہو' یا کسی نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ ثواب کرنے کے لیے کوئی بکرا نامزد کیا ہو' پھر ان جانوروں کو اپنے اپنے وقت میں صرف اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو یہ ذبح جائز ہے' اور ان کا گوشت حلال ہے اور ان کا ایصال ثواب کرنا صحیح ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں حاکم یا کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر جانور ذبح کیا گیا تو یہ حرام ہے (اور اس ذبح سے جانور کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو' صرف اس کا خون بہانا مطلوب ہو) کیونکہ یہ "ما اھل بہ لغیر اللہ" ہے۔ خواہ اس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور اگر مہمان کے لیے ذبح کیا گیا تو یہ حرام نہیں ہے' کیونکہ یہ حضرت خلیل

علیہ السلام کی سنت ہے اور مہمان کی تکریم اللہ تعالیٰ کی تکریم ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس نے جانور کو اس لیے ذبح کیا' تاکہ یہ اس سے کھائے تو یہ ذبح اللہ کے لیے ہوگا' اور منفعت مہمان کے لیے' یا دعوت کے لیے' یا نفع کے لیے ہوگی اور اگر اس نے کھانے کے لیے نہیں ذبح کیا' بلکہ اس لیے کہ کسی غیر کے آنے پر محض اس کو ذبح کرے (یعنی صرف خون بہائے) تو اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہوگی' سو یہ حرام ہوگا۔ کیا وہ شخص کافر ہو جائے گا؟ اس میں دو قول ہیں۔ (بزازیہ و شرح وھبانیہ) میں کہتا ہوں کہ منیہ کی کتاب الصید میں ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے' اور اس شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح کے ساتھ کسی آدمی کا تقرب (بہ طور عبادت کیونکہ یہی کفر ہے۔ شامی) حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ شرح الوھبانیہ میں ذخیرہ سے اسی طرح منقول ہے۔

(در مختار مع رد المحتار' ج ۵' ص ۱۹۷-۱۹۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس کی شرح میں وجہ فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ما اھل بہ لغیر اللہ" میں تعظیم اور غیر تعظیم کے لیے ذبح کا فرق یہ ہے کہ اگر دیوار چنتے وقت یا کسی مرض سے شفاء کے حصول کے وقت جانور ذبح کیا جائے تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ اس ذبح کا مقصد صدقہ کرنا ہے (حموی) اسی طرح کسی نے سفر سے سلامتی کے ساتھ آنے پر قربانی کی نذر مانی تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (البحر الرائق) اب اس پر لازم ہے کہ اس گوشت کو فقط فقراء پر صدقہ کرے۔ (فتاویٰ الشلبی) اور جو شخص کسی کے آنے پر جانور کو ذبح کرے اور پھر اس کو یونہی چھوڑ دے' یا اس میں سے کل یا بعض لے لے اور فرق کا مدار ابتداء ذبح کے وقت ہے۔ اگر اس نے مہمان کے اکرام اور اس کو گوشت کھلانے کے سبب سے جانور کو ذبح کیا ہے' تو ذبیحہ حلال ہے اور اگر اس نے کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر اس کی تعظیم کے لیے محض خون بہانے کے قصد سے جانور کو ذبح کیا ہے تو یہ حرام ہے' اور یہ فرق اس طرح مزید ظاہر ہوگا کہ اگر اس نے حاکم کی ضیافت کی اور اس کے آنے پر جانور کو ذبح کیا۔ اگر اس ذبح سے اس کی تعظیم کا قصد کیا تو یہ ذبیحہ حلال نہیں ہے' اور اگر اس ذبح سے اس کی مہمانی اور اس کے اکرام کا قصد کیا تو یہ ذبیحہ حلال ہے۔ خواہ یہ ذبیحہ مہمان کے علاوہ کسی اور کو کھلا دے۔ جو شخص کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر اس کی تعظیم کے لیے جانور کو ذبح کرتا ہے تو یہ ذبیحہ حرام ہے' لیکن یہ کفر نہیں ہے۔ کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح کے ساتھ کسی آدمی کا تقرب علی وجہ العبادت حاصل کرے گا اور تکفیر کا اسی پر مدار ہے' اور یہ مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔ اس لیے ظاہر یہ ہے کہ اس کا یہ فعل دنیاداری کے لیے ہے' یا اس کے سامنے اظہار محبت کر کے اس کا مقبول بننا چاہتا ہے' لیکن جبکہ اس حاکم کی تعظیم کی وجہ سے ذبح کرنا تھا تو ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا حکماً خالص اللہ کے لیے نہ تھا' اور یہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی شخص ذبح کے وقت کہے' اللہ کے نام سے اور فلاں کے نام سے' اس لیے یہ ذبیحہ حرام ہوگا۔ لیکن حرمت اور کفر میں تلازم نہیں ہے۔

(رد المحتار' ج ۵' ص ۱۹۷-۱۹۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

المنخنقۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم

منخنقہ اس جانور کو کہتے ہیں جو گلا گھٹنے سے مرجائے' عام ازیں کہ کسی نے قصداً اس کا گلا گھونٹ دیا یا کسی حادثہ سے اچانک اس کا گلا گھٹ گیا ہو' یہ مردار ہے اور شرعاً مذبوح نہیں ہے۔ اس کو مردار میں شامل نہیں کیا' بلکہ الگ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ مردار وہ ہے جو بغیر کسی خارجی سبب کے طبعی موت سے مرجائے اور گلا گھٹنے سے مرنے والا ایک خارجی سبب سے مرتا ہے' لیکن یہ مذبوح نہیں ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر حلال جانور کے گلے پر چھری پھیری جائے۔ جس سے اس کی

چاروں رگیں کٹ جائیں اور جسم کا سارا خون بہہ جائے۔

الموقوذة کا معنی اور اس کا شرعی حکم

جس غیر دھار والی بھاری چیز سے کسی جانور پر ضرب یا چوٹ لگائی جائے' خواہ دور سے پتھر مارا جائے' یا ہاتھ میں ڈنڈا پکڑ کر اس سے مارا جائے۔ اس چوٹ کے نتیجہ میں وہ جانور مر جائے تو وہ بھی شرعاً مذبوح نہیں ہے۔ یہ جانور بھی مردار کے حکم میں ہے' اور زمانہ جاہلیت میں اس کو کھایا جاتا تھا۔

اسلام میں ثقیل شئے کی ضرب یا چوٹ سے جانور کو ہلاک کرنے سے منع کیا ہے' اور کسی دھار والی چیز سے جانور کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے' تاکہ جانور کو اذیت نہ پہنچے اور آسانی سے اس کی جان نکل جائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ بیان کرتے ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا "منخنقہ" وہ ہے جس کا گلا گھونٹا جائے اور وہ مر جائے۔ "موقوذہ" وہ ہے جس کو لکڑی سے ضرب لگائی جائے اور وہ چوٹ کھا کر مر جائے۔ "متردیہ" وہ ہے جو پہاڑ سے گر کر مر جائے اور "نطیحہ" وہ ہے جس کو دوسری بکری نے سینگ مارا ہو' اگر اس کی دم یا آنکھ مل رہی ہو تو اس کو ذبح کر کے کھالو۔ (صحیح البخاری' ج ٦' کتاب الصید والذبائح' ٧٢' باب ١)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد رکھی ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ نیکی کرنے کو فرض کر دیا ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو درست طریقہ سے کرو اور جب تم ذبح کرو تو درست طریقہ سے ذبح کرو' اور تم میں سے کسی شخص کو اپنی چھری تیز کر لینی چاہیے' تاکہ ذبیحہ کو آسانی ہو۔ (صحیح مسلم' ج ٣' رقم الحدیث: ١٩٥٥)

جب چھری تیز ہو گی تو جلدی سے جانور ذبح ہو جائے گا اور مستحب یہ ہے کہ جانور کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے اور ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح نہ کیا جائے اور جانور کو گھسیٹ کر ذبح تک نہ لے جایا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز میں روح ہو' اس کو (مشق کے لیے) نشانہ نہ بناؤ۔ (صحیح مسلم' ج ٣' رقم الحدیث: ١٩٥٧)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معراض (بغیر پر کا تیر جس کا درمیانی حصہ موٹا ہو) کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جب جانور اس کی دھار سے زخمی ہو تو اس کو کھالو اور جب جانور کو اس کی چوڑائی کی جانب تیر لگے اور وہ مر جائے تو اس کو مت کھاؤ' کیونکہ وہ وقیذ (چوٹ سے مرا ہوا) ہے۔

(صحیح البخاری' ج ٦' رقم الحدیث: ٥٤٧٦)

موقوذہ کی بحث میں بندوق سے کیے ہوئے شکار کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ ہم نے یہ بحث تفصیل کے ساتھ شرح صحیح مسلم جلد سادس میں لکھ دی ہے اور (المائدہ: ٤) میں بھی انشاء اللہ اس پر گفتگو کریں گے۔

المتردیة کا معنی اور اس کا شرعی مفہوم

جو جانور کسی پہاڑ سے یا کسی بلند جگہ سے مثلاً چھت سے گر جائے' یا کنوئیں میں گرنے سے اس کی موت واقع ہو جائے' اس کو متردیہ کہتے ہیں۔ مردار کی طرح اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ اس میں کچھ رمق حیات ہو تو اس کو ذبح کر لیا جائے۔

النطیحة کا معنی اور اس کا شرعی حکم

جس جانور کو دوسرے جانور نے سینگ مارا ہو' اور وہ اس کے سینگ مارنے سے مر گیا' خواہ اس کے سینگ مارنے سے وہ زخمی ہوا ہو' اور اس کا خون بھی بہا ہو' اس کا حکم بھی مردار کی طرح ہے' اور اس کا کھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

جس جانور کو درندے نے کھالیا ہو' اس کا شرعی حکم

کسی درندے مثلاً شیر' چیتے یا بھیڑیے نے کسی حلال جانور کو چیر پھاڑ کر زخمی کر دیا ہو اور اس کے کل یا بعض حصے کو کھالیا ہو' تو اس کا کھانا بالاجماع جائز نہیں ہے۔ خواہ اس کے جسم یا اس کے ذبح کی جگہ سے خون بہہ رہا ہو۔ زمانہ جاہلیت میں بعض عرب درندہ کے پھاڑے ہوئے جانور میں سے بقیہ کو کھالیا کرتے تھے' لیکن طبائع سلیمہ اس کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

"الا ماذکیتم" کے مستثنیٰ منہ کا بیان

مردار' خون' خنزیر اور "ما اھل لغیر اللہ بہ" کے علاوہ باقی جانوروں میں سے جو جانور زندہ مل جائیں اور ان کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے' ان کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرما لیا۔ اس مستثنیٰ منہ میں المنخنقہ' الموقوذہ' المتردیہ' النطیحہ اور جن کو درندہ نے کھالیا ہو' داخل ہیں۔ اور بعض علماء نے "ما اھل لغیر اللہ بہ" کو بھی اس میں داخل کر لیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جس جانور کے ذبح کا موقع تمہیں مل جائے' بایں طور کہ اس کی دم ہل رہی ہو' یا وہ آنکھ سے دیکھ رہا ہو' اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کر دو' وہ حلال ہے۔

قتادہ نے بیان کیا کہ لحم الخنزیر کے سوا باقی تمام کو "الا ماذکیتم" کا استثناء لاحق ہے۔ جب تم دیکھو کہ وہ جانور پلک جھپکا رہا ہے' دم ہلا رہا ہے' یا اس کی ٹانگ مضطرب ہو رہی ہے' تو تم اس کو ذبح کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا جب تم موقوذہ' متردیہ اور نطیحہ کو ہاتھ' پیر ہلاتے دیکھو تو اس کو (ذبح کر کے) کھالو۔

ان اقوال کی بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ موقوذہ' متردیہ' نطیحہ اور جس کو درندہ نے کھالیا ہو' وہ تم پر حرام کر دیئے گئے ہیں' لیکن اگر تم ان میں زندگی کے آثار دیکھو اور ان کے مرنے سے پہلے تمہیں ان کو ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے لیے حلال ہیں' تم ان کو ذبح کر کے کھالو۔

بعض علماء اہل مدینہ نے یہ کہا کہ یہ استثناء ان محرمات میں سے نہیں ہے جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے' بلکہ یہ تحریم سے استثناء ہے' یعنی مردار' خون' خنزیر' "وما اھل لغیر اللہ بہ" اور باقی مذکورہ جانور تم پر حرام کر دیئے گئے۔ مگر جن حلال جانوروں کو تم شرعی طریقہ سے ذبح کر لو' وہ تم پر حلال ہیں۔ امام مالک کا یہی قول ہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ ایک درندہ ایک بھیڑ پر حملہ کرتا ہے اور اس کی کمر توڑ ڈالتا ہے۔ تو اگر اس کو مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو کیا اس کو کھانا جائز ہے' امام مالک نے کہا اگر اس کی ضرب اس کے پیٹ' جگر اور دل تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے' اور اگر اس کے ہاتھ' پیر توڑے ہیں' تو پھر اس کو ذبح کر کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان سے پوچھا گیا' اگر وہ اس پر حملہ کر کے اس کی کمر توڑ دے؟ امام مالک نے کہا: اس کے بعد جانور زندہ نہیں رہتا۔ میرے نزدیک اس کا کھانا بہتر نہیں ہے' ان سے پوچھا گیا کہ بھیڑیا بکری کا پیٹ پھاڑ دے' لیکن اس کی آنتیں باہر نہ نکلیں' امام مالک نے کہا جب اس کا پیٹ پھاڑ دیا جائے تو میری رائے میں اس کا کھانا جائز نہیں ہے' اس تقدیر پر یہ استثناء منقطع ہے۔

امام ابو جعفر طبری کہتے ہیں کہ میری رائے میں "وما اھل لغیر اللہ بہ" سے لے کر آخر آیت تک یہ استثناء لاحق ہے' کیونکہ ان تمام صورتوں میں موت سے پہلے وہ جانور ذبح کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ مشرکین جب اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان جانوروں کو بتوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کر دیتے ہیں اور وہ غیر اللہ کی قربانی کہلاتی ہیں' اس لیے وہ حرام ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو جانور گلا گھٹنے سے مرجاتا ہے' وہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن جس جانور کو بتوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کیا گیا ہو' اگر اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقہ سے ذبح کر دیا جائے' یا جس جانور کا گلا گھونٹا گیا ہو' اگر اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا گیا ہو تو وہ حلال ہو گا۔ لہٰذا جس حلال جانور یا پرندہ کی روح نکلنے سے پہلے اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے' وہ حلال ہو گا۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ٩٩-٩٦' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو بتوں کے تقرب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا۔

نُصب کا معنی اور اس کا شرعی حکم

قرآن مجید میں نصب کا لفظ ہے' یعنی جو جانور نصب پر ذبح کیا گیا' وہ بھی حرام ہے۔ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ پتھر نصب کیے گئے تھے' اور زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان پتھروں کے پاس جانور ذبح کرتے تھے اور بیت اللہ کے سامنے جو خون بہتا' اس کو ان پتھروں پر چھڑکتے تھے اور اس قربانی کو عبادت قرار دیتے تھے اور اس گوشت کے ٹکڑے ان پتھروں پر رکھ دیتے تھے' اس کو نصب اور انصاب کہا جاتا ہے۔ نصب' نصیب کی جمع ہے۔ نصیب اس پتھر کو کہتے ہیں جس کو کسی شئے پر نصب کیا جاتا ہے۔ (المفردات' ص ٤٩٤) نصب بتوں کو نہیں کہتے' نصب غیر منقوش پتھر ہوتے ہیں اور بت منقوش پتھر ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس فعل سے منع فرمادیا اور جو جانور نصب پر ذبح کیے جاتے ہیں' ان کا کھانا ان پر حرام کر دیا۔ خواہ ان جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے' تاکہ اس شرک سے اجتناب ہو جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا یہ (تمام کام) فسق ہیں۔ (المائدہ: ٣)

ازلام کا معنی

ازلام زلم کی جمع ہے۔ یہ تیر کی شکل کا لکڑی کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس کی نوک پر لوہے کا وہ پھل نہیں ہوتا جو شکار کو زخمی کرتا ہے' زمانہ جاہلیت میں مشرکین اس سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرتے تھے۔ امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ یہ تیر کاہنوں کے پاس ہوتے تھے' جن میں سے کسی پر لکھا ہوتا تھا' مجھے حکم دیا ہے اور کسی پر لکھا ہوتا تھا' مجھے منع کیا ہے اور کوئی تیر سادہ ہوتا تھا۔ جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا' یا شادی کا ارادہ کرتا' یا کسی نئے کام کا ارادہ کرتا تو وہ کاہن کے پاس جاتا اور تیر سے فال نکالتا۔ اگر اس کا تقاضا ہوتا کہ وہ اس کام کو کرے تو وہ کام کرتا' اور اگر اس کا تقاضا ہوتا وہ کام نہ کرے تو پھر وہ کام نہ کرتا اور اگر سادہ تیر نکل آتا تو دوبارہ فال نکالتے۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ١٠٣' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

نجومیوں' کاہنوں اور ستارہ شناسوں سے غیب کی باتیں دریافت کرنے کی ممانعت

جس طرح فال کے تیروں کے ذریعہ اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا اور امور غیبیہ کو دریافت کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ اسی طرح نجومیوں سے قسمت کا حال معلوم کرنا' یا جو لوگ ستارہ شناسی کے دعویٰ دار ہیں' ان سے مستقبل کا حال معلوم کرنا بھی ممنوع اور حرام ہے۔ ہمارے بعض اخبارات اور رسائل میں اس عنوان سے کالم چھپتے ہیں آپ کا یہ ہفتہ کیسے گزرے گا؟ اور انگل پچو سے غیب کی باتیں بتائی جاتی ہیں' نجومی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ طوطا' اپنی چونچ سے لفافہ نکالتا

ہے' بعض صوفی بصفا قسم کے لوگ قرآن سے فال نکالتے ہیں۔ یہ تمام امور باطل' ناجائز اور حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا' یا جن امور پر وحی کے ذریعہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کو مطلع فرماتا ہے' اس کے سوا اور کوئی غیب کو نہیں جانتا' اولیاء اللہ کو جو الہام ہوتا ہے وہ ایک ظنی امر ہے' قطعی چیز نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں کافر اور مشرک کاہنوں کے پاس جاتے تھے اور انہیں مستقبل میں جس کام کے متعلق تردد ہوتا' وہ ان سے معلوم کرتے اور وہ فال کے تیروں سے فال نکال کر الکل پچو سے ان کو غیب کی باتیں بتاتے۔ اسلام نے اس طریقہ کی ممانعت کردی' اب جو لوگ ستارہ شناسی کے دعویٰ داروں' نجومیوں اور طوطے والوں سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے اور مستقبل کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہیں' ان کا بھی یہی حکم ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت' طوائف (رنڈی) کے معاوضہ اور کاہن کی مٹھائی دینے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۲۳۷' صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۶۷' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۴۸۱' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۷۸' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۵۹' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۰۷۹' سنن داری' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۶۸' شرح السنہ' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۳۰' المعجم الکبیر' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۲۳۶' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۳۴۳' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۶' ص ۲۴۳' سنن کبریٰ' للبیہقی' ج ۱' ص ۶)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی' یا جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ جنسی عمل کیا' یا جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ عمل معکوس کیا' تو وہ اس (دین) سے بری ہوگیا' جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔ (سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۹۰۴)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ جنسی عمل کیا' یا جس نے کسی عورت کے ساتھ عمل معکوس کیا' یا جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا' اس نے اس (دین) کے ساتھ کفر کیا جو سیدنا محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث تغلیظ پر محمول ہے۔ (سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۵' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۰۱۶۷' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۱۹۸) امام بخاری نے کہا اس حدیث کا کوئی متابع نہیں ہے۔ اثرم کا حضرت ابوہریرہ سے سماع معروف نہیں ہے اور اثرم منکر الحدیث ہے۔ (التاریخ الکبیر' ج ۱' ص ۱۸) امام ابن عدی نے اس کو ضعفاء میں بیان کیا ہے۔ (الکامل فی الضعفاء' ج ۲' ص ۷۴۳) تاہم اس حدیث کے شواہد ہیں۔

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو شخص کسی آدمی کے متعلق یہ یقین رکھے کہ اس کو غیب کا علم ہے اور پھر حلال اور جائز سمجھ کر اس سے غیب کی باتیں دریافت کرے' وہ کافر ہوگیا اور اگر وہ ناجائز اور گناہ سمجھ کر یہ کام کرے' تو پھر یہ گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

عرب میں کاہن تھے اور وہ متعدد امور کی معرفت کا دعویٰ کرتے تھے' ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ جن آکر ان کو خبریں دیتے ہیں' اور بعض یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ مستقبل کے امور کو اپنی عقل سے جان لیتے ہیں' اور بعض عراف کہلاتے تھے جو قرائن اور اسباب سے مختلف چیزوں کا پتا چلا لیتے تھے۔ مثلاً بتاتے فلاں شخص نے چوری کی ہے اور فلاں شخص نے فلاں عورت

سے بدکاری کی ہے' اور بعض نجومی اور ستارہ شناس کو کاہن کہتے تھے۔ حدیث میں ان تمام لوگوں کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے' اور ان کے اقوال اور ان کی خبروں کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(معالم السنن' ج ۵' ص ۱۷ ۳-۷۰۲ ۳' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

کسی درپیش مہم کے متعلق استخارہ کرنے کی ہدایت

بہرحال! جو شخص بھی غیب کی خبروں کے جاننے کا دعویٰ کرے' وہ کافر ہے۔ خواہ وہ کاہن ہو' نجومی ہو' یا دست شناس ہو' اور جو شخص اس کی خبر کی تصدیق کرے' وہ بھی کافر ہے۔ اور جن لوگوں کو مستقبل میں کسی کام کے متعلق تردد ہو' مثلاً کسی جگہ رشتہ کرنا ہے' کسی شخص کے ساتھ شراکت میں کوئی کاروبار کرنا ہے' کسی جگہ سفر پر جانا ہے اور اب وہ جاننا چاہتا ہے کہ یہ کام اس کے حق میں بہتر ہیں یا نہیں' تو اس کے لیے کسی نجومی وغیرہ کے پاس نہ جائے' بلکہ شریعت نے اس کے لیے ہمیں استخارہ کی تعلیم دی ہے' سو وہ اس کے لیے استخارہ کرے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمام کاموں میں ہمیں استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا قصد کرے تو وہ دو رکعت نفل پڑھے' پھر یہ دعا کرے' اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو عالم ہے اور میں عالم نہیں ہوں اور تو علام الغیوب ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں یا فرمایا: میری دنیا اور آخرت میں' میرے لیے خیر ہو تو اس کام کو میرے لیے مقدر کر دے' اور میرے لیے آسان کر دے' پھر اس کام میں میرے لیے برکت ڈال اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں یا فرمایا: میری دنیا اور میری آخرت میں میرے لیے شر ہو' تو اس کام کو مجھ سے دور کر دے' اور مجھے اس کام سے دور کر دے' اور میرے لیے خیر کو مقدر کر دے' جہاں کہیں بھی ہو اور مجھ سے راضی رہ۔ آپ نے فرمایا دعا میں اپنے اس کام کا نام بھی لے۔

(صحیح البخاری' ج ا' رقم الحدیث: ۱۱۶۲' سنن ترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۸۰' سنن ابن ماجہ' ج ا' رقم الحدیث: ۱۳۸۳' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۴۷۰۷)

استخارہ کرنے کا طریقہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر ایک بار دعاء استخارہ کرنے کے بعد آدمی کا دل کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی طرف نہ جھکے تو آیا دوبارہ یہ عمل کرنا مشروع ہے یا نہیں' حتیٰ کہ اس کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق شرح صدر ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ صلاۃ استخارہ اور دعا کو بار بار کرنا مستحب ہے۔ امام ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس! جب تم کسی کام کا قصد کرو تو اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ کرو' پھر یہ غور کرو کہ تمہارا دل کس جانب مائل ہوتا ہے' بس خیر اسی میں ہے۔ امام عقیلی اور امام ابن عدی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے' اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ساقط ہے' اور اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ ہاں! اس حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے کہ جب نبی ﷺ کوئی دعا کرتے تو تین بار دعا کرتے۔ علامہ نووی نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ صلاۃ استخارہ کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد "قل یا یہا

الکافرون" پڑھے' اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد "قل ھو اللہ احد" پڑھے۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں اسی طرح لکھا ہے' اور ہمارے شیخ زین الدین رحمہ اللہ نے لکھا ہے' صلاۃ استخارہ میں کسی سورت کی قرأت کرنا معین نہیں ہے' اور کسی حدیث میں اس تعین کا ذکر نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری' ج ۷' ص ۲۲۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ دعا کے شروع اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی ﷺ پر صلوۃ پڑھے اور پہلی رکعت میں قرأت کے بعد یہ زیادہ پڑھے (وربک یخلق ما یشاء ویختار) اور اس کو یعلنون تک پڑھے اور دوسری رکعت میں (وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ الایہ) پوری آیت پڑھے اور استخارہ کا عمل سات مرتبہ کرے' جیسا کہ امام ابن السنی نے (عمل الیوم واللیلہ میں) روایت کیا ہے' اور شرح الشرعہ میں مذکور ہے کہ مشائخ سے یہ سنا گیا ہے کہ نماز استخارہ پڑھ کر اور دعاء مذکور کرنے کے بعد باوضو قبلہ کی طرف منہ کر کے سو جائے' اگر اسے خواب میں کوئی سفید یا سبز چیز نظر آئے تو یہ کام اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو سیاہ یا سرخ چیز نظر آئے تو یہ کام اس کے لیے شر ہے اور اس کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(رد المحتار' ج ۱' ص ۴۶۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قرائن کی بناء پر مستقبل کے ظنی ادراک حاصل کرنے کا حکم

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں جب تیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا فسق ہے تو اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ نبی ﷺ فال (نیک شگون) کو پسند کرتے تھے اور تیروں سے اپنے سفر یا مستقبل کے کسی کام کے متعلق معلومات حاصل کرنا بھی ایک قسم کی فال ہے تو پھر تیروں کے ذریعہ فال نکالنے کو کیوں فسق فرمایا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ واحدی نے کہا ہے کہ تیروں سے فال نکالنا یا قسمت کا حال معلوم کرنا اس لیے حرام ہے کہ اس میں غیب کی معرفت کی طلب ہے اور یہ حرام ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا — اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

(لقمان: ۳۴)

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل: ۶۵) — آپ کہیے کہ اللہ کے سوا جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے' وہ (بذاتہ) غیب کو نہیں جانتا۔

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس گیا یا جس شخص نے تیروں کے ذریعہ قسمت کو معلوم کیا' یا کسی چیز سے جو فال نکال کر سفر سے واپس ہوا' وہ قیامت کے دن جنت کے بلند درجات کو نہیں دیکھ سکے گا۔ (تفسیر کبیر' ج ۳' ص ۳۵۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اور کوئی معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اگر علامات متعارفہ کے ذریعہ ظنی علم حاصل کرنا (مثلاً موسمی علامات کے ذریعہ درجہ حرارت' یا بارش کے ہونے یا نہ ہونے کا علم حاصل کرنا' یا جدید سائنسی آلات کے ذریعہ سورج اور چاند کے گہن لگنے کا علم حاصل کرنا) معرفت غیب کی طلب ہو' تو پھر خواب کی تعبیر معلوم کرنے کا علم بھی کفر ہونا چاہیے' کیونکہ یہ بھی غیب کی طلب ہے' اور کسی چیز سے نیک فال نکالنا بھی کفر ہونا چاہیے' کیونکہ یہ بھی غیب کی طلب ہے' اور جو اصحاب کرامات اور اولیاء اللہ الہام کا دعویٰ کرتے ہیں' وہ بھی کافر ہونے چاہئیں' اور یہ بداہۃً معلوم ہے کہ ان امور کا کفر ہونا باطل ہے' کیونکہ یہ تمام امور شریعت

سے ثابت ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی چیز میں بدشگونی نہیں ہے' اور سب سے عمدہ چیز فال ہے۔ انہوں نے پوچھا' یا رسول اللہ! فال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اچھی بات جو تم میں سے کوئی شخص سنتا ہے۔ (صحیح البخاری' ۵۷۵۵' صحیح مسلم' ۲۲۲۳) کسی ناپسندیدہ قول یا فعل سے برا معنی لینا بدشگونی ہے۔ عرب جب کہیں جانا چاہتے تو وہ پرندہ یا کسی جانور کو ڈرا کر اڑاتے یا بھگاتے۔ اگر وہ دائیں جانب بھاگتا' تو اس کو مبارک جانتے اور سفر پر چلے جاتے اور اگر وہ بائیں جانب جاتا تو اس کو منحوس جانتے اور سفر پر نہ جاتے' یا جو کام کرنا ہوتا' نہ کرتے' اور فال کا معنی نیک اور اچھی بات ہے' جس سے طبیعت میں خوشی ہو۔ حضرت انس رضی اللہ بیان کرتے ہیں' نبی ﷺ جب کسی کام کے لیے جاتے' تو آپ یہ سن کر خوش ہوتے تھے یا راشد (اے ہدایت یافتہ) یا نجیح (اے کامیاب)۔ (سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۲۲)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے تھے۔ آپ جب کسی شخص کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے' جب آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے' اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا' تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی' اور جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس کا نام پوچھتے۔ اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا' تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی۔

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۹۲۰' مسند احمد' ج ۱' ص ۱۸۰' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' طبع قدیم)

سو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں غیب کے جس علم کی طلب سے منع فرمایا ہے' اس سے مراد غیب کا یقینی اور قطعی علم ہے اور علامات' آلات اور علم تعبیر اور فال سے جو غیب کا ادراک حاصل ہوتا ہے' وہ محض ظن ہے۔ بعض صورتوں میں یہ ظن قوی ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں یہ ظن ضعیف ہوتا ہے۔ اس آیت کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفار کا عقیدہ یہ تھا کہ تیروں کے ذریعہ جو ان کو معلومات حاصل ہوتی ہیں' وہ بتوں کے تصرف سے حاصل ہوتی ہیں اور ان کا یہ عقیدہ فسق تھا' اس لیے فرمایا: کہ یہ فسق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "آج کفار تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہو گئے' سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو"۔ (المائدہ: ۳)

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تکفیر مسلمین پر بحث و نظر

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند محرمات کے کھانے سے منع فرمایا' جن کا ذکر اس آیت کے شروع میں ہے اور تیروں سے قسمت کا حال دریافت کرنے سے منع فرمایا۔ اور آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں احکام شرعیہ کے عمل پر برانگیختہ فرمایا' اور ان کو غلبہ کی بشارت دی' تاکہ شریعت پر عمل کرنے کا عزم اور قوی ہو اور ان کی شجاعت اور زیادہ ہو۔ یہ آیت دس ہجری حجۃ الوداع کے سال عرفہ کے دن نازل ہوئی' وہ دن جمعہ کا تھا' اور اس میں فرمایا کفار تمہارے دین کو باطل کرنے اور تم پر غلبہ پانے سے اور اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف تمہارے لوٹ جانے سے مایوس ہو چکے ہیں' اور شیطان بھی مایوس ہو گیا ہے کہ تمہاری سرزمین پر اس کی عبادت کی جائے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں یہ یوم عرفہ تھا اور اس دن جمعہ تھا جب نبی

ﷺ نے میدان عرفات پر نظر ڈالی تو آپ کو موحدین کے سوا کوئی نظر نہیں آیا' اور آپ نے کسی مشرک کو نہیں دیکھا' تب آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اس آیت کو لے کر نازل ہوئے۔
(جامع البیان' ج٦' ص ١٠٥' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان جزیرۂ عرب میں اپنی عبادت کیے جانے سے مایوس ہو گیا ہے' لیکن وہ ان (مسلمانوں) کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے گا۔
(صحیح مسلم' ج ٤' رقم الحدیث: ٢٨١٢' مسند احمد' ج ٣' ص ٣٨٤-٣٥٤' ج ٤' ص ١٢٦)

اس آیت اور ان احادیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ جزیرۂ عرب اور خصوصاً حرمین طیبین میں شیطان کی عبادت نہیں ہو سکتی' نہ بت پرستی ہو گی اور اس سے یہ واضح ہوا کہ ترکوں کے دور میں حرمین شریفین میں جو اہل سنت کے معمولات تھے۔ مسلمان روضہ انور کی جالیوں کو چومتے تھے اور نبی ﷺ سے استمداد اور استغاثہ کرتے تھے' اسی طرح افاضل صحابہ اور اہل بیت کرام کی قبور سے استمداد کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں تھی' اور نہ شیطان کی عبادت تھی' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا شیطان جزیرۂ عرب میں اپنی عبادت کیے جانے سے مایوس ہو چکا ہے۔

بارہویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کا ظہور ہوا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام سے توسل کرنا' اور ان سے شفاعت طلب کرنا شرک ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے' وہ کافر ہے' اور اس کو قتل کرنا مباح ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب متوفی ١٢٠٦ھ نے لکھا ہے:

تم یہ جان چکے ہو کہ لوگ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنے کی وجہ سے اسلام میں داخل نہیں ہوتے' اور فرشتوں اور نبیوں کی شفاعت کا ارادہ کرنے کی وجہ سے اور ان کے وسیلہ سے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی وجہ سے ان کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا مباح ہو گیا ہے۔ (کشف الشبہات' ص ٩' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ)

شیخ مذکور کے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نے شیخ مذکور کے رد میں مسطور الصدر حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جس قدر چاہا' اپنے غیب سے مطلع فرمایا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے' اس کی خبر دے دی' اور رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جزیرۂ عرب میں شیطان اپنی عبادت سے مایوس ہو چکا ہے' اور شداد کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ جزیرۂ عرب میں بت پرستی نہیں ہو گی اور تمہارا مذہب ان حدیثوں کے برعکس ہے' کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بصرہ اور اس کے گرد و نواح اور عراق میں دجلہ سے لے کر اس جگہ تک جہاں حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں ہیں' اسی طرح سارے یمن اور حجاز میں شیطان کی پرستش اور بت پرستی ہوتی ہے' اور یہاں کے مسلمان بت پرست اور کفار ہیں۔ حالانکہ یہ تمام جگہیں سرزمین عرب کے وہ تمام علاقے ہیں جن کی سلامتی ایمان اور کفر سے برأت کی حضور ﷺ نے خبر دی ہے' اور تم کہتے ہو کہ یہاں کے لوگ کافر ہیں اور جو ان کو کافر نہ کہے' وہ بھی کافر ہے۔ سو یہ تمام احادیث تمہارے مذہب کا رد کرتی ہیں۔ نیز امام احمد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: شیطان ہمیشہ کے لیے اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) میں اس کی پرستش کی جائے۔ البتہ! تمہاری آپس کی لڑائیوں میں اس کی پیروی ہوتی رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ کبھی خلاف واقع خبر نہیں دیتے اور جن چیزوں (توسل اور طلب شفاعت) کا نام تم شرک اکبر رکھتے ہو' ان کے مرتکبین کو بت پرست کہتے ہو' ان

تمام امور پر تمام اہل مکہ' ان کے عوام' امراء اور علماء چھ سو سال سے زیادہ عرصہ سے عمل پیرا ہیں' اور تمہارا گمان ہے کہ یہ لوگ کافر ہیں اور یہ احادیث تمہارے زعم فاسد کا رد کرتی ہیں۔ (الصواعق الالہیہ' ص ٤٧-٤٦' مطبوعہ مکتبہ المشیق' استنبول)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ١٢٥٢ھ لکھتے ہیں ہمارے زمانہ میں محمد بن عبدالوہاب کے متبعین نجد سے نکلے اور حرمین پر قابض ہو گئے۔ یہ خود کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں' لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کے مخالف ہوں وہ مشرک ہیں۔ انہوں نے اہل سنت کے قتل اور ان کے علماء کے قتل کو جائز قرار دیا۔

(رد المحتار' ج ٣' ص ٣٠٩' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٠٧ھ)

شیخ محمد انور شاہ کشمیری متوفی ١٣٥٢ھ لکھتے ہیں رہا محمد بن عبدالوہاب نجدی تو وہ پلید شخص تھا' کم علم تھا' اور وہ بہت جلد کفر کا حکم لگاتا تھا۔ حالانکہ تکفیر اس شخص کو کرنی چاہیے جس کا علم بہت پختہ ہو' اور وہ حاضر دماغ ہو' اور کفر کی وجوہ اور اس کے اسباب کا جاننے والا ہو۔ (فیض الباری' ج ١' ص ١٧١' مطبوعہ مطبعہ الحجازی' القاہرہ' ١٣٥٧ھ)

سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی متوفی ١٣٠٤ھ لکھتے ہیں اور شیخ نجدی بہ صراحت کہا کرتا تھا کہ چھ سو سال سے تمام امت کافر ہے' اور وہ ہر اس شخص کی تکفیر کرتا تھا جو اس کی اتباع نہ کرے۔ خواہ وہ انتہائی پرہیزگار شخص ہی کیوں نہ ہو' وہ ایسے تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر ان کو قتل کرا دیتا' اور ان کے مال و متاع کو لوٹنے کا حکم دیتا اور جو شخص اس کی اتباع کر لیتا' اس کو مومن قرار دیتا۔ خواہ وہ شخص بدترین فاسق ہو۔ (خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام' ص ٢٢٣' مطبوعہ مکتبہ المشیق' استنبول)

سید حسین احمد مدنی لکھتے ہیں محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا۔ (یہ ١١١١ھ میں پیدا ہوا اور ١٢٠٦ھ میں مر گیا۔ سعیدی غفرلہ) اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا' اس لیے اس نے اہل سنت والجماعت سے قتل و قتال کیا' ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا' ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا' اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً تکالیف شاقہ پہنچائیں' سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے' بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا' اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوجوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم و باغی و خونخوار شخص تھا۔ (شہاب ثاقب' ص ٤٢' مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ' دیوبند' ضلع سہارن پور)

نیز حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

١- محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانان دیار مشرک و کافر ہیں' اور ان سے قتل و قتال کرنا ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے' چنانچہ نواب صدیق حسن خان نے خود اس کے ترجمہ میں ان دونوں باتوں کی تصریح کی ہے۔

٢- نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانہ تک ہے' جب تک وہ دنیا میں تھے' بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ (شہاب ثاقب' ص ٤٣)

٣- زیارت رسول مقبول ﷺ و حضوری آستانہ شریفہ و ملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت' حرام وغیرہ لکھتا ہے' اس طرف اس نیت سے سفر کرنا محظور و ممنوع جانتا ہے۔ بعض ان میں کے سفر زیارت کو معاذ اللہ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں' اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوٰۃ و سلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پڑھتے' اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا وغیرہ مانگتے ہیں۔ (شہاب ثاقب' ص ٤٥)

۴- شان نبوت و حضرت رسالت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمانہ تبلیغ کی مانتے ہیں' اور اپنی شقاوت قلبی و ضعف اعتقادی کی وجہ سے جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کر کے راہ پر لا رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ رسول مقبول علیہ السلام کا کوئی حق اب ہم پر نہیں' اور نہ کوئی احسان اور فائدہ ان کی ذات پاک سے بعد وفات ہے' اور اسی وجہ سے توسل دعا میں آپ کی ذات پاک سے بعد وفات ناجائز کہتے ہیں۔ ان کے بڑوں کا مقولہ ہے: نقل کفر' کفر نہ باشد کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذات سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے' ہم اس سے کتے کو بھی دفع کر سکتے ہیں' اور ذات فخر عالم ﷺ تو یہ بھی نہیں کر سکتے (شہاب ثاقب' ص ۴۷)

۵- وہابیہ اشغال باطنیہ و اعمال صوفیہ مراقبہ ذکر و فکر و ارادت و مشیخت و ربط القلب بالشیخ و فنا و بقا و خلوت وغیرہ اعمال کو فضول و لغو و بدعت و ضلالت شمار کرتے ہیں' اور ان اکابر کے اقوال و افعال کو شرک وغیرہ کہتے ہیں' اور ان سلاسل میں داخل ہونا بھی مکروہ و مستقبح' بلکہ اس سے زائد شمار کرتے ہیں۔ (شہاب ثاقب' ص ۵۹)

٦- وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالت جانتے ہیں اور ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظ وہابیہ خبیثہ استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت والجماعت کے مخالف ہو گئے' چنانچہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شنیعہ کے پیرو ہیں۔ وہابیہ نجد عرب اگرچہ بوقت اظہار دعویٰ حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں' لیکن عمل درآمد ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے' بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ حنابلہ خیال کرتے ہیں' اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (شہاب ثاقب' ص ٦٣-٦٢)

٧- مثلاً علی العرش استوی وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ استواء ظاہری اور جہات وغیرہ ثابت کرتا ہے جس کی وجہ سے ثبوت جسمیت وغیرہ لازم آتا ہے۔ مسئلہ نداء رسول ﷺ میں وہابیہ مطلقاً منع کرتے ہیں۔ (الی قولہ) چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنے کو سخت منع کرتے ہیں' اور اہل حرمین پر سخت نفرین اس نداء اور خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزاء اڑاتے ہیں' اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اس صورت اور جملہ صورت درود شریف کو اگرچہ بصیغہ نداء و خطاب کیوں نہ ہو' مستحب و مستحسن جانتے ہیں' اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔ (الی قولہ) وہابیہ نجدیہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ میں استعانت بغیر اللہ ہے اور وہ شرک ہے' اور یہ بھی ان کے نزدیک سبب مخالفت کی ہے' حالانکہ یہ اکابر مقدسان دین متین اس کو ان اقسام استعانت میں سے شمار نہیں کرتے جو کہ مستوجب شرک یا باعث ممانعت ہو۔ (شہاب ثاقب' ص ٦٥-٦٣' ملخصاً)

٨- وہابیہ خبیثہ کثرت صلوۃ و سلام و درود بر خیر الانام علیہ السلام اور قرات دلائل الخیرات و قصیدہ بردہ و قصیدہ ہمزیہ وغیرہ اور اس کے پڑھنے اور اس کے استعمال کرنے و ورد بنانے کو سخت قبیح و مکروہ جانتے ہیں' اور بعض اشعار کو قصیدہ بردہ میں شرک وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً

یا اشرف الخلق ما لی من الوذ بہ
سواک عند حلول الحادث العمم

"اے افضل مخلوقات میرا کوئی نہیں جس کی پناہ پکڑوں' بجز تیرے' بروقت نزول حوادث"۔ (شہاب ثاقب' ص ٦٦)

٩- وہابیہ امر شفاعت میں اس قدر تنگی کرتے ہیں کہ بمنزلہ عدم کو پہنچا دیتے ہیں۔ (شہاب ثاقب' ص ٦٧)

١٠- وہابیہ سوائے علم احکام الشرائع جملہ علوم اسرار حقانی وغیرہ سے ذات سرور کائنات خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کو خالی

جانتے ہیں۔ (شہاب ثاقب ص ٦٧)

١١۔ وہابیہ نفس ذکر ولادت حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبیح بدعت کہتے ہیں' اور علی ھذا القیاس اذکار اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی برا سمجھتے ہیں۔ (شہاب ثاقب ص ٦٧)

وہابیہ نے علماء حرمین شریفین کے خلاف کیا تھا اور کرتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے جبکہ وہ غلبہ کر کے حرمین شریفین پر حاکم ہو گئے تھے' ہزاروں کو تہ تیغ کر کے شہید کیا اور ہزاروں کو سخت ایذائیں پہنچائیں' بار بار ان سے مباحثے ہوئے۔ ان سب امور میں ہمارے اکابران کے سخت مخالف ہیں۔ (شہاب ثاقب ص ٦٨-٦٧' مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ' دیوبند' ضلع سہارنپور)

شیخ خلیل انبیٹھوی نے ایک کتاب لکھی ہے "التصدیقات لدفع التلبیسات" اس میں لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک محمد بن عبدالوہاب کا وہی حکم ہے جو صاحب الدر المختار نے خوارج کا لکھا ہے۔ اور جو علامہ شامی نے محمد بن عبدالوہاب کے متعلق لکھا ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی' شیخ شبیر احمد عثمانی' شیخ حبیب الرحمن اور دیگر اکابر دیوبند نے اس کی تصدیق کی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی' متوفی ١٣٠٧ھ لکھتے ہیں:

حرمین شریفین کے لوگ شیخ نجدی کے نام سے بھی ناراض ہوتے ہیں' کیونکہ شیخ نجدی ان کے لیے شدید تکالیف اور مصائب کا سبب بنا تھا۔ پس جو شخص بھی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے ہو کر آتا ہے' وہ اپنے دل میں محمد بن عبدالوہاب کے خلاف سخت غم و غصہ لے کر آتا ہے۔ (سوائد العوائد من عیون الاخبار والفوائد' ص ٣٨)

حضرت علی کی خلافت کا غیر منصوص ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار آج تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہو گئے۔ پھر اس کو موکد فرمایا' تم ان سے نہ ڈرو' مجھ سے ڈرو اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے منصوص اور واجب الاطاعت نہیں تھی' ورنہ جو شخص اس نص کو چھپانے کا ارادہ کرتا یا اس میں تغیر اور تحریف کا ارادہ کرتا' وہ اس دین کی ناکامی سے مایوس ہو جاتا' جیسا کہ اس آیت کا تقاضا ہے اور صحابہ میں سے کوئی شخص بھی اس نص کو چھپانے پر قادر نہ ہوتا۔ اور جب اس نص کا کہیں کوئی ذکر نہیں آیا' کسی حدیث اور کسی اثر میں اس کا بیان نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ شیعہ اور رافضیوں کا یہ پروپیگنڈا باطل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت اور خلافت کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے نص صریح تھی' اور صحابہ نے اس کو چھپا لیا۔ کیونکہ اگر اس نص کا تعلق دین کی کامیابی اور اس کے غلبہ سے ہوتا' جیسا کہ شیعہ کا دعویٰ ہے' تو پھر اس کے چھپانے سے دین کے مخالف مایوس ہو چکے تھے اور شیعہ صحابہ کو دین کا مخالف اور کافر ہی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا' اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کر لیا (المائدہ: ٣)

تدریجاً احکام کا نزول دین کے کامل ہونے کے منافی نہیں

یہ آیت حجۃ الوداع کے سال دس ہجری کو عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے' اور اس دن دین کامل ہوا ہے۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا اس سے پہلے دس سال تک دین ناقص رہا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں فرائض اور واجبات اور محرمات اور مکروہات پر مشتمل احکام کا نزول تدریجاً ہوا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا نزول بھی تدریجاً ہوا ہے اور اس آیت میں دین کے کامل ہونے کا معنی یہ ہے کہ اصول اور فروع' عقائد اور احکام شرعیہ کے متعلق جتنی آیات نازل ہونی تھیں' وہ تمام آیات اللہ تعالیٰ نے نازل کر دی ہیں۔ عقائد کے باب میں تمام آیات نازل کر دی گئیں۔ اسی طرح قیامت تک پیش آنے والے مسائل اور

حوادث کے متعلق تمام احکام کے متعلق آیات نازل کردی گئیں' اور ان کی تشریح زبان رسالت سے کردی گئی ہے۔ دین اسلام تو ہمیشہ سے کامل ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے بندوں کی آسانی کے لیے اس کا بیان تدریجاً فرمایا' کیونکہ جو لوگ کفر اور برائی میں سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے تھے' اگر ان کو یک لخت ان تمام احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا جاتا تو یہ ان کی طبیعت پر سخت مشکل اور دشوار ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی سہولت کی خاطر اس کا بیان رفتہ رفتہ اور تدریجاً فرمایا' اور آج یہ بیان اپنے تمام و کمال کو پہنچ گیا۔

اسلام کا کامل دین ہونا ادیان سابقہ کے کامل ہونے کے منافی نہیں

اس آیت پر دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت میں اسلام کو کامل دین فرمایا ہے' تو کیا حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ' اور دیگر انبیاء سابقین کا دین کامل نہیں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام ادیان سابقہ اپنے اپنے زمانوں کے لحاظ سے کامل تھے۔ ان کے زمانوں میں تہذیب و تمدن کے جو تقاضے تھے اور ان کی رعایت سے جس طرح کے شرعی احکام ہونے چاہئیں تھے' اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی احکام نازل فرمائے' پھر حالات کے بدلنے اور تہذیب و ثقافت کی ترقی سے تقاضے بدلنے لگے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر بعد کی شریعت میں پہلی شریعت کے بعض احکام منسوخ کردیئے اور نسخ احکام کا یہ سلسلہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک جاری رہا' بلکہ آپ کی شریعت میں بھی بعض احکام منسوخ کیے گئے۔ لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی حکم منسوخ نہیں ہوگا اور اب جس قدر احکام ہیں' وہ سب محکم ہیں اور ناقابل تنسیخ ہیں' اور قیامت تک یہ تمام احکام نافذ العمل رہیں گے' الا یہ کہ جس حکم کی مدت خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمادی ہے۔ مثلاً جزیہ کی مدت نزول عیسیٰ علیہ السلام تک ہے' اور اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس وقت سب مسلمان ہو جائیں گے۔ لہٰذا کسی سے جزیہ لینے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ادیان سابقہ میں سے ہر دین کامل تھا' لیکن اس کا کمال اضافی تھا' وہ دین جس زمانہ اور جس قوم اور جس علاقہ کے لیے تھا' اس کے لحاظ سے وہ دین کامل تھا اور اسلام بھی دین کامل ہے اور اس کا کمال حقیقی ہے' یہ اپنے زمانہ نزول سے لے کر قیامت تک کے لیے کامل ہے' تمام لوگوں کے لیے اور تمام دنیا کے لیے اب یہی دین ہے اور یہی کمال حقیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا: ٢٨)
اور ہم نے آپ کو قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے رسول بنایا درآنحالیکہ آپ خوشخبری دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان: ١)
وہ برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندہ پر کتاب فیصل نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران: ٨٥)
جس شخص نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا' تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم (ایسا کلام جس میں الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ ہوں) عطا کیے گئے اور رعب سے میری مدد کی گئی اور غنیمتیں میرے لیے حلال کردی گئیں اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاک کرنے والی (آلہ تیمم) اور مسجد بنادیا گیا' اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کو ختم کردیا گیا' اور حضرت جابر کی روایت میں ہے ہر نبی کو بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث

کیا جاتا تھا' اور مجھے ہر کالے اور گورے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۲۳-۵۲۱' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۵۹)

قرآن مجید کی آیات اور اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ سیدنا محمد ﷺ کو قیامت تک تمام لوگوں کیلئے رسول بنایا گیا ہے' اور اسکا معنی یہ ہے کہ آپکی شریعت قیامت تک کیلئے ہے' اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسلام کے سوا اور کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ سو واضح ہو گیا کہ باقی ادیان اپنے اپنے زمانوں کے اعتبار سے کامل تھے' اور اسلام قیامت تک کیلئے کامل دین ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اسلام کے متعلق فرمایا: کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔

یوم میلاد النبی ﷺ کا عید ہونا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ بیان کرتے ہیں: یہ آیت حجۃ الوداع کے سال یوم عرفہ کو بروز جمعہ نازل ہوئی' اس کے بعد فرائض سے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی' نہ حلال اور حرام سے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ صرف اکیس روز زندہ رہے۔ ابن جریج سے اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

(جامع البیان' جز ۶' ص ۱۰۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں: عمار بن ابی عمار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک یہودی کے سامنے یہ آیت پڑھی "الیوم اکملت لکم دینکم" الایہ تو اس یہودی نے کہا اگر ہم پر یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے' یوم الجمعہ اور یوم عرفہ کو۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن مسلمانوں کی عید ہے اور عرفہ کا دن بھی مسلمانوں کی عید ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کی صرف دو عیدیں ہیں' انہوں نے اس حدیث پر غور نہیں کیا۔ البتہ! یہ کہا جا سکتا ہے کہ مشہور عیدیں صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں جن کے مخصوص احکام شرعیہ ہیں۔ عید الفطر میں صبح افطار کیا جاتا ہے' اس کے بعد دو رکعت نماز عید گاہ میں پڑھی جاتی ہے اور اس کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے اور عید الاضحیٰ میں پہلے نماز اور خطبہ ہے' اور اس کے بعد صاحب نصاب پر قربانی کرنا واجب ہے۔ جمعہ کا دن مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے اور اس میں ظہر کے بدلہ میں نماز اور خطبہ فرض کیا گیا ہے' اور عرفہ کے دن غیر حجاج کے لیے روزہ رکھنے میں بڑی فضیلت ہے اور اس سے دو سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عید اس دن کو کہتے ہیں جو بار بار لوٹ کر آئے اور شریعت میں عید کا دن یوم الفطر اور یوم النحر (قربانی کا دن) کے ساتھ مخصوص ہے' اور جبکہ شریعت میں یہ دن خوشی کے لیے بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں متنبہ فرمایا ہے یہ کھانے پینے اور ازدواجی عمل کے دن ہیں اور عید کا لفظ ہر اس دن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں کوئی خوشی حاصل ہو اور اس پر قرآن مجید کی اس آیت میں دلیل ہے:

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ (المائدہ: ۱۱۴)

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کیا' اے اللہ! ہمارے رب! آسمان سے ہم پر کھانے کا خوان نازل فرما جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی۔

(المفردات' ص ۳۵۲' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۶۲ھ)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شرعی اور اصطلاحی عید تو صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں اور یوم عرفہ اور یوم جمعہ عرفاً عید ہیں اور جس دن کوئی نعمت اور خوشی حاصل ہو وہ بھی عرفاً عید کا دن ہے اور تمام نعمتوں کی اصل سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ سو جس دن یہ عظیم نعمت حاصل ہوئی' وہ تمام عیدوں سے بڑھ کر عید ہے اور یہ بھی عرفاً عید ہے' شرعاً عید نہیں ہے' اس لیے مسلمان ہمیشہ سے اپنے نبی ﷺ کی ولادت کے دن بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی مناتے ہیں۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ بارہ ربیع الاول نبی ﷺ کا یوم ولادت ہے اور بعض اقوال کے مطابق آپ کا یوم وفات بھی یہی ہے۔ تم اس دن نبی ﷺ کی ولادت پر خوشی مناتے ہو۔ اس دن آپ کی وفات پر سوگ کیوں نہیں مناتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے ہمیں نعمت پر خوشی منانے' اس کا اظہار اور بیان کرنے کا تو حکم دیا ہے اور کسی نعمت کے چلے جانے پر سوگ منانے سے منع کیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم غم اور سوگ کیوں کریں؟ نبی ﷺ جس طرح پہلے زندہ تھے' اب بھی زندہ ہیں۔ پہلے دار التکلیف میں زندہ تھے' اب دار الجزاء اور جنت میں زندہ ہیں' آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں' نیک اعمال پر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور برے اعمال پر آپ امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ آپ زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں' طالبین شفاعت کے لیے شفاعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مطالعہ اور مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں اور آپ کے مراتب اور درجات میں ہر آن اور ہر لحظہ ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اس میں غم کرنے کی کون سی وجہ ہے؟ جبکہ آپ نے خود یہ فرمایا ہے میری حیات بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری ممات بھی تمہارے لیے خیر ہے۔ (الوفاء باحوال المصطفیٰ' ص ٨١٠)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ١٣٩٦ھ لکھتے ہیں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کی عید میلاد منائی' ان کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے رسول کریم ﷺ کی پیدائش پر عید میلاد النبی کے نام سے ایک عید بنادی' اس روز بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی خرافات کو اور رات میں چراغاں کو عبادت سمجھ کر کرنے لگے۔ جس کی کوئی اصل صحابہ و تابعین اور اسلاف امت کے عمل میں نہیں ملتی۔ (معارف القرآن' ج ٣' ص ٣٥' مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی' ١٣٩٧ھ)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٦ھ نے ایک انٹرویو کے دوران ایک سوال کے جواب میں کہا سب سے پہلے تو آپ کو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ اسلام میں عید میلاد النبی کا تصور بھی ہے یا نہیں۔ اس تہوار کو' جس کو ہادی اسلام ﷺ سے منسوب کیا جاتا ہے حقیقت میں اسلامی تہوار ہی نہیں۔ اس کا کوئی ثبوت اسلام میں نہیں ملتا' حتیٰ کہ صحابہ کرام نے بھی اس دن کو نہیں منایا۔ افسوس! اس تہوار کو دیوالی اور دسہرہ کی شکل دے دی گئی ہے' لاکھوں روپیہ برباد کیا جاتا ہے۔

(ہفت روزہ قندیل' لاہور' ٣ جولائی ١٩٦٦ء)

عام طور پر شیخ محمد بن عبد الوہاب کے متبعین اور علماء دیوبند یہ تاثر دیتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی منانا اہل سنت و جماعت کا طریقہ ہے اور ان کی ایجاد و اختراع ہے۔ جیسا کہ مذکور الصدر اقتباس سے ظاہر ہو رہا ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' بلکہ ہمیشہ سے اہل اسلام ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں' اور ان ایام کو عید مناتے رہے ہیں۔ علامہ احمد قسطلانی متوفی ٩١١ھ لکھتے ہیں:

ہمیشہ سے اہل اسلام رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے مہینہ میں محفلیں منعقد کرتے رہے ہیں اور دعوتیں کرتے رہے ہیں' اور اس مہینہ کی راتوں میں مختلف قسم کے صدقات کرتے ہیں' خوشی کا اظہار کرتے ہیں' اور نیک اعمال زیادہ کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس کی برکت سے ان پر فضل عام ظاہر ہوتا ہے۔ میلاد شریف منعقد کرنے سے یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ انسان کو اپنا نیک مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جس

نے مولود مبارک کے مہینہ کی راتوں کو عیدیں بنا دیا۔ (المواہب اللدنیہ ' ج ا' ص ٧٨ ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ' بیروت ١٤١٦ھ)

علامہ قسطلانی نے علامہ محمد بن محمد ابن الجزری متوفی ٨٣٣ھ کی اس عبارت کو ان کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی متوفی ١١٢٦ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ قرون ثلاثہ میں اس محفل کے انعقاد کا اہتمام نہیں ہوتا تھا' لیکن یہ بدعت حسنہ ہے۔ اس عمل میں بعض دنیا دار لوگوں نے جو منکرات شامل کر لیے ہیں' علامہ ابن الحاج مالکی نے مدخل میں ان کا رد کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اس مہینہ میں نیکی کے کام زیادہ کرنے چاہئیں اور صدقات' خیرات اور دیگر عبادات کو بہ کثرت کرنا چاہیے' اور یہی مولود منانے کا مستحسن عمل ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اربل کے بادشاہ ملک مظفر ابو سعید متوفی ٦٣٠ھ نے سب سے پہلے میلاد النبی کی محفل منعقد کی۔ یہ بہت بہادر عالم' عاقل' نیک اور صالح بادشاہ تھا' یہ تین سو دینار خرچ کر کے بہت عظیم دعوت کا اہتمام کرتا تھا۔ (شرح المواہب اللدنیہ ' ج ا' ص ١٣٩ ' مطبوعہ دار المعرفہ ' بیروت ' ١٣٩٣ھ)

شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں ہم نے بہت تفصیل سے میلاد النبی منانے پر بحث کی ہے اور علامہ سیوطی' ملا علی قاری اور دیگر علماء نے کتاب و سنت سے جو میلاد النبی کی اصل نکالی ہے اور معترضین کے جوابات دیئے ہیں اور اس پر دلائل فراہم کیے ہیں' ان کو تفصیل سے لکھا ہے۔ بعض شہروں میں میلاد النبی کے جلوس میں بعض لوگ باجے گاجے اور غیر شرعی کام کرتے ہیں اور ہمارے علماء ہمیشہ اس سے منع کرتے ہیں۔ تاہم اکثر شہروں میں بالکل پاکیزگی کے ساتھ جلوس نکالا جاتا ہے۔ میں دو مرتبہ برطانیہ گیا اور میں نے وہاں اس مہینہ میں متعدد جلوسوں میں شرکت کی۔ ان جلوسوں میں نعت خوانی اور ذکر اذکار کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا' کوئی غیر شرعی کام نہیں ہوتا اور تمام شرکاء جلوس باجماعت نماز پڑھتے ہیں اور بعد ازاں جلسہ ہوتا ہے' جس میں نبی ﷺ کے فضائل اور محامد بیان کیے جاتے ہیں۔

پہلے دیوبند اور جماعت اسلامی کے علماء عید میلاد النبی منانے اور جلوس نکالنے پر انکار کرتے تھے' لیکن اب تقریباً پندرہ بیس سال کے عرصہ سے دیوبند اور جماعت اسلامی کے مقتدر علماء میلاد النبی ﷺ کا جلوس نکالنے اور اس میں شرکت کرنے لگے ہیں اور سپاہ صحابہ کے اکابر علماء حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ایام بھی منانے لگے ہیں۔ ان دنوں میں جلوس نکالتے ہیں اور حکومت سے ان ایام میں سرکاری تعطیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ١٣٩٦ھ عید میلاد النبی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہیں قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش یا موت کا یا تخت نشینی کا دن منایا جاتا ہے' اور کہیں کسی خاص ملک یا شہر کی فتح اور کسی عظیم تاریخی واقعہ کا جس کا حاصل اشخاص خاص کی عزت افزائی کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام اشخاص پرستی کا قائل نہیں ہے' اس نے ان تمام رسوم جاہلیت اور شخصی یادگاروں کو چھوڑ کر اصول اور مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کا اصول بنا دیا۔

(معارف القرآن' ج ٣' ص ٣٤ ' مطبوعہ ادارہ المعارف ' کراچی ' ١٣٩٧ھ)

لیکن اب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء دیوبند کی طرف سے نہ صرف ایام صحابہ منائے جاتے ہیں' بلکہ وہ اپنے اکابرین مثلاً شیخ اشرف علی تھانوی اور شیخ شبیر احمد عثمانی کے ایام بھی مناتے ہیں اور دیوبند کا صد سالہ جشن بھی منایا گیا۔ ہم پہلے میلاد النبی کے جلسوں اور جلوسوں میں مقتدر علماء دیوبند کی شرکت کو باحوالہ بیان کریں گے۔ پھر ایام صحابہ اور ایام اکابرین دیوبند کو ان حضرات کا منانا بیان کریں گے۔ جماعت اسلامی کا ترجمان روزنامہ جسارت لکھتا ہے:

پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود نے کہا ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین کے بعد قومی اتحاد نے وہ مثبت مقصد

حاصل کر لیا ہے جس کے لیے اس نے ان تھک اور مسلسل تحریک چلائی تھی۔ وہ آج یہاں مسجد نیلا گنبد پر نماز ظہر کے بعد قومی اتحاد کے زیر اہتمام عید میلاد النبی کے عظیم الشان جلوس کے شرکاء سے خطاب کر رہے تھے۔ اس موقع پر قومی اتحاد کے نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں' امیر جماعت اسلامی پاکستان میاں محمد طفیل' وفاقی وزیر قدرتی وسائل چودھری رحمت الہی اور مسلم لیگ چٹھہ گروپ کے سیکرٹری جنرل ملک محمد قاسم نے بھی خطاب کیا۔ تقریروں کے بعد مفتی محمود اور دیگر رہنماؤں نے مسجد نیلا گنبد میں ہی نماز عصر ادا کی' جس کے بعد ان رہنماؤں کی قیادت میں یہ عظیم الشان جلوس مختلف راستوں سے مسجد شہداء پہنچ کر ختم ہوا' جہاں شرکاء جلوس نے مولانا مفتی محمود کی قیادت میں نماز مغرب ادا کی۔ (روزنامہ جسارت' ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء)

جماعت اسلامی اور دیوبندی ارکان پر مشتمل قومی اتحاد کی حکومت کے دور میں عید میلاد النبی کے موقع پر روزنامہ جنگ کی ایک خبر کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیے۔

جشن عید میلاد النبی آج جوش و خروش سے منایا جائے گا' تقریبات کا آغاز ۲۱ توپوں کی سلامی سے ہو گا' گورنر کی صدارت میں جلسہ ہو گا' شہر بھر میں جلوس نکالے جائیں گے' نشتر پارک آرام باغ اور دیگر علاقوں میں جلسے ہوں گے۔

(روزنامہ جنگ' کراچی' ۹ فروری ۱۹۷۹ء)

روزنامہ حریت کی ایک خبر کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیں:

اسلامی قوانین کے نفاذ کے بعد قومی اتحاد کی تحریک کا مثبت مقصد حاصل ہو گا۔ مفتی محمود نے کہا' معاشرے کو مکمل طور پر اسلامی بنانے میں کچھ وقت لگے گا' عید میلاد کے موقع پر مفتی محمود کی قیادت میں عظیم الشان جلوس۔

(روزنامہ حریت' ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء)

روزنامہ مشرق کی ایک خبر ملاحظہ ہو:

لاہور ۹ فروری (پ پ ا) قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود اور نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں کل یہاں عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس کی قیادت کریں گے' یہ اجلاس نیلا گنبد سے نکل کر مسجد شہداء پر ختم ہو گا۔

(روزنامہ مشرق' کراچی' ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء)

جمعیت علماء اسلام کے مولانا محمد اجمل خاں نے مطالبہ کیا ہے کہ خلفاء راشدین کے ایام سرکاری طور پر منائے جائیں۔

(روزنامہ جنگ' لاہور' ۲۰ جون ۱۹۹۲ء)

سپاہ صحابہ کے سربراہ ضیاء الرحمن فاروقی نے اعلان کیا ہے کہ یکم محرم کو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت منایا جائے گا' اور جلوس بھی نکالے جائیں گے۔ (نوائے وقت' لاہور' ۲۳ جون ۱۹۹۲ء)

سپاہ صحابہ کے مرکزی صدر شیخ حاکم علی نے یکم محرم الحرام کو یوم فاروق اعظم کی سرکاری تعطیل پر کہا ہے کہ آج کا دن عید کا دن ہے۔ (نوائے وقت' ۱۷ جون ۱۹۹۴ء)

سپاہ صحابہ کے زیر اہتمام گزشتہ روز ۲۲ فروری کو پورے ملک میں مولانا حق نواز جھنگوی شہید کا یوم شہادت انتہائی عقیدت و احترام سے منایا گیا۔ سپاہ صحابہ جھنگ کے زیر اہتمام احرار پارک محلہ حق نواز شہید میں ایک تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سپاہ صحابہ کے قائم مقام سرپرست اعلیٰ مولانا محمد اعظم طارق ایم۔ این۔ اے نے کہا کہ ۲۲ فروری کی نسبت سے حضرت جھنگوی شہید کی شہادت کا دن ہے۔ اور ۲۱ رمضان المبارک کی نسبت کی وجہ سے یہی دن حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کی شہادت کا دن ہے۔ (نوائے وقت' لاہور' ۲۳ فروری ۱۹۹۵ء)

سپاہ صحابہ کے بانی مولانا حق نواز جھنگوی کی دوسری برسی کے موقع پر ۲۲ فروری کو پاکستان سمیت دیگر ممالک میں مولانا جھنگوی کی یاد میں سپاہ صحابہ جلسے' سیمینار اور دیگر تقریبات منعقد کرے گی۔ سپاہ صحابہ کے تمام مراکز و دفاتر میں ایصال ثواب کے لیے صبح نو بجے قرآن خوانی ہوگی۔ مرکزی تقریب جھنگ میں مولانا جھنگوی کی مسجد میں قرآن خوانی سے شروع ہوگی اور بعد میں عظیم الشان جلسہ ہوگا' جس میں قائدین خطاب کریں گے۔ (نوائے وقت لاہور' ۲۱ فروری ۱۹۹۲ء)

یوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کا مظاہرہ

خلفائے راشدین کے یوم سرکاری سطح پر نہ منانا ناقابل فہم ہے' محمد احمد مدنی کا مظاہرین سے خطاب۔

کراچی (پ ر) سپاہ صحابہ کے زیر اہتمام یوم شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عقیدت و احترام سے منایا گیا' اس سلسلے میں جامعہ صدیق اکبر ناگن چورنگی میں اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ڈویژنل رہنما علامہ محمد اویس نے حضرت عمر فاروق کے کارناموں پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں یوم شہادت حضرت عمر فاروق پر عام تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کے تحت احتجاجی مظاہرہ کیا گیا' مظاہرین پلے کارڈ اور بینر اٹھائے ہوئے تھے' جن پر یوم خلفائے راشدین کو سرکاری سطح پر منانے' اس روز عام تعطیل کرنے' اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لٹریچر کی ضبطی اور اسیر رہنماؤں اور کارکنوں کی رہائی پر مشتمل مطالبات درج تھے۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے صوبائی سیکرٹری جنرل مولانا محمد احمد مدنی نے کہا کہ ملک میں ملکی اور علاقائی سطح کے رہنماؤں کے یوم منائے جاتے ہیں' لیکن اسلامی ملک میں خلفائے راشدین کے یوم پر تعطیل نہ کرنا ناقابل فہم ہے۔ اس موقع پر ایک قرارداد کے ذریعے مولانا علی شیر حیدری' مولانا اعظم طارق' حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ' مولانا غفور ندیم اور دیگر کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ دریں اثناء سپاہ صحابہ اسٹوڈنٹس کراچی ڈویژن کے جنرل سیکرٹری حافظ سفیان عباسی' شفیق الرحمن' ابو عمار' جی۔ اے قادری اور ایم۔ اے کشمیری نے مظاہرہ میں شرکت پر طلبہ کا شکریہ ادا کیا۔

(روزنامہ جنگ' کراچی' ۱۰ مئی ۱۹۹۷ء)

عشرۂ حکیم الامت منایا جائے گا' مفتی نعیم

کراچی (پ ر) سنی مجلس عمل پاکستان کے قائد مولانا مفتی محمد نعیم نے کہا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کی تعلیمی' تصنیفی اور اصلاحی خدمات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں' جسے کوئی بھی عاشق رسول اور محب پاکستانی فراموش نہیں کر سکتا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمارا بزرگوں کے ساتھ لگاؤ اور تعلق اظہر من الشمس ہے۔ اجلاس میں سنی مجلس عمل پاکستان کے زیر اہتمام عشرۂ حکیم الامت منانے کا اعلان کرتے ہوئے مفتی محمد نعیم نے کہا کہ کراچی کے تمام اضلاع میں مولانا اشرف علی تھانوی کی یاد میں مختلف پروگرام منعقد کیے جائیں گے۔ (روزنامہ جنگ' کراچی' ۳۰ جون ۱۹۹۷ء)

کراچی (پ ر) سنی مجلس عمل پاکستان کے قائد مولانا مفتی محمد نعیم نے جامع مسجد صدیق اورنگی ٹاؤن میں عشرہ حضرت حکیم الامت کے سلسلہ میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف کا مطالعہ کر کے اپنی زندگیوں میں انقلاب پیدا کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا مذہب کسی پر بلا تحقیق بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے جھوٹ' فریب اور غیبت سے پرہیز کیا جائے۔ اجتماع سے مولانا غلام رسول' مولانا انفر محمود اور مولانا محمد صدیق نے بھی خطاب کیا۔ (روزنامہ جنگ' کراچی ۴ جولائی ۱۹۹۷ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر (کوئی حرام چیز کھا لے) درآنحالیکہ وہ اس کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو' تو بے شک اللہ بخشنے والا بہت مہربان ہے (المائدہ: ۳)

ضرورت کی بناء پر حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا کھانا مسلمانوں پر عام حالات میں حرام کر دیا ہے' اس سے ضرورت کے احوال مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً بھوک کی شدت سے کسی شخص کی جان نکل رہی ہو اور اس کے پاس کوئی حلال چیز کھانے کے لیے نہ ہو تو وہ رمق حیات برقرار رکھنے کے لیے حرام چیز کھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے اس حرام چیز کھانے کا شوق اور میلان نہ ہو اور وہ طبعاً اس کی طرف راغب نہ ہو اور جس چیز کو کسی ضرورت کی بناء پر لیا جائے اس کو بہ قدر ضرورت لیا جاتا ہے۔ اس لیے صرف اتنی مقدار میں حرام چیز کھائی جائے جتنی مقدار میں کھانے سے اس کی جان بچ جائے اور لذت اندوزی کے لیے اس حد سے تجاوز نہ کرے' ان چیزوں کا کھانا ہرچند کہ بندوں پر حرام ہے' لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان اور رحیم و کریم ہے اور وہ ضرورت کی وجہ سے اتنی مقدار کھانے کو معاف کر دے گا۔ اسی اصول پر ہمارے فقہاء اور محدثین نے کہا ہے کہ جان بچانے کے لیے حرام دوا کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی مسلمان معالج یہ بتائے کہ اس کے علم اور اس کی دسترس میں اس کے سوا اور کوئی حلال چیز ذریعہ علاج نہیں ہے۔ لہٰذا جان بچانے کے لیے کسی انسان کو خون دیا جا سکتا ہے' اور جن دواؤں میں الکحل ہوتی ہے ان کو بھی علاج کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ قلیل الکحل حرام اور نجس نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ نمکیات سے مخلوط ہو۔ اس کی مکمل اور باحوالہ بحث (البقرہ: ۱۷۳) میں گزر چکی ہے اور شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں بھی ہم نے اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ سے پوچھتے ہیں ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ آپ کہئے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور سدھا لیے ہیں' درآنحالیکہ تم انہیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو' تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔ سو اس (شکار) سے کھاؤ' جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لئے روک رکھیں اور شکار چھوڑتے وقت اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ پڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو' بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے (المائدہ: ۴)

زیر بحث آیت کا معنی اور شان نزول

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے رسول معظم! آپ سے آپ کے اصحاب یہ سوال کرتے ہیں کہ ان کے کھانے کے لیے کون سے جانور حلال ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہئے کہ جن جانوروں کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے' ان کو ذبح کرنے کے بعد تم کھا سکتے ہو اور تمہارے سدھائے ہوئے شکاری جانوروں نے جن جانوروں کو زخمی کر کے شکار کر لیا ہے' ان کو بھی تم کھا سکتے ہو۔

اس آیت میں فرمایا ہے تمہارے لیے طیبات کو حلال کر دیا ہے' طیبات کا معنی ہے وہ چیزیں جن سے طبائع سلیمہ گھن نہ کھاتی ہوں اور متنفر اور متوحش نہ ہوں۔ یہ بلخی کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ طیبات وہ چیزیں ہیں جن کی تحریم میں نص وارد نہ ہو' نہ ان کی حرمت پر اجماع ہو اور نہ قیاس سے ان کی حرمت ثابت ہو۔ پہلے قول کی بناء پر اس سے مراد لذیذ اشیاء ہیں' اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد حلال اشیاء ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حلال اور لذیذ چیزیں ہیں۔

اس آیت کے شان نزول میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے یہ روایت ذکر کی ہے:

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی' آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ انہوں نے کہا' یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں اجازت دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! انہوں نے کہا' لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں مدینہ کے ہر کتے کو قتل

کردوں! سو میں نے کتوں کو قتل کر دیا۔ پھر میں ایک عورت کے پاس پہنچا جس کے پاس کتا بھونک رہا تھا، میں نے اس پر رحم کھا کر اس کو چھوڑ دیا، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر آپ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے مجھے اس کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا، پھر میں نے اس کو بھی قتل کر دیا، پھر مسلمانوں نے آ کر آپ سے پوچھا، یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں ان کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کی کوئی چیز ہمارے لیے حلال ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی! آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ آپ کہئے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور سدھا لیے ہیں، درآنحالیکہ تم انہیں شکار کے طریقہ سکھانے والے ہو۔ الایہ۔

(جامع البیان، ج ۶، ص ۱۱۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۲۳۵، المستدرک، ج ۲، ص ۳۱۱)

شکار کی اقسام اور ان کے شرعی احکام

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

شکار کرنا مباح ہے، اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کتاب، سنت اور اجماع سے اس پر بکثرت دلائل ہیں۔ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ جو شخص کسب معاش کے لیے شکار کرے، یا ضرورت کی بناء پر شکار کرے، یا شکار یا اس کی قیمت سے نفع حاصل کرنے کے لیے شکار کرے تو ان تمام صورتوں میں شکار کرنا جائز ہے۔ البتہ! جو شخص بطور لہو و لعب کے شکار کھیلے، لیکن اس کا قصد اس شکار کو ذبح کرنا اور اس سے نفع حاصل کرنا ہو، اس کے جواز میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، اور لیث اور ابن عبد الحکم نے اس کو جائز کہا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ذبح کی نیت کے بغیر شکار کھیلے تو یہ حرام ہے، کیونکہ یہ زمین میں فساد کرنا ہے، اور ایک جاندار کو بے مقصد ضائع کرنا ہے۔

(شرح مسلم، ج ۲، ص ۱۴۵، مطبوعہ کراچی)

علامہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ لخمی نے شکار کے حکم کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) زندگی برقرار رکھنے کے لیے، یعنی کھانے پینے کے لیے شکار کرنا مباح ہے (۲) اہل و عیال کی تنگی کے وقت یا سوال سے بچنے کے لیے شکار کرنا مستحب ہے (۳) اپنے آپ کو بھوک کی ہلاکت سے بچانے کے لیے شکار کرنا واجب ہے (۴) لہو و لعب کے لیے شکار کرنا مکروہ ہے، جبکہ شکار کے بعد جانور کو ذبح کر کے کھا لیا جائے۔ (۵) ذبح کرنے اور کھانے کی نیت کے بغیر شکار کرنا حرام ہے۔

علامہ ابی مالکی فرماتے ہیں، بلا ضرورت محض لہو و لعب کے لیے شکار کرنے میں بہت مفاسد ہیں۔ اس میں گھوڑے کو کتے کے پیچھے بھگا کر تھکانا ہے اور اگر باز سے شکار کیا جائے تو نظر کو اس کے پیچھے لگا کر تھکانا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گھوڑا اس کو کسی کھائی یا کنوئیں میں گرا دے۔ (اکمال اکمال المعلم، ج ۵، ص ۲۶۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شکار کی شرائط کا بیان

شمس الائمہ علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

۱- جس جانور کے ساتھ شکار کھیلا جائے، وہ سدھایا ہوا ہو۔

۲- جس جانور کے ساتھ شکار کیا جائے وہ زخمی کرنے والا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ" اور جن شکاری جانوروں (زخمی کرنے والے) کو تم نے سدھا لیا ہے، جن کو خدا کے دیئے ہوئے علم کے مطابق تم شکار کی تعلیم دیتے ہو، جوارح (زخمی کرنے والے) کے متعلق دو قول

ہیں۔ (۱) وہ جانور اپنے دانتوں اور پنجوں سے حقیقتاً زخم ڈالے (۲) وہ شکار کو پکڑ کر لانے والے جانور ہوں 'کیونکہ جرح کا معنی کسب بھی ہے۔

۳- شکاری جانور کو بھیجا جائے 'کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بھیجا اور اس پر بسم اللہ پڑھ لی تو اس کو کھالو اور اگر تمہارے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا شریک ہو گیا تو پھر اس (شکار) کو مت کھاؤ اور جب دو کتوں میں سے ایک کتا بھیجا ہوا نہ ہو تو کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتے کو بھیجنا شرط ہے۔ نیز ذکاۃ حلت کا سبب اس وقت ہوتی ہے جب اس کا حصول کسی آدمی سے ہوا ہو 'اس لیے شکار کے آلہ کو آدمی کا قائم مقام بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں آدمی کا فعل داخل ہو اور یہ صرف شکاری جانور کو بھیجنے سے ہو سکتا ہے 'اور کتے کے لیے سدھائے ہونے کی شرط بھی اس میں بھیجنے کے تحقق کے لیے لگائی گئی ہے۔

۴- بسم اللہ پڑھ کر شکاری جانور کو بھیجے۔

۵- اس کے بھیجے ہوئے جانور کے ساتھ دوسرا جانور شریک نہ ہو۔

۶- جس جانور کا شکار کیا جائے 'وہ فی نفسہ حلال ہو۔

شکار کرنے والے جانوروں کا بیان

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

سدھائے ہوئے کتے 'چیتے' تمام زخمی کرنے والے اور سدھائے ہوئے جانوروں سے شکار کرنا جائز ہے اور جامع صغیر میں لکھا ہے کہ تمام سدھائے ہوئے اور پھاڑنے والے درندوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں سے شکار کرنا جائز ہے۔ اور سدھائے ہوئے جانور کے سوا کسی اور جانور سے شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ اس کو ذبح کر لیا جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما علمتم من الجوارح مکلبین " "تم نے جو (شکار کا) کسب معاش کرنے والے جانور سدھائے ہیں' در آنحالیکہ وہ شکار پر مسلط ہونے والے ہیں" یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے تمام شکار کرنے والے جانوروں کو شامل ہے۔ اور حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ ہرچند کہ حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں کلب کا ذکر ہے۔ لیکن لغت کے اعتبار سے ہر درندے پر کلب کا اطلاق ہوتا ہے 'حتیٰ کہ شیر پر بھی کلب کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام ابویوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے ان جانوروں سے شیر اور ریچھ کا استثناء کیا ہے۔ کیونکہ یہ جانور دوسروں کے لیے کام نہیں کرتے۔ شیر اپنی بلند ہمت کی وجہ سے اور ریچھ اپنی خساست کی وجہ سے۔ بعض علماء نے چیل کا بھی اس کی خساست کی وجہ سے استثناء کیا ہے۔ خنزیر بھی ان جانوروں سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے 'اس لیے اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر ان شکاری جانوروں کو تعلیم دینا اور سدھانا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی نص صریح (وما علمتم) میں تعلیم کی شرط کا ذکر ہے اور حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں بھی تعلیم کی شرط کا ذکر ہے۔ اور جانور کو چھوڑنا بھی ضروری ہے 'کیونکہ یہی تعلیم کا معیار ہے کہ جب جانور کو چھوڑا جائے تو وہ چلا جائے اور اپنے مالک کے لیے شکار کو پکڑ کر رکھے۔

(ہدایہ اخیرین 'ص ۵۰۲ 'مطبوعہ شرکت علمیہ 'ملتان)

شکاری کتے کے معلّم (سدھائے ہوئے) ہونے کا معیار اور شرائط

شمس الائمہ سرخسی نے کلب معلم (سدھائے ہوئے کتے) کی حسب ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

۱- اپنے مالک کے بیچھے حملہ کرنے کے لیے نہ دوڑے۔

۲- مارے نہ سکھائے بلکہ شکاری دوسرے کتے کو شکار کھانے پر مارے' تاکہ اس سے وہ کتا سیکھ لے کہ شکار کو نہیں کھانا چاہیے۔

جس شکار یا ذبیحہ پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

علامہ ابوبکر جصاص الحنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) امام مالک اور حسن بن صالح نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمان (شکار یا ذبیحہ پر) عمداً بسم اللہ ترک کردے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا اور اگر نسیاناً بسم اللہ کو ترک کردیا' تو پھر اس کو کھالیا جائے گا۔ امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں ذبیحہ کو کھالیا جائے گا۔ امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ نسیاناً بسم اللہ کو ترک کرنے میں اختلاف ہے۔ حضرت علی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' مجاہد' عطاء بن ابی رباح' سعید بن مسیب' ابن شہاب اور طاؤس نے یہ کہا ہے کہ جس ذبیحہ پر بسم اللہ کو نسیاناً ترک کردیا جائے' اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا مسلمان کے دل میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ جس طرح مشرک کا ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا سود مند نہیں ہے' اسی طرح مسلمان کا بھولے سے نام نہ لینا مضر نہیں ہے۔ ابن سیرین نے کہا اگر مسلمان نسیاناً بھی بسم اللہ کو ترک کردے تو وہ ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ ابراہیم نے کہا ایسے ذبیحہ کو نہ کھانا مستحب ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں کہ فقہاء احناف کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ (انعام: ۶: ۱۲۱)

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا' اس کو مت کھاؤ' بلاشبہ اس کو کھانا گناہ ہے۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس (شکار یا ذبیحہ) پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا' اس کا کھانا حرام ہے۔ خواہ اللہ کا نام عمداً ترک کیا ہو یا نسیاناً۔ لیکن دلائل سے یہ ثابت ہے کہ یہاں نسیان مراد نہیں ہے۔ البتہ اس شخص کا قول اس آیت کے خلاف ہے جس نے یہ کہا ہے کہ جس ذبیحہ پر عمداً بسم اللہ کو ترک کردیا گیا اس کا کھانا بھی جائز ہے اور اس شخص کا یہ قول بکثرت آثار اور احادیث کے بھی خلاف ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں مشرکین کے ذبیحہ کو کھانے سے منع فرمایا گیا ہے' کیونکہ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ مشرکوں نے کہا' جس جانور کو تمہارے رب نے قتل کیا اور وہ مر گیا تو تم اس کو نہیں کھاتے اور جس جانور کو تم نے قتل کیا' یعنی ذبح کیا اس کو تم کھالیتے ہو۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کو مت کھاؤ'' حضرت ابن عباس نے فرمایا یعنی مردار پر' اور جب اس آیت میں مردار اور مشرکین کا ذبیحہ مراد ہے تو اس میں مسلمانوں کا ذبیحہ داخل نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ میں یہ قاعدہ معروف ہے کہ جب کسی آیت کا مورد نزول خاص ہو اور اس کے الفاظ عام ہوں' تو پھر خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں کیا جاتا' بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے اور خصوصیت مورد کا لحاظ نہیں ہے' اور اگر یہاں مشرکین کے ذبیحے مراد ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرماتا' اور صرف بسم اللہ کے ترک کرنے پر اقتصار نہ فرماتا' اور ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ مشرکین اگر اپنے ذبیحوں پر بسم اللہ پڑھ بھی لیں' تب بھی ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

اس آیت میں مشرکین کے ذبیحے مراد نہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ مشرکوں کا ذبیحہ کسی صورت میں حلال نہیں ہے۔ خواہ وہ

بسم اللہ پڑھیں یا نہ پڑھیں' اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں مشرکوں کے ذبیحوں کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے۔ وہ ہے "وما ذبح علی النصب" "اور جس جانور کو بتوں کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو" اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مشرکوں کا ذبیحہ مراد نہیں ہے' بلکہ یہ مراد ہے کہ جس جانور پر ذبح کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو' اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم لیجادلوکم (الانعام: ١٢١) بلاشبہ شیطان تم سے جھگڑا کرنے کے لیے اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتے تھے کہ جس پر اللہ کا نام لیا جائے' اس کو مت کھاؤ اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے' اس کو کھا لو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ" (الانعام' ١٢١) "جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ" اس حدیث میں حضرت ابن عباس نے یہ بتایا ہے کہ مشرکوں کا جھگڑا بسم اللہ کے ترک کرنے میں تھا' اور یہ آیت بسم اللہ کو واجب کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مشرکوں کے ذبیحوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' نہ کہ مردار کے بارے میں۔ نیز بسم اللہ کو عمداً ترک کرنے سے ذبیحہ یا شکار کے حرام ہونے پر یہ آیت دلیل ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (المائدہ: ٤)

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں' آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں' اور تم نے جو شکاری جانور سدھا لیے ہیں درآنحالیکہ تم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق انہیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو' سو وہ (شکاری جانور) جس شکار کو تمہارے لیے روک رکھیں اس کو کھاؤ اور (شکار پر چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ پڑھو۔

اس آیت میں بسم اللہ پڑھنے کا امر کیا گیا ہے' اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اور یہ بداہۃً معلوم ہے کہ کھانا کھانے والے پر بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکار پر جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور اس کی تائید حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنا سدھایا ہوا کتا چھوڑو اور اس پر بسم اللہ پڑھ لو تو اس کو کھا لیا کرو۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس چیز کا کھانا ممنوع ہو جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور اس آیت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ بسم اللہ کو ترک کرنا ممنوع ہو اور اس ممانعت کی یہ تاکید آیت کے اس جزو سے ہوتی ہے وانہ لفسق جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا گناہ ہے یا بسم اللہ کو ترک کرنا گناہ ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ بسم اللہ کو عمداً ترک کرنا گناہ ہے۔ کیونکہ بھول کر کوئی کام کرنا یا نہ کرنا گناہ نہیں ہوتا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! دیہاتی لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں..... اور وہ نئے نئے کفر سے نکلتے ہیں۔ ہم کو پتا نہیں کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا تم اس پر اللہ کا نام لو اور کھا لو' اگر بسم اللہ کو پڑھنا ذبح کی شرط نہ ہوتا تو آپ یہ فرماتے کہ اگر انہوں نے بسم اللہ کو نہیں پڑھا تو پھر کیا ہوا' لیکن آپ نے فرمایا تم اس کو بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ' کیونکہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے افعال کو جواز اور صحت پر محمول کیا جاتا ہے اور بغیر کسی دلیل کے مسلمانوں کے امور اور افعال کو فساد پر محمول نہیں کیا جاتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہ مراد ہو کہ بسم اللہ کو نہ پڑھنا گناہ ہے تو جو شخص ذبیحہ پر بسم اللہ نہ پڑھے' وہ گنہگار ہو گا'

حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہوتا۔ اس لیے اس آیت میں مشرکین کے ذبیحے یا مردار مراد ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ اجماع تسلیم نہیں ہے اور جو شخص ذبیحہ پر عمداً بسم اللہ کو ترک کرے گا وہ بہرحال گنہ گار ہوگا۔

باقی رہا یہ کہ جو مسلمان بھول کر بسم اللہ ترک کردے' اس کا ذبیحہ جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ اور اس کو گناہ فرمایا ہے۔ اور یہ گناہ اسی وقت ہوتا جب وہ عمداً اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا۔ کیونکہ یہ چیز انسان کی قدرت اور استطاعت میں نہیں ہے کہ وہ بھول کر بھی کوئی غلط کام نہ کرے اور انسان اپنی قدرت کے مطابق ہی مکلف ہوتا ہے۔ اور امام اوزاعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا' نسیان اور جبر سے درگزر فرمالیا ہے' اور جب وہ نسیان کی حالت میں بسم اللہ پڑھنے کا مکلف نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا ذبیحہ حرام نہیں ہوگا۔ حالت نسیان میں بسم اللہ ترک کرنے کو حالت نسیان میں شرائط نماز (مثلاً تکبیر اور وضو وغیرہ) ترک کرنے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب انسان کو یاد آجائے کہ اس نے بغیر وضو کے نماز پڑھی ہے تو اس پر اس کا تدارک فرض ہے۔ بایں طور کہ وہ وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھے' اور جب اس نے بھول کر بسم اللہ پڑھے بغیر جانور کو ذبح کردیا تو اب اس کا تدارک نہیں ہوسکتا' اس لیے اس کا ذبیحہ درست قرار پائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بھولے سے روزہ میں کچھ کھا' یا پی لیا تو اس کا روزہ صحیح اور برقرار رہے گا۔ کیونکہ وہ اس کا مکلف ہے کہ وہ اپنے قصد اور ارادے سے روزہ میں کھانے پینے سے اجتناب کرے اور حالت نسیان میں بھی کھانے پینے سے اجتناب کرنا اس کی استطاعت میں نہیں ہے' اسی طرح حالت نسیان میں ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا اس کی استطاعت میں نہیں ہے۔

(احکام القرآن' ج ۳' ص ۸-۵' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

غلیل' کمان اور دیگر آلات سے شکار کرنے کا حکم

جن آلات سے شکار کیا جاتا ہے' ان تمام آلات کے لیے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر جانور اس آلہ کی ضرب سے دب کر یا چوٹ کھا کر مر گیا یا گلا گھٹنے سے مر گیا تو وہ حرام ہوگیا اور اگر جانور اس آلہ سے کٹ کر یا چھد کر مرا' اس کے زخم آیا اور خون بہا تو پھر وہ جانور حلال ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ایسا آلہ پھینکنا جس سے جانور کا جسم کٹے اور خون بہے' ذکاۃ اضطراری ہے۔ اختیاری ذکاۃ یہ ہے کہ جانور کو پکڑ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے اس کے گلے پر اس طرح چھری پھیریں کہ اس کی چاروں رگیں کٹ جائیں اور جب جانور دور بیٹھا ہو یا بھاگ رہا ہو یا اڑ رہا ہو اور اس کو پکڑ کر معروف طریقہ سے ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو بسم اللہ پڑھ کر اس پر تیر یا کوئی اور آلہ جارحہ پھینک دیا جائے جس سے زخمی ہو کر وہ جانور مر جائے تو وہ حلال ہوگا اور یہ ذکاۃ اضطراری ہے۔ اور اگر اس جانور پر لاٹھی' پتھر یا کسی اور وزنی چیز کی ضرب لگائی جائے جس سے وہ دب کر مر جائے یا اس کے گلے میں کوئی پھندا ڈالا جائے جس سے وہ گلا گھٹنے سے مر جائے تو پھر یہ جانور حرام ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ قرآن مجید کی اس آیت سے مستفاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (المائدہ: ۳)

تم پر یہ حرام کیے گئے ہیں۔ مردار' خون' خنزیر کا گوشت' جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو' جس کا گلا گھونٹا گیا ہو' جو کسی ضرب سے دب کر مرا ہوا' اوپر سے گرا ہو' سینگ مارا ہوا ہو اور جس کو درندہ نے کھایا ہو' البتہ ان میں سے جس کو تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کر لیا وہ حلال ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ موقوذۃ (جو کسی چیز کی ضرب سے دب کر اور چوٹ کھا کر مرا ہو) اور منخنقہ

(جو گلا گھٹ کر مرا ہو) حرام ہے' اس لیے اگر کسی ایسے آلہ سے شکار کیا جائے جس سے دب کر جانور مرجائے یا گلا گھٹنے سے مر جائے تو پھر وہ جانور حرام ہو گا۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

موقوذة وہ جانور جو بغیر ذکاۃ کے لاٹھی یا پتھر مارنے سے مرجائے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس طرح جانور کو مار کر کھالیتے تھے۔ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے جب تم "معراض" کو پھینکو اور وہ جانور کے آر پار ہو جائے تو اس کو کھالو' اور اگر جانور اس کے عرض سے مرے' تو پھر اس کو مت کھاؤ اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ وقیذ (موقوذہ) ہے۔ علامہ ابو عمرو نے کہا کہ متقدمین اور متاخرین علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ بندقہ (یعنی مٹی کی خشک کی ہوئی گولی جس کو غلیل یا کمان سے پھینکا جاتا ہے' (عمدۃ القاری' ج ٢١' ص ٩٦' ردالمحتار' ج ٥' ص ٣١٧' تفسیر المنار' ج ٦' ص ١٣٨' نیل الاوطار ج ١٠' ص ٨٣) سے شکار کیا ہوا آیا حلال ہے یا نہیں؟

مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اپنی تفسیر میں علامہ قرطبی کی اس عبارت کا خلاصہ ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

"جو شکار بندوق کی گولی سے ہلاک ہو گیا اس کو بھی فقہاء نے موقوذہ میں داخل کیا ہے اور اس دلیل میں علامہ جصاص کی یہ عبارت نقل کی ہے المقتولة بالبندقة تلك الموقوذة" امام اعظم' امام شافعی' امام مالک وغیرہ سب اسی پر متفق ہیں (معارف القرآن' ج ٣' ص ٢٩) عربی میں بندوقہ کا معنی ہے مٹی کی خشک کی ہوئی گولی۔ جیسا کہ ہم نے بحوالہ بیان کیا ہے اور بندوق کی گولی کو عربی میں بندوقة الرصاص کہتے ہیں۔ نیز بندوق کی ایجاد آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی ہے اور امام ابو حنیفہ ١٥٠ھ' امام مالک ١٧٩ھ' امام شافعی ٢٠٤ھ' علامہ جصاص ٣٧٠ھ اور علامہ قرطبی ٦٦٨ھ میں فوت ہوئے۔ سو یہ ائمہ اور علماء بندوق کی گولی کے شکار کے متعلق کیسے رائے دے سکتے ہیں جو ان کے بہت بعد کی ایجاد ہے۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی نے بندقہ کا معنی بندوق کی گولی کرنے میں بہت سخت مغالطہ کھایا ہے۔ فتاویٰ دار العلوم (ج ٢' ص ٩٥٥) میں بھی انہوں نے یہی مغالطہ کھایا ہے۔ ١٢ منہ

اور آج کل کی متعارف بندوق کی گولی جو سیسہ کی ہوتی ہے اور اس میں بارود بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو عربی میں بندوقة الرصاص کہتے ہیں---- سعیدی غفرلہ) پتھر اور معراض سے جس جانور کو مار دیا جائے' آیا وہ حلال ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ موقوذہ ہے' اگر یہ مرگیا تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر' امام مالک' امام ابو حنیفہ' امام شافعی اور ثوری کا یہی نظریہ ہے۔ فقہاء شام اور امام اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ معراض سے مارا ہوا جانور حلال ہے۔ خواہ وہ جانور کے آر پار گزرے یا نہیں۔ حضرت ابوالدرداء' حضرت فضالہ بن عبید اور مکحول اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے' لیکن اس مسئلہ میں قول فیصل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ اگر جانور معراض کے عرض سے مرے تو اس کو مت کھاؤ' کیونکہ وہ وقیذ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ٦' ص ٤٨)

علامہ ابوالحسن المرغینانی حنفی متوفی ٥٩٣ھ اس مسئلہ میں لکھتے ہیں:

جس جانور کو معراض کے عرض سے مارا گیا ہو' اس کو کھانا جائز نہیں ہے' اور اگر معراض نے اس جانور کو زخمی کر دیا تو پھر اس جانور کو کھانا جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو جانور معراض کی دھار سے مرا اس کو کھالو اور جو جانور معراض کے عرض سے مرا اس کو مت کھاؤ۔ نیز شکار کے حلال ہونے کے لیے اس کا زخمی ہونا ضروری ہے' تاکہ اس میں ذکاۃ کا معنی متحقق ہو سکے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (علامہ المرغینانی نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق شکار میں

زخم کرنا ضروری ہے' تاکہ ذکاۃ اضطراری متحقق ہو اور ذکاۃ اضطراری کی تعریف یہ ہے کہ شکاری کے آلہ استعمال کرنے کی وجہ سے شکار کے بدن کے کسی حصہ میں بھی زخم آجائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما علمتم من الجوارح" اور تم نے زخمی کرنے والے شکاری جانور سدھائے ہیں۔ اس آیت میں شکار کو زخمی کرنے کی شرط کی طرف اشارہ ہے' کیونکہ جوارح جرح سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے "زخمی کرنے والے" (ہدایہ اخیرین' ص ٥٠٣) اور جو جانور غلیل یا کمان کی گولی سے مرا ہو اس کو بھی کھانا جائز نہیں' کیونکہ یہ گولی شکار کے جسم کو کوٹتی ہے اور توڑتی ہے اور اس کو زخمی نہیں کرتی۔ سو یہ معراض کی طرح ہے جو شکار کے آرپار نہ ہو۔ اسی طرح اگر پتھر سے شکار کو مار ڈالا تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر پتھر بھاری اور دھار والا ہو تو اس سے مرنے والے جانور کو کھانا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ جانور کو زخمی کردے' کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ جانور اس پتھر کے ثقل کی وجہ سے مرا ہو' اور اگر وہ پتھر خفیف ہو اور اس میں دھار ہو اور جانور زخمی ہو جائے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ کیونکہ اب یہ متعین ہو گیا کہ جانور کی موت زخم کی وجہ سے واقع ہوئی ہے اور اگر پتھر خفیف ہو اور وہ اس کو تیر کی طرح لمبا کرے اور اس میں دھار ہو تو اس سے کیا ہوا شکار حلال ہے' کیونکہ اس پتھر سے جانور زخمی ہو کر مرے گا۔ اگر شکاری نے دھار والی سنگ مرمر کو پھینکا اور اس نے جانور کو کاٹا نہیں تو وہ جانور حلال نہیں ہے۔ کیونکہ اب جانور اس کے کوٹنے سے مرا ہے۔ اسی طرح اگر اس پتھر کے پھینکنے سے اس کا سر الگ ہو گیا یا اس کی گردن کی رگیں الگ ہو گئیں' تو وہ جانور حلال نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح پتھر کی دھار سے رگیں کٹتی ہیں' اسی طرح پتھر کے ثقل سے بھی رگیں کٹ جاتی ہیں۔ اس لیے اب شک واقع ہو گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رگوں کے کٹنے سے پہلے وہ جانور مر گیا ہو' اور اگر جانور کو لاٹھی یا لکڑی سے مار ڈالا تو وہ حلال نہیں ہے' کیونکہ وہ لاٹھی یا لکڑی کے ثقل سے مرا ہے۔ ہاں! اگر اس لکڑی یا لاٹھی کی دھار ہو اور اس سے جانور کٹ جائے تو اب اس جانور کو کھانا جائز ہے۔ کیونکہ اب وہ لاٹھی تلوار اور نیزے کے حکم میں ہے اور ان تمام مسائل میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب یہ یقین ہو جائے کہ شکار کی موت زخم کی وجہ سے ہوئی ہے تو شکار حلال ہے اور جب یہ یقین ہو کہ موت ثقل کی وجہ سے ہوئی ہے تو شکار حرام ہے اور جب یہ شک ہو اور یہ پتا نہ چلے کہ موت زخم سے ہوئی ہے یا ثقل سے تو پھر شکار کا حرام ہونا احتیاطاً ہے۔

(ہدایہ اخیرین' ٥١٢-٥١١' مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

بندوق سے مارے ہوئے شکار کی تحقیق

آٹھویں صدی ہجری سے پہلے دنیا بارودی بندوق سے متعارف نہیں ہوئی تھی۔ دائرۃ المعارف میں لکھا ہے دستی بندوق کا استعمال یورپ میں ١٣٦٥ء میں شروع ہوا تھا' اور مسلمان ممالک میں اس کی ابتداء سلطان قائتبائی کے عہد میں ٨٩٥ھ/ ١٣٩٠ء میں ہوئی۔ (اردو' دائرۂ معارف اسلامیہ' ج ٣' ص ٨٨٧' مطبوعہ لاہور)

بہرحال! دسویں صدی تک بندوق کا استعمال عام نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بارھویں صدی سے پہلے علماء نے بندوق سے کیے ہوئے شکار کے حکم پر بحث نہیں کی۔ بارھویں صدی میں علماء نے اس مسئلہ پر بحث کی اور یہ بحث ہنوز جاری ہے۔ بعض علماء بندوق سے کیے ہوئے شکار کو اس بناء پر ناجائز کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی سے شکار ٹوٹتا ہے' کٹتا نہیں اور جانور اس کے ثقل سے مرتا ہے۔ اس لیے یہ موقوذہ ہے اور حرام ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی سے شکار زخمی ہوتا ہے' اس کا خون بہتا ہے اور بعض اوقات گولی شکار کے آرپار ہو جاتی ہے اور ذکاۃ اضطراری کا مدار زخم لگنے اور خون بہنے پر ہے اور وہ بندوق کے شکار سے حاصل ہو جاتا ہے' اس لیے بندوق سے کیا ہوا شکار جائز ہے۔ ہم پہلے مانعین کے دلائل پیش کریں گے۔ اس کے بعد مجوزین کے دلائل پیش کریں گے اور آخر میں اپنی رائے کا

ذکر کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

بندوق کے شکار کو حرام کہنے والے علماء کے دلائل

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ١٢٥٢ھ لکھتے ہیں:

یہ بات واضح ہے کہ بندوق کی گولی پریشر سے نکلنے کی بنا پر جلاتی ہے اور اس کے بوجھ کی وجہ سے زخم پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں دھار نہیں ہوتی اس بنا پر بندوق سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

(ردالمحتار، ج ٥، ص ٢١٧، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ، استنبول، ١٣٢٧ھ)

مولانا امجد علی لکھتے ہیں بندوق کا شکار مرجائے یہ بھی حرام ہے کہ گولی یا چھرا آلہ جارحہ نہیں، بلکہ اپنی قوت مدافعت کی وجہ سے توڑا کرتا ہے۔ (بہار شریعت، ج ١٧، ص ٢٣، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں بندوق کا شکار اگر ذبح کرنے سے پہلے مرجائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ کھانا اس کا حلال نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج ٢، ص ٩٥٥، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی)

بندوق کے شکار کو حلال قرار دینے والے علماء کے دلائل

علامہ ابوالبرکات احمد بن دردیر مالکی لکھتے ہیں:

بندوق کی گولی سے کیے ہوئے شکار کو کھایا جائے گا، کیونکہ وہ ہتھیاروں سے زیادہ قوی ہے۔ جیسا کہ بعض فضلاء نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور بعض نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ (شرح الصغیر علی اقرب المسالک، مطبوعہ دارالمعارف، مصر، ١٩٤٧ء)

علامہ صاوی مالکی متوفی ١٢٢٣ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ بندوق کی گولی سے شکار کے متعلق متقدمین کی تصانیف میں کوئی تصریح نہیں ہے، کیونکہ بارودی بندوق کی ایجاد آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی ہے اور متاخرین کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے غلیل کی (مٹی کی خشک) گولی پر قیاس کرکے اس کو ناجائز کہا ہے اور بعض علماء نے جائز کہا۔ چنانچہ ابو عبداللہ القروی، ابن غازی اور سید عبدالرحمن فاسی نے اس کو جائز کہا ہے، کیونکہ بندوق کے ذریعے خون بہایا جاتا ہے اور بہت سرعت کے ساتھ شکار کا کام تمام کر دیا جاتا ہے، جس کے سبب سے ذکاۃ مشروع کیا گیا ہے۔ (حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر، مطبوعہ مصر)

بندوق کے شکار کے متعلق مصنف کی تحقیق اور بحث و نظر

قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور فقہاء احناف کے قواعد کی روشنی میں مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ قرآن مجید نے شکار کی حلت کا مدار شکار کو زخمی کرنا قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلۡ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَ مَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَوَارِحِ مُکَلِّبِیۡنَ (المائدہ: ٤)

آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے زخمی کرنے والے جانور سدھا لیے ہیں۔

الجوارح جارحہ کی جمع ہے اور جارحہ زخمی کرنے والے جانور کو کہتے ہیں اور شکاری جانور کا کیا ہوا شکار اسی وقت حلال ہوتا ہے جب وہ شکار کو زخمی کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جوارح کے کیے ہوئے شکار کو کھانے کا حکم دیا ہے اور جب مشتق پر حکم لگایا جائے تو مشتق کا ماخذ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے، اس لیے شکار کے حلال ہونے کی علت اس کو زخمی کرنا ہے اور بندوق کی گولی یا اس کے چھروں سے بھی چونکہ شکار زخمی ہوتا ہے، اس لیے آیت کی تصریح کے مطابق بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور یہ موقوذ نہیں ہے، کیونکہ موقوذ وہ ہوتا ہے جو چوٹ سے مرے، اس کو زخم آئے اور نہ اس سے خون بہے۔

احادیث صحیحہ کی روشنی میں بھی بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔ امام مسلم، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا رمیت بالمعراض فخزق فکلہ و اذا اصابہ بعرضہ فلا تاکلہ

جب تم شکار پر معراض پھینکو اور معراض شکار میں نفوذ کر جائے، تو اس کو کھالو اور اگر شکار معراض کے عرض سے مرے تو اس کو مت کھاؤ۔

(صحیح مسلم، ج ٢، ص ١٤٥، مطبوعہ کراچی، ١٣٧٥ھ)

اور بندوق کی گولی اور چھرے بھی شکار میں نفوذ کر جاتے ہیں اس لیے بندوق سے مارا ہوا شکار جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ یہ لفظ فخرق ("ر" کے ساتھ) ہے تو اس کا معنی ہے جانور میں سوراخ کرنا۔

(فتح الباری، ج ٩، ص ٦٠٠، طبع لاہور)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظ "ز" کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے نفوذ کرنا اور بندوق کی گولی شکار میں نفوذ کر جاتی ہے اور اگر یہ لفظ (ر) کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے سوراخ کرنا اور پھاڑنا اور بندوق کی گولی شکار کو پھاڑ دیتی ہے اور اس میں سوراخ کر دیتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے مطابق ہر تقدیر پر بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے جس آلہ سے بھی جانور کا خون بہہ جائے، وہ جائز ہے اور ذبیحہ اور شکار حلال ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کل ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا جلدی کرنا۔ یا فرمایا اس کو جلدی ذبح کرنا (تاکہ وہ طبعی موت نہ مر جائے)، جس چیز کا خون بہایا جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اس کو کھالو، مگر دانت اور ہڈی نہ ہوں۔ دانت کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔ (اس غزوہ میں) ہم کو مال غنیمت میں بکریاں اور اونٹ ملے۔ ان میں سے ایک اونٹ بھاگ نکلا، ایک شخص نے اس کو تیر مارا تو (اللہ نے) اس اونٹ کو روک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اونٹوں میں سے بعض اونٹ وحشی جانوروں کی طرح ہیں، جب ان میں سے کوئی تم پر غالب آجائے تو اسی طرح کیا کرو"۔

(صحیح بخاری، ج ٢، ص ٨٢٨، مطبوعہ کراچی)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دانت اور ناخن کے سوا جو چیز بھی خون بہا دے، اس (کے مارے ہوئے) کو کھالو۔ (صحیح بخاری، ج ٢، ص ٨٢٨، مطبوعہ کراچی)

بندوق کی گولی ناخن اور ہڈی نہیں ہے اور جانور کا خون بہا دیتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے مطابق اس کا مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ بندوق سے مارے ہوئے شکار کے حلال ہونے پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ حدیث میں ہے: جب جانور "معراض" کی دھار سے مرے تو اس کو کھالو، اور جب وہ معراض کے عرض سے مرے تو وہ وقیذ ہے، اس کو مت کھاؤ۔

(صحیح مسلم، ج ٢، ص ١٤٥، مطبوعہ کراچی)

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی اور چھروں میں چونکہ دھار نہیں ہوتی، اس لیے بندوق سے مارا ہوا جانور وقیذ ہے

اور حلال نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوذہ کی یہ تفسیر نقل کی ہے موقوذہ وہ جانور ہے جس کو لکڑیوں کی ضرب سے مار کر ہلاک کیا جائے۔ (صحیح بخاری' ج ۲' ص ۸۲۳' مطبوعہ کراچی)
اور جو جانور معراض کے عرض سے مارا جائے' وہ وقیذ ہے۔ اس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

کیونکہ اس صورت میں وہ معراض بھاری لکڑی' پتھر اور بھاری چیز کے حکم میں ہے۔

(فتح الباری' ج ۹' ص ۶۰۰' مطبوعہ لاہور)

خلاصہ یہ ہے کہ موقوذہ وہ جانور ہے جس کو کسی بھاری اور وزنی چیز کی ضرب سے مار کر ہلاک کیا جائے اور بندوق کی گولی یا چھرے بھاری اور وزنی نہیں ہوتے' اس لیے ان سے مارا ہوا جانور موقوذہ نہیں۔ بندوق کی گولی نوکدار ہوتی ہے' اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ البتہ بندوق کے چھروں میں نوک نہیں ہوتی لیکن چونکہ وہ گوشت کو پھاڑتے ہیں اور خون بہاتے ہیں' اس لیے وہ دھار والی چیز کے حکم میں ہیں۔ اس لیے بندوق کی گولی یا چھروں سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ بعض صحابہ اور فقہاء تابعین غلیل کی گولی سے مارے ہوئے شکار کو بھی جائز اور حلال کہتے ہیں۔ جبکہ غلیل کی گولی سے جانور کے زخم آتا ہے نہ خون بہتا ہے اور ہمارے نزدیک اس کے وقیذ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود جب غلیل کی گولی سے مارے ہوئے شکار کی حرمت متفق علیہ نہیں ہے تو بندوق کی گولی یا چھروں سے مارے ہوئے شکار کو حرام کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابن مسیب کہتے ہیں کہ جس وحشی جانور کو تم نے پتھر' غلیل کی گولی یا چھرے سے مارا' اس کو کھالو۔

ابن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر نے کہا' جب تم پتھر یا غلیل کی گولی مارو اور بسم اللہ پڑھ لو تو پھر کھالو۔

ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ کے بھائی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے غلیل کے ساتھ ایک پرندہ یا شکار مارا' پھر میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے اس کے متعلق سوال کیا' انہوں نے مجھے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

ابن طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے معراض کے شکار کے متعلق یہ کہا:

جب معراض شکار میں نفوذ کر جائے تو پھر اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے' اگر تم نے ایسا تیر مارا جس میں لوہا (یا دھار) نہیں تھا اور شکار گر گیا تو اس کو کھالو۔ (مصنف عبدالرزاق' ج ۴' ص ۷۷ ' ۴۷۶' ۴' مطبوعہ بیروت)

ان آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بعض صحابہ اور فقہاء تابعین غلیل کی گولی اور بغیر لوہے کے تیر سے مارے ہوئے شکار کو حلال اور جائز کہتے تھے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ غلیل کی گولی اور بغیر دھار کے تیر سے مارے ہوئے شکار کی حرمت بھی قطعی' یقینی اور اتفاقی نہیں ہے۔ اور بندوق کی گولی سے مارے ہوئے شکار کو بھی اگرچہ بعض متاخرین فقہاء نے موقوذہ قرار دے کر حرام کہا ہے' لیکن یہ ان کی اجتہادی خطا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ بندوق کی گولی سے مارا ہوا شکار قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں حلال اور طیب ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے بندوق سے مارے ہوئے شکار کا حکم واضح کرنے کے بعد اب ہم فقہاء احناف کے اصول اور قواعد کی روشنی میں اس مسئلہ کو واضح کرنا چاہتے ہیں:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

ذکاۃ (ذبح) کا معنی ہے فاسد اور نجس خون کو بہانا اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری۔ ذبح اختیاری یہ ہے کہ قدرت اور اختیار کے وقت حیوان کے گلے پر چھری پھیرنا اور جب گردن پر چھری پھیرنا ممکن نہ ہو تو جانور کے جسم کے کسی حصہ پر بھی زخم ڈال دینا ذبح اضطراری ہے' کیونکہ انسان اپنی قدرت کے اعتبار سے مکلف ہوتا ہے۔ سو جس صورت میں وہ حیوان کے گلے پر چھری پھیر سکتا ہو' تو اس کے گلے پر چھری پھیرے بغیر ذکاۃ حاصل نہیں ہوگی اور جہاں اس پر قدرت نہ ہو' وہاں جانور کے جسم میں کہیں پر بھی زخم ڈالنا' اس ذکاۃ کے قائم مقام ہے۔ (المبسوط' ج ١١' ص ٢١' مطبوعہ بیروت)

لاٹھی اور پتھر سے مارے ہوئے شکار کو اسی لیے ناجائز کہا گیا ہے کہ عادتاً لاٹھی اور پتھر سے اس وقت مارا جاتا ہے جب جانور قریب ہو۔ اور جب جانور قریب ہو تو اس کے گلے پر چھری پھیر کر ذبح کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہاں ذبح اختیاری ہے' اضطراری نہیں ہے اور جب جانور دور ہو اور اس کو پکڑ کر اس کے گلے پر چھری پھیرنا قدرت میں نہ ہو مثلاً کسی درخت پر بیٹھا ہو یا اڑ رہا ہو یا بھاگ رہا ہو اور بندوق سے فائر کر کے ان جانوروں کو شکار کر لیا جائے اور گولی یا چھرے لگنے سے وہ جانور زخمی ہو جائیں اور ان کے جسم سے خون بہہ جائے تو ان کا زخمی ہونا اور خون بہنا ذکاۃ اضطراری ہے۔ اور فقہاء کے اس بیان کردہ قاعدہ کے مطابق حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

نیز علامہ سرخسی حنفی متوفی ٤٨٣ھ لکھتے ہیں:

ابراہیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب معراض شکار کو پھاڑ دے تو کھالو اور جب نہ پھاڑے تو نہ کھاؤ۔ معراض اس تیر کو کہتے ہیں جس کا پیکان نہ ہو الا یہ کہ اس کا سر دھار والا ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ بغیر پر کا تیر ہے۔ بسا اوقات تیر عرض کی جانب سے لگتا ہے اور شکار کو پھاڑتا نہیں' توڑ دیتا ہے۔ اسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا: کہ اگر شکار تیر کی دھار سے مرے اور زخمی ہو تو کھالو اور اگر تیر کے عرض سے مرے تو مت کھاؤ اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ حلت کا مدار نجس خون کے بہنے پر ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جب معراض شکار کو پھاڑ دے اور اگر شکار کو پھاڑے بغیر توڑ دے تو خون نہ بہے گا۔ (مثلاً اس ضرب سے ہڈی یا ٹانگ ٹوٹ جائے) اور یہ حکماً موقوذہ ہے اور یہ نص قطعی سے حرام ہے۔ (المبسوط' ج ١١' ص ٢٣٢' مطبوعہ بیروت)

علامہ سرخسی کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ موقوذہ وہ جانور ہے جو کسی بھاری اور وزنی چیز سے ٹوٹ جائے (یعنی اس کی ہڈی ٹوٹ جائے) اس کے جسم میں زخم آئے اور نہ خون بہے اور اگر کوئی آلہ جانور کے جسم کو پھاڑ دے اور اس کا خون بہائے تو یہ حلال ہے اور بندوق سے مارا ہوا شکار ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں زخم آئے نہ خون بہے۔ اس لیے وہ موقوذہ نہیں ہے' بلکہ بندوق کی گولی اس کے جسم کو پھاڑ دیتی ہے۔ اس کے جسم میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات گولی آر پار ہو جاتی ہے' اس کے جسم میں زخم آتا ہے اور خون بہتا ہے۔ (یاد رہے کہ ذکوۃ اضطراری میں پورے جسم سے خون بہنا ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ کتے کے مارے ہوئے شکار کے جسم میں بسا اوقات سارا خون نہیں بہتا) اس لیے بندوق سے مارا ہوا شکار حلال اور طیب ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

الحمد للہ علی احسانہ! قرآن مجید' احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل اور تحقیق اس لیے کی ہے کہ اس زمانہ میں بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ بندوق سے مارا ہوا شکار موقوذہ ہونے کی بناء پر حرام ہے۔ ظاہر ہے کہ ان علماء نے نیک نیتی سے یہ فتویٰ دیا ہے' لیکن یہ علماء اس مسئلہ میں زیادہ گہرائی اور گیرائی میں نہیں گئے' اور ان کو اس مسئلہ میں اجتہادی خطاء لاحق ہوئی۔ آج کل بندوق سے شکار عام ہو گیا ہے اور بکثرت لوگ اس میں مبتلا ہیں' اور اگر گولی یا چھرہ لگنے سے جانور مر جائے تو اس کو اسی فتویٰ کی بناء پر مردار اور حرام قرار دیا جاتا

ہے۔ جبکہ قرآن مجید' احادیث اور فقہاء اسلام کی تصریحات کے مطابق یہ حلال اور طیب ہے' اور اجتہادی مسائل میں میراذہن یہ ہے کہ امت مسلمہ کے لیے آسان اور سہل احکام بیان کیے جائیں اور قرآن مجید' احادیث اور فقہاء اسلام کے اصول اور قواعد سے امت مسلمہ کے لیے زیادہ سے زیادہ یسر اور آسانی کو حاصل کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے آسانی کرو اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالو" شرح صحیح مسلم میں میرا یہی اسلوب رہا ہے کہ اجتہادی مسائل میں قرآن' سنت اور فقہاء اسلام کے قواعد میں مسلمانوں کے عمل کے لیے مجھے جہاں بھی کوئی یسر اور آسانی کی دلیل اور سبیل ملی' میں نے اسی کو اختیار کر لیا اور امت کی دشواری اور عسر کی راہ کو ترک کر دیا' اور میں نے جب بھی کسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے قلم اٹھایا تو قرآن مجید' سنت اور فقہاء اسلام کی تصریحات کو مقدم رکھا ہے اور مشکل پسند اور فقہاء عسر کے اقوال کو ترک کر دیا۔

بہرحال میں نے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ کو بھی نیک نیتی اور للّٰہیت سے لکھا ہے۔ اگر یہ حق اور صواب ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے ہے اور اگر یہ غلط اور باطل ہے تو یہ میرے مطالعہ کا نقص اور میری فہم کی کمی ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی محمد سید المرسلین خاتم النبیین وعلی الہ واصحابہ وازواجہ و ذریاتہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں) جب تم ان کے مہران کو ادا کر دو' درآنحالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو' نہ اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا بنانے والے اور جس نے ایمان (لانے کے بعد) کفر کیا' تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔ (المائدہ: ٥)

جن جانوروں کو قرآن اور حدیث میں حرام کیا گیا ہے' ہم ان کا یہاں تفصیل سے ذکر کر رہے ہیں۔ اور ان کے ماسوا جانور حلال ہیں۔

قرآن اور حدیث میں بیان کردہ حرام جانور

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خصوصیت کے ساتھ خنزیر کو حرام فرمایا ہے اور چونکہ بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر کے بندر بنا دیا تھا' اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ بندر بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ (المائدہ: ٦٠)

وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک قاعدہ بیان فرما دیا ہے کہ جو درندے کچلیوں (نوک دار دانتوں) سے پھاڑ کر کھاتے ہیں' جیسے شیر اور بھیڑیا وغیرہ اور جو پرندے اپنے ناخنوں سے شکار کر کے کھاتے ہیں' جیسے باز اور شکرہ وغیرہ' یہ سب حرام ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے اور ہر ناخنوں (سے شکار کرنے) والے پرندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم' ج ٣' رقم الحدیث: ١٩٣٤' صحیح البخاری' ج ٦' رقم الحدیث: ٥٥٣٠' سنن ترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٤٨٣' سنن ابوداؤد' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٨٠٣' سنن نسائی' ج ٧' رقم الحدیث: ٤٣٣٧' موطا امام مالک' ١٠٧٥' سنن کبری للبیہقی' ج ٩' ص ٣١٥' مصنف

عبدالرزاق '٨٧٠٤ 'المعجم الکبیر' ج ٢٢ ' رقم الحدیث: ٥٢٦-٥٣٩ 'مسند احمد' ج ٦ ' رقم الحدیث: ١٧٧٥٠) شیخ احمد محمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد' ج ٣ ' رقم الحدیث: ٣٣٣١ 'ص ٣٥٨ 'مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ '١٣١٦ھ)

پھاڑنے والے درندوں سے حملہ آور جنگلی جانور مراد ہیں 'لہٰذا اس حدیث سے ہاتھی 'لومڑی اور بجو بھی حرام ہیں۔ نیز ہاتھی کی کچلیاں بھی ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس برتن کو دھونے کا حکم دیا ہے 'جس میں کتا منہ ڈال دے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا لعاب نجس ہے۔ اور لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اس کا گوشت بھی نجس ہوا اور ہر نجس حرام ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ کتے کا کھانا بھی حرام ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ۔

(صحیح البخاری' ج ١ ' رقم الحدیث: ١٧٢ 'صحیح مسلم' ج ١ ' رقم الحدیث: ٢٧٩ 'سنن ابوداؤد' ج ١ ' رقم الحدیث: ٧١ 'سنن ترمذی' ج ١ ' رقم الحدیث: ٩١ 'سنن کبری للبیہقی' ج ١ 'ص ٢٤٠ 'قدیم 'مسند احمد' ج ١ ' رقم الحدیث: ٨١٣٣)

احمد محمد شاکر نے لکھا ہے 'یہ حدیث صحیح ہے۔ مطبوعہ دارالحدیث 'القاہرہ ١٣١٦ھ)

رسول اللہ ﷺ نے کتے کی بیع کو حرام فرمایا ہے 'اس سے بھی واضح ہوا کہ کتا حلال نہیں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت 'فاحشہ کی اجرت اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری' ج ٣ ' رقم الحدیث: ٢٢٣٧ 'صحیح مسلم' ج ٣ ' رقم الحدیث: ١٥٦٨ 'سنن ابوداؤد' ج ٢ ' رقم الحدیث: ٣٤٢٨ 'سنن ترمذی' ج ٢ ' رقم الحدیث: ١١٣٦ 'سنن نسائی' ج ٧ ' رقم الحدیث: ٤٣٠٣ 'سنن ابن ماجہ' ج ١ ' رقم الحدیث: ٢١٥٩)

نیز امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ٣٠٣ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتے کی قیمت 'کاہن کی شیرینی اور فاحشہ کی اجرت حلال نہیں ہے۔ (سنن نسائی' ج ٧ ' رقم الحدیث: ٤٣٠٣ 'سنن ابوداؤد' ج ٢ ' رقم الحدیث: ٣٤٨٤)

رسول اللہ ﷺ نے سیاہ کتے کو قتل کرنے کا حکم دیا اور شکاری کتے 'کھیتوں اور مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کے سوا اور کسی کتے کو رکھنے کی اجازت نہیں دی 'اگر کتے کو کھانا حلال ہوتا تو مطلقاً کتے کو رکھنے کی اجازت ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کتے اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق نہ ہوتے تو میں ان (سب) کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔ پس تم ان میں سے کالے سیاہ کتے کو قتل کردو 'اور جن لوگوں نے کھیت 'شکار اور مویشیوں کے بغیر کتا رکھا 'ان کے اجر میں سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

(سنن نسائی' ج ٧ ' رقم الحدیث: ٤٢٩١ 'سنن ترمذی' ج ٣ ' رقم الحدیث: ١٤٩٢-١٤٩١ 'صحیح مسلم' ج ٣ ' رقم الحدیث: ١٥٧٤ 'سنن ابوداؤد' ج ٢ ' رقم الحدیث: ٢٨٤٥ 'سنن ابن ماجہ' ج ٢ ' رقم الحدیث: ٣٢٠٥ 'موطا امام مالک '١٨٠٨ 'مسند احمد' ج ٢ ' رقم الحدیث: ٤٤٧٩ 'صحیح البخاری' ج ٦ ' رقم الحدیث: ٥٤٨٠)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جس گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ اگر کتے کا کھانا حلال ہوتا تو فرشتے

اس سے نفرت نہ کرتے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ بہت پریشان تھے۔ حضرت میمونہ نے کہا' آج صبح سے میں آپ کو بہت مغموم دیکھ رہی ہوں۔ رسول اللہ نے فرمایا مجھ سے جبرائیل نے رات کو ملاقات کا وعدہ کیا تھا' وہ نہیں آئے۔ بہ خدا انہوں نے مجھ سے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی' پھر سارا دن رسول اللہ کی یہی کیفیت رہی' پھر رسول اللہ کو ایک کتے کے پلے کا خیال آیا جو ہمارے پردے کے پیچھے تھا' آپ نے اس کو گھر سے نکالنے کا حکم دیا تو اس کو نکال دیا گیا' پھر آپ نے پانی سے اس جگہ کو دھویا جہاں کتا تھا' جب شام ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے ملاقات کی۔ آپ نے ان سے کہا' تم نے گزشتہ رات مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا' ہاں! لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔ پھر اس دن رسول اللہ نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا' حتیٰ کہ چھوٹے باغ (کی حفاظت) کے کتے کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا اور بڑے باغ کی حفاظت کے کتے کو چھوڑ دیا۔

(صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۱۰۵' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۱۵۷' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۸۱۵' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۰۹۷' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۷۰' ۲' قدیم)

عبارت النص کے ساتھ آپ نے کتا کھانے کو حرام نہیں فرمایا' لیکن ان احادیث سے دلالت النص کے ساتھ کتا کھانے کی حرمت ثابت ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کتا کھانے کی حرمت حدیث سے ثابت نہیں ہے' اس لیے ہم نے اس مسئلہ میں اس قدر تفصیل کی ہے۔ نبی نے پالتو گدھوں کے کھانے کو بھی حرام فرمادیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ نبی نے جنگ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے کو اور پالتو گدھوں کے کھانے کو حرام فرمادیا' (یہ حدیث حضرت جابر اور حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے)

(صحیح البخاری ج ۵' رقم الحدیث: ۴۲۱۶' صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۰۷' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۸۰۸' سنن دار قطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۲۳' سنن کبریٰ' للبیہقی' الجدیدہ' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۹۹۹۵)

نبی نے چوہے' بچھو' چیل' کوے اور باؤلے کتے کے متعلق فرمایا: ان کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا اور ان کو فاسق فرمایا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی نے فرمایا: پانچ (جانور) فاسق ہیں' جن کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ چوہا' بچھو' چیل' کوا اور باؤلا کتا۔ (بعض روایات میں بچھو کی جگہ سانپ کا ذکر ہے)

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۱۴' صحیح مسلم' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۹۸' سنن نسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۸۲۹' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۴۸' سنن ترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۸۳۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۸۷' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۴۷۱۵)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کوا کون شخص کھائے گا' حالانکہ رسول اللہ نے اس کو فاسق فرمایا

ہے۔ بہ خدا وہ پاک جانوروں میں سے نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ ، رقم الحدیث: ۳۲۴۸)
نبی ﷺ نے چھپکلی کو بھی فاسق فرمایا اور اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چھپکلی کو بھی کھانا حرام ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے چھپکلی کو فویسق فرمایا۔ ام شریک رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے چھپکلیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔
(صحیح البخاری ، ج ۴ ، رقم الحدیث: ۳۳۰۶ ، ۳۳۰۷ ، صحیح مسلم ج ۴ ، رقم الحدیث: ۲۲۳۹)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:
ابوالاحوص جشمی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن مسعود خطبہ دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں دیوار پر ایک سانپ گزر رہا تھا ، حضرت ابن مسعود نے اپنا خطبہ منقطع کیا اور اس کو لاٹھی سے مار کر قتل کر دیا۔ پھر کہا ، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کسی سانپ کو قتل کیا ، اس نے گویا اس مشرک کو قتل کیا ، جس کا خون مباح تھا۔ احمد محمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد بشرح احمد شاکر ، ج ۴ ، رقم الحدیث: ۳۹۹۵ ، مطبوعہ قاہرہ ، ۱۴۱۶ھ)
ان احادیث سے معلوم ہوا کہ چوہا ، سانپ ، چھپکلی اور بچھو حرام ہیں۔ فقہاء نے ان پر قیاس کرکے باقی حشرات الارض کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:
وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: ۱۵۷) اور وہ ان کے لیے پاک اور مرغوب چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک اور نفرت انگیز چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔
اور طبیعت سلیمہ حشرات الارض سے نفرت کرتی ہے اور گھن کھاتی ہے۔ اس لیے تمام حشرات الارض حرام ہیں۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:
ہم نے نبی ﷺ سے وہ احادیث روایت کی ہیں جو سانپ اور بچھو کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح جو جانور ان کے حکم میں ہیں ، جن کو عرب خبیث قرار دیتے ہیں اور ان کو بلااضطرار نہیں کھاتے۔
(السنن الکبریٰ ، ج ۱۴ ، ص ۳۱۱ ، الجدیدہ ، مطبوعہ دار الفکر ، بیروت ، ۱۴۱۶ھ)
نیز نبی ﷺ نے گوہ کو حرام فرمایا ہے اور گوہ حشرات الارض میں سے ہے۔
امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔
(سنن ابوداؤد ، ج ۲ ، رقم الحدیث: ۳۷۹۶ ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ، بیروت ، ۱۴۱۶ھ)
بجو ، کچھوا اور بھڑ بھی حشرات الارض میں سے ہیں ، اس لیے وہ بھی حرام ہیں۔ امام شافعی بجو اور گوہ کو حلال کہتے ہیں ، نبی ﷺ نے خچر کو حرام فرمایا ہے۔
امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں ، خچروں اور پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے

سے منع فرمایا ہے اور حیوۃ نے یہ اضافہ کیا ہر کچلیوں والے درندے سے منع فرمایا ہے۔
(سنن ابوداؤد' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٧٩٠' مطبوعہ بیروت)

نبی ﷺ نے لومڑی' بھیڑیے اور بجو کے متعلق خصوصیت کے ساتھ ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔
امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ٢٧٣ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! میں آپ سے جنگلی جانوروں کے متعلق پوچھنے کے لیے آیا ہوں' آپ لومڑی کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا لومڑی کو کون کھائے گا؟ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ بھیڑیے کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جس میں کوئی خیر ہوگی' وہ بھیڑیے کو کھائے گا؟
(سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٢٣٥' سنن ترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٧٩٩' سنن کبریٰ' للبیہقی' ج ١٣' رقم الحدیث: ١٩٩٣١' مختصرا الجدیدہ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بجو کھانے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص بجو کھائے گا؟ پھر میں نے بھیڑیے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا جس شخص میں کوئی خیر ہو وہ بھیڑیا کھائے گا؟ (سنن ترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٧٩٩' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٢٣٧)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اسماعیل بن مسلم پر بعض محدثین نے جرح کی ہے' لیکن کسی حدیث سے مجتہد کا استدلال کرنا بھی اس کی تقویت کا سبب ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کچلیوں اور ناخنوں سے پھاڑنے' چیرنے والے درندے اور پرندے' خچر اور پالتو گدھے' کتا اور خنزیر' سانپ' بچھو' بجو' گوہ اور دیگر حشرات الارض کو کھانا قرآن اور حدیث سے حرام ہے۔

سمندری جانوروں کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک تمام مردار سمندری جانور حلال ہیں' خواہ طبعاً مرے ہوں یا شکار سے۔ امام احمد کے نزدیک جو سمندری جانور خشکی میں رہتے ہیں' وہ بغیر ذبح کے حلال نہیں جیسے کچھوا اور جن سمندری جانوروں میں بہنے والا خون نہیں ہے۔ وہ بغیر ذبح کے حلال ہیں اور جن میں بہنے والا خون ہو' ان کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ آیت ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (المائدہ: ٩٦)
تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک اس سے مراد سمندر کا شکار کرنا ہے اور حرام جانوروں کا بھی دیگر فائدوں کے لیے شکار کرنا جائز ہے۔ اس سے مراد شکار کھانا نہیں ہے اور طعام سے مراد مچھلی ہے۔ ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔
امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا' یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پانی تھوڑا سا ہوتا ہے' اگر ہم اس پانی سے وضو کریں تو ہم پیاسے رہ جائیں گے۔ کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (فقہاء احناف اس مردار کو مچھلی پر محمول کرتے ہیں)

(سنن ترمذی ' ج١' رقم الحدیث: ٦٩' سنن ابو داؤد ' ج١' رقم الحدیث: ٨٣' سنن نسائی ' ج١' رقم الحدیث: ٥٠' سنن ابن ماجہ ' ج١' رقم الحدیث: ٣٨٦' الموطاء ' رقم الحدیث: ٤٣' مسند احمد ' ج٣' رقم الحدیث: ٧٢٣٣' المستدرک ' ج١' ص ١٤٠)

فقہاء احناف اس حدیث میں بھی مردار کو مچھلی پر محمول کرتے ہیں اور اس پر قرینہ یہ حدیث ہے:

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ٢٧٣ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں' مچھلی اور ٹڈی۔ (سنن ابن ماجہ ' ج٢' رقم الحدیث: ٣٢١٨' مسند احمد ' ج٢' رقم الحدیث: ٥٧٢٧)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور خبیث ہیں' یعنی غیر مرغوب ہیں اور قرآن مجید میں ہے:

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: ١٥٧) اور ناپاک اور نفرت انگیز چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔

جو مچھلی طبعی موت سے مر کر سطح آب پر آجائے' ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بھی حلال ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حرام ہے' امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو سمندر پھینک دے یا جس سے سمندر کا پانی ہٹ جائے' اس کو کھالو' اور جو پانی میں مر کر اوپر آجائے' سو تم اس کو نہ کھاؤ۔

(سنن ابو داؤد ' ج٢' رقم الحدیث: ٣٨١٥' سنن ابن ماجہ ' ج٢' رقم الحدیث: ٣٢٤٧)

محدثین نے کہا ہے اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سلیم الطائفی ہے' اور یہ ضعیف راوی ہے۔ لیکن امام بیہقی نے اس کو دیگر متعدد اسانید کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ' ج١٤' ص ٢٦١-١٥٩' الجدیدہ) علاوہ ازیں جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہٰذا حلت کی روایات پر یہ حدیث راجح ہے۔

خشکی اور سمندری حرام جانوروں کی یہ تفصیل ہے' ان کے علاوہ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ بشرطیکہ ان کو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ اس کی تفصیل (المائدہ: ٣) میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا طعام ان کے لیے حلال ہے۔

اہل کتاب کی تعریف اور ان کے ذبیحہ کی تحقیق

جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک اس آیت میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔ غلہ ' پھل اور میوہ جات وغیرہ مراد نہیں ہیں' کیونکہ ذبیحہ وہ ہے جس کے طعام ہونے میں انسان کا دخل ہے۔ باقی کھانے پینے کی چیزیں تمام لوگوں کے لیے مباح ہیں۔ اس لیے ان کی اہل کتاب کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ عنقریب ہم بعض آثار نقل کریں گے جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ یہاں طعام سے مراد ذبائح ہیں۔

اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں' جن کے انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا۔ کیونکہ زمانہ نزول قرآن میں یہودی حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے تھے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اہل کتاب فرمایا:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ: ۳۰) اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن شہاب سے نصاریٰ عرب کے ذبیحہ کے متعلق سوال کیا گیا' تو انہوں نے کہا' ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا' کیونکہ وہ دین میں اہل کتاب ہیں اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ۱۳۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کے متعلق فرمایا: "وہ حلال نہیں ہے"۔

عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کو نہ کھاؤ' کیونکہ وہ شراب پینے کے سوا نصرانیت کی اور کسی چیز پر عمل نہیں کرتے۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ۱۴۳' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

لیکن اکثر فقہاء تابعین مثلاً حسن بصری' عکرمہ' قتادہ' سعید بن المسیب' شعبی اور ابن شہاب وغیرہ نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کو کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ۱۳۶' طبع بیروت)

ابن زید سے سوال کیا گیا کہ عیسائیوں نے بسم اللہ پڑھ کر جانور کو گرجا کے لیے ذبح کیا۔ آیا اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا' اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اہل کتاب کے طعام کو حلال کیا ہے اور اس میں سے کسی چیز کو مستثنیٰ نہیں کیا۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ۱۴۰' طبع بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ زیلعی نے کہا ہے کہ جو شخص آسمانی دین کا معتقد ہو اور اس کے پاس کتاب ہو' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف یا حضرت شیث کے یا حضرت داؤد کی زبور ہو' وہ اہل کتاب میں سے ہے اور ان کے ذبیحہ کو کھانا جائز ہے۔

مستصفیٰ میں مذکور ہے کہ ان کے ذبیحہ کے حلال ہونے میں یہ قید ہے کہ وہ مسیح کی الوہیت کا عقیدہ نہ رکھتے ہوں اور اسی کے موافق شیخ الاسلام کی مبسوط میں مذکور ہے کہ اگر وہ مسیح کی الوہیت یا عزیر کی الوہیت کا عقیدہ رکھیں تو واجب ہے کہ ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے لیکن دلیل کے اعتبار سے ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ البحر الرائق میں مذکور ہے کہ مذہب یہ ہے کہ ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے۔ کیونکہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے' خواہ وہ تین میں کے تیسرے کا قول کریں یا نہیں' کیونکہ قرآن مجید نے ان کے طعام کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی مطلقاً اجازت دی ہے۔ علامہ ابن ہمام نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور یہی دلیل کا تقاضا ہے۔ کیونکہ اہل کتاب پر مشرکین کا اطلاق نہیں کیا جاتا' اور مشرک اس کو کہتے ہیں' جو غیر اللہ کی عبادت کرے اور کسی نبی کی اتباع کا مدعی نہ ہو۔

(ردالمحتار' ج ۲' ص ۲۸۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ بلا ضرورت ان کا ذبیحہ کھائے' نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرے۔

(ردالمحتار' ج ۵' ص ۱۸۸' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اگر کوئی شخص کسی عیسائی سے ذبح کے وقت یہ سنے کہ وہ مسیح کا نام لے کر ذبح کر رہا ہے' تو اس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے' اور اگر وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے اور اس سے ارادہ مسیح کا کرے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کا ذبیحہ کھالیا جائے گا۔ ہاں! اگر وہ صراحتاً کہے اللہ کے نام سے جو تین میں کا تیسرا ہے' تو پھر اس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ) اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ

جب عیسائی ذبح کر کے لے آئے تو اس کا ذبیحہ کھالیا جائے گا۔ (عنایہ) جیسا کہ اس نے صرف اللہ کا نام لیکر سامنے ذبح کیا ہو۔

(رد المحتار' ج ۵' ص ۱۸۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۷ ۱۴۰ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

غیر اہل کتاب کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ بت پرست ہو' مجوسی ہو' مرتد ہو' جنی ہو یا جبری ہو۔ اگر یہودی یا عیسائی' مجوسی ہو جائے تو اس کا ذبیحہ جائز نہیں ہو گا اور اگر مجوسی یہودی یا عیسائی ہو تو اس کا ذبیحہ جائز ہو جائے گا۔

(در مختار مع رد المحتار' ج ۵' ص ۱۸۹' مطبوعہ بیروت' ۷ ۱۴۰ھ)

اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے ذبیحہ کے بیان میں جانبین سے حکم فرمایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے' اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے' اور نکاح کے متعلق فرمایا اور اہل کتاب کی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں' یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اور تمہاری عورتیں ان کے لیے حلال ہیں۔ سو نکاح میں صرف ایک جانب سے حلت ہے اور وجہ فرق ظاہر ہے' کیونکہ مسلمانوں اور اہل کتاب میں دونوں طرف سے طعام کا حلال ہونا کسی شرعی خرابی کو مستلزم نہیں ہے اور اگر نکاح میں بھی دونوں جانب سے جواز ہوتا اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب سے نکاح جائز ہوتا اور شوہر' بیوی پر حاکم ہوتا ہے تو مسلمان عورت پر کافر مرد کا غلبہ ہوتا اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (النساء: ۱۴۱)

اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں بنائے گا۔

دیگر کفار کے برعکس اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی وجہ

دیگر کفار کے برعکس صرف اہل کتاب کے ذبیحہ کو اسلام میں حلال کیا گیا ہے۔ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں متعدد امور مشترک ہیں' یہ دونوں آسمانی مذہب ہیں۔ اللہ تعالیٰ' فرشتے' انبیاء علیہم السلام' آسمانی کتابیں' قیامت' مرنے کے بعد اٹھنا' جزا' سزا اور جنت و دوزخ کے دونوں قائل ہیں۔ اس کے علاوہ جانور کی حلت اور حرمت میں بھی ان میں کئی امور مشترک ہیں۔ اسلام میں مردار جانور' جس کا گلا گھونٹا گیا ہو' جس کو درندے نے پھاڑا ہو' جو بتوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو اور خون اور خنزیر حرام ہیں اور موجودہ چھپی ہوئی کتاب مقدس (بائبل) میں بھی ان کی حرمت بیان کی ہے۔ جو جانور خود بخود مر گیا ہو اور جس کو درندوں نے پھاڑا ہو' ان کی چربی اور کام میں لاؤ' پر اسے تم کسی حال میں نہ کھانا۔

(پرانا عہد نامہ' احبار' باب: ۷' آیت ۲۴' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

اور سور کو کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں' پر وہ جگالی نہیں کرتا' وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے' تم ان کا گوشت نہ کھانا۔ (پرانا عہد نامہ' احبار' باب: ۱۱' آیت ۹-۷' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

مگر غیر قوموں میں سے جو ایمان لائے' ان کی بابت ہم نے یہ فیصلہ کر کے لکھا تھا کہ وہ صرف بتوں کی قربانی کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔

(نیا عہد نامہ' رسولوں کے اعمال' باب: ۲۱' آیت ۲۵' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح حلال ہونے کی وجہ

اس تخصیص کی بھی یہ وجہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں بنیادی امور مشترک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو' فرشتوں کو'

آسمانی کتابوں کو' انبیاء علیہم السلام کو' مرنے کے بعد اٹھنے کو' جزاو سزا کو اور جنت و دوزخ کو یہ سب مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ جن رشتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے' اہل کتاب کے نزدیک بھی ان سے نکاح حرام ہے۔ موجودہ چھپی ہوئی کتاب مقدس میں لکھا ہوا ہے:

تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے' بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں ہے' تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا○ تو اپنے باپ کی بیوی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کا بدن ہے○ تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو' چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو' خواہ اور کہیں' بے پردہ نہ کرنا○ تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بدن ہے○ تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا' کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے○ تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے○ تو اپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا۔ وہ تیری چچی ہے○ تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے' سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا○ تو اپنی بھاوج کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا' کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں۔ یہ بڑی خباثت ہے○ تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے○ اور تو عورت کے پاس جب تک وہ حیض کے سبب سے ناپاک ہے' اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لیے نہ جانا○

(پرانا عہد نامہ' احبار' باب: ۱۸' آیت ۱۹-۷' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

آزاد اور پاک دامن عورتوں کی تخصیص کی وجہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)

اس آیت کا معنی یہ ہے اے مسلمانو! تمہارے لیے آزاد مسلمان عورتیں اور یہودیوں اور عیسائیوں کی عورتیں خواہ ذمی ہوں یا حربی ہوں' حلال کر دی گئی ہیں۔ جب تم ان کے مہر ادا کر دو" مہر کا ذکر اس لیے کیا ہے" تاکہ اس کا وجوب اور موکد ہونا ظاہر ہو۔ یہ نکاح کے حلال ہونے کی شرط نہیں ہے اور آزاد عورتوں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنے کی بہ نسبت آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنا اولیٰ اور راجح ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے در آنحالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو' نہ اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا بنانے والے اور جس نے ایمان (لانے) سے انکار کیا' تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔ (المائدہ: ۵)

اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا ہے جبکہ تم آزاد عورتوں سے نکاح کر کے اپنے آپ کو زنا سے بچاؤ' نہ ظاہرا بدکاری کرو اور نہ خفیہ طریقہ سے بدکاری کرو۔ یعنی صحیح اور قانونی طریقہ سے خواہش نفس پوری کرو اور اعلانیہ اور خفیہ طریقہ سے بدکاری سے اجتناب کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ان احکام شرعیہ کی جائز سمجھ کر مخالفت کی' تو وہ کافر ہو جائے گا۔ دنیا میں اس کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور آخرت میں وہ عذاب کا مستحق ہو گا' اس آیت میں ایمان لانے کے بعد کفر کرنے سے یہی مراد ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ ارتداد سے تمام اعمال ضائع ہو

جاتے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو (اور تم بے وضو ہو) تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں

وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ

کو کہنیوں سمیت دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت

اِلَى الْكَعْبَیْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى

دھو لو، اور اگر تم جنبی ہو تو اچھی طرح پاکیزگی حاصل کر لو، اور اگر تم بیمار ہو

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ

یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ

پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو، سو تم اپنے چہروں اور ہاتھوں

وَ اَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ

پر اس پاک مٹی سے مسح کرو، اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا، لیکن

وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ

وہ تم کو خوب پاک کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ تم پر اپنی نعمت کو پورا کرے تاکہ تم

تَشْكُرُوْنَ ۞

شکر ادا کرو ○

آیت وضوء کی سابقہ آیات سے مناسبت

انسان کے طبعی تقاضے دو چیزوں میں منحصر ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں اور عمل ازدواج۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں اس کے لیے کیا چیزیں حلال ہیں اور کیا چیزیں حرام ہیں اور جنسی خواہشوں کی تکمیل کے لیے کون سی عورتیں اس کے لیے حلال ہیں اور کون سی عورتیں حرام ہیں۔ اور اس آیت میں یہ بتایا کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے لیے اس پر اللہ تعالیٰ کی عبادات فرض ہیں اور ان عبادات میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کی شرط طہارت ہے اور

طہارت غسل اور وضو سے حاصل ہوتی ہے اور اگر پانی نہ مل سکے تو طہارت تیمم سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس آیت میں وضو، غسل اور تیمم کا بیان فرمایا ہے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی اور خیانت کے مال (مال حرام) سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ یہ حدیث اصح الاسانید ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث:١، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ٢٢٤، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ٢٧٢، مسند احمد، ج١، رقم الحدیث: ٤٧٠٠، سنن کبریٰ للبیھقی، ج٤، ص١٩١)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی چابی نماز ہے اور نماز کی چابی طہارت ہے۔

علامہ احمد محمد شاکر متوفی ١٣٧٧ھ نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(مسند احمد بتحقیق احمد شاکر، ج١١، رقم الحدیث: ١٤٥٩٧، مطبوعہ القاہرہ)

آیت وضو کا شان نزول

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مقام بیداء میں میرا ہار گر گیا، اس وقت ہم مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے۔ نبی ﷺ نے اونٹنی کو بٹھایا اور اونٹنی سے اتر گئے، آپ نے میری گود میں سر رکھا اور سو گئے۔ حضرت ابوبکر آئے اور انہوں نے زور سے مجھے گھونسے مارے اور کہا تم نے تمام لوگوں کو ہار کی وجہ سے ٹھہرا دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل پڑنے سے مجھے موت کی طرح لگ رہا تھا، حالانکہ حضرت ابوبکر نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی تھی، پھر نبی ﷺ بیدار ہوئے، اس وقت صبح ہو چکی تھی، پانی کو تلاش کیا گیا تو پانی نہیں ملا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "یایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ" الایہ (المائدہ: ٦) حضرت اسید بن حضیر نے کہا اے آل ابوبکر! اللہ نے لوگوں کے لیے تم میں برکت رکھی ہے تمہارا وجود ان کے لیے محض برکت ہے۔

(صحیح البخاری، ج٥، رقم الحدیث: ٤٦٠٨، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اس آیت میں وضو اور تیمم دونوں کا ذکر ہے۔ تیمم کا ذکر سورۃ النساء میں بھی ہے اور اس آیت میں بھی ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہونے کے موقع پر سورۃ النساء کی آیت نازل ہوئی تھی یا سورۃ المائدہ کی زیر تفسیر آیت۔ محققین کے نزدیک ہار گم ہونے کے موقع پر سورۃ المائدہ کی آیت نازل ہوئی تھی۔ امام بخاری کی اس روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

امام بخاری نے حدیث ٣٣٤ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، پھر اللہ نے تیمم کی آیت نازل کر دی اور اس آیت کی تعیین نہیں کی اور مذکور الصدر روایت میں تصریح کر دی کہ یہ سورۃ المائدہ کی آیت ہے۔

(فتح الباری، ج١، ص ٤٣٢، مطبوعہ لاہور، عمدۃ القاری، ج٤، ص٥، مطبوعہ مصر)

حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر مالکی متوفی ٤٦٣ھ لکھتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سفر غزوہ مریسیع

میں ہوا تھا' جو بنو مصطلق بن خزاعہ کے خلاف تھا' یہ واقعہ چھ ہجری کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ پانچ ہجری کا واقعہ ہے۔
(الاستذکار' ج ۳' ص ۱۴۱' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ' بیروت ۱۴۱۳ھ)

آیت وضو کے نزول سے پہلے فرضیت وضو کا بیان

اس جگہ ایک بحث یہ ہے کہ آیت وضو تو پانچ یا چھ ہجری میں نازل ہوئی اور نماز ابتداء وحی کے ساتھ مکہ میں فرض ہو گئی تھی' تو ابتداء میں نماز وضو کے ساتھ پڑھی جاتی تھی یا بلا وضو؟

حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا ہے: "پھر اللہ نے تیمم کی آیت نازل کر دی" اس سے مراد وہ آیت وضو ہے جو سورۃ المائدہ میں ہے۔ یا وہ آیت ہے جو سورۃ النساء میں ہے۔ ان دو آیتوں کے سوا اور کسی آیت میں تیمم کا ذکر نہیں ہے اور یہ دونوں مدنی سورتیں ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ غسل جنابت وضو سے پہلے فرض نہیں ہوا تھا۔ پس جس طرح مصنفین سیرت کے نزدیک یہ امر محقق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں نماز فرض ہوئی ہے اور غسل جنابت بھی مکہ میں فرض ہوا ہے' اور یہ کہ آپ نے مکہ میں کوئی نماز بھی بغیر وضو کے نہیں پڑھی اور آپ اسی طرح وضو کرتے تھے جس طرح مدینہ میں آپ نے وضو کیا' یا جس طرح اب ہم وضو کرتے ہیں اور یہ وہ امر ہے کہ اس سے کوئی عالم بھی ناواقف نہیں ہے اور سوائے ہٹ دھرم کے اس کی کوئی بھی مخالفت نہیں کرے گا۔ (الاستذکار' ج ۳' ص ۱۵۵' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ سفاقسی نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو کرنا ان پر لازم تھا اور تیمم کی آیت سورۃ المائدہ میں ہے اور سورۃ النساء میں ہے اور یہ دونوں مدنی سورتیں ہیں اور اس سے پہلے کوئی نماز بغیر وضو کے مشروع نہیں تھی۔ اس لیے جب تیمم کی آیت نازل ہوئی تو وضو کا ذکر نہیں کیا' کیونکہ تیمم کا حکم وضو کے حکم کی فرع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے اس آیت کا وہ حصہ نازل ہوا جس میں وضو کا ذکر ہے' اور پھر اس آیت کا دوسرا حصہ نازل ہوا جس میں تیمم کا ذکر ہے۔ پھر یہ آیت پوری ہو گئی اور یہ بھی احتمال ہے کہ وضو کا حکم پہلے سنت سے مشروع ہوا نہ کہ قرآن سے' پھر بعد میں ان دونوں کا حکم اکٹھے نازل ہوا' اور حضرت عائشہ نے اس کو تیمم سے اس لیے تعبیر کیا کہ اس موقع پر یہی مقصود تھا (علامہ عینی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ امام حمیدی کی اس روایت پر مطلع ہو جاتے جس میں حضرت عائشہ نے فرمایا ہے: پھر یہ آیت نازل ہوئی "یایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم- الایہ (المائدہ: ۶) تو ان تاویلات میں نہ پڑتے۔ (عمدۃ القاری' ج ۴' ص ۵' مطبوعہ ادارہ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ وضو کا حکم پہلے سنت سے ثابت تھا اور یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہے۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

آیت وضو اجماعاً مدنی ہے اور تمام اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ وضو اور غسل مکہ میں نماز کے ساتھ فرض ہو گئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بغیر وضو کے نماز نہیں پڑھی' بلکہ ہم سے پہلی شریعت میں بھی وضو فرض تھا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے اور اصول فقہ میں یہ مقرر ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول بغیر انکار کے کوئی قصہ بیان کریں اور اس کا نسخ ظاہر نہ ہو' تو وہ بھی ہماری شریعت ہے اور اس آیت کے نزول کا یہ فائدہ ہے کہ جو حکم پہلے ثابت ہو چکا تھا' اس کو مقرر اور ثابت کیا جائے۔ (الدر المختار مع رد المحتار' ج ۱' ص ۶۲-۶۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

شرائع سابقہ اور مکی دور میں فرضیت وضو کے متعلق احادیث

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ٣٨٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور ایک ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا' پھر فرمایا: یہ وضو کا وہ طریقہ ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں کرتا۔ آپ نے پھر پانی منگوایا اور دو دو مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا' پھر فرمایا: جس نے اس طرح وضو کیا' اس کے لیے دگنا اجر ہے۔ آپ نے تھوڑی دیر کے بعد پانی منگوایا اور اس سے اعضاء وضو کو تین تین بار دھویا اور فرمایا: یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے۔

(سنن دار قطنی' ج ١' رقم الحدیث: ٢٥٧' ٢٥٦' ٢٥٥' ٢٥٤' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٢٠' المعجم الاوسط' رقم الحدیث: ٣٦٧٤' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ١' ص ٨٠)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے' ہر چند کہ اس حدیث کی اسانید ضعیف ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے وہ حسن لغیرہ ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بھی وضو مشروع تھا۔

امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے صرف تین (ظاہری اور صوری) جھوٹ بولے' جب انہیں باطل خداؤں کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے کہا انی سقیم میں بیمار ہوں اور انہوں نے کہا "فعلہ کبیرھم ھذا ان کے اس بڑے نے یہ کام کیا ہے" اور انہوں نے (حضرت) سارہ کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے' حضرت ابراہیم ایک بستی میں گئے جس میں ایک جابر بادشاہ تھا' اس کو بتایا گیا کہ آج رات ابراہیم (علیہ السلام) سب سے حسین عورت کے ساتھ اس شہر میں داخل ہوئے ہیں' اس بادشاہ نے ان کے پاس اپنا ہرکارہ بھیجا اور پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا' یہ میری بہن ہے۔ اس نے کہا اس کو بھیج دو۔ آپ نے ان کو اس کے ساتھ روانہ کیا اور فرمایا: میری بات کو جھٹلانا نہیں' میں نے اس کو یہ خبر دی ہے کہ تم میری بہن ہو اور اس سرزمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔

جب حضرت سارہ اس کے پاس پہنچیں تو وہ آپ کی طرف اٹھا۔ حضرت سارہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی' اور اللہ سے دعا کی' اے اللہ! بے شک تجھے علم ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں۔ اور میں نے اپنے شوہر کے سوا ہر کسی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے۔ سو تو مجھ کو اس کافر کے تسلط سے بچا۔ سو اس کے منہ سے خرخر کی آواز آنے لگی اور اس کی ٹانگ زمین میں دھنس گئی۔ حضرت سارہ نے کہا' یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اس نے مار دیا۔ پھر اس کو زمین نے چھوڑ دیا' وہ پھر حضرت سارہ کی طرف بڑھا' حضرت سارہ نے وضو کیا' نماز پڑھی اور دعا کی اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں' اور میں نے اپنے شوہر کے سوا ہر کسی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے' سو تو مجھ کو اس کافر کے تسلط سے بچا۔ پس اس کے منہ سے خرخر کی آواز آنے لگی' اور اس کی ٹانگ زمین میں دھنس گئی' پھر حضرت سارہ نے کہا' یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے اس کو قتل کر دیا' پھر اس کو چھوڑ دیا گیا' پھر تیسری یا چوتھی مرتبہ اس بادشاہ نے کہا' تم نے میرے پاس کس جنی کو بھیجا ہے۔ اسے ابراہیم کو واپس کر دو اور اس عورت کو ہاجرہ دے دو' وہ واپس گئیں اور حضرت ابراہیم سے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ نے اس کافر کے مکر کو باطل کر دیا اور خدمت کے لیے ایک باندی دے دی۔

(مسند احمد' ج ٢' ص ٤٠٤-٤٠٣' طبع قدیم' بیروت' احمد شاکر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ صحیح بخاری' صحیح مسلم'

سنن ابوداؤد' سنن ترمذی' اور مسند ابو یعلی میں بھی یہ حدیث اختصار سے مروی ہے)۔ مسند احمد بتحقیق احمد شاکر' ج ۹' رقم الحدیث: ۹۲۱۳' مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی وضو فرض تھا' کیونکہ حضرت سارہ نے وضو کر کے نماز پڑھی تھی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کو جریج کہا جاتا تھا' وہ نماز پڑھ رہا تھا' اس کی ماں نے آکر اس کو بلایا' وہ اس کے بلانے پر نہیں گیا اور کہا کیا نماز کی حالت میں میں اس کو جواب دوں؟ اس کی ماں آئی اور اس نے کہا' اے اللہ! اس پر اس وقت تک موت طاری نہ کرنا' جب تک یہ بدکار عورتوں کو نہ دیکھ لے۔ جریج اپنے گرجا میں عبادت کرتا تھا' ایک عورت نے کہا' میں جریج کو فتنہ میں ڈالوں گی' اس عورت نے اس کو گناہ کی دعوت دی' جریج نے انکار کیا۔ اس نے ایک چرواہے سے اپنی خواہش پوری کرلی' اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا' اس نے لوگوں سے کہا: یہ جریج کا بچہ ہے۔ لوگ آئے اور انہوں نے اس کا گرجا توڑ دیا اور اس کو گرجا سے نکال دیا اور اس کو برا کہا' جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر اس نوزائدہ بچہ سے کہا: اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا' چرواہا۔ لوگوں نے کہا' ہم تمہارا گرجا سونے کا بنادیں' اس نے کہا' نہیں صرف مٹی کا ہی بنادو۔

(صحیح بخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۴۸۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بنو اسرائیل کی شریعت میں بھی وضو فرض تھا' کیونکہ جریج نے وضو کر کے نماز پڑھی تھی۔

امام عبدالمالک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا' مجھے بعض اہل علم نے یہ حدیث بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز فرض ہوئی تو آپ کے پاس جبرائیل آئے وہ اس وقت مکہ کی بلند وادی پر تھے۔ انہوں نے وادی پر اپنی ایڑی ماری تو اس سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا' پھر جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے رہے' کہ وہ نماز کے لیے کس طرح وضو کرتے ہیں؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح وضو کیا جس طرح جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا تھا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نماز پڑھی' پھر جبرائیل علیہ السلام لوٹ گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے پاس آئے' پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو وضو کر کے دکھایا کہ نماز کے لیے کس طرح وضو کرتے ہیں' جس طرح آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دکھایا تھا' پھر حضرت خدیجہ نے وضو کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کو اس طرح نماز پڑھائی جس طرح حضرت جبرائیل نے نماز پڑھائی تھی۔ (السیرۃ النبویہ مع الروض الانف' ج ۱' ص ۱۶۳-۱۶۲' مطبوعہ ملتان)

علامہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ نے اس حدیث کی سند کو مقطوع لکھا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ایسی حدیث احکام شرعیہ کی اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی' لیکن ان کے استاذ قاضی ابوبکر محمد بن العربی متوفی ۵۴۳ھ نے اس حدیث کی توثیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ ہرچند کہ اس کو اہل صحیح نے روایت نہیں کیا' لیکن انہوں نے اس حدیث کو اس لیے ترک کر دیا کہ ان کو اس کی ضرورت نہیں تھی اور صحابہ اور علماء اس حدیث سے تغافل کرتے تھے' جس کی ان کو ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

(احکام القرآن' ج ۲' ص ۴۸-۴۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

تاہم علامہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ نے اپنے استاذ حافظ ابن العربی کی سند سے روایت کیا ہے۔
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے' اور آپ کو وضو سکھایا اور جب وضو سے فارغ ہوئے تو چلو میں پانی لے کر اپنی شرم گاہ پر چھڑکا' اس حدیث کی بناء پر وضو مکہ میں فرض ہوا' اور اس کی تلاوت مدینہ میں ہوئی۔
(الروض الانف' ج ۱' ص ۱۶۳-۱۶۲' مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ' ملتان)

وضو کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کو قیامت کے دن غر محجل (جس کا منہ اور ہاتھ پیر سفید ہوں) کہہ کر پکارا جائے گا' اس کا سبب وضو کے آثار ہیں۔ سو تم میں سے جو شخص اپنی سفیدی زیادہ کرنا چاہتا ہو (وہ اعضاء وضو کو مقررہ حد سے زیادہ دھو کر) اپنی سفیدی کو زیادہ کرلے۔
(صحیح بخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۶' صحیح مسلم' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۴۶' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۲۳' سنن نسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۵۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۸۴)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بندہ مسلم (یا مومن) وضو کرتا ہے تو وہ جب چہرے کو دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ اس کے چہرے سے ہر وہ گناہ دھل جاتا ہے جو اس نے آنکھوں سے کیا تھا' اور جب وہ ہاتھوں کو دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ اس کا ہر وہ گناہ دھل جاتا ہے جو اس نے ہاتھوں سے کیا تھا حتیٰ کہ وہ گناہوں سے صاف ہو جاتا ہے۔
(سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۲' صحیح مسلم ج ۱' رقم الحدیث: ۲۴۴' الموطا' رقم الحدیث: ۳۳' سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۳' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۸۰۲۶' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۸۱' صحیح ابن خزیمہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۴)

امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں جائے اور اس کا مسجد میں جانا صرف نماز کے لیے ہو تو اس کے ہر قدم سے اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے' حتیٰ کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔
(سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۸۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا' پھر کہا:
"اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله' اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين" اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ وہ جس دروازے سے چاہے' جنت میں داخل ہو جائے۔
(سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۵' صحیح مسلم' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۳۴' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۶۹' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم

الحدیث:٧٠٤، مسند احمد، ج٦، رقم الحدیث:١٧٣١٦)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ٢٣٥ھ روایت کرتے ہیں:

ابوعثمان بیان کرتے ہیں کہ میں سلمان کے ساتھ تھا' انہوں نے ایک درخت کی خشک شاخ کو پکڑ کر ہلایا اور کہا' میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔ (المصنف' ج١' ص٧-٨' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ١٤٠٦ھ)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر مالکی متوفی ٤٦٣ھ لکھتے ہیں:

سالم بن عبداللہ بن عمر' کعب احبار سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص نے بیان کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ لوگوں کو حساب کے لیے جمع کیا گیا' پھر انبیاء علیہم السلام کو بلایا گیا۔ ہر نبی کے ساتھ اس کی امت تھی اور اس نے دیکھا کہ ہر نبی کے ساتھ دو نور ہیں جو ان کے درمیان چل رہے ہیں' اور ان کی امت میں سے جو ان کے متبعین تھے' ان کے لیے ایک نور تھا' حتیٰ کہ سیدنا محمد ﷺ کو بلایا گیا۔ آپ کے سر کے بالوں اور آپ کے پورے چہرے پر نور تھا' جو ہر دیکھنے والے کو نظر آ رہا تھا' اور آپ کی امت میں سے آپ کے متبعین کے لیے دو نور تھے' جس طرح انبیاء علیہم السلام کے لیے نور تھے۔ کعب بیان کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں یہ خواب نہیں تھا' انہوں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کو یہ حدیث کس نے بیان کی؟ اور تم کو اس کا علم کس طرح ہوا تو اس نے بتایا کہ اس نے یہ خواب دیکھا تھا۔ پھر کعب نے اسے اللہ کی قسم دے کر کہا' کیا واقعی تم نے یہ خواب دیکھا تھا؟ اس نے کہا ہاں! میں نے یہی خواب دیکھا تھا۔ کعب نے کہا' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! یا کہا' اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا یہ سیدنا احمد ﷺ اور آپ کی امت کی صفت ہے' اور اللہ کی کتاب تورات میں انبیاء کی صفت ہے' جس طرح میں نے تورات میں پڑھا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں نے تمہید (ج٢' ص٢٥٩) میں بیان کی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تمام امتیں وضو کرتی تھیں اور یہ چیز میرے نزدیک کسی سند سے ثابت نہیں ہے۔ (الاستذکار' ج٢' ص١٨٠' مطبوعہ موسستہ الرسالہ' بیروت' ١٤١٣ھ)

ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم نماز پڑھنے کا قصد کرو اور اس وقت تم بے وضو ہو تو تم پر وضو کرنا فرض ہے' اور جب کوئی شخص باوضو ہو تو اس پر نماز پڑھنے کے لیے دوبارہ وضو کرنا واجب نہیں ہے' وہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ البتہ! ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا مستحب ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر نماز کے وقت وضو کرتے تھے۔ راوی نے پوچھا آپ کیا کرتے تھے حضرت انس نے کہا' ہم میں سے کسی ایک شخص کے لیے وضو کافی ہوتا تھا' جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو۔

(صحیح البخاری' ج١' رقم الحدیث:٢١٤' سنن ابوداؤد' ج١' رقم الحدیث:١٧١' سنن ترمذی' ج١' رقم الحدیث:٥٨)

سوید بن نعمان بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خیبر کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ہم مقام صہباء پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر آپ نے جب طعام منگوایا تو صرف ستو لائے گئے' ہم نے ان کو کھایا اور پیا' پھر نبی ﷺ مغرب کے لیے اٹھے' آپ نے کلی کی اور ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی۔ (صحیح البخاری' ج١' رقم الحدیث:٢١٥)

غزوۂ خیبر' غزوۂ فتح مکہ سے پہلے سات ہجری میں ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ فتح مکہ سے پہلے بھی ایک وضو

سے کئی نمازیں پڑھتے تھے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کئی نمازیں ایک وضو کے ساتھ پڑھیں اور موزوں پر مسح کیا۔ حضرت عمر نے کہا' آج آپ نے ایک ایسا کام کیا ہے' جو آپ (پہلے) نہیں کرتے تھے' آپ نے فرمایا: میں نے عمداً کیا ہے۔ (صحیح مسلم' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۷۷)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے' جس سال فتح مکہ ہوا' آپ نے کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں۔ حضرت عمر نے کہا آپ نے ایسا کام کیا ہے' جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا "میں نے عمداً کیا ہے"۔ (سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اس سے پہلے صحیح البخاری (رقم الحدیث: ۲۱۵) کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے سال بھی دو نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا ضروری نہیں ہے' بلکہ جو شخص بے وضو ہو اور وہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرے' اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔

وضو کے متفق علیہ فرائض

وضو کے فرائض میں سے پورے چہرے کو دھونا فرض ہے۔ سر کے بال جہاں سے اگنے شروع ہوتے ہیں وہاں سے ٹھوڑی کے نچلے حصہ تک چہرہ کی لمبائی ہے اور دو کانوں کا درمیانی حصہ چوڑائی ہے۔ جس آدمی کی چھدری داڑھی ہو' اس پر بالوں کو اور بالوں کے نیچے کھال کو دھونا ضروری ہے اور جس کی گھنی داڑھی ہو' وہ صرف بالوں میں خلال کرے' داڑھی کو دھونا اس پر واجب نہیں ہے۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے' اس کی تفصیل انشاء اللہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

وضو میں ہاتھوں کا دھونا بھی فرض ہے' انگلیوں کے سروں سے لے کر کہنیوں تک ہاتھ ہیں اور کہنیاں بھی ہاتھوں میں داخل ہیں۔

سر کے مسح کی مقدار میں مذاہب ائمہ

وضو میں تیسرا فرض سر کا مسح کرنا ہے' مسح کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی نے کہا مسح کی اتنی مقدار ہے' جس سے کم سے کم مقدار پر مسح کا اطلاق آسکے۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ کم از کم تین بالوں یا ان سے زائد پر مسح کیا جائے' یہ مقدار فرض ہے۔ کیونکہ "وامسحوا برء وسکم" میں با کا معنی تبعیض ہے' اور آیت کا معنی ہے اپنے سر کے بعض حصہ پر مسح کرو۔ اور حدیث میں اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن سیرین نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی پر' یا سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: المسلسل ۲۷۴' رقم الحدیث: الکتاب ۸۲-۸۱) اور ابو معقل نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر رہے تھے اور آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا' آپ نے اپنا ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کیا اور سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور عمامہ کو نہیں کھولا۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۴۷' سنن کبریٰ' للبیہقی' ج ۱' ص ۶۱) البتہ امام شافعی کے

نزدیک پورے سر کا مسح کرنا مستحب ہے' کیونکہ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے پورے سر کا مسح کیا تھا۔

(الحاوی الکبیر' ج ١' ص ٨-١٣٧-١٣٨' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٤ھ)

امام شافعی کی اس دلیل پر دو وجہ سے نقض ہے۔ ایک تو یہ کہ باء کا متفق علیہ معنی الصاق ہے۔ تبعیض نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر تین بالوں پر مسح کرنا فرض ہوتا' تو نبی ﷺ بیان جواز کے لیے کبھی تو صرف تین بالوں پر مسح کرتے یا پھر اس مقدار کا صراحتاً بیان فرماتے۔

امام مالک کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں۔

چہرہ اس عضو کا نام ہے جس پر آنکھیں' ناک اور منہ ہے۔ اسی طرح سر اس عضو کا نام جس پر بال ہیں' سو جس طرح چہرہ دھونے کا معنی یہ ہے اس تمام عضو کو دھویا جائے جس پر آنکھیں' ناک اور منہ ہے۔ اسی طرح سر پر مسح کرنے کا معنی ہے کہ اس کے تمام بالوں پر مسح کیا جائے۔ امام مالک سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وضو کرے اور سر کے بعض حصہ پر مسح کرے اور بعض کو ترک کردے تو آیا یہ صحیح ہے؟ امام مالک نے جواب دیا' اگر کوئی شخص وضو کرے اور چہرے کے بعض حصہ کو دھوئے اور بعض کو ترک کردے تو آیا یہ جائز ہوگا؟ (احکام القرآن' ج ٢' ص ٦٠' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٠٨ھ)

علامہ ابن العربی نے امام مالک کے موقف پر حسب ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا۔ آپ اپنے ہاتھوں کو سر کے ابتدائی حصہ سے پیچھے اپنی گدی کی طرف لے گئے اور پھر گدی سے سر کے اگلے حصے تک لائے۔ جہاں سے آپ نے ابتداء کی تھی۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ١٨٥' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ٢٣٥' سنن ابوداؤد' ١١٨' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٣٢' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٣٤' مسند احمد' ج ٤' ص ٣٩-٣٨' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ١' ص ٥٩' کتاب المعرفہ ج ١' ص ٢١٣)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا جب آپ سر کے مسح پر پہنچے تو آپ نے سر کے اگلے حصہ پر دونوں ہتھیلیاں رکھیں' پھر آپ ان ہتھیلیوں سے مسح کرتے ہوئے ان کو گدی تک لائے' پھر ان سے مسح کرتے ہوئے ان کو واپس اسی جگہ لے گئے جہاں سے ابتداء کی تھی۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ١٢٣-١٢٢' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٥٩)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ٦٢٠ھ نے لکھا ہے کہ سر کے مسح کے متعلق امام احمد کے تین قول ہیں۔ (١) پورے سر کا مسح فرض ہے (٢) پیشانی کے برابر یعنی چوتھائی سر کا مسح فرض ہے (٣) سر کے اکثر حصہ کا مسح کرنا فرض ہے۔

(المغنی' ج ١' ص ٨٧-٨٦' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ١٤٠٥ھ)

پورے سر کا مسح کرنے یا اکثر حصہ کا مسح کرنے کا قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے سر پر پیشانی کی مقدار کے برابر بھی مسح کیا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد کے حوالوں سے گزر چکا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے اور بعض مشائخ احناف کے نزدیک تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا فرض ہے۔

علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

پیشانی کی مقدار چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے' کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے کوڑا ڈالنے کی جگہ پر آئے' پھر پیشاب کیا اور پیشانی کی مقدار (پر) مسح کیا اور موزوں پر مسح کیا' اور قرآن مجید میں مسح کی مقدار مجمل ہے اور یہ حدیث اس کا بیان ہے اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف دلیل ہے' جو تین بالوں کی مقدار کا قول کرتے ہیں اور امام مالک پر بھی حجت ہے جو پورے سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنے کو فرض کہا ہے' کیونکہ مسح کرنے کا آلہ ہاتھ ہے اور اس کی اکثر مقدار تین انگلیاں ہیں۔

(ھدایہ اولین' ص ١٧' مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

سر پر مسح کرنا فرض قطعی ہے اور اس کی مقدار فرض ظنی ہے' فرض قطعی میں اختلاف یا اس کا انکار جائز نہیں ہے اور فرض ظنی میں مجتہد دلائل سے اختلاف کر سکتا ہے' اسی طرح ربٰو الفضل کی حرمت بھی ظنی ہے اور اس کی حرمت کی علت میں بھی مجتہدین کا اختلاف ہے۔

پیروں کے دھونے پر دلائل

قرآن مجید' احادیث اور اجماع علماء سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور وضو میں پیروں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور شیعہ اس کے قائل ہیں کہ وضو میں پیروں پر مسح کیا جائے' ان کو دھویا نہ جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے وارجلکم اور لام پر نصب ہے اور اس کا عطف "وجوھکم وایدیکم" پر ہے' یعنی اپنے چہروں' ہاتھوں اور پیروں کو دھوؤ۔ صحابہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی قرائت ہے اور قراء میں سے ابن عامر' نافع' اور کسائی کی یہی قرائت ہے اور عاصم سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ (الحاوی الکبیر' ج ١' ص ٤٩) اور اس قرائت کا یہ تقاضا ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہو اور حسب ذیل احادیث میں بھی اس پر دلیل ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ ہم سے آ ملے' درآنحالیکہ ہم نے عصر کی نماز میں دیر کر دی تھی' سو ہم وضو کرنے لگے اور پیروں پر مسح کرنے لگے' تو آپ نے بآواز بلند دو یا تین بار فرمایا: ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہو۔

یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جن ایڑیوں کو دھویا نہ گیا ہو' ان کو آگ کا عذاب ہو۔

(صحیح البخاری' ج ١' رقم الحدیث: ١٦٥-١٦٣' صحیح مسلم' ج ١' رقم الحدیث: ٢٤٢-٢٤١-٢٤٠' سنن ترمذی' ج ١' رقم الحدیث: ٤١' سنن ابوداؤد' ج ١' رقم الحدیث: ٩٧' سنن نسائی' ج ١' رقم الحدیث: ١١١' سنن ابن ماجہ' ج ١' رقم الحدیث: ٤٥٠' مسند احمد' رقم الحدیث: ٢٤٥٧٠)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مغیرہ بن حنین بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص وضو کر رہا تھا اور وہ اپنے پیروں کو دھو رہا تھا' آپ نے فرمایا مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا اپنے پیروں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنے پیر میں ناخن جتنی جگہ کو دھونے سے چھوڑ دیا تھا' آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے وضو اور نماز کو دہرائے۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ١٧٢' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

پیروں کے دھونے پر علماء شیعہ کے اعتراضات کے جوابات

شیعہ کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کی دو قراتیں ہیں۔ نصب کی قرات (ارجلکم) سے دھونا ثابت ہوتا ہے اور جر کی قرات (ارجلکم) سے مسح ثابت ہوتا ہے' کیونکہ اس صورت میں اس کا عطف برؤسکم پر ہوگا۔ اس اعتراض کے کئی جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ جر کی تقدیر پر بھی ارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے' اور اس پر جوار کی وجہ سے جر ہے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ — بے شک میں تم پر دردناک عذاب کے دن کا خوف رکھتا ہوں۔ (ھود: ٢٦)

اس آیت میں الیم عذاب کی صفت ہے' اس اعتبار سے اس پر نصب (زبر) ہونی چاہیے تھی' لیکن چونکہ اس کے جوار میں یوم پر جر ہے' اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ اس کو جر جوار کہتے ہیں۔ اسی طرح ارجلکم کا عطف وجوھکم اور ایدیکم پر ہے۔ اس وجہ سے اس پر نصب ہونی چاہیے تھی' لیکن اس کے جوار میں برءوسکم چونکہ مجرور ہے' اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ لہٰذا یہ جر جوار ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم کا عطف برءوسکم پر ہے' اور اس سے پہلے وامسحوا مقدر ہے' لیکن وامسحوا برءوسکم میں مسح کا معنی حقیقی مراد ہے۔ یعنی گیلا ہاتھ پھیرنا اور وامسحوا بارجلکم میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے' یعنی دھونا۔ اہل عرب کہتے ہیں مسح المطر الارض بارش نے زمین کو دھو ڈالا۔ سو مسح مجازاً دھونے کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ معطوف علیہ میں حقیقت اور معطوف میں مجاز مراد ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر یہ آیت ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا (نساء: ٤٣)

اے ایمان والو نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ' حتیٰ کہ تم یہ سمجھنے لگو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مسجد کے قریب جاؤ' حتیٰ کہ تم غسل کر لو' الایہ کہ تم نے (مسجد میں صرف) رستہ عبور کرنا ہو۔

اس آیت میں ولا جنبا کا عطف لا تقربوا الصلوۃ پر ہے اور اس سے پہلے بھی لا تقربوا الصلوۃ مقدر ہے' لیکن معطوف علیہ میں الصلوۃ کا معنی حقیقتاً مراد ہے یعنی نماز' اور معطوف میں الصلوۃ کا معنی مجازاً مراد ہے' یعنی مسجد اور محل صلوۃ۔ اسی طرح آیت وضو میں وامسحوا برءوسکم میں مسح کا حقیقی معنی مراد ہے اور وامسحوا بارجلکم میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے' یعنی دھونا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم اور ارجلِکم دو متواتر قراتیں ہیں اور جس طرح قرآن مجید کی آیات میں باہم تعارض نہیں ہے' اسی طرح قرآن مجید کی قرات میں بھی باہم تعارض نہیں ہے اور ارجلَکم کا معنی ہے پیروں کا دھونا اور ارجلِکم کا معنی ہے پیروں پر مسح کرنا۔ اسی لیے ارجلَکم کی قرات اس حال پر محمول ہے جب وضو کرنے والے نے موزے نہ پہنے ہوں اور ارجلِکم کی قرات اس حال پر محمول ہے جب اس نے موزے پہنے ہوئے ہوں۔ یعنی جب موزے پہنے ہوں' تو پیروں پر مسح کر لو اور جب موزے نہ پہنے ہوں تو پیروں کو دھو لو۔ اس طرح ان دونوں قراتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

علماء شیعہ نے کہا کہ قاعدہ یہ ہے کہ وضو میں ان اعضاء کو دھویا جاتا ہے جن پر تیمم میں مسح کیا جاتا ہے اور جن اعضاء کو تیمم میں ترک کر دیا جاتا ہے' ان پر وضو میں مسح کیا جاتا ہے۔ اگر وضو میں پیروں کو دھونے کا حکم ہوتا تو تیمم میں پیروں پر مسح کیا جاتا' اور جبکہ تیمم میں پیروں کو ترک کر دیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا حکم مسح کرنا ہے نہ کہ دھونا۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ قرآن مجید میں مذکور ہے نہ حدیث میں' یہ محض ان کی ذہنی اختراع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وضو میں جن اعضاء کو دھونے کا حکم دیا ہے اور وہ چہرہ' ہاتھ اور پیر ہیں' تو ان کو دھویا جائے' اور جس عضو پر مسح کا کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ سر ہے تو اس پر مسح کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے تیمم یا وضو کے لیے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کا حکم نہیں دیا' بلکہ دونوں کے الگ الگ صراحتاً احکام بیان فرمائے اور ان دونوں کا تفصیلی حکم اسی آیت میں ہے۔ قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی چیز کا صراحتاً حکم بیان نہ کیا گیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس اور قاعدہ غسل سے ٹوٹ جاتا ہے' کیونکہ تیمم جس طرح وضو کی فرع ہے' اسی طرح غسل کی فرع ہے' اور جب تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جاتا ہے اور باقی بدن کو ترک کر دیا جاتا ہے' تو چاہیے کہ غسل میں صرف چہرے اور ہاتھوں کو دھو لیا جائے اور باقی بدن پر صرف مسح کر لیا جائے اور جب کہ بالاتفاق غسل میں ایسا نہیں کیا جاتا' تو معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ اور قیاس فاسد ہے۔

وضو کے مختلف فیہ فرائض

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضو سے پہلے وضو کی نیت کرنا بھی فرض ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

غسل اور وضو سے اس وقت تک طہارت حاصل نہیں ہوگی جب تک کہ نیت نہ کرے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱) نیز تیمم بغیر نیت کے جائز نہیں ہے' اور یہ دونوں طہارتیں ہیں تو دونوں کا حکم مختلف کیسے ہوگا۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک نیت طہارت کی شرط ہے۔

(مغنی' ابن قدامہ' ج ۱' ص ۷۸' الحاوی الکبیر' ج ۱' ص ۱۰۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اعمال کا دار و مدار صرف نیت پر ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام اعمال کی صحت کا مدار نیت پر ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ بیع' شراء' نکاح' طلاق' رد اور قبول کوئی چیز بھی نیت کے بغیر صحیح نہ ہو۔ اس لیے اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تمام اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔ لہٰذا اگر طہارت کے قصد کے بغیر کوئی شخص بارش میں نہا لیا تو اس کا غسل اور وضو صحیح ہوگا اور اس سے نماز صحیح ہوگی' اگرچہ طہارت کا ثواب اس کی نیت سے ملے گا۔

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وضوء' غسل اور تیمم سب میں پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے' کیونکہ امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو نہ کرے' اس کی نماز نہیں ہوگی اور جو شخص بسم اللہ نہ پڑھے' اس کا وضو نہیں ہوگا۔ (سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۹۷) علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا ہے اس کی اسناد جید حسن ہے) پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ وضو طہارت ہے اور باقی طہارتوں کی طرح اس میں بھی بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں ہے' اور اس حدیث میں وضو کی نفی نفی کمال پر محمول ہے' جیسے آپ نے فرمایا مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہوتی اور دوسری روایت اس حدیث کے ظاہر معنی پر محمول ہے۔ اگر اس نے عمداً بسم اللہ کو ترک کیا تو وضو نہیں ہوگا اور

اگر بھول گیا تو وضو ہو جائے گا۔ (المغنی' ج ١' ص ٧٤-٧٣' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤٠٥ھ)

امام شافعی کے نزدیک اعضاء وضو میں وہ ترتیب بھی فرض ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے' یعنی پہلے چہرہ دھوئے' پھر ہاتھ' پھر سر کا مسح کرے اور پھر پیروں کو دھوئے۔

ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی ٤٥٠ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل اس آیت میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فاغسلوا وجوھکم وایدیکم" (الآیہ) اور "فا" تعقیب اور تاخیر کا تقاضا کرتی ہے۔ امام احمد کا بھی یہی موقف ہے۔ (الحاوی الکبیر' ج ١' ص ١٦٨)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وضو میں ترتیب فرض نہیں ہے' کیونکہ ان کے درمیان حرف واؤ کے ساتھ عطف کیا گیا ہے اور واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے۔ نیز حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں خواہ کسی عضو کے ساتھ وضو کی ابتداء کروں۔ (سنن کبریٰ' للبیہقی' ج ١' ص ٨٧) نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر تم وضو میں ہاتھوں سے پہلے پیروں کو دھوؤ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ١' ص ٣٩) امام بیہقی نے بھی اس اثر کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ' ج ١' ص ٨٧) نیز جب بے وضو آدمی وضو کی نیت سے نہر یا دریا میں غسل کرے تو ترتیب ساقط ہو جائے گی اور بالاتفاق اس کا وضو ہو جائے گا۔

امام مالک کے نزدیک موالات فرض ہے' یعنی ایک عضو کے فوراً بعد دوسرے عضو کو دھونا بشرطیکہ اس کو یاد رہے۔ علامہ احمد بن رشد مالکی قرطبی اندلسی متوفی ٥٩٥ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک موالات فرض ہے' بشرطیکہ اس کو یاد ہو اور کوئی عذر نہ ہو اور امام شافعی' امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک موالات فرض نہیں ہے۔ امام مالک کا استدلال اس آیت میں لفظ "فا" سے ہے۔ کیونکہ "فا" ترتیب علی الفور کے لیے آتی ہے (بدایۃ المجتہد' ج ١' ص ١٢) اور جمہور کا استدلال لفظ "واؤ" سے ہے' کیونکہ "واؤ" مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے اور ان اعضاء کے درمیان "واؤ" کے ساتھ عطف کیا گیا ہے۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے' امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اس طرح وضو کیا جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں مگر پیروں کو نہیں دھویا' آپ نے استنجاء کیا اور جو ناگوار چیز لگی تھی' اس کو صاف کیا' پھر تمام جسم پر پانی ڈالا۔ اس کے بعد ایک طرف ہو کر اپنے پیروں کو دھویا' یہ آپ کا غسل جنابت تھا۔ (صحیح البخاری' ج ١' رقم الحدیث: ٢٤٩' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے پیروں کے دھونے کو باقی اعضاء سے مؤخر کر دیا' اس سے واضح ہو گیا کہ وضو میں موالات فرض نہیں ہے۔

وضو کی سنتیں

پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین بار ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھولے' کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے؟ صحیح مسلم کی روایت میں تین دفعہ ہاتھ دھونے کا ذکر ہے۔ اسی طرح سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ١٤٢، صحیح مسلم ٢٧٨، سنن ابوداؤد ١٠٣، سنن ترمذی ٢٤، سنن ابن ماجہ ٣٩٣، سنن دار قطنی ٧٢، مسند احمد ج ٢، ص ٧، ٥٠-١٧، ٣، ٢٥٥، ٢٨٣، ٢١٥، طبع قدیم)

وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ امام ابوداؤد بجستانی متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا وضو نہ ہو اس کی نماز نہیں ہے اور جو بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ١٠١، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ٣٩٩، سنن دار قطنی، رقم الحدیث: ٢٢٠، المستدرک، ج ١، ص ١٤٦)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوہریرہ! جب تم وضو کرو تو کہو: بسم اللہ والحمد للہ، پھر تمہارے کراماً کاتبین اس وقت تک تمہاری نیکیاں لکھتے رہیں گے جب تک تم اس وضو پر قائم رہو گے۔ (المعجم الصغیر، رقم الحدیث: ١٩٦) اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن محمد متفرد ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا اس کی روایات منکر ہیں۔ (میزان الاعتدال، ج ١، ص ١٨١) امام ابن عدی نے کہا اس کی روایات ضعیف ہیں (کتاب الضعفاء، ج ١، ص ٢٦٠) حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد، ج ١، ص ٢٢٠)

مسواک کرنی چاہیے، لکڑی کی معروف مسواک نہ ہو تو انگلی سے یا برش سے دانت صاف کرنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ رات کو اٹھتے تو مسواک کرتے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ٢٤٥، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ٢٥٥، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ٥٥، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ٢٨٦، سنن دارمی، رقم الحدیث: ٦٨٩)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ٨٨٧، مسلم، رقم الحدیث: ٢٥٢، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ٤٦، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ٢٢، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ٢٨٧، سنن دارمی، رقم الحدیث: ٦٨٧، مسند احمد، ج ٢، ص ٥٣١، طبع قدیم)

بعض روایات میں ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دینے کا ذکر ہے، امام بخاری نے "تعلیقاً" روایت کیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

(صحیح البخاری، باب السواک الرطب والیابس للصائم، سنن کبریٰ، للبیہقی، ج ١، ص ٣٥، مسند احمد، ج ٢، ص ٤٦٠-٥٧١)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ہمیں مسواک کرنے کی ترغیب دی ہے۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے وضو کے وقت تمہاری دو انگلیاں مسواک ہیں جن کو تم دانتوں پر پھیرتے ہو، بغیر نیت کے کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا، اور ثواب کی نیت کے بغیر کوئی اجر نہیں ہوتا۔ امام بیہقی نے کہا اس حدیث کی سند محفوظ ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ١، ص ٤١، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسواک کے ساتھ نماز کی فضیلت بغیر مسواک کے ساتھ نماز پر ستر درجہ زیادہ ہے۔

(علامہ احمد شاکر' متوفی ١٣٧٧ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ١٨' رقم الحدیث: ٢٦٢١٨' صحیح ابن خزیمہ' ج ١' ص ٧١' برقم ١٣٧' حاکم نے کہا یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ المستدرک' ج ١' ص ١٤٦)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جو نماز مسواک کے ساتھ پڑھی گئی ہو' اس کو نبی ﷺ اس نماز پر ستر درجہ فضیلت دیتے تھے جو مسواک کے ساتھ نہ پڑھی گئی ہو۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ٨' رقم الحدیث: ٤٧٣٨' مطبوعہ دار المامون' بیروت' مسند البزار' ج ١' ص ٢٤٤' برقم ٥٠١' سنن کبریٰ ج ١' ص ٣٨)

کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا اور پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔

عمرو بن ابی حسن نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ سے نبی ﷺ کے وضو کے متعلق سوال کیا؟ انہوں نے پانی کا ایک برتن منگوایا اور انہیں نبی ﷺ کی طرح وضو کر کے دکھایا۔ انہوں نے اس برتن سے پانی انڈیل کر تین مرتبہ ہاتھ دھوئے' پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا' پھر ہاتھ سے پانی لے کر تین مرتبہ چہرہ دھویا پھر اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دو مرتبہ دھویا' پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر سر کا مسح کیا۔ ایک مرتبہ ہاتھوں کو سر کے اگلے حصہ سے پچھلے حصہ تک اور ایک مرتبہ پچھلے حصہ سے اگلے حصہ تک پھیرا۔ پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ١٨٦' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ٢٣٥' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ١١٨-١١٩' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٣٢-٢٨' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٠٥' سنن داری' رقم الحدیث: ٦٩٨)

کانوں کا مسح کرنا سنت ہے۔ امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ٢٧٣ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کانوں کا مسح کیا' کانوں کے اندر اپنی انگلیاں (سبابہ) ڈالیں اور کانوں کی پشت پر اپنے انگوٹھے رکھے اور کانوں کے ظاہر اور باطن پر مسح کیا۔

(سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٣٩' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ١٤٠' سنن نسائی' رقم الحدیث: ١٠١)

داڑھی میں خلال کرنا سنت ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ داڑھی میں خلال کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٣١' المستدرک' ج ١' ص ١٥٠-١٤٩)

ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنا سنت ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٣٩' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٤٧)

ہر عضو کو تین تین بار دھونا سنت ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا یا رسول اللہ! وضو کس طرح ہوتا ہے؟ آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور اپنے ہاتھوں کو تین بار دھویا' پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا' پھر اپنی کلائیوں کو تین بار دھویا' پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنی دو (سبابہ) انگلیوں کو اپنے کانوں میں داخل کیا اور اپنے انگوٹھوں سے اپنے کانوں کی پشت پر مسح کیا اور انگلیوں سے کان کے باطن پر مسح کیا' پھر اپنے دونوں پیروں کو تین تین بار دھویا' پھر فرمایا: اس طرح وضو ہوتا ہے جس نے اس پر زیادتی کی' یا کمی کی' اس نے برا کام کیا اور ظلم کیا۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ١٣٥)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لیے ناکافی جان کر زیادتی کی' اس نے ظلم کیا۔ ورنہ اگر مزید صفائی کے قصد سے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے تین بار سے زیادہ دھویا تو وہ مباح ہے۔ اور یا جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لیے زائد جان کر کمی کی' اس نے ظلم کیا' ورنہ ایک یا دو بار دھونا بھی آپ سے ثابت ہے۔

وضو کے مستحبات

وضو میں نیت کرنا' علامہ ابوالحسن احمد قدوری متوفی ٤٢٨ھ کے نزدیک مستحب ہے اور علامہ المرغینانی المتوفی ٥٩٣ھ حنفی کے نزدیک سنت ہے۔ کیونکہ وضو کرنا عبادت ہے اور ہر عبادت میں ثواب کی شرط اخلاص ہے اور اخلاص کا معنی نیت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اُمِرُوۡٓا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ (البینہ: ٥)

اور ان کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں درآنحالیکہ وہ صرف اسی کے لیے اخلاص سے اطاعت کرنے والے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا مدار صرف نیات پر ہے' ہر شخص کے لیے وہی صلہ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔ سو جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف ہو' جس کو وہ پائے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اس کی طرف (محسوب ہوگی) جس کی طرف اس نے نیت کی ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٩٠٧' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٢٢٠١' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ١٦٤٧' سنن نسائی رقم الحدیث: ٧٥' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٢٢٧' مسند احمد' رقم الحدیث: ج١' ص ٢٣-٢٥' طبع قدیم)

وضو کو اس ترتیب سے کرنا جس ترتیب سے قرآن مجید میں اعضاء کو دھونے کا حکم ہے' یہ بھی مستحب ہے۔ اس کی دلیل قرآن مجید میں اس ترتیب کا مذکور ہونا ہے' اور بکثرت احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا اس ترتیب سے وضو کرنا لکھا ہے۔ علامہ قدوری کے نزدیک یہ مستحب ہے' اور علامہ المرغینانی کے نزدیک سنت ہے۔

دائیں عضو کو بائیں عضو سے پہلے دھونا مستحب ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر کام میں دائیں طرف سے ابتدا کرنا پسند تھا' حتیٰ کہ جوتی پہننے میں' کنگھی کرنے میں' وضو کرنے میں اور تمام کاموں میں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ١٦٨' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ٢٦٨' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٤١٤٠' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٦٠٨'

سنن نسائی، رقم الحدیث: ١١٤ مسند احمد، ج ١٠، رقم الحدیث: ٢٥٨٢١ مطبوعہ دار الفکر ١٤١٤ھ)

وضو کے آداب

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد سکندری حنفی متوفی ٨٦١ھ لکھتے ہیں وضو کے حسب ذیل آداب ہیں:

(١) اسراف کو ترک کرنا (٢) بہت کم پانی لینے کو ترک کرنا (٣) اس کپڑے سے اعضاء وضو کو نہ پونچھنا جس سے استنجا کی جگہ کو پونچھا ہو (٤) لوگوں سے باتیں نہ کرنا (۵) بلا ضرورت وضو میں لوگوں سے مدد نہ لینا۔ وبری نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت انس' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کو وضو کراتے تھے۔ (٦) وضو کے لیے خود پانی لانا (٧) استنجاء کے وقت اس انگوٹھی کو اتار لینا جس پر اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کا نام ہو۔ (٨) وقت سے پہلے وضو کی تیاری کرنا (٩) ہر عضو دھوتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا (١٠) قبلہ رو ہو کر وضو کرنا (١١) انگوٹھی کے نیچے سے پانی گزارنا (١٢) چہرے پر پانی سے چھپکے نہ مارنا۔ (١٣) جن اعضاء کو دھوئے ان پر ہاتھ پھیرے (١٤) اطمینان سے وضو کرنا (١۵) مل مل کر دھونا' خصوصاً سردیوں میں (١٦) چہرے' ہاتھوں اور پیروں کو مقررہ حدود سے زیادہ دھونا' تاکہ قیامت کے دن زیادہ سے زیادہ اعضا سفید ہوں (١٧) وضو کے بعد یہ پڑھنا سبحانک اللھم اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ اللھم اجعلنی من التوابین" (الخ) (١٨) قبلہ رو کھڑے ہو کر وضو کا پانی پینا۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر چاہے تو بیٹھ کر (اسی طرح آب زمزم قبلہ رو کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے" ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب" (الحج: ٣٢) "اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بجالایا تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے" علامہ شامی نے لکھا ہے یہ مستحب نہیں' مباح ہے۔ افضل ان پانیوں کو بیٹھ کر پینا ہے۔ لیکن شاید انہوں نے اس آیت پر غور نہیں کیا۔ سعیدی' غفرلہ) (١٩) وضو کے بعد دو رکعت نماز سنت الوضو پڑھنا (٢٠) اپنے کپڑوں کو وضو کے قطروں سے بچانا (٢١) بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔ (٢٢) وضو کے پانی میں نہ تھوکنا (٢٣) تین دفعہ سے زیادہ نہ دھونا (٢٤) دھوپ میں گرم شدہ پانی سے وضو نہ کرنا۔

(فتح القدیر' ج ١' ص ٧ ٣' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١۵ھ)

وضو توڑنے والے امور

سبیلین یعنی اگلے مخرج اور پچھلے مخرج سے جو چیز نکلے مثلاً بول اور براز اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں وضو ٹوٹنے کے اسباب میں بیان فرمایا ہے:

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ (المائدہ: ٦) یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آئے۔

جسم سے خون یا پیپ نکلے یا منہ بھر کر قے آئے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢۵٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ایسی عورت ہوں جس کو مسلسل حیض آتا رہتا ہے اور میں بالکل پاک نہیں ہوتی۔ کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں! نہیں! یہ صرف رگ (سے خون نکلتا ہے' رحم سے نہیں نکلتا) ہے۔ سو جب تمہیں حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو تم خون دھو لو اور نماز پڑھو۔ پھر ہر نماز کے لیے ایک بار وضو کر لو' حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۲۸' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۳۳۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۹۸-۲۹۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۲۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۶۲۴' الموطاء' رقم الحدیث: ۱۰۷' مسند احمد' ج۹' رقم الحدیث: ۲۵۶۷۹' طبع دارالفکر' ۱۴۱۴ھ ج۶' ص ۲۰۴-۲۰۴-۲۶۲' طبع قدیم)

اس حدیث میں رگ سے نکلنے والے خون کو وضو ٹوٹنے کی علت فرمایا۔ سو جہاں بھی یہ علت پائی جائیگی' وضو ٹوٹ جائیگا۔

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۲۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت تمیم داری رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بہنے والے خون سے وضو (لازم) ہے۔

اس حدیث کی سند منقطع ہے' کیونکہ عمر بن عبدالعزیز کا تمیم داری سے سماع نہیں ہے اور اس کی سند میں یزید بن خالد اور یزید بن محمد ضعیف ہیں۔ (سنن دار قطنی' ج ا' رقم الحدیث: ۵۷۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو دو مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خون کے ایک قطرہ یا دو قطروں سے وضو نہیں ہے' سوا اسکے کہ بہنے والا خون نکلے۔ (سنن دار قطنی' رقم الحدیث: ۵۷۳-۵۷۲)

امام دار قطنی نے ان دونوں سندوں کو بھی ضعیف کہا ہے' لیکن تعدد اسانید سے حدیث حسن لغیرہ ہو جاتی ہے اور وہ لائق استدلال ہوتی ہے۔ ابن جریج اپنے والد رضی اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے منہ بھر کر قے کی یا اس کی نکسیر پھوٹ گئی' وہ واپس لوٹے اور وضو کرے اور اپنی نماز پوری کرے۔

(سنن دار قطنی' رقم الحدیث: ۵۵۸' سنن ابن ماجہ' ۱۲۲۱' سنن کبریٰ' للبیہقی' ج ا' ص ۱۵۳' کامل ابن عدی' ج ا' ص ۲۹۳)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تین سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۵۹' ۵۶۰' ۵۶۱) نیز امام دار قطنی نے اس حدیث کو ابن جریج کے والد سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۶۳) دو سندوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۵۶-۵۶۵) نیز اور کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۷۰' ۵۶۹' ۵۶۸' ۵۶۷)

ہر چند کہ اس حدیث کی اسانید ضعیف ہیں' لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے' اور لائق استدلال ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قے کرنے سے اور غیر مخرجین سے خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (الحاوی الکبیر' ج ا' ص ۲۴۴)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو صرف پاد نکلنے سے یا ہوا خارج ہونے سے لازم آتا ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۷۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۵۱۵' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۹۳۲۳' دارالفکر' سنن کبریٰ' للبیہقی' ج ا' ص ۱۱۷)

اس حدیث سے استدلال درست نہیں ہے' ورنہ لازم آئے گا کہ بول و براز نکلنے سے نیند سے اور جماع سے بھی وضو نہ ٹوٹے۔ جب کہ شوافع کے نزدیک عورت کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس حدیث میں ان میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں ہے۔ اس لیے اس حدیث میں غیر مخرجین سے خون نکلنے اور منہ بھر کے قے کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت ابو ہریرہ نے یہ حدیث اس شخص کو سنائی ہے' جس کو ہوا خارج ہونے کا شک ہوتا رہتا تھا' اس لیے انہوں نے کہا جب تک آواز نہ نکلے' یا بدبو نہ آئے' وضو نہیں ٹوٹے گا۔

امام شافعی نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں گئے' ایک شخص نے کسی مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا' اس مشرک نے قسم کھائی میں اس وقت تک ان کا پیچھا کرتا رہوں گا جب تک کہ اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سے کسی کا خون نہ بہادوں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرتا رہا' حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ قیام فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ہمارا پہرہ کون دے گا؟ ایک مہاجر اور ایک انصار نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم دونوں گھاٹی کے منہ پر کھڑے رہنا' جب وہ دونوں گھاٹی کے منہ پر پہنچے تو مہاجر لیٹ گیا اور انصاری کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہا۔ اس مشرک نے اس انصاری کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ یہ مسلمانوں کی حفاظت کر رہا ہے' اس نے اپنا تیر نکال کر کمان میں رکھا اور لگاتار تین تیر مارے۔ وہ انصاری' اسی طرح نماز میں رکوع اور سجود کرتا رہا۔ حتیٰ کہ مہاجر بیدار ہو گیا۔ جب اس مشرک کو اندازہ ہوا کہ یہ لوگ چوکنے ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا' جب مہاجر نے انصاری کے جسم سے خون بہتا ہوا دیکھا تو کہا: سبحان اللہ! جب تمہیں پہلا تیر لگا تو تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟ انصاری نے کہا' میں قرآن مجید کی جس سورت کو پڑھ رہا تھا میں نے اس کو منقطع کرنا پسند نہیں کیا۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۹۸' مسند احمد' ج ۳' ص ۳۴۴-۳۴۳' طبع قدیم' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۱۴۰' صحیح ابن خزیمہ' رقم الحدیث: ۳۶' سنن دار قطنی' رقم الحدیث: ۸۵۸' المستدرک' ج ۱' ص ۱۵۶)

امام شافعی رحمہ اللہ کا اس حدیث سے استدلال اس وقت صحیح ہوتا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا جاتا اور آپ اس نماز کو دہرانے کا حکم نہ دیتے۔ ثانیاً: حافظ منذری نے لکھا ہے کہ جب کہ تیر لگ کر بہنے والا خون اس انصاری کے بدن' اس کی کھال اور اس کے کپڑوں پر بھی یقیناً لگا ہو گا اور امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں نماز صحیح نہیں ہوتی خواہ خون تھوڑا ہی ہو' اور اگر یہ کہا جائے کہ خون کی دھار اس طرح بہی تھی کہ اس کے کپڑوں اور بدن پر خون نہیں لگا تو یہ بہت تعجب خیز بات اور بہت بعید احتمال ہے۔ (مختصر سنن ابوداؤد' ج ۱' ص ۱۴۳)

علامہ ماوردی شافعی نے بعض آثار صحابہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ لیکن وہ سب ضعیف ہیں۔

اگر کسی شخص کو لیٹے ہوئے نیند آ جائے یا کسی چیز سے اس طرح ٹیک لگائے ہوئے نیند آ جائے کہ اگر اس چیز کو ہٹایا جائے تو وہ گر جائے' تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں سوئے ہوئے تھے' حتیٰ کہ آپ نے خراٹے لیے' پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پوری کی۔ میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! آپ تو سو چکے تھے۔ آپ نے فرمایا وضو اس شخص پر واجب ہوتا ہے' جو لیٹ کر سوئے۔ کیونکہ جب انسان لیٹ جاتا ہے تو اس کے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۷۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۰۲' سنن کبریٰ' ج ۱' ص ۱۲۱' مسند احمد' ج ۱' ص ۲۵۶' طبع قدیم)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ امام ترمذی نے سند صحیح سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سوتے تھے' پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا نیند سے ہل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے مجھے گود میں بھر لیا' میں نے دیکھا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! کیا مجھ پر وضو واجب ہو گیا؟ آپ نے

فرمایا نہیں، جب تک تم اپنا پہلو زمین پر نہ رکھو۔ (سنن کبریٰ، ج ۱، ص ۱۲۰، کامل ابن عدی، ج ۲، ص ۵۵)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن چونکہ یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے اس لیے یہ حسن لغیرہ ہے اور استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے۔

امام دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ آنکھ سرین کی رسی ہے جب آنکھ سو جاتی ہے تو یہ رسی ڈھیلی ہو جاتی ہے۔ امام طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے سو جو شخص سو جائے وہ وضو کرے۔

(سنن دار قطنی، رقم الحدیث: ۵۸۷، المعجم الکبیر، ج ۱۹، رقم الحدیث: ۸۷۵، مسند احمد، ج ۴، ص ۹۷-۹۶، مسند ابو یعلیٰ، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۷۳۷۲، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۲۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۷۷، سنن کبریٰ، ج ۱، ص ۱۱۸، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۰۳، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۴۷، الجامع الصغیر، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۷۴۹، الجامع الکبیر، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۴۵۶۳)

اس حدیث کی سند میں ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم ضعیف راوی ہے اور بقیہ بن الولید مدلس ہے۔ امام ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ حافظ الہیثمی اور حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، تاہم یہ حدیث دیگر احادیث صحیحہ اور حسنہ کی موید ہے۔

نماز میں قہقہہ لگانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے، کیونکہ بدن سے کوئی نجاست نہیں نکلی، لیکن حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قیاس پر حدیث کو مقدم رکھتے ہیں۔ ہرچند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

ملیح بن اسامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ایک نابینا شخص آیا اور ایک گڑھے میں گر گیا، ہم اس سے ہنس پڑے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو پورا وضو دوبارہ کرنے کا حکم دیا اور نماز کو شروع سے دہرانے کا حکم دیا۔

(سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۹۱)

اس حدیث کی سند میں حسن بن دینار متروک ہے۔ (میزان الاعتدال، ج ۲، ص ۲۳۴)

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جب مرد عورت کے یا عورت مرد کے بدن کو بلا حجاب چھوئے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ زیر تفسیر آیت میں "اولمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا" (المائدہ: ٦) وہ اس آیت میں لمس کا معنی چھونا کرتے ہیں، یعنی یا تم نے عورتوں کو مس کیا ہو، پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تیمم کرو۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس آیت میں لمس جماع سے کنایہ ہے، یعنی جماع اور مباشرت سے وضو ٹوٹتا ہے، صرف چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن مجید میں لمس، مس کے الفاظ جماع سے کنایہ ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ٦٦، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵٦ھ روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سو رہی تھی اور میرے دونوں پیر آپ کے سامنے تھے۔ جب آپ سجدہ میں جاتے تو آپ میرے پیروں کو ہاتھ لگاتے، میں اپنے پیر کھینچ لیتی، جب

آپ کھڑے ہوتے تو میں اپنے پیر پھیلا دیتی۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں تھے۔

(صحیح البخاری ' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۸۲ ' صحیح مسلم ' رقم الحدیث المسلسل ' ۵۱۲ ' رقم الحدیث الکتاب ۲۷۲ ' سنن ابوداؤد ' رقم الحدیث: ۷۱۲ ' سنن نسائی ' رقم الحدیث: ۱۶۷ ' الموطا ' رقم الحدیث: ۲۵۸ ' مسند احمد ' ج ٦ ' ص ۲۵۵ ' ۲۲۵ ' ۱۴۸ ' ۵۵ ' ۴۴ ' طبع قدیم)

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ عورت کے بدن کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا' کیونکہ نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیروں کو ہاتھ لگاتے اور نماز میں بدستور مشغول رہتے۔

امام ابو عبدالرحمن بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنی کسی زوجہ کو بوسہ دیتے' پھر نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ امام نسائی نے کہا ہے کہ اس باب میں یہ سب سے حسن حدیث ہے۔ اگرچہ یہ حدیث مرسل ہے۔

(امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہوتی ہے)

(سنن نسائی ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۰ ' سنن ابوداؤد ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۰-۱۷۹-۱۷۸ ' سنن ترمذی ' رقم الحدیث: ۸٦ ' سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث: ۵۰۲ ' مسند احمد ' ج ۱۰ ' رقم الحدیث: ۲۵۸۲۴ ' مطبوعہ دار الفکر)

علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام ' فقہاء تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے ' اور صحیح یہ ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مس ذکر (شرم گاہ کو چھونا) سے وضو نہیں ٹوٹتا' امام شافعی کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے ' اور امام احمد کے اس میں دو قول ہیں (المغنی ' لابن قدامہ ' ج ۱' ص ۱۱۶) امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

طلق بن علی اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا "وہ تمہارے جسم کا ایک عضو ہی تو ہے"۔

(سنن ترمذی ' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۵ ' سنن ابوداؤد ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۲ ' سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث: ۴۸۳ ' مسند احمد ' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۶۳۹۵ ' مصنف ابن ابی شیبہ ' ج ۱' ص ۱۶۵ ' مصنف عبدالرزاق ' رقم الحدیث: ۴۲۶)

اس حدیث کی سند قوی ہے۔ امام شافعی کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

بسرہ بنت صفوان بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے ذکر (شرم گاہ) کو چھوا ' وہ وضو کیے بغیر نماز نہ پڑھے۔ (سنن ترمذی ' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۲ ' سنن ابوداؤد ' رقم الحدیث: ۱۸۱ ' سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث: ۴۷۹ ' اس حدیث کی سند صحیح ہے)

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے اس کے خلاف بکثرت آثار روایت کیے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں ذکر کو چھوؤں یا کان کو چھوؤں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں ذکر کو چھوؤں یا ناک کو چھوؤں۔

حضرت عمار بن یاسر نے فرمایا یہ میری یا تمہاری ناک کی طرح عضو ہے اور تمہارے چھونے کے لیے اور اعضا بھی ہیں۔

حضرت حذیفہ نے فرمایا مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اس کو چھوؤں یا ناک کو چھوؤں۔

(شرح معانی الآثار ' ج ۱' ص ۷۴ ' مطبوعہ مجتبائی ' پاکستان)

اس مسئلہ میں دونوں جانب احادیث اور آثار ہیں اور قیاس صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ مس ذکر سے وضو واجب نہیں ہوتا۔

کیونکہ اولاً: تو یہ دیگر اعضاء کی طرح ایک عضو ہے‘ جس طرح دیگر اعضاء کو چھونے سے وضو واجب نہیں ہوتا‘ اس کو چھونے سے بھی وضو واجب نہیں ہوتا۔ ثانیاً: اس لیے کہ خون‘ پیپ اور بول‘ براز کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا‘ جو نجس العین ہیں تو جو عضو فی نفسہ طاہر ہے‘ اس کو چھونے سے وضو کیسے ٹوٹے گا؟

تیمم کی شرط‘ طریقہ اور دیگر احکام

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ٥٩٣ھ لکھتے ہیں:

جو شخص سفر کے دوران پانی نہ پائے‘ یا وہ شخص شہر سے باہر ہو اور شہر اس سے ایک میل (انگریزی ڈیڑھ میل) یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہو تو وہ پاک مٹی سے تیمم کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا" (المائدہ: ٦) پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے۔ خواہ اس کو دس سال تک پانی نہ ملے‘ سو جب اس کو پانی مل جائے تو وہ اس سے اپنی کھال تر کرے‘ یعنی وضو کرے‘ یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ محمود کی روایت میں ہے کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔

(سنن ترمذی‘ رقم الحدیث: ١٢٤‘ سنن ابوداؤد‘ رقم الحدیث: ٣٣٢‘ سنن نسائی‘ رقم الحدیث: ٣٢١‘ سنن دار قطنی‘ ج١‘ رقم الحدیث: ١١٧‘ مسند احمد‘ ج٨‘ رقم الحدیث: ٢١٦٢٤‘ المستدرک‘ ج١‘ ص ١٧٧‘ سنن کبریٰ‘ ج١‘ ص ٢٢٠-٢١٢)

ایک (شرعی) میل کا اعتبار اس لیے کیا ہے کہ ایک میل کی مسافت سے وضو کے لیے شہر میں جانے سے ضرر ہوگا‘ اعتبار مسافت کا ہے‘ تنگی وقت یا نماز فوت ہونے کے خوف کا اعتبار نہیں ہے‘ کیونکہ یہ تقصیر اس کی طرف سے ہے اور اگر اس کو پانی دستیاب ہو لیکن وہ بیمار ہو اور اس کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے پانی استعمال کیا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا‘ تو وہ تیمم کرے۔ اگر جنبی کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے غسل کیا تو وہ سردی سے مرجائے گا یا بیمار ہو جائے گا‘ تو وہ تیمم کرے‘ خواہ وہ شہر میں ہو۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سردی کی رات میں جنبی ہوگئے۔ انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما (النساء: ٢٩) تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو‘ بے شک اللہ تم پر مہربان ہے" پھر انہوں نے اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا‘ تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح بخاری‘ کتاب التیمم‘ باب: ٧)

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پاک مٹی پر دو بار ہاتھ مارے۔ ایک بار ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملے اور دوسری بار کہنیوں سمیت ہاتھوں پر ملے‘ ہاتھوں سے مٹی کو جھاڑے‘ تاکہ چہرہ خراب نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک زمین کی جنس سے ہر چیز کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے۔ مثلاً مٹی‘ ریت‘ پتھر‘ چونا اور ہڑتال (ایک قسم کی زرد اور زہریلی دھات) وغیرہ سے۔ تیمم ہر اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے‘ جس سے وضو ٹوٹتا ہے۔ نیز جب انسان کو پانی مل جائے اور وہ اس کے استعمال پر قادر ہو تو اس سے بھی تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔ تیمم سے فرائض اور نوافل سب کچھ پڑھ سکتا ہے‘ اگر نماز جنازہ یا عید کی نماز کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو شہر میں بلاعذر بھی تیمم کرنا جائز ہے۔

(ہدایہ اولین‘ ص ٥٦-٤٩‘ ملخصاً‘ مطبوعہ شرکت علمیہ‘ ملتان)

تیمم سے متعلق دیگر مباحث ہم نے (النساء: ٤٣) میں بیان کر دیئے ہیں۔ وہاں مطالعہ فرمائیں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ

اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو‘ اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پختگی کے ساتھ

بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

تم سے لیا ہے، جب تم نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ دلوں کی باتوں

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ

کو جاننے والا ہے ○ اے ایمان والو! اللہ کے لیے (حق پر) مضبوطی سے قائم

لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى

رہنے والے ہو جاؤ دراں حالیکہ تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو، کسی قوم کی عداوت

اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے، تم عدل کرتے رہو وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝٨ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

بیشک اللہ تمہارے کاموں کی بہت خبر رکھنے والا ہے ○ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان سے

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٩ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝١٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ لوگ دوزخی ہیں ○ اے ایمان والو:

اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ

تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا

اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ

ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور ایمان والوں کو

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١١ ع

اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا ہے۔ جب تم نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔
(المائدہ: ٧)

اللہ کی نعمت اور اس کے عہد و میثاق کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی اور اس عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا تھا۔ جب تم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ تمہیں خوشی ہو یا رنج، سہولت ہو یا تنگی، ہر حال میں تم اللہ کے احکام سن کر قبول کرو گے اور اس کی اطاعت کرو گے اور تم نے یہ کہا تھا کہ آپ ہمیں جس چیز کا حکم دیں گے ہم اس کو بجا لائیں گے اور جس کام سے منع کریں گے، اس سے باز رہیں گے اور تم پر یہ بھی اللہ کا انعام تھا کہ تم نے یہ عہد کیا، سو اے مسلمانو تم اپنے اس عہد کو پورا کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں دائمی نعمتیں عطا فرمائے۔

تم اس عہد کو توڑنے یا پورا نہ کرنے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، ایسا نہ کرنا کہ زبان سے اطاعت کا اقرار کرو اور دل میں اس کے خلاف ہو، اور اپنے ظاہر اور باطن میں اس عہد کی خلاف ورزی کرنے سے اللہ سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی معین نعمت کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ جنس نعمت کا ذکر فرمایا ہے، اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ تم اللہ کی ان نعمتوں پر غور کرو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہیں۔ اللہ نے بندوں کو جو نعمتیں دی ہیں، ان کا شمار کون کر سکتا ہے۔ اس نے حیات عطا فرمائی، صحت دی، عقل اور ہدایت دی۔ آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھا اور دنیا میں بہت اچھائیاں عطا فرمائیں، بندوں کو چاہیے کہ اللہ کی ان نعمتوں پر غور کریں، اس کا شکر بجا لائیں اور اس کی اطاعت کریں۔ اس آیت میں فرمایا ہے تم ان نعمتوں کو یاد کرو اور یاد کرنا بھولنے کی فرع ہے، یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ دنیا کی رنگینیوں میں اور نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے، اور جب کوئی نعمت چلی جاتی ہے، تو پھر اس نعمت کو یاد کرتا ہے، حالانکہ اسے چاہیے کہ وہ نعمت کی حالت میں اپنے منعم کو یاد رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف متوجہ کرنے کا ایک سبب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اور اس کی طرف متنبہ کرنے کا دوسرا سبب اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد و میثاق ہے۔ اس میثاق کی ایک تفسیر وہ ہے جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کے وقت آپ کی اطاعت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل سے عہد اور میثاق لیا کہ وہ تورات پر ایمان لائیں اور تورات میں سیدنا محمد ﷺ کی بشارت ہے، تو انہوں نے تورات کے ضمن میں آپ کی نبوت پر ایمان لانے کا بھی اقرار کیا تھا، سو اس سے یہ میثاق مراد ہے، اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو حضرت آدم کی پشت سے نکالا تو ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا، اور چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور شریعت پر جو عقلی دلائل اور شرعی براہین قائم کی ہیں، عہد اور میثاق سے وہ دلائل اور براہین مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو اللہ کے لیے (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنے والے ہو جاؤ، درآنحالیکہ تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو۔ (المائدہ: ٨)

صحیح اور سچی شہادت کی اہمیت

یہ آیت بھی سابقہ آیت سے متصل ہے اور اس سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر برانگیختہ کرنا ہے۔ اس آیت میں دو حکم ہیں (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنا اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا' اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کا خلاصہ بھی دو چیزیں ہیں۔ اللہ کی تعظیم اور بندوں پر شفقت کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا' اس کا تعلق اللہ کی تعظیم کے ساتھ ہے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا اس کا تعلق بندوں پر شفقت کے ساتھ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے قرابت داروں اور دوستوں کی محبت کی وجہ سے شہادت دینے میں کوتاہی یا کمی نہ کرو' اور اپنے مخالفوں اور دشمنوں سے بغض کی وجہ سے شہادت میں کوئی ردوبدل نہ کرو' صرف انصاف کی رو سے شہادت دو' خواہ اس سے تمہارے دوستوں کو نقصان پہنچے یا تمہارے دشمنوں کو فائدہ پہنچے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر عام ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ کسی قوم کے ساتھ بغض تمہیں اس کے ساتھ بے انصافی کرنے پر نہ ابھارے' بایں طور کہ تم حد سے تجاوز کرو' بلکہ تم ان کے ساتھ انصاف کرو' خواہ انہوں نے تمہارے ساتھ برائی کی ہو اور ان کے ساتھ نیکی اور اچھائی کے ساتھ پیش آؤ' خواہ انہوں نے تمہارے ساتھ بدی اور برائی کی ہو' اور مخلوق میں سے ہر ایک کے ساتھ عدل اور انصاف کرو' اور کسی کے ساتھ ظلم اور زیادتی نہ کرو' اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت کفار مکہ کے ساتھ مخصوص ہے' کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو چھ ہجری میں مسجد حرام میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا' اور حدیبیہ سے آگے نہیں جانے دیا تھا۔ سو اس وجہ سے تم ان پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسلمانوں کو کفار پر ظلم اور زیادتی کرنے سے منع کیا گیا ہے' حالانکہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ مشرکوں کو جہاں پائیں' قتل کردیں اور میدان جنگ میں آنے والے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کرلیں اور ان کے اموال لوٹ لیں تو پھر اور ظلم اور زیادتی کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم یہ ہے کہ جب وہ اسلام لائیں تو ان کا اسلام قبول نہ کیا جائے' ان کے بچوں کو قتل کیا جائے' بڑوں کا مثلہ کیا جائے' اور ان سے کیے ہوئے معاہدوں کو توڑ دیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا: تم عدل کرتے رہو' وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے۔

عدل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اس کی بھی دو تفسیریں ہیں۔ تقویٰ کے معنی ہیں خوف خدا کی وجہ سے گناہوں سے اجتناب کرنا' اور جو شخص عدل کرتا ہے' وہ گناہوں سے اجتناب کے زیادہ قریب ہوتا ہے' اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو شخص عدل کرتا ہے' وہ عذاب اخروی سے بچنے کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

اس آیت میں اس پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے' حالانکہ وہ اللہ کے دشمن ہیں اور جب اللہ کے دشمنوں کے ساتھ عدل کرنا واجب ہے تو اللہ کے دوستوں کے ساتھ عدل کرنا کس قدر زیادہ مطلوب ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تمہارے کاموں کی بہت خبر رکھنے والا ہے (المائدہ: ٨)

یعنی اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور وہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے' سو اگر تم نے کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دی یا کسی کے حق میں جھوٹی گواہی دی اور بے انصافی کی' تو وہ اللہ سے مخفی نہیں ہے۔ پھر صحیح اور سچی گواہی پر اجر و ثواب کی بشارت دی اور جھوٹی گواہی پر عذاب کی وعید سنائی اور فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے' ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ (المائدہ: ٩) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا' وہ لوگ دوزخی ہیں۔

(المائدہ: ١٠)

نا اہل کو سند یا لائسنس دینے کا عدم جواز اور بحث و نظر

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ١٣٩٦ھ لکھتے ہیں:

آخر میں ایک اور اہم بات بھی یہاں جاننا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ لفظ شہادت اور گواہی کا جو مفہوم آج کل عرف میں مشہور ہوگیا ہے وہ تو صرف مقدمات و خصومات میں کسی حاکم کے سامنے گواہی دینے کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ شہادت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً کسی بیمار کو ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دینا کہ یہ ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل نہیں یا نوکری کرنے کے قابل نہیں' یہ بھی ایک شہادت ہے۔ اگر اس میں واقعہ کے خلاف لکھا گیا تو وہ جھوٹی شہادت ہو کر گناہ کبیرہ ہوگیا۔

اسی طرح امتحانات میں طلباء کے پرچوں پر نمبر لگانا بھی ایک شہادت ہے۔ اگر جان بوجھ کر یا بے پروائی سے نمبروں میں کمی بیشی کردی تو وہ بھی جھوٹی شہادت ہے اور حرام اور سخت گناہ ہے۔

(معارف القرآن' ج ٢' ص ٧٠-٧١' مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی)

ہمارے نزدیک اگر کوئی ڈاکٹر کسی صحت مند شخص کو کسی تعلق کی بنا پر یا رشوت لے کر بیماری کا سرٹیفکیٹ دے دیتا ہے تو اس کے سر پر ایک گناہ تو رشوت لینے کا ہے اور اپنے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا گناہ ہے۔ اور دوسرا گناہ اس کا جھوٹ ہے اور جھوٹ گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے:

اَنَّ لَعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ (النور: ٨) اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو بے شک اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

اور جھوٹ پر عذاب کی وعید سنائی ہے:

وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ (البقرہ: ١٠) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

اگر کوئی ممتحن کسی طالب علم کے پرچہ میں رشوت لے کر یا سفارش یا تعلق کی بنا پر زیادہ نمبر لگاتا ہے یا دشمنی اور عداوت کی بنا پر اس کے نمبر کم لگاتا ہے تو یہ ظلم ہے' کیونکہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ٨١٦ھ لکھتے ہیں:

ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا۔ اور اس کا شرعی معنی ہے حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنا اور اس کو جور کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ غیر کی ملک میں تصرف کرنا ظلم ہے اور حد سے تجاوز کرنا ظلم ہے۔

(کتاب التعریفات' ص ٦٢' مطبوعہ ایران' النہایہ' ج ٣' ص ٦١' المفردات' ص ٣١٥-٣١٦)

اور ظلم بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں پر لعنت فرمائی ہے:

اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ (ھود: ١٨) سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

اس لیے کسی ڈاکٹر کا صحت مند کو بیماری کا سرٹیفکیٹ دینا یا کسی افسر کا اناڑی کو ڈرائیونگ لائسنس دینا یا کسی ٹیکسی ڈرائیور کے غلط میٹر کی صحیح میٹر کا سند دینا یا رشوت لے کر کسی غیر ملکی کو قومی شناختی کارڈ بنا دینا یا کسی یونیورسٹی یا ادارہ کی جعلی سند جاری کر دینا اور اس نوع کی تمام جھوٹی اور جعلی دستاویزات' جھوٹ اور ظلم پر مبنی ہیں' اور گناہ کبیرہ ہیں۔ تاہم ان کو جھوٹی شہادت کے ذیل میں لانا صحیح نہیں ہے' خصوصاً ممتحن کے نمبر لگانے کا معاملہ کسی طور پر شہادت نہیں ہے۔ اس کے لگائے ہوئے نمبر شہادت

نہیں' بلکہ ایک قسم کا فیصلہ ہیں' اگر وہ غلط نمبر لگائے گا تو یہ اس کی عدالت کے خلاف ہو گا اور قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ: ۸) — کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔ تم عدل کرتے رہو' وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے۔

طالب علم کا پرچہ چیک کر کے جو نمبر لگاتا ہے وہ اس کی قضا اور فیصلہ ہے۔ اسی طرح جو افسر گاڑی کی فٹ نس کا سرٹیفکیٹ دیتا ہے' یا میٹر کو صحیح قرار دیتا ہے' یہ اس کی قضا اور فیصلہ ہے اور ڈاکٹر جو سرٹیفکیٹ دیتا ہے یہ اس کی ماہرانہ رائے ہے۔ یہ تمام امور مشابہ بالقضاء ہیں' شہادت نہیں۔ پس شہادت دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کہے میں شہادت دیتا ہوں جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے۔ اس لیے اگر یہ لوگ غلط فیصلہ کریں گے اور خلاف واقع تحریر کریں گے' تو عدل کے خلاف ہو گا' اور ظلم اور جھوٹ ہو گا' اور یہ کام موجب لعنت ہیں اور گناہ کبیرہ ہیں' لیکن یہ شہادت کی تعریف میں نہیں آتے۔ اب ہم آپ کے سامنے شہادت کی تعریف اور ارکان بیان کر رہے ہیں۔

شہادت کی تعریف

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں قاضی کے سامنے ایک شخص کے دوسرے شخص پر حق کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دینا (مثلاً کہے میں شہادت دیتا ہوں کہ فلاں آدمی کا فلاں شخص پر فلاں حق ہے) شریعت میں شہادت ہے۔ (کتاب التعریفات' ص ۵۷' مطبوعہ ایران)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

شہادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم علم اور یقین کے قائم مقام ہے' اس میں یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں بلکہ یہ کہنا ضروری ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ دوسری قسم وہ ہے جو قسم کے قائم مقام ہے' اس میں مثلاً یہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ زید چلنے والا ہے۔ (المفردات' ص ۲۶۸)

علامہ محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

جب گواہ مسموعات کی جنس سے کوئی بات سنے مثلاً بیع' اقرار یا حاکم کے حکم کو سنے' یا مبصرات میں سے کسی چیز کو دیکھے مثلاً کسی کو قتل کرتے ہوئے دیکھے' یا کسی کو غصب کرتے ہوئے دیکھے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ گواہی دے کہ میں گواہی دیتا ہوں فلاں شخص نے بیع کی' یا حاکم نے فیصلہ کیا خواہ اس کو گواہ نہ بنایا گیا ہو۔

(عنایہ مع فتح القدیر' ج ۷' ص ۳۵۷' طبع بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ نے لکھا ہے کہ شہادت میں لفظ شہادت (مثلاً میں شہادت دیتا ہوں) کہنا ضروری ہے' کیونکہ قرآن مجید میں اسی لفظ کے ساتھ شہادت دینے کا حکم فرمایا ہے۔

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: ۲) — اور تم میں سے دو نیک شخص شہادت دیں۔

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرہ: ۲۸۲) — جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو شاھد (گواہ) بنالو۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (البقرہ: ۲۸۲) — اور تم اپنے مردوں میں سے دو شاہد طلب کرو۔

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ (الطلاق: ۲) — اور اللہ کے لیے گواہی قائم کرو۔

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے شہادت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم سورج کو دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اس کی مثل ہو تو شہادت دو' ورنہ چھوڑ دو

(المستدرک' ج ۴' ص ۹۸' سنن کبری' ج ۱۰' ص ۱۵۶)

ان تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی سنی ہوئی بات یا کسی وقوع پذیر ہونے والے حادثہ کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔ اور ڈاکٹر جو کسی مریض کے متعلق اپنی رائے لکھتا ہے' یا ممتحن کسی پرچہ پر نمبر لگاتا ہے' اس میں کسی واقعہ یا حادثہ کی خبر نہیں دی جاتی' بلکہ اپنی طرف سے ایک رائے دی جاتی ہے یا ایک حکم لگایا جاتا ہے۔ اس لیے ان امور کو شہادت کے ذیل میں لانا صحیح نہیں ہے۔ البتہ! اگر بدنیتی کی وجہ سے صحیح رائے نہ لکھی جائے یا صحیح حکم نہ لگایا جائے تو یہ عدل کے خلاف ہے اور ظلم ہے' اور اگر اس نے دانستہ اپنی فی الواقع رائے کے خلاف لکھا تو یہ جھوٹ ہے اور بہر حال گناہ کبیرہ ہے۔

نا اہل شخص کو ووٹ دینے کا عدم جواز اور بحث و نظر

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

کامیاب ہونے والے فارغ التحصیل طلباء کو سند یا سرٹیفکیٹ دینا اس کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر وہ شخص واقع میں ایسا نہیں ہے تو اس سرٹیفکیٹ یا سند پر دستخط کرنے والے سب کے سب شہادت کاذبہ کے مجرم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے۔ جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے بھی اور دیانت و امانت کے اعتبار سے بھی قومی نمائندہ بننے کے قابل ہے۔

اب غور کیجئے کہ ہمارے نمائندوں میں کتنے ایسے ہوتے ہیں جن کے حق میں یہ گواہی سچی اور صحیح ثابت ہو سکے' مگر ہمارے عوام ہیں کہ انہوں نے اس کو محض ہار جیت کا کھیل سمجھ رکھا ہے۔ اس لیے ووٹ کا حق کبھی پیسوں کے عوض میں فروخت ہوتا ہے' کبھی کسی دباؤ کے تحت استعمال کیا جاتا ہے' کبھی ناپائیدار دوستوں اور ذلیل وعدوں کے بھروسہ پر اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔

اور تو اور' لکھے پڑھے دیندار مسلمان بھی نا اہل لوگوں کو ووٹ دیتے وقت کبھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہم یہ جھوٹی گواہی دے کر مستحق لعنت و عذاب بن رہے ہیں۔

نمائندوں کے انتخاب کے لیے ووٹ دینے کی از روئے قرآن ایک دوسری حیثیت بھی ہے جس کو شفاعت یا سفارش کہا جاتا ہے' کہ ووٹ دینے والا گویا یہ سفارش کرتا ہے فلاں امیدوار کو نمائندگی دی جائے۔ اس کا حکم قرآن کریم کے الفاظ میں پہلے بیان ہو چکا ہے' ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۔

یعنی جو شخص اچھی اور سچی سفارش کرے گا' تو جس کے حق میں سفارش کی ہے اس کے نیک عمل کا حصہ اس کو بھی ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرتا ہے' یعنی کسی نا اہل اور برے شخص کو کامیاب بنانے کی سعی کرتا ہے' اس کو اس کے برے اعمال کا حصہ ملے گا۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ امیدوار اپنی کارکردگی کے پنج سالہ دور میں غلط اور ناجائز کام کرے گا' ان سب کا وبال ووٹ دینے

والے کو بھی پہنچے گا۔

ووٹ کی ایک تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنی نمائندگی کیلئے وکیل بناتا ہے۔ لیکن اگر یہ وکالت اسکے کسی شخصی حق کے متعلق ہوتی اور اسکا نفع نقصان صرف اسکی ذات کو پہنچتا تو اسکا یہ خود ذمہ دار ہوتا مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اسکے ساتھ پوری قوم شریک ہے۔ اس لیے اگر کسی نا اہل کو اپنی نمائندگی کے لیے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اسکی گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے۔ ایک شہادت' دوسرے شفاعت اور تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت۔ تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک صالح قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں' اسی طرح نا اہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری شفاعت بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

اس لیے ہر مسلمان ووٹر پر فرض ہے کہ ووٹ دینے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کرلے کہ جس کو ووٹ دے رہا ہے' وہ کام کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں' اور دیانت دار ہے یا نہیں' محض غفلت و بے پرواہی سے بلاوجہ ان عظیم گناہوں کا مرتکب نہ بنے۔ (معارف القرآن' ج ۲' ص ۷۲-۷۱' مطبوعہ ادارہ المعارف' کراچی)

جو شخص علم اور عمل کے اعتبار سے نا اہل ہو' اس کو ووٹ دینا ہمارے نزدیک بھی ناجائز اور گناہ ہے' لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ووٹ کسی کے حق میں شہادت ہے' یا وکالت ہے' یا شفاعت ہے' اس کا شہادت نہ ہونا تو ہماری پہلی تقریر سے واضح ہوگیا۔ شہادت میں کسی دیکھے ہوئے یا سنے ہوئے واقعہ کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دی جاتی ہے' اور ووٹ دینے کا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ شفاعت اس لیے نہیں ہے کہ شفاعت میں کسی تیسرے شخص کے پاس کسی منصب کے لیے سفارش کی جاتی ہے' اور اس تیسرے شخص کے اختیار میں یہ معاملہ ہوتا ہے کہ خواہ اس شفاعت کو قبول کرے خواہ رد کردے' جبکہ ووٹ کی حیثیت اس طرح نہیں ہے۔ جس نمائندہ کے ووٹ ڈالے گئے ہیں' اگر اس کے ووٹ اپنے مقابل سے زیادہ ہوں تو وہ اسمبلی کا ممبر بن جائے گا۔ اس میں کسی کے قبول کرنے نہ کرنے کا کوئی معاملہ نہیں ہے' اس طرح ووٹ وکالت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وکالت میں موکل کسی شخص کو وکیل بنانے کے بعد اس کو معزول بھی کرسکتا ہے۔ (ھدایہ اخیرین' ص ۱۹۹) اور ووٹر کسی امیدوار کو ووٹ ڈالنے کے بعد اپنے ووٹ کو کینسل نہیں کرسکتا' اور نہ ہی منتخب ہونے کے بعد اس امیدوار کو معزول کرسکتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی تعلق یا لالچ یا دباؤ کی وجہ سے کسی نا اہل شخص کو ووٹ ڈال رہا ہے' تو اس عمل کے ناجائز ہونے کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک منصب کے لیے نا اہل شخص کو مقرر کرنے کی سعی کررہا ہے۔ اور اسلام میں کسی نا اہل کو منصب دینے سے منع کیا گیا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے اپنی بات مکمل کرکے فرمایا: جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب کوئی منصب کسی نا اہل کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۹' مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۸' رقم الحدیث: ۸۷۱۴' الجامع الصغیر ج ۱' رقم الحدیث: ۸۸۷' الجامع الکبیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۹۵)

جو کسی ایسے شخص کو قومی یا صوبائی اسمبلی کے لیے ووٹ ڈالتا ہے' جو دینی اور دنیاوی علوم سے بہرہ مند نہ ہو اور اس کا بدچلن اور بدکردار ہونا بالکل واضح ہو تو وہ اس نمائندگی کے لیے نا اہل شخص کو منتخب کر رہا ہے اور نا اہل کو منصب کے لیے منتخب کرنا اس حدیث کے مطابق قیامت آجانے کے مترادف ہے۔ نیز اس سلسلہ میں مزید احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی آدمی کو کسی جماعت کا امیر بنایا' حالانکہ اس جماعت میں اس سے زیادہ اللہ کا فرماں بردار بندہ تھا' تو بنانے والے نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور جماعت مسلمین سے خیانت کی۔ حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المستدرک' ج ۴' ص ۹۳۔ ۹۲' مطبوعہ دار الباز' مکہ المکرمہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے کسی شخص کو مسلمانوں کا عامل بنایا' حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس سے بہتر شخص موجود ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول کا زیادہ جاننے والا ہے تو اس آدمی نے اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی۔ (کنز العمال' ج ٦' ص ٧٩' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت' ١٤٠٥ھ)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' جب کوئی اہل شخص دین کا والی ہو تو دین پر نہ رونا اور جب نا اہل والی ہو تو پھر دین پر رونا۔ (علامہ احمد شاکر متوفی ١٣٧٧ھ نے لکھا ہے' اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' ج ١٧' رقم الحدیث: ٢٣٤٧٦' امام حاکم اور امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ المستدرک' ج ۴' ص ٥١٥' نیز امام طبرانی' متوفی ٣٦٠ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ المعجم الاوسط' ج ١' رقم الحدیث: ٢٨٦' المعجم الکبیر' ج ۴' رقم الحدیث: ٣٩٩٩)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ جو شخص پیسوں کے لالچ' برادری کے تعلق یا کسی بااثر آدمی کے دباؤ کی وجہ سے نا اہل کو ووٹ ڈالتا ہے' وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کرتا ہے۔ نیز اہل شخص کے ہوتے ہوئے نا اہل شخص کو ووٹ ڈالنا' ظلم ہے' کیونکہ ظلم کا معنی ہی یہ ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا اور ظالموں پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے' اور ظلم گناہ کبیرہ ہے۔

نیز جب کوئی بدکردار اور فاسق و فاجر یا بدمذہب شخص اسمبلی میں پہنچے گا اور اس کو قانون سازی کا اختیار ملے گا' تو یہ ممکن ہے کہ وہ خلاف شرع قانون بنائے' یا اس کے حق میں ووٹ دے۔ جیسے ایوب خان کے دور میں عائلی قوانین بن گئے جو سراسر غیر اسلامی ہیں اور ١٩٩٣ء تا ١٩٩٦ء کی وفاقی کابینہ نے یہ مسودہ قانون منظور کیا کہ عورت خواہ قاتل ہو' اس کو موت کی سزا نہیں دی جائے گی اور یہ صریح قرآن کے خلاف ہے۔ جن لوگوں نے ایسے بے دین لوگوں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچایا' یا جنہوں نے خلاف شرع قانون سازی کی' وہ بھی برابر کے مجرم ہیں۔ اس لیے جو لوگ غیر متدین اور غیر صالح لوگوں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچائیں گے' وہ بھی برابر کے مجرم ہوں گے۔ اس لیے نا اہل شخص کو ووٹ دینا بالکل جائز نہیں ہے' یہ اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت ہے' ظلم ہے' اور خلاف شرع قانون بنانے کا ذریعہ ہے۔

طلب منصب کی تحقیق

ہمارے ملک میں طریق انتخاب کی یہ بہت بڑی خامی ہے کہ قومی یا صوبائی اسمبلی کی نشست کے لیے ہر امیدوار از خود کھڑا ہوتا ہے' حالانکہ اسلام میں از خود عہدہ کی طلب کرنا ممنوع ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو عم زاد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک

شخص نے کہا یا رسول اللہ! اللہ نے جن چیزوں پر آپ کو ولایت دی ہے' ان میں سے بعض پر ہمیں امیر بنا دیں۔ دوسرے نے بھی اسی طرح کہا' آپ نے فرمایا بخدا! ہم اس شخص کو کسی منصب پر امیر نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرے گا' اور نہ اس کو جو اس کی حرص کرے گا۔ (صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۷۳۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

طالب منصب کو منصب نہ دینے میں یہ حکمت ہے کہ طالب منصب کے ساتھ اللہ کی توفیق اور تائید شامل نہیں ہوتی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ منصب کو طلب کرنا جائز ہے' کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے اپنے لیے حکومت کا عہدہ طلب کیا تھا' قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔ (یوسف: ۵۵)

حضرت یوسف نے (عزیز مصر سے) کہا' ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجئے' میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے اور شریعت سابقہ کے جو احکام ہماری شریعت کے خلاف ہوں' وہ ہم پر حجت نہیں ہوتے۔ ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخدا! ہم اس شخص کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کو طلب کرے گا اور نہ اس شخص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حرص کرے گا۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا تقویٰ قطعی اور یقینی ہوتا ہے' نبی کو وحی کی تائید حاصل ہوتی ہے' اور وہ اپنے افعال کے متعلق اللہ کی رضا سے مطلع رہتے ہیں' جبکہ عام آدمی کا تقویٰ قطعی اور یقینی نہیں ہوتا اور غیر قطعی کو قطعی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا عہدہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا' جو ان کو وحی سے حاصل ہوئی اور عام آدمی کے حق میں یہ متصور نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی منصب کا اہل نہ ہو تو جو شخص اہل ہو' اس کا محض خدمت کے لیے منصب کو طلب کرنا ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔ ہمیں اس قاعدہ کی صحت سے انکار نہیں ہے' لیکن جو چیز ضرورت کی بنا پر جائز کی گئی ہو' اس کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھنا صحیح ہے۔ اس کو عام رواج اور معمول بنا لینا صحیح نہیں ہے' مثلاً جب کوئی حلال چیز کھانے کے لیے دستیاب نہ ہو تو ضرورت کی بنا پر شراب اور خنزیر کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے' لیکن اگر کوئی شخص ضرورت کے حوالے سے خنزیر اور شراب کو کھانے پینے کا عام معمول بنا لے' تو یہ صحیح نہیں ہے۔

موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا

پاکستان میں انتخاب کے موقع پر ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور زر کثیر خرچ کر کے اپنے لیے کنو-لنسنگ کرتے ہیں اور مخالف امیدوار کی کردار کشی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں غیبت' افتراء اور تہمت کی تمام حدود کو پھلانگ جاتے ہیں۔ اور یہ طریقہ اسلام میں بالکل ناجائز ہے' اور ہر امیدوار کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ضرورت کی بناء پر کھڑا ہوا ہے' بداہتہً باطل ہے۔ کیونکہ ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ اور کوئی اہل نہیں تھا' اس لیے یہ سب امیدوار کھڑے ہو گئے ہیں۔

امیدوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے غلط نتائج

درحقیقت پاکستان کے آئین میں طلب منصب کی اجازت دینا ہی غیر اسلامی دفعہ ہے۔ جو امیدوار انتخاب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں' ان ہی میں سے منتخب افراد آگے چل کر وزیر اعظم' صدر مملکت اور وزراء اعلیٰ کا انتخاب کرتے ہیں اور یہی لوگ

اسمبلی میں جاکر کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ملک کے سربر آوردہ علماء اور دانشوروں پر مشتمل اسلامی نظریاتی کونسل اتفاق رائے سے کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتی ہے' لیکن وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ قومی اسمبلی اس کو منظور نہ کرے اور قومی اسمبلی کے ممبروں کے لیے اسلامی علوم یا مروجہ علوم میں سے کسی علم کی کوئی شرط نہیں ہے۔ نیکی اور تقویٰ کی مبہم شرائط رکھی گئی ہیں اور ان کا دیانت داری سے متعلقہ امیدواروں پر اطلاق بھی نہیں کیا جاتا۔ حال ہی میں صدر مملکت چیف الیکشن کمشنر اور بالواسطہ طور پر عدلیہ یہ کہہ چکے ہیں کہ ان کا اطلاق کون کرے گا؟ اور کبھی وہ کہتے ہیں کہ ایسے کڑے معیار پر کون اترے گا؟ گویا وہ بالواسطہ طور پر کہہ رہے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی دفعات ٦٢ اور ٦٣ ناقابل اطلاق اور ناقابل عمل ہیں۔ نیز سیاسی تجربہ اور تدبر کی حتیٰ کہ مرد ہونے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کی شرط ہوتی ہے۔ بس چلانے والے ڈرائیور کے لیے بھی تجربہ کی شرط ہوتی ہے لیکن اس ملک کو چلانے کے لیے امیدواروں کے علم اور تجربہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ ہر فاسق و فاجر' جاہل اور ناتجربہ کار شخص خواہ مرد ہو یا عورت' انتخاب کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے اور پیسہ اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر صدر مملکت' وزیر اعظم' وزیر اعلیٰ یا کسی بھی محکمہ کا وزیر بن سکتا ہے۔ اور وہ دینی علم' تجربہ اور اچھے کردار کے بغیر بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی پیش کردہ سفارشات کو مسترد کر سکتا ہے' اور کسی بھی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے' اس کو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو' اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ (المائدہ: ١١)

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ٣١٠ھ نے اس آیت کے حسب ذیل دو شان نزول بیان کیے ہیں۔

یزید بن ابی زیاد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر' حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنو نضیر کے پاس ایک دیت کے معاملہ میں گئے (دو عامری مسلمانوں کو عمرو بن امیہ ضمری نے قتل کر دیا تھا۔ آپ یہودیوں سے ان کی دیت وصول کرنے تشریف لے گئے تھے) آپ نے ان یہودیوں سے فرمایا: اس دیت (کی وصول یابی میں) میری مدد کرو۔ انہوں نے کہا ہاں! اے ابا القاسم! اب آپ کو ہم سے کام در پیش ہوا ہے۔ آپ بیٹھئے ہم آپ کو کچھ کھلاتے ہیں اور آپ کا مطلوب مہیا کرتے ہیں' رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب بیٹھ گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ آپ سے یہ گفتگو حیی بن اخطب نے کی تھی' وہ یہودیوں کا سردار تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا' جس قدر اب یہ تمہارے قریب ہیں' اس سے زیادہ قریب تم ان کو کبھی نہ پاؤ گے۔ ان کو پتھروں سے مار کر قتل کر دو' پھر اس کے بعد تم کو کبھی مصیبت کا سامنا نہیں ہو گا۔ وہ چکی کا ایک بہت بڑا پاٹ لے کر آئے' تاکہ اس کو آپ پر گرا دیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے آپ کو بچا لیا اور جبرائیل آپ کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو' جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا...... (جامع البیان' ج ٦' ص ١٩٨' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ١٤١٥ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک منزل پر ٹھہرے اور مسلمان مختلف درختوں کے نیچے ان کے سایوں میں لیٹ گئے' نبی ﷺ نے بھی اپنے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے' ایک اعرابی آیا اس نے آپ کی تلوار درخت سے اتار لی اور وہ آپ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا' اور کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ! اس اعرابی نے تلوار میان میں ڈال لی۔ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو بلایا اور ان کو اعرابی کے واقعہ کی خبر دی' درآنحالیکہ وہ آپ کے

پہلو میں بیٹھا ہوا تھا، آپ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔ قتادہ نے یہ بیان کیا ہے کہ بعض دشمن آپ کی غفلت میں آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس اعرابی کو بھیجا تھا۔

(جامع البیان، ج ٦، ص ۳۰۱۔۳۰۰، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۹۱۳۔۲۹۱۰، مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۴۳۳۱)

علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اس آیت کے اعتبار سے پہلی روایت میں بیان کیا ہوا شان نزول راجح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے کافروں کے ہاتھ کو روک لیا اور پہلی روایت میں نبی ﷺ اور مسلمان دونوں سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں صرف نبی ﷺ سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اور بیشک اللہ نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے ہم نے بارہ نگران

اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ

مقرر کیے اور اللہ نے فرمایا بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، البتہ اگر تم نے نماز قائم

الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ

رکھی اور زکوٰۃ ادا کی اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور تم نے ان کی تعظیم کے ساتھ مدد کی

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ

اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا،

وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ

اور میں تم کو ضرور ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں سو تم میں سے جس

بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ

نے اس کے بعد کفر کیا تو وہ بیشک سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا ○ تو ان کے عہد توڑنے

مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت کر دیا؛ وہ (اللہ کے) کلام کو اس کے

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کے بڑے حصے کو انہوں نے بھلا دیا اور آپ ان کی خیانت

عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ

پر ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے ماسوا چند لوگوں کے، آپ ان کو معاف کیجیے اور درگزر کیجیے،

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی

بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ○ اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا ہم

اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۪ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ

نصاریٰ ہیں تو اس کے بڑے حصے کو انہوں نے بھلا دیا جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ

کے درمیان عداوت اور بغض کو روزِ قیامت تک لازم کر دیا اور عنقریب اللہ انہیں ان کاموں

اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

کی خبر دے گا جن کو وہ کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے بے شک بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے ہم نے بارہ سردار مقرر کیے۔ (المائدہ: ۱۲)

سابقہ آیات سے ارتباط

یہ آیت سابقہ آیتوں کے ساتھ تین وجہوں سے مرتبط ہے:

۱۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا ہے (المائدہ: ۹) اور اب یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی پختہ عہد لیا تھا' لیکن انہوں نے اس عہد کو فراموش کر دیا اور پورا نہیں کیا' تو اے مسلمانو! تم اس برائی میں یہود کی مثل نہ ہو جانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عہد شکنی کی پاداش میں تم بھی اللہ کے غضب' اس کی لعنت کا مصداق بن جاؤ اور تم پر بھی ذلت اور مسکنت ڈال دی جائے۔

۲۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو' جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا (المائدہ: ۱۱) اور ہم نے اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر کے حوالے سے بیان کیا تھا۔ یہ آیت یہود کے متعلق ہے' جب انہوں نے نبی ﷺ اور آپ کے بعض اصحاب کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ سو اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی مزید شرارتیں اور خباثتیں بیان کیں کہ انہوں نے صرف اللہ کے نبی کے ساتھ ہی خیانت نہیں کی' بلکہ انہوں نے خود اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و میثاق کو بھی توڑ ڈالا تھا۔

۳۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اللہ کے احکام کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی اور سرکشی سے باز رہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہ ان کے لیے کوئی نیا حکم نہیں ہے' بلکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کو بھی

یہی حکم دیا تھا کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور سرکشی نہ کریں۔

حل لغات

دیوار یا لکڑی میں سوراخ کو نقب کہتے ہیں۔ پہاڑوں میں جو سرنگ بنائی جائے اس کو منقبت کہتے ہیں، کسی نیک انسان کے افعال کو بھی منقبت کہتے ہیں، کیونکہ جس طرح لکڑی یا دیوار میں سوراخ موثر ہوتا ہے، اسی طرح نیک آدمی کے افعال بھی دوسرے لوگوں میں تاثیر کرتے ہیں۔ قوم کا رئیس جو قوم کے احوال کی تفتیش کرتا ہے، اور ان میں موثر ہوتا ہے، اس کو نقیب کہتے ہیں۔ اس کی جمع نقباء ہے۔ اس آیت میں فرمایا: ہم نے بنو اسرائیل کے بارہ نقباء مقرر کیے ہیں یعنی ان کو بارہ گروہوں میں بانٹ دیا اور ہر گروہ کا ایک سردار مقرر کیا۔ (المفردات، ص ٥٠٣، مطبوعہ ایران)

اس آیت میں فرمایا ہے "وعزرتموهم" "تم نے رسولوں کی تعزیر کی۔ تعزیر کا معنی ہے تعظیم کے ساتھ مدد کرنا، تعزیر حد سے کم درجہ کی سزا کو بھی کہتے ہیں، اور یہ بھی ایک قسم کی نصرت ہے، کیونکہ جس شخص میں کوئی ایسی خصلت ہو، جس سے اس کو دنیا یا آخرت میں ضرر پہنچے، تعزیر کے ذریعہ اس خصلت کو مٹا کر اس کی نصرت کی جاتی ہے۔ اسی طرح تادیب ہے اور انبیاء علیہم السلام کے لیے جب یہ لفظ استعمال ہو تو اس کا معنی تعظیم کے ساتھ مدد کرنا ہے۔

(المفردات، ص ٣٣٣، مطبوعہ ایران)

قاسیۃ کا معنی ہے سخت جامد جو کسی قسم کی خیر کو قبول نہ کرے، تحریف کا معنی ہے کسی شئے کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا۔

بنو اسرائیل کی عہد شکنی کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم بنو اسرائیل کے بارہ سرداروں کو منتخب کر کے جبابرہ کی سرزمین شام میں بھیجیں، تاکہ وہ اس قوم کے احوال کی تفتیش کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطلع کریں اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو اس قوم کا وارث بنائے اور اس سرزمین میں آباد کرے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو قوم فرعون سے نجات دی تھی، اور ان کو مصر سے نکال لیا تھا۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق بارہ نقیبوں کو بھیجا، یہ بارہ نقیب جبابرہ کی جاسوسی کرنے کے لیے روانہ ہو گئے، ان کو راستہ میں ایک شخص ملا جس کا نام عاج تھا۔ (عوج بن عنق) وہ اس قدر لمبا اور جسیم تھا کہ اس نے ان بارہ نقیبوں کو پکڑ کر اپنے نیفہ میں اڑس لیا، اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا، وہ ان کو لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہا: دیکھو یہ لوگ اپنے زعم میں ہم سے لڑنے آئے تھے۔ پھر اس نے ان سب کو اپنے نیفہ سے نکال کر زمین پر پھینک دیا۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا: کیا خیال ہے میں ان سب کو اپنے قدموں تلے روند کر پیس ڈالوں؟ اس کی بیوی نے کہا: نہیں، بلکہ ان کو چھوڑ دو، تاکہ یہ اپنی قوم کو جا کر ہماری قوت اور طاقت کا حال بتائیں۔ جب یہ لوگ وہاں سے واپس ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا: اگر تم نے بنو اسرائیل کو اس قوم کا حال بیان کر دیا تو وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ جائیں گے اور مرتد ہو جائیں گے۔ اس لیے تم صرف حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اس خبر سے مطلع کرنا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے سے اس پر عہد و پیمان لیا لیکن ان میں سے صرف دو اس عہد پر قائم رہے۔ وہ یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا تھے، اور باقی دس نے اس عہد کو توڑ کر تمام بنو اسرائیل سے عاج کا واقعہ بیان کر دیا۔ بنو اسرائیل کو جب جبابرہ کی قوت اور طاقت کا علم ہوا، تو انہوں نے ان کے خلاف جنگ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ آپ اور آپ کا رب دونوں جائیں' سو وہ جنگ کریں' ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں۔ (المائدہ: ٢٤)

(جامع البیان' ج ٦' ص ٢٠٦۔ ٢٠٣' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ' الوسیط' ج ٢' ص ١٦٦' طبع بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ نقیبوں سے یہ عہد اور میثاق لیا تھا کہ وہ جبابرہ کے جو بہت بڑے بڑے جسم دیکھ کر آئے تھے' اس کی بنو اسرائیل کو خبر نہ دیں' لیکن انہوں نے ان کو یہ خبر دے دی' اور یہی ان کا عہد توڑنا تھا۔

(تفسیر کبیر' ج ٣' ص ٣٨٢' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ٥٩٧ھ لکھتے ہیں:

ابو العالیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ میثاق لیا تھا کہ وہ اس کی اخلاص کے ساتھ عبادت کریں اور اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور مقاتل نے کہا ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ تورات کے احکام پر عمل کریں۔

(زاد المسیر' ج ٢' ص ٣١٠' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ١٤٠٧ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں' البتہ اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ ادا کی' اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور تم نے ان کی تعظیم کی ساتھ مدد کی اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہوں کو مٹادوں گا۔ الایہ۔ (المائدہ: ١٢)

بعض رسولوں کے انکار کی وجہ سے نجات نہیں ہوگی' خواہ نیک عمل کیے ہوں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں تمہارے ساتھ ہوں" اس کا معنی ہے میں علم اور قدرت سے تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بارہ نقیبوں سے خطاب ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بنو اسرائیل کے ہر فرد سے خطاب ہو' یعنی میں تمہارا کلام سن رہا ہوں اور تمہارے افعال دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم اس عہد کو پورا کرو گے تو میں تم کو اس کی جزا دینے پر قادر ہوں اور اگر تم اس عہد کو پورا نہیں کرو گے تو اس کی سزا دینے پر قادر ہوں۔ پھر جزا کا ذکر فرمایا' میں تم سے تمہارے گناہوں کو مٹادوں گا اور تم کو جنتوں میں داخل کروں گا' پھر سزا کا ذکر فرمایا کہ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت کر دیا۔

اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کو پہلے ذکر کیا اور رسولوں پر ایمان لانے کو بعد میں ذکر کیا' جبکہ بہ ظاہر رسولوں پر ایمان لانے کا پہلے اور نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا بعد میں ذکر ہونا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود اس کا اقرار کرتے تھے کہ نجات کے لیے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے' اس کے باوجود وہ بعض رسولوں کے انکار پر اصرار کرتے تھے۔ اس لیے ان سے فرمایا: کہ تم میرے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ' ورنہ اس کے بغیر محض نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے تمہاری نجات نہیں ہوگی۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اللہ کو اچھا قرض دینے کا ذکر فرمایا ہے' کیونکہ زکوٰۃ سے مراد صدقات واجبہ ہیں اور اللہ کو اچھا قرض دینے سے مراد نفلی صدقات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو ہم نے ان کے عہد توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت کر دیا۔ (المائدہ: ١٣)

اس آیت میں یہود کے عہد توڑنے کا ذکر فرمایا ہے' ان کے عہد توڑنے کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بعض نبیوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کو قتل کرتے تھے۔ اور دوسری یہ کہ وہ' تورات میں مذکور نبی ﷺ کی صفات کو چھپاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے لعنت کرنے کی بھی کئی تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ دوسری یہ کہ ان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا' اور تیسری یہ کہ ان پر جزیہ مقرر کر دیا۔ نیز فرمایا: ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں کو ایسا کر دیا کہ وہ دلائل دیکھنے کے باوجود حق کو قبول نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اللہ کے کلام کو اس کے مقامات سے بدل دیتے ہیں (المائدہ: ۱۳)

تورات کی تحریف میں علماء کے نظریات

یہود نے تورات میں جو تحریف کی ہے' اس کے متعلق کئی اقوال ہیں:

۱- یہود تورات کی آیتوں میں ردوبدل کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے عبارات بنا کر آیات میں شامل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ حسب ذیل آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (البقرہ: ۷۹)

ان لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے جو اللہ کی کتاب میں (اپنی طرف سے) لکھیں' پھر کہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

۲- تحریف کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ وہ تورات کی آیتوں کی اپنی طرف سے باطل تاویل کرتے تھے۔ امام رازی کا یہی مختار ہے۔ وہ لفظی تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کتاب تواتر سے منقول ہو' اس میں لفظی تغیر نہیں ہو سکتا۔

(تفسیر کبیر' ج ۳' ص ۳۸۳)

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ تورات کی جن آیات میں سیدنا محمد ﷺ کی صفات ہیں' وہ ان کو چھپا لیتے تھے۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ۲۱۲' مطبوعہ بیروت)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

تاریخ میں یہ معروف ہے اور یہود و نصاریٰ نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ جو تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور جس کی حفاظت کا انہوں نے حکم دیا تھا' اس کا صرف ایک نسخہ تھا۔ اور یہود و نصاریٰ کے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اہل بابل نے یہودیوں کو قید کیا اور ان میں لوٹ مار کی اس وقت وہ نسخہ گم ہو گیا اور ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی نسخہ نہیں تھا۔ اور جب اہل بابل نے ان کے ہیکل کو جلا دیا' تو وہ اس نسخہ کو محفوظ نہ رکھ سکے۔

اور وہ پانچ سورتیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں' جن میں حضرت موسیٰ کی حیات اور وفات کا ذکر ہے اور یہ کہ ان کے بعد کوئی ان جیسا نہیں ہوگا' وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے کافی عرصہ گزر جانے کے بعد' بلکہ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد لکھی گئی ہیں۔ ان کو عذرا کاہن نے لکھا تھا' جو بنو اسرائیل کے قید ہونے والے بوڑھوں میں سے بچ گیا تھا۔ اسی طرح نصاریٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ انجیل بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کافی زمانہ بعد لکھی گئی تھی۔

(التفسیر المنیر' ج ٦' ص ۱۳٦' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ تورات اور انجیل کلیۃً ساقط الاعتبار نہیں ہیں۔ موجودہ تورات اور انجیل خواہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے بعد لکھی گئی ہوں' لیکن ان میں بہرحال اصل تورات اور انجیل کی بہت آیات موجود ہیں اور بعد کی بنائی ہوئی آیات بھی ان میں موجود ہیں' کیونکہ قرآن مجید نے ان کتابوں کا اعتبار کیا ہے اور قرآن مجید کو ان کا مصدق قرار دیا ہے۔ اور

ان کتابوں کے حاملین کو اہل کتاب فرمایا ہے اور ہمارے نزدیک ان کتابوں میں ہر طرح سے تحریف کی گئی ہے۔ اصل آیات نکال کر اور اپنی طرف سے آیات بنا کر ان میں داخل کی گئی ہیں' اور اصل آیات کی باطل تاویلات بھی کی گئی ہیں' اور جو آیات سیدنا محمد ﷺ کی صفات اور آپ کی آمد کی بشارت پر مشتمل تھیں' ان کو چھپایا اور نکالا بھی گیا ہے۔ حدود کی آیات میں حسب منشاء تغیر بھی کیا گیا اور بعض الفاظ کو توڑ مروڑ کر بھی پڑھا گیا ہے' تاکہ معنی کچھ سے کچھ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کے بڑے حصہ کو انہوں نے بھلا دیا۔

(المائدہ: ١٣)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی وساطت سے ان سے جو عہد لیا تھا کہ وہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے' اس عہد کو انہوں نے پورا نہیں کیا۔

اس کے بعد فرمایا: اور آپ ان کی خیانت پر ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے ماسوا چند لوگوں کے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ نے مجاہد سے نقل کیا ہے۔ اس سے مراد یہود بنو نضیر ہیں' جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اس دن قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا' جب آپ عامریوں کی دیت وصول کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر سے آگاہ کر دیا اور آپ وہاں سے بحفاظت سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٢١٤' مطبوعہ بیروت)

اس آیت میں فرمایا ہے' ماسوا چند لوگوں کے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ پر ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے' جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب' آپ ان سے خیانت کا خوف نہ کریں۔

اس کے بعد فرمایا آپ ان کو معاف کیجئے اور درگزر کیجئے۔ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یہودیوں کے تین گروہ بنو قینقاع' بنو النضیر اور بنو قریظہ کے ساتھ نبی ﷺ نے نیک سلوک کیا۔ مدینہ میں ہجرت کے بعد آپ نے ان سے صلح کی اور یہ معاہدہ کیا کہ وہ نہ خود آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے اور وہ نبی ﷺ کی طرف سے مامون رہیں گے اور ان کے اموال اور ان کی جانیں محفوظ رہیں گی اور وہ مکمل آزادی کے ساتھ مدینہ میں رہیں گے' یہ معاہدہ میثاق مدینہ کہلاتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہود نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور نبی ﷺ کے ساتھ خیانت کی اور کفار قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ اس کے باوجود نبی ﷺ نے ان کو صرف حجاز سے جلاوطن کرنے پر اکتفاء کیا اور ان کے اس جرم پر ان کو قرار واقعی سزا نہیں دی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہودیوں کو معاف کرنے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم آیت سیف سے منسوخ ہو گیا۔ وہ آیت یہ ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ — تو تم مشرکین کو قتل کرو انہیں جہاں پاؤ۔

(التوبہ: ٥)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا: ہم نصاریٰ ہیں تو اس کے بڑے حصے کو انہوں نے بھلا دیا جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض کو روز قیامت تک لازم کر دیا۔ (الایہ) (المائدہ: ١٤)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے نصاریٰ سے بھی اس بات کا پختہ عہد لیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور

آپ کی پیروی کریں گے اور آپ کی مدد کریں گے' لیکن انہوں نے بھی یہود کی طرح اس عہد کو توڑ دیا اور انہوں نے اپنے دین کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی سزا یہ دی کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف عداوت اور بغض کو ڈال دیا' اور وہ قیامت تک اسی مخالفت میں برقرار رہیں گے۔ عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں' اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں' اور عنقریب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو ان کے کاموں کی خبر دے گا' جو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر افتراء باندھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کو منسوب کیا اور اس کا شریک بنایا اور آخرت میں ان کو ان کے اس شرک کی سزا دے گا۔

استخراج مسائل

١- یہود نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑا تو اللہ نے ان پر لعنت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑنے کی سزا لعنت ہے۔

٢- احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے بنو اسرائیل میں بارہ نقیب مقرر کیے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے۔

٣- بارہ نقیبوں کو جبابرہ کے احوال کی تفتیش کے لیے شام بھیجا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دشمن کے علاقہ میں جاسوس بھیجنا جائز ہے۔

٤- اللہ کے سب رسولوں پر ایمان لانا' نماز پڑھنا' زکوۃ ادا کرنا اور نفلی صدقات دینا گناہوں کی مغفرت اور دخول جنت کا سبب ہے۔

٥- یہود اور نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں لفظی اور معنوی تحریف کر دی ہے۔

يَاهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا

اے اہل کتاب: بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے

كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ

جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، بیشک آگیا تمہارے

مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ

پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب ○ اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے راستوں پر ان لوگوں

رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

کو چلاتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف

بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ

لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے ○ بیشک ان لوگوں نے کفر کیا

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ

جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے ، آپ کہیے کہ اگر اللہ مسیح ابن

مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ

مریم ، اس کی ماں اور تمام روئے زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو

اُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کون اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھ سکتا ہے ؛ اللہ ہی مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور

وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾

جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے (المائدہ: ١٥)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ یہود اور نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو پھر اسلام کی دعوت دے رہا ہے' اور یہ فرمایا ہے کہ ہمارا نبی تم کو تمہاری کتاب کی وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے۔ حالانکہ ہمارے نبی امی ہیں' انہوں نے کسی درس میں تعلیم حاصل نہیں کی' اس کے باوجود ان کا تمہاری کتاب کی باتوں کو بتانا ان کے معجزات میں سے ہے۔

یہود رجم کی آیت کو چھپاتے تھے اور جن یہودیوں نے منع کرنے کے باوجود ہفتہ کے دن شکار کیا' اس کی پاداش میں ان کو بندر بنا دیا گیا اس کو بھی وہ چھپاتے تھے' اور سیدنا محمد ﷺ نے ان امور کو بیان فرما دیا اور بہت سی ایسی باتیں جن کو یہود چھپاتے تھے' ان کو نبی ﷺ نے نہیں بیان فرمایا' کیونکہ ان کے بیان سے دین کی کوئی غرض وابستہ نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آگیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔ (المائدہ: ١٥)

رسول اللہ ﷺ کے نور ہونے کے متعلق علماء کے نظریات

جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اہل تورات اور اہل انجیل کو مخاطب کر کے فرمایا: تمہارے پاس نور اور کتاب مبین آگئی۔ نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں جنہوں نے حق کو روشن کیا' اسلام کو ظاہر کیا اور کفر کو مٹایا۔ اسی نور کی وجہ سے آپ وہ باتیں بیان فرما دیتے تھے جن کو یہودی چھپاتے تھے اور کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جس نے ان چیزوں کو بیان فرما دیا جس میں ان کا اختلاف تھا۔ مثلاً اللہ کی توحید' حلال اور حرام اور شریعت کا بیان اور وہ کتاب قرآن مجید ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا'

جس میں دین سے متعلق احکام کو بیان فرمایا۔ (جامع البیان 'ج ٦' ص ٢٢٠' مطبوعہ دار الفکر 'بیروت' ١٤١٥ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ٤٦٨ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے گمراہی سے روشنی اور ہدایت 'یعنی اسلام۔ قتادہ نے کہا اس سے نبی ﷺ مراد ہیں۔ یہی زجاج کا مختار ہے۔ اس نے کہا نور سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے 'جس چیز میں اہل کتاب اختلاف کرتے ہیں۔ اس میں قرآن مجید قول فیصل بیان کرتا ہے۔ (الوسیط 'ج ٢' ص ١٦٩-١٦٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ 'بیروت)

حسب ذیل تفاسیر میں بھی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ قتادہ نے کہا ہے کہ نور سے مراد نبی ﷺ ہیں اور دوسروں نے کہا اس سے مراد اسلام ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن 'ج ٣' ص ٨٧' مطبوعہ بیروت 'فتح القدیر 'ج ٢' ص ٢٣' الدر المنثور 'ج ٢' ص ٢٦٨' نظم الدرر 'ج ٦' ص ٦٣' زاد المسیر 'ج ٢' ص ٣١٦)

علامہ ابوالليث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ٣٧٥ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے گمراہی سے روشنی اور وہ سیدنا محمد ﷺ ہیں اور قرآن اور نور وہ ہے جس سے اشیاء ظاہر ہوتی ہیں اور آنکھیں اس کی حقیقت کو دیکھتی ہیں۔ قرآن کو نور فرمایا ہے 'کیونکہ وہ دلوں میں نور کی طرح واقع ہوتا ہے 'کیونکہ جب قرآن دل میں جاگزین ہوتا ہے تو اس سے بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر سمرقندی 'ج ١' ص ٤٢٤' مطبوعہ دار الباز 'مکہ مکرمہ' ١٤١٣ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

١- نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

٢- نور سے مراد اسلام ہے اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

٣- نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ قول ضعیف ہے 'کیونکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ اور اسلام اور قرآن پر نور کا اطلاق بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ نور ظاہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے آنکھ اشیاء ظاہرہ کا ادراک قوت سے کرتی ہے اور نور باطن اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بصیرت 'حقائق اور معقولات کا ادراک قوت سے کرتی ہے۔

(تفسیر کبیر 'ج ٣' ص ٣٨٣' مطبوعہ دار الفکر 'بیروت' ١٣٩٨ھ)

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ٦٨٦ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے قرآن جو شک کے اندھیروں کو دور کرتا ہے 'اور کتاب مبین سے مراد ہے جس کا اعجاز واضح ہو اور ایک قول یہ ہے کہ نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ (علامہ بیضاوی کی پہلی تفسیر زمخشری سے مستفاد ہے 'کشاف 'ج ١' ص ٦١٧)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی متوفی ١٠٦٩ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تفسیر کے مطابق نور اور کتاب دونوں سے مراد واحد ہے۔ قرآن مجید کو نور اس لیے فرمایا ہے کہ یہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو ظاہر فرماتا ہے۔ دوسری تفسیر جس کے مطابق نبی ﷺ کو نور فرمایا ہے 'اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے معجزات کے سبب سے ظاہر تھے اور آپ حق کو ظاہر کرنے والے تھے۔ (اور نور وہ ہوتا ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کردے)

(عنایۃ القاضی 'ج ٣' ص ٢٢٦' مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد نور عظیم ہے جو تمام انوار کا نور ہے اور وہ نبی مختار ﷺ ہیں۔ قتادہ کا یہی مذہب ہے اور یہی زجاج کا مختار ہے۔ ابو علی جبائی (معتزلی) نے کہا نور سے مراد قرآن ہے۔ کیونکہ وہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو منکشف کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے اور زمخشری نے اسی تفسیر پر اقتصار کیا ہے اور اس صورت میں نور پر کتاب مبین کے عطف پر یہ اعتراض ہو گا کہ عطف تغائر کو چاہتا ہے اور جب دونوں سے مراد قرآن ہے تو تغائر کس طرح ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عنوان کا تغائر کافی ہے۔ معطوف علیہ میں قرآن کو نور سے تعبیر کیا ہے اور معطوف میں اس کو کتاب مبین سے تعبیر کیا ہے اور عنوان کے تغایر کو تغائر بالذات کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ اور میرے نزدیک یہ بعید نہیں ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد نبی ﷺ ہوں' اور یہاں بھی صحت عطف کے لیے عنوان کا تغائر کافی ہو گا اور نبی ﷺ پر نور اور کتاب مبین دونوں کے اطلاق کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔ (روح المعانی' جز ۶' ص ۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ پر نور کا اطلاق کیا گیا' کیونکہ آپ اندھیروں سے نور کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ دونوں قرآن کے وصف ہیں اور عطف کے لیے لفظی تغایر کافی ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ یہ دونوں لفظ نبی ﷺ کی نعت اور صفت ہوں۔ آپ نور عظیم ہیں' کیونکہ انوار میں آپ کا کامل ظہور ہے اور آپ کتاب مبین ہیں' کیونکہ آپ اسرار کے جامع ہیں اور احکام' احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ (شرح الشفاء' علی هامش نسیم الریاض' ج ۱' ص ۱۱۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا' کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔

(خزائن العرفان' ص ۱۷۶' مطبوعہ تاج کمپنی لیمٹڈ' کراچی)

اکثر مفسرین کا مختار یہی ہے کہ اس آیت میں سیدنا محمد ﷺ پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد نور ہدایت اور نور معنوی ہے یا اس سے مراد نور حسی ہے۔ جیسے چاند اور سورج کا نور ہے۔ امام ابن جریر' علامہ سمرقندی حنفی' قاضی بیضاوی شافعی' علامہ احمد خفاجی حنفی' ملا علی قاری حنفی' اور علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نور ہدایت ہیں اور علامہ آلوسی اور بعض دیگر علماء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نور حسی ہیں۔

نبی ﷺ کے نور حسی ہونے پر دلائل

علامہ ابو عبداللہ محمد بن محمد الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج المتوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابو عبد الرحمن الصقلی رحمہ اللہ نے کتاب الدلالات میں نقل کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے اللہ عزوجل نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کو اس امت سے زیادہ محبوب ہو اور نہ اس امت کے نبی سے زیادہ کوئی عزت والا پیدا کیا ہے اور ان کے بعد نبیوں کا مرتبہ ہے' پھر صدیقین کا اور پھر اولیاء کرام کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے سیدنا محمد ﷺ کا نور پیدا کیا اور وہ نور عرش کے ستون کے سامنے اللہ کی تسبیح اور تقدیس کرتا رہا' پھر سیدنا محمد ﷺ کے نور سے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کے نور سے باقی انبیاء علیہم السلام کے نور کو پیدا کیا۔ (یہاں علامہ صقلی کی عبارت ختم ہوئی) اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں' فقیہ خطیب ابو الربیع نے اپنی کتاب شفاء الصدور میں چند عظیم باتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے یہ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی ذات مبارکہ کو پیدا کرنا چاہا'

تو اللہ سبحانہ نے جبرائیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ زمین پر جائیں اور زمین کے قلب سے مٹی لے کر آئیں۔ جبرائیل علیہ السلام اور جنت کے فرشتے اور رفیق اعلیٰ کے فرشتے گئے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی جگہ سے سفید نورانی مٹی لائے' اس کو جنت کی نہروں کے پانی سے گوندھا گیا' حتیٰ کہ وہ سفید موتی کی طرح ہو گئی۔ اس مٹی کا نور تھا اور اس کی شعاع عظیم تھی۔ حتیٰ کہ فرشتوں نے اس مٹی کے ساتھ عرش' کرسی' آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں اور سمندروں کے گرد طواف کیا اور فرشتوں نے اور تمام مخلوق نے سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی فضیلت کو پہچان لیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت میں رسول اللہ ﷺ کے مادہ خلقت کی مٹی رکھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پشت میں پرندوں کی آواز کی مانند اس کی آواز سنی۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! یہ کیسی آواز ہے؟ فرمایا: یہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی تسبیح ہے' وہ خاتم الانبیاء ہیں' اللہ ان کو تمہاری پشت سے نکالے گا' تم میرے عہد اور میثاق پر قائم رہنا اور ان کو صرف پاکیزہ رحموں میں رکھنا۔ حضرت آدم نے کہا میں تیرے عہد اور میثاق پر قائم ہوں اور ان کو صرف پاکیزہ مردوں اور پاکیزہ عورتوں میں رکھوں گا۔ حضرت سیدنا محمد ﷺ کا نور حضرت آدم کی پشت میں چمکتا تھا' اور فرشتے ان کے پیچھے کھڑے ہو کر صف باندھے ہوئے حضور ﷺ کے نور کو دیکھتے تھے اور سبحان اللہ کہتے تھے۔

علامہ ابن الحاج اس کے بعد لکھتے ہیں:

اس روایت میں یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کے نور کو پیدا کیا اور یہ نور اللہ عزوجل کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے چار حصے کیے۔ پہلے حصہ سے عرش کو پیدا کیا' دوسرے حصہ سے قلم کو پیدا کیا اور تیسرے حصہ سے لوح کو پیدا کیا۔ پھر قلم سے فرمایا: چل لکھ! اس نے کہا اے میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا: میں قیامت تک جو کچھ پیدا کرنے والا ہوں' پھر قلم لوح پر چلنے لگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' وہ لکھ دیا۔ پھر چوتھا حصہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اس نور کے چار حصے کیے۔ پہلے حصہ سے عقل کو پیدا کیا' دوسرے حصہ سے معرفت کو پیدا کیا اور اس کو لوگوں کے دلوں میں رکھا اور تیسرے حصہ سے سورج اور چاند کے نور کو پیدا کیا اور آنکھوں کے نور کو پیدا کیا اور چوتھے حصہ کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے گرد رکھا' حتیٰ کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا تو یہ نور ان میں رکھا۔ پس عرش کا نور سیدنا محمد ﷺ کے نور سے ہے اور قلم کا نور سیدنا محمد ﷺ کے نور سے ہے اور لوح کا نور حضور ﷺ کے نور سے ہے اور دن کا نور حضور ﷺ کے نور سے ہے اور عقل کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے اور معرفت کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے اور سورج' چاند اور آنکھوں کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے۔ (اس روایت کی عبارت ختم ہوئی)

اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں:

اس معنی میں بکثرت روایات ہیں۔ جو ان پر مطلع ہونا چاہے' وہ ابو الربیع کی کتاب الشفاء کا مطالعہ کرے۔ اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے ہمارے نبی ﷺ سے کہا: اے وہ! جو معنی میرے باپ ہیں اور صورۃً میرے بیٹے ہیں' اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ﷺ آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ فرمایا: ابھی آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (المدخل' ج ۲' ص ۳۳-۳۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۲ھ لکھتے ہیں:

حکماء نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے جیسا کہ صریح حدیث میں وارد ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس حدیث اور دوسری دو حدیثوں میں مطابقت ہے۔ وہ حدیثیں یہ ہیں۔ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا' اور اللہ نے سب

سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا' اور مطابقت اس طرح ہے کہ معلول اول اس لحاظ سے کہ صرف اس کی ذات کا بہ حیثیت مبداء تعقل کیا جائے تو وہ عقل ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ باقی موجودات اور نفوس علوم کے صدور میں واسطہ ہے تو وہ قلم ہے' اور اس لحاظ سے کہ وہ انوار نبوت کے افاضہ میں واسطہ ہے وہ سید الانبیاء (علیہ الصلوۃ والسلام) کا نور ہے۔

(شرح مواقف' ج ٧' ص ٢٥٤' مطبوعہ ایران' ١٣٢٥ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام احمد اور امام ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا' پھر اس سے فرمایا: لکھ! تو اس نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے' اس کو لکھ دیا۔ حسن' عطاء اور مجاہد کا یہی مختار ہے اور ابن جریر اور ابن جوزی کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے نور اور ظلمت کو پیدا کیا' پھر ان کو ممتاز کیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا۔ تو ان مختلف روایات میں کس طرح موافقت ہوگی؟ میں کہتا ہوں کہ ان میں موافقت اس طرح ہے کہ ہر چیز کی اولیت اضافی ہے اور ہر چیز اپنے بعد والوں کے اعتبار سے اول ہے۔

(عمدۃ القاری' ج ١٥' ص ١٠٩' مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے اس اعتبار سے رحمت ہیں کہ آپ ممکنات پر ان کی صلاحیت کے اعتبار سے اللہ کے فیضان کا واسطہ ہیں' اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اول المخلوقات ہے' کیونکہ حدیث میں ہے' اے جابر! سب سے پہلے اللہ نے تمہارے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ (روح المعانی' ج ١٥' ص ١٠٥' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

نیز علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت ملکی ہے جس سے آپ فیض لیتے ہیں اور ایک حیثیت بشری ہے' جس سے آپ فیض دیتے ہیں اور قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر نازل کیا جاتا ہے' کیونکہ آپ کی روح صفات ملکیہ کے ساتھ متصف ہے جن کی وجہ سے آپ روح امین سے فیض لیتے ہیں۔

(روح المعانی' ج ١٩' ص ١٢١' مطبوعہ دار احیاء' التراث العربی' بیروت)

نواب وحید الزمان (غیر مقلدین کے مشہور عالم) متوفی ١٣٢٨ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے خلق کی ابتداء نور محمدی سے کی' پھر عرش کو پیدا کیا' پھر پانی کو' پھر ہوا کو' پھر دوات' قلم اور لوح کو پیدا کیا' پھر عقل کو پیدا کیا۔ پس آسمانوں' زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے' ان کی پیدائش کا مادہ اولیٰ نور محمدی ہے۔ اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

وہ جو حدیث میں وارد ہے کہ سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا' اور سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا' اس سے مراد اولیت اضافیہ ہے۔ (ہدیۃ المہدی' ص ٥٦' مطبوعہ سیالکوٹ)

جس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا' بعض علماء نے کہا اس حدیث میں نور سے مراد روح ہے۔ ملا علی قاری متوفی ١٠١٤ھ لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے سب سے پہلے میری روح کو

پیدا کیا' ان دونوں روایتوں سے مراد واحد ہے' کیونکہ ارواح روحانی ہوتی ہیں۔
(مرقاۃ المفاتیح' ج ۱' ص ۱۶۷' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

نبی ﷺ کے نور ہدایت ہونے پر دلائل

نبی ﷺ کے نور حسی ہونے کے متعلق علماء کے یہ نظریات ہیں' جن کو ہم نے اختصار کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔ البتہ! ظاہر قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ انسان اور بشر ہیں' لیکن آپ انسان کامل اور افضل البشر ہیں۔ اور ہر نبی انسان اور بشر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ہماری جنس سے مبعوث کیا ہے اور اسی کو ہمارے لیے وجہ احسان قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران: ۱۶۴)

اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر یہ احسان ہے کہ اس نے ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمائے کہ ہمارا تم پر یہ احسان ہے کہ ہم نے رسول کو تم میں سے بھیجا اور ہم یہ کہیں کہ نہیں رسول ہماری جنس سے نہیں ہیں' ان کی حقیقت کچھ اور ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ہم میں سے ہونا ہمارے لیے اس وجہ سے احسان ہے' تاکہ آپ کے افعال اور آپ کی عبادات ہمارے لیے نمونہ اور حجت ہوں' ورنہ اگر آپ کسی اور جنس سے مبعوث ہوتے تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ آپ کے افعال اور آپ کی عبادات ہم پر حجت نہیں ہیں' کیونکہ آپ کی حقیقت اور ہے اور ہماری حقیقت اور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ یہ افعال اور عبادات کر سکتے ہوں اور ہم نہ کر سکیں!

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (الانبیاء: ۷)

ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں ہی کو رسول بنایا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

کفار یہ کہتے تھے کہ کسی فرشتہ کو رسول کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ (الانعام: ۹)

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو ہم اسے مرد (ہی کی صورت میں) بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ (اب) کر رہے ہیں۔

ان تمام آیات میں تصریح ہے کہ نبی ﷺ بشر' انسان اور مرد ہیں لیکن آپ افضل البشر' انسان کامل اور سب سے اعلیٰ مرد ہیں' اور اگر نور سے مراد نور ہدایت لیا جائے تو ان آیتوں میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے اور اکثر مفسرین نے نور ہدایت ہی مراد لیا ہے۔ اور اگر آپ کو چاند اور سورج کی طرح نور حسی مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے' تو قرآن مجید کی ان صریح آیات کو ان اقوال کے تابع کرنا لازم آئے گا اور کیا قرآن مجید کی ان نصوص صریحہ کے مقابلہ میں ان اقوال کو عقیدہ کی اساس بنانا صحیح ہوگا؟ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بشریت اور نورانیت میں کوئی تضاد نہیں ہے' کیونکہ حضرت جبرائیل حضرت مریم کے پاس بشری شکل میں آئے تھے' لیکن اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا فرشتے اور حضرت جبرائیل چاند اور سورج کی طرح نور حسی ہیں؟ کیا رات کے وقت ہمارے ساتھ منکر نکیر نہیں ہوتے؟ پھر کیا ان کے ساتھ ہونے سے اندھیرا دور ہو جاتا ہے؟ کیا جب رات کو نبی ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل آتے تھے تو روشنی ہو جاتی تھی' فرشتے نور سے بنائے گئے ہیں' اللہ ہی جانتا ہے وہ

کس قسم کے نور سے بنائے گئے؟ لیکن یہ بہرحال مشاہدہ سے ثابت ہے کہ وہ چاند اور سورج کی طرح نور حسی نہیں ہیں' کیونکہ دنیا میں ہر جگہ' ہروقت فرشتے موجود ہوتے ہیں' اس کے باوجود دنیا میں رات کو اندھیرا بھی ہوتا ہے۔

البتہ! معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو نور حسی سے بھی وافر حصہ عنایت فرمایا تھا۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین اور رنگ سب سے زیادہ روشن تھا۔ جو شخص بھی آپ کے چہرہ مبارک کے جمال کو بیان کرتا' اس کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دیتا' اور کہتا کہ آپ ہماری نظر میں چاند سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ کا رنگ چمکدار اور چہرہ منور تھا اور چاند کی طرح چمکتا تھا۔

(دلائل النبوۃ' ج ١' ص ٣٠٠' مطبوعہ بیروت' خصائص کبریٰ' ج ١' ص ٦٧' مطبوعہ لائل پور)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری (خلاء) تھی۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور کی طرح نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

(شمائل محمدیہ' رقم الحدیث: ١٥' المعجم الکبیر' ج ١١' رقم الحدیث: ١٢١٨١' المعجم الاوسط' ج ١' رقم الحدیث: ٧٧١' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ١' ص ٢١٥' مجمع الزوائد' ج ٨' ص ٢٧٩' سنن دارمی' ج ١' رقم الحدیث: ٥٨)

امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ٢٥٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے زیادہ کسی شخص کو سخی دیکھا' نہ بہادر' نہ روشن چہرے والا۔ (سنن دارمی' ج ١' رقم الحدیث: ٥٩' حجۃ اللہ علی العالمین' ص ٦٨٩)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک چاندنی رات میں دیکھا۔ میں کبھی آپ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف۔ بخدا! آپ میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔

(شمائل محمدیہ' رقم الحدیث: ١٠' سنن دارمی' ج ١' رقم الحدیث: ٥٧' المعجم الکبیر' ج ٢' رقم الحدیث: ١٨٤٢' المستدرک' ج ٤' ص ١٨٦' حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ٢٥٥ھ روایت کرتے ہیں:

ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر نے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے کہا: ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا اے میرے بیٹے! اگر تم آپ ﷺ کو دیکھتے تو تم طلوع ہونے والے آفتاب کو دیکھتے۔

(سنن دارمی' ج ١' رقم الحدیث: ٦٠' المعجم الکبیر' ج ٢٤' رقم الحدیث: ٦٩٦' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد' ج ٨' ص ٢٨٠)

نبی ﷺ کے حسن و جمال اور آپ کی حسی نورانیت سے متعلق ہم نے یہ احادیث تلاش کر کے نقل کی ہیں۔ ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ چاند اور سورج سے زیادہ حسین تھے۔ آپ کا چہرہ بہت منور اور روشن تھا اور آپ کے دانتوں کی جھری میں سے نور کی مانند کوئی چیز نکلتی تھی' لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کا خمیر مٹی سے بنایا گیا تھا اور آپ انسان اور بشر تھے' لیکن آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

خطیب نے کتاب المتفق والمفترق میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہر بچہ کے ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا' یہاں تک کہ اسی میں دفن کیا جائے اور میں اور ابوبکر و عمر ایک مٹی سے بنے' اسی میں دفن ہوں گے۔ (فتاویٰ افریقیہ' ص ۱۰۰-۹۹' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی)

نیز امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اور جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے' وہ کافر ہے۔ قال تعالیٰ: قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا○ (فتاویٰ رضویہ' ج ۶' ص ۶۷' مطبوعہ مکتبہ رضویہ' کراچی)

اور صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے آپ کے نور ہدایت ہونے کی تصریح کی ہے۔ زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا' کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں' کائنات میں سب سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ نور ہدایت ہیں اور نور حسی سے بھی آپ کو حظ وافر ملا ہے۔ جو آپ کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں' وہ بدعقیدگی کا شکار ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے اور صورت بشر ہے یا آپ لباس بشری میں جلوہ گر ہوئے اور حقیقت اس سے ماوراء ہے' سو دلائل شرعیہ کی روشنی میں اس قول کا برحق ہونا ہم پر واضح نہیں ہو سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے راستوں پر ان لوگوں کو چلاتا ہے' جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں' اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے' اور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (المائدہ: ۱۶)

قرآن مجید کے فوائد اور مقاصد

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستہ پر چلاتا ہے' جن کا مقصد محض دین کی پیروی کے لیے اللہ کے پسندیدہ دین پر عمل کرنا ہو اور جو بغیر غور و فکر کے صرف اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چلنا چاہتے ہوں' وہ اللہ کی رضا کے طالب نہیں ہیں۔

اللہ عزوجل کی رضا کا معنی کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اللہ کی رضا کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی عمل کو قبول کر لے اور اس کی مدح و ثناء فرمائے۔ بعض علماء نے کہا اللہ جس کے ایمان کو قبول کرے اور اس کے باطن کو پاکیزہ کرے' وہ اس سے راضی ہے اور بعض نے کہا اللہ جس پر ناراض نہ ہو' وہ اس سے راضی ہے۔

سلامتی کے راستوں سے مراد وہ راستے ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع کیے ہیں اور جن پر چلنے کی بندوں کو دعوت دی ہے اور جن راستوں کی اس کے رسولوں نے پیروی کی ہے اور اس کا مصداق دین اسلام ہے۔ اللہ اسلام کے سوا اور کسی طریقہ کو قبول نہیں کرے گا۔ نہ یہودیت کو نہ عیسائیت کو اور نہ مجوسیت کو۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ سلامتی کے رستوں سے

مراد سلامتی کے رستوں کا گھر ہے اور وہ جنت ہے۔ اس تقدیر پر معنی یہ ہوگا کہ اللہ اس کتاب کے ذریعہ جنت کے راستوں پر ان لوگوں کو چلاتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں۔

اللہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر نور ایمان کی طرف لاتا ہے۔ کفر کے اندھیرے اس لیے فرمایا کہ جس طرح انسان اندھیرے میں حیران اور پریشان ہو جاتا ہے' اسی طرح کافر بھی اپنے کفر میں حیران ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' وہ اپنے اذن سے اندھیروں سے نکالتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے وہ اپنی توفیق سے انہیں کفر کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی میں لاتا ہے۔ پھر فرمایا: انہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ صراط مستقیم سے مراد دین حق ہے' کیونکہ دین حق واحد راستہ ہے اور اس کی تمام جہات متفق ہیں۔ اس کے برخلاف دین باطل میں متعدد جہات ہوتی ہیں اور اس کے راستہ میں کجی ہوتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین فائدے بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص اللہ کی رضا کی پیروی کرے' اس کو قرآن مجید اخروی عذاب سے سلامتی اور نجات کے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ مومنوں کو کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور توحید کی روشنی میں لاتا ہے اور تیسرا یہ کہ وہ دین کے احکام پر عمل کرنے کے لیے صحیح اور سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ آپ کہئے کہ اگر اللہ' مسیح ابن مریم' اس کی ماں اور تمام روئے زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو کون اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھ سکتا ہے؟ (المائدہ: ١٧)

حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے کا رد

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں اور اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ موجودہ چھپی ہوئی انجیل کے ٹائٹل پر یہ لکھا ہوا ہے انجیل مقدس یعنی ہمارے خداوند اور منجی یسوع مسیح کا نیا عہد نامہ

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم فاسد کا رد کیا اور فرمایا: اے نبی! آپ ان عیسائیوں سے یہ کہئے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں سے موت کو دور کرنے پر کون قادر ہے؟ بلکہ اگر وہ تمام مخلوق کو فنا کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو کون روک سکتا ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ کوئی اس کے فیصلہ کو رد کر سکتا ہے' نہ اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے۔ اس کی مشیت اور ارادہ کے مقابلہ میں کسی کا زور نہیں اور جب مسیح اپنے نفس سے اور اپنی ماں سے ہلاکت اور موت کو دور نہیں کر سکتے تو وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس کے بعد فرمایا:

اللہ ہی مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا' اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ١٧)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ حقیقت میں وہ ہے جو مالک علی الاطلاق ہو اور اسکا تصرف آسمانوں اور زمینوں میں نافذ ہو اور آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو انسان' جن' فرشتے اور جس قدر بھی مخلوقات ہیں' ان سب پر اسکی سلطنت اور حکومت ہو اور اللہ ہی اپنی حکمت اور ارادہ سے مخلوق کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ اس نے انسان کی پیدائش کیلئے مرد اور عورت کے اختلاط کو ظاہری سبب بنایا' لیکن اس نے چاہا تو مرد اور عورت دونوں کے بغیر حضرت آدم کو پیدا کر دیا اور اس نے چاہا تو عورت کے

بغیر حضرت حوا کو پیدا کر دیا اور اس نے چاہا تو مرد کے بغیر حضرت عیسیٰ کو پیدا کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ وہ ہر چیز پر ہر طرح قادر ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ

اور یہود و نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، آپ کہیے

فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ

پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا بلکہ تم ان میں سے بشر ہو جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اللہ جس کو

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا، اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں تمام آسمان اور

الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○ اے اہل کتاب!

قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ

بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا جو انقطاع رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکام شرعیہ) بیان

تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ

کرتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا، پس بیشک تمہارے پاس

وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲ ع

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ چکا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہود اور نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ آپ کہیے: پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا۔ (المائدہ: ١٨)

یہود کے اس دعویٰ کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں

عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے پاس (یہود میں سے) نعمان بن رضاء، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی آئے اور آپ سے گفتگو کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بات کی اور ان کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ انہوں نے کہا اے محمد! آپ ہمیں کیوں ڈرا رہے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں جس طرح عیسائیوں نے کہا تھا' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ اس کا معنی یہ ہے کہ اے جھوٹو! اگر واقعی ایسا ہی ہے تو اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ کیونکہ کوئی

٣٨٧

شخص اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا اور تم خود اقرار کرتے ہو کہ اللہ تمہیں عذاب دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ جتنے دن انہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی' اتنے دن ان کو عذاب ہو گا اور یہ مدت چالیس دن تھی۔ حالانکہ باپ اپنے بیٹے کو اور کوئی شخص اپنے دوست کو عذاب نہیں دیتا۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ٢٢٥-٢٢٤' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

اس کے بعد فرمایا: آپ ان سے کہئے کہ جس طرح تم نے گمان کیا ہے اس طرح نہیں ہے' بلکہ امر واقعی یہ ہے کہ تم عام لوگوں کی طرح بشر ہو۔ اگر تم ایمان لاؤ اور نیک عمل کرو تو تم کو اجر و ثواب ملے گا اور اگر ایمان نہیں لائے' تو سزا پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے بخش دیتا ہے' اور جس کو چاہتا ہے اپنے عدل سے سزا دیتا ہے۔ پھر فرمایا: اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے تمام آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے' تو تم بھی اللہ کے مملوک اور اس کے بندے ہو' اس کے بیٹے اور اس کے محبوب نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب اے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا' جو انقطاع رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکام شرعیہ) بیان کرتا ہے' تاکہ تم یہ نہ کہو کہ تمہارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا پس تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ چکا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ١٩)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل' حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عقبہ بن وھب رضی اللہ عنہم نے یہودیوں سے کہا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو۔ بخدا تم کو یقیناً معلوم ہے کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کی بعثت سے پہلے تم ہم سے آپ کے مبعوث ہونے کا ذکر کیا کرتے تھے اور آپ کی صفات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ وھب بن یہوذا اور رافع نے کہا ہم نے تم سے یہ نہیں کہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے بعد کوئی کتاب نازل کی اور نہ کسی رسول کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا' تب ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر' ج ٢' ص ٣١٩' الدر المنثور' ج ٢' ص ٢٦٩)

فترت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اہل کتاب فترت کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا' جب کسی چیز کی حدت اور تیزی ختم ہو جائے اور اس کا پہلا اثر منقطع ہو جائے تو اس کو فترت کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں دو نبیوں کے درمیان اس زمانہ کو فترت کہتے ہیں جس میں کوئی رسول نہ آیا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان کوئی رسول نہیں آیا' اس لیے یہ زمانہ فترت تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل کتاب! فترت رسل کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں' تمام انبیاء علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے

(صحیح البخاری' ج ٤' رقم الحدیث: ٣٤٤٢' صحیح مسلم' ج ٤' رقم الحدیث: ٢٣٦٥' طبع بیروت)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ٤٠٥ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت سماک بن حرب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے خالد بن سنان کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا وہ نبی ہیں' ان کی قوم نے ان کو ضائع کر دیا۔ نیز حضرت سماک بن حرب نے کہا کہ خالد بن سنان کا بیٹا نبی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا میرے بھتیجے مرحبا۔ امام حاکم نے کہا یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے' لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک' ج ٢' ص ٦٠٠-٥٩٩)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کی اس (مذکور الصدر) حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف ہمارے نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر یہ اعتراض ہے کہ سورۂ یٰسین میں جب تین رسولوں کا ہے جن کو بستی والوں کی طرف بھیجا گیا تھا' وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے تھے اور جرجیس اور خالد بن سنان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کے مقابلہ میں بلا تردد ضعیف ہے' یا پھر اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مستقل شریعت کے ساتھ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

(فتح الباری' ج ٦' ص ٤٨٩' مطبوعہ لاہور' ١٤٠١ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ٨٢٨ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کے قول کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے' جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے درمیان رسل اور انبیاء ہیں اور حواریین بھی نبی تھے' جو حضرت عیسیٰ کے بعد لوگوں کی طرف بھیجے گئے اور یہ اکثر نصاریٰ کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے سلمان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔ (اکمال اکمال المعلم' ج ٨' ص ١٦' مطبوعہ بیروت ١٤١٥ھ)

حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک کا زمانہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٢٢٨' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ٥٧١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا حضرت آدم نبی تھے؟ فرمایا: ہاں! اس نے پوچھا ان کے اور حضرت نوح کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا: بیس صدیاں۔ اس نے پوچھا حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا دس صدیاں! اس نے پوچھا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو پندرہ۔

(مختصر تاریخ دمشق' ج ٤' ص ٢٢٥' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤٠٤ھ)

حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان سترہ صدیاں ہیں۔

(تفسیر منیر' ج ٦' ص ١٤٠' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١١ھ)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک چھ ہزار تین سو سال کا زمانہ ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور (یاد کیجیے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم پر جو اللہ نے انعام کیا ہے اس کو یاد کرو

اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ

جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا اور تم کو بادشاہ بنایا، اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں

اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

کسی کو نہیں دیا تھا ○ اے میری قوم اس ارضِ مقدسہ میں داخل ہو جاؤ

الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پشت نہ دکھانا ورنہ تم نقصان پانے

خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا

والے ہو جاؤ گے ○ انھوں نے کہا اے موسیٰ! اس سرزمین میں تو بہت بڑے بڑے جسموں والے لوگ ہیں، اور ہم اس زمین

لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا

میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس زمین سے نکل نہ جائیں، پھر اگر وہ اس سے نکل گئے تو ہم ضرور

دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

اس میں داخل ہوں گے ○ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا، جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا،

عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ

تم دروازہ سے ان پر داخل ہو جاؤ جب تم دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو بیشک تم ہی غالب رہو گے

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى

اور اللہ ہی پر توکل کرو اگر تم مومن ہو ○ انھوں نے کہا اے موسیٰ!

اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ

بیشک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں، سو آپ اور آپ کا رب جائیں

فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا

اور دونوں (ان سے) جنگ کریں بیشک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے ○ موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بیشک میں صرف اپنے آپ کا

نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور اپنے بھائی کا مالک ہوں تو ہمارے اور نافرمان لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے ○

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۛ يَتِيهُونَ فِي

(اللہ نے) فرمایا یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی، یہ زمین میں بھٹکتے

الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾

پھریں گے، سو آپ ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کریں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم پر جو اللہ نے انعام کیا ہے' اس کو یاد کرو جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔ (المائدہ: ٢٠)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس آیت کی سابقہ آیات سے مناسبت اس طرح ہے کہ اس سے پہلے (المائدہ: ١٢ میں) فرمایا تھا اور بے شک اللہ نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے بارہ نگران مقرر کیے۔ اس آیت میں بنو اسرائیل سے عہد اور میثاق لینے کا ذکر تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور اس کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی سرکشی کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کو ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین سے جہاد کرنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اس حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے رکوع میں سیدنا محمد ﷺ کی رسالت اور نبوت پر دلائل قائم کیے تھے اور یہ بتایا تھا کہ یہود آپ کی نبوت کو نہیں مانتے۔ اس رکوع میں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں جو یہود کے عناد پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بکثرت نعمتوں کا انکار کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین کے خلاف لڑنے سے انکار کیا۔ ان آیتوں سے نبی ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے' کہ اگر یہود عناد کے سبب آپ کی رسالت کو نہیں مانتے' تو آپ اس سے دل گرفتہ نہ ہوں۔ عناد تو ان کی سرشت ہے' یہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کر چکے ہیں۔

بنو اسرائیل کے انبیاء کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کتنی نعمتیں انعام فرمائیں' وہ قوم فرعون کی غلامی کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون سے نجات دی' ان میں انبیاء کو مبعوث فرمایا' جو وحی سے ان کے پاس اللہ کے احکام لاتے اور ان کو غیب کی خبریں دیتے تھے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبوت کا معنی ہے وحی کے ذریعہ غیب کی خبریں بیان کرنا۔

اس آیت میں ایک نعمت یہ بیان فرمائی ہے' جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا۔

علامہ محمود آلوسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں نبیوں سے مراد ہیں حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت یوسف اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی تمام اولاد۔ جو ایک قول کے مطابق نبی ہیں اور ایک قول کے مطابق وہ ستر افراد جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے میقات کے لیے چنا تھا' ابن السائب اور مقاتل نے کہا یہ نبی تھے۔ اور علامہ ماوردی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ انبیاء ہیں جو اس کے بعد بنو اسرائیل میں مبعوث کیے گئے۔ اور تحقق وقوع کے لیے ان کی بعثت کو ماضی سے تعبیر کر دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ تم میں نبیوں کو بنایا: اس سے مراد عام ہے۔ خواہ وہ انبیاء مقدم ہوں یا موخر اور کسی امت میں اتنے انبیاء مبعوث نہیں کیے

گئے' جتنے انبیاء بنو اسرائیل میں مبعوث کیے گئے تھے۔ (روح المعانی' ج ٦' ص ١٠٥' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بنو اسرائیل کے ملوک (بادشاہوں) کا بیان

اس آیت میں بنو اسرائیل پر دوسری نعمت یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملوک (بادشاہ) بنایا۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم کو ایسا بنا دیا کہ تم اپنے معاملات کے مالک تھے اور تم پر کوئی غالب نہیں تھا' جبکہ اس سے پہلے تم فرعون کے مملوک اور غلام تھے' اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر کے تم کو اس کی غلامی سے نجات دی۔ حسن بصری اور سدی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے' کہ ان میں سے ہر شخص اپنے اہل' اپنی جان اور اپنے مال کا مالک تھا' وہ اس اعتبار سے ملوک تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب کسی شخص کے گھر میں کوئی انسان اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو سکے' تو وہ ملک (بادشاہ) ہے۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے پوچھا کیا ہم فقراء اور مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ حضرت عبداللہ نے اس سے پوچھا کیا تمہاری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں! پھر پوچھا کیا تمہاری رہائش کے لیے گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا: تم اغنیاء میں سے ہو۔ اس نے کہا میرا ایک خادم بھی ہے۔ فرمایا: پھر تم بادشاہوں میں سے ہو۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا ان کو اس لیے ملوک فرمایا کیونکہ ان پر من و سلویٰ نازل ہوا۔ ایک پتھر سے ان کے لیے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' اور ان پر بادل سایہ کرتا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج ٣' ص ٨٣' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

بنو اسرائیل کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا

نیز اس آیت کے آخر میں فرمایا: اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔

یہ حضرت موسیٰ کا اپنی قوم سے خطاب ہے۔ ان کو جو کچھ دیا' اس سے مراد من و سلویٰ' پتھر سے پانی نکالنا اور بادل کا ان پر سایہ کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے ان میں بہ کثرت انبیاء کا مبعوث ہونا مراد ہے اور اللہ کی طرف سے جو ان کے پاس نشانیاں آئیں۔ مثلاً سمندر کو چیر دینا اور ان کے دشمن کو غرق کر دینا وغیرہ' جو نشانیاں ان کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا' کہ ان کو سیدنا محمد ﷺ کی امت سے زیادہ نعمتیں دی گئیں تھیں' کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں ان کو سب سے زیادہ نعمتیں دی گئیں تھیں' جو اس زمانہ میں اور کسی کو نہیں دی گئیں تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت موسیٰ نے کہا) اے میری قوم! اس ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے' اور پشت نہ دکھانا' ورنہ تم نقصان پانے والے ہو جاؤ گے۔ (المائدہ: ٢١)

ارض مقدسہ کا مصداق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ارض مقدسہ کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد طور اور اس کے ارد گرد کی زمین ہے۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد شام ہے۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد اریحا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دمشق' فلسطین اور اردن کا بعض علاقہ ہے۔

امام ابو جعفر طبری نے کہا ہے کہ ارض مقدسہ کو عموم اور اطلاق پر رکھنا چاہیے اور اس کو کسی علاقہ کے ساتھ خاص نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ بغیر کسی حدیث کے ارض مقدسہ کی تعیین جائز نہیں ہے اور اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے کہا ہے' کہ اس سے مراد سرزمین فلسطین ہے۔ اس کو مقدس اس لیے فرمایا ہے کہ یہ جگہ شرک سے پاک ہے' کیونکہ یہ جگہ انبیاء علیہم السلام کا مسکن ہے' یا اس لیے کہ اس جگہ عبادت کرنے سے انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: کہ اللہ نے تمہارے لیے یہ زمین لکھ دی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس سورت کی آیت ٢٦ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی تو جب اللہ تعالیٰ نے یہ سرزمین ان کے لیے لکھ دی تھی تو وہ چالیس سال تک ان پر حرام کیسے ہو گئی؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جواب ہیں:

١- اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انجام کار یہ سرزمین بنو اسرائیل کے لیے لکھ دی گئی ہے۔

٢- اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جن یہودیوں کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا' ان کے لیے یہ سرزمین لکھ دی گئی ہے اور چالیس سال تک ان ہی لوگوں پر اس میں داخل ہونا حرام فرمایا۔

٣- اس آیت میں اگرچہ عمومی طور پر بنو اسرائیل کا ذکر ہے' مگر اس سے مراد خاص شخص ہیں۔ یوشع اور کالب جو ارض مقدسہ میں داخل ہو گئے تھے اور باقی بنو اسرائیل جو بزدلی کی وجہ سے اس سرزمین میں داخل نہیں ہوئے۔ ان پر چالیس سال تک اس میں دخول کو حرام قرار دے دیا۔

٤- بنو اسرائیل کے لیے لکھنے سے مراد یہ ہے کہ ان پر اس میں داخل ہونے کو فرض کر دیا تھا' اور جب وہ داخل نہیں ہوئے تو بطور سزا' ان پر چالیس سال تک اس میں دخول کو حرام فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے موسیٰ! اس سرزمین میں تو بہت بڑے بڑے جسموں والے لوگ ہیں اور ہم اس زمین میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس زمین سے نکل نہ جائیں' پھر اگر وہ اس سے نکل گئے تو ہم ضرور اس میں داخل ہوں گے۔ (المائدہ: ٢٢)

جبارین کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور اس کی یہ وجہ بیان کی اس جگہ جبارین رہتے ہیں' جن سے ہم لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کو جبارین اس لیے کہا: کہ ان کے جسم بہت بڑے بڑے تھے۔ اصل میں جبار اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اور دوسروں کے معاملات کی اصلاح کرنے والا ہو۔ پھر اس کے استعمال میں وسعت ہوئی اور ہر اس شخص کو جبار کہا جانے لگا جو زور اور طاقت سے نفع حاصل کرے' خواہ وہ اس کا حق ہو یا نہ ہو۔

امام ابو جعفر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جبارین کے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ حضرت موسیٰ روانہ ہوئے' حتیٰ کہ اس شہر کے قریب پہنچ گئے' اس شہر کا نام اریحا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل کے ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی کو چن لیا اور ان بارہ آدمیوں کو جبارین کی جاسوسی کے لیے ان کے شہر بھیجا' جب وہ لوگ اس شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے غیر معمولی جسامت والے انسان دیکھے۔ وہ ان میں سے کسی کے باغ میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا: کہ باغ والا اپنے باغ سے پھل توڑ رہا ہے' اس نے ان جاسوسوں کو دیکھ لیا۔ اس نے ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کر اپنی آستین میں ڈال لیا' پھر ان کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گیا اور آستین سے نکال کر ان کو زمین پر ڈال دیا' بادشاہ نے ان سے کہا: تم نے ہماری جسامت اور طاقت کا حال دیکھ لیا ہے' جاؤ جا کر اپنے سردار کو مطلع کر دو۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٢٣٨-٢٣٧' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ ہم اس زمین میں داخل ہوں گے اور ان لوگوں پر

غالب ہوں گے۔ پھر ان جاسوسوں نے آکر بیان کیا کہ ان جبارین کے بہت بڑے بڑے جسم ہیں اور وہ بہت زور والے ہیں' ہم تو ان کی نظروں میں ٹڈوں کی طرح ہیں' یہ سن کر بنو اسرائیل آہ و بکا کرنے لگے۔ افسوس! ہم یہاں کیوں آگئے۔ کاش! ہم مصر ہی میں رہتے اور انہوں نے جبارین کے ساتھ لڑنے سے صاف انکار کر دیا۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٢٣٩' مطبوعہ بیروت' ١٤١٥ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا کہ تم دروازہ سے ان پر داخل ہو جاؤ' جب تم دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو بے شک تم ہی غالب رہو گے۔ (المائدہ: ٢٣)

مجاہد نے بیان کیا ہے یہ دو آدمی یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا تھے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ جاسوسوں سے عہد لیا تھا کہ جبارین کا حال صرف مجھے بتانا' قوم کو نہ بتانا' تو اس عہد کو ان دو نے پورا کیا تھا۔ باقی نے نہیں کیا' اور قوم کے سامنے جبارین کی غیر معمولی جسامت کو بیان کر دیا۔ اسی وجہ سے قوم نے بزدلی دکھائی اور یہی دو شخص اللہ سے ڈرنے والے تھے' اور حضرت موسیٰ پر کامل ایمان لانے والے تھے۔ انہوں نے قوم کو حضرت موسیٰ کی اطاعت کرنے اور جبارین کے خلاف جہاد کرنے کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ تم اللہ پر توکل کر کے ان پر حملہ کر دو' اور دروازہ سے داخل ہو جاؤ' تم ہی کامیاب رہو گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے' جب تک کہ وہ اس میں ہیں سو آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں (ان سے) جنگ کریں بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

(المائدہ: ٢٤)

فاذھب انت وربک میں بنو اسرائیل کے کفر اور فسق کی وجوہات

بنو اسرائیل کا یہ کہنا کہ جب تک کہ جبارین اس زمین میں ہیں' ہم اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے۔ جہاد کے حکم سے عناداً انکار کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مایوس ہونا ہے' اور انہوں نے جو یہ کہا کہ تم اور تمہارا رب جاؤ اور جا کر لڑو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے صریح جہالت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ آنے جانے اور منتقل ہونے سے منزہ ہے' اور ان کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشبہہ کی طرح اللہ کی جسمیت کے قائل تھے۔ حسن بصری نے کہا اس وجہ سے ان کا یہ قول کفر ہے اور اگر ان کے قول کا یہ مطلب ہو کہ اگر آپ رسول برحق ہیں' تو ہماری بہ نسبت اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس لیے اللہ کی نصرت پر توکل کر کے آپ ہی جا کر ان سے لڑیں' تب بھی یہ قول کفر ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں شک کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے قول میں رب سے مراد حضرت ہارون ہیں۔ کیونکہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے بڑے تھے' اور حضرت موسیٰ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ تب بھی ان کے اس قول کے فسق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت میں ان کو فاسق ہی فرمایا ہے۔ یہ یہودیوں کا اپنے نبی کے ساتھ سلوک تھا' اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا اپنے نبی ﷺ کے ساتھ معاملہ دیکھئے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن حضرت مقداد نے کہا یا رسول اللہ! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا سو آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں (ان سے) جنگ کریں' بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے لیکن آپ چلیے' ہم آپ کے ساتھ رہیں گے تو گویا رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے پریشانی کا بادل

چھٹ گیا۔ (ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت مقداد سے سن کر دوسرے صحابہ بھی اسی طرح کہنے لگے)

(صحیح البخاری' ج ٦' رقم الحدیث: ۴۶۰۹' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۹۸' جامع البیان' ج ٦' ص ۲۴۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بے شک میں صرف اپنے آپ کا اور اپنے بھائی کا مالک ہوں تو ہمارے اور فاسق لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔ (المائدہ: ۲۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنے اور فاسق لوگوں کے درمیان فیصلہ کی دعا کی تھی' اس کے دو محمل ہیں:

۱- چونکہ وہ حق سے دور چلے گئے تھے اور نافرمانی کر کے راہ راست سے ہٹ گئے تھے اور اسی وجہ سے ان کو میدان تیہ میں بھٹکنے کی سزا دی گئی تھی۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی' کہ ان کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے۔

۲- ان کو ہم سے الگ اور متمیز کر دیا جائے اور ان کو دی جانے والی سزا کے ساتھ ہمیں لاحق نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ نے) فرمایا: یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی' یہ زمین میں بھٹکتے پھریں گے' سو آپ ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کریں۔ (المائدہ: ۲۶)

میدان تیہ میں بنو اسرائیل کا بھٹکنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان نافرمان یہودیوں کو چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکنے کی سزا دی۔ تیہ کا لغوی معنی ہے حیرت' وہ میدان چھ فرسخ کا تھا' یعنی اٹھارہ شرعی میل اور ستائیس انگریزی میل کا۔ وہ دن رات چلتے رہتے تھے' لیکن اس میدان کو قطع نہیں کر پاتے تھے' وہ صبح کو جہاں سے چلنا شروع کرتے' شام کو پھر وہیں پہنچ جاتے تھے اور شام کو جہاں سے چلتے تھے' صبح پھر وہیں پہنچ جاتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام انکے ساتھ تھے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ انکے ساتھ نہیں تھے' کیونکہ میدان تیہ میں ہونا ان کیلئے سزا تھا۔ انہوں نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی تھی' تو ایک دن کے مقابلہ میں ایک سال انکی سزا مقرر کی گئی' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ ہم میں اور ان فاسقوں میں فیصلہ یا علیحدگی کر دے۔ اسکا بھی تقاضا ہے کہ وہ انکے ساتھ نہ ہوتے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ انکے ساتھ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ امر آسان کر دیا تھا' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی کر دی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ میں داخلہ کو ان لوگوں پر حرام کر دیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ لوگ ارض مقدسہ میں داخل نہیں ہو سکے۔ البتہ ان کی اولاد داخل ہوئی اور یوشع اور کالب داخل ہوئے' کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا تھا' اور وہ جبارین سے جنگ کے لیے تیار تھے۔ حضرت یوشع ان کی اولاد کو ساتھ لے کر ارض مقدسہ میں داخل ہوئے اور اس کو فتح کر لیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بیس سال سے زیادہ عمر کا جو شخص بھی میدان تیہ میں داخل ہوا' وہ مر گیا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بھی تیہ میں فوت ہو گئے۔ پہلے حضرت ہارون فوت ہوئے' حضرت یوشع ان یہودیوں کی اولاد کے ساتھ ارض مقدسہ پر حملہ آور ہوئے' جبارین سے مقابلہ کیا اور اس شہر کو فتح کر لیا۔

(جامع البیان' جز ۳' ص ۲۴۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت یوشع کے لیے سورج کو ٹھہرانا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کو نبوت عطا کی اور ان کو جبارین سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ اسی مقابلہ میں سورج کو ٹھہرا دیا گیا' حتیٰ کہ وہ شہر میں داخل ہو گئے اور اسی جنگ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص کی خیانت کی وجہ سے آگ نے مال غنیمت کو نہیں جلایا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس حدیث میں ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء (سابقین) میں سے ایک نبی نے جہاد کیا اور اپنی قوم سے یہ کہا کہ جس شخص نے ابھی نکاح کیا ہو اور اس نے ہنوز شب زفاف نہ گزاری ہو اور وہ یہ عمل کرنا چاہتا ہو' وہ میرے ساتھ نہ جائے' اور نہ وہ شخص جائے جس نے مکان بنایا ہو اور اس نے ہنوز چھت بلند نہ کی ہو' اور نہ وہ شخص جائے جس نے بکریاں اور گابھن اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ دینے کا منتظر ہو۔ پھر اس نبی (علیہ السلام) نے جہاد کیا اور عصر کی نماز کے وقت' یا اس کے قریب وہ ایک دیہات میں پہنچے تو انہوں نے سورج سے کہا: تم بھی حکم الٰہی کے ماتحت ہو' اور میں بھی حکم الٰہی کے ماتحت ہوں۔ اے اللہ! اس سورج کو تھوڑی دیر میری خاطر روک دے' پھر سورج روک دیا گیا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا کی۔ آپ نے فرمایا پھر انہوں نے مال غنیمت جمع کیا' پھر اس مال کو کھانے کے لیے ایک آگ آئی' لیکن اس نے مال کو نہ کھایا۔ اس نبی نے فرمایا تم میں سے کسی شخص نے خیانت کی ہے' سو ہر قبیلہ کا ایک شخص مجھ سے بیعت کرے' پھر سب نے بیعت کی اور ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ نبی نے فرمایا خیانت کرنے والا تمہارے قبیلہ میں ہے۔ لہٰذا اب تمہارا پورا قبیلہ میری بیعت کرے' انہوں نے بیعت کی' آپ نے فرمایا پھر دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ پیغمبر کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ نبی نے فرمایا تمہارے اندر خیانت ہے۔ بالآخر وہ گائے کے سر کے برابر سونا نکال کر لائے۔ نبی نے فرمایا اس کو مال غنیمت میں اونچی جگہ پر رکھ دو۔ پھر آگ نے آ کر اس مال کو کھا لیا (آپ نے فرمایا) سو ہم سے پہلے کسی کے لیے بھی مال غنیمت حلال نہیں تھا' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضعف اور عجز دیکھا تو ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔

(صحیح مسلم' ج ٣' رقم الحدیث: ١٧٤٧' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج کو لوٹانا

اس حدیث میں حضرت یوشع بن نون کے لیے غروب سے پہلے سورج کے ٹھہرانے کا ذکر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب کے بعد سورج کو لوٹا دیا تھا۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جا رہی تھی اور ان کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز نہیں پڑھی' حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! بے شک علی تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھے' تو ان پر سورج لوٹا دے۔ حضرت اسماء نے کہا: میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا تھا اور پھر غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو گیا۔

(المعجم الکبیر' ج ٢٤' رقم الحدیث: ٣٩٠' ص ١٥٢-١٥٠' مشکل الآثار' للطحاوی' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٨٥٠' ص ٣٦٨' مختصر تاریخ دمشق' ج ١٧' ص ٣٧٨' سبل الھدیٰ والرشاد' ج ٩' ص ٤٣٩-٤٣٥' التذکرہ' ص ١٧' شرح مشکل الآثار للطحاوی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٠٦٨-١٠٦٧)

امام ابوجعفر طحاوی متوفی ٣٢١ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث نبوت کی عظیم علامتوں میں سے ہے۔ کیونکہ حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اپنے آپ کو پابند

رکھا۔ اس لیے آپ نے ان کے لیے سورج لوٹانے کی دعا کی۔ اس سے نماز عصر کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔

(شرح مشکل الآثار ج ٣ ص ٩٨-٩٧ مطبوعہ موسسہ الرسالہ بیروت)

حدیث رد شمس کی سند کی تحقیق

ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ابن تیمیہ' ابن القیم' ذہبی' ابن کثیر اور ابن حزم کی بھی یہی رائے ہے۔ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ' حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابوسعید خدری سے بھی مروی ہے۔ امام ابوالحسن فضلی متوفی ٧٠٤ھ نے اس حدیث کی تمام اسانید کو جمع کیا ہے اور ایک رسالہ لکھا ہے "تصحیح حدیث رد الشمس" اور امام سیوطی نے ایک رسالہ لکھا ہے "کشف اللبس عن حدیث الشمس" اور امام محمد بن یوسف دمشقی نے ایک رسالہ لکھا ہے "مزیل اللبس عن حدیث رد الشمس"۔

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی متوفی ٩٠٢ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے متعلق امام احمد نے کہا اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے ان کی پیروی کر کے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے۔ لیکن امام طحاوی اور صاحب الشفاء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے اس کو اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے' اور امام ابن مردویہ نے اس کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے اس دن سورج کو لوٹایا' جس دن آپ نے اس قافلہ کے آنے کی خبر دی تھی۔ جس کو آپ نے شب معراج دیکھا تھا' اس روز دن غروب ہو رہا تھا اور ابھی تک قافلہ نہیں آیا تھا' تو نبی ﷺ کیلئے ایک ساعت سورج کو روک دیا گیا (الخ)

(المقاصد الحسنہ' ص ٢٣٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٠٧ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق کی مغازی میں ہے کہ نبی ﷺ نے واقعہ معراج کی صبح کو جب کفار قریش کو یہ خبر دی کہ آپ نے انکا قافلہ دیکھا ہے اور وہ طلوع آفتاب کے ساتھ آجائے گا' پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' حتیٰ کہ قافلہ آنے تک سورج ٹھہرا رہا۔ یہ حدیث منقطع ہے' لیکن امام طبرانی کی اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورج کو حکم دیا تو وہ کچھ دیر متاخر ہو گیا۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور مسند احمد میں جو روایت ہے کہ حضرت یوشع کے سوا اور کسی کیلئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا' اسکا مطلب یہ ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اور کسی کیلئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اور اس حدیث میں اس بات کی نفی نہیں ہے کہ حضرت یوشع کے بعد نبی ﷺ کیلئے سورج ٹھہرایا گیا ہو اور امام طحاوی' امام طبرانی' امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی کے زانو پر سر رکھ کر نبی ﷺ سو گئے اور حضرت علی کی نماز عصر فوت ہو گئی' تو سورج لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی نے نماز پڑھ لی' اور اسکے بعد سورج غروب ہو گیا اور یہ آپکا بہت عظیم معجزہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دینے میں خطا کی ہے۔ واللہ اعلم۔

البتہ! قاضی عیاض نے جو یہ نقل کیا ہے کہ یوم خندق کو بھی نبی ﷺ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا تھا' حتیٰ کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اگر یہ ثابت ہو تو پھر یہ آپ کے لیے رد شمس کا تیسرا واقعہ ہے۔

(فتح الباری' ج ٦' ص ٢٢٢-٢٢١' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ١٤٠١ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ابن جوزی کا رد کیا ہے۔

(عمدۃ القاری' ج ١٥' ص ٤٣' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ١٣٤٨ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الجوزی نے ابن عقدہ کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع لکھا ہے' کیونکہ وہ رافضی تھا اور صحابہ کو برا کہتا تھا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ محض کسی راوی کے رافضی یا خارجی ہونے کی وجہ سے اس کی روایت کے موضوع ہونے کا یقین کر لینا صحیح نہیں ہے' جبکہ وہ اپنے دین کے لحاظ سے ثقہ ہو اور غالباً اسی وجہ سے امام طحاوی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اصل چیز راوی کی عدالت ہے۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض' ج ۳' ص ۱۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

خاتم الحفاظ حافظ سیوطی اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات کا اکثر حصہ مردود ہے' حتی کہ انہوں نے بکثرت احادیث صحیحہ کو بھی موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ امام ابن الصلاح نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی متعدد اسانید ہیں' جو اس کی صحت اور صدق پر شاہد ہیں' اور ان سے پہلے بکثرت ائمہ حدیث نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً امام طحاوی' امام ابن شاہین اور امام ابن مندہ اور انہوں نے اس کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اور امام طبرانی نے اس کو اپنی معجم میں روایت کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے۔

(نسیم الریاض' ج ۳' ص ۱۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام طبرانی نے اس حدیث کو کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کو ٹھہرنے کا حکم دیا' تو وہ ایک ساعت ٹھہر گیا۔ (المعجم الاوسط' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۰۵۱) اس حدیث کی سند حسن ہے اور ایک حدیث کی سند صحیح ہے۔ وہ ابراہیم بن حسن سے مروی ہے اور وہ ثقہ راوی ہے۔ امام ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (ہم نے اس روایت کو درج کیا ہے)

(المعجم الکبیر' ج ۲۴' رقم الحدیث: ۳۹۰' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۹۷-۲۹۶' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد عجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور علامہ ابن الجوزی نے کہا یہ موضوع ہے' لیکن ان کی خطا ہے۔ اسی وجہ سے حافظ سیوطی نے کہا اس حدیث کو امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے اور ان دونوں حدیثوں کی سند حسن ہے اور امام طحاوی اور قاضی عیاض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام حاکم نے اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے کہا احمد بن صالح کہتے تھے کہ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو حضرت اسماء بنت عمیس کی اس حدیث کو نہیں چھوڑنا چاہیے' کیونکہ وہ نبوت کی بہت بڑی علامت ہے۔ یہ حدیث متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن جوزی نے جو اس پر کلام کیا ہے' اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

(کشف الخفاء و مزیل الالباس' ج ۱' ص ۲۲۰' مطبوعہ مکتبہ الغزالی' دمشق)

اس حدیث پر مزید بحث و تمحیص ہم نے شرح صحیح مسلم جلد خامس میں بیان کر دی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ

اور آپ ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر حق کے ساتھ تلاوت کیجیے' جب (ان) دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی (قربانی)

مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ

قبول کی گئی اور دوسرے کی نہیں قبول کی گئی، اس (دوسرے) نے کہا میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا، اس

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ يَدَكَ

نے کہا اللہ صرف متقین لوگوں سے قبول فرماتا ہے ○ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری

لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِیَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ

طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں، میں اللہ سے ڈرتا

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّیْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ

ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے ○ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ہی ذمہ ہو اور

فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ

تو جہنمیوں سے ہو جائے اور یہی ظالموں کی سزا ہے ○ تو اس نے اپنے

لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾

بھائی کے قتل کا منصوبہ بنایا سو اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا ○

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِیْ

پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا تاکہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی

سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا

کی لاش چھپائے، اس نے کہا ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی

الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾

لاش چھپا دیتا، پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا ○

النصف

معٰ

ربط آیات اور مناسبت

یہود اپنے حسد اور بغض کی وجہ سے نبی ﷺ کے ساتھ جو ظالمانہ کارروائی کرتے تھے اور موقع بہ موقع آپ کو آزار پہنچانے کی تگ و دو میں لگے رہتے تھے' اور تورات کے ضمن میں انہوں نے آپ پر ایمان لانے کا جو عہد و میثاق کیا تھا' اس کو توڑ

چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تسلی دینے کے لیے اس سے پہلی آیتوں میں یہود کی عہد شکنیوں کو بیان فرمایا کہ یہود نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے توڑ دیا' اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد کر کے اس کو توڑا۔ اب اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرما رہا ہے کہ جس طرح یہود نے حسد کی وجہ سے آپ کی نبوت کو نہیں مانا' اور آپ کی مخالفت کی' اس طرح آدم کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے قابیل نے حسد کی وجہ سے ان کے دوسرے بیٹے ہابیل کو قتل کر دیا۔

قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے کی تفصیل

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم کے ہاں جب اولاد ہوتی تو ایک ساتھ ایک بچہ اور بچی پیدا ہوتی۔ ایک حمل سے جو لڑکا پیدا ہوتا اس کا نکاح وہ دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ کر دیتے اور اس حمل کی لڑکی سے دوسرے حمل کے لڑکے کا نکاح کر دیتے' حتیٰ کہ ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے' قابیل اور ہابیل۔ قابیل زراعت کرتا تھا اور ہابیل مویشی پالتا تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی تھی' وہ اس لڑکی سے بہت خوبصورت تھی جو ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی' قابیل بڑا تھا اور ہابیل چھوٹے تھے۔ قاعدہ کے مطابق ہابیل نے قابیل کی بہن سے نکاح کرنا چاہا' لیکن قابیل نے انکار کیا۔ اس نے کہا یہ میری بہن ہے اور میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اور یہ تمہاری بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس سے نکاح کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے' قابیل نے کہا ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور تم دونوں زمین پر پیدا ہوئے ہو اور میں اپنی بہن کا زیادہ حقدار ہوں۔ حضرت آدم نے فرمایا اے میرے بیٹے! یہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے' قابیل نے حضرت آدم کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تب حضرت آدم نے فرمایا اے میرے بیٹو! تم دونوں قربانی پیش کرو' تم میں سے جس کی قربانی قبول ہو گئی' وہ اس کے ساتھ نکاح کا حقدار ہو گا؟ ہابیل نے ایک کنواری بکری کی قربانی پیش کی اور قابیل نے گندم کی قربانی پیش کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک سفید آگ کو بھیجا اس نے ہابیل کی قربانی کو کھالیا اور قابیل کی قربانی کو ترک کر دیا۔ اس پر قابیل غضب ناک ہو گیا اور ہابیل سے کہا: میں تم کو ضرور قتل کر دوں گا۔ ورنہ تم میری بہن سے نکاح نہ کرنا' ہابیل نے کہا اللہ تعالیٰ متقین سے قربانی کو قبول کرتا ہے۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ٢٥٧-٢٥٦)

متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈر کر ان فرائض کو ادا کرتے ہیں جن کا اللہ نے ان کو مکلف کیا ہے' اور جن کاموں سے اللہ نے منع کیا ہے' ان سے باز رہتے ہیں۔

ہابیل نے کہا اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو اور جمہور مفسرین نے کہا ہے کہ ہابیل' قابیل سے زیادہ طاقتور تھے' لیکن انہوں نے گناہ سے بچنے کے لیے مقابلہ نہیں کیا۔ انہوں نے کسی موحد سے قتال کرنے میں حرج سمجھا اور ظلم سہنے پر راضی ہو گئے تا کہ ان کو آخرت میں جزا دی جائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا تھا' جب کہ کسی انسان کا اپنے نفس کے لیے مدافعت کرنا جائز ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ہابیل سوئے ہوئے تھے۔ قابیل نے ایک بھاری پتھر مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ٣' ص ٩٩' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ہابیل نے کہا) میں چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ہی ذمہ لگے (المائدہ: ٢٩)

ہابیل کے اس قول کی توجیہ کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ذمہ لگے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اس شخص (حضرت علی) کی مدد کے لیے روانہ ہوا' میری حضرت ابوبکرہ سے ملاقات ہوئی' انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں اس شخص کی مدد کے لیے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا واپس جاؤ' کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان تلواروں سے مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے' مقتول کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی تو اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۱)

گویا کہ ہابیل نے یہ ارادہ کیا کہ میں تمہارے قتل پر حریص نہیں ہوں۔ پس وہ گناہ جو میرے حریص ہونے کی صورت میں مجھے لاحق ہوتا' میرا ارادہ ہے کہ وہ بھی تم کو لاحق ہو' کیونکہ صرف تم میرے قتل پر حریص ہو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے کہا ہم میں مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ پیسے ہوں اور نہ سامان ہو۔ آپ نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نمازیں' روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے اور اس نے کسی کو گالی دی ہو' کسی پر تہمت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون بہایا ہو' اور کسی کو مارا ہو تو اس کو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا' اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔
(صحیح مسلم' رقم الحدیث المسلسل ۲۵۸۱' رقم الحدیث الکتاب ۵۹)

اس حدیث کے اعتبار سے ہابیل کے قول کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تم مجھے قتل کردو گے تو تمہاری نیکیاں مجھے مل جائیں گی' اور پھر بھی حق پورا نہ ہوا تو میرے گناہ تم پر ڈال دیئے جائیں گے' سو تم میرے اور اپنے گناہوں کے ساتھ لوٹو گے اور دوزخ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ (العنکبوت: ۱۳)

اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی اور بوجھ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا' تو اس کے خون (کے گناہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہو گا' کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔
(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۳۳۵' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۶۷۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۳۹۹۶' سنن ابن ماجہ' ۲۶۱۶' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۳۰' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۱۸۷۱۸' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۹' ص ۳۶۳' سنن کبریٰ' ج ۸' ص ۱۵)

ابوالحسن بن کیسان سے سوال کیا گیا ایک مسلمان یہ ارادہ کس طرح کر سکتا ہے کہ اس کا بھائی گنہ گار ہو اور دوزخ میں داخل ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہابیل نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا جب قابیل ان کی طرف قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ پھر ان سے سوال کیا گیا ہابیل نے یہ کیسے کہا: میرے گناہ اور تمہارے گناہ' جبکہ انہیں ظلماً قتل کیا گیا تھا اور انہوں نے گناہ نہیں کیا تھا؟ انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ میرے قتل کا گناہ اور تمہارا وہ گناہ جس کی وجہ سے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی' تم

ان دونوں گناہوں کا بوجھ اٹھاؤ گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تم مجھ کو قتل کرنے کا گناہ اٹھاؤ گے اور مجھ پر زیادتی کرنے کا گناہ اٹھاؤ گے۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج ٣' ص ٩٣' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو اس نے اپنے بھائی کے قتل کا منصوبہ بنالیا' سو اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا (المائدہ: ٣٠)

قابیل کے قتل کرنے کی کیفیت

امام ابن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے بیان کیا کہ جس وقت ہابیل بکریاں چرا رہے تھے تو قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ قابیل' ہابیل کے پاس گیا اور اس کو یہ سمجھ نہیں آسکا کہ وہ اس کو کس طرح قتل کرے۔ اس نے ہابیل کی گردن مروڑی اور اس کے سر کے بالوں کو پکڑ لیا' تب شیطان آیا' اس نے کسی جانور یا پرندے کو پکڑا' اس کا سر ایک پتھر پر رکھا' پھر دوسرا پتھر اس کے سر پر دے مارا' قابیل دیکھ رہا تھا' اس نے بھی اسی طرح ہابیل کو قتل کر دیا۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ خبر نہیں دی کہ اس نے کس کیفیت سے قتل کیا اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کیفیت کا بیان فرمایا' سو ہمیں اتنا ہی یقین رکھنا چاہیے جتنا رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے۔ (جامع البیان' جز ٦' ص ٣١-٣٠' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

ہر نیک اور بد کام کے ایجاد کرنے والوں کو بعد والوں کے عمل سے حصہ ملتا رہتا ہے

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا' تو اس کے خون (کے گناہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہوگا' کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو شخص کسی برائی کا موجد ہو تو قیامت تک اس برائی کرنے والوں کے گناہ میں اس کا بھی حصہ ہوگا' اسی طرح شیطان وہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ حضرت آدم پر حسد کیا اور اللہ کے سامنے تکبر کیا' تو قیامت تک نافرمانی کرنے والوں اور حسد اور تکبر کرنے والوں کے گناہوں میں شیطان کا بھی حصہ ہوگا۔ اسی طرح جو شخص دین میں کسی بدعت سیئہ کو نکالے' جیسے رافضیوں نے صحابہ کو برا کہنے اور ماتم کرنے کو ایجاد کیا اور اس کو دین میں داخل کرلیا اور کار ثواب قرار دیا' ان کا بھی یہی حال ہے اور جس نے اسلام میں کسی اچھے اور پسندیدہ طریقہ کی ابتداء کی' تو قیامت تک اس نیک کام کرنے والوں کی نیکیوں میں اس کا حصہ ہوگا۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی تمام راتوں میں باجماعت تراویح کی ابتداء کی اور اس میں قرآن مجید پڑھوانے کا اہتمام کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطیب کے سامنے دی جانے والی اذان سے پہلے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے ایک اور اذان کا اضافہ کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسجد میں محراب بنانے کی ابتداء کی۔ حجاج بن یوسف نے قرآن مجید پر اعراب لگائے۔ مروجہ محفل میلاد کی ابتداء اربل کے بادشاہ ابو سعید مظفر متوفی ٦٣٠ھ نے کی' اور اذانوں کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام پڑھنے کی ابتداء ٧٨١ھ میں سلطان صلاح الدین ابو المظفر یوسف بن ایوب کے امر سے ہوئی۔ اس سے پہلے ایک بادشاہ کے بھانجہ پر سلام پڑھا جاتا تھا' السلام علی الامام الظاھر۔ سلطان ابو المظفر نے یہ سلسلہ موقوف کرایا' اور نبی ﷺ پر صلوۃ وسلام پڑھنے کے طریقہ کو شروع کرایا۔ علامہ سخاوی' علامہ ابن حجر مکی' علامہ علاء الدین حصکفی' علامہ طحطاوی اور شامی نے اس کو بدعت حسنہ قرار دیا۔ یہ تمام نیکی کے کام ہیں اور ہر نیکی ایجاد کرنے والوں کو قیامت تک کی جانے والی نیکیوں اور ہر برائی ایجاد کرنے والے کو قیامت تک کی جانے والی برائیوں میں سے اپنا اپنا حصہ ملتا رہے گا' حدیث میں ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اسلام میں نیک طریقہ ایجاد کیا اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا' اس کے لیے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل اجر لکھا جائے گا' اور ان کے اجروں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی' اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا' اس کے لیے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل گناہ لکھا جائے گا اور ان کے گناہوں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۷۴' ۲۶۷۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۶۰۹' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۶۸۳' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۰۷' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۵۰۷' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۹۰۵۷' ج ۹' رقم الحدیث: ۱۰۵۰۴' تحقیق احمد شاکر' سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۱۳)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ نصیحت کی مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے' وہ گمراہ کرنے والے ائمہ ہیں۔

(مسند احمد' ص ۴۴۱' طبع قدیم' بیروت' علامہ احمد شاکر نے کہا' اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۱۸' رقم الحدیث: ۲۷۳۵۸' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ)

تاہم ہر برائی کی ابتداء کرنے والے کو بعد کے عمل کرنے والوں کی مثل گناہ اس وقت ہوگا جب وہ اس گناہ سے توبہ نہ کرے' اور اگر وہ اس گناہ سے توبہ کرلے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود انسانوں میں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی' کیونکہ قرآن مجید نے خود شہادت دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تھے۔ "فنسی ولم نجد له عزما" (طٰہٰ: ۱۱۵) "سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کی نافرمانی کا قصد نہیں پایا" اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کرلی تھی اور بھولنے والے اور توبہ کرنے والے سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ البتہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے توبہ کرنے والے ہیں اور بعد کے تائبین کے عمل سے ان کو حصہ ملتا رہے گا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسد بہت سنگین نفسانی مرض ہے۔ اس حسد کی وجہ سے قابیل نے ہابیل کے ساتھ خونی رشتہ کا لحاظ نہیں کیا اور اپنے سگے بھائی کو قتل کردیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا' تاکہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش چھپائے۔ اس نے کہا ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہوگیا۔ (المائدہ: ۳۱)

قابیل کا انجام

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قابیل ہابیل کو ایک جراب (چرمی تھیلا) میں ڈال کر ایک سال تک اپنے کندھے پر اٹھائے پھرتا رہا' اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس لاش سے کس طرح گلو خلاصی حاصل کرے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا' پھر اس نے زمین میں اس مردہ کوے کو دفن کردیا۔ تب اس نے کہا

ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہیں ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔
(جامع البیان ' ج ٦ ' ص ۲٦۸ ' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ٦٦۸ھ لکھتے ہیں:

قابیل کا پچھتانا اس کی توبہ نہیں تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اس پر افسوس کر رہا تھا کہ اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا تھا ' اس کے قتل کرنے پر افسوس نہیں کیا تھا ' حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر وہ اس کے قتل پر نادم ہوتا تو یہ ندامت توبہ ہو جاتی ' وہ اس وجہ سے نادم تھا کہ اس قتل سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا ' ماں باپ ' بہن اور بھائی ناراض ہوئے اور مقصود حاصل نہ ہوا ' یا اس وجہ سے کہ ایک سال تک بھائی کی لاش دفن نہ ہو سکی۔

روایت ہے کہ حضرت آدم اور حواء ہابیل کی قبر پر گئے اور کئی دن تک روتے رہے ' پھر قابیل ایک پہاڑ کی چوٹی پر گیا ' وہاں ایک بیل نے اس کو سینگھ مار کر نیچے گرا دیا اور وہ مر گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے خلاف دعا کی ' تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ہابیل کو قتل کرنے کے بعد جنگلوں میں چلا گیا ' وہ کسی جانور کو بلندی سے زمین پر گرا دیتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کو کھا لیتا ' چوٹ کھانے سے مرا ہوا جانور اس دن سے حرام کر دیا گیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا بنو آدم میں سے سب سے پہلے جہنم میں جانے والا قابیل ہے۔ اس ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو آدم میں جو شخص سب سے پہلے فوت ہوا ' وہ ہابیل تھا۔ اسی وجہ سے قابیل اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا۔
(الجامع لاحکام القرآن ' ج ۳ ' ص ۹۷ ' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حسد سب سے بڑی خرابی اور بہت بڑا جرم ہے۔ قابیل نے اس حسد کی آگ کی وجہ سے اپنے سگے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ (آیت ۲۹) میں ہے ' ہابیل نے قابیل سے کہا اور تو جہنمیوں سے ہو جائے اور یہ ظالموں کی سزا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قابیل معذب ہو گا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ ظالم تھا ' کافر نہیں تھا۔ آیت ۲۸-۲۷ میں ' ہابیل نے قابیل کو قتل کرنے سے باز رہنے کے تین محرکات بیان کیے۔ اول: یہ کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں ' ثانی: یہ کہ قتل کرنے سے پہلے اور قتل کے گناہ قابیل کے ذمہ لگیں اور وہ دوزخ کا سزاوار ہو ' اور ثالث: یہ کہ وہ ظلم کرنا نہیں چاہتے۔ سو جو شخص بھی کسی گناہ سے باز رہنا چاہے ' اس کو گناہ سے باز رکھنے کے یہی تین محرکات ہوں گے۔ خوف خدا ' دوزخ کی سزا اور ارتکاب ظلم سے بچنا۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ

اسی وجہ سے ہم نے بنو اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے بغیر جان کے بدلہ کے یا

قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا

زمین میں فساد پھیلانے کے لیے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں

قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ

کو قتل کیا ، اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچا لیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ

بچا لیا، اور بیشک ان کے پاس ہمارے رسول روشن معجزات لے کر آئے، پھر اس کے باوجود ان میں سے

بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِينَ

بہت سے زمین میں یقیناً حد سے بڑھنے والے تھے ○ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول

يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا

سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر

اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ

قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے

خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۚ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا

کاٹ دیے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے، یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور

وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ اِلَّا الَّذِينَ تَابُوْا مِنْ

آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○ ماسوا ان لوگوں کے جنھوں نے تمہارے

قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾

ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کر لی سو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی وجہ سے ہم نے بنو اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے بغیر جان کے بدلہ کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے کسی شخص کو قتل کیا' تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا' اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچالیا' تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچالیا۔ (المائدہ: ۳۲)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ قابیل اور ہابیل کے قصہ میں اور بنو اسرائیل پر قصاص کے وجوب میں کیا مناسبت ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ قابیل اور ہابیل کے قصہ سے یہ معلوم ہوا کہ قتل کے فعل میں اللہ تعالیٰ کی شدید نافرمانی اور اس کی ناراضگی ہے۔ نیز اس قصہ سے معلوم ہوا کہ قتل کرنے والا دوزخی ہے۔ نقصان اٹھانے والا ہے اور پچھتانے والا ہے' تو چونکہ قتل کرنا ان خرابیوں کا سبب ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر قتل میں قصاص (بدلہ لینے) کو واجب کر دیا' تاکہ لوگ قتل کرنے سے باز رہیں۔

اس آیت پر دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل سے پہلی امتوں پر بھی قتل کرنا حرام تھا اور ان پر قصاص واجب تھا۔ پھر اس آیت میں بنو اسرائیل کا خصوصیت سے کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی امتوں میں ان کے انبیاء علیہم السلام زبانی وجوب قصاص کا ذکر فرماتے تھے اور بنو اسرائیل میں سب سے پہلے اس حکم کو کتاب میں نازل کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قابیل نے ہابیل کو حسد کی وجہ سے قتل کیا تھا اور بنو اسرائیل میں بھی حسد بہت زیادہ تھا' اور انہوں نے بیشتر قتل حسد کی بناء پر کیے تھے۔ انہوں نے حسد کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا' اور دو مرتبہ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ ایک مرتبہ مدینہ میں جب آپ بنو قینقاع کے پاس ایک مسلمان کی دیت وصول کرنے کے سلسلہ میں گئے تھے' اور دوسری مرتبہ خیبر میں جب ایک یہودی بڑھیا نے آپ کو زہر آلود گوشت کھانے کے لیے دیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ عموماً قتل کا سبب قساوت قلبی' یعنی سنگ دلی اور عدوان اور سرکشی ہوتا ہے اور بنو اسرائیل میں یہ سبب بہ درجہ اتم موجود تھا' حتیٰ کہ انہوں نے متعدد انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کے قتل کے برابر کس طرح ہو گا؟

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد کے قتل کیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ قتل کرنے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ ایک وجہ قصاص ہے' دوسری وجہ کسی کافر کا مسلمان سے جنگ کرنا ہے' تیسری وجہ ارتداد ہے' چوتھی وجہ شادی شدہ کا زنا کرنا ہے' اور پانچویں وجہ زمین میں ڈاکہ ڈالنا ہے۔ پہلی وجہ کا اس آیت میں صراحتاً ذکر ہے اور پانچویں وجہ یعنی ڈاکہ کا اس آیت کے بعد والے حصہ میں تفصیلی بیان آ رہا ہے۔ باقی ماندہ تین وجوہات زمین میں فساد پھیلانے کے ضمن میں آ گئیں۔ اس لیے فرمایا: جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔

اس آیت پر یہ سوال ہے کہ ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کو قتل کرنے کے کیسے مساوی ہو سکتا ہے؟ حتیٰ کہ اس آیت میں ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ مقصود ہے کہ ایک بے قصور انسان کو عمداً قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے' جتنا تمام انسانوں کو قتل کر دینا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کو عمداً قتل کرنے کی سزا جہنم مقرر کی۔ اس پر اپنا غضب نازل کیا اور لعنت کی اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار کیا اور اگر کوئی شخص تمام انسانوں کو قتل کر دیتا' تب بھی اس کی یہی سزا ہوتی۔ نیز اگر تمام انسان کسی ایک بے قصور انسان کے قتل میں عمداً شریک ہوں تو ان سب کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک بے قصور انسان کو عمداً قتل کرنا اتنا سنگین جرم ہے جو تمام انسانوں کو قتل کرنے کے برابر ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص کسی بے قصور انسان کو عمداً قتل کرتا ہے' اس کی طبیعت پر غضب کا غلبہ ہے' اور جو اپنے جوش غضب سے مغلوب ہو کر ایک شخص کو قتل کر سکتا ہے' وہ اس کے بعد دوسرے شخص کو' پھر تیسرے شخص کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض اس کے لیے ممکن ہو تو وہ اپنے جوش غضب میں تمام انسانوں کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ امریکہ کے ایک صدر کے فیصلہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے تھے' جس سے لاکھوں انسان ہلاک ہو گئے۔ اس طرح اب بھی اگر جوش غضب سے مغلوب ہونے والا کوئی امریکی صدر ہو تو اس کے پاس اب ایسے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ہیں جن سے پوری دنیا کو ہلاک اور تباہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک انسان کا تمام انسانوں کو ہلاک کرنا ممکن ہے۔ سو جو شخص جوش غضب سے مغلوب ہو کر ایک بے قصور انسان کو ہلاک کر سکتا ہے' اگر اس کے بس میں ہو تو وہ تمام انسانوں کو بھی ہلاک کر سکتا ہے۔

پھر فرمایا: جس شخص نے ایک انسان کو مرنے سے بچا لیا' اس نے گویا تمام انسانوں کو بچا لیا۔ مثلاً کوئی شخص آگ میں جل رہا

تھا' یا دریا میں ڈوب رہا تھا' یا بھوک سے مر رہا تھا' یا شدید سردی میں ٹھٹھر کر مرنے والا تھا اور کسی انسان نے اس کو اس مصیبت سے نکال کر اس کی جان بچالی' تو اللہ کے نزدیک اس کی یہ نیکی اتنی عظیم ہے جیسے کسی شخص نے تمام انسانوں کو موت کے چنگل سے آزاد کرا لیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں' ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے"

شان نزول

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئے' انہیں وہاں کی آب و ہوا موافق نہیں آئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر تم چاہو تو صدقہ کی اونٹنیوں کی چراگاہ میں جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو' انہوں نے اسی طرح کیا اور تندرست ہو گئے۔ پھر انہوں نے اونٹوں کے چرواہوں پر حملہ کیا اور ان کو قتل کر دیا اور دین اسلام سے مرتد ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ لے کر بھاگ گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے تعاقب میں لوگوں کو بھیجا' ان کو پکڑ کر لایا گیا۔ آپ نے ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کٹوا دیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں اور ان کو تپتے ہوئے میدان میں چھوڑ دیا' حتیٰ کہ وہ مر گئے۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث: ١٦٧١' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ١٥٠١' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٧٢' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٤٣٦٧' سنن نسائی' رقم الحدیث: ٤٠٣٦' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٢٥٧٨' مسند احمد' ج ٣' رقم الحدیث: ١٦٣-١٠٧)

امام رازی شافعی نے اسی آیت کی تفسیر میں چار قول ذکر کیے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت عرینیین کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ابوبرزہ اسلمی کی قوم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ تھا' لوگوں نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت بنو اسرائیل کے قاتلوں اور مفسدوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے' اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ آیت مسلمان ڈاکوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے' اور اکثر فقہائے اسلام کا یہی نظریہ ہے اور اس کے ثبوت میں حسب ذیل دلائل ہیں:

(الف) مرتد کو قتل کرنا' زمین میں فساد کرنے اور اللہ اور رسول سے جنگ کرنے پر موقوف نہیں ہے' جبکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول سے جنگ کرے اور زمین میں فساد کرے' اس کو قتل کیا جائے گا۔

(ب) مرتد کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے اور اس کو شہر بدر کرنے پر اقتصار کرنا کافی نہیں ہے' جبکہ اس آیت کی رو سے یہ جائز ہے۔

(ج) مرتد کو سولی پر چڑھانا مشروع نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مرتد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

(د) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہوں اور زمین میں فساد کرتے ہوں' ان کو یہ سزائیں دی جائیں۔ خواہ وہ لوگ کافر ہوں یا مسلمان' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے' لیکن اہل علم سے مخفی نہیں کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے' خصوصیت مورد کا نہیں ہوتا۔

(تفسیر کبیر' ج ٣' ص ٣٩٦' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٣٩٨ھ)

حرابہ (ڈاکہ) کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں' حرب کا معنی ہے جنگ۔ صلح کی ضد' اور حرب کا معنی ہے کسی انسان کا سارا مال لوٹ لینا اور اس کو بالکل تہی دست چھوڑ دینا۔

(تاج العروس' ج ٣' ص ٣٩٦)

ڈاکہ کی اصطلاحی تعریف

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں' باغیوں اور محاربین (ڈاکوؤں) میں فرق یہ ہے کہ باغی کسی تاویل سے حکومت کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ڈاکو بغیر کسی تاویل کے قتل اور غارت گری کرتے ہیں۔

فقہاء احناف نے حرابہ (ڈاکہ) کی تعریف کو سرقہ (چوری) کی تعریف کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ کیونکہ ڈاکہ بڑی چوری ہے' مگر یہ مطلقاً چوری نہیں ہے' کیونکہ خفیہ طریقہ سے کسی چیز کو لینا چوری کہلاتا ہے۔ چور' محافظ' امام یا مالک سے چھپ کر کوئی چیز لیتا ہے اور ڈاکو اعلانیہ مار دھاڑ کر کے لوٹتا ہے' اس لیے ڈاکہ کا ضرر چوری سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ کی سزا بھی چوری سے زیادہ رکھی گئی ہے۔

ڈاکو (قاطع الطریق یا محارب) ہر وہ مسلمان یا ذمی شخص ہے جس کی جان ڈاکہ ڈالنے سے پہلے محفوظ اور مامون ہو اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے قتل کیا اور مال لوٹا اس پر حد قائم کرنا واجب ہے اور ولی مقتول کے معاف کر دینے اور لوٹا ہوا مال واپس کر دینے سے اس کی حد ساقط نہیں ہوگی اور ڈاکہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں' جس میں اس طریقہ سے مال کو لوٹا جائے کہ عادتاً اس مال کو بچانا مشکل ہو۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ' ج ٦' ص ١٢٩-١٢٨)

ڈاکہ کا رکن

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں کہ ڈاکہ کا رکن یہ ہے کہ کوئی شخص غلبہ سے مسافروں کا مال لوٹنے کے لیے اس طرح نکلے کہ مسافروں کا اس راستہ پر سفر کرنا مشکل ہو جائے۔ خواہ ڈاکہ ڈالنے والا ایک فرد ہو یا جماعت' جبکہ ڈاکو کے پاس ڈاکہ ڈالنے کی قوت ہو' خواہ اس کے پاس ہتھیار ہوں یا لاٹھی یا اینٹ یا پتھر ہوں' کیونکہ ان میں سے ہر چیز کے ساتھ ڈاکہ ڈالا جا سکتا ہے' خواہ سب حملہ کریں یا بعض حملہ کریں اور بعض معاون ہوں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ ڈاکو اس فرد یا گروہ کو کہتے ہیں جس کے پاس ایسی قوت ہو جس کا مقابلہ کرنا مسافروں کے لیے مشکل ہو' اور وہ اپنی قوت سے مسافروں کا مال لوٹنے کا قصد کریں۔ (بدائع الصنائع' ج ٧' ص ٩٠)

ڈاکہ کی شرائط

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی نے ڈاکہ کی حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں:

١- ڈاکہ ڈالنے والا عاقل اور بالغ ہو۔ اگر وہ بچہ یا مجنون ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

٢- ڈاکو مرد ہو' اگر عورت نے ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد نہیں ہے' لیکن امام طحاوی کے نزدیک اس میں عورت اور مرد برابر ہیں' اور دونوں پر حد ہوگی۔ روایت مشہورہ کی وجہ یہ ہے کہ غلبہ سے مال لوٹنا عادتاً عورتوں سے متصور نہیں ہے' اور امام طحاوی کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح باقی حدود میں مردوں کی تخصیص نہیں ہے' عورتوں پر بھی حد جاری ہوتی ہے۔ اسی طرح ڈاکہ میں بھی مردوں کی تخصیص نہیں ہوگی۔

٣- جن پر ڈاکہ ڈالا ہے' وہ مسلمان یا ذمی ہوں' اگر ان غیر مسلموں پر ڈاکہ ڈالا ہے جو پاسپورٹ کے ذریعہ دار الاسلام میں

آئے ہوں' تو ڈاکوؤں پر حد نہیں ہے (بلکہ تعزیر ہے)

۴- جن پر ڈاکہ ڈالا ہے وہ ڈاکوؤں کے محرم نہ ہوں۔

۵- جس چیز پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے' وہ قیمت والا مال ہو اور محفوظ ہو' اس میں کسی اور کا حق نہ ہو' نہ اس میں لینے کی کوئی تاویل ہو اور نہ تاویل کا کوئی شبہ ہو' نہ اس میں ڈاکو کی ملکیت ہو نہ ملکیت کی تاویل یا شبہ ہو اور وہ مال دس درہم کی مالیت سے کم نہ ہو (یعنی ۲.۲۵ تولہ چاندی ہو جو ۶۱۸.۳ گرام چاندی کے برابر ہے) اگر متعدد ڈاکو ہوں تو ہر ڈاکو کے حصہ دس درہم کی مالیت کا مال ہو اور ہر ڈاکو کے حصہ میں اتنا مال نہ آئے تو حد واجب نہیں ہوگی۔

٦- جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے' وہ جگہ دارالاسلام ہو' اگر دار الحرب میں ڈاکہ ڈالا ہے تو حد واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ حد کو حاکم اسلام جاری کرتا ہے اور دار الحرب حاکم اسلام کی ولایت اور تصرف میں نہیں ہے۔ اس لیے وہ دار الحرب میں حد جاری کرنے پر قادر نہیں ہے۔ (علامہ کاسانی نے جو وجہ بیان کی ہے' اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دار الحرب میں جا کر ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کریں اور یہ کہ ناجائز طریق سے کفار کا مال لینا بہر حال گناہ ہے خواہ ان کا مال سود کے ذریعہ لیں یا قمار کے یا رشوت کے۔ (سعیدی غفرلہ)

۷- جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے' وہ جگہ شہر نہ ہو۔ اگر کسی نے شہر میں ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔ خواہ دن میں ڈاکہ ڈالا ہو یا رات میں اور خواہ ہتھیاروں کے ذریعہ ڈاکہ ڈالا ہو یا بغیر ہتھیاروں کے' یہ استحسان ہے اور یہی امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی اور یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ حد واجب ہونے کا سبب ڈاکہ ہے اور جب ڈاکہ ثابت ہو گیا تو حد واجب ہوگی۔ خواہ شہر میں ڈاکہ ڈالا ہو اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قطع الطریق (ڈاکہ) سفر میں ہی متحقق ہو سکتا ہے۔ شہر میں راستے منقطع نہیں ہوتے کیونکہ اگر شہر میں ڈاکہ پڑے تو اس سے راستے منقطع نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے غیر شہر کی قید اپنے زمانہ کے اعتبار سے لگائی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں شہر والے ہتھیاروں سے مسلح رہتے تھے' اس لیے ڈاکوؤں کو شہر میں ڈاکہ ڈالنے کی قدرت نہیں تھی اور اب شہر کے لوگوں نے ہتھیار رکھنے کی عادت چھوڑ دی ہے۔ اس لیے اب شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی۔

۸- جس جگہ ڈاکہ ڈالا ہے اس جگہ اور شہر کے درمیان مسافت سفر ہو (یعنی اکسٹھ میل چھ سو چالیس گز) یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول پر شرط ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

ڈاکہ کے جرم کی تفصیل

ڈاکو کی سزاؤں میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ آیا یہ سزائیں جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہیں یا یہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں' ڈاکو کے جرم کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- صرف لوگوں یا مسافروں کو ڈرانا اور دھمکانا' کسی کو قتل کرنا' نہ مال لوٹنا۔

۲- صرف مال لوٹنا۔ ۳- صرف قتل کرنا۔ ۴- مال لوٹنا اور قتل کرنا۔

ان میں سے ہر جرم کی ائمہ کے نزدیک ایک الگ سزا ہے۔ امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ اگر ڈاکو نے قتل نہیں کیا ہے تو قاضی قتل اور پھانسی کی سزا میں سے کوئی بھی سزا اپنے اجتہاد سے دے سکتا ہے۔ اس کی سزا قتل بھی ہو سکتی ہے اور قتل اور پھانسی بھی ہو سکتی ہے۔ ان سزاؤں میں قاضی کو اختیار ہے اور باقی سزاؤں میں اس کو اختیار نہیں ہے۔ اور غیر مقلدین کا یہ نظریہ ہے کہ ڈاکو کا جو بھی جرم ہو' قرآن مجید کی بیان کردہ سزاؤں میں سے قاضی اپنے اجتہاد سے کوئی بھی سزا دے سکتا ہے۔

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف ڈرانے کی سزا

جب ڈاکو صرف ڈرائے اور دھمکائے' نہ مال لوٹے اور نہ قتل کرے تو امام احمد وغیرہ کے نزدیک اس کی سزا شہر بدر کرنا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے او ینفوا من الارض "یا ان کو شہر بدر کر دیا جائے"

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں جب ڈاکو راستہ میں ڈرائیں اور دھمکائیں' نہ قتل کریں اور نہ مال لوٹیں تو ان کو زمین سے نکال دیا جائے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے او ینفوا من الارض (مائدہ: ٣٦) اس حالت میں جلاوطن کرنا حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور یہی نخعی' قتادہ اور عطاء خراسانی کا قول ہے اور زمین سے نکالنے کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام شہروں اور قصبوں سے نکال دیا جائے اور ان کے لیے کسی شہر میں رہنے کا ٹھکانا نہ ہو۔ اس طرح کی تفسیر حسن اور زہری سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس سے یہ روایت ہے کہ اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر بھیج دیا جائے' جس طرح زانی کو شہر بدر کیا جاتا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام مالک کا قول یہ ہے کہ جس شہر میں اس کو بھیجا جائے' اس میں اس کو قید کر دیا جائے' جس طرح زانی کے متعلق ان کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اس کو زمین سے نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے' حتیٰ کہ وہ توبہ کرے۔ امام شافعی کا بھی اسی قسم کا قول ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا کہ اس صورت میں امام اس کو تعزیر لگائے اور اگر اس کی رائے ڈاکو کو قید کرنا ہو تو اس کو قید کر دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نفی کا معنی یہ ہے کہ امام ڈاکوؤں پر حدود جاری کرنے کے لیے ان کو طلب کرے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے۔ ابن شریح نے کہا ڈاکوؤں کو ان کے شہر کے علاوہ کسی اور شہر میں قید کر دے۔ یہ قول امام مالک کے قول کی مثل ہے اور یہ زیادہ بہتر ہے' کیونکہ اگر ان کو کسی اور شہر میں بھیجیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکہ ڈالیں گے اور لوگوں کو ایذاء پہنچائیں گے۔ اس لیے ان کو قید کرنا بہتر ہے۔

نیز علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں "ہماری دلیل ظاہر آیت ہے کیونکہ نفی کا معنی نکالنا' دور کرنا اور بھگانا ہے اور قید کا معنی روکنا ہے۔ اگر ان کو کسی غیر معین جگہ کی طرف نکال دیا جائے تو اس کی دلیل "او ینفوا من الارض" (المائدہ: ٣٦) ہے' کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام زمینوں سے نکال دیا جائے' باقی ہمارے اصحاب نے یہ نہیں لکھا کہ اسے کتنی مدت کے لیے شہر بدر کیا جائے؟ تاہم اس کو اتنی مدت کے لیے شہر بدر کرنا چاہیے جس میں اس کی توبہ ظاہر ہو جائے اور اس کا چال چلن ٹھیک ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے۔

(المغنی مع الشرح الکبیر' ج ١٠' ص ٣٠٨-٣٠٧)

علامہ ابو بکر رازی جصاص حنفی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں' زمین سے نکالنے کی تین صورتیں ہیں۔
ایک یہ کہ ڈاکو کو تمام زمینوں سے نکال دیا جائے۔
دوسری یہ کہ جس شہر میں اس نے ڈاکہ ڈالا ہو وہاں سے نکال دیا جائے۔
تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو دار الاسلام سے نکال دیا جائے۔

پہلی صورت مراد لینا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ تمام زمینوں سے نکال دینا اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب اس کو قتل کر دیا جائے اور قتل کرنے کا ذکر اس آیت میں پہلے آ چکا ہے۔ دوسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر ڈاکو کو دوسرے شہر کی طرف نکالیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکے ڈالے گا' اور لوگوں کو ضرر پہنچائے گا' اور تیسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ مسلمانوں کو دار الحرب میں بھیجنا صحیح نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں نفی من الارض کا معنی یہ ہے کہ اس کو تمام زمینوں سے نکال کر اس زمین میں رکھا جائے جس میں اس کو قید کیا جائے جہاں پر اس کا فساد کرنا متصور نہ ہو۔ (احکام القرآن' ج ٢' ص ٤١٣)

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں کہ جب ڈاکو صرف راستہ میں ڈرائیں اور دھمکائیں' نہ قتل کریں اور نہ مال لوٹیں تو ان کو تعزیر لگانے کے بعد اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلیں' اور اللہ کے قول "او ینفوا من الارض" سے بھی یہی مراد ہے۔ یعنی ان کو قید کرلیا جائے۔ اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (علامہ سرخسی نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص نے قتل کیا' نہ مال لوٹا صرف ڈرایا اور دھمکایا یا اس نے معصیت کا ارادہ کیا اور قتل کرنا' ہاتھ پیر کاٹنا' انتہائی سزائیں ہیں اور جس شخص نے معصیت کا صرف ارادہ کیا ہو اس کو یہ سزائیں نہیں دی جائیں گی۔ جس طرح چوری میں چوری کا صرف ارادہ کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ اسی طرح یہاں بھی صرف ڈرانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پیر نہیں کاٹے جائیں گے۔ (مبسوط للسرخسی' ج ۹' ص ۱۹۵) اور یہ امام شافعی کی تفسیر سے بہتر ہے۔ یعنی ان کو طلب کرنا تاکہ ان کو ہر جگہ سے بھگا دیا جائے' کیونکہ قید کرکے سزا دینے کی شریعت میں نظیر ہے اور جس چیز کی شریعت میں نظیر ہو' اس پر عمل کرنا اس کی بہ نسبت بہتر ہے جس کی شریعت میں نظیر نہ ہو۔ (المبسوط' ج ۹' ص ۱۹۹)

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف مال لوٹنے کی سزا

اگر ڈاکو نے صرف مال لوٹا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو امام ابو حنیفہ' امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ڈاکو کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے گا۔ یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر' اس سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔ اگر اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر پہلے کٹا ہوا تھا تو اب اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا' بلکہ اس کو تعزیراً قید کیا جائے گا اور اگر اس کا پہلے ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا تو اب صرف پیر کاٹا جائے گا اور اگر پہلے ایک پیر کٹا ہوا تھا تو اب صرف ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ہے اور امام مالک کے نزدیک اس صورت میں امام کو اختیار ہے کہ وہ ڈاکو کو قتل کردے یا سولی دے۔ یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔ البتہ اس صورت میں اس کو شہر بدر کرنے یا قید کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

امام شافعی کے نزدیک بھی دوبارہ ڈاکہ ڈالنے پر اس کے بقیہ ہاتھ اور پیر کو کاٹ دیا جائے گا۔

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ جب ڈاکو مال لوٹے اور قتل نہ کرے تو امام کو اسے قید یا شہر بدر کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ البتہ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کو قتل کرے یا سولی دے یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔

علامہ سحنون مالکی لکھتے ہیں کہ امام ابن قاسم نے کہا ہے کہ امام مالک نے فرمایا: کہ جس ڈاکو کا ایک ہاتھ اور پیر کاٹا جا چکا ہے' اور وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو امام کو اختیار ہے کہ وہ اس کا دوسرا ہاتھ اور پیر بھی کاٹ دے۔ (بدایۃ المجتہد' ج ۲' ص ۳۴۱)

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں "جس ڈاکو نے مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو' اس کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے گا"۔ (بدائع الصنائع' ج ۷' ص ۹۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں "اگر ڈاکو نے چوری کے نصاب کے مطابق مال لیا ہو تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو اس کا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر نصاب سے کم مال لیا تو اس کے ہاتھ اور پیر کو نہیں کاٹا جائے گا"۔ (روضۃ الطالبین' ج ۱۰' ص ۱۵۶)

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے قتل کرنے اور مال لوٹنے کی سزا

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں جس ڈاکو نے مال لوٹا اور قتل کیا' اس کے متعلق امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امام کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر کاٹ دے' پھر اس کو قتل کردے یا سولی دے دے اور اگر چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر نہ کاٹے اور اس کو قتل کرے یا سولی دے دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قطع اور قتل کو اس طرح جمع کرے کہ وہ اس کا ہاتھ اور

پیر کاٹ دے' پھر اس جگہ کو داغ نہ لگائے یونہی چھوڑ دے' حتیٰ کہ وہ مر جائے۔ (بدائع الصنائع' ج ۷' ص ۹۳)

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ امام محمد نے یہ کہا ہے کہ ڈاکو کو قتل کیا جائے یا سولی دی جائے اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا' کیونکہ یہ ایک جرم ہے' اس سے دو حدیں واجب نہیں ہوں گی۔ نیز قتل سے کم سزا قتل میں داخل ہو جاتی ہے' جیسا کہ حد سرقہ' حد رجم میں داخل ہو جاتی ہے۔ (مثلاً کسی نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو تو اس کو صرف رجم کیا جائے گا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔۔۔۔۔ سعیدی غفرلہ) امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ اور پیر کاٹنا اور قتل کرنا ایک سزا ہے' اور چونکہ ڈاکہ کا جرم زیادہ ہے' اس لیے اس کی سزا بھی زیادہ ہے' کیونکہ جو ڈاکو لوگوں کو قتل کرتا ہے اور ان کا مال لوٹتا ہے' وہ امن میں خلل ڈالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ میں ہاتھ اور پیر دونوں کاٹنا ایک حد ہے جبکہ چوری میں دونوں کو کاٹنا دو سزائیں ہیں' اور امام محمد نے جو حد رجم اور حد سرقہ کی مثال دی ہے' وہاں دو حدوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا گیا ہے' اور یہاں ایک حد میں بحث ہو رہی ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ سولی میں اختیار نہیں ہے' اس کو ترک نہ کیا جائے' کیونکہ اس کی قرآن مجید میں تصریح ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس سزا کو شہرت دی جائے' تاکہ دوسرے عبرت پکڑیں اور امام ابو حنیفہ کی جانب سے جواب یہ ہے کہ اصل شہرت قتل سے حاصل ہو جاتی ہے اور سولی پر چڑھانے میں مبالغہ ہے' لہٰذا اس میں اختیار دیا جائے گا۔ (ہدایہ اولین' ص ۵۳۶)

علامہ سحنون مالکی لکھتے ہیں' میں نے امام ابن قاسم مالکی سے پوچھا اگر ڈاکو قتل کرے اور مال لے' تو کیا اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا' اور اس کو قتل کیا جائے گا' یا اس کو صرف قتل کیا جائے گا' اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا؟ اس میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اس کو ہر صورت میں قتل کیا جائے گا۔ (خواہ قاضی کی رائے میں اس کا ہاتھ اور پیر کاٹنا ضروری ہو یا نہ ہو)۔ (المدونۃ الکبریٰ' ج ۴' ص ۴۲۹)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں اگر ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کو سولی دی جائے گی' اور یہ اس وقت ہے جب مال نصاب کے برابر ہو اور مذہب یہی ہے۔ ابن سلمہ کا قول یہ ہے کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا' اور قتل کیا جائے اور اس کو سولی دی جائے گی اور صاحب تقریب نے کہا کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور قتل کیا جائے گا اور سولی نہیں دی جائے گی۔ (روضۃ الطالبین' ج ۱۰' ص ۱۵۷-۱۵۶)

علامہ ابوالقاسم خرقی حنبلی لکھتے ہیں "جس ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا' اس کو قتل کیا جائے گا۔ خواہ صاحب مال معاف کر دے اور اس کو سولی دی جائے گی' حتیٰ کہ اس کی شہرت ہو جائے اور اس کی لاش ڈاکوؤں کے حوالے کر دی جائے گی۔
(المقنع مع المغنی والشرح' ج ۱۰' ص ۲۹۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے' ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کر لی' سو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے"
(المائدہ: ۳۴-۳۳)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کا نظریہ

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ دنیا میں سزا پانے کے بعد بھی مجرموں کو آخرت میں عذاب عظیم ہو گا' البتہ! جو لوگ توبہ کر لیں گے' ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہو گا۔ فقہاء احناف نے اسی آیت کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ حدود بغیر توبہ کے کفارہ نہیں ہوتیں اور حدیث میں جو ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں' وہ توبہ کے ساتھ مقید ہے' تاکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں موافقت

رہے۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مطلقاً حدود کفارہ نہیں ہوتیں' ہاں! اگر مسلمان مجرم اجراء حد سے پہلے توبہ کرلے تو پھر حد اس کے لیے اخروی عذاب سے کفارہ ہو جاتی ہے اور اگر اس نے اجراء حد سے پہلے توبہ نہیں کی تو وہ عذاب اخروی کا مستحق ہوگا۔ (احکام القرآن' ج ۲' ص ۴۱۲' مطبوعہ لاہور)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ۳' ص ۱۰۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ اور احناف کا جواب

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا' پھر اس پر حد لگادی گئی تو وہ حد اس کے گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

(شرح مسلم' ج ۲' ص ۷۳' مطبوعہ کراچی)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور وہ شب عقبہ کے نقباء میں سے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا تم مجھ سے (ان امور پر) بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے' اور نہ تم چوری کرو گے' اور نہ تم زنا کرو گے' اور نہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو گے' اور نہ تم کسی بے قصور پر بہتان باندھو گے' اور نہ کسی نیکی میں نافرمانی کرو گے۔ سو تم میں سے جو شخص اس عہد کو پورا کرے گا' اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے' اور جس نے ان میں سے کوئی (ممنوع) کام کرلیا' اور اس کو دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو وہ سزا اس کا کفارہ ہے' اور جس نے ان میں سے کوئی (ممنوع) کام کرلیا' پھر اللہ نے اس کا پردہ رکھا تو وہ اللہ کی طرف مفوض ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس کو معاف کر دے' اور اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے۔ سو ہم نے (ان امور پر) آپ سے بیعت کرلی۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۶۷۸۴' ۱۸' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۷۰۹' ۴۳۸۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۴۴۴' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۴۱۷۲' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۶۰۳' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۲۷۹۵' مسند حمیدی' رقم الحدیث: ۳۸۷' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۳۱)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حد قائم کرنا مجرم کے گناہ کا کفارہ ہے۔ خواہ اس نے توبہ نہ کی ہو۔

(فتح الباری' ج ۱' ص ۶۸' مطبوعہ لاہور)

علامہ عماد الدین منصور بن الحسن القرشی الکازرونی الشافعی المتوفی ۸۶۰ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام نووی نے اپنے فتاویٰ اور شرح صحیح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ جب کوئی شخص قصاص میں قتل کر دیا جائے تو اس سے اخروی عذاب ساقط ہو جاتا ہے۔ تو اس شخص کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کس طرح ہوگا؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ ڈاکو جب قصاص میں قتل کر دیا جائے تو اس سے قتل کا گناہ ساقط ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت کو ڈرانے' دھمکانے کا گناہ اس کے ذمہ باقی رہتا ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کی جماعت کو ضرر پہنچتا ہے' سو اس کو ڈرانے کی وجہ سے آخرت میں عذاب عظیم ہوگا' اور یہ سزا ہر ڈاکو کے لیے عام ہے۔ لیکن یہ امر حدیث صحیح کے خلاف ہے' جس

میں نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اس کو اس جرم کی سزا دے دی گئی تو اس کے لیے آخرت میں یہ سزا کفارہ ہو جائے گی' کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ڈاکو نے فقط ڈرایا' دھمکایا اور اس کو سزا کے طور پر جلاوطن کر دیا گیا' تو اس کو آخرت میں عذاب نہیں ہو گا' لیکن آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کو آخرت میں عذاب ہو گا' اور اس حدیث کی توجیہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سزا ملنے سے وہ عذاب ساقط ہو جائے گا جس کا تعلق اللہ کے حق سے ہے' اور بندہ کا حق باقی رہے گا اور اس کی آخرت میں سزا ہو گی' کیونکہ جس ڈاکو نے لوگوں کو ڈرایا دھمکایا' اس نے اللہ کی حکم عدولی بھی کی اور بندوں کو بھی نقصان پہنچایا' اور حد جاری کرنے سے اللہ کے حق ضائع کرنے کی تلافی ہو گی' بندوں کے حق کی تلافی نہیں ہو گی۔ سو اس بنا پر آخرت میں عذاب ہو گا۔ (حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی' ج ۲' ص ۳۳۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ کازرونی نے نہایت عمدہ توجیہ کی ہے' لیکن فقہاء شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد مطلقاً عذاب نہیں ہو گا' جیسا کہ ہم علامہ نووی اور علامہ عسقلانی سے نقل کر چکے ہیں۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ امام شافعی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد توبہ کے بغیر آیا کوئی شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں سے پاک کرنا حد کے احکام میں سے نہیں ہے۔ پس جب ایک شخص پر حد قائم کی گئی اور اس نے توبہ نہیں کی' تو ہمارے نزدیک اس سے وہ گناہ ساقط نہیں ہو گا۔ ہمارے علماء نے قرآن مجید میں قطاع الطریق کی آیت پر عمل کیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذلک لهم خزی فی الدنیا و لهم فی الاخرة عذاب عظیم الا الذین تابوا یہ ان (ڈاکوؤں) کے لیے دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے' ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت کے عذاب کو توبہ سے ساقط کیا ہے' اور اس پر اجماع ہے کہ توبہ سے دنیا کی حد ساقط نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ استثناء عذاب آخرت ہی کی طرف راجع ہے' اور وہ جو بخاری کی روایت میں ہے کہ جس شخص نے ان میں سے کوئی گناہ کیا اور اس کو دنیا میں سزا دے دی گئی' تو وہ اس کا کفارہ ہے" تو اس حدیث کو اس صورت پر محمول کرنا واجب ہے' جب اس نے سزا کے وقت توبہ کر لی ہو' کیونکہ حدیث ظنی ہے اور قرآن مجید قطعی ہے اور جب ظنی اور قطعی میں تعارض ہو تو ظنی کو قطعی کے موافق کرنا واجب ہے' اور اس کے برعکس کرنا جائز نہیں ہے۔

(البحر الرائق ج ۵' ص ۳-۴' مطبوعہ مطبع علمیہ' مصر' ۱۳۱۱ھ)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابو الفرج عبدالرحمن بن علی القرشی الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مسلمان ڈاکوؤں کی سزا میں اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ توبہ کرنے سے اللہ کی حدود ساقط ہو جاتی ہیں مثلاً قتل کرنا' سولی دینا' ہاتھ پیر کاٹنا اور شہر بدر کرنا۔ توبہ کے بعد یہ حدود نافذ نہیں ہوں گی' لیکن انسان کے حقوق توبہ سے ساقط نہیں ہوں گے مثلاً مال لوٹا ہے تو واپس لیا جائے گا اور کسی کو زخمی کیا ہے تو اس کو بھی زخمی کیا جائے گا اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

(زاد المسیر ج ۲' ص ۳۴۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ نے بھی امام شافعی کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔

(النکت والعیون ج ۲' ص ۳۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:
اگر ڈاکوؤں نے پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرلی تو ان سے اللہ کی حدود ساقط ہو جائیں گی لیکن اگر انہوں نے کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے یا مال لوٹا ہے تو ان سے بدلہ لیا جائے گا' ماسوا اس کے کہ صاحب حق اس کو معاف کردے۔
اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام مالک' امام شافعی' اصحاب رائے (فقہاء احناف) اور ابو ثور کا بھی یہی مذہب ہے' اس وجہ سے ڈاکوؤں سے حتمی قتل' سولی' ہاتھ پیر کاٹنے اور شہر بدر کرنے کی حد ساقط ہو جائے گی' اور ان پر قتل کرنے' زخمی کرنے اور مال لوٹنے کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر انہوں نے پکڑے جانے کے بعد توبہ کی ہے تو ان سے کوئی حد ساقط نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے ان کو پکڑنے سے پہلے توبہ کرلی۔ (المائدہ: ۳۴) سو پکڑے جانے والوں پر اللہ تعالیٰ نے حد واجب کردی۔

(المغنی ج ۹ص ۱۲۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حدود کے کفارہ ہونے کے متعلق دو حدیثوں میں تطبیق

ہم اس سے پہلے کتب صحاح کے حوالے سے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کرچکے ہیں کہ جب مجرم پر حد لگادی جائے' تو وہ اس کے جرم کا کفارہ ہو جاتی ہے' لیکن ایک روایت اس کے خلاف ہے۔
امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں (از خود) نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا نہیں اور میں از خود نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں' اور میں از خود نہیں جانتا کہ حدود ان کے اصحاب کے لیے کفارہ ہیں یا نہیں۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور مجھے اس کی کسی علت (ضعف) کا پتا نہیں اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے)

(المستدرک ج ۱' ص ۳۶' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۳۲۹' ملتان)

اس تعارض کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث' حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے' اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت جس میں مذکور ہے' مجھے پتا نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں۔ یہ پہلے کا واقعہ ہے۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ سات ہجری میں فتح خیبر کے وقت اسلام لائے تھے' اور حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث جس میں مذکورہ ہے حدود کفارہ ہوتی ہیں' یہ بعد کا واقعہ ہے' کیونکہ یہ بیعت فتح مکہ کے بعد لی گئی تھی۔ کیونکہ امام مسلم نے اس کے بعد دوسری حدیث (رقم الحدیث: ۴۳۸۲) جو ذکر کی ہے' اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر عورتوں کی آیت تلاوت کی "ان لا یشرکن باللہ شیئا" (الممتحنہ: ۱۲) اور معجم طبرانی میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس طرح بیعت لی جس طرح فتح مکہ کے موقع پر بیعت لی تھی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث مقدم ہے اور حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث موخر ہے۔ نیز! تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عبادہ سے جب عقبہ اولیٰ کے موقع پر آپ نے بیعت لی تھی' اس وقت تو حدود نازل ہی نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے آپ کا یہ فرمانا جس پر حد جاری ہو گئی وہ اس کا کفارہ ہے' اس موقع کا نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ! یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے' جب آپ نے دوسری مرتبہ بیعت لی تھی۔
خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت جس میں مذکور ہے مجھے پتا نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟ پہلے کا واقعہ ہے اور بعد میں آپ کو اللہ نے علم عطا فرمادیا اور آپ نے فرمایا حدود کفارہ ہیں' (یعنی بشرط توبہ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں (نجات کا) وسیلہ تلاش کرو، اور

جَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا

لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ

اگر ان کے قبضہ میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی اور بھی ہوں تاکہ قیامت کے دن

مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

عذاب سے نجات کے لیے وہ ان چیزوں کو فدیہ میں دے دیں، تو وہ (فدیہ) ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے

أَلِيمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ

نہایت دردناک عذاب ہے ○ وہ (دوزخ کی) آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اور وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے

مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا

اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے ○ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ

أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾

کو کاٹ دو، یہ ان کے کیے ہوئے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک تعزیر ہے اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے ○

فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ

پھر جس نے اپنے ظلم کرنے کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بیشک اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا،

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ

بیشک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (اے مخاطب) کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا ملک

وَالْأَرْضِ ۚ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ

اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۴۰

پر قادر ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں (نجات کا) وسیلہ تلاش کرو"۔ (الخ) (المائدہ: ۳۵)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی سرکشی اور عناد اور اللہ کی نافرمانی کرنے پر ان کی جسارت اور دیدہ دلیری کو بیان فرمایا تھا' اور اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنے سے ان کے بعد اور دوری کا ذکر فرمایا تھا۔ اللہ کے قرب کا وسیلہ اور ذریعہ اس کے خوف سے گناہوں کا ترک کرنا اور عبادات کا بجالانا ہے' یہود نے اس وسیلہ کو حاصل نہیں کیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارا طریقہ یہود کے برعکس ہونا چاہیے' تم اللہ کے خوف سے گناہوں کو ترک کرکے اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کے قرب کا وسیلہ تلاش کرو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ذکر فرمایا تھا کہ یہود کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور اپنے باپ داداکے اعمال پر فخر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ تمہیں اپنے اکابر اور اسلاف پر فخر کرنے کے بجائے نیک اعمال میں کوشش کرنی چاہیے' اور عبادات کے ذریعہ اس کے قرب اور نجات کے وسیلہ کو تلاش کرنا چاہیے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے متصل آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کا ذکر فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ قبولیت توبہ کے لیے اس کی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرو۔

وسیلہ بہ معنی ذریعہ تقرب

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

کسی چیز کی طرف رغبت سے پہنچنا وسیلہ ہے اور اللہ کی طرف وسیلہ کی حقیقت یہ ہے کہ علم اور عبادت کے ساتھ اسکے راستہ کی رعایت کرنا' اور شریعت پر عمل کرنا اور اللہ کا وسیلہ اللہ کا قرب ہے۔ (المفردات' ص ۵۲۳-۵۲۴' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جس چیز سے کسی شے تک رسائی حاصل کی جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے' وہ وسیلہ ہے۔

(نہایہ' ج ۵' ص ۱۸۵' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام لغت علامہ جوہری نے کہا ہے کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے' وہ وسیلہ ہے۔

(صحاح جوہری' ج ۵' ص ۱۸۴۱' لسان العرب' ج ۱۱' ص ۷۲۵-۷۲۴' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۵ھ)

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کا جواز

امام محمد بن محمد جزری متوفی ۸۳۳ھ آداب دعا میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا وسیلہ پیش کرے۔

(حصن حصین معہ تحفۃ الذاکرین' ص ۳۴' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ)

شیخ ابو العباس تقی الدین احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والا یہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے فلاں کے حق اور فلاں فرشتے اور انبیاء اور صالحین وغیرھم کے حق میں سوال کرتا ہوں یا فلاں کی حرمت اور فلاں کی وجاہت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں تو اس دعا کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت ہو اور یہ دعا صحیح ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت اور حرمت ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی قدر افزائی کرے اور جب یہ شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول کرے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے فرمایا ہے' کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کون اس سے شفاعت کر سکتا ہے۔

(فتاوٰی ابن تیمیہ' ج ۱' ص ۲۱۱' مطبوعہ بامر فہد بن عبد العزیز)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سائلین کے حق سے مراد یہ ہو' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا ہے' مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔ (تحفۃ الذاکرین' ص ۶۹' مطبوعہ مصر' ۱۳۵۰ھ)

امام ابو حاتم محمد بن حبان متوفی ۳۵۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ (قسم کے) آدمیوں پر میں نے لعنت کی ہے' اور ان پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا قبول کی جائے گی۔ (الحدیث)

(صحیح ابن حبان' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۵۷۴۹' حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور میرے علم میں اس کی کوئی علت نہیں ہے اور ذہبی نے اس کو برقرار رکھا۔ المستدرک' ج ۱' ص ۳۶' ج ۲' ص ۵۲۵' ج ۴' ص ۹۰' الجامع الکبیر' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۲۸۸۵' ۱۲۹۲۱' المعجم الاوسط' للطبرانی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۶۸۸۔ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا۔ مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۲۰۵' المعجم الکبیر' ج ۱۷' ص ۴۳' موارد الظمآن' رقم الحدیث: ۵۲)

اس صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ہر نبی مستجاب الدعوات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام کی وجاہت' ان کی حرمت اور ان کے حق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی بارگاہ میں یہ عزت عطا فرمائی ہے کہ وہ ان کے سوال اور ان کی دعا کو مسترد نہیں فرماتا' ہرچند کہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ ان کی دعا کو مسترد فرمادے' لیکن ایسا کرنا ان کو دی ہوئی عزت اور وجاہت کے خلاف ہے۔ ان کا اللہ پر حق ہے' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جیسے اجیر کا آجر پر حق ہوتا ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان کی دعا کو قبول کرنے کا جو وعدہ فرمالیا ہے' اس وعدہ کی جہت سے ان کا حق ہے' فی ذاتہ کوئی استحقاق نہیں ہے' یا حق بمعنی وجاہت اور حرمت ہے' استحقاق کے معنی میں نہیں ہے۔

اس پر ایک دلیل مذکور الصدر حدیث ہے اور دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب بندہ فرائض ادا کر کے نوافل کو ہمیشہ پڑھتا ہے تو اللہ اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے اور جب وہ اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اللہ اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھیں ہو جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے' اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے اور فرماتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کروں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں ضرور اس کو اپنی پناہ میں لوں گا۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۰۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ' مختصر تاریخ دمشق' ج ۴' ص ۱۰۴' مسند احمد' تحقیق

احمد شاکر' رقم الحدیث: ۱۷۱۷۲۶۰'مسند ابو یعلیٰ' ۷۰۸۷'صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۷۳۴۴'مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۲۶۹'المطالب العالیہ' ج ۱' ص ۱۳۹)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر ولی اور نبی سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی دعا ضرور قبول فرمائے گا' اور ان کی دعا رد نہیں فرمائے گا اور ان کا اللہ پر یہی حق ہے' اور یہی ان کی اللہ کی بارگاہ میں وجاہت اور حرمت ہے۔ اس لیے انبیاء اور اولیاء کے وسیلہ سے دعا کرنا' یا ان سے دعا کرنے کی درخواست کرنا صحیح ہے' اور اب ہم اس سلسلہ میں احادیث پیش کریں گے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور یہ عرض کرتے' اے اللہ! ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے' تو' تو ہم پر بارش برساتا تھا (اب) ہم اپنے نبی کے عم (محترم) کو تیری طرف وسیلہ پیش کرتے ہیں' تو' تو ہم پر بارش نازل فرما۔ حضرت انس نے کہا پھر لوگوں پر بارش ہوتی۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۱۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ' المعجم الکبیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۴' کتاب الدعاء للطبرانی' رقم الحدیث: ۹۶۵' شرح السنہ للبغوی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۶۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ٹھیک کردے۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کروں اور اگر تم چاہو تو میں اس کو مؤخر کردوں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ اس نے کہا آپ دعا کر دیجئے' آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اچھی طرح سے وضو کرے' پھر دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے "اے اللہ! میں تیرے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں' اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں' تاکہ میری حاجت پوری ہو' اے اللہ! میرے متعلق آپ کی شفاعت قبول فرما۔ (امام ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ ابو اسحاق نے کہا' یہ حدیث صحیح ہے)

علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۱۷۱۷۵' ۱۷۱۷۴' طبع قاہرہ' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۸۹' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۸۵' سنن کبریٰ للنسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ۱۰۴۹٦' عمل الیوم واللیلہ للنسائی' رقم الحدیث: ٦٦۴' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحدیث: ٦۳۳' المستدرک ج ۱' ص ۵۱۹' دلائل النبوۃ' ج ٦' ص ۱٦۷' امام طبرانی نے اس حدیث کو روایت کرکے لکھا ہے' یہ حدیث صحیح ہے۔ المعجم الصغیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۰۸' المعجم الکبیر' ج ۹' رقم الحدیث: ۸۳۱۱' حافظ منذری نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ الترغیب والترہیب' ج ۱' ص ۴۷٦-۴۷۴' حافظ الہیثمی نے بھی لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ مجمع الزوائد' ج ۲' ص ۲۷۹' مختصر تاریخ دمشق' ج ۳' ص ۳۰۴)

شیخ ابن تیمیہ' قاضی شوکانی' علامہ نووی اور امام محمد جزری وغیرہم نے امام ترمذی کے حوالے سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس میں یا محمد کے الفاظ ہیں' لیکن ہمیں جو ترمذی کے پاکستانی اور بیروت کے نسخے دستیاب ہیں' ان میں یا محمد کے الفاظ نہیں

ہیں۔ سنن ترمذی کے علاوہ ہم نے باقی جن کتب حدیث کے حوالے دیئے ہیں' ان سب میں یا محمد کے الفاظ ہیں۔

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ٢٧٣ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے لیے نکلا اور اس نے یہ دعا کی' اے اللہ! تجھ پر سائلین کا جو حق ہے میں اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' اور میرے اس (نماز کے لیے) جانے کا جو حق ہے اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' کیونکہ میں بغیر اکڑنے اور اترانے اور بغیر دکھانے اور سنانے کے (محض) تیری ناراضگی کے ڈر اور تیری رضا کی طلب میں نکلا ہوں' سو میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو جہنم سے مجھے اپنی پناہ میں رکھنا اور میرے گناہوں کو بخش دینا اور بلاشبہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ (سو جو شخص یہ دعا کرے گا) اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو گا اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کریں گے۔

(سنن ابن ماجہ' ج ١' رقم الحدیث: ٧٧٨' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحدیث: ٨٥' الترغیب والترہیب' ج ٢' ص ٤٥٢' صحیح ابن خزیمہ' ج ٢' ص ٤٥٨' علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مسند احمد' ج ١٠' رقم الحدیث: ١١٠٩٩)

امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن یزید روایت کرتے ہیں کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو خوب علم تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان میں سب سے زیادہ قرب اللہ عزوجل کی طرف وسیلہ تھے۔

(مسند احمد' ج ٥' ص ٣٩٥' دارالفکر بیروت' طبع قدیم' علامہ احمد شاکر' متوفی ١٣٧٧ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' ج ١٦' رقم الحدیث: ٢٣٢٠١' طبع قاہرہ)

وسیلہ بہ معنی درجہ جنت

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

وسیلہ کا ایک معنی جنت کے درجات میں سے ایک (مخصوص) درجہ ہے' جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (نہایہ' ج ٥' ص ١٨٥)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم موذن (کی اذان) کو سنو تو اس کے کلمات کی مثل کہو' پھر مجھ پر درود پڑھو' کیونکہ جس شخص نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا' اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔ پھر میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو' کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک ایسا درجہ ہے' جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو حاصل ہو گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ سو جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا' اس کے حق میں میری شفاعت جائز ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث: (٣٨٤) ٨٢٦' سنن ابوداؤد' ج ١' رقم الحدیث: ٥٢٣' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٣٦٣٤' صحیح البخاری' ج ١' رقم الحدیث: ٦١٤' سنن نسائی' رقم الحدیث: ٦٧٧' عمل الیوم واللیلہ للنسائی' رقم الحدیث: ٤٥' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحدیث: ٩٣' مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ٦' رقم الحدیث: ٦٥٦٨' ج ١٠' رقم الحدیث: ١٠٩٦٢' ج ١٠' رقم الحدیث: ١١٤٣٢' ١١٧٩٩' ١١٤٦٨' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ١' ص ٤١٠۔ ٤٠٩' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ١٦٨٨' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' فیصل آباد)

دعاء اذان میں حدیث شفاعت کی تحقیق

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اذان سنتے تو دعا کرتے "اے اللہ! اس دعوت کاملہ اور (اس کے نتیجہ میں) کھڑی ہونے والی نماز کے رب' اپنے بندے اور اپنے رسول محمد (ﷺ) پر رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی شفاعت میں (داخل) کردے "۔ (المعجم الاوسط' ج ٤' رقم الحدیث: ٣٦٧٥' مکتبۃ المعارف الریاض' ١٤٠٥ھ)

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں اس حدیث کی سند میں صدقہ بن عبداللہ السمین ہے۔ امام احمد' امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے اور دحیم اور ابو حاتم اور احمد بن صالح مصری نے اس کی توثیق کی ہے۔

(مجمع الزوائد' ج ١' ص ٣٣٣' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت)

حافظ جمال الدین یوسف مزی متوفی ٧٤٣ھ لکھتے ہیں:

صدقہ بن عبداللہ السمین کی روایات سے امام ترمذی' امام نسائی' اور امام ابن ماجہ نے استدلال کیا ہے۔ ہرچند کہ امام احمد اور شیخین نے اس کو ضعیف کہا ہے' لیکن سعید بن عبدالعزیز اور امام اوزاعی نے اس کو ثقہ کہا۔ عبدالرحمن بن ابراہیم نے کہا: صدقہ ہمارے شیوخ میں سے ہیں اور ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ احمد بن صالح مصری نے کہا اس کی روایت صحیح اور مقبول ہے۔ دحیم نے کہا اگرچہ یہ قدریہ کی طرف مائل تھا' لیکن روایت میں صادق تھا۔ ولید بن مسلم نے کہا یہ ١٦٦ھ میں فوت ہو گیا تھا۔ (تہذیب الکمال' ج ٩' ص ٨١-٧٨' ملخصا' میزان الاعتدال' ج ' ص ٣٢٦-٣٢٥' تہذیب التہذیب' ج ٤' ص ٣٨١)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ" اے اللہ! آپ پر صلوۃ نازل فرما اور آپ کو اس مقام پر پہنچا جو تیرے نزدیک جنت میں آپ کے لیے مخصوص ہے اور قیامت کے دن ہم کو آپ کی شفاعت میں داخل کردے' سو جو شخص یہ دعا کرے گا' اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المعجم الکبیر' ج ١٢' رقم الحدیث: ١٢٥٥٤' الجامع الکبیر ج ٧' رقم الحدیث: ٢٢١١٨' عمدۃ القاری' ج ٥' ص ١٢٤)

حافظ الہیثمی متوفی ٨٠٧ھ لکھتے ہیں اس حدیث کی سند میں اسحق بن عبداللہ بن کیسان ہے۔ حاکم اور ابن حبان نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ١' ص ٣٣٣' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ١٤٠٢ھ)

حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی متوفی ٧٤٢ھ نے متعدد ائمہ حدیث کے حوالوں سے اسحق بن عبداللہ کا ضعف نقل کیا ہے۔ امام ابوداؤد نے اسحاق بن عبداللہ کی صرف ایک حدیث متابعۃً درج کی ہے اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس کی روایات کو درج کیا ہے۔ اسحق بن عبداللہ بن کیسان ١٤٤ھ میں فوت ہوا تھا۔

(تہذیب الکمال' ج ١' ص ٦٢-٥٧' میزان الاعتدال' ج ١' ص ٣٤٦' کتاب الجرح والتعدیل' ج ٢' ص ٢٢٨)

ہرچند کہ یہ حدیث ضعیف ہے' لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

دعائے اذان کے بعض دیگر کلمات کی تحقیق

اس بحث کے اخیر میں ہم ایک اور حدیث بیان کرنا چاہتے ہیں جس میں "انک لا تخلف المیعاد" کا ذکر ہے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اے اللہ! میں تجھ سے اس دعوت کاملہ اور اس کے نتیجہ میں کھڑی ہونے والی نماز کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ سیدنا محمد

ﷺ کو جنت میں وہ مقام عطا فرما جو آپ کے لیے مخصوص ہے' اور آپ کو فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود پر فائز کر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے' بے شک تو وعدہ کی مخالفت نہیں کرتا" اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں علی بن عیاش سے روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ' ج ا' ص ۴۱۰' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

اس دعا میں الوسیلۃ اور الفضیلۃ کے بعد والدرجۃ الرفیعۃ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے' اس کی اصل یہ حدیث ہے:

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

ایوب اور جابر جعفی بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اقامت کے وقت کہا: "اے اللہ! اس دعوت تامہ اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب سیدنا محمد ﷺ کو جنت میں وہ مقام عطا فرما' جو آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ کے درجات بلند فرما" تو اس کے حق میں نبی ﷺ کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المصنف' ج ا' ص ۴۹۶' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ)

وسیلہ بہ معنی مرشد کامل

ایمان' اعمال صالحہ' فرائض کی ادائیگی' اتباع سنت' اور محرمات اور مکروہات سے بچنا' یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور جس مرد صالح اور مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے ایک مسلمان گناہوں سے بچنے اور نیک کام کرنے کا عہد کرتا ہے' جو اس کو مسلسل نیکی کی تلقین کرتا ہے' اور اس کی روحانی تربیت کرتا ہے' اس شیخ کے وسیلہ اور قرب الٰہی کے ذریعہ میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی قول جمیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے۔ اور شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

اہل سلوک اس آیت کو راہ حقیقت کے سلوک کی طرف اشارہ گردانتے ہیں اور مرشد کو وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اس بناء پر حقیقی کامیابی اور مجاہدہ سے پہلے مرشد کو تلاش کرنا ضروری ہے' اور اللہ تعالیٰ نے سالکان حقیقت کے لیے یہی قاعدہ مقرر کیا ہے' اس لیے مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس راہ کا ملنا شاذ و نادر ہے۔ (صراط مستقیم' (فارسی)' ص ۵۰' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' لاہور)

اسلام میں بیعت کا تصور' شیخ طریقت کی شرائط' بیعت برکت' بیعت ارادت' تبدیلی بیعت' اور تجدید بیعت کا حکم' کیا ہر شخص پر بیعت ہونا فرض ہے' ان تمام عنوانات پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع کے اخیر میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ جو حضرات ان مباحث سے دلچسپی رکھتے ہوں' وہ اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا' اگر ان کے قبضہ میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی اور بھی ہوں تا کہ قیامت کے دن عذاب سے نجات کے لیے وہ ان چیزوں کو فدیہ میں دے دیں' تو وہ (فدیہ) ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے۔ (المائدہ: ۳۶)

آیا اللہ نے کافر کے کفر کا ارادہ کیا تھا یا اس کے ایمان کا؟

اللہ عزوجل نے یہ بتایا ہے کہ جن یہودیوں نے اللہ کی ربوبیت کا انکار کیا اور بچھڑے کی عبادت کی' اور جن مشرکوں نے بتوں' انسانوں یا عناصر کی عبادت کی اور وہ توبہ کرنے سے پہلے مر گئے' تو وہ اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے اگر تمام روئے زمین کے برابر فدیہ بھی دے دیں' تب بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا' بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو دائما' درد دینے والے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اس آیت میں ان یہودیوں کا رد فرمایا ہے' جنہوں نے کہا تھا' ہم کو صرف چند دن عذاب ہو گا اور اسی طرح بت پرست

کافروں کو عذاب کی وعید سنائی ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تم اپنے آباء واجداد کے وسیلہ سے دوزخ کے دائمی درد دینے والے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کافر سے کہا جائے گا' یہ بتا اگر تیرے پاس روئے زمین جتنا سونا ہو تو کیا تو اس کو فدیہ میں دے دے گا؟ وہ کہے گا' ہاں! پھر اس سے کہا جائے گا (دنیا میں) تجھ سے اس کی بہ نسبت بہت آسان سوال کیا گیا تھا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۶۵۳۸' صحیح مسلم' منافقین' ۵۴' (۲۸۰۵) ۶۹۵۰)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابی عمران کی روایت میں ہے' اللہ فرمائے گا جس وقت تو آدم کی پشت میں تھا' میں نے تجھ سے اس کی بہ نسبت آسان چیز کا سوال کیا تھا' یہ کہ تو میرے ساتھ شرک نہ کرنا' مگر تو شرک کے بغیر نہیں مانا' اور ثابت کی روایت میں ہے' ہم نے تجھ سے اس کی بہ نسبت کم چیز کا سوال کیا تھا۔ پس تو نے نہیں کیا' پھر اس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔ قاضی عیاض نے کہا اس حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ۔

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے اوپر انہیں گواہ بنایا' کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا' کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی' تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

(الاعراف: ۱۷۲)

یہ وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ان کی اولاد سے لیا تھا۔ جس نے بعد میں آکر دنیا میں اس عہد کو پورا کیا' وہ مومن ہے اور جس نے اس عہد کو پورا نہیں کیا' وہ کافر ہے۔ سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم سے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں جب تم کو دنیا میں نکالوں گا تو تم اس عہد کو پورا کرنا' لیکن تم نے اس کا انکار کر کے شرک کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ارادہ سے مراد طلب ہو۔ یعنی میں نے تم کو ایمان لانے کا حکم دیا تھا اور تم ایمان نہیں لائے' کیونکہ اس کائنات میں وہی ہوتا ہے جس کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے۔ معتزلہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا حکم دے جس کا وہ ارادہ نہ کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محال نہیں ہے۔ علامہ مازری نے کہا ہے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے اور کافر کے کفر کا' اور اگر اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان کا ارادہ کرتا تو وہ ایمان لے آتا' یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان کو مقدر کرتا تو وہ ایمان لے آتا' اس کے برخلاف معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے ایمان کا ارادہ کیا۔ مومن نے اس پر لبیک کہا' اور کافر نے انکار کیا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ کفر شر اور برائی ہے اور کفر کا ارادہ بھی شر اور برائی ہے اور اللہ تعالیٰ شر اور برائی سے منزہ ہے۔ اس لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ کسی کے کفر کا ارادہ کرے۔ اہل سنت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مخلوق کے حق میں شر کا ارادہ کرنا شر ہے۔ خالق کے حق میں شر کا ارادہ کرنا شر نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے' وہ جس طرح چاہتا ہے' اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے' مخلوق کے لیے شر کا ارادہ کرنا اس لیے شر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس سے منع کیا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے جو اس کو امر کرے۔ اس لیے مخلوق کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز! مخلوق جب کسی

چیز کا ارادہ کرے اور وہ نہ ہو تو یہ مخلوق کے ضعف اور اس کے عجز کی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضعف اور عجز سے پاک ہے۔ اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کافر کے ایمان کا ارادہ کرے اور وہ ایمان نہ لائے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر: ٧) اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پر راضی نہیں ہوتا۔

تو جب اللہ کفر سے راضی نہیں ہے تو وہ کافر کے کفر کا ارادہ کیسے کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ اور چیز ہے اور رضا اور چیز ہے۔ رضا کا معنی ہے ثواب دینا یعنی وہ کفر پر ثواب نہیں دیتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ارادہ عام ہے اور رضا خاص ہے' رضا کا معنی ہے خیر کا ارادہ کرنا' جس طرح ناراضگی اور غضب کا معنی ہے شر کا ارادہ کرنا۔

(فتح الباری' ج ١١' ص ٣٠٢-٣٠٣' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ١٤٠١ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اہل سنت و جماعت کا جو مذہب نقل کیا ہے' اس کے دلائل حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ٣٥٤ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد الرحمٰن بن قتادہ السلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا' پھر ان کی پشت سے ایک مخلوق کو نکالا۔ پھر فرمایا: یہ جنت میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ دوزخ میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! پھر ہم کس پر عمل کریں؟ آپ نے فرمایا تقدیر پر۔

(صحیح ابن حبان' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٣٨' المستدرک' ج ١' ص ٣١' مسند احمد' ج ٤' ص ١٨٦' طبع قدیم' علامہ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد' ج ٧' ص ١٨٦)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا (الاعراف: ١٧٢) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے آدم کو پیدا کیا' پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا' اور اس سے اولاد کو نکالا۔ پھر فرمایا: میں نے ان لوگوں کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں کے عمل کریں گے' پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے اولاد کو نکالا' پھر فرمایا: میں نے ان لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخیوں کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! پھر عمل کس لیے کریں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں کے عمل کراتا ہے' حتیٰ کہ وہ اہل جنت کے اعمال کرتا ہوا مرتا ہے۔ پس اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے' اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے عمل کراتا ہے' حتیٰ کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال کرتا ہوا مرتا ہے۔ پس اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٣٠٨٦' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ٤٧٠٣' سنن کبریٰ للنسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ١١١٩٠' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ١٦٦١' مسند احمد' ج ١' رقم الحدیث: ٣١١' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ٦١٦٦' المستدرک' ج ١' ص ٢٧' ج ٢' ص ٣٢٤' ج ٢' ص ٥٤٤' امام ذہبی نے تینوں حدیثوں میں حاکم کی موافقت کی ہے)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ٢٧٣ھ روایت کرتے ہیں:

ابن دیلمی بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں تقدیر کے متعلق ایک شک پیدا ہوا اور مجھے یہ خدشہ ہوا کہ کہیں اس سے میرا

دین فاسد نہ ہو جائے اور ایمان نہ جاتا رہے۔ پس میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور میں نے عرض کیا اے ابوالمنذر! اس تقدیر کے متعلق میرے دل میں ایک شک پیدا ہوا ہے' اور مجھے خدشہ ہوا ہے کہ اس سے میرا دین اور ایمان فاسد نہ ہو جائے۔ آپ میری تسلی کے لیے کوئی حدیث بیان کیجئے۔ شاید اللہ اس سے مجھے نفع پہنچائے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہا: اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا' اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہو گا۔ (کیونکہ وہ ان سب کا مالک ہے' اور سب اس کی مملوک ہیں) اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے' اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو وہ تم سے اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ۔ پس تم یہ یقین رکھو کہ تم کو جو مصیبت پہنچی ہے' وہ تم سے ٹلنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے ٹل گئی ہے' وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی' اور اگر تم اس کے علاوہ کسی دوسرے عقیدہ پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے' اور تم پر کوئی اعتراض نہیں ہے' تم جا کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھ لو' میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سوال کیا؟ تو انہوں نے بھی حضرت ابی بن کعب کی طرح جواب دیا اور فرمایا: تم پر کوئی اعتراض نہیں ہے' تم جا کر حضرت حذیفہ سے سوال کرو۔ میں نے حضرت حذیفہ سے سوال کیا؟ تو انہوں نے بھی ان دونوں کی طرح جواب دیا اور کہا: اب تم جا کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سوال کرو میں نے حضرت زید بن ثابت سے سوال کیا؟ تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں والوں اور تمام زمینوں والوں کو عذاب دے تو وہ عذاب دے گا' اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہو گا اور اگر وہ رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے' اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو' تو وہ اس وقت تک تم سے قبول نہیں کیا جائے گا' جب تک کہ تم ہر تقدیر پر ایمان نہ لاؤ اور یہ یقین نہ رکھو کہ جو مصیبت تم کو پہنچی ہے' وہ تم سے ٹلنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے ٹل گئی ہے' وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی اور اگر تم اس کے سوا کسی اور عقیدہ پر مر گئے تو تم دوزخ میں داخل ہو گے۔

(سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۷' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۶۹۹' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۱۶۶۷' طبع دارالفکر' بیروت' علامہ احمد شاکر' متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۲۱۴۸۱' ۲۱۵۰۲' ۲۱۵۳۶' طبع دارالحدیث' قاہرہ ۱۴۱۶ھ)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ کافر کا کفر اور مومن کا ایمان اللہ کے ارادہ سے ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے' کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں۔ اس نے جس کو جنت کے لیے پیدا کیا' اس کے لیے جنت کے اعمال آسان کر دیئے اور جس کو دوزخ کے لیے پیدا کیا' اس کے لیے دوزخ کے اعمال آسان کر دیئے۔ اللہ کا بے حد و حساب شکر ہے کہ اس نے ہم کو ایمان اور اعمال صالحہ سے نوازا۔ اے اللہ! ہمارا خاتمہ بھی ایمان اور اعمال صالحہ پر کرنا اور اسی عقیدہ پر ہمارا حشر کرنا' ہم دوزخ سے اور دوزخیوں کے اعمال سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

متکلمین نے اس کی توجیہ میں یوں کہا ہے کہ چونکہ کافر کفر کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں کفر کو پیدا کر دیا اور مومن نے ایمان کا ارادہ کیا' تو اللہ نے اس میں ایمان کو پیدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خیر اور شر کا اختیار دیا جو خیر کا ارادہ کرتا ہے' اس میں خیر پیدا کر دیتا ہے اور جو شر کا ارادہ کرتا ہے' اس میں شر کو پیدا کر دیتا ہے' بندہ کے ارادہ کو کسب کہتے ہیں۔ کسب کا تعلق بندہ سے ہے اور خلق کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور انسان کو جزا اور سزا اس کے کسب اور ارادہ کی وجہ سے ملتی ہے' اور اگر بندہ کے افعال میں اس کے کسب اور ارادہ کا دخل نہ مانا جائے' تو پھر دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء اور رسل کو بھیجنا اور

آسمانی کتابوں کو نازل کرنا اور آخرت میں جزاء اور سزا کا نظام قائم کرنا' سب بے معنی اور خلاف حکمت ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ کو کاٹ دو' یہ ان کے کیے ہوئے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے اور اللہ بہت غالب اور نہایت حکمت والا ہے (المائدہ: ۳۹)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بتلایا تھا کہ ڈاکو کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں اور اس آیت میں چور کے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور حدیث میں ہے کہ دوسری چوری پر اس کا پیر کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا جب کسی شخص نے چوری کی تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اگر دوبارہ چوری کی تو اس کا بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا۔

(کتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشیبانی ص ۱۳۸)

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان کی اہمیت بیان کی تھی کہ ایک انسان کو قتل کرنا اللہ کے نزدیک گویا تمام انسانوں کو قتل کرنا ہے۔ پھر فرمایا: کہ اگر یہی انسان ڈاکہ ڈالے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور یہاں فرمایا کہ اگر انسان چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

سرقہ کا لغوی معنی

علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

اہل عرب چور اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی محفوظ جگہ میں چھپ کر جائے اور مال غیر لے کر چلا جائے۔ اگر وہ چھپ کر لینے کے بجائے کھلم کھلا لے تو وہ اچکا اور لٹیرا (مختلس اور منتہب) ہے اور اگر زبردستی چھینے تو غاصب ہے۔

(لسان العرب' ج ۱۰' ص ۱۵۶' مطبوعہ نشر ادب الحوزہ' قم' ایران' ۱۴۰۵ھ)

سرقہ کا اصطلاحی معنی

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

عاقل بالغ کسی ایسی محفوظ جگہ سے کسی کے دس درہم (یا اس سے زیادہ) یا اتنی مالیت کی کوئی چیز چھپ کر بغیر کسی شبہ اور تاویل کے اٹھا لے' جس جگہ کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو' درآنحالیکہ وہ چیز جلدی خراب ہونے والی نہ ہو تو وہ سرقہ (چوری) ہے۔

(فتح القدیر' ج ۵' ص ۳۳۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شان نزول

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت طعمہ بن ابیرق کے متعلق نازل ہوئی ہے' جس نے زرہ کی چوری کی تھی۔ اس کی تفصیل ہم النساء: ۱۰۵ میں بیان کر چکے ہیں۔ (اسباب النزول' ص ۱۹۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

جاہلیت اور اسلام میں جن کے ہاتھ کاٹے گئے

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں بھی چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا' زمانہ جاہلیت میں جس کا سب سے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا' وہ ولید بن مغیرہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام میں بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اسلام میں جس چور کا سب سے پہلے مردوں میں رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹا' وہ خیار بن عدی بن نوفل بن عبد مناف تھے' اور عورتوں میں جس چور کے سب سے پہلے ہاتھ کاٹے گئے' وہ مرہ بنت

سفیان بن عبد الاسد تھیں۔ ان کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ حضرت ابوبکر نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا جس نے ہار چرایا تھا۔ حضرت عمر نے عبد الرحمن بن سمرہ کے بھائی کا ہاتھ کاٹا تھا' ان واقعات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ۳' ص ۱۱۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ اس نے چور کا ہاتھ کاٹنے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا اور اگر کوئی شخص اچک کر کوئی چیز لے جائے یا لوٹ کر لے جائے یا غصب کرے' تو اس پر حد مقرر نہیں (ہر چند کہ اس میں تعزیر ہے) کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گواہ قائم کیے جاسکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برخلاف چور چھپ کر مال لے جاتا ہے' لہٰذا اس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے' اس لیے اس کی سزا سخت رکھی' تاکہ اس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں اور مسلمانوں کے اموال محفوظ رہ سکیں۔

بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد اس کو فوراً جوڑ دیا جائے' تو یہ جائز ہے لیکن یہ فتویٰ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کو فرمایا ہے' یہ اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے' اگر چور کا ہاتھ جوڑ دیا گیا' تو پھر یہ عبرت نہیں رہے گا اور یہ قرآن مجید کے صریح خلاف ہے' اس کی مکمل بحث ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع میں کی ہے۔

ایک بحث یہ ہے کہ چور ہاتھ سے چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے' تو زانی جب زنا کرتا ہے تو اس کا آلہ تناسل کیوں نہیں کاٹا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چور کا جب ایک ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے' تو اس کا دوسرا ہاتھ موجود ہوتا ہے جس سے وہ کام کاج کر سکتا ہے' جبکہ زانی کے پاس دوسرا آلہ نہیں ہوتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدود اس لیے مقرر کی گئی ہیں کہ لوگ دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ کٹا ہوا ہاتھ تو دکھائی دیتا ہے' اور آلہ مستور ہوتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آلہ تناسل کاٹ دینے سے فروغ نسل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا' اور ہاتھ کاٹنے میں یہ خطرہ نہیں ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ زنا کی سزا میں جرم تو صرف ایک جز نے کیا ہے' اور کوڑوں یا رجم کی شکل میں سزا پورے جسم کو ملتی ہے' اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کرنے سے پورا جسم لذت حاصل کرتا ہے' اس لیے پورے جسم کو سزا دی جاتی ہے۔

حجیت حدیث پر دلیل

اس آیت میں کئی وجوہ سے اجمال ہے۔ اولاً: یہ کہ مطلقاً چوری کرنے پر حد واجب نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک پیسہ یا روپیہ چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' بلکہ ایک معین مقدار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس آیت میں اس مقدار کا بیان نہیں ہے۔ ثانیاً: اس آیت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور ہاتھ کا اطلاق انگلیوں پر' ہتھیلی پر' پہنچے تک' کلائی کے وسط تک' کہنی تک اور بازو تک' پر ہاتھ کا اطلاق ہوتا ہے۔ ثالثاً: اس آیت میں یہ بیان نہیں ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا حکم امت کے عام افراد کو دیا گیا ہے' یا یہ حکم صرف مسلمان حاکم کے لیے ہے۔ ان تمام امور کا بیان نبی ﷺ کی سنت اور احادیث میں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ احادیث کے بغیر قرآن مجید کے معنی کو سمجھنا اور اس کے حکم پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔

حد سرقہ کے نصاب میں امام شافعی کا نظریہ

امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ لکھتے ہیں:

جب چور کسی چیز کو چرائے تو اس چیز کی قیمت کا اس دن سے لحاظ کیا جائے گا' جس دن اس نے چوری کی تھی۔ اگر اس کی قیمت چوتھائی دینار کو پہنچ گئی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا' ورنہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(الام' ج ٦' ص ١٤٧' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤٠٣ھ)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ٧' رقم الحدیث: ٦٧٨٩' صحیح مسلم' حدود ١' (١٦٨٤) ٤٣١٩' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٤٣٨٣' سنن نسائی' ج ٨' رقم الحدیث: ٤٩٣٩' مسند احمد' ج ٩' رقم الحدیث: ٢٤١٣٤' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٨' ص ٢٥٤' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ١٥٧٥' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ٩' ص ٤٧٠' صحیح ابن حبان' ج ١٠' رقم الحدیث: ٤٤٦٢' مسند حمیدی' رقم الحدیث: ٢٧٩' مسند الشافعی' ج ٢' رقم الحدیث: ٨٣' شرح السنہ للبغوی' رقم الحدیث: ٢٥٩٥)

واضح رہے کہ چوتھائی دینار تین درہم کے مساوی ہے۔ امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹو اور اس سے کم میں نہ کاٹو' اور ان دنوں میں چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا' اور دینار بارہ درہم کا تھا اور اگر چوری چوتھائی درہم سے کم ہوتی' تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا نہ کہتی۔

(علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ١٧' رقم الحدیث: ٢٤٣٩٦-٢٣٩٦٠' طبع قاہرہ)

حد سرقہ کے نصاب میں امام مالک کا نظریہ

امام سحنون بن سعید التنوخی مالکی متوفی ٢٥٦ھ لکھتے ہیں:

میں نے امام مالک سے پوچھا یہ بتائیے کہ اگر کوئی شخص آج تین درہم کی چوری کرے اور وہ چوتھائی دینار کے برابر آج نہ ہوں' کیونکہ دینار کی قیمت بڑھ گئی ہو تو کیا آپ کے قول کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ امام مالک نے فرمایا ہاں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا' جبکہ اس نے اس دن تین درہم کی مالیت کی چوری کی ہو۔ کیونکہ نبی ﷺ نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا۔

(المدونۃ الکبریٰ' ج ٦' ص ٢٦٥' مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ' مصر' ١٣٢٣ھ)

امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ١٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

(الموطا امام مالک' رقم الحدیث: ١٥٧٢' مسند الشافعی' ج ٢' رقم الحدیث: ٨٣' صحیح البخاری' ج ٧' رقم الحدیث: ٦٧٩٥' صحیح مسلم' حدود ٦' (١٦٨٦) ٤٣٢٧' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٤٣٨٥' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ١٤٥١' سنن نسائی' ج ٨' رقم الحدیث: ٤٩٢١' مسند احمد' ج ٢' رقم الحدیث: ٥٣١٠' صحیح ابن حبان' ج ١٠' رقم الحدیث: ٤٤٦٣' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٣' ص ١٨٠' سنن دار قطنی' ج ٣' رقم الحدیث: ٣٣٨٥' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٨' ص ٢٥٦' شرح السنہ للبغوی' رقم الحدیث: ٢٥٩٦)

حد سرقہ کے نصاب میں امام احمد بن حنبل کا نظریہ

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

تمام فقہاء کے نزدیک نصاب سے کم چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ احسن بصری' داؤد ظاہری' امام شافعی کے نواسے اور خوارج کا قول یہ ہے کہ قلیل چیز کی چوری ہو یا کثیر کی' چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں مطلقاً ارشاد ہے السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما (المائدہ: ۳۸) چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرمائے' وہ رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے (صحیح بخاری' و صحیح مسلم) نیز قلیل چیز کی چوری کرنے والا بھی حرز (جس جگہ کی حفاظت ہو) سے چیز چراتا ہے' تو کثیر چیز کی چوری کی طرح اس پر بھی اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں' ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا صرف تین چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور اجماع کی وجہ سے آیت کے عموم میں تخصیص کی جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس رسی پر ہاتھ کاٹا جائے' جس کی مالیت ربع دینار ہو (جیسے جہازوں کی رسی' سعیدی) اور بیضہ سے مراد مرغی کا انڈا نہ ہو' بلکہ لوہے کا بیضہ یعنی "خود" مراد ہو۔

امام احمد سے نصاب سرقہ میں مختلف روایات ہیں۔ ابو اسحاق جوزجانی سے ربع طلائی دینار یا تین چاندی کے درہموں کی روایت ہے' یا جو ان کی مالیت ہو۔ امام مالک اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور اثرم سے یہ روایت ہے کہ اگر سونے یا چاندی کے علاوہ کسی چیز کی چوری کی ہے تو چوتھائی دینار یا تین درہم کی مالیت نصاب ہے' اور ان میں سے کم تر مالیت کو نصاب مانا جائے گا' لیث اور ابو ثور سے بھی یہی مروی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا صرف چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت ہے۔ عمر بن عبدالعزیز' اوزاعی' امام شافعی اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے اور عثمان بتی نے کہا کہ ایک درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے "کہ چار درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا" اور حضرت عمر سے ایک روایت ہے کہ صرف پانچ درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ سلیمان بن یسار' ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ جوزجانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے "کہ حضرت ابوبکر نے اس ڈھال کے عوض ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔ عطاء' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا یہ قول ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا" کیونکہ حجاج بن ارطاۃ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' نبی ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم میں قطع ید نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ڈھال کے عوض ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا' اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی اور نخعی سے روایت ہے کہ چالیس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) علامہ ابن عبدالبر نے کہا یہ حدیث اس باب میں صحیح ترین حدیث ہے اور اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کی جو پہلی حدیث (جس میں ایک دینار یا دس درہم کی ڈھال پر قطع ید کا ذکر ہے) اس پر دلالت نہیں کرتی کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹنا جائز نہیں' کیونکہ جو تین

درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹتے ہیں' وہ دس درہم کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹتے ہیں۔

(المغنی' ج ۹' ص ۹۵۔ ۹۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۰۵ھ)

حد سرقہ کے نصاب میں امام ابو حنیفہ کا نظریہ اور ائمہ ثلاثہ کے جوابات

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ڈھال کی قیمت کے ماسوا میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے' اور ان دنوں اس کی قیمت دس درہم کے برابر تھی' اور اس میں یہ دلیل ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے سرقہ میں نصاب معتبر ہے۔

پھر نصاب کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا یہ نصاب دس درہم یا ایک دینار ہے۔ امام شافعی نے کہا چوتھائی دینار ہے۔ امام مالک نے کہا: تین درہم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری نے کہا چالیس درہم ہے۔ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا چوتھائی درہم یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس لیے کہ ان کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صرف ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا' اور ڈھال کی قیمت میں اختلاف ہے اور اختلاف کے وقت اس کی کم سے کم قیمت کا اعتبار کیا جائے گا' اور کم سے کم قیمت جو منقول ہے' وہ تین درہم ہے۔ اس لیے امام مالک نے سرقہ کا نصاب تین درہم قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دینار کی قیمت بارہ درہم تھی' تو تین درہم چوتھائی دینار ہو گئے اور ہمارے علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً مروی ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور حدیث مشہور میں ہے کہ دس درہم سے کم میں حد نہیں ہے' اور دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور ایمن بن ابی ایمن' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں جس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا گیا تھا' وہ دس درہم کی تھی' اور ان صحابہ کرام کے قول کی طرف رجوع کرنا زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ وہ مجاہدین میں سے تھے اور ہتھیاروں کی قیمت اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والے تھے' اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ڈھال کی اس قیمت کا اعتبار کرنا چاہیے جو کم سے کم ہو' کیونکہ چوری شدہ مال کی کم قیمت اس لیے لگائی جاتی ہے' تاکہ حد کو ساقط کیا جا سکے' اور یہاں حد کو ساقط کرنا اس وقت متحقق ہو گا جب ڈھال کی قیمت زیادہ سے زیادہ لگائی جائے۔

اور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور کو لایا گیا' جس نے کپڑا چرایا تھا۔ حضرت عمر نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اس کی چوری دس درہم کے مساوی نہیں ہے' پھر اس کپڑے کی قیمت معلوم کی گئی تو اس کی قیمت آٹھ درہم ڈالی گئی تو اس شخص سے حد ساقط کر دی گئی۔ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نصاب سرقہ کا دس درہم ہونا صحابہ کے درمیان معروف اور مشہور تھا۔ نیز! نصاب حد کو نصاب مہر پر قیاس کیا گیا ہے اور یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ کم از کم مہر دس درہم ہے' اور نکاح اور ہاتھ کاٹنے دونوں میں ایک عضو پر تصرف کیا جاتا ہے' جو شریعت میں تصرف کرنے سے محفوظ اور مامون ہے۔ اس لیے اس تصرف کا استحقاق مال کثیر کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چوتھائی دینار کی جو حدیث مروی ہے' اس میں بہت زیادہ اضطراب ہے اور اکثر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشہور قول یہ ہے کہ کسی معمولی چیز کے عوض ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا' بلکہ ڈھال کی قیمت کے عوض ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چوتھائی دینار کی صریح حدیث ہوتی تو وہ یہ مبہم جواب نہ دیتیں۔ پھر یہ بھی احتمال ہے کہ ابتداء میں چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہو' بعد میں دس درہم کو نصاب سرقہ مقرر کر کے چوتھائی دینار کے حکم کو منسوخ کر دیا' تاکہ ناسخ حکم' منسوخ حکم سے خفیف اور آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہم جس آیت کو منسوخ کرتے ہیں' یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل لے آتے ہیں۔ (المبسوط ج ٩' ص ١٣٨-١٣٦' ملخصاً' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ١٣٩٨ھ)

مذہب احناف کے ثبوت میں احادیث

علامہ سرخسی کی اس مفصل عبارت میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب آگیا ہے' تاہم علامہ سرخسی نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے' ہم ان کی تخریج اور مذہب احناف کی تائید میں مزید احادیث بیان کر رہے ہیں۔

امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ٣٠٣ھ روایت کرتے ہیں:

ایمن بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صرف ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا ہے اور اس دن ڈھال کی قیمت ایک دینار تھی۔ امام نسائی نے اس حدیث کو چھ مختلف سندوں سے روایت کیا ہے۔ ہارون بن عبداللہ کی روایت میں ہے' اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی۔

(سنن نسائی' ج ٨' رقم الحدیث: ٤٩٦٣' ٤٩٦٢' ٤٩٦١' ٤٩٦٠' ٤٩٥٩' ٤٩٥٨)

امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' کہ ڈھال کی قیمت اس دن دس درہم تھی۔

(سنن نسائی' ج ٨' رقم الحدیث: ٤٩٦٦' ٤٩٦٥' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٤٣٨٧' یہ حدیث عطا سے مرسلاً بھی روایت کی ہے۔ رقم الحدیث: ٤٩٦٨' ٤٩٦٧' المستدرک' ج ٤' ص ٣٧٩' حاکم نے اس کو صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ امام بیہقی نے متعدد اسانید کے ساتھ ایمن سے روایت کیا ہے۔ سنن کبریٰ' ج ٨' ص ٢٥٧' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ٩' ص ٤٧٣' مصنف عبدالرزاق' ج ١٠' ص ٢٣٣' سنن دار قطنی' ج ٣' رقم الحدیث: ٣٣٩٢' ٣٣٩١' ٣٣٩٠' ٣٣٨٩)

امام نسائی از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں' ڈھال کی قیمت رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دس درہم تھی۔ (سنن نسائی' ج ٨' رقم الحدیث: ٤٩٧١' سنن دار قطنی' ج ٣' رقم الحدیث: ٣٣٨٨-٣٣٨٧)

امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس درہم سے کم میں قطع ید (ہاتھ کاٹنا) نہیں ہے۔

(علامہ احمد شاکر' متوفی ١٣٧٧ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد بتحقیق احمد شاکر' ج ٦' رقم الحدیث: ٦٩٠٠' سنن دار قطنی' ج ٣' رقم الحدیث: ٣٣٩٣' مجمع الزوائد' ج ٦' ص ٢٧٣)

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ٢١١ھ روایت کرتے ہیں:

قاسم بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کی قیمت لگاؤ۔ حضرت عثمان نے اس کی آٹھ درہم قیمت لگائی' تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ (المصنف' ج ١٠' ص ٢٣٥-٢٣٤' ابن ابی شیبہ' ج ٩' ص ٤٧٦' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٨' ص ٢٦٠)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(مصنف عبدالرزاق ' ج ۱۰ ' ص ۲۳۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(مصنف عبدالرزاق ' ج ۱۰ ' ص ۲۳۳ ' مصنف ابن ابی شیبہ ' ج ۹ ' ص ۴۷۵ ' سنن کبریٰ للبیہقی ' ج ۸ ' ص ۲۶۰ ' کتاب الآثار لامام محمد ' ص ۱۳۷ ' سنن دار قطنی ' ج ۳ ' رقم الحدیث: ۳۳۹۸-۳۳۹۷)

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی نے کہا کہ ڈھال سے کم قیمت میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(کتاب الآثار ' ص ۱۳۷ ' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ' ۱۴۰۷ھ)

ابن مسیب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب چور اس قدر (مال کی) چوری کرے جو ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔

(مصنف عبدالرزاق ' ج ۱۰ ' ص ۲۳۳ ' مطبوعہ مکتب اسلامی ' بیروت ' ۱۳۹۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ تین درہم یا چوتھائی دینار کو ہاتھ کاٹنے کا نصاب قرار دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب دس درہم یا ایک دینار کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ دس درہم دو اعشاریہ چھ دو پانچ (۲٫۶۲۵) تولہ اور تیس اعشاریہ چھ ' ایک آٹھ (۳۰٫۶۱۸) گرام چاندی کے برابر ہے۔ اور تین درہم صفر اعشاریہ سات آٹھ سات پانچ (۰٫۷۸۷۵) تولہ اور نو اعشاریہ ایک آٹھ پانچ چار (۹٫۱۸۵۴) گرام چاندی کے برابر ہے۔

کون سا ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے؟

چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا ' کیونکہ امام بیہقی نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے۔ ہماری قراءت میں ہے "فاقطعوا ایمانھما" چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے دائیں ہاتھ کو کاٹ دو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ' ج ۸ ' ص ۲۷۰ ' مطبوعہ نشر السنہ ' ملتان)

دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے گا۔

امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود ' حضرت صفوان بن امیہ بن خلف مسجد میں سوئے ہوئے تھے ' ان کے سرہانے ان کے کپڑے تھے ' ایک چور آکر وہ کپڑے لے گیا ' وہ اس چور کو پکڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے ' اس نے چوری کا اقرار کرلیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت صفوان نے کہا یا رسول اللہ ! کیا عرب کے ایک شخص کا میرے کپڑوں کے عوض ہاتھ کاٹا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میرے پاس پکڑ کر لانے سے پہلے یہ عرب نہیں تھا؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک مجرم حاکم کے پاس نہ پہنچے ' تم شفاعت کر سکتے ہو۔ اور جب وہ حاکم تک پہنچ گیا ' پھر اس کو معاف کیا تو اللہ اس کو معاف نہ کرے ' پھر آپ نے حکم دیا کہ پہنچے (ہتھیلی اور کلائی کا جوڑ) سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

(سنن دار قطنی ' ج ۳ ' رقم الحدیث: ۳۴۳۰ ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ' بیروت ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

عدی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹ دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹ دیا۔ عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹ دیتے تھے۔

(سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۷۱ مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

جن صورتوں میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا

فتاویٰ عالمگیری میں ہاتھ کاٹنے کی حسب ذیل شرائط بیان کی گئی ہیں:

۱- جو چیز دارالاسلام میں مباح یا خسیس اور حقیر ہو اس کے چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جیسے افتادہ لکڑی گھاس پھوس سرکنڈا مچھلی ہڑتال اور چونا وغیرہ۔ (ہدایہ کافی اور اختیار)

۲- سونا چاندی اگر مٹی یا پتھر میں مخلوط ہو اور اس کو اس شکل میں چرایا جائے تو اس پر حد سرقہ نہیں ہے۔ (ظاہر الروایہ)

۳- جو چیز جلد خراب ہو جاتی ہے جیسے دودھ گوشت اور تازہ پھل ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (ہدایہ)

۴- جو پھل درخت پر لگے ہوں یا گندم کھیت میں ہو اس کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

۵- قحط کے ایام میں طعام کی چوری پر حد نہیں ہے۔ خواہ طعام جلد خراب ہونے والا ہو یا نہ ہو حفاظت میں رکھا گیا ہو یا نہ ہو اور قحط کا سال نہ ہو لیکن جس طعام کو چرایا ہے وہ جلد خراب ہونے والا ہے پھر بھی حد نہیں ہے اور اگر طعام جلد خراب ہونے والا نہ ہو لیکن غیر محفوظ ہو پھر بھی حد نہیں ہے۔ (ذخیرہ)

۶- مٹی کی دیگچی کی چوری میں حد نہیں ہے۔ (تبیین)

۷- درخت کو باغ سے جڑ سمیت چرانے پر حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

۸- ہاتھی کے دانت کی چوری میں حد نہیں ہے بشرطیکہ اس سے کوئی چیز بنائی نہ گئی ہو۔ (ایضاح)

۹- شیشہ کی چوری میں حد نہیں ہے۔ (فتح القدیر)

۱۰- جن جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے ان کے چرانے پر حد نہیں ہے خواہ وہ وحشی ہوں یا غیر وحشی بری ہوں یا بحری۔ (تتارخانیہ)

۱۱- مہندی سبزیوں تازہ پھلوں گھاس پانی گٹھلی اور جانوروں کی کھالوں کے چرانے میں حد نہیں۔ الا یہ کہ کھال سے مصلی یا کوئی اور چیز بنائی گئی ہو۔ (عتابیہ)

۱۲- خمر خنزیر باقی پرندوں وحشی جانوروں کتے چیتے مرغی بطخ اور کبوتر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (تمرتاشی)

۱۳- طنبور دف مزمار اور باقی گانے بجانے کے آلات کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

۱۴- طبل اور بربط اگر لہو و لعب کے لیے ہوں تو ان کے چرانے میں حد نہیں ہے اور اگر جہاد کا طبل ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ (محیط)

۱۵- پنیر اور روٹی کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

۱۶- شطرنج اور چوسر خواہ سونے کی بنی ہوئی ہوں ان کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (محیط)

۱۷- مصحف (قرآن مجید) کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

۱۸- فقہ نحو لغت اور شعر و ادب کی کتابوں کے چرانے میں بھی حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

۱۹- تیر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (ذخیرہ)

۲۰- سونے یا چاندی کی صلیب یا بت کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ البتہ سونے اور چاندی کے جن سکوں پر تصویریں ہوں' ان پر حد ہے۔ (عتابیہ)

۲۱- بڑی عمر یا سمجھ دار غلام کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (ہزفائق)

۲۲- جس شخص نے اپنے مقروض سے دس درہم غیر موجل قرض لینا ہو اور وہ اس سے اتنی مالیت کی چیز چرالے تو حد نہیں ہے اور اگر قرض موجل ہو تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حد ہو اور استحسان کا تقاضا ہے کہ حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

۲۳- اگر نابالغ بیٹے کے مقروض کے مال سے چوری کی تو حد نہیں ہے۔ (محیط)

۲۴- اگر چاندی کے برتن میں نبیذ یا جلد خراب ہونے والی کوئی چیز (مثلاً دودھ) تھی' اس کو چرالیا تو حد نہیں ہے۔

۲۵- جس برتن میں خمر (شراب) تھی' اس کو چرالیا تو اس میں حد نہیں ہے۔ (محیط)

۲۶- اگر قبر سے درہم' دینار یا کفن کے علاوہ کوئی اور چیز چرائی تو اس پر حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

۲۷- کفن چرانے پر حد نہیں ہے۔ (کافی)

۲۸- مال غنیمت یا مسلمانوں کے بیت المال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔ (نہایہ)

۲۹- جس چیز پر ایک بار حد لگ چکی ہو' اس کو دوبارہ چرانے پر حد نہیں ہے۔ (شرح الطحاوی' ظہیریہ)

۳۰- حربی مستامن کے مال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔ (مبسوط)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

۳۱- مسجد کا سامان مثلاً چٹائیاں اور قندیل چرانے پر حد نہیں ہے۔

۳۲- کعبہ کے پردوں کو چرانے پر حد نہیں ہے۔

۳۳- جن کاغذوں پر کچھ لکھا ہوا یا چھپا ہوا ہو' ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔

۳۴- اگر کسی شخص نے امانت میں خیانت کی تو اس پر حد نہیں ہے۔

۳۵- لٹیرے اور اچکے پر حد نہیں ہے۔

۳۶- اگر کوئی شخص اپنے شریک کے مال سے چوری کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔

۳۷- ماں' باپ' اولاد یا دیگر محارم کے مال سے چوری پر حد نہیں ہے۔

۳۸- اگر محرم کے گھر سے کسی اور کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

۳۹- اگر زوجین میں سے کسی ایک نے دوسرے کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

۴۰- غلام یا لونڈی نے اپنے مالک کا مال چرایا یا لونڈی نے اپنی مالکہ کے خاوند کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

۴۱- اگر مالک نے اپنے مکاتب کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔

۴۲- حمام یا جس گھر میں جانے کا اذن عام ہو' اس میں چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔

(فتاوی عالمگیری' ج ۲' ص ۱۷۹-۱۷۵' ملخصاً' مطبوعہ مطبعہ امیریہ' کبری بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کا ہے' وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ۴۰)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر چور نے توبہ نہ کی اور وہ پکڑا گیا تو اس پر حد بھی جاری ہوگی اور آخرت میں عذاب بھی ہوگا اور اگر اس نے توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو اللہ آخرت کی سزا معاف فرمادے گا۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب دینا یا معاف فرمادینا' اس وجہ سے ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے۔ جس کو چاہے' معاف کردے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اس کا عذاب دینا بھی حسن اور حکمت پر مبنی ہے اور اس کا معاف فرمانا بھی حسن اور کرم پر مبنی ہے۔ اہل سنت کا مذہب ہے عذاب دینا اس کا عدل ہے اور معاف فرمانا اور ثواب عطا فرمانا اس کا کرم ہے' اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے' ہم اس کے عذاب سے اس کی پناہ طلب کرتے ہیں اور اس کے عفو و درگزر اور رحم و کرم کو طلب کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ

اے رسول! آپ کو وہ لوگ غم زدہ نہ کریں جو کفر میں تیزی کے ساتھ سرگرم ہیں، ان میں سے

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ

بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے مونہوں سے کہا ہم ایمان لے آئے، حالاں کہ ان کے دل مومن نہیں ہیں اور بعض

الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ

یہودی ہیں جو جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور ان لوگوں کی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں جو آپ کے

لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ

پاس نہیں آئے، (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ

اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ

(حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو، اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو، اور (اے مخاطب) جسے

اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے تو، تو ہرگز اس کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے

لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚ وَّلَهُمْ

دلوں کو پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ نہیں فرمایا، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں

فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ

ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○ (یہ) جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور حرام بہت زیادہ

لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ

کھاتے ہیں، سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کریں خواہ ان سے اعراض فرمائیں

وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ

اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ

ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ○ اور وہ آپ

يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ

کو کیسے منصف بنائیں گے حالاں کہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر اس کے باوجود وہ

بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع

روگردانی کرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! آپ کو وہ لوگ غم زدہ نہ کریں جو کفر میں تیزی کے ساتھ سرگرم ہیں (المائدہ: ۴۱)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ڈاکہ اور چوری سے متعلق احکام شرعیہ ارشاد فرمائے‘ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مخالفین بہت گرم جوشی کے ساتھ کفر کا اظہار کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر کی تلقین کی۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کفر میں ان کی سرگرمیوں کی پرواہ نہ کریں‘ ان میں سے بعض منافقین ہیں جو کفار کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں‘ آپ ان کو اہمیت نہ دیں۔ اللہ عزوجل آپ کے لیے کافی ہے‘ اور ان کے مکر و فریب کے خلاف آپ کی مدد فرمائے گا۔ اسی طرح آپ یہود کی ریشہ دوانیوں کی بھی فکر نہ فرمائیں‘ یہ دونوں فریق یہود کے احبار اور رہبان سے دین اسلام کے متعلق جھوٹی باتیں بہت سنتے ہیں۔ آپ کی نبوت میں شبہات اور تورات میں تحریف پر مشتمل باتیں خوب سنتے ہیں اور ان کو قبول کرتے ہیں۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو یہودی آپ کے پاس نہیں آتے یہ ان کے جاسوس ہیں‘ آپ پر جھوٹ باندھنے کے لیے یہ آپ کی باتیں سنتے ہیں‘ تاکہ جو کچھ آپ سے سنیں اس میں تغیر اور تبدل کر کے اور اپنے پاس سے جھوٹ ملا کر یہودیوں کو پہنچائیں۔

قرآن مجید میں دو جگہ آپ کو یاایھا الرسول کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ ایک یہ جگہ ہے (المائدہ: ۴۱) اور دوسری آیت یہ ہے یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک (المائدہ: ۶۷) ان کے علاوہ باقی ہر جگہ آپ کو یاایھا النبی کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت مہتم بالشان آیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں‘ وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ (حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو (المائدہ: ۴۱)

یہود کا تورات میں لفظی اور معنوی تحریف کرنا

یہود تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی بھی۔ لفظی تحریف یہ تھی کہ کسی لفظ کو درمیان سے چھوڑ دیتے تھے' یا کسی لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دیتے تھے' یا اس لفظ کو زبان مروڑ کر اس طرح پڑھتے تھے کہ اس کا معنی بدل جاتا تھا' اور معنوی تحریف یہ تھی کہ کسی آیت کی الٹ تفسیر بیان کرتے یا باطل تاویل کرتے' اگر ان سے آخری نبی کی صفات پوچھی جاتیں تو دجال کی صفات پڑھ کر سنا دیتے۔

امام ابو جعفر ابن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ نے بیان کیا ہے کہ یہود بنو قریظہ اپنے آپ کو بنو نضیر سے افضل کہتے تھے۔ اگر بنو قریظہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ قصاص کے لیے تیار نہ ہوتے' صرف دیت دیتے تھے اور اگر بنو نضیر کا کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا' تو پھر اس سے قصاص لیتے تھے۔ جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو وہ اسی طریقہ پر کاربند تھے۔ بنو قریظہ نے بنو نضیر کے کسی آدمی کو عمداً قتل کر دیا۔ اس وقت منافقوں نے کہا کہ اگر یہ (نبی ﷺ) دیت ادا کرنے کا حکم دیں تو مان لینا' ورنہ ان کے حکم سے اجتناب کرنا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ٣٢٣)

امام ابن جریر نے یہود کی تحریف کی یہ مثال دی ہے کہ تورات میں یہ حکم تھا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں تو ان کو رجم کر دیا جائے۔ انہوں نے اس حکم میں یہ تحریف کر دی کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں' اور ان کا منہ کالا کیا جائے۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٣٢١)

نبی ﷺ کا یہودی زانیوں کو رجم کرانا

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ یہود کے پاس تشریف لے گئے' آپ نے فرمایا' جو شخص زنا کرے اس کے متعلق تمہارے نزدیک تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں اور دونوں کے چہرے مخالف جانب میں کرتے ہیں' پھر ان کا چکر لگایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ' وہ تورات لے کر آئے اور اس کو پڑھا اور جب رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا' اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے' جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی' پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا۔ (صحیح مسلم' حدود ٢٦' (١٦٩٩) ' ٤٣٥٧)

امام مسلم نے اس حدیث کو اس کی مثل حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم' حدود ٢٧' ٤٣٥٨' صحیح البخاری' ج ٨' رقم الحدیث: ٦٨٤١- ٧٥٤٣' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ٤٤٤٦' سنن ترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٤٤١' صحیح ابن حبان' ج ١٠' رقم الحدیث: ٤٤٣٥' مصنف عبد الرزاق' رقم الحدیث: ١٣٣٣١-١٣٣٣٢' سنن دارمی' ج ٢' رقم الحدیث: ٢٣٢١' شرح السنہ للبغوی' رقم الحدیث: ٢٥٨٣' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٨' ص ٢١٣)

نیز امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس سے ایک یہودی گزارا گیا' جس کا منہ کالا تھا اور اس کو کوڑے لگائے گئے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا: تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں' پھر آپ نے ان کے علماء میں سے ایک شخص کو بلایا اور فرمایا: میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں' جس نے حضرت موسیٰ پر تورات کو

نازل کیا۔ کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ اور اگر آپ مجھے یہ قسم نہ دیتے تو میں آپ کو اس کی خبر نہ دیتا' ہم اس حد کو رجم پاتے ہیں' لیکن ہمارے معزز لوگوں میں زنا بکثرت ہونے لگا۔ سو جب ہم کسی معزز آدمی کو پکڑتے تو اس کو چھوڑ دیتے' اور جب ہم کسی معمولی آدمی کو پکڑتے تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ ہم نے سوچا کہ چلو ہم ایسی سزا پر اتفاق کر لیں جس کو ہم معزز اور غیر معزز دونوں پر لاگو کر سکیں' تو پھر ہم نے رجم (سنگسار کرنے) کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کو مقرر کر دیا۔ سو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے اس حکم کو زندہ کیا جس کو لوگوں نے مٹا دیا تھا' پھر آپ کے حکم سے اس کو رجم کیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ (حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے' تو اس سے اجتناب کرو۔ (المائدہ: ٤١)

(یعنی) وہ کہتے ہیں کہ (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جاؤ' اگر وہ تم کو منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کا حکم دیں تو اس کو قبول کر لو اور اگر تم کو رجم کرنے کا حکم دیں تو اس سے اجتناب کرو۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں' سو وہی لوگ کافر ہیں۔ (المائدہ: ٤٤)

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں' سو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ: ٤٥)

اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں' سو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ٤٧)

یہ تمام کافروں کے متعلق ہیں۔

(صحیح مسلم' حدود ٢٨' (١٧٠٠) ٤٣٦٠' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ٤٤٤٨-٤٤٤٧' سنن ابن ماجہ' ٢٥٥٨)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) جسے اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے' تو تو ہرگز اس کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔ (المائدہ: ٤١)

یہودیوں کے ایمان نہ لانے پر نبی ﷺ کو تسلی دینا

جس کو اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے' اس کا معنی ہے جس کو اللہ دنیا میں گمراہ اور رسوا کرنا چاہے اور آخرت میں عذاب دینا چاہے' تو اے مخاطب! تو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے اور اس کے عذاب کو اس شخص سے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہاں پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ نے بندہ کو گمراہ کر دیا' تو پھر اس کو دنیا میں ملامت کیوں کی جاتی ہے؟ اور آخرت میں اس کو عذاب کیوں دیا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ جب کوئی ایسا بڑا جرم کر لیتا ہے' جس کی اللہ کے نزدیک معافی نہیں ہے' تو وہ اس کے دل پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے۔ اب کوئی خواہ کتنی کوشش کیوں نہ کرے' وہ اس کو راہ پر نہیں لا سکتا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ سے کسی معجزہ کو طلب کرے اور معجزہ دیکھنے کے بعد پھر ایمان نہ لائے' یا نبی ﷺ کی اہانت اور گستاخی کرے' تو پھر دنیا میں گمراہی اور رسوائی اور آخرت کا عذاب اس کا مقدر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے' یعنی ان پر جزیہ مسلط کیا جائے گا اور وہ مسلمانوں سے خوف زدہ رہیں گے۔ نیز فرمایا: اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے' یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہودیوں اور منافقوں کے ایمان نہ لانے اور اخلاص سے اطاعت نہ کرنے پر آپ مغموم نہ ہوں اور آپ یہ خیال نہ کریں کہ آپ کی تبلیغ اور پیغام رسانی میں کوئی کمی ہے جو یہ ایمان نہیں لا رہے اور اخلاص سے اطاعت نہیں کر رہے' آپ کی تبلیغ کامل ہے اور آپ کی پیغام رسانی مکمل ہے۔ دراصل ان کی پیہم اہانتوں اور ہٹ دھرمیوں کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے' اور اللہ نے ان کو اس قابل نہیں جانا کہ ان کو آپ کے مخلصین اور اطاعت گزاروں میں شامل کرے۔ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ آپ پر ایمان نہیں لا رہے' اور آپ کو منصب

نبوت کا اہل نہیں سمجھتے اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کو آپ کی غلامی اور آپ پر ایمان لانے کے لائق نہیں جانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ جھوٹی باتیں بہت زیادہ سننے ہیں اور حرام بہت زیادہ کھاتے ہیں (المائدہ: ۴۲)

سحت کا معنی اور اس کا حکم

یہ جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اس کو تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وہ سحت بہت زیادہ کھاتے ہیں۔ لغت میں سحت کا معنی ہلاک کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ (طٰہٰ: ۶۱)

موسیٰ نے ان سے کہا: تم پر افسوس ہے، جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان نہ باندھو، کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے۔

اور سحت کا معنی کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑنا ہوتا ہے۔ عرب سر مونڈنے والے کے متعلق کہتے ہیں اسحت اس نے بال جڑ سے اکھاڑ دیئے۔ مال حرام کو بھی سحت کہتے ہیں کیونکہ وہ عبادات کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور ملیامیٹ کر دیتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سحت رشوت ہے۔ حضرت عمر بن **الخطاب** رضی اللہ عنہ نے فرمایا حاکم کو رشوت دینا سحت ہے۔

امام احمد بن علی بن مثنیٰ تمیمی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص نے ان سے پوچھا سحت کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا فیصلہ کرنے میں رشوت لینا، فرمایا: یہ کفر ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون (المائدہ: ۴۴) اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کریں وہ کافر ہیں۔

(مسند ابو یعلیٰ، ج ۹، رقم الحدیث: ۵۲۶۶، المعجم الکبیر، ج ۹، رقم الحدیث: ۹۱۰۰، حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد، ج ۴، ص ۲۰۰، المطالب العالیہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۱۳۹)

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سحت کے متعلق پوچھا انہوں نے فرمایا ایک شخص کسی سے اپنی حاجت طلب کرے وہ اس کی حاجت پوری کرے، پھر وہ اس کو ہدیہ دے جس کو وہ قبول کر لے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا زانیہ کی اجرت سحت ہے، نر کی جفتی کی اجرت سحت ہے، فصد لگوانے (رگ کاٹنے) والے کی اجرت سحت ہے، اور کتے کی قیمت سحت ہے۔

فصد لگوانے (رگ کاٹنے) کی اجرت جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوا کر اجرت دی ہے، اس لیے حدیث کا یہ جز منسوخ ہے۔ امام مسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ بنو بیاضہ کے ایک غلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو اجرت دی، اور اس کے مالک سے اس کے خراج میں کمی کرنے کی سفارش کی۔ اگر یہ اجرت سحت (حرام) ہوتی، تو آپ عطا نہ کرتے۔

(صحیح مسلم، (۱۲۰۲) ۳۹۶۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۴۲۳، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۲۹۸۱-۲۹۰۶-۳۰۷۸، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، نیز امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوائی۔ حجام کو اجرت دی اور ناک میں دوا ڈالی۔ صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۲۷۸-۵۶۹۱، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۱۶۲، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۷۵۸۰، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۲۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

مسلم بن صبیح بیان کرتے ہیں کہ مسروق نے کسی شخص کی کسی کام میں شفاعت کی' اس شخص نے ہدیہ میں انہیں باندی پیش کی' تو مسروق بہت سخت غضبناک ہوئے اور کہا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایسا کرو گے تو میں تمہارے کام میں سفارش نہ کرتا' اور آئندہ کسی کام میں تمہاری سفارش نہیں کروں گا۔ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حق دلانے کے لیے سفارش کرے' یا کسی سے ظلم دور کرنے کے لیے سفارش کرے' پھر اس کو ہدیہ دیا جائے جس کو وہ قبول کرلے تو یہ سحت ہے۔ ان سے کہا گیا: اے ابو عبدالرحمن! ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ فیصلہ کرنے پر کچھ لینا سحت ہے' آپ نے فرمایا: فیصلہ کرنے پر لینا کفر ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رگ کاٹنے والے کی اجرت' زانیہ کی اجرت' کتے کی قیمت' جلد فیصلہ کرانے کی اجرت' نجومی کی مٹھائی' نر کی جفتی کی اجرت' حکم میں رشوت' شراب کی قیمت اور مردار کی قیمت سحت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ گوشت جس کو سحت (مال حرام) نے بڑھایا ہو' اس کے ساتھ دوزخ کی آگ زیادہ لائق ہے۔ آپ سے پوچھا گیا یارسول اللہ! سحت کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا حکم میں رشوت دینا۔ (جامع البیان' جز ٦' ص ۳۲۸-۳۲۵' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

رشوت کی اقسام اور اس کا شرعی حکم

علامہ حسن بن منصور اوزجندی (المعروف بہ قاضی خاں) متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

رشوت کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں:

۱- منصب قضا کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا' اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

۲- کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے' یہ رشوت جانبین سے حرام ہے' خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو' کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری ہے اور اس پر فرض ہے۔ (اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے کے لیے رشوت دینا' یہ بھی جانبین سے حرام ہے' کیونکہ وہ کام اس افسر کی ڈیوٹی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۳- اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا' یہ رشوت صرف لینے والے پر حرام ہے' دینے والے پر حرام نہیں ہے' اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

۴- کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بادشاہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے' اور لینا حرام ہے۔

(فتاویٰ قاضی خاں علی ھامش الھندیہ' ج ۲' ص ۳۶۳-۳۶۲' بنایہ علی الھدایہ' ج ۸' ص ۷' فتح القدیر' ج ۷' ص ۲۳٦' البحرالرائق' ج ٦' ص ۲٦۲' ۲٦۱' ردالمحتار' ج ۴' ص ۳۰۲' احکام القرآن' ج ۲' ص ۴۳۳)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن کبریٰ' ج ۱۰' ص ۱۳۹' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۹۰۳۳)

وھب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گنہگار ہوتا ہے' یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور ضرر دور کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت وہ چیز ہے جس میں رشوت دینے والا اس وقت گنہگار ہوتا ہے جب تم اس چیز کے لیے رشوت دو جس پر تمہارا حق نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ' ج ۱۰' ص ۱۳۹' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کردیں' خواہ ان

سے اعراض فرمائیں اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے' اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (المائدہ: ۴۲)

اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق ائمہ اربعہ کا نظریہ

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے' یہ مدینہ کے وہ یہود تھے جن سے نبی ﷺ نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد معاہدہ کیا تھا' یہ اہل ذمہ نہیں تھے اور جب کفار اہل ذمہ نہ ہوں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا ہم پر واجب نہیں ہے۔

اہل ذمہ جب ہمارے پاس اپنا مقدمہ پیش کریں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں اور اگر مسلمان اور ذمی کے درمیان نزاع ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ علامہ مہدوی نے کہا ہے کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ البتہ ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے حکم میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس میں حاکم کو اختیار ہے ان کا استدلال اس آیت سے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت محکمہ ہے۔ البتہ امام مالک اہل ذمہ پر حد قائم کرنے کے قائل نہیں ہیں' اگر مسلمان کتابیہ کے ساتھ زنا کرے تو مسلمان پر حد لگائی جائے گی اور کتابیہ پر حد نہیں لگے گی۔ اگر زنا کرنے والے دونوں ذمی ہوں تو کسی پر حد نہیں لگے گی۔ امام ابوحنیفہ' امام محمد بن حسن شیبانی اور دیگر کا یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں گے اور ان کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی اور امام ابویوسف وغیرہما نے یہ کہا ہے کہ اگر وہ ہمارے فیصلہ پر راضی ہوں تو ان پر حد لگائی جائے گی۔

ابن خویز منداد نے کہا ہے کہ جب ذمی ایک دوسرے پر زیادتی کریں تو امام ان کو طلب نہیں کرے گا' ہاں! اگر وہ ایسی کارروائی کریں جس سے ملک میں فساد اور افراتفری ہو' مثلاً وہ لوگوں کو قتل کریں اور لوٹ مار کریں' تو پھر امام اس کا سدباب کرے گا۔ لیکن ان کے تجارتی قرضوں' طلاق اور دیگر نجی معاملات میں امام ان کی مرضی کے بغیر فیصلہ نہیں کرے گا۔ البتہ اگر وہ علی الاعلان شراب فروخت کریں یا زنا کریں یا اور کوئی برا کام کریں' تو ان کو اس سے روکا جائے گا' تاکہ اس سے مسلمانوں کے اخلاق نہ بگڑنے پائیں۔

عمر بن عبدالعزیز اور نخعی نے یہ کہا ہے کہ زیر بحث آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ (المائدہ: ۴۹)

امام زہری نے کہا ہے' اس پر عمل ہوتا رہے کہ اہل کتاب کو ان کے حقوق اور وراثت کے معاملات میں ان کے دینی احکام کی طرف لوٹایا جائے گا۔ ہاں! اگر وہ اللہ کے حکم سے اعراض کریں تو انہیں اللہ کے حکم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ علامہ سمرقندی نے کہا یہ قول امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ہے' کہ جب تک وہ ہمارے فیصلہ پر راضی نہ ہوں' ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور امام نحاس نے الناسخ والمنسوخ میں زیر تفسیر آیت کے متعلق کہا ہے کہ یہ (المائدہ: ۴۹) سے منسوخ ہے' کیونکہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب نبی ﷺ ابتداءً مدینہ میں آئے تھے۔ اس وقت مدینہ میں یہودی بہت زیادہ تھے اور اس وقت کے حالات کے یہی مناسب تھا کہ انہیں ان کے احکام کی طرف لوٹا دیا جائے' اور جب اسلام قوی ہو گیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ حضرت ابن عباس' مجاہد' عکرمہ' زہری'

عمر بن عبدالعزیز اور سدی کا یہی قول ہے' اور یہی امام شافعی کا صحیح قول ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (المائدۃ: ۲۹) حتی کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں' درآنحالیکہ وہ ذلیل ہوں۔

ان کے ذلیل ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان پر مسلمانوں کے احکام جاری کیے جائیں اور ان کو ان کے احکام کی طرف نہ لوٹایا جائے' اور جب یہ واجب ہے تو زیر تفسیر آیت کا منسوخ ہونا واجب ہوا۔ امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب اہل کتاب امام کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کریں' تو امام کے لیے اس کا فیصلہ کرنے سے اعراض کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جب عورت اور اس کا خاوند آئے تو امام ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے اور اگر صرف عورت آئے اور اس کا خاوند راضی نہ ہو تو فیصلہ نہ کرے۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ۳' ص ۱۳۳-۱۳۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

جب قاضی کے پاس اہل کتاب (ذمی) مقدمہ دائر کریں تو اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے یا اس کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ اس کو اختیار ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے' کیونکہ ہم نے جزیہ لے کر ان سے ظلم کو دور کرنے کا التزام کیا ہے' اور یہ آیت اہل ذمہ کے متعلق نہیں ہے۔

(انوار التنزیل مع حاشیۃ الکازرونی' ج ۲' ص ۳۲۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ آیت سورۃ المائدہ: ۴۹ سے منسوخ ہے اور اب حاکم پر لازم ہے کہ جب اس کے پاس اہل ذمہ مقدمہ لائیں' تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ حضرت ابن عباس' عطاء' مجاہد' عکرمہ اور سدی کا یہی قول ہے۔

(زاد المسیر' ج ۲' ص ۳۶۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

زیر بحث آیت فان جاءوک فاحکم بینھم او اعرض عنھم (المائدہ: ۴۲) سے ظاہر ہے کہ اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا حاکم کو اختیار ہے' لیکن یہ اختیار اس کے بعد نازل ہونے والی آیت وان احکم بینھم بما انزل اللہ (المائدہ: ۴۹) سے منسوخ ہو گیا۔ نیز اختیار کے منسوخ ہونے پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ: ۴۴) جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں۔

سو جس نے اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ نہیں کیا' وہ اس وعید کا مصداق ہو گیا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے یہ آیت نازل ہوئی فان جاءوک فاحکم بینھم او اعرض عنھم (المائدہ: ۴۲) اس وقت یہودیوں کو ذمی نہیں قرار دیا تھا' اور نہ ان پر جزیہ فرض کیا گیا تھا' اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے جزیہ لینے کا حکم دیا اور ان پر اسلام کے احکام جاری کیے' تو پھر ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔

(احکام القرآن' ج ۲' ص ۴۳۵' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک زیر بحث آیت (المائدہ ۴۲) المائدہ: ۴۹ سے منسوخ ہو گئی ہے' اور ابتداء اسلام میں

حاکم کو یہ اختیار تھا کہ جب اہل کتاب اپنا مقدمہ پیش کریں تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے یا نہ کرے' لیکن اب یہ اختیار منسوخ کر دیا گیا اور اب حاکم پر ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ لیکن ان کے عائلی' کاروباری اور نجی معاملات میں مسلمان حاکم مداخلت نہیں کرے گا' اور وہ ان معاملات میں اپنے مذہب کے مطابق اپنے علماء سے فیصلہ کرائیں گے۔ البتہ اگر وہ کھلے عام ایسے کام کریں جس سے ملک کے امن اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہو' یا بے حیائی اور بد چلنی کو فروغ ہو' تو پھر مسلمان حاکم ان کو اس سے روک دے گا' اور جب وہ از خود اپنا کوئی مقدمہ مسلمان حاکم کے سامنے پیش کریں' تو اس پر ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے باوجود وہ روگردانی کرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (المائدہ: ۴۳)

موجودہ تورات میں آیت رجم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ زنا کرنے والوں کے لیے رجم (سنگسار) کرنے کا حکم تورات میں موجود ہے اور اس سے پہلے ہم صحیح مسلم حدیث نمبر (۱۶۹۹) ۴۳۷۵ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ جب نبی ﷺ کے پاس یہودی دو زانیوں (مرد اور عورت) کا مقدمہ لے کر آئے تو نبی ﷺ نے فرمایا تورات کو پڑھو' جب یہودی عالم نے تورات کو پڑھنا شروع کیا' تو اس نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا' اس سے فرمائیں یہ اپنا ہاتھ ہٹائے' ہاتھ ہٹایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی' اور اب ۱۴۱۷ سال گزر گئے' اس عرصہ میں تورات میں بہت تحریفات کی گئیں' لیکن یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ تورات میں آج بھی یہ آیت اسی طرح موجود ہے۔

پھر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں' اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے' کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا' اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے' تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں' یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی دفع کرنا۔

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی دوسرا اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا' اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں' لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا' یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

(کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) استثناء' باب ۲۲- آیت ۲۴-۲۱' آیت ۱۸۷' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ

بیشک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے اللہ کے نبی جو ہمارے مطیع تھے

ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّـٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا

اس کے مطابق یہود کا فیصلہ کرتے رہے، اور اللہ والے اور علماء (فیصلہ کرتے رہے) کیوں کہ ان سے

اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا

کتاب اللہ کی حفاظت کرائی گئی تھی ، اور وہ اس پر گواہ تھے ، سو تم لوگوں سے نہ ڈرو

النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ

مجھ سے ڈرو ، اور میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو ، اور جو اللہ کے نازل

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ

کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں ○ اور ہم نے ان پر تورات

فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ

میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ، اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ، اور ناک کا بدلہ ناک

بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ

اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں میں بدلہ

قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ

ہے ، تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے ، اور جو اللہ کے نازل کیے

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ ظالم ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے۔ (المائدہ: ۴۴)

شرائع سابقہ کا ہم پر حجت ہونا

اس آیت میں ہدایت سے مراد احکام شرعیہ ہیں اور نور سے مراد اصول اور عقائد ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہدایت سے مراد دین حق کی طرف رہنمائی ہے اور نور سے مراد ان احکام کو کھول کر بیان کرنا ہے جو ان پر مخفی تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ہدایت سے مراد وہ مسائل ہیں جن کو وہ نبی ﷺ سے پوچھتے تھے اور نور سے مراد اس بات کا بیان ہے کہ نبی ﷺ برحق نبی ہیں۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ہم سے پہلی شریعت بھی ہم پر لازم ہے' بشرطیکہ اس کا منسوخ ہونا ہم کو معلوم ہو جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' تورات میں ہدایت اور نور ہے' اگر تورات کے احکام حجت نہ ہوں تو وہ ہدایت اور نور نہیں رہے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ زانیوں کا جو مقدمہ لے کر یہ ہمارے نبی ﷺ کے پاس آئے ہیں' انبیاء سابقین جو اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار تھے' وہ ایسے مقدمات کا تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں' اور اولیاء اور علماء بھی اس کے

مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں' اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے ان زانیوں کے متعلق جو رجم کا فیصلہ کیا ہے' وہ بھی تورات کے مطابق ہے' اور ان علماء سے تورات کی حفاظت کرائی گئی ہے اور یہ علماء اس کی شہادت دیتے تھے کہ نبیوں نے جو یہودیوں کے مقدمات میں تورات کے مطابق فیصلہ کیا ہے' وہ صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ وہ اللہ والے اور علماء نبی ﷺ کے متعلق شہادت دیتے تھے کہ آپ اللہ کے برحق نبی ہیں' آپ پر اللہ کی طرف سے کلام نازل ہوا ہے' اور یہودیوں کے اس مقدمہ میں آپ نے جو فیصلہ کیا ہے' وہ صحیح ہے اور تورات کے مطابق ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہود کے علماء اور راہبوں سے فرمایا: سو تم لوگوں سے نہ ڈرو' مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو' یعنی امیر لوگوں پر اللہ کی حدود نافذ کرنے کے سلسلہ میں تم یہ خوف نہ کرو کہ پھر تمہارے نذرانے اور وظیفے جو امیروں سے ملتے تھے' وہ بند ہو جائیں گے' بلکہ اس بات سے ڈرو کہ اگر تم نے اللہ کی حدود کو نافذ نہ کیا اور امیروں کے نذرانوں کے لالچ میں تورات کی آیتوں کا غلط مطلب بیان کیا تو پھر آخرت میں تم کو بہت ہولناک اور دائمی عذاب ہوگا۔ اس آیت کے اس حصہ سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ تورات کے جو احکام قرآن اور حدیث میں بغیر انکار کے بیان کیے گئے ہیں' وہ بھی ہم پر حجت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں' سو وہی لوگ کافر ہیں۔
(المائدہ: ۴۴)

قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کا کفر ہونا

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق حکم نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے' کفر نہیں ہے۔ اور اس آیت میں اس کو کفر قرار دیا ہے' اور اس سے بہ ظاہر خوارج کے مذہب کی تائید ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جائز اور حلال سمجھتے ہوئے اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ نہ کرے' وہ کافر ہے اور اس آیت سے یہی مراد ہے' اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو قرآن کا انکار کرتے ہوئے یا قرآن کا رد کرتے ہوئے یا قرآن مجید کی توہین کرتے ہوئے' اس کے موافق فیصلہ نہ کرے' وہ کافر ہے۔ یا اس سے مراد ہے کہ جو شخص اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ نہ کرے' وہ کافر کے مشابہ ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت کا سیاق و سباق یہود کے متعلق ہے' سو یہ وعید یہود کے بارے میں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں' سو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ: ۴۵)

اور اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں' سو وہی لوگ فاسق ہیں۔
(المائدہ: ۴۷)

اور ان آیتوں کا مفہوم عام ہے' کیونکہ قرآن مجید کے موافق فیصلہ نہ کرنا ظلم اور فسق ہے' خواہ فیصلہ نہ کرنے والا مسلمان ہو یا یہودی ہو یا عیسائی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکام پر تین باتیں فرض کی ہیں:

۱- فیصلہ کرنے میں اپنی نفسانی خواہشات کی اتباع نہ کریں' بلکہ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ کریں۔
۲- فیصلہ کرنے میں لوگوں سے نہ ڈریں' اللہ سے ڈریں۔
۳- اللہ کی آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ رشوت یا نذرانہ لے کر عدل کو ترک کر کے بے انصافی سے فیصلہ نہ کریں' اس سلسلہ میں یہ حدیث پیش نظر رکھنی چاہیے:

امام احمد بن علی التمیمی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو لوگوں کا خوف حق گوئی یا عظیم نصیحت کرنے سے باز نہ رکھے۔ جب اسے اس کا علم ہو کیونکہ یہ خوف نہ موت کو نزدیک کر سکتا ہے نہ رزق کو دور کر سکتا ہے۔

(مسند ابو یعلی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۳۱۱' المعجم الاوسط' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۲۵' المطالب العالیہ' ۴۵۳۶' حافظ الہیثمی نے کہا ہے' کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۲۷۲-۲۷۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت اور زخموں میں بدلہ ہے" (المائدہ: ۴۵)

قصاص کے حکم کا شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں جب بنو قریظہ نے یہ دیکھا کہ یہود اپنی کتاب میں رجم کو چھپاتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان رجم کا فیصلہ کر دیا تو بنو قریظہ نے کہا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان اور ہمارے بھائی بنو نضیر کے درمیان فیصلہ کر دیجئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے بنو نضیر اپنے آپ کو بنو قریظہ سے افضل' برتر اور عزت دار سمجھتے تھے۔ اگر بنو نضیر میں سے کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا' تو وہ اسے آدھی دیت دیتے تھے اور اگر ان کے کسی فرد کو بنو قریظہ کا کوئی شخص قتل کر دیتا' تو اس سے پوری دیت لیتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریظی کا خون نضیری کے برابر ہے۔ یہ سن کر بنو نضیر غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے کہا ہم رجم کے معاملہ میں آپ کی اطاعت نہیں کریں گے اور ہم اپنی ہی حدود کو جاری کریں گے' جن پر پہلے عمل کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کیا تم جاہلیت کے حکم کو طلب کر رہے ہو؟ (المائدہ: ۵۰) اور یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ (الآیہ)

ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں مذاہب فقہاء

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور اس میں مسلمان یا کافر کی قید نہیں لگائی۔ اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے ذمی کافر کو قتل کر دیا' تو اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے گا' جیسا کہ اس آیت کے عموم اور اطلاق سے واضح ہوتا ہے اور امام مالک' امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

ابو جحیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس ایسی کوئی چیز ہے جو قرآن میں نہ ہو؟ حضرت علی نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور روح کو پیدا کیا' ہمارے پاس قرآن کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے' ماسوا اس فہم کے جو قرآن کو سمجھنے کے لیے دی گئی ہے' اور ماسوا اس کے جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدیوں کو چھڑانے کے احکام اور یہ حکم کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱۱' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۰۴۷' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۹۰۳' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۱۷' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۴۷۵۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۶۵۸' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۹۳-۹۹۱)

امام اعظم اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں کافر سے مراد کافر حربی ہے' یعنی کافر حربی کے بدلہ میں

مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا' تاکہ قرآن مجید اور حدیث میں تعارض نہ ہو اور قرآن کے عموم کو مقید کرنے کے بجائے حدیث کو مقید کر کے قرآن مجید کے تابع کرنا اصول کے مطابق ہے۔ امام اعظم کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک معاہد (جس کافر سے معاہدہ ہوا ہو) کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے معاہدہ کو پورا کرتے ہیں' میں ان میں سب سے بڑھ کر کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۲' سنن کبریٰ للبیھقی' ج ۸' ص ۳۰)

عبدالرحمن بن البیلمانی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس مسلمان سے قصاص لیا جس نے ایک یہودی کو قتل کر دیا تھا۔ راوی نے کہا مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کریں' میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۳)

عبدالرحمن بن البیلمانی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ذمی کے بدلہ میں اہل قبیلہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں' میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۴)

ہر چند کہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں' لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہیں اور لائق استدلال ہیں' جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اصل استدلال قرآن مجید سے ہے' اور یہ احادیث تائید کے مرتبہ میں ہیں۔

تورات میں قرآن مجید کی صداقت

قرآن مجید نے تورات کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے۔ (الخ) یہ آیات اب بھی تورات میں موجود ہیں: اور جو کوئی کسی آدمی کو مار ڈالے وہ ضرور جان سے مارا جائے' اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ کو عیب دار بنا دے تو جیسا اس نے کیا' ویسا ہی اس سے کیا جائے۔ یعنی عضو توڑنے کے بدلہ میں عضو توڑنا ہو اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت' جیسا عیب اس نے دوسرے آدمی میں پیدا کر دیا ہے' ویسا ہی اس میں بھی کر دیا جائے۔

(پرانا عہد نامہ' احبار' باب ۲۴' آیت ۲۱-۲۰-۱۸' کتاب مقدس' ص ۱۱۸' مطبوعہ لاہور)

اور تجھ کو ذرا ترس نہ آئے۔ جان کا بدلہ جان' آنکھ کا بدلہ آنکھ' دانت کا بدلہ دانت' ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو۔ (پرانا عہد نامہ' استثناء' باب ۱۹' آیت ۲۱' کتاب مقدس' ص ۱۸۵' مطبوعہ لاہور)

سینکڑوں سال گزر گئے' تورات میں بہت زیادہ تحریفات کی گئی ہیں۔ اس کے باوجود قرآن مجید نے تورات کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے' وہ آج بھی تورات میں اسی طرح موجود ہے' اور یہ قرآن مجید کے صادق اور برحق ہونے کی بہت قوی دلیل ہے' حالانکہ یہودی اس آیت کو تورات سے نکال سکتے تھے اور پھر مسلمانوں سے کہتے کہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ تورات میں یہ حکم ہے' حالانکہ تورات میں یہ حکم نہیں ہے' لیکن وہ ایسا نہ کر سکے' اور اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے ہاتھوں سے اس آیت کی حفاظت کرائی جو قرآن مجید کی مصدق ہے۔

اعضاء کے قصاص کی کیفیت میں مذاہب اربعہ

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے' ہمارے نزدیک اس کا یہ معنی ہے کہ ایک آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے اور شیشہ گرم کر کے دوسری آنکھ

پر رکھ دیا جائے' حتیٰ کہ اس کی روشنی چلی جائے۔ کیونکہ جس شخص نے کسی کی آنکھ نکالی ہے' اس کی آنکھ اور جس کی آنکھ نکالی گئی ہے' اس کی آنکھ دونوں بالکل مساوی نہیں ہیں' اس لیے اگر مجنی علیہ کی آنکھ کے بدلہ میں جانی کی آنکھ نکال دی جائے' تو پورا بدلہ نہیں ہوگا' اور قیاس کا تقاضا پورا نہیں ہوگا۔ کیونکہ قصاص کا معنی ہے کسی شئے کی مثل لینا۔ اسی طرح پوری ناک میں بھی قصاص متصور نہیں ہے' کیونکہ ہڈی میں قصاص نہیں ہوتا۔ البتہ اگر ناک کا صرف نرم حصہ کاٹا ہے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ امام ابویوسف نے کہا ہے کہ اگر ناک جڑ سے کاٹ دی گئی ہے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح آلہ تناسل اور زبان میں بھی قصاص لیا جائے گا' اور امام محمد نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کی ناک' زبان یا آلہ کو جڑ سے کاٹ دیا ہے تو اس میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ (کیونکہ یہ اعضاء دوسرے اعضاء کی مثل اور مساوی نہیں ہوتے) اگر کان کاٹ دیا جائے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح دانت میں بھی قصاص لیا جائے گا اور دانت کے علاوہ اور کسی ہڈی میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔

(احکام القرآن' ج ۲' ص ۴۲۳' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

آنکھ کے بدلہ آنکھ' ناک کے بدلہ ناک' کان کے بدلہ کان اور دانت کے بدلہ دانت کو نکال دیا جائے گا۔

(انوار التنزیل مع الکازرونی' ج ۲' ص ۳۲۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی ان اعضاء میں قصاص لیا جائے گا۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد' ج ۳' ص ۲۶۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' ۱۴۱۴ھ)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ ان اعضاء کے قصاص میں ظاہر قرآن پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز خامس' ص ۱۳۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بدلہ نہ لینے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے۔ (المائدہ: ۴۵)

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اگر جنایت (جرم) کرنے والے نے تائب ہو کر خود کو خوشی کے ساتھ حد کے لیے پیش کر دیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ امام مسلم حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں' چوری نہ کریں' زنا نہ کریں اور کسی کو ناحق قتل نہ کریں۔ جس نے یہ عہد پورا کیا' اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا اور اس پر حد جاری ہوئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ (صحیح مسلم' حدود ۴۱' صحیح بخاری' ۶۷۸۴) اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر بدلہ لینے والے نے جنایت (جرم) کرنے والے کو معاف کر دیا اور اس سے بدلہ نہ لیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں اس کی تائید میں یہ آیت ہے:

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ (الشوریٰ: ۴۰) — سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے۔

اور اس کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابوالسفر بیان کرتے ہیں کہ قریش کے ایک شخص نے انصار کے ایک شخص کا دانت توڑ دیا' انصاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پیش کیا۔ حضرت معاویہ نے اس سے کہا: ہم تمہیں راضی کریں گے۔ اس قریشی نے حضرت معاویہ سے بہت منت سماجت کی کہ اس سے بدلہ نہ لیا جائے' حضرت معاویہ نے اس انصاری کو بہت سمجھایا' لیکن اس کو بدلہ نہ لینے پر راضی نہ کر سکے۔ پھر حضرت معاویہ نے اس سے کہا تم اس سے بدلہ لے لو۔ اس مجلس میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے' جس کو میں نے اپنے کانوں سے خود سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ آپ نے فرمایا: جس شخص کو جسم میں کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔ انصاری نے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت ابوالدرداء نے کہا میں نے اپنے کانوں سے خود سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ تب انصاری نے کہا: میں اس کا بدلہ چھوڑتا ہوں۔ حضرت معاویہ نے کہا ہم تمہیں کبھی محروم نہیں کریں گے' پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔

(سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۳۹۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۶۹۳' مسند احمد' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۷۶۰۴' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۵۵' جامع البیان' جز ۶' ص ۳۵۳)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کے برابر اس کے گناہ مٹا دے گا۔

(علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۲۲۶۹۱-۲۲۶۰۰' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ)

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

اور ہم نے ان (نبیوں) کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اس تورات کی تصدیق کرنے والے تھے

يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّ

جو ان کے سامنے تھی، اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا، اور وہ

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً

اس تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو ان کے سامنے تھی، اور وہ (انجیل) متقین کے لیے ہدایت اور

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٤٦ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَ

نصیحت تھی ○ اور اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے، اور

مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝٤٧ وَ

جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ فاسق ہیں ○ اور

أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ

(اے رسول مکرم) ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی ہے اور اس کے سامنے جو (آسمانی) کتاب ہے یہ اس

الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ

کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے، تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجیے

أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۗ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً

اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اس سے اعراض کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے

وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ

الگ الگ شریعت اور واضح راہِ عمل بنائی ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لیے

فِي مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

(الگ الگ) احکام دیے، سو تم ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرو، تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں ان چیزوں کی

بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۴۸﴾ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ

خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ○ اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَّفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَآ

موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں، کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹا

أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ ۗ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُّصِيبَهُمْ

نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں، پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے

بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُونَ ﴿۴۹﴾

سزا دینا چاہتا ہے اور بے شک بہت سے لوگ ضرور فاسق ہیں ○

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا

کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر اور

لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع

کس کا حکم ہو سکتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان (نبیوں) کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اس تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا' اور وہ اس تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو اس کے سامنے تھی اور وہ (انجیل) متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔ (المائدہ: ۴۶)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کے دو قسم کے اعراض بیان فرمائے تھے۔ ایک یہ کہ انہوں نے زنا کی حد میں تحریف کر دی' پھر وہ حرج میں مبتلا ہوئے اور اس معاملہ میں نبی ﷺ کو حاکم بنایا۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے قصاص کے حکم میں تحریف کر دی اور بنو نضیر کے خون کی پوری دیت اور بنو قریظہ کے خون کی آدھی دیت مقرر کی۔ اب اللہ تعالیٰ ان کے تیسرے اعراض کو بیان فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کے نبیوں' ربانیین اور علماء کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت عیسیٰ' حضرت زکریا کے بعد مبعوث کیے گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ تورات کے مصدق تھے' کیونکہ بنو اسرائیل نے تورات کے جن احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان احکام کو زندہ کیا۔ یہ حقیقی تصدیق ہے اور انجیل نے جو تورات کی تصدیق کی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ انجیل کے احکام تورات کے موافق ہیں' ماسوا ان احکام کے جن کو انجیل نے منسوخ کر دیا۔ نیز فرمایا: انجیل متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے' یعنی وہ ناپسندیدہ اعمال سے منع کرتی ہے اور پسندیدہ اعمال کی طرف ہدایت دیتی ہے۔ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور ان کاموں سے اجتناب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا موجب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے' اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں' سو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۴۷)

نزول قرآن کے بعد انجیل پر عمل کے حکم کی توجیہ

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب ہم نے عیسائیوں کو انجیل عطا کی اس وقت ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ان احکام پر عمل کریں جو انجیل میں مذکور ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کے نزول کے بعد انجیل پر عمل کرنے کے حکم کی کیا توجیہ ہوگی؟ اس کے چند جوابات ہیں۔ اول: یہ کہ انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل موجود ہیں' اہل انجیل کو چاہیے کہ ان دلائل کے مطابق آپ پر ایمان لے آئیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل انجیل ان احکام پر عمل کریں جن کو قرآن نے منسوخ نہیں کیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ انجیل کے احکام پر عمل کرنے سے مراد یہ ہے کہ انجیل میں تحریف نہ کریں' جس طرح یہود نے تورات میں تحریف کر دی ہے۔ لیکن تحقیق یہی ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا' جب اللہ تعالیٰ نے انجیل کو نازل کیا تھا اور نزول قرآن کے بعد قرآن مجید کے علاوہ کسی آسمانی کتاب پر عمل کرنا جائز نہیں ہے' اور اسلام کے علاوہ اور کوئی دین مقبول نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے اور اس کے سامنے جو (آسمانی) کتاب ہے' یہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے۔ تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجئے اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے' اس سے اعراض کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ (المائدہ: ۴۸)

قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا محافظ ہونا

اس آیت میں قرآن مجید کو سابقہ کتب سماویہ کا محافظ اور نگہبان فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تورات' زبور اور انجیل میں کمی بیشی اور تحریف ہوتی رہی۔ اس لیے ان کتابوں کا آسمانی اور الہامی کتاب ہونا مشکوک ہو گیا۔ اس لیے کسی ایسی مستحکم دلیل کی ضرورت تھی' جس سے ان کا آسمانی کتاب ہونا ثابت ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس میں کمی نہیں ہو سکتی۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○ (الحجر: ۹) بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

نیز قرآن مجید نے دعویٰ کیا کہ اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ فرمایا:

لَا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِہٖ (حٰم السجدہ: ۴۲) اس میں باطل نہیں آ سکتا' نہ اس کے سامنے سے نہ ان کے پیچھے سے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے چیلنج فرمایا کہ کوئی شخص قرآن مجید کی یا اس کی کسی ایک سورت کی مثل نہیں لا سکتا:

وَاِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ وَادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ (البقرہ: ۲۳) اگر تم اس (کلام) کے متعلق شک میں ہو جو ہم نے اپنے (مقدس) بندے پر نازل کیا ہے تو اس کی مثل کوئی سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمائتیوں کو بھی بلاؤ' اگر تم سچے ہو۔

چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور دن بہ دن علم و فن میں ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالف بھی بہت زیادہ ہیں' لیکن آج تک کوئی شخص قرآن مجید میں کسی کلمہ کی زیادتی بتا سکا' نہ کمی اور نہ اس کی کسی سورت کی کوئی مثل لا سکا۔ اس لیے ہر دور میں قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا ثابت اور مسلم رہا' اور چونکہ قرآن مجید نے تورات' انجیل اور زبور کو آسمانی کتابیں قرار دیا ہے' اس لیے ان کا وجود بھی ثابت ہو گیا۔ اس طرح ظاہر ہو گیا کہ قرآن مجید سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق اور محافظ ہے' کیونکہ اگر قرآن مجید نہ ہوتا تو محض ان کتابوں سے تو ان کا آسمانی کتابیں ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر دور میں ان میں تغیر اور تبدل ہوتا رہا ہے' حتیٰ کہ اب وہ عبرانی نسخے بھی موجود نہیں ہیں' جس عبرانی زبان میں یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔

اس سے پہلے فرمایا تھا اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے کہ) آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے اعراض کریں۔ (المائدہ: ۴۲) اور اس آیت میں فرمایا ہے تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجئے۔ (المائدہ: ۴۷) اس آیت سے پہلی آیت منسوخ ہو گئی ہے یا پہلی آیت جزیہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے اور دوسری آیت جزیہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کی ہے۔ یا پہلی آیت ان اہل کتاب کے متعلق ہے۔ جن سے ابتداء ہجرت میں سابقہ پڑا تھا اور دوسری آیت اہل ذمہ کے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہ عمل بنائی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا' لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لیے (الگ الگ) احکام دیئے۔ سو تم ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرو' تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے' پھر وہ تمہیں ان چیزوں کی خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ (المائدہ: ۴۸)

شرائع سابقہ کے حجت ہونے کی وضاحت

اس آیت میں منہاج سے مراد دین ہے اور دین سے مراد وہ عقائد اور اصول ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک

رہے۔ مثلاً توحید' اللہ تعالیٰ کی صفات' نبوت' آسمانی کتابوں' فرشتوں' مرنے کے بعد اٹھنے اور جزا اور سزا پر ایمان لانا' اور جو احکام سب میں مشترک رہے' مثلاً قتل' جھوٹ اور زنا کا حرام ہونا اور شریعت سے مراد ہر نبی کے بیان کیے ہوئے عبادات اور معاملات کے مخصوص طریقے ہیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے' شرائع سابقہ ہم پر حجت نہیں ہیں اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہر نبی کی الگ الگ شریعت ہوتی ہے۔ اگر سابقہ شریعت ہم پر حجت ہو تو پھر ہمارے نبی کی الگ شریعت کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سابقہ شرائع کے جو احکام بغیر انکار کے ہم سے بیان فرمائے' وہ دراصل ہماری ہی شریعت ہیں' کیونکہ ان کو ہمارے نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ ہم ان احکام پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ وہ پچھلی شریعتوں کے احکام ہیں' بلکہ ہم ان پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ ان کو ہمارے نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً حج کے اکثر و بیشتر اعمال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی یادگار ہیں' قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے' اسی طرح وضو میں کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا اور طہارت کی دیگر دس سنتیں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں' رجم اور قصاص کے احکام تورات میں بھی تھے اور شروع میں نبی ﷺ نے زناکار یہودیوں کو تورات کے فیصلہ کے مطابق رجم کرنے کا حکم دیا اور ہم ان تمام احکام پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ یہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں' اور ان سے ہوشیار رہیں' کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹا نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں۔ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے سزا دینا چاہتا ہے' اور بے شک بہت سے لوگ ضرور فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۴۹)

شان نزول

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ کعب بن اسد' ابن صلوبا' عبد اللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے ایک دوسرے سے کہا: چلو (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جائیں۔ شاید! ہم ان کو ان کے دین سے ورغلانے میں کامیاب ہوں۔ کیونکہ وہ بشر ہیں' وہ گئے اور آپ سے کہا: یا محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے معزز علماء اور سردار ہیں اور اگر ہم آپ کی پیروی کریں گے تو تمام یہود آپ کی پیروی کریں گے اور ہماری مخالفت نہیں کریں گے' ہمارا اپنی قوم کے بعض لوگوں سے جھگڑا ہے' ہم آپ کو اس مقدمہ میں حاکم بنائیں گے۔ آپ ہمارے حق میں اور ان کے خلاف فیصلہ کردیں' تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے' رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس بات کو ماننے سے انکار کردیا۔ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(المائدہ: ۵۰-۴۹)

(السیرۃ النبویہ' ج ۲' ص ۱۸۰-۱۷۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' جامع البیان' جز ۶' ص ۱۵۴' دار الفکر' بیروت' اسباب النزول للواحدی' ص ۲۰۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں جزیہ' جلاوطن کرنے اور قتل کرنے کی سزا دینا چاہتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہیں اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر اور کس کا حکم

ہو سکتا ہے؟ (المائدہ: ٥٠)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ یہود جنہوں نے اپنے مقدمہ میں آپ کو حاکم بنایا اور آپ نے ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کر دیا، پھر یہ آپ کے فیصلہ سے راضی نہیں ہوئے، تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے تھے، یعنی بت پرستوں اور مشرکوں کا فیصلہ چاہتے تھے۔ حالانکہ ان کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور اس میں وہی فیصلہ مذکور ہے جو آپ نے ان کے درمیان کیا تھا، اور یہی حق ہے اور اس کے خلاف کوئی اور فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں سے فرمایا: جو شخص اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہو اور اس کی ربوبیت پر یقین رکھتا ہو، اس کے نزدیک اللہ کے حکم اور اس کے فیصلہ سے بہتر اور کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے؟

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔ

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ

کے دوست ہیں، تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے (شمار) ہو گا،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ

بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ سو آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ

میں (نفاق کی) بیماری ہے وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش

تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ

نہ آ جائے پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی

عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ؕ وَ

علامت تو انہوں نے جو کچھ اپنے دلوں میں چھپایا ہے وہ اس پر پچھتانے والے ہو جائیں ○ اور

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ

ایمان والے یہ کہیں گے کیا یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور

اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٥٣﴾

تمہارے ساتھ ہیں، ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے ○

وقف لازم
وقف غفران
وقف منزل عند البعض
الثلث

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا، تو عنقریب اللہ ایسی

اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ

قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے، وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ

پر سخت ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے

لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے ○

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ

زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے (عاجزی سے) جھکنے والے ہیں ○ اور جو اللہ اور اس کے رسول

وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ع

ع ٨ / ١٢

اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں' تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا' وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ سو آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے' وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے۔ پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی علامت تو انہوں نے جو کچھ اپنے دلوں میں چھپایا ہے' وہ اس پر پچھتانے والے ہو جائیں۔ اور ایمان والے یہ کہیں کہ جنہوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور تمہارے ساتھ ہیں' ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔ (المائدہ: ۵۳-۵۱)

شان نزول

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ولید بن عبادہ بن الصامت نے بیان کیا کہ جب بنو قینقاع نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی تو عبد اللہ بن ابی ابن سلول

نے بنو قینقاع کا ساتھ دیا اور ان کی حمایت میں کھڑا ہوا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور وہ بھی بنو عوف کے ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے عبداللہ بن ابی کی طرف سے ان کی حمایت کرنے کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے اس حلف کو توڑ دیا اور اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر ان کے حلف سے بری ہو گئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں اللہ، اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھتا ہوں اور ان کافروں کے حلف اور ان کی دوستی سے بری ہوتا ہوں۔ سو حضرت عبادہ بن الصامت اور عبداللہ بن ابی کے متعلق سورۃ المائدہ: ۵۳-۵۱ کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

(السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۵۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، جامع البیان، جز ٦، ص ۳۷۳، مطبوعہ دار الفکر، اسباب نزول القرآن للواحدی، ص ۲۰۱-۲۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں قرآن مجید کی آیات

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قطعی طور پر مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمادیا ہے اور حسب ذیل آیتوں میں بھی اس پر دلیل ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود: ۱۱۳)
ظالم لوگوں سے میل جول نہ رکھو ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ پہنچے گی۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران: ۲۸)
ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں۔

لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (آل عمران: ۱۱۸)
اپنے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنہ: ۱)
اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انہیں دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (المجادلۃ: ۲۲)
جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، آپ انہیں اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھنے والوں کے ساتھ محبت کرنے والا نہ پائیں گے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے، یا ان کے بھائی ہوں یا قریبی رشتہ دار۔

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں احادیث اور آثار

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲٦۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہود اور نصاریٰ کو ابتداءً سلام نہ کرو، جب تم ان میں سے کسی سے راستہ میں ملو تو اسے تنگ راستے پر چلنے میں مجبور کرو۔

(صحیح مسلم، السلام، ۱۳ (۲۱٦۷) ۵۵۵۷، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۶۰۸، صحیح ابن حبان ۵۰۰، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۶۳۱، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث ۱۹۴۵۷، الادب المفرد، رقم الحدیث: ۱۱۰۱، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۲۰۳)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کے سوا کسی کو ساتھی نہ بناؤ اور متقی کے علاوہ

اور کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۰۳' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۸۳۲' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۴۳۳۶' شعب الایمان' رقم الحدیث: ۹۳۸۲)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مشرکین کے ساتھ ٹھہرا' اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ (شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۷۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی انگوٹھیوں میں عربی کو نقش نہ کرو' اور مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو۔ حضرت انس نے اس کی تفسیر میں فرمایا یعنی تم اپنی انگوٹھیوں میں محمد نہ لکھواؤ اور اپنے معاملات میں مشرکین سے مشورہ نہ کرو۔ (شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۷۵)

عیاض اشعری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس ایک نصرانی کاتب تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی کتابت سے بہت خوش ہوئے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا وہ نصرانی ہے تو حضرت ابو موسیٰ نے کہا حضرت عمر نے مجھے ڈانٹا اور میری ران پر ضرب لگائی اور فرمایا: اس کو نکال دو اور یہ آیت پڑھی اے ایمان والو! اپنے اور میرے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ (الممتحنہ: ۱) اور یہ آیت پڑھی:

اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں' تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا' وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا' بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۵۱)

حضرت ابو موسیٰ نے کہا بہ خدا میں اس سے دوستی نہیں رکھتا' یہ صرف کتابت کرتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا تمہیں مسلمانوں میں کوئی کاتب نہیں ملا تھا؟ جب اللہ نے ان کو دور کر دیا ہے تو تم ان کو قریب نہ کرو' اور جب اللہ نے ان کو خائن قرار دیا ہے تو تم ان کو امین نہ بناؤ؟ اور جب اللہ نے ان کو ذلیل کیا ہے تو تم ان کو عزت مت دو۔ سنن کبریٰ کی آداب القضاء میں ہم نے اس حدیث کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (شعب الایمان' ج ۷' رقم ۹۳۸۴)

ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کے دشمنوں یہود اور نصاریٰ سے ان کی عید اور ان کے اجتماع کے دنوں میں ان سے اجتناب کرو' کیونکہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے' مجھے خدشہ ہے کہ تم پر بھی وہ غضب نہ آ جائے' اور ان کو اپنے راز نہ بتاؤ۔ ورنہ تم بھی ان کے اخلاق اختیار کر لو گے۔ (شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۸۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے عجمیوں کے ملک میں نشوونما پائی' اور ان کے نوروز اور مہرجان کو منایا اور ان کی مشابہت اختیار کی اور اسی طریقہ پر مر گیا تو وہ قیامت کے دن اسی طرح اٹھایا جائے گا۔

(شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۸۷)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خثعم کی طرف ایک لشکر بھیجا' وہاں کے لوگوں نے مسجدوں میں پناہ لینی شروع کر دی۔ لشکر نے ان کو جلدی جلدی قتل کرنا شروع کر دیا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے لیے آدھی دیت کا حکم فرمایا اور فرمایا: میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہے' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کس لیے؟ آپ نے فرمایا ان دونوں کے (چولہوں کی) آگ اکٹھی نہ دکھائی دے۔

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کے ساتھ سکونت نہ کرو، نہ ان کے ساتھ جمع ہو، جس نے ان کے ساتھ سکونت رکھی یا ان کے ساتھ جمع ہوا وہ ان کی مثل ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۱۶۱۱، ۱۶۱۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۵ سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۷۹۴)

علامہ تفتازانی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ایک قوم اسلام لانے کے بعد مکہ میں مشرکین کے ساتھ رہتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرک کے ساتھ رہتا ہو۔ پوچھا گیا کیوں؟ تو آپ نے فرمایا: ان دونوں کی آگ ایک ساتھ دکھائی نہ دے یعنی یہ واجب ہے کہ جب ایک آگ جلائے تو دوسرا نظر نہ آئے، وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنی دور رہیں۔ علامہ ابن اثیر جزری نے کہا ہے کہ واجب ہے کہ مسلمان کا گھر مشرک کے گھر سے دور ہو، اور جب اس کے گھر آگ جلے تو اس سے مشرک کا گھر نظر نہ آئے، مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہے۔

کفار سے دوستی کے حق میں منافقوں کے بہانوں کا بطلان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے شمار ہو گا۔ (المائدہ: ۵۱)

اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے دور اور الگ رہنے پر تشدید کی گئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود جو شخص کافروں سے دوستی رکھے گا، وہ کافروں کی طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا۔ لہٰذا کافروں کی طرح اس سے عداوت رکھنا بھی واجب ہے اور وہ بھی دوزخ کا مستحق ہو گا جیسے کافر دوزخ کے مستحق ہیں اور وہ کافروں کے اصحاب سے شمار کیا جائے گا اور یا اس لیے کہ کافروں اور یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھنے والے منافق تھے اور ان کا شمار بھی کافروں میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے، وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے۔ (المائدہ: ۵۲)

منافق یہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کی وجہ سے کہیں ان پر قحط نہ طاری ہو جائے۔ اور کہیں حالات بدل گئے اور یہود غالب آ گئے اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت نہ رہی تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میں نے بہ کثرت یہودیوں سے دوستی اور حمایت کا عہد کیا ہوا تھا، لیکن میں اللہ اور رسول کی خاطر اس عہد کو توڑتا ہوں، عبداللہ بن ابی نے کہا میں گردش ایام سے ڈرتا ہوں اور اپنے دوستوں سے کیے ہوئے عہد کو نہیں توڑ سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی علامت، تو جو کچھ انہوں نے اپنے دلوں میں چھپایا ہے، وہ اس پر پچھتانے والے ہو جائیں۔ (المائدہ: ۵۲)

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دشمنوں پر فتح عطا فرمائے اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمائے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کی سازشوں سے مطلع فرما دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فتح یہ تھی کہ بنو قریظہ کے جوانوں کو قتل کیا گیا اور ان کے بچوں کو قید کر لیا گیا اور بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مشرکین کے شہروں پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور فتح کی علامت سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ منافقوں کی سازشوں سے مطلع کیا گیا، ان کے نام بتائے گئے اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں کی فصل بہت اچھی ہوئی تھی اور مال غنیمت کی کثرت سے وہ خوش حال ہو گئے اور جب منافقوں نے مسلمانوں کا غلبہ، خوش حالی اور ان پر اللہ کی نصرت دیکھی، تب وہ کفار سے دوستی رکھنے پر نادم ہوئے اور اس وقت نادم ہوئے جب انہیں موت کے وقت عذاب دکھایا

گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایمان والے یہ کہیں کہ کیا یہ وہی ہیں جنھوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور تمہارے ساتھ ہیں' ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔ (المائدہ: ۵۳)

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہودیوں پر غلبہ عطا فرمایا اور یہودیوں کو قتل کرنے اور جلاوطن کرنے کا حکم دیا گیا تو مسلمانوں نے یہودیوں کو جھڑکتے ہوئے منافقین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے تمہارے لیے پختہ قسمیں کھائی تھیں کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کے خلاف تمہاری مدد کریں گے' یا مسلمانوں نے ایک دوسرے سے کہا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر ہمیں یقین دلایا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ حالانکہ اب اللہ تعالیٰ نے خلق کا پردہ چاک کر دیا اور یہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے' کیونکہ انہیں ثواب کے بدلہ عذاب ہوگا۔ اور دنیا میں یہودیوں کے قتل اور جلاوطن ہونے کے بعد ان کا کوئی سہارا نہ رہا' اور یہودیوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا' تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا' جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی' وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے' وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے' یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا' بہت علم والا ہے۔ (المائدہ: ۵۴)

عہد رسالت اور بعد کے مرتدین کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا جو کافروں کے ساتھ دوستی رکھے گا' اس کا ان ہی میں شمار ہوگا اور اس آیت میں صراحتاً فرما دیا' جو شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے گا' اس سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ نبی ﷺ کے عہد میں بھی کچھ لوگ مرتد ہوئے اور کچھ آپ کے بعد مرتد ہوئے۔ علامہ زمخشری نے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

مرتدین کے گیارہ فرقے تھے' تین رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھے۔

ایک فرقہ بنو مدلج تھا' ان کا رئیس ذوالحمار تھا اور یہی اسود عنسی تھا۔ یہ شخص کاہن تھا' اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اور ان شہروں پر غلبہ پا لیا' اس نے رسول اللہ ﷺ کے بعض عاملوں کو نکال دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور یمن کے سرداروں کے نام خط لکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فیروز دیلمی کے ہاتھوں اس کو ہلاک کرا دیا' انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ جس رات وہ قتل ہوا' اسی رات رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کی خبر مسلمانوں کو دے دی تھی' جس سے مسلمان خوش ہوئے' پھر اس کے دوسرے روز رسول اللہ ﷺ رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے' اور وہاں سے اس کی خبر ربیع الاول کے آخر میں پہنچی تھی۔

دوسرا فرقہ بنو حنیفہ ہے۔ یہ مسیلمہ کی قوم تھی' اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف مکتوب لکھا "از مسیلمہ رسول اللہ برائے محمد رسول اللہ' بعد ازیں یہ کہنا ہے کہ یہ زمین آدھی آپ کی ہے اور آدھی میری ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب دیا "از محمد رسول اللہ برائے مسیلمہ کذاب' بعد ازیں یہ کہنا ہے کہ تمام زمین اللہ کی ملکیت ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے' اس کا وارث بناتا ہے' اور نیک انجام متقین کے لیے ہے"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے ساتھ اس سے جنگ کی اور یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حضرت وحشی کہتے تھے میں نے

اپنی جاہلیت کے زمانہ میں سب سے نیک شخص کو قتل کیا اور اپنے اسلام کے زمانہ میں سب سے بدتر شخص کو قتل کیا۔

تیسرا فرقہ بنو اسد تھا' یہ طلیحہ بن خویلد کی قوم تھی' اس شخص نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا' رسول اللہ ﷺ نے اس سے جنگ کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا' یہ شکست کھانے کے بعد شام بھاگ گیا' پھر مسلمان ہو گیا اور اس نے نیک عمل کیے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتدین کے سات فرقے تھے۔ (۱) عیینہ بن حصن کی قوم فزارہ (۲) قرہ بن قشیری کی قوم غطفان (۳) فجاءۃ بن عبد یالیل کی قوم بنو سلیم (۴) مالک بن نویرہ کی قوم بنو یربوع (۵) سجاح بنت المنذر۔ یہ وہ عورت تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور مسیلمہ کذاب سے نکاح کیا اور اس کی قوم تمیم کے بعض لوگ۔ (۶) اشعث بن قیس کی قوم کندہ (۷) حطیم بن زید کی قوم بنو بکر بن وائل' یہ بحرین میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ان ساتوں مرتد فرقوں کا مکمل استیصال کرا دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک شخص مرتد ہوا تھا' یہ غسان کی قوم کا جبلہ بن ایہم تھا' اس کو ایک تھپڑ نے نصرانی بنا دیا اور یہ اسلام سے مرتد ہو کر روم کے شہروں کی طرف نکل گیا' جبلہ کی چادر پر ایک شخص کا پیر پڑ گیا' اس نے اس کے تھپڑ مارا' اس شخص نے حضرت عمر سے شکایت کی' حضرت عمر نے فرمایا اب یہ تمہارے تھپڑ مارے گا' اس نے تھپڑ کے بدلہ میں دس ہزار درہم کی پیشکش کی' مگر وہ شخص نہ مانا۔ جبلہ نے مہلت طلب کی اور روم جا کر مرتد ہو گیا۔

(الکشاف' ج ۱' ص ۶۴۶۔ ۶۴۴' مطبوعہ نشر البلاغہ' ایران' ۱۴۱۳ھ)

اللہ کی محبوب قوم کے مصداق میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی** (المائدہ: ۵۴)

اس آیت کے مصداق کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کے مصداق حضرت ابوبکر اور ان کے اصحاب ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کے وصال کے بعد' اہل مدینہ' اہل مکہ اور اہل بحرین کے سوا عام عرب اسلام سے مرتد ہو گئے۔ انہوں نے کہا ہم نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا خدا کی قسم! جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے فرض کیا ہے' اگر اس میں سے یہ ایک رسی بھی نہ دیں تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ پھر حضرت ابوبکر نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان سے قتال کیا' حتیٰ کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے کا اقرار کر لیا۔

(جامع البیان' جز ۶' ص ۳۸۳۔ ۳۸۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جماعت ہے۔

عیاض اشعری بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وہ قوم یہ ہیں۔ (جامع البیان' جز ۶' ص ۳۸۳' المستدرک' ج ۲' ص ۳۱۳)

تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق اہل یمن ہیں۔

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے ان کے پاس ایک پیغام بھیجا' وہ ان دنوں مدینہ کے امیر تھے' ان سے اس آیت کا مصداق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا اس سے مراد اہل یمن ہیں۔ عمر بن عبد العزیز نے کہا کاش! میں اس قوم سے ہوتا۔ (جامع البیان' جز ۶' ص ۳۸۴' مطبوعہ بیروت)

امام ابن جریر نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد اہل یمن ہیں اور وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی قوم ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق نبی ﷺ کی حدیث موجود ہے۔ اور امام رازی نے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہیں۔

حضرت ابوبکر کی خلافت پر دلائل

روافض اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کی خلافت اور امامت کا اقرار کیا' وہ سب کافر اور مرتد ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی امامت کی نص صریح کا انکار کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ بات صحیح ہو تو لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک محبوب قوم کو لاتا جو ان سب سے جہاد کرتی اور ان کو حضرت علی کی امامت اور خلافت ماننے پر مجبور کر دیتی' جیسا کہ اس آیت کا تقاضا ہے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ روافض اور شیعہ کا مزعوم فاسد ہے۔

ثانیاً: ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے' کیونکہ یہ آیت ان کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے مرتدین کے ساتھ جنگ کی اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام میں مرتدین کے ساتھ سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے جنگ کی اور رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اولاً: اس لیے کہ آپ کے عہد میں مرتدین کے ساتھ جنگ کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ ثانیاً: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا اس سے معلوم ہوا کہ وہ قوم اس وقت موجود نہیں تھی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابوبکر تو اس وقت موجود تھے تو پھر وہ بھی مراد نہیں ہونے چاہئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اس وقت موجود تھے' لیکن بہ حیثیت سربراہ موجود نہیں تھے اور ان کی حیثیت اس وقت ایسی نہیں تھی کہ مسلمانوں کو کسی پر حملہ کرنے کا حکم دیتے' اور اس آیت کے مصداق حضرت علی بھی نہیں ہو سکتے' کیونکہ ان کو مرتدین کے ساتھ قتال کرنے کا اتفاق پیش نہیں آیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جس نے ان کی امامت کا انکار کیا' وہ مرتد ہو گیا اور امامت کے منکرین کے خلاف انہوں نے جنگ کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرتد کا معنی یہ ہے جو شریعت اسلامیہ سے مرتد ہو جائے اور اگر مرتد کا یہی معنی کیا جائے جو حضرت علی کی امامت سے مرتد ہو؟ تو پھر خلفاء ثلاثہ اور ان کے ماننے والے تمام مسلمان مرتد تھے' کیونکہ انہوں نے اس وقت میں حضرت علی کی امامت کو نہیں مانا تو چاہیے تھا کہ حضرت علی ان سے جنگ کرتے اور جب حضرت علی نے ان سے جنگ نہیں' بلکہ اس کے برعکس ان کی بیعت کی اور ان سے تعاون کیا۔ اور اہل یمن بھی اس آیت کا مصداق نہیں ہو سکتے' کیونکہ انہوں نے مرتدین کے ساتھ جنگ نہیں کی اور حدیث کا محمل یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی اس قوم میں سے ہیں' کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ہیں' اور اسی طرح دیگر اہل یمن بھی' اور اس تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص ہے۔

اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی نے بھی مرتدین کے ساتھ جنگ کی تھی' تب بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو مرتدین کے ساتھ جنگ کی تھی' وہ بہت اعلیٰ اور افضل تھی اور اسلام میں بہت دور رس نتائج کی حامل تھی' کیونکہ حضرت ابوبکر کی جنگ اسلام کے لیے تھی اور حضرت علی کی جنگ اپنی خلافت کی بقا کے لیے تھی۔ کیونکہ یہ امر تواتر سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے بعد اعراب مرتد ہو گئے' تو نبوت کے مدعیوں اور زکوٰۃ کے منکروں کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھائی اور مرتدین کے ساتوں فرقوں کا مکمل استیصال کیا' اور حضرت ابوبکر کی جدوجہد کے نتیجہ میں اسلام کو استقامت ملی' اور شرق و غرب میں اسلام پھیلنے لگا اور تمام متمول دنیا کے حکمران مغلوب ہونے لگے' اور اسلام کے علاوہ باقی ادیان اور ملل کے چراغ بجھنے

گئے اور آفتاب اسلام پوری آب و تاب سے جگمگانے لگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت تک اسلام پوری دنیا میں ایک غالب دین کی حیثیت سے متعارف ہو چکا تھا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مرتدین کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں' وہ صرف اسلام کی نصرت اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے ہوئیں۔ اس کے برعکس حضرت علی کی جو جنگیں ہوئیں' ان کی خلافت کے منکرین کے ساتھ تھیں۔ اگر بقول شیعہ ان کو بالفرض مرتد مان بھی لیا جائے' تب بھی حضرت ابوبکر کی جنگیں ان سے بہرحال افضل اور اعلیٰ تھیں۔

اس آیت میں حضرت ابوبکر کی امامت پر یہ دلیل بھی ہے کہ مرتدین کے ساتھ جنگ کرنے والی قوم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ کے محب اور اللہ کے محبوب ہیں اور جو اللہ کا محب اور محبوب ہو' وہی خلافت کا زیادہ مستحق ہے۔

نیز اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی صفت یہ ذکر کی کہ وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے اور پوری امت میں سب سے زیادہ مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے اور اللہ کا حکم نافذ کرنے میں سب سے زیادہ سخت ابوبکر ہیں الحدیث یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣٨١٦' سنن ابن ماجہ' ج ١' رقم الحدیث: ١٥٤٠' صحیح ابن حبان' ج ١٦' رقم الحدیث: ٧١٣٨-٧١٣٧' المستدرک' ج ٣' ص ٤٢٢۔ یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ مسند الطیالسی' رقم الحدیث: ٢٠٩٦' مسند احمد' ج ٣' رقم الحدیث: ١٢٩٠٣' فضائل الصحابہ للنسائی' رقم ١٨٢' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٦' ص ٢١٠' حلیۃ الاولیاء' ج ٣' ص ١٢٢)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مومنوں پر بہت نرم تھے۔ نبوت کی ابتداء میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے۔ اس وقت مسلمان بہت کمزور تھے' اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے تھے۔ ہر وقت حضور کے پاس رہتے تھے اور آپ کی خدمت کرتے تھے اور بڑے بڑے کافر سرداروں کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ امام بخاری حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین سے سب سے سخت تکلیف جو پہنچی' وہ یہ تھی کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے' اچانک عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے اپنا کپڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈالا اور آپ کا گلا بہت سختی سے گھونٹنا شروع کر دیا۔ اس وقت حضرت ابوبکر آئے اور اس کو کندھے سے پکڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پرے دھکیلا اور کہا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا کہ میرا رب اللہ ہے۔ (غافر: ٢٨) (صحیح البخاری' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٨٥٦) اور مسلمانوں کے ساتھ رحمت کی واضح مثال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے سات ایسے غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا جن کو اسلام لانے کی پاداش میں مکہ میں سخت عذاب دیا جاتا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں: حضرت بلال' حضرت عامر بن فہیرہ' حضرت زنیرہ' حضرت نہدیہ اور ان کی بیٹی' بنو موئل کی باندی اور ام عبیس۔ (الاصابہ' ج ٢' ص ٣٤٣) اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بہت جرأت اور دلیری کے ساتھ تمام مرتدین سے جنگ کی اور صحابہ کرام کے منع کرنے کے باوجود شام کی طرف لشکر روانہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی صفت میں فرمایا: وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ ہر چند کہ دوسرے خلفاء اور ائمہ نے بھی جہاد کیا ہے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جس نے سب سے

پہلے جہاد کیا' وہ حضرت ابو بکر تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت جہاد کیا' جب ملک کے اندر مانعین زکوۃ اور مرتدین کے فتنے کھڑے ہو چکے تھے' اور اس وقت ملک سے باہر فوج بھیجنے کی سب نے مخالفت کی تھی' لیکن حضرت ابو بکر نے کہا شام کے خلاف فوج کشی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا' اور میں کسی حالت میں بھی اس حکم کو موخر نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے (المائدہ: ۵۴)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل

یہ آیت بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حال کے مناسب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیت میں بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صاحب فضل فرمایا ہے۔ کیونکہ مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے' یہ نادار مہاجر تھے اور بدری صحابی تھے اور حضرت ابو بکر ان کی مالی امداد کیا کرتے تھے' لیکن انہوں نے بھی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی موافقت کی' جس سے حضرت ابو بکر کو بہت رنج ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المومنین کی براءت بیان کر دی' تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ مسطح کی مالی امداد نہیں کریں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے صاحب فضل اور صاحب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں' مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک میری آرزو ہے کہ اللہ مجھے بخش دے اور میں مسطح کے ساتھ جو حسن سلوک کرتا تھا' اس کو کبھی موقوف نہیں کروں گا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے' وہ حضرت بلال کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان کو بہت ایذائیں پہنچاتا تھا' ان کو گرم زمین پر ڈال کر ان کے اوپر بھاری پتھر رکھ دیتا تھا۔ حضرت ابو بکر نے امیہ بن خلف کو اس ظلم و ستم سے منع کیا' اس نے کہا اگر تم کو اس کی تکلیف ناگوار لگتی ہے تو اس کو خرید لو۔ حضرت ابو بکر نے امیہ بن خلف سے ایک گراں قیمت پر حضرت بلال کو خریدا اور آزاد کر دیا' اتنی بڑی قیمت پر حضرت بلال کو خریدنے سے مشرکین کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا ضرور بلال کا ابو بکر پر کوئی احسان ہو گا۔ اس کا بدلہ اتارنے کے لیے ابو بکر نے اتنی بھاری قیمت پر بلال کو خریدا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس طعن کے جواب میں حضرت ابو بکر کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ○ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ○ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ ○ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ○ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ○ (اللیل: ۲۱-۱۷)

اور جو سب سے زیادہ متقی ہے وہ اس (آگ) سے دور رکھا جائے گا' جو پاکیزہ ہونے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے۔ وہ صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضاجوئی کے لیے (مال خرچ کرتا ہے) اور وہ ضرور عنقریب راضی ہو گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ اے مشرکو! بلال کے احسان کی بات کرتے ہو' ابو بکر پر اس کائنات میں کسی کا کوئی

دنیاوی احسان نہیں ہے، جس کا بدلہ دیا جائے' اس نے صرف اپنے رب اعلیٰ کو راضی کرنے کے لیے بلال کو خرید کر آزاد کیا ہے' اور اللہ عنقریب اس کو راضی کر دے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز و اکرام اپنے فضل سے عطا کیا ہے' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو افضلیت سے نوازا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا کی تر و تازگی میں جو وہ چاہے' اسے دینے کا اور آخرت میں اس کے پاس جو اجر ہے' اسے دینے کا اختیار دیا' اس بندہ نے اللہ کے پاس جانے کو اختیار کر لیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رونے لگے اور کہنے لگے' ہماری مائیں اور ہمارے باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ ہمیں ان پر تعجب ہوا' اور لوگوں نے کہا اس بوڑھے کو دیکھو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے بندہ کے متعلق خبر دے رہے ہیں جس کو اللہ نے اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کی تر و تازگی لے یا اللہ کے پاس آ جائے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ پر ہمارے باپ اور ہماری مائیں فدا ہو جائیں' اور در اصل یہ اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا' اور اس بات کو ہم میں سے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت ابوبکر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی رفاقت اور اپنے مال کے ذریعہ میرے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والے ابوبکر ہیں اور میں اپنی امت میں سے اگر کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا' لیکن ان کے ساتھ اسلام کی خلت (دوستی) ہے' مسجد (نبوی) میں ابوبکر کی کھڑکی کے سوا اور کوئی کھڑکی باقی نہ رکھی جائے۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۹۰۴' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۳۸۲' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۷۹' صحیح ابن حبان' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۸۶۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی ہمارے ساتھ کوئی نیکی کی ہم نے اس کا بدلہ دے دیا' ماسوا ابوبکر کے' کیونکہ انہوں نے ہمارے ساتھ ایک ایسی نیکی کی ہے جس کا بدلہ انہیں اللہ قیامت کے دن دے گا اور کسی شخص کے مال نے مجھے ہرگز وہ نفع نہیں پہنچایا' جو ابوبکر کے مال نے نفع پہنچایا اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا اور سنو تمہارے پیغمبر اللہ کے خلیل ہیں۔ اس سند کے ساتھ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۸۱' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۴)

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۳۵۴ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک نوع کی دو چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرے' اس کو جنت میں بلایا جائے گا۔ اے اللہ کے بندے! یہ خیر ہے سو جو نمازی ہو گا' اس کو باب الصلوۃ سے بلایا جائے گا اور جو مجاہد ہو گا' اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو صدقہ دینے والا ہو گا' اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اور جو روزہ دار ہو گا' اس کو باب الریان سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' کیا کوئی ایسا شخص ہو گا جس کو ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو۔

(صحیح ابن حبان' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۸۶۶' صحیح مسلم' زکوۃ ۸۵' (۱۰۲۷) سنن نسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک ایسا شخص داخل ہو گا جس

کے متعلق جنت کے ہر گھر والے اور ہر بالا خانہ والے یہ کہیں گے، مرحبا' مرحبا' ہمارے پاس آئیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! اس شخص کو اس دن کوئی نقصان نہیں ہو گا؟ آپ نے فرمایا ہاں! اے ابوبکر وہ شخص تم ہو گے۔

(صحیح ابن حبان' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۸۶۷' المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۴۲۱' المعجم الاوسط' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۸۵' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں' سوا احمد بن ابی بکر سالمی کے' اور وہ بھی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد' ج ۹' ص ۴۶)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل کے متعلق ہم نے شرح مسلم' جلد سادس (۶) میں بہت تفصیل سے دلائل بیان کیے ہیں' اہل علم اور ارباب ذوق کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

حضرت ابوبکر کے فضائل میں موضوع احادیث

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بعض علماء نے موضوع اور بے اصل احادیث کو بھی درج کر دیا ہے۔ اسی قبیل سے امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ احادیث ذکر کی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابوبکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں ڈالا ہے' وہ سب میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۳۱۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

جو جاہل خود کو سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں' انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں یہ حدیثیں وضع کر لی ہیں' اللہ قیامت کے دن لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابوبکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اور حدیث جو کچھ اللہ نے میرے سینہ میں ڈالا ہے' وہ سب میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا اور حدیث "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جنت کا شوق ہوتا تو وہ ابوبکر کے سفید بالوں کو بوسہ دیتے اور حدیث "میں اور ابوبکر گھڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح ہیں" (یہ ضرب المثل ہے' اس کا معنی ہے دونوں مساوی ہیں) اور حدیث "جب اللہ نے روحوں کو پسند کیا تو ابوبکر کی روح کو پسند کیا"

(موضوعات کبیر' ص ۱۰۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' دہلی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ ان احادیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ وہ احادیث ہیں جن کو محدثین نے موضوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح شیخ مجد الدین شیرازی نے سفر السعادۃ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان احادیث کا باطل ہونا بداہت عقل سے معلوم ہے۔ (شیخ عبدالحق فرماتے ہیں) غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ان احادیث سے حضرت ابوبکر کی تمام مخلوق پر فضیلت لازم آتی ہے۔ جس میں انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں اور حضرت ابوبکر کی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے مساوات لازم آتی ہے۔ اگرچہ ان حدیثوں کی تاویل ممتنع نہیں ہے اور حدیث اللہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابوبکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اس کو "تنزیہ الشریعہ" میں حضرت انس سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کو خطیب اور ابونعیم نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اس کا ضعفاء میں ذکر کیا ہے' ذہبی نے اس کو موضوع کہا ہے اور بعض نے اس کو حسن کہا ہے' حاکم نے اس کو مستدرک میں اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں درج کیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات' ج ۴' ص ۶۳۴' مطبوعہ تیج کمار' لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اور وہ اللہ کے سامنے (عاجزی سے) جھکنے والے ہیں۔ (المائدہ: ۵۵)

آیت مذکورہ کے شان نزول میں متعدد اقوال

امام ابو محمد عبدالملک بن ہشام متوفی ٢١٣ھ لکھتے ہیں:

جب بنو قینقاع نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کی تو عبداللہ بن ابی ابن سلول نے ان کا ساتھ دیا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بنو عوف سے تھے اور انہوں نے بھی عبداللہ بن ابی کی طرح قینقاع کا ساتھ دینے کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت عبادہ نے یہ حلف توڑ دیا اور بنو قینقاع سے بری ہو گئے اور کہا میں اللہ‘ اس کے رسول اور مسلمانوں کو دوست بناتا ہوں‘ تو ان کے متعلق سورۂ مائدہ کی آیت ٥١ اور آیت ٥٥ نازل ہوئی تمہارا دوست صرف اللہ ہے‘ اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں۔ الایہ

(السیرۃ النبویہ‘ ج ٣‘ ص ٥٦-٥٥‘ جامع البیان‘ جز ٦‘ ص ٣٨٩-٣٨٨)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ٤٦٨ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! قریظہ اور نضیر نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہم سے الگ ہو گئے اور انہوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھا کریں گے اور ہم آپ کے اصحاب کے ساتھ مجلس کی استطاعت نہیں رکھتے‘ کیونکہ ان کے گھر ہم سے دور ہیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تمہارا دوست صرف اللہ ہے‘ اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے ان پر یہ آیت تلاوت کی تو انہوں نے کہا ہم اللہ‘ اس کے رسول اور مسلمانوں کو دوست بنانے پر راضی ہو گئے۔

(اسباب نزول القرآن‘ ص ٢٠١‘ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت)

نیز امام واحدی لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلام اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ آئے جو اسی دوران ایمان لائی تھی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے گھر دور ہیں اور ہماری کوئی مجلس اور بات کرنے کی جگہ نہیں ہے اور ہماری قوم جب یہ دیکھے گی کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں اور ان کی تصدیق کر چکے ہیں‘ تو وہ ہم کو چھوڑ دیں گے اور ہمارے ساتھ نشست‘ برخواست‘ شادی بیاہ اور کھانے پینے کو ترک کرنے کی قسم کھالیں گے اور یہ ہم پر بہت دشوار ہو گا‘ تو نبی ﷺ نے ان پر یہ آیت پڑھی تمہارا دوست صرف اللہ ہے‘ اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں پھر نبی ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں مسلمان قیام اور رکوع میں تھے۔ آپ نے ایک سائل کو دیکھ کر پوچھا کیا کسی نے تم کو کچھ دیا ہے‘ اس نے کہا ہاں! سونے کی ایک انگوٹھی۔ آپ نے پوچھا تم کو وہ انگوٹھی کس نے دی ہے؟ اس نے حضرت علی بن ابی طالب کی طرف اشارہ کر کے کہا‘ یہ جو نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا انہوں نے تم کو یہ کس حال میں دی ہے؟ اس نے کہا انہوں نے حالت رکوع میں مجھ کو یہ انگوٹھی دی ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر! پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے۔

(المائدہ ٥٦‘ اسباب نزول القرآن‘ ص ٢٠٢‘ جامع البیان‘ جز ٦‘ ص ٣٩)

امام طبرانی نے سائل کو حضرت علی کی انگوٹھی دینے کا واقعہ حضرت عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے۔

(المعجم الاوسط‘ ج ٧‘ رقم الحدیث: ٦٢٢٨)

حضرت علی کے مستحق خلافت ہونے پر علماء شیعہ کی دلیل

شیخ طوسی متوفی ٤٦٠ھ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت اور

امامت کے مستحق تھے' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے تمہارا اولی اللہ ہے اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں اور مومنین سے مراد اس آیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں' کیونکہ یہاں مومنین کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں اور مذکور الصدر شان نزول کے مطابق حضرت علی ہی اس آیت کے مصداق ہیں' کیونکہ آپ ہی نے حالت رکوع میں سائل کو سونے کی انگوٹھی دی تھی۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ولی ہوئے اور ولی کا معنی اولیٰ اور احق ہے۔ سو حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں پر متصرف اور ان کے حاکم ہوئے اور یہی خلافت اور امامت کا معنی ہے۔ لہٰذا اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ولی یعنی ان کے امام اور خلیفہ ہیں۔

(التبیان فی تفسیر القرآن' ج ۳' ص ۵۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علماء شیعہ کی دلیل کا جواب

شیخ طوسی کا یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے۔

۱- ولی کا معنی اولیٰ اور احق نہیں ہے' بلکہ ولی کا معنی محب اور ناصر ہے۔

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

ولی جب اسم ہو تو اس کا معنی محب' صدیق (دوست) اور نصیر ہے اور مصدر ہو تو اس کا معنی امارۃ اور سلطان ہے۔

(القاموس المحیط' ج ۴' ص ۵۸۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

۲- اس آیت میں ولی محب' دوست اور مددگار ہی کے معنی میں ہے' کیونکہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اولیاء نہ بناؤ یعنی ان کو دوست نہ بناؤ۔ سو اس آیت میں فرمایا تمہارا اولی یعنی دوست اللہ ہے۔ اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں۔

۳- اگر اس آیت میں ولی کا معنی اولیٰ بالامامت ہو اور مومنین سے مراد حضرت علی ہوں تو یہ لازم آئے گا کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت مسلمانوں کی امامت کے زیادہ لائق حضرت علی ہوں' حالانکہ اس وقت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں موجود اور تشریف فرما تھے اور آپ کے ہوتے ہوئے کسی اور کا امامت اور حکومت کے زیادہ لائق اور حقدار ہونا قطعاً باطل اور مردود ہے۔

۴- اگر یہ آیت حضرت علی کی امامت کے حقدار ہونے پر دلالت کرتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ضرور کسی نہ کسی محفل میں اس آیت سے استدلال کرتے' حالانکہ آپ نے کبھی بھی اس آیت سے اپنی امامت پر استدلال نہیں کیا۔ آپ نے شوریٰ کے دن حدیث غدیر اور آیت مباہلہ سے اپنے فضائل پر استدلال کیا' لیکن اس آیت کو آپ نے کبھی پیش نہیں کیا۔

۵- شیخ طوسی اور دیگر علماء شیعہ کا استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس آیت میں مومنین سے مراد حضرت علی ہوں۔ ہرچند کہ تعظیماً جمع کا واحد پر اطلاق جائز ہے' لیکن یہ مجاز ہے' اور بلا ضرورت شرعی کسی آیت کو مجاز پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

۶- نیز یہ استدلال اس پر موقوف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کی حالت میں سائل کی طرف متوجہ ہوں اور حالت رکوع میں سونے کی انگوٹھی سائل کو دینے کی نیت سے گرائیں اور نماز میں نماز کے علاوہ کوئی اور عمل کریں۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جس طرح انہماک اور استغراق اور خضوع و خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے تھے' یہ کہانی اس کے سراسر خلاف ہے۔

۷- عہد رسالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت تنگ دست تھے' بعض اوقات آپ اپنے حصہ کی روٹی سائل کو دے کر خود بھوکے رات گزارتے تھے۔ ایسے شخص کے متعلق یہ فرض کرنا کہ وہ صاحب زکوۃ تھے اور ان کے پاس سونے کی انگوٹھی تھی۔ یہ

بہت بعید معلوم ہوتا ہے' بلکہ اس روایت کے ساقط الاعتبار ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔

۸- نبی ﷺ نے مردوں پر سونا حرام کر دیا تھا اور سورہ مائدہ احکام سے متعلق آخری سورت ہے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سونے کی انگوٹھی پہننا بھی اس روایت کے غیر معتبر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ہمارے نزدیک اس آیت میں راکعون اپنے ظاہری معنی میں نہیں ہے' اس کا معنی ہے جھکنے والے' یعنی ایمان والے نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے (عاجزی سے) جھکنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے۔ (المائدہ: ۵۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان تمام بندوں کو خبر دی ہے جو اللہ' اس کے رسول اور مسلمانوں کی رضاجوئی کے لیے یہود کی دوستی اور ان کے حلف سے بیزار ہو گئے تھے اور ان کو بھی خبر دی ہے جنہوں نے یہود کی دوستی اور ان کے حلف کو برقرار رکھا اور گردش ایام کے خوف سے ان کی دوستی کی طرف دوڑے۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جو اللہ پر بھروسہ رکھے اور اللہ' اس کے رسول اور مسلمانوں سے دوستی رکھے تو ان ہی کو غلبہ ہو گا' کیونکہ یہ اللہ کی جماعت ہے اور مآل کار اللہ کی جماعت ہی کو غلبہ ہو گا' نہ کہ شیطان کی جماعت کو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے

وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ

تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ، دوست نہ بناؤ ، اور

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

اللہ سے ڈرتے رہو ، اگر تم مومن ہو ○ اور جب تم نماز کے لیے ندا کرتے ہو

اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

وہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں ، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ○

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ

آپ کہیے کہ اے اہل کتاب تم کو صرف یہ ناگوار لگتا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور

مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو پہلے نازل ہوا اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں ○

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ

آپ کہیے کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک کن لوگوں کی سزا اس سے بھی بدتر ہے، جن پر اللہ

لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ

نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا

وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۭ أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ

اور جنہوں نے شیطان کی عبادت کی، ان کا ٹھکانا بدترین ہے اور یہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے

السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا آمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ

ہیں ○ اور جب وہ آپکے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ آپ کے پاس کفر کے ساتھ داخل

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾

ہوئے تھے اور کفر (ہی) کے ساتھ خارج ہوئے، اور اللہ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔ (المائدہ: ٥٧)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع فرمایا تھا۔ اسی سیاق میں یہ آیت نازل فرمائی ہے' اور اس میں مزید یہ فرمایا ہے کہ کافروں کو بھی دوست نہ بناؤ۔

امام ابو محمد عبدالملک بن ہشام متوفی ٢١٣ھ لکھتے ہیں:

رفاعہ بن زید بن التابوت اور سوید بن الحارث دونوں نے اسلام ظاہر کیا اور در اصل یہ دونوں منافق تھے' اور بہت سے مسلمان ان سے محبت رکھتے تھے' تو اللہ نے ان دونوں کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے۔ الآیہ

(السیرۃ النبویہ' ج ٢' ص ١٨١' جامع البیان' جز ٦' ص ٣٩١' اسباب نزول القرآن' ص ٢٠٢)

یہود و نصاریٰ اور بت پرستوں سے متعلق قرآن مجید کی اصطلاح

اس آیت میں کفار سے مراد مشرکین ہیں' ہر چند کہ یہود و نصاریٰ اور بت پرست سب کافر ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا اطلاق کرتا ہے اور بت پرستوں پر کفار اور مشرکین کا اطلاق کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مسلمان سجدہ کرتے تو یہود اور مشرکین ان کا مذاق اڑاتے تھے اور جب مسلمان اذان دیتے تو وہ کہتے' یہ اس طرح چلا رہے ہیں جیسے قافلے والے چلاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور مشرکین کو دوست بنانے

سے مسلمانوں کو منع فرما دیا۔

ملکی اور جنگی معاملات میں کفار سے خدمت لینے میں مذاہب

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف گئے' جب آپ حرۃ الوبرہ (مدینہ سے چار میل ایک جگہ) پہنچے تو آپ کو ایک شخص ملا' جس کی جرأت اور بہادری کا بہت چرچا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے' اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کی اتباع کروں اور مال غنیمت حاصل کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا واپس جاؤ' میں کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا' وہ چلا گیا' حتیٰ کہ جب ہم ایک درخت کے پاس پہنچے تو اس نے پھر اپنی پیشکش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر یہی جواب دیا کہ میں مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا' وہ چلا گیا' پھر مقام بیداء پر ملا' اور اس نے پھر پیشکش کی۔ آپ نے فرمایا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو۔ اس نے کہا ہاں! تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چلو۔

(صحیح مسلم' الجہاد' ۱۵۰' (۱۸۱۷) ۴۶۱۹' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۶۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۷۳۲' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۸۳۲' سنن داری' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۹۶' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۵۲۱۴' طبع دارالفکر' مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۲۴۳۶۷' طبع دارالحدیث' قاہرہ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے' اگر مسلمانوں کے متعلق کافر کی رائے اچھی ہو اور اس کی مدد کی ضرورت ہو تو اس سے مدد لی جائے' ورنہ اس سے مدد لینا مکروہ ہے اور یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے' اور جب مسلمانوں کی اجازت سے کافر سے خدمت لی جائے تو اسے کچھ معاوضہ دے دیا جائے اور اس کا حصہ نہ نکالا جائے۔ امام مالک' امام شافعی' امام ابوحنیفہ اور جمہور کا یہی مسلک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم نماز کے لیے ندا کرتے ہو تو وہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (المائدہ: ۵۸)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے عمومی طور پر یہ بیان کیا گیا تھا کہ کفار دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس آیت میں دین اسلام کے ایک خاص شعار اذان کے متعلق ان کا استہزاء بیان فرمایا ہے۔

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ بیان کرتے ہیں:

کفار نے جب اذان کو سنا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے حسد کیا' انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے دین میں ایک نئی چیز نکالی ہے' جس کا ذکر ہم نے اس سے پہلی امتوں میں نہیں سنا۔ اگر آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو آپ نے اس اذان کو ایجاد کر کے انبیاء سابقین کے طریقہ کی مخالفت کی ہے' اور اگر اس دین میں کوئی خیر ہوتی تو آپ سے پہلے نبیوں اور رسولوں کا طریقہ ہی بہتر تھا' جس طرح قافلے والے چلاتے ہیں آپ نے اس طرح چلانے کو اپنا شعار بنا لیا ہے' یہ کس قدر بری آواز ہے! تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور درج ذیل آیت نازل کی:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (حم السجدہ: ۳۳)

اور اس سے اچھی بات اور کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے 'کہ بے شک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

(اسباب نزول القرآن 'ص ۲۰۳ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ 'بیروت)

ابتداء اذان کی کیفیت

اس آیت میں اذان کا ذکر فرمایا ہے 'اس لیے ہم اذان کی ابتداء 'اذان کے کلمات 'اذان اور اقامت کے کلمات ' اذان کا جواب اور اذان کے بعد دعا اور اذان کی فضیلت کے متعلق اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

مکہ میں اذان مشروع نہیں ہوئی تھی 'اس وقت نماز کے لیے یوں نداء کرتے تھے "الصلوۃ جامعۃ"۔ جب نبی ﷺ نے ہجرت کی اور کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا 'تو آپ کو پانچ فرض نمازوں کے لیے اذان کا حکم دیا گیا 'اور نماز جنازہ 'نماز عید اور نماز کسوف وغیرہ کے لیے "الصلوۃ جامعۃ" سے ندا کا طریقہ برقرار رہا۔ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عمر بن **الخطاب** رضی اللہ عنہما نے خواب میں فرشتے سے اذان کے کلمات سنے اور اس سے پہلے نبی ﷺ نے شب معراج کے موقع پر فرشتے سے اذان کے کلمات سنے تھے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا 'اور امام غزالی نے وسیط میں لکھا ہے کہ دس سے زیادہ صحابہ نے اذان کا خواب دیکھا تھا اور علامہ جیلی نے شرح التنبیہ میں لکھا ہے 'کہ چودہ صحابہ نے اذان کا خواب دیکھا تھا 'لیکن حافظ ابن صلاح اور علامہ نووی نے اس کا انکار کیا ہے۔ ثابت صرف حضرت عبداللہ بن زید کے لیے ہے اور بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے۔ (فتح الباری 'ج ۲ 'ص ۷۸ 'مطبوعہ لاہور '۱۴۰۱ھ)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو رات میں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو آپ کی طرف اذان کی وحی کی گئی اور جب آپ واپس آئے تو جبرائیل نے آپ کو اذان کی تعلیم دی۔

(المعجم الاوسط 'ج ۱۰ 'رقم الحدیث: ۹۲۴۳ 'حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی طلحہ بن زید وضع کی طرف منسوب ہے)

امام احمد بن عمرو بزار متوفی ۲۹۲ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اذان کی تعلیم دینے کا ارادہ کیا 'تو حضرت جبرائیل آپ کے پاس ایک جانور لے کر آئے جس کو براق کہتے تھے 'جب آپ اس پر سوار ہونے لگے تو وہ کچھ دشوار ہوا۔ جبرائیل نے کہا پر سکون رہو 'بخدا (سیدنا) محمد ﷺ سے زیادہ معزز شخص کبھی تم پر سوار نہیں ہوا۔ آپ اس پر سوار ہوئے ' حتیٰ کہ آپ رحمان تبارک و تعالیٰ کے حجاب تک پہنچے 'اسی دوران حجاب سے ایک فرشتہ نکلا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جبرائیل! یہ کون ہے؟ جبرائیل نے کہا اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے 'میں مخلوق میں سب سے مقرب ہوں 'لیکن میں جب سے پیدا ہوا ہوں 'میں نے اس فرشتے کو اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ پھر فرشتہ نے کہا "اللہ اکبر! اللہ اکبر! تو حجاب کی اوٹ سے آواز آئی میرے بندہ نے سچ کہا میں اکبر ہوں 'میں اکبر ہوں۔ پھر فرشتہ نے کہا لا الہ الا

اللہ تو حجاب کی اوٹ سے آواز آئی' میرے بندہ نے سچ کہا۔ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ (الحدیث)
(کشف الاستار عن زوائد البزار' ج ١' ص ١٧٨' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی زیاد بن المنذر ہے' اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے' مجمع الزوائد' ج ١' ص ۳۲۹)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

ابو عمیر بن انس اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہ مشورہ کیا کہ نماز کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے؟ آپ سے کہا گیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے' جب لوگ اس جھنڈے کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو نماز کی اطلاع دیں گے۔ نبی ﷺ کو یہ بات پسند نہیں آئی' پھر آپ کو بوق (بگل' نرسنگا) کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور کہا کہ یہ یہود کا طریقہ ہے۔ پھر آپ کو ناقوس (لوہے کا ٹکڑا جو لکڑی سے بجایا جاتا ہے' گھڑیال) کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے اس کو بھی پسند نہیں کیا اور فرمایا: یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کر گئے' وہ اسی فکر میں تھے۔ پھر انہیں خواب میں اذان دکھائی گئی' وہ صبح رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اس خواب کی خبر دی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھا' میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان دکھائی۔ اس سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا' لیکن انہوں نے بیس دن تک اس خواب کو مخفی رکھا' پھر نبی ﷺ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا تم کو مجھے خبر دینے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے کہا عبداللہ بن زید مجھ پر سبقت لے گئے اور مجھے حیاء آئی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بلال! تم کھڑے ہو اور عبداللہ بن زید تم کو جو کلمات بتائیں' وہ پڑھو' پھر حضرت بلال نے اذان دی' ابو عمیر یہ کہتے تھے کہ اگر اس دن حضرت عبداللہ بن زید بیمار نہ ہوتے تو وہ اذان کہتے۔

(سنن ابوداؤد' ج ١' رقم الحدیث: ٤٩٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٦ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ میں آئے تو وہ نماز کے اوقات میں جمع ہوتے تھے اور ان کو ندا نہیں کی جاتی تھی۔ ایک دن انہوں نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا' بعض نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بناؤ۔ بعض نے کہا یہود کے بگل کی طرح بگل بناؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم ایک آدمی کو کیوں نہیں بھیجتے جو نماز کی ندا کرے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اے بلال! تم کھڑے ہو کر نماز کی ندا کرو۔

(صحیح البخاری' ج ١' رقم الحدیث: ٦٠٤' صحیح مسلم' اذان ١' (٣٧٧) ٨٤٣' سنن ترمذی' ج ١' رقم الحدیث: ١٩٠' سنن نسائی' ج ٢' رقم الحدیث: ٦٢٥' مسند احمد' ج ٢' رقم الحدیث: ٦٣٦٥' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

کلمات اذان میں مذاہب ائمہ

امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اذان میں پندرہ کلمات ہیں اور ان میں ترجیع نہیں ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے' یعنی دو مرتبہ شہادتین کو پست آواز سے کہا جائے اور دو مرتبہ شہادتین کو بلند آواز سے کہا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

(المغنی' ج ١' ص ٢٤٣' مطبوعہ دار الفکر' بدایۃ المجتہد' ج ١' ص ٧٦' مطبوعہ دار الفکر)

امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا استدلال اس سے ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں فرشتے سے اذان کے جو کلمات سنے تھے' ان میں ترجیع نہیں تھی۔ انہوں نے یہی کلمات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بتائے اور انہوں نے ان ہی

کلمات کے ساتھ اذان دی۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بجانے کا حکم دیا' تاکہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع کیا جائے' میں اسی سوچ بچار میں سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی ناقوس اٹھائے ہوئے جارہا تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے بندے! کیا تم ناقوس فروخت کرو گے؟ اس نے پوچھا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم لوگوں کو نماز کے لیے جمع کریں گے۔ اس نے کہا کیا میں تم کو اس سے اچھی چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟

اس نے کہا تم کہا کرو "اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر' اشہد ان لا الہ الا اللہ' اشہد ان لا الہ الا اللہ' اشہد ان محمدا رسول اللہ' اشہد ان محمدا رسول اللہ' حی علی الصلوۃ' حی علی الصلوۃ' حی علی الفلاح' حی علی الفلاح' اللہ اکبر اللہ اکبر' لا الہ الا اللہ۔ اس کے بعد فرشتے نے اقامت کے کلمات بتلائے۔ جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ان شاء اللہ برحق خواب ہے' تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو اور خواب میں جو کلمات سنے ہیں' وہ ان کو بتاؤ' تاکہ وہ اذان دیں' کیونکہ ان کی آواز تم سے بلند ہے۔ پس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہوا۔ میں ان کو اذان کے کلمات بتاتا گیا اور وہ اذان دیتے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں اذان سنی تو وہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح خواب دیکھا تھا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فللہ الحمد۔

(سنن ابوداؤد' ج ا' رقم الحدیث: ٤٩٩' سنن داری' ج ا' رقم الحدیث: ١٨٧' سنن ابن ماجہ' ج ا' رقم الحدیث: ٧٠٦' مصنف عبدالرزاق' ج ا' رقم الحدیث: ١٧٧٤' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ا' ص ٢٣١' مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ١٣' رقم الحدیث: ١٦٤٣٩' طبع دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ٤' ص ٤٣' طبع قدیم' صحیح ابن خزیمہ' ج ا' رقم الحدیث: ٣٧١' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ا' ص ٣٩١۔ ٣٩٠' السیرۃ النبویہ لابن ہشام' ج ٢' ص ١٢٣۔ ١٢٢' طبع دار احیاء التراث العربی' سنن دار قطنی' ج ا' رقم الحدیث: ٩٢٣' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' صحیح ابن حبان' ج ٣' رقم الحدیث: ١٦٧٩' مطبوعہ موسستہ الرسالہ' بیروت' ١٤١٤ھ)

حضرت ابو محذورہ کی روایت کا محمل

حضرت ابو محذورہ کی روایت میں جو ترجیع کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو محذورہ اسلام لانے سے پہلے اپنے لڑکپن میں لڑکوں کے ساتھ مسلمانوں کی اذان کی نقل اتار رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین سے واپسی پر انہیں دیکھ لیا۔ آپ نے ان کو بلایا اور ان سے فرمایا اذان پڑھو۔ انہوں نے اذان پڑھی اور اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمدا رسول اللہ کو آہستہ آہستہ پڑھا۔ آپ نے ان شہادتین کو دوبارہ زور سے پڑھنے کا حکم دیا' تو انہوں نے دوبارہ زور سے پڑھا اور آپ کے اذان دلوانے کی برکت سے یہ مسلمان ہو گئے' تو شہادتین کو پہلے دوبار آہستہ اور پھر دوبار زور سے پڑھنے کا یہ خاص واقعہ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اذان دینے کی عام ہدایت نہیں دی۔ اس کا بیان اس حدیث میں ہے:

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ٣٥٤ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بعض ساتھیوں کے ساتھ حنین کے راستہ میں تھے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس آرہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز کے لیے اذان دی' ہم نے اذان

کی آواز سنی' ہم راستہ سے ایک طرف ہٹ گئے اور ہم نے اذان کا مذاق اڑانے کے لیے بلند آواز سے اذان کی نقل اتارنی شروع کردی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی آواز میں سن رہا ہوں' تم میں سے کوئی شخص اس کو پہچانتا ہے؟ پھر ہم کو بلایا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کردیا گیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ آواز تم میں سے کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا۔ آپ نے باقی لڑکوں کو بھیج دیا اور مجھے روک لیا۔ اس وقت مجھے رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں تھی۔ آپ نے مجھے اذان دینے کا حکم دیا اور خود مجھے اذان کے کلمات بتائے۔ اور فرمایا کہو اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر' اشھد ان لا الہ الا اللہ' اشھد ان لا الہ الا اللہ' اشھد ان محمدا رسول اللہ' اشھد ان محمدا رسول اللہ آپ نے فرمایا دوبارہ پڑھو اور اپنی آواز بلند کرو۔ آپ نے فرمایا اشھد ان لا الہ الا اللہ' اشھد ان لا الہ الا اللہ' اشھد ان محمدا رسول اللہ' اشھد ان محمدا رسول اللہ' حی علی الصلوۃ' حی علی الصلوۃ' حی علی الفلاح' حی علی الفلاح' اللہ اکبر اللہ اکبر' لا الہ الا اللہ۔ جب آپ مجھ سے اذان پڑھوانے سے فارغ ہوگئے تو آپ نے مجھے بلایا اور مجھے ایک تھیلی دی جس میں چاندی تھی' اور آپ نے دعا کی' اے اللہ! اس میں برکت دے اور اس پر برکت دے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اذان دینے کا حکم دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں حکم دیدیا۔ میرے دل میں جتنی آپکی ناپسندیدگی تھی' وہ سب آپکی محبت سے بدل گئی۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے عامل عتاب بن اسید کے پاس گیا۔ اور میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مکہ میں اذان دینے لگا۔

(صحیح ابن حبان' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۶۸۰' سنن ابو داؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۰۳' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۳۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۰۸' مصنف عبد الرزاق' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۷۹' مسند احمد' ج ۳' ص ۴۰۹' طبع قدیم' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۳۹۳' سنن دار قطنی' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۹۰' مسند الشافعی' ص ۳۱۔۳۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۰ھ)

کلمات اقامت میں مذاہب ائمہ

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اقامت میں اللہ اکبر اللہ اکبر دو دفعہ اور باقی کلمات ایک ایک مرتبہ پڑھے جاتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک اللہ اکبر اللہ اکبر' چار چار دفعہ اور باقی کلمات دو دو مرتبہ اور آخر میں لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔ (المغنی' ج ۱' ص ۲۴۹' بدایۃ المجتہد' ج ۱' ص ۸۰)

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ پڑھیں اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ پڑھیں۔

(سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۳' صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۰۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث: (۳۷۸) ۸۱۵' سنن ابو داؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۰۸' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۲۶' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۲۹)

امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اذان اور اقامت میں دو دو کلمے تھے۔

(سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۴' سنن دار قطنی' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۲۵' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۴۲۰۔ اس حدیث کے

راوی ثقہ ہیں)

نیز! حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اذان کے انیس کلمات اور اقامت کے سترہ کلمات کی تعلیم دی' انہوں نے اقامت کے کلمات اس طرح بیان کیے اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر' اشھد ان لا الہ الا اللہ' اشھد ان لا الہ الا اللہ' اشھد ان محمدا رسول اللہ' اشھد ان محمدا رسول اللہ' حی علی الصلوۃ' حی علی الصلوۃ' حی علی الفلاح' حی علی الفلاح' قد قامت الصلوۃ' قد قامت الصلوۃ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔

(صحیح ابن حبان' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۶۸۱' سنن ابوداود' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۰۲' سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۲' مسند احمد' ج ۳' ص ۴۰۹' ج ۶' ص ۴۰۱' طبع قدیم' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۲۹' صحیح ابن خزیمہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۷۷' سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱۹۷-۱۱۹۶' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۳۹۳)

اس حدیث میں امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے موقف کی واضح دلیل ہے۔

اذان کا جواب

امام ابوحاتم محمد بن حبان بستی متوفی ۳۵۴ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب موذن کہے "اللہ اکبر' اللہ اکبر" اور تم میں سے کوئی کہے "اللہ اکبر" پھر وہ کہے "اشھد ان لا الہ الا اللہ" تو یہ کہے "اشھد ان لا الہ الا اللہ" پھر وہ کہے "اشھد ان محمدا رسول اللہ" تو یہ کہے "اشھد ان محمدا رسول اللہ" پھر وہ کہے "حی علی الصلوہ" تو یہ کہے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" پھر وہ کہے "حی علی الفلاح" تو یہ کہے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" پھر وہ کہے "اللہ اکبر' اللہ اکبر" تو یہ کہے "اللہ اکبر' اللہ اکبر" پھر وہ کہے "لا الہ الا اللہ" تو یہ کہے "لا الہ الا اللہ" تو یہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(صحیح ابن حبان' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۶۸۵' صحیح مسلم' اذان' ۱۲' (۳۸۵) ۸۲۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۵۲۷' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۷۳' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی' رقم الحدیث: ۶۷۸' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۳۴' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۴۰۹-۴۰۸)

دعا بعد الاذان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سننے کے بعد یہ دعا کی:

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ آت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمود الذی وعدتہ۔

اے اللہ! اس کامل نداء اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب! سیدنا محمد ﷺ کو جنت میں بلند مقام اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔

تو اس شخص پر میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۱۴' صحیح مسلم' اذان' ۱۱' (۳۸۴) ۸۳۶' سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۱' سنن ابوداود' ج ۱' رقم

الحدیث: ۵۲۹' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۷۷' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۲۲' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۴۸۲۳' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۳' ص ۳۵۳' طبع قدیم' عمل الیوم واللیلہ للنسائی' رقم الحدیث: ۳۶' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحدیث: ۹۲' طبع کراچی' المعجم الصغیر للطبرانی' ج ۱' ص ۲۴۰' طبع المدینہ المنورہ' مصنف عبدالرزاق' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۱۱' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۴۱۰' صحیح ابن حبان' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۸۹' شرح السنہ للبغوی' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۱' صحیح ابن خزیمہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۲۰)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اذان سنتے تو دعا کرتے اے اللہ! اس نداء کامل اور اس کے بعد قائم ہونے والی نماز کے رب' اپنے بندہ اور اپنے رسول محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے۔ (رسول اللہ ﷺ کا یہ دعا فرمانا ہماری تعلیم کے لیے ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(المعجم الاوسط' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۶۷۵' مجمع الزوائد' ج ۱' ص ۳۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله" اے اللہ! آپ پر صلوٰۃ نازل فرما اور آپ کو اس مقام پر پہنچا جو تیرے نزدیک جنت میں آپ کے لیے مخصوص ہے' اور قیامت کے دن ہم کو آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے سو جو شخص یہ دعا کرے گا' اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۵۵۴' مجمع الزوائد ج ۱' ص ۳۳۳' الجامع الکبیر ج ۷' رقم الحدیث: ۲۲۴۸۸' عمدۃ القاری ج ۵ ص ۱۲۴)

اذان کی فضیلت میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل سے محبت کرتے ہو' پس جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں ہو تو نماز کے لیے اذان دیا کرو' اور بہ آواز بلند اذان کہنا' کیونکہ موذن کی آواز کو جو بھی جن یا انسان سنتا ہے' اور جو چیز بھی سنتی ہے' وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گی۔ حضرت ابو سعید نے کہا میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۰۹' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۴۳' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۲۳' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۵۳' مسند احمد' ج ۳' ص ۳۵-۴۳' مسند حمیدی' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۳۰' مصنف عبدالرزاق' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۶۵' صحیح ابن خزیمہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۸۹' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۳۹۷-۴۲۷)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شیطان جب اذان کی آواز سنتا ہے تو روحاء (ایک مقام) پر بھاگ جاتا ہے۔ راوی نے پوچھا کہ روحاء کتنی دور ہے؟ تو حضرت جابر نے کہا وہ مدینہ سے چھتیس میل ہے۔

(صحیح مسلم' صلاۃ' ۱۵' (۳۸۸) ۸۳۱' صحیح ابن خزیمہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹۳' مسند احمد' ج ۳' ص ۳۱۶' شرح السنہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۵' صحیح ابن حبان' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۶۳' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۴۳۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان جب نماز کی ندا سنتا ہے تو زور سے پاد لگاتا ہے' تاکہ

اذان کی آواز نہ سن سکے اور جب موذن خاموش ہو جاتا ہے' تو پھر واپس آ کر وسوسہ ڈالتا ہے۔

(صحیح مسلم' صلوۃ '۱۶' (۳۸۹) ۸۳۲' صحیح ابن حبان' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۶۶۳' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۱۳' طبع قدیم' صحیح ابن خزیمہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹۴' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۴۳۲' شرح السنہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو پہلے نازل ہوا اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۵۹)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اہل کتاب نے دین اسلام کو ہنسی مذاق بنا لیا ہے اور اب اس آیت میں بتایا ہے کہ انہوں نے دین اسلام کو عزت اور احترام سے جو قبول نہیں کیا' اس کی کیا وجہ ہے؟

امام ابو محمد عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت آئی' جس میں ابو یاسر بن اخطب' نافع بن ابی نافع' عازر بن ابی عازر وغیرہم تھے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ رسولوں میں سے کس کس پر ایمان لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا' ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے لیے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں' جب آپ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کا ذکر کیا تو انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور کہا ہم عیسیٰ ابن مریم پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس شخص پر جو ان پر ایمان لایا ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

آپ کہئے اے اہل کتاب! تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ (الآیہ)

(السیرۃ النبویہ' ج ۲' ص ۱۸۰' جامع البیان' ج ۶' ص ۳۹۴' اسباب نزول القرآن' ص ۲۰۳)

یہود کا بعض نبیوں پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا قطعاً باطل ہے' کیونکہ معجزہ کی دلالت کی وجہ سے نبی پر ایمان لایا جاتا ہے اور جب یہود معجزہ کی دلالت کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو پھر معجزہ کی دلالت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیوں ایمان نہیں لائے؟ اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان کیوں نہیں لائے؟ جبکہ آپ نے بکثرت حسی اور معنوی معجزات پیش کیے۔

آیت مذکورہ کی ترکیب پر شبہات کے جوابات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہود تو تمام کفار اور فساق ہیں' یہاں اکثر کو فاسق کیوں فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر یہود دنیا کی عزت اور روپے پیسے کے لالچ میں حق کو چھپاتے تھے۔ اس لیے فرمایا تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں لہٰذا! تم اپنے دین کے اعتبار سے بھی نیک نہیں ہو' فاسق اور بدکار ہو۔ کیونکہ کافر اور بدعتی بھی بعض اوقات اپنے دین کے اعتبار سے سچا اور دیانت دار ہوتا ہے' جبکہ تم اپنے دین کے اعتبار سے بھی جھوٹے اور خائن ہو اور ظاہر ہے کہ سب یہودی اس طرح نہیں تھے۔ اس لیے فرمایا: تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض یہودی ایمان لے آئے تھے۔ اگر یہ فرمایا جاتا کہ کل یہودی فاسق ہیں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان کے متعلق بھی فسق کا وہم کرتا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں اس کا عطف اس جملہ پر ہے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اب اس کا معنی اس طرح ہوگا تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں جبکہ یہودیوں کے نزدیک ان کا فسق ناگوار نہیں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ یہ ان سے تعریضاً خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم مسلمان فاسق نہیں ہیں' بلکہ نیک اور صالح ہیں اور مسلمانوں کا نیک اور صالح ہونا ان کو ناگوار گزرتا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اعتقاد کا لفظ محذوف ہے' یعنی تم کو اپنے فسق کا اعتقاد ناگوار گزرتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں سبب کا لفظ محذوف ہے یعنی تم کو ہمارا اللہ پر ایمان لانا اس لیے ناگوار گزرتا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک کن لوگوں کی سزا اس سے بھی بدتر ہے' جن پر اللہ نے لعنت کی' اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا اور جنہوں نے شیطان کی عبادت کی' ان کا ٹھکانا بدترین ہے اور یہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ (المائدہ: ۶۰)

یہود کو علم تھا کہ ان کے اسلاف میں ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور ان پر اللہ نے لعنت کی۔ یہود میں سے جنہوں نے ممانعت کے باوجود ہفتہ کے دن شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی' ان کو بندر بنا دیا گیا اور جن عیسائیوں نے مائدہ (دسترخوان) کے معاملہ میں نافرمانی کی تھی' ان کو خنزیر بنا دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ کے دن جن یہودیوں نے نافرمانی کی تھی' ان میں سے جوانوں کو بندر بنا دیا گیا اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا۔ موجودہ بندر اور خنزیر ان کی نسل سے نہیں ہیں۔
صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بندروں اور خنزیروں کے متعلق سوال کیا گیا' کیا یہ وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا تھا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو ہلاک کر کے یا مسخ کر کے پھر اس کی نسل نہیں چلائی۔ بندر اور خنزیر اس سے پہلے بھی ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم' قدر' ۳۲-۳۳ (۲۶۶۳) ۶۶۳۶' مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۷۰۰' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۹۰' طبع قدیم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے' حالانکہ وہ آپ کے پاس کفر کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور کفر (ہی) کے ساتھ خارج ہوئے اور اللہ خوب جاننے والا ہے جسے وہ چھپاتے تھے۔ (المائدہ: ۶۱)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ یہودیوں نے دین اسلام کو ہنسی اور کھیل بنا لیا تھا اور وہ اذان کا مذاق اڑاتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو مسلمانوں کا ایمان اور تقویٰ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو ان کے کرتوتوں کی جو سزا آخرت میں ملے گی' وہ ان کو اس سے زیادہ ناگوار ہوگی اور اب اس آیت میں دین اسلام کے صدق اور برحق ہونے کی ایک اور دلیل بیان فرمائی کہ جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے' اس کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا۔

امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے بیان کیا ہے کہ بعض یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ بیان کرتے کہ وہ مومن ہیں' اور اسلام کے تمام احکام پر راضی ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے کفر اور گمراہی پر ڈٹے رہتے تھے۔ اور اسی کافرانہ عقیدہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے اور اسی کفریہ عقیدہ پر رخصت ہوتے۔ (جامع البیان' جز ۶' ص ۴۰۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایک لحظہ کے لیے بھی ان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا' وہ کفر کے جس حال میں آپ کے پاس آئے تھے' اسی حال میں لوٹ گئے۔ کیونکہ ان کے دل سخت تھے اور ان کا یہ قول کہ ہم ایمان لائے' بالکل خلاف واقع اور جھوٹ ہے اور اس جھوٹ سے ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ مکر و فریب کرنے کی بہت کوشش اور جدوجہد کریں' کیونکہ وہ مسلمانوں سے بہت بغض اور عداوت رکھتے تھے۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ

آپ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ، سرکشی اور حرام خوری میں تیزی سے بڑھتے

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ

ہیں، یہ بہت بری حرکتیں کر رہے ہیں ○ ان کے راہب اور پادری انہیں

وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا

گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے، یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ بہت

يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ

بُرے کام ہیں ○ اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں

وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ

اور ان کے اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے،

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا

اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کے کفر اور

وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ

سرکشی کو زیادہ کرے گا، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے،

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ

وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے، وہ زمین میں فساد پھیلانے کی تگ و دو

فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ

کر رہے ہیں اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ

اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان کے گناہوں کو ضرور مٹا دیتے اور ہم ان کو نعمتوں کی جنتوں میں ضرور داخل

النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ

کرتے ○ اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف

إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ

ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے تو ان کے اوپر سے بھی ان پر رزق برستا اور زمین سے بھی ان کے لیے رزق

مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾

اُبلتا، ان میں سے کچھ لوگ میانہ روی پر ہیں اور ان میں سے زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ' سرکشی اور حرام خوری میں تیزی سے بڑھتے ہیں۔ یہ بہت بری حرکتیں کر رہے ہیں۔ (المائدہ: ۶۲)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہودی ہر قسم کے گناہ بے دھڑک کرتے ہیں اور وہ کسی قسم کے گناہ میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔ خواہ وہ گناہ کفر ہی کیوں نہ ہو۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں اثم سے مراد کفر ہے' اور عدوان کے معنی اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھنا ہے۔

قتادہ نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے یہودی حکام مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جن یہودیوں کا ذکر کیا گیا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے اور حلال و حرام میں اس کی حدود سے تجاوز کرنے اور رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کرنے میں بہت تیزی سے رواں دواں ہیں اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں' وہ سراسر باطل کام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے راہب اور پادری انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ یہ جو کچھ کر رہے ہیں' یہ بہت برے کام ہیں۔ (المائدہ: ۶۳)

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے کی مذمت

گناہ کی بات کہنے سے مراد جھوٹ بولنا ہے۔ وہ ایمان نہیں لائے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے ہم ایمان لائے ہیں اور یہ جھوٹ ہے اور تورات میں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح وہ رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کرتے تھے' اور اس سے بھی تورات میں منع کیا گیا ہے اور ان کے علماء اس سے بھی منع نہیں کرتے تھے اور گناہ کرنے کی بہ نسبت گناہ سے منع نہ کرنا زیادہ مذموم ہے' کیونکہ گناہ کرنے والا گناہ سے لذت حاصل کرتا ہے' اس لیے گناہ کرتا ہے اور گناہ سے منع نہ کرنا محض گناہ بے لذت ہے' اس لیے اس کی زیادہ مذمت ہے۔ اس آیت میں یہودیوں کے ان علماء کی مذمت کی ہے جو ان کو گناہوں سے نہیں روکتے تھے۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ ربانیون سے مراد عیسائیوں کے علماء ہیں' اور احبار سے مراد یہود کے علماء ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں لفظوں سے مراد یہودی ہیں' کیونکہ یہ آیات یہودیوں کے متعلق ہیں۔ ایک لفظ سے مراد یہود کے درویش ہیں اور دوسرے لفظ سے مراد یہود کے علماء ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا علماء کی تنبیہ کے باب میں یہ سب سے سخت آیت ہے۔ ضحاک نے کہا کہ قرآن مجید کی جس آیت سے سب سے زیادہ خوف پیدا ہوتا

ہے' وہ یہی آیت ہے۔ کیونکہ جو شخص نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں سستی اور کوتاہی کرے' اس کو اور برے کام کرنے والے شخص' دونوں کی مذمت کو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جمع فرمادیا ہے۔ (زاد المسیر' ج ۲' ص ۳۹۱)

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے پر وعید کی احادیث

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے ایک فرشتہ کی طرف وحی کی کہ فلاں فلاں بستی والوں پر ان کی بستی کو الٹ دو۔ اس نے کہا اس بستی میں ایک بندہ ہے۔ جس نے ایک پل بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ نے فرمایا اس بستی کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو' کیونکہ میری وجہ سے اس شخص کا چہرہ ایک دن بھی غصہ سے متغیر نہیں ہوا۔ اس حدیث کے دو راویوں کی تضعیف کی گئی ہے۔ لیکن ابن المبارک اور ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے۔

(مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۲۷۰' المعجم للاوسط' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۶۵۷' مطبوعہ مکتبہ المعارف' ریاض' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو' اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو' جب تم ہدایت پر ہو گے تو کسی کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی (المائدہ: ۱۰۵) اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۷۵' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۳۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۵' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۰' ۱۶' طبع دار الفکر بیروت و دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ۱' ص ۷' ۵' ۲' طبع قدیم' صحیح ابن حبان' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۰۵' ۳۰۴' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۹۱)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا' ورنہ عنقریب اللہ تم پر عذاب بھیج دے گا' پھر تم دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہو گی' یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۷۶' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۳۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۵)

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے' اور جو اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے بدلے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے' وہ اس کو دل سے بدلے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان' ۷۸' (۴۹) ۱۷۵' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱۴۰' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۷۹' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۵۰۲۳' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۷۵' ۴۰۱۳' مسند احمد' ج ۳' ص ۱۰-۵۲' طبع قدیم' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۹۰)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی حدود قائم کرنے والے اور اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے (ترمذی کی روایت میں ہے اور اللہ کی حدود میں مداہنت' یعنی سستی اور نرمی کرنے والے) کی مثال اس طرح ہے کہ ایک قوم نے کشتی میں بیٹھنے کے لیے قرعہ اندازی کی' بعض لوگوں کے نام اوپر کی منزل کا قرعہ نکلا اور بعض لوگوں کے نام نچلی منزل کا' نچلی منزل والے پانی لینے کے لیے اوپر کی منزل پر گئے۔ پھر انہوں نے کہا اگر ہم کشتی کے پیندے میں سوراخ کر کے سمندر سے پانی لے لیں تو اوپر کی منزل والوں کو زحمت نہیں ہو گی۔ اگر اوپر کی منزل والوں نے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے

چھوڑ دیا تو سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھوں کو سوراخ کرنے سے روک لیا تو وہ بھی نجات پالیں گے اور نچلی منزل والے بھی۔

(صحیح البخاری' ج ٣' رقم الحدیث: ٢٤٩٣' ٢٦٨٦' سنن ترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ٢١٨٠' صحیح ابن حبان' ج ١' رقم الحدیث: ٢٩٧' مسند احمد' ج ٦' رقم الحدیث: ١٨٣٨٩' طبع دار الفکر' ج ٤' ص ٢٦٨' ٢٧٠' ٢٧٣' طبع قدیم' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ١٠' ص ٢٨٨' ٩١)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں گناہوں کے کام کیے جارہے ہوں اور وہ ان گناہوں کو مٹانے کی قدرت رکھتے ہوں' اور پھر نہ مٹائیں تو اللہ ان کو مرنے سے پہلے عذاب میں جتلا کردے گا۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں' اور اس کی سند حسن ہے۔

(صحیح ابن حبان' ج ١' رقم الحدیث: ٣٠٠' سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٤٣٣٩' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٤٠٠٩' مسند احمد' ج ٤' ص ٣٦٦-٣٦٤-٣٦٣' قدیم' المعجم الکبیر للطبرانی' ج ٢' رقم الحدیث: ٢٣٨٣' ٢٣٨٢)

ایک روایت میں ہے: جس قوم میں گناہ کیے جائیں وہ قوم زیادہ اور غالب ہو پھر بھی مداہنت کرے اور خاموش رہے اور برائی کو بدلنے کی کوشش نہ کرے' تو پھر ان سب پر عذاب آئے گا۔

(المعجم الکبیر' ج ٢' رقم الحدیث: ٢٣٨٥-٢٣٨١-٢٣٨٠' مسند احمد' ج ٤' ص ٣٦٣-٣٦١' طبع قدیم' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ١٠' ج ٩١)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات بیان کی جائے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن ترمذی' ج ٤' رقم الحدیث: ٢١٨١' سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٤٣٤٤' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٤٠١١' مسند البزار' رقم الحدیث: ٣٣١٣' مجمع الزوائد' ج ٧' ص ٢٧٢)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنواسرائیل میں سب سے پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کرکے یہ کہتا' اے شخص اللہ سے ڈر' اور جو کام تو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے' کیونکہ یہ کام تیرے لیے جائز نہیں ہے۔ پھر جب دوسرے دن اس سے ملاقات کرتا' تو اس کا وہ کام اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے منع نہ کرتا' جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنواسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا' ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی' کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے' وہ بہت برا کام تھا (المائدہ: ٧٩-٧٨) پھر آپ نے فرمایا ہرگز نہیں! بخدا! تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ضرور ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور تم اس کو ضرور حق پر عمل کے لیے مجبور کرنا' ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک جیسے کردے گا' پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی تھی۔

(سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٤٣٣٧-٤٣٣٦' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے' سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣٠٥٩' ٣٠٥٨' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٤٠٠٦' مسند احمد' ج ١' ص ٣٩١' طبع قدیم' امام احمد کی سند میں انقطاع ہے' اس لیے یہ سند ضعیف ہے' مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ٤' رقم الحدیث: ٣٧١٣' طبع دار الحدیث قاہرہ' المعجم الاوسط' ج ١' رقم الحدیث: ٥٢٣' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام طبرانی کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد' ج ٧' ص ٢٦٩)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ان کے اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی' بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں' وہ جس طرح چاہتا ہے' خرچ کرتا ہے۔ (الآیہ)

(المائدہ: ٦٤)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کی برائیاں اور ان کے گناہ ذکر فرمائے تھے کہ وہ گناہ اور سرکشی میں تیزی سے دوڑتے ہیں' حرام کھاتے ہیں اور حلال اور حرام کی تمیز کے بغیر مال حاصل کر کے جمع کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان کی سب سے بڑی برائی اور سب سے بڑا کفر بیان کیا' کہ انہوں نے اللہ عزوجل کی طرف بخل کو منسوب کیا' اور یہ ایسی جرات ہے جس کا ارتکاب کوئی صاحب عقل نہیں کر سکتا' ہم اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں' اللہ تعالیٰ ایسی نسبت سے پاک' بلند اور برتر ہے۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی' متوفی ٣٦٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک شخص نباش بن قیس تھا' اس نے کہا آپ کا رب بخیل ہے' خرچ نہیں کرتا۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

(المعجم الکبیر' ج ١٢' رقم الحدیث: ١٢٤٩٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ہرچند کہ کسی ایک یہودی نے یہ خبیث قول کہا تھا' لیکن چونکہ باقی یہود میں سے کسی نے اس قول سے برأت کا اظہار نہیں کیا اور اس کا رد نہیں کیا' اس لیے پوری قوم یہود کی طرف اس قول کی نسبت فرمائی۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے کہا ہے کہ یہ آیت فنحاص یہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٢٠٥' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

ایک قول یہ ہے کہ جب یہود نے دیکھا کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے پاس دنیاوی مال نہیں ہے اور اکثر مسلمان فقر اور فاقہ میں مبتلا ہیں' اور انہوں نے یہ آیت سنی:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ‏ کوئی ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے۔

(الحدید: ١١)

تو انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد ﷺ کا خدا فقیر ہے اور بسا اوقات کہا بخیل ہے' اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کا یہی معنی ہے' کیونکہ جو شخص خرچ نہ کرے اس کے متعلق کہا جاتا ہے اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ ‏ اور نہ رکھ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا۔

(الاسراء: ٢٩)

ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رزق کے ذرائع بند کر دیئے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس افتراء کا رد کرتے ہوئے فرمایا: خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس آیت میں ہماری زبانوں سے ان کے خلاف دعا ضرر فرمائی ہے' یعنی ان کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں۔ ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا' وہ اس بخل کی وجہ سے ہر خیر سے محروم ہیں۔ ان سے کسی کو خیر حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بخیل ہیں۔ غل کا معنی طوق بھی ہے' سو اس کا یہ

معنی ہے کہ دنیا میں ان پر قید و بند کا طوق ڈال دیا گیا اور آخرت میں ان پر جہنم میں طوق ڈال دیا جائے گا۔

ید اللہ (اللہ کا ہاتھ) کا معنی

انگلیوں سے لے کر پہنچے تک کے عضو کو ید کہتے ہیں، بلکہ کندھے تک کے عضو کو بھی ید (ہاتھ) کہا جاتا ہے اور مجازاً ید کا اطلاق نعمت پر بھی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں کا مجھ پر ہاتھ ہے، یعنی اس کا احسان اور نعمت ہے اور عطا کرنے اور خرچ کرنے پر بھی ید کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے کہتے ہیں فلاں کا ہاتھ بہت کشادہ ہے اور ید کا اطلاق قدرت پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے اولی الایدی والابصار (ص: ٤٥) وہ قدرت والے اور بصیرت والے ہیں۔ انہوں نے جو کہا تھا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ نے ان پر عطا کرنے اور خرچ کرنے کے دروازے بند کیے ہوئے ہیں اور ان کو رزق نہیں دیا۔ ان کا یہ قول بخل سے کنایہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، یعنی وہ نیکی اور کار خیر سے رکے ہوئے ہیں، اور وہ کائنات میں سب سے زیادہ بخیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ بہت عطا فرماتا ہے، وہ بہت جواد اور فیاض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں کا ذکر فرمایا، کیونکہ دونوں ہاتھوں سے خرچ کرنا بہت زیادہ سخاوت پر دلالت کرتا ہے، تمام چیزوں کے خزانے اور ہر قسم کی نعمتیں اس کے پاس ہیں، اور وہ اپنی تمام مخلوق کو عطا فرما رہا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (ابراہیم: ٣٤)

اور اس نے تم کو تمہاری ہر سوال کی ہوئی چیز عطا فرمائی اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرو تو ان کو شمار نہ کر سکو گے، بے شک انسان بڑا ظالم ناشکرا ہے۔

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (لقمان: ٢٠)

اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا اور فرمایا اللہ کے دونوں ہاتھ بھرے ہوئے ہیں، رات اور دن میں ہمیشہ خرچ کرنے سے اس کے خزانے میں کمی نہیں ہوتی اور فرمایا یہ بتاؤ جب سے اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے، وہ خرچ کر رہا ہے اور اس سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور اس کا عرش پانی پر ہے اور اس کے ہاتھ میں میزان ہے، جس کو وہ پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔

(صحیح البخاری، ج ٥، رقم الحدیث: ٤٦٨٤، صحیح مسلم، زکوٰۃ ٣٦، ٣٧ (٩٩٣) ٢٢٧١، سنن ترمذی، ج ٥، رقم الحدیث: ٣٠٥٦، سنن ابن ماجہ، ج ١، رقم الحدیث: ١٩٧، صحیح ابن حبان، ج ٢، رقم الحدیث: ٧٢٥، مسند احمد، ج ٢، ص ٥٠٠، ص ٣١٣-٢٤٢، طبع قدیم، مسند احمد، ج ٣، رقم الحدیث: ١٠٥٠٥، ط دار الفکر، الاسماء والصفات للبیہقی، ص ٣٢٨، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو جو رزق کم عطا کیا ہے یا ان پر تنگی کی ہے تو وہ اس کی حکمت کے مطابق ہے، اور وہ سب کا مالک علی الاطلاق ہے، جس کو جتنا چاہتا ہے، عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے، لیکن وہ اندازے کے مطابق

خَبِيرٌ بَصِيرٌ (الشوریٰ: ۲۷) جتنا چاہتا ہے' رزق اتارتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے خوب واقف ہے اور انہیں بہت دیکھنے والا ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (الرعد: ۲۶) اللہ جس کے لیے چاہتا ہے' رزق کشادہ کرتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔

قرآن مجید کی جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ' چہرے اور پنڈلی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے' فرقہ مجسمہ ان آیات سے اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت ثابت کرتا تھا۔ اس فرقہ کا باطل ہونا بالکل واضح ہے' کیونکہ جسم اپنے ترکیب میں اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا۔ نیز ہر جسم متناہی ہوتا ہے اور ہر متناہی حادث ہوتا ہے اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔ نیز ہر جسم یا متحرک ہوگا یا ساکن ہوگا اور حرکت و سکون دونوں حادث ہیں اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء اور جسم ہونے سے پاک اور منزہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے لیے جو ید وغیرہ کا اطلاق کیا گیا ہے' اس میں اہل اسلام کے حسب ذیل مذاہب ہیں۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

شریعت میں جن امور کا ذکر ہے' مثلاً استواء' ید' وجہ (چہرہ) عین (آنکھ) وغیرہ ان میں حق یہ ہے کہ یہ مجازات اور تمثیلات ہیں۔ یعنی جن امور کا ظاہر شرع میں ذکر ہے اور ان کو حقیقی معانی پر محمول کرنا محال ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ: ۵) رحمٰن نے عرش پر استواء فرمایا۔

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح: ۱۰) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (ص: ۷۵) تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ (الرحمٰن: ۲۷) اور باقی ہے آپ کے رب کا چہرہ۔

وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ (طٰہٰ: ۳۹) تاکہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

شیخ ابو الحسن اشعری نے کہا ہے کہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی صفت زائدہ ہیں اور جمہور کے نزدیک یہ تمام اطلاق مجازی ہیں۔ استواء سے مراد غلبہ ہے یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت کی تمثیل اور تصویر ہے اور ید سے مراد قدرت ہے اور وجہ (چہرہ) سے مراد ذات اور وجود ہے اور عین (آنکھ) سے مراد بصر ہے اور شیخ اشعری کا ایک قول بھی جمہور کے موافق ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بنی ہیں' پھر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق خصوصیت سے کیوں فرمایا کہ میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے شرف اور مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لیے خصوصیت سے فرمایا: کہ میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا' جس طرح بیت اللہ میں بیت کی اضافت بھی تشریف اور تکریم کے لیے ہے یا وہاں پر کمال قدرت کا اظہار مراد ہے۔ نیز علماء بیان نے یہ بھی کہا ہے کہ استواء سے مجازاً غلبہ اور ید اور یمین سے مجازاً قدرت اور عین سے مجازاً بصر مراد لینا اللہ تعالیٰ کی طرف تجسیم اور تشبیہ کے وہم کی نفی کرنے کے لیے ہے' ورنہ ان الفاظ سے وہ معانی عقلیہ مراد ہیں جو ان کے مقابلہ میں صور حسیہ میں ہوتے ہیں۔

(شرح المقاصد' ج ۵' ص ۱۷۵-۱۷۴' مطبوعہ منشورات الرضی' ایران' ۱۴۰۹ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابوالحسن اشعری کا ایک قول یہ ہے کہ ان امور کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے' کیونکہ وہ اللہ کے حق میں محال ہے۔ اس لیے ان سے مراد اللہ کی صفات زائدہ ہیں اور ہمیں ان کی کنہ معلوم نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اطلاقات مجازی ہیں۔

(شرح المواقف' ج ۸' ص ۱۱۱-۱۱۰' ملخصا' مطبوعہ منشورات الرضی' ایران)

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید میں جو ید کا لفظ آیا ہے' اس کے متعلق جمہور مسلمین کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے ید کا لفظ آیا ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے' اور چونکہ عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ کے لیے جسم اور جسمانی اعضاء محال ہیں' سو ہمارا اس پر بھی ایمان ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کی حقیقت اور کنہ ہم کو معلوم نہیں ہے' سلف صالحین کا یہی عقیدہ تھا۔ دوسرا قول متکلمین کا ہے' وہ کہتے ہیں کہ ید کے کئی معانی ہیں۔ ایک معنی یہ عضو مخصوص ہے' یہ اللہ کے حق میں محال ہے۔ اس کا دوسرا معنی ہے نعمت۔ تیسرا معنی ہے قوت' چوتھا معنی ہے ملک' جیسے قرآن مجید میں ہے الذی بیدہ عقدۃ النکاح جس کی ملک میں نکاح کی گرہ ہے۔ پانچواں معنی ہے خصوصی توجہ اور خصوصیت جیسے' لما خلقت بیدی (ص ۷۵) موخر الذکر چاروں معانی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ اس بحث میں ایک اور قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابوالحسن اشعری نے کہا کہ ید' اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور یہ ایک صفت ہے' جو قدرت کے علاوہ ہے۔ اس کی شان سے کسی چیز کو خصوصیت کے ساتھ پیدا کرنا ہے اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے ید کا لفظ استعمال ہو تو اس سے قدرت اور نعمت مراد ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر' ج ۳' ص ۴۲۸' ملخصا' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' طبع قدیم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کے کفر اور سرکشی کو زیادہ کردے گا' اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے' وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں' اللہ اسے بجھا دیتا ہے۔ وہ زمین میں فساد پھیلانے کی تگ و دو کر رہے ہیں' اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۶۴)

اس آیت کا تعلق علماء یہود سے ہے' کیونکہ ان کا موقف غلط اور باطل تھا۔ اس لیے اس کے رد میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں' اور ہر آیت کے نازل ہونے کے بعد علماء یہود اس کا انکار کر دیتے' تو یوں قرآن مجید کے نازل ہونے سے ان کے کفر اور سرکشی میں زیادتی ہوتی رہی۔

علماء یہود حسد اور بغض کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور چونکہ یہ دنیاوی مال و دولت اور منصب اور عہدوں کے درپے تھے' اس لیے یہود اور نصاریٰ میں سے ہر فرقہ شد و مد کے ساتھ اپنے مذہب کا پرچار کرتا تھا اور دوسرے فرقہ کا رد کرتا تھا' تاکہ دنیاوی کامیابی صرف اسی کو حاصل ہو۔ اس لیے یہود اور نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض رکھتے تھے یا پھر ان کے اپنے اندر بہت فرقے تھے اور ہر فرقہ دوسرے سے بغض رکھتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہود جب بھی جنگ کی آگ کو بھڑکاتے ہیں' اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔ جب انہوں نے فساد پھیلایا اور تورات کی مخالفت کی' تو اللہ نے ان کے اوپر بخت نصر کو بھیج دیا' انہوں نے پھر فساد کیا' تو ان پر پطرس رومی کو بھیج دیا۔ انہوں نے پھر فساد پھیلایا' تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مجوس کو بھیج دیا۔ انہوں نے پھر فساد پھیلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلمانوں کو بھیج دیا۔

قتادہ نے کہا جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مبعوث کیا تو یہ مجوس کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے تھے۔
اس کے بعد فرمایا: یہ زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اسلام کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ زمین میں سب سے بڑا فساد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان کے گناہوں کو ضرور مٹا دیتے اور ہم ان کو نعمتوں کی جنتوں میں ضرور داخل کرتے۔ (المائدہ: ۶۵)

اس آیت کا معنی ہے کہ اگر اہل کتاب اللہ اور اس کے رسول' یعنی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لے آتے اور اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنے اور گناہ کرنے اور سرکشی کرنے سے اللہ سے ڈرتے' یعنی اللہ کی کتاب میں لفظی اور معنوی تحریف نہ کرتے' رشوت لے کر حرام مال نہ کھاتے تو ہم نہ صرف یہ کہ ان کے گناہوں کو مٹا دیتے' بلکہ ان کو جنت کی نعمتوں میں داخل کر دیتے۔
اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی خرابی اور ان کے مرض کا ذکر کیا تھا' اور اس آیت میں اس کے تدارک اور علاج کا ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے' تو ان کے اوپر سے بھی ان پر رزق برستا اور زمین سے بھی ان کے لیے رزق ابلتا۔ ان میں سے کچھ لوگ میانہ روی پر ہیں' اور ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں (المائدہ: ۶۶)

گناہوں کو ترک کرنے اور نیکیاں کرنے سے رزق میں وسعت اور فراخی

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اگر اہل کتاب اللہ اور رسول پر ایمان لے آئیں اور کفر اور سرکشی میں اللہ سے ڈرتے رہیں' تو وہ اخروی عذاب سے محفوظ رہیں گے' اور آخرت میں جنت کی نعمتوں کو حاصل کریں گے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر یہ تورات اور انجیل کو قائم رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیا کو بھی جنت بنا دے گا۔

تورات اور انجیل کو قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ:

۱- وہ تورات اور انجیل میں اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کریں اور ان میں یہ عہد بھی ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اور تورات اور انجیل میں آپ کی نبوت پر جو دلائل ہیں اور آپ کی جو علامات مذکور ہیں' ان کو ظاہر کریں گے۔

۲- تورات اور انجیل کے احکام پر عمل کریں گے' اور اس میں مذکور حدود کو نافذ کریں گے۔

۳- اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اگر وہ ظہور اسلام سے پہلے تورات اور انجیل کی شریعت کو قائم رکھتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہتے' لیکن انہوں نے تورات کے احکام پر عمل نہیں کیا اور انجیل کا انکار کیا اس لیے ان پر معاشی تنگی اور رزق میں کمی اور دنیا میں رسوائی اور خواری مسلط کر دی گئی۔

اس آیت میں فرمایا ہے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے' دوسرا قول یہ ہے اس سے مراد باقی انبیاء پر نازل کیے ہوئے صحیفے ہیں' مثلاً حضرت شعیاہ' حضرت حبقوق' اور حضرت دانیال کے صحائف۔

نیز فرمایا تو یہ اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی کھاتے' اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہود نے سیدنا محمد ﷺ کی تکذیب پر اصرار کیا تو ان پر قحط اور تنگی مسلط کر دی گئی' حتیٰ کہ انہوں نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر یہ کفر کو چھوڑ دیں تو ان کے حالات بدل جائیں گے اور ان کی تنگی خوش حالی سے اور قحط غلہ کی فراوانی سے بدل

جائے گا۔ اور یہ جو فرمایا: تو یہ اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی کھاتے' اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

۱۔ اس سے مراد غذائی اجناس کی پیداوار میں مبالغہ اور وسعت ہے
۲۔ اوپر سے کھانے سے مراد ہے بارشوں کا ہونا اور پیروں کے نیچے سے کھانے سے مراد ہے زمین کا غلہ اگانا
۳۔ اوپر سے کھانے سے مراد ہے درختوں کا پھلوں سے لد جانا اور پیروں کے نیچے سے کھانے سے مراد ہے کھیتوں کا لہلہانا
۴۔ اوپر سے مراد درختوں سے پھل اتارنا اور نیچے سے مراد ہے زمین پر پڑے ہوئے پھلوں کو چننا

خلاصہ یہ ہے کہ خوف خدا سے گناہوں کو ترک کرنے اور عبادات اور نیکیوں کے کرنے سے آسمان سے بھی رزق برستا ہے اور زمین بھی سونا اگلتی ہے۔ اس کی تائید اور نظیر میں حسب ذیل آیات ہیں:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: ۹۶)
اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے رہتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا (الجن: ۱۶)
اگر وہ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم انہیں ضرور کثیر پانی سے سیراب فرماتے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: ۳)
جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کیلئے نجات کی راہ پیدا کر دے گا اور اسکو وہاں سے روزی دے گا جہاں اسکا گمان بھی نہ ہو گا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراھیم: ۷)
اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تم کو زیادہ دوں گا۔

اس کے بعد فرمایا: ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو میانہ روی پر ہیں۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے سلیم الفطرت تھے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا' جیسے یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام اور عیسائیوں میں سے نجاشی اور یا کفار میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو معتدل تھے اور انہوں نے جلد یا بدیر اسلام قبول کر لیا۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: اور ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی مذمت اس سے پہلی آیتوں میں کی گئی ہے' جو تورات اور انجیل میں تحریف کرتے تھے۔ حق کو چھپاتے تھے اور حرام کھاتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ
اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجیے اور اگر (بالفرض)

تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ
آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ
بیشک اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا ○ آپ کہیے کہ اے اہل کتاب!

لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ

تم (دینِ برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو

اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ

جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے، اور ان میں سے بہت سے لوگوں کے کفر اور سرکشی کو وہ ضرور زیادہ

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

کرے گا جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، سو آپ کافروں کی قوم پر افسوس

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ

نہ کریں ○ بے شک ایمان کے مدعی اور یہودی اور صابئین اور نصاریٰ جو بھی اللہ

وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا

اور قیامت پر (صحیح) ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو نہ ان پر خوف ہو گا

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ بیشک ہم نے بنو اسرائیل

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ

سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے، جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر

بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾

آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا تو انہوں نے (رسولوں کے) ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا ○

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

اور انھوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو اس کی کوئی سزا نہیں ملے گی، سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر اللہ نے ان کی

ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾

توبہ قبول فرمائی، پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے ○

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے : حالانکہ مسیح نے

الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ

کہا تھا اے بنی اسرائیل ! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے ، بیشک جس نے

يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ

اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے ،

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا' اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا' بے شک اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ٦٧)

ایک آیت کی تبلیغ نہ کرنے سے مطلقاً تبلیغ رسالت کی نفی کس طرح درست ہے؟

اس سے پہلی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کے خبیث عقائد اور ان کے باطل اقوال' دین میں ان کی تحریفات اور ان کی بداعمالیاں بیان کی گئی تھیں۔ اس طرح مشرکوں کی خرابیوں کو بھی بیان کیا گیا تھا اور مشرکوں کے متعلق آیات نازل ہوئیں تھیں۔ اب آپ سے فرمایا ہے کہ آپ کے اوپر جو کچھ بھی آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' وہ سب کو پہنچا دیجئے اور اس تبلیغ میں یہود و نصاریٰ اور مشرکوں اور کافروں کی مخالفت کی مطلقاً پروانہ کیجئے۔ اللہ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا' اور اگر بہ فرض محال آپ نے ایسا نہ کیا اور کسی آیت کو بھی نہ پہنچایا تو آپ نے کار رسالت انجام نہیں دیا اور آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا۔

اس آیت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر اس آیت کا معنی یہ ہو اگر آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا تو یہ کلام غیر مفید ہے۔ کیونکہ شرط اور جزاء میں تغائر ہوتا ہے اور یہاں تغائر نہیں ہے اور اگر اس آیت کا معنی یہ ہے اگر آپ نے ایک آیت بھی نہیں پہنچائی تو آپ نے اپنے رب کا پیغام بالکل نہیں پہنچایا تو یہ کلام مفید ہے۔ لیکن واقع کے خلاف ہے' کیونکہ ایک آیت کے نہ پہنچانے سے اس ایک آیت کے پہنچانے کی نفی ہونی چاہیے' باقی تمام آیات جو پہنچائی جا چکی ہیں' ان کی نفی کیسے صحیح ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ معنی یہی ہے کہ اگر آپ نے بالفرض ایک آیت کو بھی نہیں پہنچایا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام بالکل نہیں پہنچایا۔ کیونکہ ایک آیت کو بھی نہ پہنچانے سے باقی تمام آیات کا پہنچانا ضائع اور غیر معتبر ہو جائے گا' یا جیسے کوئی شخص قرآن مجید کی ایک آیت پر ایمان نہ لائے تو اس کا باقی تمام قرآن پر ایمان لانا ضائع ہو گیا' یا جیسے کوئی شخص نماز کا ایک رکن ادا نہ کرے اور باقی تمام ارکان ادا کرے تو اس کی نماز ضائع ہوگی' کیونکہ جب کسی ایک آیت کو چھپایا جائے

گا تو دعوت اسلام سے جو غرض اور مقصود ہے' وہ فوت ہو جائے گا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا

جس نے بغیر قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد کے کسی کو (ناحق) قتل کیا تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا۔

(المائدہ: ٣٢)

کیونکہ جس طرح ایک شخص کو ناحق قتل کرنا اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے' اسی طرح سب لوگوں کو ناحق قتل کرنا بھی اللہ کی نافرمانی ہے' اور جو ایک شخص کے قتل ناحق پر جرأت کر سکتا ہے' اگر اس کے بس میں ہو تو وہ سب لوگوں کے قتل ناحق پر بھی جرأت کر سکتا ہے۔ اسی طرح جو بالفرض ایک آیت کے چھپانے پر جرأت کر سکتا ہے' وہ سب آیتوں کے چھپانے پر بھی جرأت کر سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا: اگر آپ نے بالفرض ایک آیت کو بھی چھپایا تو آپ نے کار رسالت بالکل انجام نہیں دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' اس آیت کا معنی ہے آپ پر آپ کے رب کی جانب سے جو کچھ نازل ہوا ہے' اگر (بالفرض) آپ نے اس میں سے ایک آیت بھی چھپالی تو آپ نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا

(جامع البیان' ج٦' ص ٣١٤' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

تبلیغ رسالت اور لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سہارے سے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی' اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں؟ فرمایا: جس نے یہ کہا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے' اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا' میں سہارے سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اے ام المومنین! مجھے مہلت دیں اور جلدی نہ کریں' کیا اللہ عزو جل نے یہ نہیں فرمایا؟ اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا (التکویر: ٢٣) اور فرمایا اور بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا (النجم: ١٣) حضرت عائشہ نے فرمایا اس امت میں' میں سب سے پہلی ہوں جس نے ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ جبرائیل ہیں' جس صورت پر جبرائیل کو پیدا کیا ہے' آپ نے اس صورت پر جبرائیل کو صرف دو بار دیکھا ہے۔ آپ نے جبرائیل کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا' ان کی عظیم خلقت (بناوٹ اور جسامت) نے تمام آسمان اور زمین کو بھر لیا تھا۔ پھر حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تم نے اللہ عزو جل کا یہ قول نہیں سنا آنکھیں اللہ کا ادراک (احاطہ کرتے ہوئے) نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے اور وہی باریکیوں کو جاننے والا اور ظاہر و باطن سے خبردار ہے (الانعام: ١٠٣) اور کیا تم نے اللہ عزو جل کا یہ قول نہیں سنا اور کسی بشر کے یہ لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے اس کو وہ پہنچا دے جو اللہ چاہے (الشوریٰ: ٥١) اور جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی کتاب سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے' اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا (المائدہ: ٦٧) اور جس نے یہ کہا کہ آپ کل کی بات کی (از خود) خبر دیتے ہیں' تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ اللہ فرماتا ہے آپ کہئے کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی (از خود) غیب کو نہیں جانتا سوا اللہ کے۔ (النمل: ٦٥)

(صحیح مسلم' الایمان' ٢٨٧' (١٧٧) ٤٣٣' صحیح البخاری' ج ٦' رقم الحدیث: ٤٨٥٥' سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣٠٧٩' سنن کبریٰ للنسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ١١١٤٧' مسند احمد' ج ١٠' رقم الحدیث: ٢٦٠٩٩' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ٦' ص ٢٤١' طبع قدیم' جامع البیان' جز ٦' ص ٤٢٦)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا (المائدہ: ٦٧) تب رسول اللہ ﷺ نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکال کر فرمایا: اے لوگو! واپس جاؤ' بے شک اللہ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ (سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣٠٥٧' المستدرک' ج ٢' ص ٣١٣)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان مسلمانوں میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا تو رسول اللہ ﷺ نے حفاظت کے انتظام کو ترک کر دیا۔

(المعجم الصغیر' ج ١' رقم الحدیث: ٤١٨' المعجم الاوسط' ج ٤' رقم الحدیث: ٣٥٣٤' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں عطیہ العوفی ایک ضعیف راوی ہے۔ مجمع الزوائد' ج ٧' ص ١٧)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے اور جب رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے تو وہ آپ کے ساتھ واپس آئے۔ ایک وادی جس میں خاردار درخت بہت زیادہ تھے' اس میں انہوں نے دوپہر کے وقت قیام کیا' مسلمان درختوں کے سائے میں بکھر کر آرام کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کیکر کے ایک درخت کے نیچے اترے اور آپ نے اس میں تلوار لٹکا دی۔ حضرت جابر نے کہا ہم لوگ سو گئے۔ اچانک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بلایا' ہم آپ کے پاس پہنچے تو وہاں ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا' اس شخص نے میری تلوار نکال لی' میں بیدار ہوا تو وہ تلوار اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی اور وہ مجھ سے کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا اللہ! لو وہ یہ بیٹھا ہوا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔

(صحیح البخاری' ج ٥' رقم الحدیث: ٤١٣٥' السیرۃ النبویہ لابن ہشام' ج ٣' ص ٢٢٧' الطبقات الکبریٰ' لابن سعد' ج ٢' ص ٦١' سبل الہدیٰ والرشاد' ج ٥' ص ١٧٦)

علامہ علی بن برہان الدین حلبی متوفی ١٠٤٤ھ نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس شخص کا نام غورث بن الحارث تھا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا میں تمہارے لیے (سیدنا) محمد ﷺ کو قتل نہ کروں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! تم ان کو کیسے قتل کرو گے؟ اس نے کہا میں ان کی غفلت میں ان کے پاس جاؤں گا' وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ اس وقت تلوار آپ کی گود میں تھی' اس نے کہا اے محمد! ﷺ ذرا اپنی تلوار مجھے دکھائیں۔ پھر تلوار آپ کی گود سے لے کر آپ پر سونت لی اور کہنے لگا اے محمد! ﷺ آپ مجھ سے ڈرتے نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں' بلکہ اللہ مجھے تم سے بچائے گا' پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو تلوار دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے تلوار لے کر فرمایا اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا آپ بہتر بدلہ لینے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں

اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آپ سے لڑوں گا' نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو جانے دیا' وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں' پھر وہ مسلمان ہو گیا اور اس کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

(انسان العیون' ج ٢' ص ٥٧٤' حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے' فتح الباری' ج ٧' ص ٣٢٨)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات نبی ﷺ کو نیند نہیں آرہی تھی۔ آپ نے فرمایا کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی نیک شخص آج رات میری حفاظت کرتا' اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ کہا گیا' یا رسول اللہ! میں سعد ہوں اور آپ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں۔ پھر نبی ﷺ سو گئے حتیٰ کہ ہم نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی۔

(صحیح البخاری' ج ٣' رقم الحدیث: ٢٨٨٥' ج ٥' رقم الحدیث: ٧٢٣١' صحیح مسلم' فضائل الصحابہ' ٣٩' (٢٤١٠) ٦١٣٣' سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣٧٧٧' صحیح ابن حبان' ج ١٥' رقم الحدیث: ٦٩٨٦' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ١٢' ص ٨٩-٨٨' مسند احمد' ج ٦' ص ١٤١' طبع قدیم' مسند احمد' ج ٩' رقم الحدیث: ٢٥١٣٧' طبع دار الفکر' مسند احمد (احمد شاکر) ج ١٧' رقم الحدیث: ٢٤٩٧٣' فضائل الصحابہ للنسائی' رقم الحدیث: ١١٣' المستدرک' ج ٣' ص ٥٠١' تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر' ج ٢' ص ٢٠٠' کنز العمال' ج ١٣' رقم الحدیث: ٣٦٦٤٧)

علامہ قرطبی متوفی ٦٦٨ھ نے اس حدیث کو صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

غیر صحیح میں یہ روایت ہے کہ ہم اسی حال میں تھے کہ اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ نے فرمایا کون ہے؟ انہوں نے کہا ہم سعد اور حذیفہ ہیں۔ آپ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں' پھر آپ سو گئے' حتیٰ کہ ہم نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی اور یہ آیت نازل ہوئی' پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر خیمہ سے باہر نکالا اور فرمایا: اے لوگو واپس جاؤ' بے شک اللہ نے میری حفاظت کرلی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ٦' ص ١٨٠' مطبوعہ دار الفکر' ١٤١٥ھ)

علامہ قرطبی نے جس طرح ان دونوں روایتوں کو ملا دیا ہے' مجھے اس طرح حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا' جبکہ میں نے اس حدیث کا بہت تتبع کیا ہے' جیسا کہ مذکور الصدر حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر علماء شیعہ کا استدلال اور اس کا جواب

مشہور شیعہ عالم شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ٤٦٠ھ اس آیت کے شان نزول کے متعلق لکھتے ہیں:

ابو جعفر اور ابو عبد اللہ علیہما السلام نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں' تو نبی ﷺ کو یہ خوف تھا کہ یہ معاملہ آپ کے اصحاب کی جماعت پر دشوار ہوگا۔ تب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی ہمت بڑھانے کے لیے یہ آیت نازل کی تاکہ آپ اللہ کے حکم پر عمل کریں۔

(التبیان' ج ٣' ص ٥٨٨' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بہ روز جمعرات' ١٨ ذوالحجہ ١٠ھ کو حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر غدیر خم کے مقام پر نبی ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا تم تمام لوگوں میں مسلمانوں کے سب سے زیادہ لائق اور مستحق کون ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ میرا مولیٰ ہے اور میں مسلمانوں کا مولیٰ ہوں اور میں جس کا مولیٰ ہوں' علی اس کے مولیٰ ہیں۔ آپ نے اس جملہ کو تین چار بار دہرایا۔ پھر فرمایا اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے' اور اس سے

عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے۔ اے اللہ! اس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور اس سے بغض رکھ جو علی سے بغض رکھے۔ پھر آپ نے فرمایا تمام حاضرین یہ پیغام غائبین کو پہنچا دیں۔

(تفسیر نمونہ، ج ۵، ص ۱۲-۱۱، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، طہران)

یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں ہے، کیونکہ ان کی شرط کے موافق اس کی روایت نہیں ہے۔ دیگر کتب حدیث میں یہ روایت ہے۔ بعض میں صرف اس قدر ہے کہ جس کا میں مولیٰ ہوں، اس کے علی مولیٰ ہیں اور بعض میں یہ الفاظ بھی ہیں اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے، اور اس کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۷۳۳، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۱، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۸۱۴۵، مسند احمد، ج ۱، ص ۸۳-۸۸-۱۱۸-۱۱۹-۱۵۲-۳۳۱، ج ۴، ص ۳۷۲، ۳۷۰، ج ۵، ص ۳۴۹-۳۶۶-۳۷۰، طبع قدیم، مسند البزار (کشف الاستار) رقم الحدیث: ۲۵۳۵-۲۵۳۶-۲۵۲۹-۲۵۲۸-۲۵۳۱-۲۵۳۲-۲۵۳۴-۲۵۳۳-۲۵۳۷-۲۵۱۹، مسند ابو یعلی، رقم الحدیث: ۵۶۷-۶۴۲۳، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۰۳۵-۲۵۰۵، ج ۴، رقم الحدیث: ۴۰۵۲-۴۵۱۳-۴۵۱۵، ج ۵، رقم الحدیث: ۴۹۸۵-۴۹۹۶-۵۱۲۸-۴۹۶۸-۵۰۹۲-۵۰۶۷-۴۵۱۳، ج ۱۹، رقم الحدیث: ۲۹۱، ج ۲۲، رقم الحدیث: ۵۰۳، المعجم الاوسط، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۱۵، ۱۹۸۷، ۳۴۷۳، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۷۵-۲۱۳۱، مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۰۹-۱۰۳، طبع قدیم)

علماء شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ جس شخص پر اولیٰ بالتصرف ہیں اس پر حضرت علی اولیٰ بالتصرف ہیں اور جو شخص اولیٰ بالتصرف ہو، وہ امام معصوم ہوتا ہے اور اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ لہٰذا حضرت علی امام معصوم ہیں اور ان کی اطاعت فرض ہے، اور جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو امام قرار دے دیا تو ان کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کی امامت صحیح نہیں۔

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱- لفظ مولیٰ ولی سے ماخوذ ہے اور اہل تشیع کا استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس حدیث میں ولی بمعنی اولیٰ ہے۔ اس لیے ہم پہلے دیکھتے ہیں کہ اس لفظ کے لغت میں کیا معنی ہیں۔ علامہ زبیدی نے قاموس کے حوالے سے ولی کے حسب ذیل معنی ذکر کیے ہیں:

(۱) محب (۲) صدیق (دوست) (۳) نصیر (۴) سلطان (۵) مالک (۶) عبد (۷) آزاد کرنے والا (۸) آزاد کیا ہوا (۹) قریب (۱۰) مہمان (۱۱) شریک (۱۲) عصبہ (۱۳) رب (۱۴) منعم (۱۵) تابع (۱۶) سسرالی رشتہ دار (۱۷) بھانجہ۔

(تاج العروس، ج ۱۰، ص ۳۹۹-۳۹۸)

ولی کے یہ تمام حقیقی معانی ہیں اور ولی کا معنی اولیٰ بالتصرف نہیں ہے، اس لیے یہاں مولیٰ کے لفظ کو اولیٰ بالتصرف پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا مولیٰ ہے، یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں شخص فلاں سے مولیٰ ہے، یعنی اولیٰ ہے۔

۲- بفرض محال! اگر یہ مان لیا جائے کہ یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اولیٰ بالامامۃ کے معنی میں ہو، بلکہ یہ اولیٰ بالاتباع اور اولیٰ بالقرب کے معنی میں ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ان اولی الناس بابراهيم للذين اتبعوه (آل عمران: ۶۸) ابراہیم سے اولیٰ بالقرب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے۔

۳- اگر یہ لفظ اولیٰ بالامامۃ کے معنی میں بھی مان لیا جائے تو اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جب حضور نے یہ فرمایا تھا۔ اس وقت حضرت علی اولیٰ بالامامۃ تھے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی مآل کے اعتبار سے اولیٰ بالامامۃ ہیں، یعنی جس وقت

حضرت علی کی خلافت کا موقع ہوگا' اس وقت وہی اولی بالامۃ ہوں گے' اور خلفاء ثلاثہ کا ان سے پہلے خلیفہ اور امیر ہونا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

۴- اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی اس سے حضرت ابوبکر کی خلافت کے خلاف اپنی خلافت پر استدلال کرتے' لیکن حضرت علی اور حضرت عباس میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔

۵- مسند بزار میں ہے حضرت علی نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تو میں کسی کو کیسے اپنا خلیفہ بنا سکتا ہوں۔ اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی اس طرح نہ فرماتے۔

٦- اس حدیث میں مولی دوست محب اور ناصر کے معنی میں ہے' جیسا کہ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے' یہ دعا اس پر قرینہ ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا معنی ہے میں جس کا دوست یا محب یا ناصر ہوں' علی اس کے دوست یا محب یا ناصر ہیں۔

اہل تشیع کے اس اعتراض کے اور بھی متعدد جوابات ہیں' لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف انھی جوابات پر اکتفاء کی ہے۔

آیا رسول اللہ ﷺ صرف احکام شرعیہ کی تبلیغ پر مامور تھے' یا اپنے تمام علوم کی تبلیغ پر؟

علماء کرام نے اس مسئلہ پر بھی بحث و تمحیص کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ بھی وحی کی تھی' خواہ وہ وحی جلی ہو یا وحی خفی' رسول اللہ ﷺ نے وہ سب امت تک پہنچادی یا کچھ علوم ایسے تھے جو نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض صوفیاء سے منقول ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جو احکام بندوں کی مصلحت سے متعلق ہیں' ان کی تبلیغ آپ پر ضروری ہے اور جن آیات سے مقصود بندوں کو اطلاع پہنچانا ضروری ہے' ان کو بندوں تک پہنچانا ضروری ہے اور جو غیب آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور امت کی مصلحت کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے' اس کا امت تک پہنچانا ضروری نہیں ہے' بلکہ اس کا ان سے چھپانا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی (النجم: ۱۰) سو وحی فرمائی اپنے عبد مقدس کو جو وحی فرمائی۔

حضرت جعفر ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب پر بلاواسطہ ایک راز کی وحی فرمائی اور اس راز کو آپ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کا آخرت میں پتا چلے گا۔ جب آپ اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے اور علامہ واسطی نے کہا اللہ نے اپنے عبد مکرم کی طرف القاء کیا جو القاء کیا اور اس کو بالکل ظاہر نہیں کیا' کیونکہ اللہ سبحانہ نے اس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور جس چیز کو آپ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے' وہ مستور ہے اور جس چیز کے ساتھ آپ کو مخلوق کی طرف مبعوث کیا ہے' وہ ظاہر ہے اور صوفیاء اس کو اسرار الٰہیہ اور حقیقت کا علم کہتے ہیں۔

علامہ آلوسی اس نظریہ سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صوفیاء نے اس مسئلہ میں بہت طویل کلام کیا ہے' لیکن میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ کے پاس احکام شرعیہ اور اسرار الٰہیہ کا جو بھی علم تھا' وہ سب قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (النحل: ۸۹) ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

مَافَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (الانعام: ۳۸) ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔

اور امام ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب فتنے ہوں گے۔ آپ سے پوچھا گیا ان سے نکلنے کی کون سی جگہ ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں تم سے پہلے اور تمہارے بعد کے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے متعلق احکام ہیں اور امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہر علم کو نازل کیا گیا ہے اور ہمارے متعلق ہر چیز کا بیان کیا گیا ہے لیکن ان کو قرآن کریم سے حاصل کرنے سے ہمارا علم قاصر ہے' اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا نبی ﷺ نے جس قدر احکام دیئے ہیں' آپ نے ان سب کو قرآن سے مستنبط کیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اسی چیز کو حلال کرتا ہوں' جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور اسی چیز کو حرام کرتا ہوں' جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔ (المعجم الاوسط' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۷۳۷' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۷۵)

علامہ مرسی نے کہا کہ قرآن مجید میں تمام اولین اور آخرین کے علوم جمع ہیں اور اس کا حقیقی احاطہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے' ماسوا ان علوم کے جن کو اللہ سبحانہ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ پھر معظم سادات صحابہ کرام ان علوم کے وارث ہوئے' مثلاً خلفاء اربعہ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' پھر صحابہ کرام کے بعد تابعین عظام ان علوم کے وارث ہوئے' پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں کی ہمتیں اور ان کے درجات کم ہوتے گئے اور افاضل صحابہ اور اخیار تابعین جن علوم کے حامل تھے' بعد کے مسلمان وہ مقام حاصل نہ کر سکے۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ تمام علوم اور معارف قرآن مجید میں موجود ہیں' تو قرآن مجید کی تبلیغ ان تمام علوم و معارف کی تبلیغ ہے' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر ہر نکتہ' ہر ہر راز اور ہر ہر حکم تفصیل کے ساتھ ہر ہر شخص کے لیے قرآن مجید کی صریح عبارت سے ظاہر نہیں ہے اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ کچھ ایسے اسرار ہیں جو قرآن مجید سے خارج ہیں اور ان کو صوفیہ نے براہ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے' تو یہ صریح جھوٹ ہے۔ علامہ قسطلانی نے کہا کہ عالم دین کا اپنی فہم سے قرآن مجید سے اسرار اور حکمتوں اور احکام کا استخراج کرنا جائز ہے' بشرطیکہ وہ اصول شریعت کے موافق ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ صوفیاء کا کلام بھی اسی اعتبار سے ہے۔ البتہ! ان کی بعض عبارات ظاہر شریعت کے مخالف ہوتی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے لوگوں سے ان کے عرف کے مطابق بات کرو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی جائے۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۷) ہمارے موقف کے قریب یہ حدیث ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ عنترہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا ہم سے لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی خاص علم ہے۔ جس کو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے رسول! آپ پر جو آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' اس کو پہنچا دیجئے۔ بخدا! ہم کو رسول اللہ ﷺ نے (قرآن مجید کے سوا) کسی تحریر کا وارث نہیں کیا' اور امام بخاری نے ابو جحیفہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ فرمایا نہیں! صرف کتاب اللہ ہے' یا وہ فہم ہے جو ہر مسلمان شخص کو دی گئی ہے' یا جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت کے احکام ہیں اور قیدیوں کو چھڑانے کے اور یہ کہ مسلمانوں کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱۱)

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیاء کی جو عبارات قرآن و سنت کے موافق ہیں' وہ مقبول ہیں اور جو عبارات کتاب و سنت کے خلاف ہیں' وہ مردود ہیں' اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو کتاب و سنت سے ایسے اسرار اور احکام مستنبط کرنے کی فہم عطا فرمائے جو ان سے پہلے مفسرین' فقہاء اور مجتہدین نے مستنبط نہ کیے ہوں' اور جب آیات اور احادیث سے ائمہ اربعہ کے اجتہاد اور استنباط کو مان لیا گیا ہے' حالانکہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں تو بعد کے علماء کے لیے یہ کیوں جائز نہیں ہے؟ کہ وہ کتاب اور سنت سے ایسے مسائل اور حکمتیں مستنبط کریں' جو ائمہ اربعہ نے نہ مستنبط کیے ہوں۔ البتہ! یہ ضروری ہے کہ یہ استخراج اجماع امت کے خلاف نہ ہو۔ (روح المعانی' ج ٦' ص ١٩٢-١٨٩' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

نبی ﷺ کے علم کی تین قسمیں

علامہ سید محمود آلوسی کے اس کلام کی متانت اور ثقاہت میں ہمیں کلام نہیں ہے' لیکن دلائل صحیحہ کی روشنی میں بعض محققین کا یہ نظریہ ہے کہ نبی ﷺ پر صرف احکام شرعیہ کی تبلیغ واجب تھی اور تمام علوم کی تبلیغ آپ پر واجب نہیں تھی۔ بعض علوم ایسے تھے جو آپ نے سب کو نہیں بتلائے' بلکہ جو ان کے اہل تھے' ان کو بتلا دیئے اور بعض علوم ایسے تھے' جو آپ نے کسی کو نہیں بتلائے' وہ صرف آپ کی ذات مقدسہ کے ساتھ مختص تھے' گویا آپ کے علوم کی تین قسمیں ہیں:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ١٠٥٢ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے میرے پروردگار نے کوئی چیز پوچھی جس کا جواب میں نہیں دے سکا' تب اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا' جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی' پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اولین اور آخرین کا علم عطا فرما دیا اور مجھے کئی اقسام کا علم عطا فرمایا۔ ایک علم کی وہ قسم تھی جس کے متعلق مجھ سے عہد لیا' کہ میں کسی کو اس پر مطلع نہیں کروں گا اور میرے علاوہ اور کوئی شخص اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ دوسری علم کی وہ قسم تھی جس کو ظاہر کرنے یا پوشیدہ رکھنے کا مجھے اختیار عطا فرمایا اور تیسری علم کی وہ قسم تھی جس کے متعلق مجھے حکم دیا کہ میں امت کے ہر خاص و عام کو اس کی تبلیغ کروں۔ (مدارج النبوت' ج ١' ص ٢٢٨' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر' ١٣٩٧ھ)

وہ علم جس کو تمام امت تک پہنچانا آپ پر فرض ہے

جن علوم کی امت کے ہر خاص و عام کو تبلیغ واجب ہے' ان کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے' اور زیر بحث آیت میں آپ کو ان ہی کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی تمام آیات کو پہنچایا اور احادیث میں ان کی وضاحت فرمائی۔ زیر بحث آیت کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے یہ کہا ہے' کہ اس آیت میں آپ کو احکام شرعیہ کی تبلیغ کا حکم دیا ہے۔

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ٦٨٥ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ہر جو چیز نازل ہوئی اس کی تبلیغ واجب ہے' اور شاید اس سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ بندوں کی مصلحتیں متعلق ہوں' اس کی تبلیغ واجب ہے اور اس کے نازل کرنے سے مقصود ان کو مطلع کرنا ہو' کیونکہ بعض اسرار الٰہیہ کا افشاء کرنا حرام ہے۔ (انوار التنزیل' الکازرونی' ج ٢' ص ٣٣٨' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ١٠٦٩ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت کے حکم کا تعلق دین اور بندوں کی مصلحتوں کے ساتھ ہے' اور آپ کو انہیں مطلع کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اور جو اسرار نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہیں' ان کا یہ حکم نہیں ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کے علوم محفوظ کیے۔ ایک علم کو تو میں نے لوگوں میں پھیلا

دیا' اور اگر دوسرے علم کو میں پھیلاؤں تو یہ نرخرہ کاٹ دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۰) اور یہ علم الحقیقت اور حکمت ہے' جس سے سکوت کیا گیا ہے۔ مصنف (علامہ بیضاوی) نے بھی اپنے قول میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(عنایۃ القاضی' ج ۳' ص ۳۶۴۔ ۳۶۳' مطبوعہ دار صادر' بیروت)

علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ پر جس قدر بھی احکام نازل کیے گئے ہیں' ان کو پہنچا دیجئے' کیونکہ جن امور کا تعلق احکام سے بالکل نہیں ہے جیسے اسرار خفیہ ان کی لوگوں کو تبلیغ کرنا مقصود نہیں ہے۔

(تفسیر ابی السعود علی ہامش الکبیر' ج ۴' ص ۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ سلیمان بن عمر الجمل متوفی ۱۲۰۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو امور احکام سے متعلق ہیں' ان کو پہنچا دیجئے۔ کیونکہ جو اسرار آپ کے ساتھ خاص کر دیئے گئے ہیں' ان کی تبلیغ کرنا آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔ (حاشیۃ الجمل علی الجلالین' ج ۱' ص ۵۱۰' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی)

وہ علم جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار ہے

علامہ طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کبھی بعض لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ بعض ایسے علوم سے مطلع فرماتے جن کا تعلق احکام شرعیہ کے ساتھ نہیں ہوتا تھا' اور بعض اصحاب کو کسی راز سے مطلع فرماتے تھے' جیسے آپ نے صرف حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ راز بتلایا کہ نبی ﷺ کے اہل میں سے سب سے پہلے وہ آپ کے ساتھ آپ کے وصال کے بعد لاحق ہوں گی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۶۲۳) اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس راز سے مطلع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی ہے (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۹۰۵) اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس راز سے مطلع کیا کہ خارجی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں گے' جیسا کہ حضرت حذیفہ نے حضرت عمر کو بتایا تھا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۲۵) اور جیسا کہ حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کے علوم حاصل کیے ہیں۔ ایک علم تو انہوں نے پھیلا دیا اور دوسرا علم اگر وہ پھیلا دیں تو ان کی رگ جاں کاٹ دی جائے گی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۲۰) اور یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں کچھ لکھوانا چاہا اور پھر لکھوانے سے اعراض کر لیا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۱۴) تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق احکام شرعیہ سے نہیں تھا' کیونکہ اگر اس کا تعلق احکام شرعیہ سے ہوتا تو آپ اس کو لکھوانے سے کبھی اعراض نہ فرماتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہے اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا۔ (المائدہ: ۶۷) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جو شخص تم سے یہ کہے کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) نے کسی ایسی چیز کو چھپا لیا جو آپ پر نازل کی گئی تھی تو اس نے جھوٹ بولا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۸۵۵' التحریر والتنویر' جز سادس' ص ۲۶۰)

جن علوم کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ جس کو چاہیں مطلع فرمائیں اور جس کو چاہیں نہ مطلع فرمائیں' ان میں سے بعض کا ذکر احادیث کے حوالہ سے علامہ ابن عاشور کی تحریر میں آگیا ہے' اور اسی سلسلہ میں ایک حدیث یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سواری پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے

تھے۔ آپ نے فرمایا اے معاذ بن جبل! انہوں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں (یہ مکالمہ تین بار ہوا) آپ نے فرمایا جو شخص بھی صدق دل سے لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے' اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا۔ حضرت معاذ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ خبر نہ سناؤں کہ وہ خوش ہو جائیں! آپ نے فرمایا پھر لوگ اسی پر تکیہ کرلیں گے۔ پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے موت کے وقت گناہ سے بچنے کے لیے (تاکہ علم کا چھپانا لازم نہ آئے) یہ حدیث بیان کر دی۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جس شخص نے اللہ سے اس حال میں ملاقات کی کہ اس نے اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کیا ہو' وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت معاذ نے پوچھا میں لوگوں کو یہ خوش خبری نہ سنادوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! مجھے خدشہ ہے کہ پھر لوگ اسی پر تکیہ کرلیں گے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۹)

قرآن مجید میں بھی اس سلسلہ کی ایک نظیر ہے:

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ○ (التحریم: ۳)

اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات فرمائی پھر جب انہوں نے اس راز کا (کسی سے) ذکر کر دیا اور اللہ نے نبی پر اس کا اظہار فرمادیا' تو نبی نے انہیں کچھ جتادیا اور کچھ بتانے سے اعراض فرمایا۔ پھر جب نبی نے انہیں اس کی خبر دی' تو وہ کہنے لگیں آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا مجھے بہت علم والے نہایت خبر رکھنے والے نے خبر دی۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ راز بیان کیا کہ آپ نے اپنے اوپر حضرت ماریہ کو حرام کرلیا ہے۔ (بعض روایات میں شہد کے حرام کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد شرعی حرام نہیں ہے' بلکہ قسم کھانا مراد ہے) اور یہ فرمایا کہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوں گے۔ حضرت حفصہ نے یہ راز حضرت عائشہ کو بتادیا' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے فرمایا کہ تم نے ماریہ کے حرام کرنے کو افشاء کر دیا ہے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے راز کو افشاء کرنے سے آپ نے اعراض فرمایا' تاکہ وہ مزید شرمندہ نہ ہوں اور امام ابو نعیم اور امام ابن مردویہ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے والد اور عائشہ کے والد میرے بعد خلیفہ ہوں گے' سو تم یہ راز کسی کو بتانے سے اجتناب کرنا۔

(روح المعانی' ج ۲۸' ص ۱۵۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ہم نے باحوالہ دلائل سے یہ بیان کر دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی ایک وہ قسم تھی جس کی ہر خاص و عام پر تبلیغ کرنا آپ پر فرض تھا' یہ قرآن مجید کی تمام آیات ہیں اور وہ احادیث ہیں جن کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے اور آپ کے علم کی دوسری قسم وہ ہے جس میں آپ کو اختیار تھا کہ آپ جس کو چاہیں' بیان فرمائیں۔ اس پر بھی ہم نے باحوالہ دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ اب رہی تیسری قسم' یعنی وہ علم جو آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور جس کا اخفاء آپ پر واجب ہے' اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

وہ علم جس کا اخفاء آپ پر واجب ہے

نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے متشابہات کا علم عطا فرمایا ہے اور عام مسلمانوں کو یہ علم عطا نہیں فرمایا۔ فقہاء احناف کا یہی مذہب ہے اور سلف صالحین کا بھی یہی مذہب تھا کہ آیات متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے' یعنی رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی کو نہیں عطا فرمایا۔

ملا جیون متشابہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

متشابہ اس چیز کا اسم ہے جس کی معرفت کی امید منقطع ہو اور اس کے ظاہر ہونے کی اصلاً امید نہ ہو۔ وہ غایت خفا میں ہوتا ہے' اور محکم کی ضد ہے جو غایت ظہور میں ہوتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس لفظ سے جو مراد ہے' وہ حق ہے۔ اگرچہ ہم کو قیامت سے پہلے یہ پتا نہیں چلے گا کہ اس لفظ متشابہ سے کیا مراد ہے اور قیامت کے بعد اس کی مراد ان شاء اللہ ہر شخص پر منکشف ہو جائے گی اور یہ حکم امت کے حق میں ہے اور نبی ﷺ کے حق میں یہ اعتقاد ہے کہ آپ کو لفظ متشابہ کی مراد قطعاً معلوم ہو' ورنہ آپ سے اس کے ساتھ خطاب کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور یہ ایسا ہو گا جیسے لفظ مہمل کے ساتھ خطاب کیا جائے' یا کسی عربی کے ساتھ حبشی میں گفتگو کی جائے۔ (نور الانوار' ص ٩٣' مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی' کراچی)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقت وقوع قیامت کی کامل اطلاع دی ہو مگر اس طریقہ سے نہیں کہ آپ اللہ کے علم کی حکایت کریں۔ ہاں اگر اللہ سبحانہ نے کسی حکمت کی وجہ سے آپ پر اس علم کا اخفاء واجب کر دیا ہے اور یہ علم آپ ﷺ کے خواص میں سے ہے' لیکن میرے نزدیک اس پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔

(روح المعانی' ج ٢١' ص ١١٣' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا' بلکہ یہ جائز ہے کہ آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا ہو اور آپ کو لوگوں کو اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو' اور علم قیامت کے متعلق بھی انہوں نے اسی طرح کہا ہے۔

(فتح الباری' ج ٨' ص ٤٠٣' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ١٤٠١ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کو امور خمسہ (قیامت' بارش ہونے' ماں کے پیٹ' کل کیا ہو گا' اور کون کہاں مرے گا) کا علم دیا گیا ہے اور وقت وقوع قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے' لیکن آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(خصائص کبریٰ' ج ٣' ص ١٦٠' طبع مصر' شرح الصدور' ص ٣١٩' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ احمد قسطلانی متوفی ٩١١ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن کی آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حقیقت روح پر مطلع نہیں فرمایا' بلکہ جائز ہے کہ آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا ہو اور دوسروں کو بتلانے کا حکم نہ دیا ہو اور علماء نے قیامت کے علم کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ (المواہب اللدنیہ مع الزرقانی' ج ١' ص ٣٦٥)

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک خواب بیان کیا۔ حضرت ابو بکر

نے عرض کیا' یا رسول اللہ! آپ مجھے اس خواب کی تعبیر کی اجازت دیں' پھر حضرت ابوبکر نے اس خواب کی تعبیر بیان کی' بعد ازاں عرض کیا' آپ فرمائیں کہ میری تعبیر صحیح ہے یا غلط' آپ نے فرمایا بعض صحیح ہے' بعض غلط' حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! آپ ضرور بتلائیں میں نے کیا خطا کی ہے' آپ نے فرمایا قسم نہ دو۔

(صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۰۴۶' مختصرا)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواب کی تعبیر غیب کا علم ہے' اس لیے جائز تھا کہ آپ اس غیب کو اپنے ساتھ خاص رکھتے اور دوسروں سے مخفی رکھتے۔

(فتح الباری' ج ۱۲' ص ۴۳۶' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

ہم نے تفصیل سے دلائل کے ساتھ باحوالہ بیان کر دیا ہے کہ نبی ﷺ کے علم کی تین قسمیں تھیں۔ ایک وہ علم جس کی تمام امت کو تبلیغ کرنا آپ پر فرض تھا۔ یہ تمام قرآن کریم ہے اور وہ احادیث ہیں جن کا تعلق قرآن مجید کی تفصیل اور بیان سے ہے' اور دوسرا وہ علم ہے جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار تھا اور اس کا تعلق عموماً غیب کی خبروں سے ہے' اور تیسرا وہ علم جس کا اخفاء آپ پر واجب ہے۔ جیسے آیات متشابہات' تقدیر' وقت وقوع قیامت اور روح کا علم اور یہ وہ اسرار ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس نے صرف اپنے حبیب اکرم ﷺ کو ان پر مطلع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو۔ جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے بہت سے لوگوں کے کفر اور سرکشی کو وہ ضرور زیادہ کر دے گا جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے' سو آپ کافروں کی قوم پر افسوس نہ کریں۔ (المائدہ: ۶۸)

شان نزول

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے پاس رافع بن حارثہ' سلام بن مشکم' مالک بن الصیف اور رافع بن حریمہ آئے اور کہنے لگے یا محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ آپ حضرت ابراہیم کی ملت اور ان کے دین پر ہیں اور آپ اس تورات پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے پاس ہے اور آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے برحق ہے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! لیکن تم نے دین میں کچھ نئی بدعات نکال لی ہیں اور اللہ نے تم سے جو عہد لیے تھے' تم نے ان کا انکار کر دیا' اور اللہ نے تم کو جن چیزوں کے بیان کرنے کا حکم دیا تھا' تم نے ان کو چھپا لیا' سو میں تمہاری بدعات سے بری ہوں۔ انہوں نے کہا ہم ان چیزوں پر عمل کرتے ہیں جو ہمارے پاس ہیں اور بے شک ہم ہدایت اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے' نہ آپ کی اتباع کریں گے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کہئے کہ اہل کتاب! تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو۔ (الآیہ)

(السیرۃ النبویہ' ج ۲' ص ۱۸۱-۱۸۰' جامع البیان' جز ۶' ص ۴۱۸-۴۱۷)

یہود و نصاریٰ کے کسی عمل کا لائق شمار نہ ہونا

اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں' یہود اس لیے ہیں کہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ تورات کے ان احکام پر عمل کریں جن کو منسوخ نہیں کیا گیا اور سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک انجیل پر ایمان لائیں اور آپ کی بعثت کے بعد قرآن کریم پر ایمان لائیں جو تورات اور انجیل دونوں کا محافظ ہے اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کریں' لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا' اور نصاریٰ اس

لیے مراد ہیں کہ انہوں نے انجیل کی ان بشارتوں سے اعراض کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق دی تھیں۔

تم کسی چیز پر نہیں ہو اس کا معنی یہ ہے کہ تم دین برحق کی کسی چیز کے حامل نہیں ہو۔ تم میں تقویٰ ہے' نہ دیانت ہے' نہ ہدایت ہے اور تم پر جو کتاب نازل کی گئی تھی' تم اس کی کسی چیز پر قائم نہیں ہو' جب تک کہ تم تورات اور انجیل کے اصل احکام پر عمل نہ کرو اور قرآن مجید پر ایمان لا کر اس کے احکام پر عمل نہ کرو۔ اس وقت تک تم میں دین داری اور ہدایت کا ایک شمہ بھی نہیں ہو گا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا کوئی عمل قابل ذکر اور لائق شمار نہیں ہے' اور دین داری اور صاحب کتاب ہونے کے تمہارے تمام دعاوی جھوٹے اور باطل ہیں' خواہ تم دنیا میں اہل کتاب کہلاتے رہو' لیکن آخرت میں تمہارا کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔

نزول قرآن سے ان کے کفر اور سرکشی کا اور زیادہ ہونا

نیز یہ فرمایا کہ قرآن مجید کا نزول ان کے کفر اور سرکشی کو اور زیادہ کرے گا' کیونکہ قرآن مجید نے ان کی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے' اور ان کی بد عقیدگیوں کو باطل کیا ہے اور ان کو کافر قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ قرآن مجید سے حسد اور بغض رکھتے ہیں اور جوں جوں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی ہیں' ان کے حسد اور بغض میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ زیادہ شدومد سے قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں۔ نیز یہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن مجید کی ہر آیت آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور اسلام کے دین مستقیم ہونے پر برہان ہے۔ اس لیے جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی ہے' یہ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کا کفر اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ نیز کتنے ہی تاریخی حقائق انہوں نے غلط بیان کیے تھے' جن کی قرآن مجید نے تکذیب کر دی' اس لیے یہ قرآن مجید کے خلاف اور زیادہ سرکشی کرتے ہیں۔

نبی ﷺ پر چونکہ رحمت غالب تھی' اس لیے ان کے کفر اور سرکشی سے آپ کو رنج اور افسوس ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کافروں کی (اس) قوم پر افسوس نہ کریں' کیونکہ سرکشی ان کی سرشت بن چکی ہے' یہ لوگ راہ راست پر آنے والے نہیں ہیں' لہٰذا آپ ان کے انجام بد پر افسوس نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ایمان کے مدعی اور یہودی' صابئین اور نصاریٰ جو بھی اللہ اور قیامت پر (صحیح) ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے' تو نہ ان پر خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (المائدہ: ۶۹)

الصابئون کے رفعی حالت میں ہونے کی توجیہ

اس آیت میں الصابئون حالت رفع میں ہے اور نحوی قاعدہ کے اعتبار سے اس کو حالت نصب میں الصابئین ہونا چاہیے تھا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ الصابئون مبتداء ہے اور اس کی خبر مقدر ہے۔ کذالک جس پر ان کی خبر دلالت کرتی ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصارٰی من آمن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون والصابئون کذالک۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ "ان" فعل کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے' اس لیے عامل ضعیف ہے۔ اگر معطوف علیہ میں اس کا عمل ظاہر ہو (یعنی ظاہرا اسم پر نصب ہو) تو معطوف میں بھی اس کے عمل کا ظاہر ہونا ضروری ہے اور اگر معطوف علیہ میں اس کے اسم پر ظاہراً نصب نہ ہو' جیسا کہ اس آیت میں ہے تو پھر معطوف میں بھی نصب کا عمل ضروری نہیں ہے' اور اس کے اسم پر ابتداء کی وجہ سے رفع بھی جائز ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

کیا صرف نیک عمل کرنے سے یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی!

اس آیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مبتداء اور خبر میں تغایر ہوتا ہے اور اس آیت میں ایسا نہیں ہے 'کیونکہ اس آیت کا حاصل معنی یہ ہے کہ بے شک جو لوگ ایمان لائے..... جو بھی اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اس کو خوف اور غم نہیں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان کے متعلق ہے جو صرف زبان سے ایمان لائے تھے۔ جیسے منافق 'ان کے متعلق فرمایا: جو بھی محض زبان سے ایمان لایا ہے 'اگر وہ دل سے ایمان لایا تو اس کو خوف اور غم نہیں ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جو اب ایمان لایا ہے اگر وہ ایمان پر دائم اور برقرار رہا' مرتد نہ ہوا اور اس کا ایمان پر ہی خاتمہ ہوا' تو اس کو خوف اور غم نہیں ہوگا۔

اس آیت پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کے اعتبار سے نجات کے لیے اسلام لانا ضروری نہیں ہے 'کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہودی 'نصرانی اور ستارہ پرست جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کو کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ صحیح ایمان لائیں اور یہودی جو عزیر کو خدا مانتے ہیں اور عیسائی' جو حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے ہیں' اور صابئین جو ستاروں کی پرستش کرتے ہیں ان کا ایمان صحیح نہیں ہے' ان کا ایمان اس وقت صحیح ہوگا جب وہ اپنی بدعقیدگیوں سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ یہ دونوں اعتراض ترجمہ سے ہی دور ہو جاتے ہیں۔ تاہم دوسرے اعتراض کے جواب کی مزید وضاحت کے لیے البقرہ' ۶۲' کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمالیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے۔ جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا' تو انہوں نے (رسولوں کے) ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا۔ (المائدہ: ۷۰)

اس آیت سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ بنو اسرائیل اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ سے کیے ہوئے پختہ عہد کو پورا نہیں کرتے' انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ اللہ کے تمام احکام کو سن کر قبول کریں گے' اور ان تمام احکام پر عمل کریں گے' لیکن انہوں نے ان پختہ عہود کو توڑ دیا اور اپنی آراء اور خواہشوں کو احکام شرعیہ پر مقدم کیا۔ شریعت کا جو حکم ان کی رائے اور خواہش کے موافق ہوتا' اس پر عمل کرتے اور جو اس کے خلاف ہوتا' اس کو رد کر دیتے۔ انہوں نے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام اور کئی انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا' اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو (اس کی) کوئی سزا نہیں ملے گی' سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے' پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (المائدہ: ۷۱)

فتنہ کے معنی

فتنہ کے کئی معانی ہیں۔ نقصانات اور مصائب کو بھی فتنہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بداعمالیوں کی جو سزا دیتا ہے اس کو بھی فتنہ کہتے ہیں' اور اس آیت میں یہی معنی مراد ہے اور اللہ کے نیک بندوں کو جس آزمائش میں ڈالا جاتا ہے' اس کو بھی فتنہ کہتے ہیں۔ اس فتنہ کی وجہ سے نیک لوگوں کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے ہاروت اور ماروت کو بھی فتنہ فرمایا ہے' کیونکہ ان کی وجہ سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے' اور نبی ﷺ نے دجال کو فتنہ فرمایا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بنو اسرائیل کا گمان یہ تھا کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے' اس کی دنیا میں ان کو کوئی سزا نہیں ملے گی اور اس وجہ سے ان پر مصائب طاری نہیں ہوں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ آخرت میں بھی ان کو عذاب سے نجات ہو جائے گی' کیونکہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور اگر ان کو عذاب ہوا تو صرف چند دن عذاب ہو گا' جتنے دن انہوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی۔

بنو اسرائیل کا ہدایت سے دو بار اندھا اور بہرا ہونا

اس آیت میں بنو اسرائیل کے متعلق دو مرتبہ فرمایا ہے کہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے' اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے دیکھ کر ہدایت حاصل کی اور نہ سن کر ہدایت حاصل کی' ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر قحط مسلط ہو گیا اور ان پر وبائیں طاری کی گئیں' لیکن انہوں نے اس سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کی۔ پھر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف حسد اور بغض پیدا کر دیا گیا' وہ ایک دوسرے کے خلاف لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے' لیکن انہوں نے اس سے بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔

بنو اسرائیل ہدایت کو حاصل کرنے سے دو مرتبہ اندھے اور بہرے ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' اور ان میں سے بعض کو ایمان لانے کی توفیق دی۔ ان میں سے پھر بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں انہوں نے آپ کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا اور کم لوگ ایمان لائے' جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ پہلی بار یہ اندھے اور بہرے اس وقت ہوئے جب انہوں نے بچھڑے کی پرستش کی' پھر انہوں نے توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی' پھر دوبارہ یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ جب انہوں نے سرکشی اور ہٹ دھرمی کی اور یہ کہا: کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھ نہ لیں۔

اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ جب ان کے پاس حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام بھیجے گئے تو یہ ہدایت حاصل کرنے سے اندھے اور بہرے ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور اس کے بعد پھر یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔

علامہ طاہر بن عاشور متوفی ١٣٨٠ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دو تاریخی عظیم حادثوں کی طرف اشارہ ہے' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل کو پیش آئے۔ پہلا حادثہ وہ تھا جب اشور کا بادشاہ کئی مرتبہ بیت المقدس پر حملہ آور ہوا' یہ ٦٠٦' ٥٩٨' ٥٨٨ سال قبل مسیح کے واقعات ہیں' وہ تیسری مرتبہ یروشلم میں داخل ہوا۔ اس نے مسجد کو جلا دیا اور تمام بنو اسرائیل کو ہانک کر بابل لے گیا' اور وہاں ان کو قید کر دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور فارس کا بادشاہ کورش' اشوریین پر غالب آیا اور اس نے ٥٣٠ سال قبل مسیح بابل پر قبضہ کر لیا' اور یہودیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنے شہروں میں واپس چلے جائیں اور ان کو آباد کریں۔ سو وہ واپس گئے اور انہوں نے اپنی مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا' اس کے بعد انہوں نے پھر نافرمانی اور سرکشی کی اور یہ پھر ہدایت اور راہ حق سے اندھے اور بہرے ہو گئے' اور تب دوسرا حادثہ پیش آیا۔ جب قیطس بن انبراطور رومانی نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا' حتیٰ کہ یہود بھوک سے مجبور ہو کر چمڑا کھانے لگے اور بعض اوقات بھوک سے بلبلا کر ایک دوسرے کو کھا جاتے تھے۔ اس نے دس لاکھ یہودیوں کو قتل کر دیا' اور ستانوے ہزار یہودیوں کو قید کر لیا' یہ ٦٩ء کا واقعہ ہے۔ پھر ابن انبراطور رومانی ١١٧ء سے ١٣٨ء تک اس کے بعد حکمران رہا' اس نے ان کے شہر کو منہدم کر کے سپاٹ زمین بنا دیا اور اس وقت دنیا میں یہودیوں کی حکومت ختم ہو گئی تھی اور ان کا وطن ملیامیٹ ہو چکا تھا۔ (التحریر والتنویر' ج ٦' ص ٢٧٨-٢٧٧)

یہ دونوں تاریخی حوادث جو بنو اسرائیل کی بداعمالیوں کی پاداش میں رونما ہوئے تھے' ان کی طرف قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا○ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا○ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا○ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا○ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا○ (بنو اسرائیل: ۸-۴)

ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب میں قطعی طور پر یہ بتا دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو مرتبہ فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے ○ تو جب ان میں سے پہلے وعدہ کا وقت آپہنچا' تو ہم نے تم پر اپنے سخت جنگجو بندے مسلط کر دیئے سو وہ تمہاری تلاش کے لیے شہروں میں پھیل گئے اور یہ ایسا وعدہ تھا جو ضرور پورا ہونا تھا○ پھر ہم نے ان پر تمہارا غلبہ دوبارہ لوٹا دیا' اور مال اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی اور تمہاری تعداد بڑھا دی○ اگر تم نے نیک کام کیے تو تم نے اپنی جانوں کے ساتھ بھلائی کی' اور اگر تم نے برے کام کیے تو اپنے ساتھ برائی کی' پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آپہنچا تو ہم نے دوسرے ظالموں کو تم پر مسلط کر دیا' تاکہ وہ تمہارے چہروں کو مضمحل کر دیں اور مسجد میں داخل ہوں جیسا کہ پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں' اسے تباہ و برباد کر دیں○ عنقریب تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم نے پھر سرکشی کی تو ہم پھر عذاب دیں گے' اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا دیا ہے۔

ان آیات کی تفسیر میں بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں لکھ دیا تھا کہ بنو اسرائیل دو بار شرارت کریں گے۔ اس کی سزا میں دشمن ان کے ملک پر غالب ہو جائیں گے۔ پہلے وعدہ سے مراد بخت نصر کا حملہ ہے جو ولادت مسیح سے ۵۸۸ سال قبل ہوا' اور دوسرے وعدہ سے قیطس (ٹیطوس) رومی کا حملہ ہے' جو ۶۹ء میں ہوا۔ ان دونوں حملوں میں یہودیوں پر مکمل تباہی آئی اور مقدس ہیکل کو برباد کر دیا گیا۔

چونکہ یہودیوں نے یہ گمان کیا تھا کہ انہوں نے رسولوں کی جو تکذیب کی ہے' اور ان کو قتل کیا ہے' ان کو اس کی کوئی سزا نہیں ملے گی' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کا رد کرنے کے لیے فرمایا: کہ انہوں نے دو بار سرکشی کی اور ہر بار اللہ نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی' جس سے تمام یہودی ویران اور برباد ہو گئے۔ اور ہر سزا کے بعد انہوں نے توبہ کی اور توبہ کے بعد وہ پھر اندھے اور بہرے ہو گئے۔ سو اب اگر انہوں نے ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کو قتل کرنے کی سعی کی' تو یہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے اور ایسا ہی ہوا' انہوں نے آپ کی تکذیب بھی کی اور دو بار آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ آپ کو اللہ نے ان کے شر سے محفوظ رکھا اور ان کو قتل کیا گیا اور جلاوطن کیا گیا اور دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کر دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا' یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا

تھا: اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے' بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے' اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے (المائدہ: ۷۲)

عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا رد

یہ آیت ان عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' جو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خدا کہتے تھے' اور اللہ تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا قرار دیتے تھے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بداعمالیوں کا بیان فرمایا اور ان کے شبہات کا ابطال کیا اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کا رد شروع کیا ہے' اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جو ان کا الوہیت کا عقیدہ تھا' اس کو باطل کیا ہے' اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کے قول سے ان کا رد کیا ہے' اور یہ ان کے خلاف حجت قاطعہ ہے۔

نصاریٰ میں سے ایک فرقہ یعقوبیہ ہے' جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے' وہ کہتے ہیں کہ اللہ تین اقانیم (اصلوں) سے مرکب ہے۔ باپ' بیٹا اور روح القدس۔ باپ اللہ ہے اور بیٹا مسیح ہے اور باپ (اللہ) بیٹے (مسیح) میں حلول کر کے اسکے ساتھ متحد ہو گیا' اور وہ روح القدس بن گیا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا عین ہے اور انکے اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح ہی اللہ ہے' حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی جو کلمہ سب سے پہلے کہا' وہ یہ تھا "میں اللہ کا بندہ ہوں"۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ (مریم: ۳۱-۳۰)

(مسیح نے کہا) بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ۝ اور میں جہاں بھی ہوں' مجھے برکت والا بنایا اور جب تک میں زندہ ہوں' مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔

اور اس آیت میں حضرت مسیح کا یہ قول نقل فرمایا اے بنو اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے' بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا' تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا بلاشبہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ سوا ایک معبود کے

اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ

کوئی مستحق عبادت نہیں اور اگر وہ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے

كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۷۳ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ

ان کو نہایت دردناک عذاب ضرور پہنچے گا ۝ وہ اللہ سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں

وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۷۴ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ

طلب کرتے حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ۝ مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ

رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بہت سچی ہیں وہ دونوں کھانا کھاتے تھے،

انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾ قُلْ

دیکھیے ہم کس طرح وضاحت سے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھیے وہ کیسی اوندھی باتیں کر رہے ہیں ○ آپ کہیے کیا

أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ

تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہو جو تمہارے لیے کسی نقصان اور نفع کے مالک نہیں ہیں اور اللہ ہی سب

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ

کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ○ آپ کہیے! اے اہلِ کتاب: تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور

الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا

ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں اور انھوں نے بہت زیادہ لوگوں

وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٧٧﴾ ع

کو گمراہ کیا اور وہ خود راہِ راست سے بھٹک چکے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا بلاشبہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے' حالانکہ سوائے ایک معبود کے کوئی مستحق عبادت نہیں اور اگر وہ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے' ان کو نہایت دردناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ (المائدہ: ٧٣)

متقدمین اور متاخرین عیسائیوں کا نظریہ تثلیث اور اس کا رد

قدیم عیسائی یہ کہتے تھے کہ اللہ' مریم اور عیسیٰ تین خدا ہیں اور قرآن مجید نے انہی لوگوں کا رد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ (المائدہ: ١١٦)

اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو' وہ عرض کریں گے تو پاک ہے' میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں ایسی بات کہوں' جس کا مجھے حق نہیں۔

اور متاخرین عیسائی یہ کہتے ہیں کہ جوہر واحد تین اقانیم (اصلیں) ہیں۔ باپ' بیٹا اور روح القدس' اور یہ تینوں ایک خدا ہیں جیسے سورج تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ قرص' شعاع اور حرارت۔ اور باپ سے ان کی مراد ہے ذات' اور بیٹے سے مراد ہے کلمہ' اور روح سے مراد ہے حیات۔ وہ کہتے ہیں کہ کلمہ اللہ کا کلام ہے جو حضرت عیسیٰ کے جسم میں مختلط ہو گیا' جیسے پانی شراب میں

مخلوط ہو جاتا ہے' یا پانی دودھ میں مخلوط ہو جاتا ہے' اور ان کا زعم ہے کہ باپ خدا ہے' بیٹا خدا ہے اور روح خدا ہے۔

عیسائیوں کا یہ قول بدیہی البطلان ہے' کیونکہ تین ایک نہیں ہوتا اور ایک تین نہیں ہوتا' اور عیسائیوں کے اس قول سے زیادہ فاسد اور باطل قول دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اللہ سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں طلب کرتے' حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے (المائدہ: ۷۴)

یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم ہے اور اس کا بے حد لطف اور احسان ہے کہ عیسائیوں کے اس کذب اور افتراء اور ان کے شرک کے باوجود ان کو توبہ اور استغفار کی دعوت دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہیں' ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بہت سچی ہیں' وہ دونوں کھانا کھاتے تھے' دیکھئے ہم کس طرح وضاحت سے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں' پھر دیکھئے وہ کیسی اوندھی باتیں کر رہے ہیں۔ (المائدہ: ۷۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر دلائل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان رسولوں کی جنس میں سے ایک رسول ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معجزات پیش کیے۔ اس طرح ان رسولوں نے بھی معجزات پیش کیے تھے' اگر حضرت عیسیٰ نے مادر زاد اندھے بینا کیے' کوڑھیوں کو شفا دی اور مردوں کو زندہ کیا' تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو زندہ کیا اور اس کو دوڑتا ہوا اژدھا بنا دیا' اور سمندر کو چیر کر اس میں بارہ راستے بنا دیئے اور لاٹھی کو زمین پر مارا تو اس سے چشمے ابلنے لگے اور اگر حضرت عیسیٰ بغیر مرد کے پیدا ہوئے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا ہوئے' جب دوسرے انبیاء معجزہ دکھانے سے خدا نہیں ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزہ دکھانے سے خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے' اس سے مقصود حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں کے متعلق عیسائیوں کے اس دعویٰ کو باطل کرنا ہے کہ وہ دونوں خدا ہیں' اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

۱- ہر وہ شخص جس کی ماں ہو' وہ حادث ہوتا ہے' یعنی وہ پہلے موجود نہیں تھا' اس کے بعد موجود ہوا اور جس شخص کی یہ صفت ہو' وہ مخلوق ہے خالق نہیں۔

۲- حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے اور جو شخص اپنی نشوونما اور بقا میں کھانے کا محتاج ہو' وہ مخلوق ہے خدا نہیں ہے۔

۳- اگر حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں خدا ہوتے تو وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہوتے اور جب وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہوتے تو کھانے کے بغیر بھوک کی تکلیف کو مٹانے پر قادر ہوتے اور جب وہ ایسا نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ وہ خدا نہیں ہیں۔

موجودہ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پورا شجرہ نسب لکھا ہوا ہے۔

یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہام کا نسب نامہ: ابراہام سے اضحاق پیدا ہوا اور اضحاق سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یہوداہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔ (الی قولہ) اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا' یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوئے' جو مسیح کہلاتا ہے۔

پس سب پشتیں ابراہام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہوئیں اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں

اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لیکر مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں۔ (متی کی انجیل 'باب ا' آیت ۱۷-۱' ملخصا' ص ۵' مطبوعہ لاہور)

اب یسوع کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی' تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی' پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا' اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا' اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا: اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر۔ کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے' وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ اس کے بیٹا ہو گا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا' کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔

(متی کی انجیل 'باب ا' آیت ۲۲-۱۸' ص ۵' مطبوعہ لاہور)

غور کیجئے! جس شخص کا پورا شجرہ نسب موجود ہے' جو اپنی ماں مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا' پیدا ہونے سے پہلے موجود نہیں تھا' وہ اپنی پیدائش سے پہلے موجود سارے جہان کا خالق کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اس کو خدائی اور استحقاق عبادت کب زیبا ہے؟

قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کھانے پینے کا ذکر کر کے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر وہ خدا ہوتے تو کھانے پینے کے محتاج نہ ہوتے۔ ان کے کھانے پینے کا ذکر موجودہ بائبل میں بھی ہے۔

وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع آپ ان کے بیچ آ کھڑا ہوا اور ان سے کہا: تمہاری سلامتی ہو○ مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں' اس نے ان سے کہا: تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں؟ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں' مجھے چھو کر دیکھو' کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی' جیسا مجھ میں دیکھتے ہو○ اور یہ کہ اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے○ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے○ انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا○ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔ (لوقا کی انجیل 'باب ۲۴- آیت ۴۳-۳۶' ص ۸۱' مطبوعہ لاہور)

انجیل کے اس اقتباس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو یقین دلا رہے ہیں کہ وہ گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنے ہوئے انسان ہیں' روح نہیں ہیں اور وہ کھاتے بھی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یقین دلایا ہے کہ وہ مادی انسان ہیں' روح نہیں اور مادہ سے مجرد نہیں ہیں' تو پھر وہ خدا کیونکر ہو سکتے ہیں؟ نیز انجیل میں ہے اور جب صبح کو پھر شہر کو جا رہا تھا' اسے بھوک لگی

(متی کی انجیل 'باب ۲۱' آیت ۱۳' ص ۲۵' مطبوعہ لاہور)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگتی تھی اور وہ کھانے پینے کے محتاج تھے اور جو کسی چیز کا بھی محتاج ہو' وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

موجودہ بائبل کے مطالعہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح انسان تھے' ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے' ان کا جسم انسانوں کی طرح گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنا ہوا تھا۔ ان میں تمام انسانی صفات تھیں' انہیں بھوک لگتی تھی' وہ کھاتے پیتے بھی تھے' سوتے جاگتے بھی تھے' انہیں درد سے تکلیف بھی ہوتی تھی' کیونکہ انجیل میں مذکور ہے اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما شبقتنی یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا (متی' باب ۲۷' آیت ۴۷' ص ۳۳) اب ایسے شخص کے متعلق کوئی صاحب عقل انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسا شخص خدا ہے' تمام جہان کا پیدا کرنے والا ہے' بائبل کے متعلق حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے پھانسی پر لٹکا دیا اور تین دن تک وہ مردہ رہے' اسکے بعد جی اٹھے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مسیح خدا تھے تو جب وہ تین دن مردہ رہے' تو انکے بغیر یہ کائنات کیسے چلتی رہی؟ انجیل میں ہے:

یاد کرو جب وہ گلیل میں تھا تو اس نے تم سے کہا تھا ضرور ہے کہ ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائے اور مصلوب ہو اور تیسرے دن جی اٹھے۔ (لوقا کی انجیل' باب ۲۴' آیت ۸-۷' ص ۸۰' مطبوعہ لاہور)

اس اقتباس میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو ابن آدم فرمایا تھا' نہ کہ ابن اللہ' سو ان کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھنا اور ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنا ان پر افتراء اور بہتان ہے اور اس مضمون کی آیات خود ساختہ اور من گھڑت ہیں' جو بعد کے عیسائی مصنفین نے وضع کرکے اللہ کے اصل کلام میں ملا دی ہیں' یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیے کہ موجودہ انجیل میں کچھ عبارات تو وہ ہیں جو در اصل اللہ کا کلام ہیں۔ ہم نے سورۂ آل عمران کی ابتداء میں ان کی مثالیں دی ہیں اور قرآن مجید ان ہی کا مصدق ہے اور دوسری عبارات وہ ہیں جو عیسائی مصنفین نے بہ طور خود لکھی ہیں۔

حضرت مریم کے نبیہ نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے اور ان کی ماں بہت سچی ہیں' ان کو صدیقہ اس لیے فرمایا کہ وہ گناہوں سے بہت پاک تھیں' اور اللہ کی عبادت کرنے کی بہت جدوجہد کرتی تھیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کی تصدیق کی۔

شیخ ابن حزم عورتوں کی نبوت کے قائل ہیں۔ وہ حضرت سارہ' حضرت موسیٰ کی ماں اور حضرت عیسیٰ کی ماں سیدہ مریم کو نبیہ مانتے ہیں' کیونکہ قرآن مجید میں ان کی طرف وحی کرنے کی نسبت کی گئی ہے۔ جمہور علماء اسلام کے نزدیک یہ وحی بہ معنی الہام ہے' اور نبی صرف مرد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی (یوسف: ۱۰۹)

ہم نے آپ سے پہلے سوائے مردوں کے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا' جن کی طرف ہم بستیوں کے رہنے والوں سے وحی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے' کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہو جو تمہارے لیے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں' اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (المائدہ: ۷۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت گزاری سے ان کے خدا نہ ہونے پر استدلال

اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر ایک اور دلیل قائم کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذاتی طور پر کسی کو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ انہوں نے جو پرندے بنا کر اڑائے' جن مردوں کو زندہ کیا' جن کوڑھیوں کو شفا دی اور جن مادر زاد اندھوں کو بینا کیا' یہ سب کام انہوں نے اللہ کی دی ہوئی قدرت سے کیے۔ وہ اپنی ذاتی طاقت اور قدرت سے کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں تھے۔ موجودہ بائبل میں بہت جگہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا سے دعا کرتے تھے' اگر وہ خود خدا تھے اور نفع اور نقصان پہنچانے کے مالک تھے تو ان کو خدا سے دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

پھر ان باتوں کے کوئی آٹھ روز بعد ایسا ہوا کہ وہ پطرس اور یوحنا اور یعقوب کو ہمراہ لے کر پہاڑ پر دعا کرنے گیا' جب وہ دعا کر رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی اور اس کی پوشاک سفید براق ہو گئی۔

(لوقا کی انجیل' باب ۹' آیت ۲۹-۲۸' ص ۶۳' مطبوعہ لاہور)

اور ان دنوں میں ایسا ہوا کہ وہ پہاڑ پر دعا کرنے کو نکلا اور خدا سے دعا کرنے میں ساری رات گزار دی۔

(لوقا کی انجیل' باب ۶' آیت ۱۲' ص ۵۸' مطبوعہ لاہور)

پھر ایسا ہوا کہ وہ کسی جگہ دعا کر رہا تھا' جب کر چکا تو اس کے شاگردوں میں سے ایک نے اس سے کہا: اے خداوند! جیسا یوحنا

نے اپنے شاگردوں کو دعا کرنا سکھایا' تو بھی ہمیں سکھا۔ اس نے ان سے کہا: جب تم دعا کرو تو کہو: اے باپ! تیرا نام پاک مانا جائے' تیری بادشاہی آئے' ہماری روز کی روٹی ہمیں ہر روز دیا کر○ اور ہمارے گناہ معاف کر' کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرضدار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔ (لوقا کی انجیل' باب ۱۱' آیت ۴-۱' ص ۶۵' مطبوعہ لاہور)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساری ساری رات دعا کرنا' بہ کثرت دعا کرنا اور اپنے پیروؤں کو بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی تعلیم دینا' اس کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے نفع اور نقصان کے مالک نہیں تھے' اور نہ ان کے پیروکار ان کو ایسا جانتے تھے' اور نہ ان کو خدا سمجھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی عبادت کرتے تھے' اور یہ کہتے تھے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں' پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی' اور اس سے کہا: اگر تو مجھے جھک کر سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا: اے شیطان! دور ہو' کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ (متی کی انجیل' باب ۴' آیت ۱۱-۸' ص ۷' مطبوعہ لاہور)

پولس رسول یسوع مسیح کے متعلق لکھتے ہیں:

اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اس سے دعائیں اور التجائیں کیں' جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا' اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی' اور باوجود بیٹا ہونے کے اس نے دکھ اٹھا اٹھا کر فرمانبرداری کی۔

(عبرانیوں کے نام پولس رسول کا خط' باب ۵' آیت ۸-۷' ص ۲۱۴' مطبوعہ لاہور)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ پولس رسول کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت عبادت گزار' فرمانبردار اور رو رو کر اللہ سے دعائیں کرنے والے تھے' اور جو تمام جہان کا خدا ہو' اور اپنی قدرت سے نفع اور نقصان کا مالک ہو' وہ کسی کی عبادت اور فرمانبرداری کرنے اور کسی سے رو رو کر دعائیں کرنے سے پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

نیز پولس رسول لکھتے ہیں:

ہمارے خداوند یسوع مسیح کے خدا اور باپ کی حمد ہو' جو رحمتوں کا باپ اور ہر طرح کی تسلی کا خدا ہے۔

(کرنتھیوں کے نام پولس رسول کا دوسرا خط' باب ۱' آیت ۳' ص ۱۶۸' مطبوعہ لاہور)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ پولس رسول کے نزدیک یسوع مسیح خدا نہ تھے' بلکہ یسوع مسیح خود خدا کو ماننے والے تھے۔ اسی کی وہ عبادت کرتے تھے' اسی کی فرمانبرداری کرتے تھے اور اسی سے رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کا' پولس رسول کا اور ہم سب کا خدا ہے۔ اس کو باپ کہنا اور حضرت عیسیٰ کو ان کا بیٹا اور خداوند کہنا' یہ سب عیسائی علماء کی بعد کی تحریفات ہیں۔ باپ ہونا اور بیٹا رکھنا مخلوق کی صفات ہیں' اللہ عزوجل اس سے بلند و برتر ہے' اس کی صفات وہی ہیں جو صرف اس کے شایان شان ہیں اور مخلوق کے لیے ممکن نہیں ہیں' جیسے وہ عبادت کا مستحق ہے' اس کا کوئی شریک اور مثیل نہیں' وہ واجب الوجود اور قدیم بالذات ہے۔ اس کی ہر صفت مستقل اور غیر سے مستغنی ہے' اور وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے! اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں' اور انہوں نے بہت زیادہ لوگوں کو گمراہ کیا' اور وہ خود راہ راست سے بھٹک چکے ہیں۔ (المائدہ: ۷۷)

غلو حق اور غلو باطل کی تعریفیں

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہود کے باطل عقائد بیان کیے اور ان کا رد کیا' پھر نصاریٰ کے باطل عقائد بیان کیے اور ان کا رد فرمایا۔

اب دونوں فریقوں کو خطاب کر کے فرما رہا ہے اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو غلو دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک حق اور ایک باطل۔ غلو حق یہ ہے کہ کسی صحیح اور حق چیز کے بیان میں مبالغہ کیا جائے' جس سے اس کو موکد کرنا مقصود ہو۔ اور غلو باطل یہ ہے کہ کسی چیز کی تحقیر میں زیادتی کی جائے' یا کسی چیز کی تعظیم میں زیادتی کی جائے۔ یہود نے انبیاء علیہم السلام کی شان میں کمی کی' حتیٰ کہ ان کی طرف زنا کو منسوب کیا' ان کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا اور عیسائیوں نے انبیاء کی تعظیم میں غلو کیا' حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: یہ خود بھی گمراہ ہیں اور انہوں نے لوگوں کو بھی گمراہ کیا' اور یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ اس آیت میں اس زمانہ کے اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: کہ تم اپنے احبار اور رہبان کی پیروی نہ کرو' وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور تم کو بھی گمراہ کر دیں گے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہود سے یہ فرمایا ہو کہ تم عزیر کی تعظیم میں غلو نہ کرو کہ ان کو خدا بنا ڈالو' اور عیسائیوں سے فرمایا: تم عیسیٰ کی تعظیم میں غلو نہ کرو کہ ان کو خدا بنا ڈالو۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ

بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی

وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾

گئی، کیوں کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ○

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾

وہ ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انھوں نے کیا تھا، وہ کیسا برا کام تھا جو وہ کرتے تھے ○

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ

آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں، وہ کیسی بری چیز ہے جو انھوں نے اپنی

لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾

آخرت کے لیے بھیجی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ دائمی عذاب میں رہنے والے ہوں گے ○

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ

اور اگر وہ اللہ پر ایمان لاتے اور اس نبی پر اور اس پر جو اس نبی کی طرف نازل کیا گیا تو کافروں کو دوست

اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ

نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں ○ آپ جن لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ سب سے

عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ وَلَتَجِدَنَّ

زیادہ دشمنی رکھنے والا پائیں گے وہ یہود اور مشرکین ہیں ، اور آپ جن لوگوں کو

أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ۚ ذَٰلِكَ

مسلمانوں کا سب سے قریب دوست پائیں گے ، یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں ، کیوں کہ ان

بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٨٢﴾

میں بعض عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا' ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی' کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے (المائدہ: ٧٨)

تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل پر لعنت کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: بنو اسرائیل پر ہر زبان میں لعنت کی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ان پر تورات میں لعنت کی گئی' حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ان پر زبور میں لعنت کی گئی اور سیدنا محمد ﷺ کے عہد میں ان پر قرآن مجید میں لعنت کی گئی۔ (جامع البیان' جز ٦' ص ٤٣٦)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنو اسرائیل میں سے کوئی شخص جب اپنے کسی بھائی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو سختی سے منع کرتا' اور دوسرے دن جب اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع نہ کرتا اور اس کے ساتھ مل جل کر رہتا اور کھاتا پیتا' جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دل ایک دوسرے کی طرح کر دیئے اور ان کے نبی حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانوں سے ان پر لعنت کی۔ پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور ضرور برائی کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق پر عمل کرنے کے لیے مجبور کر دینا' ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کی طرح کر دے گا اور تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی ہے۔

(جامع البیان' جز ٦' ص ٤٢٨۔٤٢٧' مسند ابو یعلی' ج ٨' رقم الحدیث: ٥٠٣٥' مسند احمد' ج ١' ص ٣٩١' طبع قدیم)

المائدہ: ٦٣ کی تفسیر میں ہم نے اس حدیث کی زیادہ تخریج کی ہے اور اس کو سنن ترمذی' سنن ابوداؤد' سنن ابن ماجہ اور المعجم الاوسط کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

ابن زید اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر انجیل اور زبور میں لعنت کی گئی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان کی چکی گھوم رہی ہے۔ جس طرف قرآن پھرے' تم اس طرف پھر جاؤ۔ جن چیزوں کو فرض کرنا تھا' اللہ تعالیٰ ان سے فارغ ہو چکا ہے۔ بے شک بنو اسرائیل میں سے ایک گروہ نیک لوگوں کا تھا' وہ نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے' ان کی قوم نے ان کو پکڑ کر آروں سے چیر دیا اور ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ ان میں سے کچھ لوگ باقی بچے جن کو بادشاہوں کے پاس جانے

اور ان کی مجالس میں بیٹھے بغیر قرار نہیں آیا' پھر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے بغیر ان کو چین نہیں آیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے دل ایک جیسے کر دیئے اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا' ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ (جامع البیان' جز۶' ص ۴۲۹)

حافظ عبداللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یعلی موصلی نے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن الحارث سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ولیمہ میں بلایا۔ جب وہ گئے تو وہاں لھو (گانے بجانے) کو سنا تو حضرت ابن مسعود واپس آ گئے۔ اس نے پوچھا آپ کیوں واپس آئے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا' وہ ان ہی میں سے ہو گا' اور جو شخص کسی قوم کے عمل سے راضی ہوا' وہ اس عمل کے مرتکبین میں شریک ہو گا۔ اور امام ابن المبارک نے کتاب الزھد والرقائق میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ میں بلایا گیا۔ انہوں نے وہاں (گانے بجانے کی) آواز سنی تو واپس آ گئے' ان سے پوچھا گیا' آپ کیوں نہیں گئے؟ تو فرمایا: میں نے آواز سنی اور جس شخص نے کسی جماعت میں اضافہ کیا' اس کا شمار ان ہی میں ہو گا اور جو کسی عمل سے راضی ہوا' وہ اس عمل میں شریک ہو گا۔

(نصب الرایہ' ج ۴' ص ۳۴۷-۳۴۶' اتحاف السادۃ المتقین' ج ۶' ص ۱۲۸' مسند الفردوس للدیلمی' رقم الحدیث: ۵۶۲۱' المطالب العالیہ للعسقلانی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۶۰۵)

حافظ زیلعی' حافظ عسقلانی اور علامہ زبیدی نے یہ حدیث مسند ابو یعلی کے حوالے سے بیان کی ہے' لیکن مجھے یہ حدیث مسند ابو یعلی کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملی اور نہ ہی مجھے حضرت ابوذر کی روایت امام ابن المبارک کی کتاب الزھد میں ملی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا' وہ کیسا برا کام تھا جو وہ کرتے تھے (المائدہ: ۷۹)

بنو اسرائیل حرام کام اور گناہ کرنے والوں کو منع نہیں کرتے تھے' اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرماتا ہے کہ ان کا گناہوں سے نہ روکنا حرام کاموں کو کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا بہت برا کام تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ برائی سے نہ روکنے کی تبلیغ میں وہ سب شریک تھے۔ نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مجرموں کے ساتھ ملنا جلنا اور سوشل اور سماجی روابط رکھنا بھی ناجائز اور حرام ہے' اور ان سے ترک تعلق کرنا واجب ہے۔ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں اور اس سے پہلے المائدہ: ۶۳ کی تفسیر میں جن احادیث اور آثار کا ذکر کیا ہے' ان کا بھی یہی تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں' وہ کیسی بری چیز ہے جو انہوں نے اپنی آخرت کے لیے بھیجی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ دائمی عذاب میں رہنے والے ہوں گے (المائدہ: ۸۰)

اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے یا یہ خطاب عام ہے اور ہر مخاطب مراد ہے' اور ان میں سے اس سے مراد اہل کتاب ہیں یا بنو اسرائیل اور فرمایا ہے آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے اس سے مراد کعب بن اشرف اور اس کے اصحاب ہیں' بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت مکہ گئی تھی' تاکہ ان مشرکین مکہ کے ساتھ اشتراک کر کے نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں' لیکن بات نہیں بنی۔ انہوں نے جو کام کیے ہیں' یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں دائمی عذاب کا موجب ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں سے مراد منافقین ہیں اور اللہ کی ناراضگی کے متعلق یہ حدیث نقل کی ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانو! تم زنا سے بچے رہنا کیونکہ زنا پر چھ چیزیں مترتب ہوتی ہیں۔ تین دنیا میں اور تین آخرت میں دنیا میں اس فعل سے رونق چلی جاتی ہے۔ تنگ دستی اور مفلسی آتی ہے اور عمر کم ہوتی ہے اور آخرت میں اس فعل کی وجہ سے رب تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور حساب سخت ہوتا ہے اور دوزخ میں دائمی عذاب ہوتا ہے (دوام سے مراد لمبا عرصہ ہے) پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کیا۔ امام ابن مردویہ نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن اس کی ہر سند ضعیف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۳۲)

میں کہتا ہوں کہ تعدد اسانید کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ اللہ پر ایمان لاتے اور اس نبی پر اور اس پر جو اس نبی کی طرف نازل کیا گیا تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔ (المائدہ: ۸۱)

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

١- اگر یہ یہودی اللہ پر صحیح ایمان لاتے اور حضرت موسیٰ پر اور تورات پر تو کافروں کو دوست نہ بناتے

٢- اگر یہ یہودی اللہ پر کامل ایمان لاتے اور سیدنا محمد ﷺ پر اور قرآن مجید پر تو کافروں کو دوست نہ بناتے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ جن لوگوں کو سب سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی رکھنے والا پائیں گے وہ یہود اور مشرکین ہیں اور آپ جن لوگوں کو مسلمانوں کا سب سے قریب دوست پائیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں کیونکہ ان میں بعض عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ (المائدہ: ۸۲)

نجاشی کا اسلام لانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے نبی ﷺ کے پاس ایک وفد بھیجا نبی ﷺ نے ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا وہ مسلمان ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پھر وہ وفد نجاشی کے پاس گیا اور اس کو خبر دی تو نجاشی بھی مسلمان ہو گیا اور وہ تادم مرگ مسلمان رہا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا۔ اس کی نماز جنازہ پڑھو پھر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اس پر نماز پڑھی اور نجاشی (کا جنازہ) اس وقت حبشہ میں تھا۔

(جامع البیان جز ۷ ص ۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

مسلمانوں کا حبشہ ہجرت کرنا اور کفار مکہ کا ان کو واپس بلانے کی سعی کرنا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (رسول اللہ ﷺ کی زوجہ) بیان کرتی ہیں کہ جب ہم حبشہ میں پہنچے تو ہمیں نجاشی نے وہاں پناہ دی ہم نے اپنے دین کی حفاظت کی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ ہم کو نہ کوئی ایذا دی جاتی تھی نہ ہم کوئی ناگوار بات سنتے تھے۔ جب یہ خبر قریش کو پہنچی تو انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ ہمارے متعلق نجاشی کے پاس دو قوی آدمی بھیجے جائیں اور مکہ کی عمدہ چیزوں میں سے نجاشی کے لیے ہدیے بھیجے جائیں۔ ان لوگوں کو چمڑا پسند تھا تو انہوں نے بہت سے چمڑے جمع کر لیے ان کے سرداروں میں سے ہر شخص کو انہوں نے چمڑے اور تحفے دینے کا فیصلہ کیا پھر انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو یہ ہدیے

دے کر روانہ کیا اور ان سے کہا مسلمانوں کے متعلق نجاشی سے بات کرنے سے پہلے تمام سرداروں کو ہدیئے دے دیئے جائیں۔ وہ حبشہ پہنچ گئے اور نجاشی کے ساتھ ملاقات سے پہلے تمام سرداروں کو ہدیئے دیئے اور ہر سردار سے یہ کہا: تمہارے بادشاہ کے ملک میں ہمارے چند نادان لڑکوں نے آ کر پناہ لی ہے' وہ اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور تمہارے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں' جس کو ہم پہچانتے ہیں نہ تم جانتے ہو' اور ہماری قوم نے اپنے معزز لوگوں کو بھیجا ہے' تاکہ وہ ان کو واپس لے جائیں۔ سو جب ہم بادشاہ سے اس معاملہ میں بات کریں تو تم بادشاہ کو یہ مشورہ دینا کہ وہ ان کو ہمارے حوالے کر دیں اور بادشاہ ان سے بات نہ کرے۔

کیونکہ ہماری قوم ان کے کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ سرداروں نے کہا اچھا! پھر انہوں نے نجاشی کو ہدیئے اور تحفے پیش کیے جن کو اس نے قبول کر لیا۔ پھر انہوں نے کہا اے بادشاہ! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ نادان لوگ آ گئے ہیں جو اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں' اور آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لیکر آئے ہیں جس کو ہم پہچانتے ہیں نہ آپ' اور ہم کو آپ کی طرف ان کی قوم کے معزز لوگوں نے بھیجا ہے' جو ان کے آباء و اجداد اور رشتہ دار ہیں' تاکہ آپ انہیں واپس بھیج دیں۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو اس سے زیادہ اور کوئی بات ناپسند نہیں تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی بات سنے' اس کے سرداروں نے کہا ان دو آدمیوں نے سچ کہا ہے۔ ان لوگوں کے کرتوتوں کو ان کی قوم ہی بہتر طور سے جانتی ہے' سو آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیجئے' تاکہ یہ ان کو ان کی قوم کے پاس واپس لے جائیں۔

حضرت ام سلمہ نے فرمایا یہ سن کر نجاشی غضبناک ہوا' اس نے کہا نہیں! خدا کی قسم! میں ان لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا جن لوگوں نے میری پناہ لی ہے اور میرے ملک میں آئے ہیں اور جنہوں نے دوسروں کی بجائے مجھے اختیار کیا ہے' جب تک میں ان سے سوالات کر کے تحقیق نہ کر لوں' ان کو تم لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ اگر وہ ایسے ہی نکلے جیسا تم نے کہا ہے' تو میں ان کو تمہارے حوالے کر دوں گا' اور اگر ایسا نہ ہوا تو میں ان کی حفاظت کروں گا' اور جب تک یہ میری پناہ میں رہیں گے' ان سے حسن سلوک کروں گا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو بلایا۔ جب مسلمان آ گئے' تو نجاشی نے اپنے علماء کو بھی بلایا اور وہ اس کے گرد اپنی کتابیں کھول کر بیٹھ گئے۔

حضرت جعفر کا نجاشی کے دربار میں اسلام کا تعارف کرانا

پھر نجاشی نے مسلمانوں سے سوال کیا' وہ کون سا دین ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور تم اس کی وجہ سے نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ ان ادیان میں سے اور کسی دین میں داخل ہوئے؟ حضرت ام سلمہ نے فرمایا جس شخص نے ان کو جواب دیا' وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضوان اللہ علیہ تھے۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ! ہم جاہلوں کی قوم تھے' بتوں کی عبادت کرتے تھے' مردار کھاتے تھے' بے حیائی کے کام کرتے تھے' رشتوں کو توڑتے تھے' پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے' ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا' ہم اسی حال پر تھے کہ اللہ نے ہم میں سے ہی ہماری طرف ایک رسول بھیج دیا۔ جن کے نسب' ان کے صدق' ان کی امانت داری اور ان کی پاکیزگی کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔

انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی' تاکہ ہم اس کو واحد مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس سے پہلے ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے' اس کو چھوڑ دیں' اور انہوں نے ہمیں سچ بولنے' امانت ادا کرنے' رشتوں کو ملانے' پڑوسیوں سے نیک سلوک کرنے' حرام کاموں اور خون ریزیوں سے باز رہنے کا حکم دیا اور بے حیائی کے کاموں' جھوٹ بولنے' یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانے سے منع کیا' اور ہم کو حکم دیا کہ ہم فقط اللہ کی عبادت

کریں' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم کو نماز پڑھنے' زکوٰۃ ادا کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا انہوں نے اسلام کے تمام احکام گنوائے۔ سو ہم نے اس رسول کی تصدیق کی اور ہم اس پر ایمان لے آئے' اور وہ اللہ کے پاس سے جو احکام لائے تھے' ہم نے ان پر عمل کیا اور فقط اللہ وحدہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا اور جن چیزوں کو انہوں نے ہم پر حرام کیا تھا' ان کو ہم نے حرام قرار دیا' اور جن چیزوں کو انہوں نے ہمارے لیے حلال کیا تھا' ان کو ہم نے حلال رکھا۔ اس بناء پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی۔

انہوں نے ہم کو عذاب میں مبتلا کیا اور ہم کو ہمارے دین سے چھڑانے کے لیے آزمائشوں میں مبتلا کیا' تاکہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے چھڑا کر بتوں کی عبادت کی طرف لے آئیں' اور پھر ان ہی بدکاریوں کو حلال کرنے لگیں جن کو ہم پہلے حلال سمجھ کر کرتے تھے۔ سو جب انہوں نے ہم پر قہر اور ظلم کیا اور ہم پر ہماری معیشت کو تنگ کر دیا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے' تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور ہم نے دوسروں کی بجائے آپ کو پسند کر لیا اور آپ کی پناہ میں رغبت کی' اور ہم نے یہ امید رکھی کہ اے بادشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا پھر نجاشی نے کہا کیا تم کو اللہ کے کلام کی کچھ آیتیں یاد ہیں؟ حضرت جعفر نے کہا ہاں! نجاشی نے کہا مجھے سناؤ۔ تو حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات پڑھیں۔ حضرت ام سلمہ نے کہا خدا کی قسم! وہ آیتیں سن کر نجاشی رونے لگا اور اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی اور اس کے علماء بھی رونے لگے اور ان کے مصاحف ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ پھر ان سے نجاشی نے کہا بے شک یہ دین اور جس دین کو عیسیٰ لے کر آئے تھے' یہ دونوں دین ایک ہی طاق سے نکلے ہیں' پھر ان دونوں مشرکوں سے کہا: جاؤ! تم واپس جاؤ! بخدا! میں ان مسلمانوں کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔

کفار قریش کا مسلمانوں کو نکلوانے کی مہم میں ناکام ہونا

حضرت ام سلمہ نے فرمایا جب وہ دونوں نجاشی کے دربار سے نکل گئے تو عمرو بن العاص نے کہا بخدا! میں کل پھر اس کے پاس جاؤں گا اور اس کے سامنے ایسی چیز پیش کروں گا جس سے ان کی جڑ کٹ جائے گی۔ عبداللہ بن ربیعہ نے کہا ایسا نہ کرو' اگرچہ یہ ہمارے مخالف ہیں' لیکن ہماری ان کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں' اس نے کہا میں نجاشی کو ضرور بتاؤں گا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں' پھر اگلے دن وہ گیا اور نجاشی سے کہا: اے بادشاہ! یہ عیسیٰ ابن مریم کے متعلق بہت سخت بات کہتے ہیں۔ آپ ان کو بلا کر ان سے پوچھئے کہ یہ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ حضرت ام سلمہ نے فرمایا پھر بادشاہ نے ہم کو بلوایا اور اس جیسی آزمائش ہم پر پہلے نہیں آئی تھی' جب سب لوگ جمع ہو گئے تو بادشاہ نے پوچھا تم لوگ عیسیٰ بن مریم کے متعلق کیا کہتے ہو؟ جب ان کے متعلق سوال کیا جاتا ہے؟

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا ہم ان کے متعلق وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ وہ اللہ کے بندے' اس کے رسول اور اس کی پسندیدہ روح ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے کنواری پاک دامن مریم کی طرف القاء کیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پھر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھایا۔ پھر کہا: بخدا! تم نے جو کچھ بیان کیا ہے' عیسیٰ بن مریم اس سے ایک تنکے سے بھی زیادہ نہیں ہیں۔ جب نجاشی نے عیسیٰ بن مریم کے متعلق یہ کہا: تو اس کے گرد بیٹھے ہوئے سرداروں نے غصہ سے پھنکارنا شروع کر دیا۔ نجاشی نے کہا: ہرچند کہ تم غصہ سے پھنکار رہے ہو (اور مسلمانوں سے کہا) تم میری سرزمین میں مامون ہو' جو شخص تم کو گالی دے گا' اس پر جرمانہ ہو گا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور میں اس کے بدلہ میں تم میں سے کسی شخص کو ایذا پہنچاؤں۔ ان لوگوں کے ہدیے اور تحفے ان کو واپس کر دو۔ ہم کو ان کی ضرورت

نہیں ہے' بخدا جب اللہ نے مجھے میرا ملک واپس کیا تو مجھ سے رشوت نہیں لی تو میں ان سے کیسے رشوت لوں گا؟

حضرت ام سلمہ نے فرمایا تو وہ دونوں (عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ) نجاشی کے پاس سے ناکام اور نامراد ہو کر لوٹے' اور ہم نجاشی کے ملک میں اچھے گھر اور اچھے پڑوسی کی حیثیت سے رہے۔ اسی اثناء میں نجاشی کے ملک پر کسی نے حملہ کیا' ہم نے اس کے غلبہ کے لیے اللہ سے دعا کی' حتی کہ وہ کامیاب ہو گیا اور ہم اس کے ملک میں اچھی طرح رہے۔ حتی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ واپس آ گئے۔ (علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۷۴۰' طبع دار الحدیث' قاہرہ' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۴۰' طبع دار الفکر بیروت' مسند احمد' ج ۱' ص ۲۰۳-۲۰۱' طبع قدیم' السیرۃ النبویہ' ج ۱' ص ۳۷۵-۳۷۲' الروض الانف' ج ۱' ص ۲۱۴-۲۱۰' مجمع الزوائد' ج ۶' ص ۲۷-۲۴' البدایہ والنہایہ' ج ۳' ص ۷۵-۷۲)

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ

اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے آپ ان کی

مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا

آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں، اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں (حق)

مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ

کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے ○ اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا

الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾

ہے اور ہم کیوں نہ یہ خواہش کریں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کرے ○

فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

سو اللہ نے ان کے اس قول کے صلے میں ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ

خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

ہمیشہ رہیں گے، اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزا ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾ ع

ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں ○

ع ۱۱ ۹ ۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے

آپ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔ (المائدہ: ۸۳)

شان نزول

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (جامع البیان 'جز ۷' ص ۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب نبی ﷺ کے اصحاب نجاشی کے پاس پہنچے اور انہوں نے قرآن کریم پڑھا اور ان کے علماء اور راہبوں نے قرآن مجید سنا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور سعید بن جبیر نے کہا کہ نجاشی نے اپنے تیس بہترین اصحاب رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجے۔ آپ نے ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا' ان پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگے' انہوں نے کہا بہ خدا ہم اس کو پہچانتے ہیں اور وہ مسلمان ہو گئے اور نجاشی کو جا کر خبر دی تو وہ بھی مسلمان ہو گیا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے"۔ اس کی تفسیر میں چار قول ہیں:

۱- علی بن ابی طلحہ نے کہا اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی امت ہے۔

۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب ہیں۔

۳- حسن بصری نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔

۴- زجاج نے کہا اس سے مراد انبیاء علیہم السلام اور مومنین ہیں۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۴۰۹' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے اور ہم کیوں نہ یہ خواہش کریں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کرے۔ (المائدہ: ۸۴)

نیک لوگوں کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ (۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں۔ (۲) ابن زید نے کہا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب ہیں۔ (۳) مقاتل نے کہا اس سے مراد مہاجرین اولین ہیں۔ (زاد المسیر' ج ۲' ص ۴۱۰' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ نے ان کے اس قول کے صلے میں ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزا ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں۔ (المائدہ: ۸۶-۸۵)

جن عیسائیوں نے دین حق کو پہچان لیا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کے صلہ میں جنتیں عطا فرمائیں اور جن عیسائیوں اور یہود اور مشرکین نے واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود تکبر اور ہٹ دھرمی سے اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی وحدانیت اور اس کے انبیاء کے صدق کا انکار کیا' اللہ تعالیٰ ان کو اپنے عدل کے تقاضے سے دوزخ میں ڈال دے گا۔ اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ ثواب اللہ کا فضل ہے اور عذاب اللہ کا عدل ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو' جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور

تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ

حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور اللہ کے دیے ہوئے حلال پاکیزہ رزق

حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا

سے کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو ○ اللہ

يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا

تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت

عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ

فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے

اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ

جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے،

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا

جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور

حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

تاکہ تم شکر ادا کرو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو' جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو' بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۸۷)

حلال چیزوں سے اجتناب کی ممانعت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! جن حلال چیزوں کی طرف تمہارا دل مائل ہوتا ہے ان کی لذت حاصل کرنے سے اپنے آپ کو منع نہ کرو' جس طرح عیسائیوں کے علماء اور راہبوں نے کھانے پینے کی عمدہ اور لذیذ چیزوں کو اور عورتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور بعض نے اپنے آپ کو گرجوں میں مقید کر لیا اور بعض سیاحت کرنے لگے۔ سو اے مسلمانو! تم ان کی طرح حد

سے نہ بڑھنا۔

اس مضمون کی قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (البقرہ: ۱۷۲)

اے ایمان والو! ان حلال چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف: ۳۲)

آپ کہیے! کہ اللہ کی اس زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور حلال چیزوں کو (کس نے حرام کیا ہے؟)

عبادات اور معاملات میں میانہ روی کے متعلق آیات اور احادیث

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان: ۶۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی سے ہوتا ہے۔

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا (بنواسرائیل: ۲۶)

اور (اے مخاطب!) رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسافروں کو اور بے جا خرچ نہ کرو۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا (بنواسرائیل: ۲۹)

اور اپنا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ' اور نہ اس کو پوری طرح کھول دے کہ بیٹھا رہ جائے ملامت زدہ' تھکا ہارا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجروں میں تین شخص آئے۔ (ان میں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عمرو بھی تھے۔ (مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۲۷۴۰۳) اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ جب انہیں آپ کی عبادت کے معمول کے متعلق بتایا گیا' تو انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا اور کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ کے تو ہر اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) ذنب کی مغفرت کردی گئی ہے۔ (مغفرت سے مراد آپ کے درجات کی بلندی ہے) تو ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس اس طرح کہا ہے۔ سنو! بہ خدا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں' لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا پیتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں' سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۰۶۳' مصنف عبدالرزاق' ج ۶' رقم الحدیث: ۲۷۴۰۳)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کو آپس میں بھائی بنایا۔ ایک دن حضرت سلمان' حضرت ابوالدرداء سے ملنے گئے تو انہوں نے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو پھٹے پرانے

کپڑے پہنے دیکھا' انہوں نے کہا یہ آپ نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا آپ کے بھائی ابوالدرداء کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جب حضرت ابوالدرداء آئے تو انہوں نے ان کے لیے کھانا تیار کیا' حضرت سلمان نے کہا آپ بھی کھائیے۔ انہوں نے کہا میں روزے سے ہوں۔ حضرت سلمان نے کہا جب تک آپ کھانا نہیں کھائیں گے' میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ پھر حضرت ابوالدرداء نے کھانا کھایا' جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداء نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت سلمان نے کہا سو جائیں' وہ سو گئے' پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے پھر کہا: سو جائیں' جب رات کا آخری حصہ رہ گیا تو حضرت سلمان نے کہا اب کھڑے ہوں۔ پھر دونوں نے نماز (تہجد) پڑھی' پھر حضرت سلمان نے کہا آپ کے رب کا آپ پر حق ہے اور آپ کے نفس کا آپ پر حق ہے اور آپ کے اہل (بیوی) کا آپ پر حق ہے' ہر حقدار کو اس کا حق ادا کریں۔ حضرت ابوالدرداء نبی ﷺ کے پاس گئے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا سلمان نے سچ کہا۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۹۶۸' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۲۱' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۰' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۴' ص ۲۷۶)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے چند نفوس نے نبی ﷺ کی ازواج سے خلوت میں آپ کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ پھر بعض اصحاب نے کہا میں کبھی نکاح نہیں کروں گا اور بعض نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ بعض نے کہا میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد فرمایا فلاں فلاں لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو اس طرح کہتے ہیں' لیکن میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا پیتا بھی ہوں' اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ سو جس نے میری سنت سے (بطور ناپسندیدگی) اعراض کیا' وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح مسلم' نکاح ۵' (۱۴۰۱) ۳۳۴۳' سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۱۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو نکاح نہ کرنے کی اجازت نہیں دی' اگر آپ ان کو اجازت دیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۰۷۳' صحیح مسلم' نکاح ۶' (۱۴۰۲) ۳۳۴۴' سنن ترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۱۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۴۸' مسند احمد' ج ۱' ص ۱۷۵' طبع قدیم' مصنف عبدالرزاق ج ۶' رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ خولہ بنت حکیم جو حضرت عثمان بن مظعون کے نکاح میں تھیں' وہ میرے پاس آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بہت ابتر حال میں دیکھا' آپ نے مجھ سے فرمایا اے عائشہ! خولہ کس قدر ابتر حال میں ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ! جس عورت کا خاوند دن کو روزہ رکھتا ہو اور ساری رات نماز پڑھتا ہو' وہ اس عورت کی طرح ہے جس کا کوئی خاوند نہ ہو۔ سو اس نے اپنے آپ کو ضائع کرنے کے لیے چھوڑ دیا' پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کو بلوایا۔ جب حضرت عثمان بن مظعون آئے تو آپ نے فرمایا اے عثمان! کیا تم میری سنت سے اعراض کرنے والے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں! بہ خدا یا رسول اللہ! لیکن میں آپ کی سنت کو طلب کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں

سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں' روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا پیتا بھی ہوں' اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ اے عثمان! اللہ سے ڈرو' کیونکہ تمہارے اہل (بیوی) کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے' اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ سو تم روزہ رکھو اور کھاؤ پیو بھی' اور نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔

(علامہ احمد شاکر' متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' ج ۱۸ رقم الحدیث: ۲۶۱۸۶' طبع دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۶۳۶۸' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۶' ص ۲۶۸' طبع قدیم' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۶۹' سنن داری' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۱۶۹' مصنف عبدالرزاق' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵' صحیح ابن حبان' ج ۱' رقم الحدیث: ۹' موارد الظمآن' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۸۸' مسند البزار' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۵۸-۱۴۵۷' اس کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد' ج ۴' ص ۳۰۱' طبع قدیم' المعجم الکبیر' ج ۹' رقم الحدیث ۸۳۱۹' مسند ابو یعلی' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۷۲۲۲)

مسند ابو یعلی میں یہ روایت اس طرح ہے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ نے فرمایا اے عثمان! کیا تمہارے لیے میری سیرت میں نمونہ نہیں ہے! انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اس ارشاد کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا تم رات بھر نماز پڑھتے ہو اور دن کو روزہ رکھتے ہو' حالانکہ تمہارے اہل (زوجہ) کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے' تم نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی اور روزہ بھی رکھو اور کھاؤ پیو بھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد ان کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس اس طرح خوشبو میں بسی ہوئی آئیں کہ وہ دلہن ہوں' ازواج نے ان سے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا وہی ہوا جس طرح وہ عورتیں ہوتی ہیں جن کی طرف ان کے خاوند رغبت کرتے ہیں۔

اور مصنف عبدالرزاق' سنن داری' صحیح ابن حبان اور المعجم الکبیر میں یہ روایت اس طرح ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون سے ملے اور آپ نے فرمایا اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی' کیا تمہارے لیے میری سیرت میں اچھا نمونہ نہیں ہے؟ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اس کی حدود کی حفاظت کرنے والا ہوں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے یہ ارادہ کیا کہ دنیا کو ترک کر دیں اور عورتوں کو چھوڑ دیں اور راہب ہو جائیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ناراض ہو کر فرمایا تم سے پہلے لوگ صرف (دین میں) سختی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سختی کی' ان کے بچے کھچے لوگ مندروں اور گرجوں میں ہیں۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' حج کرو اور عمرہ کرو' تم سیدھے رہو تو تمہارے لیے استقامت ہوگی' اور ان ہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اچھے کپڑے اتار دیں' عورتوں کو چھوڑ دیں اور زاہد بن جائیں' ان میں حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما تھے۔

(جامع البیان' ج ۷' جزء ۷' ص ۱۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

مجیبہ باہلیہ اپنے والد یا چچا سے روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے' پھر واپس چلے آئے۔ پھر ایک سال کے بعد دوبارہ آپ سے ملنے گئے' اس وقت ان کا جسم کمزوری کی وجہ سے بہت متغیر ہو چکا تھا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا فلاں باہلی ہوں جو ایک سال پہلے آپ سے ملنے آیا تھا۔ آپ نے پوچھا تم کس وجہ سے اس قدر بدل گئے تم تو بہت خوبصورت تھے؟ انہوں نے کہا میں جب سے آپ کے پاس سے گیا ہوں' میں نے کبھی دن کو کھانا نہیں کھایا' صرف رات کو کھانا کھایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے نفس کو کیوں عذاب میں ڈالا؟ پھر آپ نے فرمایا رمضان کے روزے رکھا کرو اور ہر مہینہ میں ایک روزہ رکھ لیا کرو۔ انہوں نے کہا زیادہ کریں مجھ میں اس کی طاقت ہے۔ آپ نے فرمایا ہر ماہ دو روزے رکھ لو' انہوں نے پھر کہا زیادہ کریں' آپ نے فرمایا ہر ماہ تین روزے رکھ لو۔ انہوں نے پھر کہا' زیادہ کریں۔ فرمایا حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو۔ پھر چھوڑ دو' حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو پھر چھوڑ دو' حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو پھر چھوڑ دو۔ آپ نے تین انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا' پھر چھوڑ دیا۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ حرم کے مہینہ میں تین مسلسل روزے رکھو' پھر تین دن چھوڑ دو' اور اس طرح تین بار کرو' یعنی صرف حرم کے مہینہ میں نفلی روزے رکھنے کی اجازت دی۔ (حرم کے مہینہ سے مراد ایام حج کے مہینے ہیں۔)

(سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۲۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس نبی ﷺ تشریف لائے' اس وقت ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا یہ فلاں عورت ہے' اس کی نمازوں کا بڑا چرچا ہے۔ آپ نے فرمایا چھوڑو' اتنا عمل کرو جو ہمیشہ کر سکو' بخدا! اللہ اس وقت تک نہیں اکتاتا جب تک تم نہ اکتاؤ' اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر بندہ ہمیشگی کرے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۳' صحیح مسلم' مسافرین' ۲۲۱' (۷۸۵) ۱۸۰۳' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۴۱' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۰۵۰' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۳۸' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۴۲۹۹' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۶' ص ۵۱' طبع قدیم' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۲۶۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ رسی کیسی ہے؟ تو بتایا یہ زینب کی رسی ہے جب وہ (نماز میں) تھک جاتی ہیں تو اس رسی کے سہارے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا نہیں! اس کو کھول دو' تم میں سے کوئی شخص جب تک خوشی سے نماز پڑھ سکتا ہے' پڑھے اور جب تھک جائے' تو بیٹھ جائے۔ (صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۵۰' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۴۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے' اچانک ایک شخص کو (دھوپ میں) کھڑے ہوئے دیکھا' آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ صحابہ نے کہا یہ ابو اسرائیل ہے۔ اس نے نذر مانی ہے کہ یہ کھڑا رہے گا' بیٹھے گا نہیں' نہ سایہ میں آئے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا اور روزہ رکھے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اس سے کہو کہ بات کرے' سایہ میں آئے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۷۰۴' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۰۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۳۶' موطا امام

مالک، رقم الحدیث: ۱۰۳۹، مسند احمد، ج ۴، ص ۱۴۸، طبع قدیم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل چل کر بیت اللہ جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سوچا کہ میں نبی ﷺ سے اس کے متعلق فتویٰ معلوم کروں، میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ حج کو جائے اور سوار ہو۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اس کے پیدل چلنے سے مستغنی ہے، اس سے کہو سوار ہو۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۶۶، صحیح مسلم، نذر، ۱۱ (۱۶۴۴) ۴۱۶۷، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۴۱، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۹۹، سنن النسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۸۱۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دیکھا، ایک بوڑھا شخص جو چل نہیں سکتا تھا، اسے اس کے دو بیٹے پکڑ کر چلا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا یہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ صحابہ نے کہا اس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی تھی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے کہ یہ اپنے نفس کو عذاب دے اور اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۶۵، صحیح مسلم، نذر ۹، (۱۶۴۲) ۴۱۶۹، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۰۱، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۴۲، سنن نسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۳۸۶۲، ۳۸۶۴، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۲۲۸، مسند ابو یعلیٰ، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۵۳۲ صحیح ابن حبان، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۴۳۸۳، ابن الجارود، رقم الحدیث: ۹۳۹، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۷۸)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک لشکر میں گئے، ایک شخص ایک غار میں گیا جس میں پینے کے لیے پانی بھی تھا، اس شخص کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ اس غار میں رہے تو اس میں پانی بھی ہے اور اس کے اردگرد سبزیاں بھی ہیں، وہ دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد ہو کر اس غار میں رہ کر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ میں نبی ﷺ کے پاس جا کر اس کا ذکر کروں۔ اگر آپ نے اجازت دے دی تو میں اس غار میں رہوں گا، ورنہ نہیں رہوں گا۔ اس نے آپ سے عرض کیا یا نبی اللہ! میں ایک غار کے پاس سے گزرا، اس میں زندگی بسر کرنے کے لیے پانی بھی ہے اور سبزیاں بھی ہیں، میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس غار میں رہوں اور دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد ہو جاؤں۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں مبعوث کیا گیا، میں ملت حنیفیہ کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، جو بہت آسان ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اللہ کی راہ میں ایک صبح کرنا یا ایک شام گزارنا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور تم میں سے کسی ایک شخص کا جہاد کے لیے صف میں کھڑے ہونا اس کی (تنہا) ساٹھ سال کی نمازوں سے بہتر ہے۔

(علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ ھ نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۱۶، رقم الحدیث: ۲۲۱۹۲، طبع دار الحدیث، قاہرہ۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۲۶۶، طبع قدیم، المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۸۶۸، مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۲۷۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بلاشبہ دین آسان ہے جو شخص اس دین کو مشکل بنانے کی کوشش کرے گا، دین اس پر غالب آ جائے گا۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۲ ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو، مشکل میں ڈالنے

کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۲۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ: ۱۸۵) اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے، تم کو مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

اسلام معتدل، سہل اور دین فطرت ہے

ان آیات اور احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، وہ توسط اور اعتدال کا تقاضا کرتا ہے اور اس میں افراط اور تفریط ممنوع اور مذموم ہے، اسی طرح اسلام میں سخت اور مشکل عبادات مطلوب نہیں ہیں، بلکہ اسلامی احکام میں نرمی، ملائمت، سہولت اور آسانی مرغوب ہے۔ اسلام کا کوئی حکم خلاف فطرت نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ہم میں رہبانیت نہیں ہے۔ (العلل المتناہیہ، ج ۲، ص ۱۵۲)

اور آپ نے فرمایا اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی۔ (مصنف عبدالرزاق، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۶۹) اسلام میں ترک لذائذ، سخت ریاضات اور عبادات شاقہ ممنوع ہیں، مصنوعی زاہدوں اور جعلی صوفیوں نے جو خود ساختہ شریعت وضع کرلی ہے اس کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

نیکی اور فضیلت حاصل کرنے کا اصل اور صحیح طریقہ وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کیا اور جو راستہ ہمارے لیے مقرر کیا اور جس طریقہ پر صحابہ کرام گامزن رہے اور اخیار تابعین نے جس کو اپنایا۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہم کو بہت بلیغ نصیحت کی، جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور ہمارے دل خوف زدہ ہوگئے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور امیر کا حکم سننے اور اس پر عمل کرنے کی، خواہ وہ حبشی غلام ہو، کیونکہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، اور تم بدعات (سیئہ) سے بچتے رہنا کیونکہ وہ گمراہی ہیں، تم میں سے جو شخص اس اختلاف کو پائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ میری سنت پر عمل کرے، اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرے اور اس کو داڑھوں سے پکڑ لے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۶۸۵، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۶۰۷، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۴۲، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۵، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۱۳۵)

سنن ترمذی کے علاوہ باقی کتب حدیث میں اس طرح مذکور ہے، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، سو تم پر لازم ہے کہ میری سنت پر عمل کرو، اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرو اور اس کو داڑھوں سے پکڑلو۔

آیا حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اے ایمان والو! تم ان چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کردیا ہے، اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۸۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حلال کو حرام کرنے کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ یہ قسم ہے اور نہ اس پر کفارہ لازم کیا ہے۔ اس وجہ سے امام مالک اور امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم نہیں ہے، اور نہ اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ اس کے

برخلاف امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔

امام مالک کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جو شخص اپنے نفس پر طعام کو یا مشروب کو یا اپنی باندی کو حرام کرلے' یا کسی بھی حلال چیز کو حرام کرلے وہ اس پر حرام نہیں ہوگی' اور نہ امام مالک کے نزدیک اس پر ان میں سے کسی چیز کے حرام کرنے کی وجہ سے کفارہ ہے۔ ہاں! اگر وہ باندی کو حرام کر کے اس کو آزاد کرنے کی نیت کرے' تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اس پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مباح کردیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے' خواہ صراحتاً' خواہ کنایتاً اور حرام کرنا کنایات طلاق میں سے ہے' اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ جو شخص کسی چیز کو حرام کرے گا' وہ چیز اس پر حرام ہو جائے گی اور جب وہ اس چیز کو تناول کرے گا تو اس پر کفارہ لازم آئے گا اور یہ آیت ان پر رد کرتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۱۹۶' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے' یہ آیت امام ابوحنیفہ کے اس وقت خلاف ہوتی جب اس میں یہ مذکور ہوتا کہ حلال کو حرام کرنا قسم نہیں ہے' یا اس میں کفارہ نہیں ہے' کفارہ کا ذکر نہ کرنا عدم کفارہ کے ذکر کو کب مستلزم ہے؟

امام شافعی کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں!

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تم مجھ پر حرام ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے' امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ اس قول سے طلاق کی نیت کرے تو یہ طلاق ہے' اور اگر اس سے ظہار کی نیت کرے تو یہ ظہار ہے' اور اگر طلاق اور ظہار کے بغیر یہ نیت کرے کہ وہ بعینہ اس پر حرام ہے تو یہ قسم نہیں ہے لیکن اس پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہے' اور اگر اس نے بغیر نیت کے یہ الفاظ کہے تو اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس میں کفارہ قسم لازم ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کلام لغو ہے اور اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا' یہ ہمارا مذہب ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح للنووی' ج ۶' ص ۴۰۰۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

امام مالک' امام شافعی اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ طعام مجھ پر حرام ہے' یا یہ پانی' یا یہ کپڑا' یا گھر میں داخل ہونا' یا زید سے بات کرنا' اور بیوی اور باندی کے علاوہ باقی چیزوں میں سے کسی بھی چیز کے متعلق یہ کہے یہ مجھ پر حرام ہے تو یہ کلام لغو ہوگا' اس پر کوئی حکم مترتب نہیں ہوگا' اور نہ وہ چیز اس پر حرام ہوگی' اور جب وہ اس چیز کو تناول کرے گا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم مع شرح للنووی' ج ۶' ص ۴۰۰۸۔۴۰۰۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام احمد کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے کہا اگر میں نے فلاں کام کیا تو اللہ نے جو مجھ پر حلال کیا ہے وہ حرام ہے۔ پھر اس نے اس کام کو کرلیا تو اس کو اختیار ہے یا تو جن چیزوں کو اس نے اپنے نفس پر حرام کیا ہے ان کو ترک کردے یا چاہے تو کفارہ دے۔ حضرت ابن مسعود' حسن بصری' جابر بن زید' قتادہ' اسحاق اور اہل عراق کا یہی مسلک ہے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا جس شخص نے کہا حلال مجھ پر

حرام ہے' یہ قسم ہے۔ اور وہ اس کا کفارہ دے گا۔ اور حسن نے کہا یہ قسم ہے ماسوا اس صورت کے کہ وہ اس سے اپنی بیوی کی طلاق کا ارادہ کرے۔ ابراہیم نخعی سے بھی اس کی مثل مروی ہے' اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہے تو درست ہے' ورنہ یہ قول لغو ہے۔ ضحاک سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود سے یہ روایت ہے کہ حرام قسم ہے اور طاؤس نے کہا یہ اس کی نیت پر موقوف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے کہا حرام قسم نہیں ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے' کیونکہ حلال کو حرام کرنا شریعت کو بدلنے کا قصد کرنا ہے' اس لیے اس کا قصد لغو ہے۔ ہماری دلیل یہ آیت ہے یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک (الخ) (التحریم: ۲-۱) اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام کرنے پر اللہ تعالیٰ نے قسم کا اطلاق فرمایا ہے اور اس قسم سے نکلنے کے لیے کفارہ کو مشروع فرمایا ہے۔ جیساکہ شہد یا حضرت ماریہ کی تحریم کا واقعہ کتب احادیث میں مذکور ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے بھی حلال کو حرام کرنے پر قسم کا اطلاق فرمایا ہے۔ (المغنی' ج ۹' ص ۳۰۲-۳۰۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ (التحریم: ۲-۱)

اے نبی! آپ (اپنے اوپر) اس چیز کو کیوں حرام قرار دیتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی رضاجوئی کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (اے ایمان والو!) بے شک اللہ نے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر فرمادیا ہے۔ (یعنی کفارہ)

اس آیت کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرا کرتے تھے' وہ آپ کو شہد پلاتی تھیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں پھر میں نے اور حضرت حفصہ نے اتفاق کیا کہ جس کے پاس بھی نبی ﷺ تشریف لائیں وہ یہ کہے کہ آپ سے مغافیر کی بو آتی ہے' کیا آپ نے مغافیر (ایک قسم کا گوند) کھایا ہے؟ آپ ان دونوں میں سے کسی ایک (حضرت حفصہ) کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے یہی کہا۔ آپ نے فرمایا بلکہ میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے' اور میں اس کو دوبارہ ہرگز نہیں پیوں گا' تب یہ آیت نازل ہوئی: لم تحرم ما احل اللہ لک (الخ) (التحریم: ۲-۱)

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۲۶۷' صحیح مسلم' طلاق' ۲۰ (۱۴۷۴) ۳۶۱۴' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۱۴' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۳۷۹۵' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۴۲۱)

قرآن مجید کی مذکور الصدر آیت سے یہ واضح ہوگیا کہ حلال کو حرام کرنے پر اللہ تعالیٰ نے قسم کا اطلاق فرمایا ہے اور اس قسم کی بندش کو کھولنے کے لیے کفارہ مقرر فرمایا ہے' بعض روایات میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے نفس پر حرام فرمایا تھا۔

امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ ام المومنین ایک دن اپنے والد کی زیارت کے لیے گئیں اور اس دن حضور کی ان

کے گھر میں باری تھی' جب رسول اللہ ﷺ گھر آئے تو آپ نے ان کو گھر میں نہیں دیکھا' تب آپ نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبطیہ کو بلالیا اور حضرت حفصہ کے حجرہ میں ان سے اپنی خواہش پوری کی اور اسی حالت میں حضرت حفصہ آپہنچیں اور کہنے لگیں' یارسول اللہ! آپ میرے گھر میں اور میری باری میں یہ عمل کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ مجھ پر حرام ہے اور تم یہ کسی کو نہ بتانا' حضرت حفصہ حضرت عائشہ کے پاس گئیں اور ان کو یہ واقعہ بتایا۔ تب سورۂ تحریم کی ایک تا چار آیتیں نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ قسم کا کفارہ دیں اور اپنی باندی سے رجوع کریں۔

(سنن سعید بن منصور' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۰۷' جامع البیان' جز ۲۸' ص ۲۰۱-۲۰۰' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۳۵۳)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حرام کرنا قسم ہے اس کا کفارہ ادا کرے۔ اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں اچھا نمونہ ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۴۹۱۱-۵۲۶۶' صحیح مسلم' طلاق' ۱۸' (۱۴۷۳) ۳۶۱۲' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۰۷۳)

امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

یونس بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری سے سوال کیا گیا ایک شخص نے کہا حلال مجھ پر حرام ہے۔ انہوں نے کہا جب تک وہ اس سے اپنی بیوی کی نیت نہ کرے اس پر قسم کا کفارہ ہے۔

(سنن سعید بن منصور' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۶۸۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' سنن کبریٰ ج ۷' ص ۳۵۱)

عطاء نے کہا جب کوئی شخص یہ کہے کہ اس پر ہر حلال حرام ہے تو یہ قسم ہے' وہ اس کا کفارہ ادا کرے۔

(سنن سعید بن منصور' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۶۸۸)

سعید بن جبیر نے کہا جب کوئی شخص یہ کہے کہ حلال اس پر حرام ہے تو یہ قسم ہے وہ اس کا کفارہ دے۔

(سنن سعید بن منصور' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۶۹۲)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا حرام کرنے قسم ہے۔ (سنن سعید بن منصور' رقم الحدیث: ۱۶۹۳)

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے کہا حرام قسم ہے۔

(سنن سعید بن منصور' رقم الحدیث: ۱۶۹۵)

ابراہیم نخعی نے کہا جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے' اگر اس نے اس قول سے تین طلاق کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی اور ایک طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر کوئی نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے۔ جس کا وہ کفارہ دے گا۔

(سنن سعید بن منصور' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۶۹۹)

حضرت ابن عباس نے فرمایا حرام قسم ہے۔ (سنن سعید بن منصور' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۰۴)

ابراہیم نخعی اور عبیدہ نے کہا جس شخص نے اپنی باندی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو یہ قسم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا۔

(سنن سعید بن منصور' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۰۵)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کیلئے قسم کھائی کہ آپ اپنی باندی سے مقاربت نہیں کریں گے اور فرمایا یہ مجھ پر حرام ہے' تب آپکی قسم کیلئے کفارہ نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپکو یہ حکم دیا کہ آپ کیلئے جو چیز اللہ نے حلال کی ہے آپ اسکو حرام نہ کریں۔ (سنن سعید بن منصور' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۰۸' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۳۵۳)

(مذکور الصدر احادیث اور آثار مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۴۰۲-۳۹۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۷۵-۷۲ سنن کبریٰ للبیھقی ج ۷ ص ۳۵۳-۳۵۰ اور جامع البیان جز ۲۸ ص ۲۰۱-۱۹۸ میں بھی مذکور ہیں اور ان احادیث اور آثار میں اس پر صریح دلیل ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اپنے نفس پر کسی ایسی چیز کو حرام کردیا جس کا وہ مالک نہیں ہے مثلاً کہا: مجھ پر یہ کپڑا یا یہ کھانا حرام ہے تو اس پر وہ چیز حرام نہیں ہوگی اور اس کے لیے اس کو تناول کرنا جائز ہے اور اگر اس نے وہ کپڑا پہن لیا یا وہ کھانا کھالیا تو اس پر کفارہ قسم ہے۔ امام شافعی نے کہا اس پر کفارہ نہیں ہے کیونکہ بیوی اور باندی کے ماسوا میں یہ قسم نہیں ہے اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے (یہ علامہ عینی کا تسامح ہے امام احمد کا قول امام اعظم کے موافق ہے جیسا کہ ہم علامہ ابن قدامہ حنبلی سے نقل کرچکے ہیں۔ سعیدی غفرلہ) اور امام مالک نے کہا جس شخص نے بیوی کے سوا اپنے نفس پر کسی چیز کو حرام کیا تو یہ قسم نہیں ہے اور اس پر کچھ لازم نہیں آتا کیونکہ حلال کو حرام کرنا شریعت کو بدلنا ہے۔ لہٰذا اس سے ایک شرعی عقد (قسم) منعقد نہیں ہوگا ہم کہتے ہیں کہ یہ لفظ حرمت ثابت کرنے کی خبر دیتا ہے ہرچند کہ اس سے بعینہ حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ وہ تو نص قرآن سے ثابت ہوتی ہے لیکن اس سے حرمت لغیرہ ثابت ہوسکتی ہے جو کہ قسم کا تقاضا ہے تو جب ایک عاقل بالغ کے کلام کو صحت پر محمول کرنا ممکن ہے تو اس کلام کو صحت پر محمول کیا جائے گا اور اس سے قسم مراد لی جائے گی اور اس کلام کو لغو نہیں قرار دیا جائے گا اور قسم توڑنے سے اس پر کفارہ لازم ہوگا اور قرآن مجید کی سورۂ تحریم کی آیت ۲-۱ سے صراحتاً ثابت ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے اور صریح آیت کے مقابلہ میں آراء کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(البنایہ شرح الھدایہ ج ۶ ص ۴۰-۳۹ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ فتح القدیر ج ۵ ص ۸۵-۸۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

بیوی سے کہا ”تو مجھ پر حرام ہے“ اس میں مفتی بہ قول

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ ”تو مجھ پر حرام ہے“ تو اس کے متعلق امام اعظم کا مذہب بیان کرتے ہوئے علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں:

اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر دو طلاقوں کی نیت کی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر کچھ نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی تو یہ کلام لغو ہے یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۴۸ صحیح مسلم مع شرح للنووی ج ۶ ص ۴۰۰۷)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اگر اس نے تحریم کی نیت کی یا کوئی نیت نہیں کی تو یہ ایلاء ہے (ایلاء یہ ہے کہ ایک شخص یہ قسم کھائے کہ وہ چار ماہ تک اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کرے گا۔ اگر اس نے قسم پوری کی تو چار ماہ بعد اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور اگر قسم توڑ دی تو اس کو کفارہ قسم دینا ہوگا۔ سعیدی غفرلہ) اور اگر اس نے ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہے اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی ہے تو یہ کلام لغو ہے۔ یہ حکم دیانۃً ہے اور قضاءً یہ ایلاء ہے۔ (یعنی اس کے جھوٹ کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس لیے یہ ایلاء پر محمول کیا جائے گا)

(در مختار علی رد المحتار ج ۲ ص ۵۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتاب الایمان میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے کہا ہر حلال مجھ پر حرام ہے تو یہ قول کھانے پینے پر محمول ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ بغیر نیت کے اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ ہدایہ میں مذکور ہے کہ عرف کی وجہ سے یہ قول کھانے پینے پر محمول ہے، اگر اس نے کھایا یا پیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، اور بغیر نیت کے اس کا یہ قول اس کی بیوی کو شامل نہیں ہو گا اور اگر وہ نیت کرلے تو پھر یہ ایلاء ہے۔ یہ جواب ظاہر الروایہ کے مطابق ہے۔ پھر مشائخ متاخرین کا مختار یہ ہے کہ بغیر نیت کے اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ متن میں جو مذکور ہے کہ اس نے عورت کے حرام ہونے کی نیت کی یا کوئی نیت نہیں کی تو یہ ایلاء ہے، اور اگر اس نے ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہے، اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی تو یہ کلام لغو ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس نے بالخصوص بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے، اس کے برخلاف جب اس نے عام لفظ بولا مثلاً اللہ کا ہر حلال مجھ پر حرام ہے تو یہ قول عرف کی بنا پر کھانے پینے کے ساتھ خاص ہے، اور یہ کلام بیوی کو اس وقت شامل ہو گا جب وہ اس کلام سے بیوی کی نیت کرے، اور فتویٰ متاخرین کے قول پر ہے کہ وہ عام لفظ بولے (مثلاً ہر حلال مجھ پر حرام ہے) یا خاص لفظ بولے (مثلاً بیوی سے کہے تو مجھ پر حرام ہے) ہر صورت میں اس کی بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی۔ (کیونکہ یہ نیا عرف ہے، لوگ طلاق دینے کے لیے یہ کہتے ہیں) اس کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اس قول (تو مجھ پر حرام ہے) میں دو عرف ہیں، ایک عرف اصلی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ قول ایلاء کے معنی میں قسم ہے اور دوسرا عرف نیا ہے اور وہ اس قول سے طلاق کا ارادہ ہے اور فتویٰ نئے عرف پر ہے، کیونکہ ہر عقد کرنے والے اور قسم کھانے والے کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جاتا ہے، خواہ وہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہو۔ جیسا کہ فقہاء نے کہا ہے کہ حاکم اور مفتی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ظاہر الروایہ پر فیصلہ کرے یا فتویٰ دے، اور عرف کو ترک کردے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ اس قول کو طلاق پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ یہی عرف حادث اور مفتی بہ ہے۔ لہٰذا اس قول سے بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی، خواہ کلام عام ہو، مثلاً ہر حلال مجھ پر حرام ہے، یا کلام خاص ہو مثلاً بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے اور یہ قسم نہیں ہے، نہ اس پر کفارہ ہے۔ (ردالمحتار، ج ۲، ص ۵۵۳، ملخصاً و موضحاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

عالمگیری میں مذکور ہے فتویٰ اس پر ہے کہ اس کلام سے بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ اب اس کلام کا غلبہ استعمال ارادہ طلاق میں ہے۔ (عالمگیری، ج ۲، ص ۵۶، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبری بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ)

امام احمد رضا قادری کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۵، ص ۵۶۷، مطبوعہ سنی دار الاشاعت، فیصل آباد، پاکستان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کے دیئے ہوئے حلال پاکیزہ رزق سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو۔ (المائدہ: ۸۸)

افضل یہ ہے کہ کبھی نفس کے جائز تقاضوں کو پورا کرے اور کبھی نہ کرے

ہر چند کہ اس آیت میں اللہ کے دیئے ہوئے حلال رزق سے کھانے کا ذکر ہے، لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو۔ اس میں کھانے پینے کے علاوہ لباس، مکان، سواری اور ازدواج کی نعمتیں شامل ہیں اور بالخصوص کھانے پینے کی نعمتوں کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہ انسان کی اولین اور بنیادی ضرورت ہے۔ کھانے اور لباس میں لذائذ اور مرغوبات کے متعلق بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ ان کو ترک کرنا اور ان سے اعراض کرنا افضل ہے، تاکہ انسان نفسانی خواہشوں

کا غلام نہ بن جائے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جب اللہ نے انسان کو وسعت دی ہو تو اس کو توسع اختیار کرنا چاہیے۔ لذیذ کھانے ' عمدہ لباس ' خوبصورت مکان اور اعلیٰ درجہ کی سواریوں سے متمتع ہونا چاہیے اور اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے اور حق داروں کے حقوق کو ادا کرتا رہے ' تاہم توسط اور اعتدال زیادہ پسندیدہ ہے۔ کبھی مرغوبات نفسی سے حظ حاصل کرے اور کبھی نفس کے تقاضوں کو پورا نہ کرے ' تاکہ فقر اور غنا کے دونوں مرتبوں کا جامع ہو جائے۔

نبی ﷺ کو گھر میں جو مل جاتا تھا وہ آپ کھا لیتے تھے۔ کبھی گوشت اور میٹھی چیزوں کی طرح عمدہ اور لذیذ طعام تناول فرماتے اور کبھی بہت سادہ کھانا کھاتے۔ آپ نمک ' زیتون کے تیل یا سرکہ کے ساتھ جو کی روٹی کھا لیتے تھے۔ کبھی آپ بھوکے رہتے اور پیٹ پر دو دو پتھر باندھ لیتے اور کبھی سیر ہو کر کھانا تناول فرماتے۔ غرض! آپ کی سیرت طیبہ میں تنگ دست اور خوش حال اور غنی اور فقیر سب کے لیے نمونہ ہے۔ آپ طعام سے زیادہ مشروبات کا اہتمام کرتے تھے اور آپ کو ٹھنڈا اور میٹھا پانی بہت پسند تھا ' اور آپ ہر حال میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ خرچ کم کرتے تھے اور نہ فضول خرچ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا (الطلاق: ۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ ہر شخص کو اس کے مطابق مکلف کرتا ہے جتنا اس کو دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا ' سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو ' یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے ' جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھے ' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو ' اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (المائدہ: ۸۹)

مناسبت اور شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے (المائدہ: ۸۷) تو جن مسلمانوں نے اپنے اوپر عورتوں اور گوشت کو حرام کر لیا تھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اب ہماری ان قسموں کا کیا ہو گا جو ہم کھا چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ (الآیہ)

(جامع البیان ' جز ۷ ' ص ۱۹-۱۸ ' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے عورتیں ' گوشت اور رات کی نیند ترک کرنے کی قسمیں کھائی تھیں ' اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان پر کفارہ لازم کر دیا ' یعنی وہ قسم توڑیں اور کفارہ ادا کریں۔

یمین کا لغوی اور اصطلاحی معنی

یمین کے از روئے لغت تین معنی ہیں۔ (۱) قوت (۲) داہنا ہاتھ (۳) قسم

یمین بہ معنی قوت اس آیت میں ہے:

وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ۝ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ۝ (الحاقہ: ۴۵-۴۴)

اور اگر وہ (رسول) کوئی بھی بات ہم پر بنا کر اپنی طرف سے کہتے تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے۔

یمین کا معنی داہنا ہاتھ بھی اس وجہ سے ہے کہ اس میں زیادہ قوت ہوتی ہے۔ یمین بہ معنی دایاں ہاتھ اس آیت میں ہے:

وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ۝ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ۝ (الواقعہ: ۹۱-۹۰)

اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں سے ہو (تو اس سے کہا جائے گا) تجھ پر سلام ہو (تو) دائیں طرف والوں سے ہے۔

یمین کا تیسرا معنی قسم ہے جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے اور قسم پر یمین کا اطلاق اس لیے ہوتا ہے کہ جب لوگ ایک دوسرے کے لیے حلف اٹھاتے تو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتے۔ نیز قسم کے ذریعہ سے قسم کھانے والا اپنے کلام کو قوی اور مؤکد کرتا ہے۔

قسم کھانے کا جواز اور مشروعیت

قسم کھانا شروع ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی قسم کھائی ہے اور نبی ﷺ کو بھی قسم کھانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قسم کھانے کی یہ چند مثالیں ہیں:

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى (النجم: ۱) روشن ستارے کی قسم! جب وہ غروب ہوا۔

لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ (البلد: ۱) میں اس شہر کی قسم فرماتا ہوں۔

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰٮهَا (الشمس: ۱) سورج اور اس کی چمک کی قسم۔

وَالضُّحٰى وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى (الضحی: ۲-۱) چاشت کی قسم! اور رات کی قسم! جب وہ (تاریکی کا) پردہ ڈالے۔

اور نبی ﷺ کو ان آیات میں قسم کھانے کا حکم دیا ہے:

وَيَسۡتَنۡۢبِئُوۡنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلۡ اِىۡ وَرَبِّىۡۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ (یونس: ۵۳)

اور آپ سے پوچھتے ہیں کیا واقعی وہ (دائمی عذاب) برحق ہے؟ آپ کہئے' ہاں! میرے رب کی قسم! وہ برحق ہے اور تم (میرے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَاۡتِيۡنَا السَّاعَةُ ؕ قُلۡ بَلٰى وَرَبِّىۡ لَتَاۡتِيَنَّكُمۡ عٰلِمِ الۡغَيۡبِ (سبا: ۳)

اور کافروں نے کہا ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کہئے میرے رب عالم الغیب کی قسم! وہ ضرور تم پر آئے گی۔

زَعَمَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ يُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰى وَرَبِّىۡ لَتُبۡعَثُنَّ (التغابن: ۷)

کافروں نے اپنے فاسد گمان سے کہا: وہ مرنے کے بعد ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے' آپ کہئے کیوں نہیں! میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔

احادیث میں نبی ﷺ کے قسم کھانے کا ذکر ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ سے سواری طلب کی۔ آپ نے فرمایا تمہیں سوار کرنے کے لیے میرے پاس سواری نہیں ہے۔ خدا کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا' پھر رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف چتکبرے کوہان والے تین اونٹ بھیجے۔ ہم نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری طلب کرنے گئے تھے تو

آپ نے قسم کھائی تھی کہ ہم کو سواری نہیں دیں گے‘ ہم نے آپ کے پاس جاکر آپ کو اس قسم کی خبر دی‘ آپ نے فرمایا میں جب بھی کسی چیز کی قسم کھاتا ہوں پھر اس کے غیر کو بہتر سمجھتا ہوں تو میں وہی کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم‘ الایمان‘ ۱۰ (۱۶۴۹) ۴۱۹۰‘ صحیح البخاری‘ ج ۵‘ رقم الحدیث: ۴۳۸۵‘ ج ۷‘ رقم الحدیث: ۷۵۵۵‘ سنن نسائی‘ ج ۷‘ رقم الحدیث: ۳۷۸۰‘ مسند احمد‘ ج ۷‘ رقم الحدیث: ۱۹۵۳۶)

جھوٹ کا خدشہ نہ ہو تو زیادہ قسمیں کھانے کا جواز

فقہاء کے نزدیک ہرچند کہ قسم کھانا مباح ہے لیکن بہ کثرت قسم کھانا مکروہ ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ قسم کھانے کی مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ (القلم: ۱۰) اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا انتہائی ذلیل ہے۔

لیکن اگر بہ افراط قسمیں نہ کھائی جائیں تو پھر قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بلا کراہت جائز ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قسم کھانا مطلقاً مکروہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اور اللہ (کے نام) کو تم اپنی قسموں کے لیے بہانہ نہ بناؤ۔

(البقرہ: ۲۲۴)

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ بہت قسم کھاتے تھے‘ بعض اوقات ایک حدیث میں کئی قسمیں ہوتی ہیں۔

آپ نے خطبہ کسوف میں فرمایا اے محمد کی امت! اللہ کی قسم! اللہ سے زیادہ اس پر کوئی غیرت دار نہیں ہے کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے‘ اے امت محمد! اللہ کی قسم! اگر تم وہ چیزیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور روؤ زیادہ۔

(صحیح البخاری‘ ج ۱‘ رقم الحدیث: ۱۰۴۴‘ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت)

آپ نے ترک دنیا کرنے کا ارادہ کرنے والے صحابہ سے فرمایا سنو! خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں‘ لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔

(صحیح البخاری‘ ج ۶‘ رقم الحدیث: ۵۰۶۳)

آپ نے ابوطالب سے اس کے مرتے وقت فرمایا سنو! اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے تمہاری استغفار سے منع نہ کیا جائے۔ (صحیح البخاری‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۱۳۶۰)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا‘ اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا‘ اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا۔ پھر فرمایا ان شاء اللہ۔

(سنن ابوداؤد‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۳۲۸۵)

اس ایک حدیث میں نبی ﷺ نے تین بار قسم کھائی ہے۔

اور بہ افراط قسمیں کھانا اس لیے مکروہ ہے کہ اس میں یہ خدشہ ہے کہ انسان کسی جھوٹ پر اللہ کی قسم کھالے اور مانعین نے جو آیت پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کی دلیل نہیں ہے‘ کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ (البقرہ: ۲۲۴) اللہ کے نام کو اپنی ایسی قسموں کے لیے بہانہ نہ بناؤ جن سے مقصد نیکی‘ خدا خوفی اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے سے باز

رہتا ہو۔

یعنی کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ وہ نیکی نہیں کرے گا' خدا خوفی نہیں کرے گا اور لوگوں کے درمیان صلح نہیں کرائے گا' پھر اور نیک کاموں سے یہ کہہ کر باز رہے کہ میں تو یہ کام نہ کرنے کی قسم کھا چکا ہوں' سو ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ نیکی کر کے قسم توڑے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی چیز کی قسم کھائی' پھر وہ اس چیز کے خلاف کرنے کو بہتر جانے تو وہ اس قسم کے خلاف کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔

(صحیح مسلم' ایمان' ۱۱' (۱۶۵۰) ۴۱۹۲)

فی نفسہ قسموں کی اقسام

فی نفسہ قسموں کی پانچ اقسام ہیں۔ واجب' مستحب' مباح' مکروہ اور حرام

واجب: اگر کسی بے قصور مسلمان کو قتل یا ہلاکت سے بچانا قسم کھانے پر موقوف ہو تو قسم کھانا واجب ہے۔

حضرت سوید بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ سے نکلے' ہمارے ساتھ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بھی تھے' ساتھیوں نے قسم کھانے میں ناگواری محسوس کی اور میں نے قسم کھالی! کہ یہ میرے بھائی ہیں تو دشمن نے ان کو چھوڑ دیا۔ پس ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے' میں نے بتایا کہ ساتھیوں نے قسم کھانے میں ناگواری محسوس کی تھی' اور میں نے قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا: مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۵۶' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۱۹' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۶۷۲۶' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۴' ص ۷۹' طبع قدیم)

مستحب: جب دو مسلمانوں میں رنجش ہو اور ان میں صلح کرانا قسم کھانے پر موقوف ہو' یا کسی مسلمان کے دل سے کینہ کو زائل کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو' یا کسی شر کو رفع کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو' تو ان صورتوں میں قسم کھانا مستحب ہے۔ اسی طرح کسی عبادت کے کرنے یا کسی گناہ کے ترک کرنے پر قسم کھانا مستحب ہے۔

مباح: کسی مباح کام کے کرنے یا اس کو ترک کرنے پر قسم کھانا مباح ہے' جس خبر کے صادق ہونے کا یقین ہو' یا اس کے صدق کا غلبہ ظن ہو' اس پر قسم کھانا بھی مباح ہے۔

مکروہ: کسی مکروہ کام کے کرنے پر' یا کسی مستحب کام کے ترک پر قسم کھائی جائے تو یہ قسم مکروہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں شامل تھے' حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت مسطح کو خرچ دیتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس تہمت سے برائت بیان کر دی' تو حضرت ابوبکر نے قسم کھائی کہ وہ پہلے جو حضرت مسطح کو خرچ دے کر ان کی مدد کرتے تھے وہ اب بند کر دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے جو لوگ صاحب وسعت اور خوش حال ہیں وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (کچھ) نہیں دیں گے' ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کار خیر کو ترک کرنے کی قسم کھانا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔

حرام: جھوٹی قسم کھانا اور خلاف واقع قسم کھانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (المجادلہ: ۱۴-۱۵)

اور منافق جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں ○ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' بے شک وہ (دنیا میں) بہت برا کام کرتے تھے۔

اسی طرح معصیت پر اور ترک واجب پر قسم کھانا حرام ہے۔ مثلاً کوئی شخص ناجائز کام کرنے کے لیے قسم کھائے تو یہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران: ۷۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ اللہ ان سے قیامت کے دن کلام فرمائے گا' اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا' اور نہ ان کو پاک کرے گا' اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے۔

اپنا حق ثابت کرنے کے لیے قسم کھانے کے متعلق فقہاء کے نظریات

جب حاکم کے سامنے اپنے حقوق پر قسم کھانی ہو تو اس میں فقہاء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنا حق ترک کر دیا جائے اور قسم نہ کھائی جائے اور یہ اولیٰ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اپنے حق پر قسم کھانا جائز ہے۔ پہلی رائے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت مقداد میں اس رقم کے متعلق اختلاف تھا' جو حضرت عثمان سے قرض لی تھی۔ چونکہ حضرت عثمان کے پاس گواہ نہیں تھے' اس لیے حضرت عمر نے حضرت مقداد پر قسم لازم کی۔ حضرت مقداد نے حضرت عثمان پر قسم لوٹا دی۔ حضرت عثمان نے قسم کھانے کی بجائے ان کے قول کے مطابق رقم لے لی اور خود قسم نہیں کھائی۔ اور فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ مقداد پر کوئی مصیبت آئے اور وہ کہے کہ یہ مصیبت عثمان کی قسم کی وجہ سے آئی ہے۔ سو دونوں صحابہ نے قسم پر اپنا حق چھوڑنے کو ترجیح دی' اور دوسرے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ محمد بن کعب القرظی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے تھے اور آپ کے ہاتھ میں عصا تھا۔ آپ نے فرمایا اے لوگو! قسم کھانے کی وجہ سے اپنے حقوق نہ چھوڑنا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! بے شک میرے ہاتھ میں عصا ہے' اور عمر بن شبہ نے کتاب قضاۃ البصرۃ میں اپنی سند کے ساتھ شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابی رضی اللہ عنہما نے ایک کھجور کے درخت کے متعلق حضرت زید بن ثابت کے پاس مقدمہ دائر کیا۔ حضرت ابی بن کعب کا اس درخت پر دعویٰ تھا' تو حضرت عمر پر قسم آئی۔ حضرت زید نے کہا تم امیر المومنین سے قسم کو معاف کر دو' حضرت عمر نے فرمایا امیر المومنین کو کیوں معاف کیا جائے؟ اگر مجھے معلوم ہو کہ کسی چیز پر میرا حق ہے اور قسم کھانے سے مجھے وہ حق مل جائے گا تو میں ضرور قسم کھاؤں گا' ورنہ میں قسم کو ترک کر دوں گا' اور اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے یہ کھجور کا درخت میرا درخت ہے اور اس پر ابی کا کوئی حق نہیں ہے۔

جب وہ دونوں عدالت سے نکلے تو حضرت عمر نے وہ درخت ابی کو بخش دیا۔ ان سے کہا گیا اے امیر المومنین! آپ نے قسم کھانے سے پہلے ابی کو درخت کیوں نہیں دے دیا' حضرت عمر نے کہا مجھے یہ خوف تھا کہ اگر میں نے قسم نہیں کھائی تو لوگ میرے بعد اپنے حقوق پر قسم نہیں کھائیں گے اور یہی طریقہ مقرر ہو جائے گا' اور یہ حق پر سچی قسم ہے تو جس طرح یہ قسم حاکم کے علاوہ

دوسروں کے سامنے کھانا جائز ہے' وہ حاکم کے سامنے بھی جائز ہے۔ (المغنی' ج ۹' ص ۳۸۹-۳۸۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت ۱۴۰۵ھ)

قسم کھانے کا طریقہ

قسم اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کے اسماء میں سے کسی اسم یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی کھائی جاتی ہے۔ مثلاً اس طرح قسم کھائے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' یا اس ذات کی قسم جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ نبی ﷺ اس طرح قسم کھاتے تھے' اس ذات کی قسم محمد کی جان جس کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مثلاً یہ ہیں اللہ' رحمن' رحیم' خالق' باری' رزاق' رب وغیرہ۔ ان اسماء کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے اور اللہ کی صفات یہ ہیں' اللہ کی عظمت' اللہ کا جلال' اللہ کی قدرت' اللہ کا علم' اللہ کا کلام وغیرہ۔ نبی ﷺ یوں قسم کھاتے تھے "لا ومقلب القلوب" دلوں کے پلٹنے والے کی قسم۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۷۳۹۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۰۹۲) اگر کسی شخص نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں' اس میں اگر وہ قسم کی نیت کرے گا تو قسم ہے' ورنہ نہیں۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی تحقیق

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سواروں کی ایک جماعت میں اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ندا کر کے فرمایا: سنو! اللہ تمہیں تمہارے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ سو جس شخص نے قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے' ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۱۰۸' صحیح مسلم' الایمان' ۳' (۱۶۴۶) ۴۱۷۸)

غیر اللہ کی قسم سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جائے اس کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اور حقیقی تعظیم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے' اس لیے غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہ نہیں کیا جائے گا۔ نیز! جس کی قسم کھائی جائے اس کو گواہ بنایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی یہ شان نہیں کہ وہ ہر وقت ہر چیز پر گواہ ہو۔ اس لیے اللہ کے سوا اور کسی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میں سو مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر اس کو توڑ دوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں ایک بار غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کروں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کی قسم کھائی ہے' مثلاً فرمایا: والطور (الطور: ۱) پہاڑ طور کی قسم! اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حکم کا پابند نہیں ہے۔ وہ مالک علی الاطلاق ہے' جو چاہے کرے' اس پر کوئی سوال یا اعتراض نہیں ہے اور پہاڑ طور' درخت انجیر وغیرہ کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی فضیلت ظاہر کی ہے۔ نیز یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی ذات پر گواہ ہیں۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کیا اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانا مکروہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے' اور عام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے' اور ہمارے زمانہ میں فقہاء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور حدیث میں ممانعت اس پر محمول ہے جب اس قصد سے غیر اللہ کی قسم کھائے کہ اگر قسم پوری نہیں کی تو وہ حانث ہوگا اور اس کا کفارہ ادا کرے گا' اور جب یہ قصد نہ ہو تو پھر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے' جیسے کوئی کہے کہ تمہارے باپ کی قسم! یا تمہاری زندگی کی قسم!

(در مختار علی ہامش رد المحتار' ج ۳' ص ۴۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارے زمانہ میں چونکہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کرنے میں تساہل برتتے ہیں' اس لیے لوگ تاکید اور توثیق کے لیے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تم طلاق کی قسم کھاؤ' مثلاً اگر میں نے فلاں تاریخ کو فلاں کام نہ کیا تو میری بیوی کو طلاق' توثیق کے حصول کے لیے طلاق کی قسم کھائی جاتی ہے۔ اس میں حرف قسم نہیں ہوتا' اور کبھی حرف قسم کے ساتھ باپ یا زندگی کی قسم کھائی جاتی ہے اس لیے توثیق مطلوب نہیں ہوتی' اور نہ اس میں قسم پوری نہ کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ جس کی قسم کھائی جائے صرف اس کے ساتھ تعلق اور محبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے' اور اگر طلب توثیق کے لیے حرف قسم کے ساتھ غیر اللہ کی قسم کھائی جائے تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے' کیونکہ اس میں غیر اللہ کو تعظیم میں اللہ کے ساتھ مشابہ کرنا ہے۔

(ردالمحتار' ج ۳' ص ۴۷-۴۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

یمین لغو کی تعریف

ازہری نے کہا ہے: کہ لغو کے کلام عرب میں دو معنی ہیں۔ ایک معنی بے فائدہ اور باطل کلام جس سے کوئی عقد نہ کیا جائے۔ دوسرا معنی ہے فحش اور بے ہودہ کلام' جو گناہ کا موجب ہو۔ قرآن مجید میں ہے (لا یسمعون فیها لغوا الا سلما) (مریم: ۶۲) وہ جنت میں کوئی فضول اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے' بجز سلام کے۔

علامہ ابو اسحق ابراہیم بن علی شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس شخص کا ارادہ قسم کھانے کا نہ ہو اور بلاقصد اس کی زبان پر قسم کے الفاظ آجائیں' یا وہ شخص کسی چیز پر قسم کھانے کا ارادہ کرے اور اس کی زبان سے کوئی اور چیز نکل جائے تو یہ یمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا اور حضرت ابن عمر' ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کہے' نہیں' خدا کی قسم! ہاں خدا کی قسم! اور جو چیز زبان پر بلاقصد آجائے اس میں مواخذہ نہیں ہوتا' جیسے سبقت لسان سے کلمہ کفر نکل جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ (المہذب' ج ۲' ص ۱۲۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی قرطبی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

انسان کو گمان ہو کہ یقینی طور پر فلاں واقعہ ہوا اور وہ اس پر قسم کھالے اور درحقیقت واقعہ اس کے خلاف ہو تو یہ یمین لغو ہے۔ اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ ہے۔ (بدایۃ المجتہد' ج ۱' ص ۲۹۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص اپنے گمان کے مطابق کسی چیز پر قسم کھائے اور وہ اس کے گمان کے مطابق نہ ہو تو یہ یمین لغو ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابو مالک' حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے۔ حسن بصری' نخعی' امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام اوزاعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ اس میں کفارہ ہے۔ امام احمد سے بھی ایک یہی روایت ہے۔

(المغنی' ج ۹' ص ۳۹۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص ماضی کے کسی واقعہ پر قسم کھائے اور اس کے گمان میں وہ واقعہ اسی طرح ہو اور درحقیقت واقعہ اس کے برخلاف ہو تو یہ یمین لغو ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے مواخذہ نہیں فرمائے گا اور ایک شخص کے متعلق

قسم کھائے کہ یہ زید ہے اور اس کا یہی گمان ہو اور وہ درحقیقت عمرو ہو تو یہ بھی یمین لغو ہے۔
(ھدایہ اولین' ص ۴۷۹-۴۷۸' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

یمین منعقدہ کی تعریف

مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی جائے تو یہ یمین منعقدہ ہے۔ اس قسم کو پورا کرنا لازم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ (المائدہ: ۸۹) اور جب اس قسم کو توڑے تو اس کا کفارہ دینا لازم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن اللہ تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا۔ سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے۔ الآیہ (المائدہ: ۸۹) اس قسم میں کفارہ بالاتفاق مقرر ہے' خواہ کسی طاعت پر قسم کھائی ہو یا کسی معصیت پر' لیکن اگر اس نے کسی معصیت پر قسم کھائی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ معصیت نہ کرے اور اس قسم کا کفارہ دے' جیسا کہ ہم اس سے پہلے (صحیح مسلم' ایمان' ۱۱ (۱۶۵۰) ۴۱۹۲) کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک قسم توڑنے پر کفارہ لازم ہے' خواہ اس نے عمداً قسم توڑی ہو' یا بھول کر' یا خطاء سے' یا جبر سے' کیونکہ قرآن مجید نے قسم توڑنے پر مطلقاً کفارہ لازم کیا ہے' اور اس میں عمد اور نسیان کا فرق نہیں کیا۔

(بدایۃ المجتہد' ج ۱' ص ۳۰۴' بدائع الصنائع' ج ۳' ص ۱۷)

امام شافعی اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نسیان' خطا یا جبر سے قسم توڑ دی' تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔
(المہذب' ج ۲' ص ۱۲۸' المغنی' ج ۹' ص ۳۹۱)

امام شافعی اور امام احمد کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت سے خطا' نسیان' اور جبر سے مواخذہ اٹھالیا گیا ہے۔ (المعجم الاوسط' ج ۹' رقم الحدیث: ۸۲۷۹' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۱۵ھ)

یمین غموس کی تعریف

ماضی یا حال کے کسی واقعہ پر عمداً جھوٹی قسم کھائی جائے تو یہ یمین غموس ہے اور اس کے ارتکاب پر جھوٹی قسم کھانے والا عذاب کا مستحق ہو گا۔ اس میں کفارہ نہیں ہے اس پر توبہ لازم ہے' کیونکہ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ پر توبہ لازم ہے۔ فقہاء احناف' فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنبلیہ کا یہی مذہب ہے۔

(بدائع الصنائع' ج ۳' ص ۱۵' الشرح الکبیر علی حاشیۃ الدسوقی' ج ۲' ص ۱۲۸' المغنی ج ۹' ص ۳۹۲)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قسم کھائی اور وہ اس میں جھوٹا تھا تاکہ کسی مسلمان شخص کے مال کو حاصل کرے تو اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔
(صحیح مسلم' ایمان' ۲۱۸ (۱۳۷) ۳۳۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۳۲۴' سنن الدارمی' رقم الحدیث: ۲۵۰۵' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۵۰۸۷' مسند احمد' ج ۵' ص ۲۶۰' سنن کبریٰ' ج ۱۰' ص ۱۷۹)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کوئی فیصلہ کروایا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۲۴۲' مسند احمد' ج ۴' ص ۴۴۱-۴۳۶)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا' ماں باپ کی

نافرمانی کرنا یا فرمایا: یمین غموس (جھوٹی قسم) اور شعبہ کہتے ہیں آپ نے فرمایا: کبائر یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا' یمین غموس' ماں باپ کی نافرمانی کرنا یا فرمایا: کسی کو قتل کرنا۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۶۸۷۰' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۰۳۲' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۴۰۲۲' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۵۵۶۲' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۰۱)

امام شافعی کے نزدیک یمین غموس میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور یمین غموس میں جھوٹ کا گناہ کفارہ سے ساقط ہو جاتا ہے' جیسے یمین منعقدہ میں قسم توڑنے کا گناہ کفارہ سے ساقط ہوتا ہے۔ (المہذب' ج ۲' ص ۱۲۸)

کفارہ قسم کی مشروعیت

کفارہ کا لفظ کفر سے مشتق ہے' کفر کا معنی ہے ستر اور ڈھانپنا' سو قسم توڑنے کی وجہ سے جس گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے کفارہ اس گناہ کو ڈھانپ لیتا ہے۔ کفارہ کی مشروعیت سورۂ مائدہ کی زیر تفسیر آیت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو' یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے' جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے' جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو (المائدہ: ۸۹) اور حسب ذیل حدیث سے بھی کفارہ کی مشروعیت ثابت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی' پھر وہ اس کے خلاف کرنے کو بہتر جانے' تو وہ اس قسم کے خلاف کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔

(صحیح مسلم' ایمان' ۱۱' (۱۶۵۰) ۴۱۹۲)

کفارۂ قسم کے احکام میں مذاہب ائمہ

قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ کفارہ قسم میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے' یا ان کو کپڑے پہنانا ہے اور یا غلام آزاد کرنا ہے' اور جو شخص ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

فقہاء احناف کے نزدیک کھانا کھلانے سے مراد یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا پیش کر دیا جائے اور ان کو کھانے کی اجازت دی جائے' اس کو اصطلاح میں اباحت کہتے ہیں۔ اس سے مراد ان کو اس کھانے کا مالک بنانا نہیں ہے' اور باقی فقہاء کے نزدیک اس طعام کا مالک بنانا ضروری ہے۔ کھانے کی مقدار میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی' امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ہر مسکین کو ایک کلو گرام گندم دی جائے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر مسکین کو دو کلو گندم یا چار کلو کھجور یا جو دیئے جائیں یا ان کی قیمت دی جائے۔

اگر ایک مسکین کو دس روز صبح و شام کھانا کھلایا جائے یا دس دن تک ہر روز اس کو دو کلو گندم یا اس کی قیمت دی جائے تو یہ جائز ہے' لیکن اگر ایک مسکین کو ایک دن میں بہ یک وقت دس آدمیوں کا کھانا دے دیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دس مسکینوں کی بھوک مٹانے کا حکم دیا ہے' خواہ بہ یک وقت یا دس دنوں میں اور یہ مقصود اس صورت میں حاصل نہیں ہو گا۔

جن مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے وہ مسلمان ہوں۔ فقہاء احناف کے نزدیک ذمی کو بھی کھانا کھلایا جا سکتا ہے' اور باقی فقہاء کے نزدیک کافر کو قسم کا کفارہ کھلانا جائز نہیں ہے۔

اگر کفارہ میں کپڑے دیئے جائیں تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی ان کا مالک بنانا ضروری ہے' بخلاف کھانا کھلانے کے'

کیونکہ اس سے مقصود بھوک کو مٹانا ہے اور وہ فقط کھانے کی اجازت سے بھی مٹ جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اتنا کپڑا ہونا چاہیے جس سے عام بدن چھپ جائے اور امام احمد کے نزدیک جتنی مقدار سے نماز جائز ہو جائے اور امام مالک کے نزدیک جتنے کپڑے سے تمام بدن چھپ جائے اور امام شافعی کے نزدیک کپڑے کا اطلاق دو چادروں پر ہوتا ہے' یہ مقدار ضروری ہے' ورنہ مردوں کو قمیص' شلوار اور ٹوپی دی جائے اور عورتوں کو قمیص' شلوار اور دوپٹہ۔

اس دور میں غلامی کا رواج ختم ہو گیا ہے' اس لیے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ضابطہ یہ ہے کہ ایسا غلام آزاد کیا جائے جو کامل الاعضاء ہو اور عیب دار نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ غلام عام ہے' مومن ہو یا کافر' کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے او تحریر رقبۃ (المائدہ: ۸۹) اور اس کو کسی قید سے مقید نہیں کیا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے' کیونکہ کفارہ قتل خطا میں فرمایا ہے۔ فتحریر رقبۃ مؤمنۃ (النساء: ۹۲) ائمہ ثلاثہ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کا اصول یہ ہے کہ جب مطلق اور مقید دو الگ الگ احکام میں ذکر کیے جائیں تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جاتا اور جس حکم میں کوئی چیز مطلق ذکر کی گئی ہے وہاں اس کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا' اور جہاں اس کو مقید ذکر کیا ہے وہاں اس کی تقیید پر عمل ہوگا۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر قسم توڑنے والا دس مسکینوں کو کھانا کھلانے یا ان کو کپڑے پہنانے یا غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو' تو وہ تین دن کے روزے رکھے گا۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مسلسل تین دن کے روزے رکھنا ضروری نہیں ہے' لیکن اگر اس نے لگاتار تین دن کے روزے رکھے تو یہ مستحب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے فصیام ثلاثۃ ایام (المائدہ: ۸۹) اور امام اعظم ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک لگاتار تین روزے رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ہے فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات ہر چند کہ یہ قرأت متواتر نہیں ہے' لیکن یہ آیت خبر واحد اور آپ سے روایت کے درجہ میں ہے اور خبر واحد حجت ہوتی ہے اور اس سے قرآن کے کسی حکم میں زیادتی ہو سکتی ہے۔ جس طرح عمداً روزہ توڑنے کے کفارہ میں جو ساٹھ روزے لگاتار رکھے جاتے ہیں' ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور ان کا لگاتار رکھنا صرف حدیث سے ثابت ہے۔ سو اسی طرح اس کا حکم ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد' ج ۴' ص ۱۹۵-۱۹۳' المہذب' ج ۲' ص ۱۴۲-۱۴۰' بدایۃ المجتہد' ج ۲' ص ۱۰۷-۱۰۵' رد المحتار' ج ۳' ص ۶۲-۶۰' فتح القدیر' ج ۵' ص ۹۱-۷۵)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا

محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۞ شیطان

يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ

صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کرے اور تمہیں

وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے

مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ

والے ہو ○ اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور محتاط رہو، پھر اگر تم نے

تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى

حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صرف احکام کو صاف طور سے پہنچا دینا ہے ○ ایمان والے اور

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا

نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھا پی چکے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ اللہ

وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ

سے ڈرتے رہے اور ایمان پر برقرار رہے اور نیک عمل کرتے رہے، پھر اللہ سے ڈرتے رہے اور بدستور ایمان پر قائم رہے پھر اللہ

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

سے ڈرتے رہے اور اچھے کام کرتے رہے اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟ (المائدہ: ۹۱-۹۰)

مشکل الفاظ کے معانی

خمر: انگور کا کچا شیرہ، جو پڑے پڑے سڑ کر بدبودار ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، اس کو خمر کہتے ہیں۔ خمر کا معنی ہے ڈھانپنا اور نشہ انسان کی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔

میسر: ہر وہ عقد جس کی رو سے ہارنے والا جیتنے والے کو ایک معین اور پہلے سے طے شدہ رقم ادا کرے، اس کو میسر کہتے ہیں۔ میسر یسر سے بنا ہے، اور جوئے کے ذریعے جیتنے والے فریق کو ہارنے والے فریق کی رقم آسانی سے مل جاتی ہے۔ اس لیے اس کو میسر کہتے ہیں۔

ازلام: تیروں کی ہیئت کی پتلی پتلی لکڑیاں، ان سے زمانہ جاہلیت میں قسمت کا حال اور شگون معلوم کرتے تھے اور فال نکالتے تھے۔

انصاب: بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر جن کی عبادت کی جاتی تھی اور بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان پر جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ (المفردات، ج ۲، ص ۶۳۸)

رجس: جو چیز حسایا معنا گندی اور ناپاک ہو، انسان کی طبیعت اس سے گھن کھائے یا عقل اس کو برا جانے یا شریعت نے اس کو ناپاک قرار دیا ہو۔

شراب کی تحریم کے متعلق احادیث

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن قیس بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے۔ مسلمانوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہئے کہ اس میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (وقتی) فائدے ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدوں سے زیادہ بڑا ہے۔ (البقرہ: ۲۱۹) تو لوگوں نے کہا اس میں ہمارے لیے رخصت ہے، ہم شراب پییں گے اور جوا کھیلیں گے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں گے، حتیٰ کہ ایک شخص نے سورۂ کافرون کی پہلی آیت اس طرح پڑھی "قل یایها الکفرون اعبد ما تعبدون۔ آپ کہئے کہ اے کافرو! میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور ان کو پتا نہیں چلا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! تم نماز کے قریب مت جاؤ درآنحالیکہ تم نشہ میں ہو۔ (النساء: ۴۳) پھر بھی لوگ شراب پیتے رہے اور جب نماز کا وقت آتا تو شراب پینا چھوڑ دیتے اور اس وقت نماز پڑھتے جب انہیں علم ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں وہ اسی معمول پر برقرار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں..... کیا تم باز آنے والے ہو، تو مسلمانوں نے کہا اے رب! ہم باز آگئے۔

(جامع البیان، جز ۷، ص ۴۵، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری وجہ سے کئی آیات نازل ہوئی ہیں، ایک (لقمان: ۱۵) ہے۔ دوسری (انفال: ۱) ہے۔ (حضرت سعد نے ان کی تفصیل بیان کی ہے۔ سعیدی غفرلہ) (اور ایک یہ آیت ہے اس کی تفصیل یہ ہے) میں مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کے پاس گیا، انہوں نے کہا چلو ہم تمہیں کچھ کھلائیں اور شراب پلائیں اور یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، میں ان کے ساتھ باغ میں گیا۔ وہاں ان کے پاس ایک اونٹ کا بھنا ہوا سر تھا اور ایک مشک میں شراب تھی۔ میں نے اس میں سے کھایا اور شراب پی، پھر ان کے درمیان مہاجرین اور انصار کا ذکر چھڑ گیا۔ میں نے کہا مہاجرین انصار سے زیادہ اچھے ہیں، ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی میری ناک پر ماری جس سے میری ناک زخمی ہو گئی، میں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی۔ تب اللہ عزوجل نے میری وجہ سے شراب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں۔ الآیہ۔

(صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، ۴۳، (۱۷۴۸) ۶۱۲۱، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۵۶۷۔ ۱۶۱۴، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۲۸۵)

امام محمد بن جعفر بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مجلس شراب میں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے، اس وقت شراب حلال تھی۔ اچانک میں اٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام پیش کیا اس وقت شراب کی تحریم کے متعلق یہ

آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں۔ (المائدہ: ۹۰) اور اس کے آخر میں تھا' کیا تم باز آنے والے ہو؟ میں اپنے اصحاب کے پاس گیا اور ان پر یہ دو آیتیں پڑھیں۔ بعض کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا جس سے انہوں نے شراب پی لی تھی اور بعض کی شراب برتن میں تھی' انہوں نے گلاس سے شراب انڈیل دی اور برتن کی شراب بہادی اور کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم باز آگئے۔ اے ہمارے رب! ہم باز آگئے۔ (جامع البیان' جز۷' ص ۴۷' المستدرک' ج ۴' ص ۱۴۱' السنن الکبریٰ' ج ۸' ص ۲۸۶-۲۸۵)

خمر کی حقیقت میں مذاہب فقہاء

قرآن مجید' احادیث متواترہ اور اجماع فقہاء سے خمر حرام ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حقیقت میں خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں' جو پڑے پڑے سڑ کر جھاگ چھوڑ دے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں لغت میں خمر کا یہی معنی ہے اور یہی حقیقت ہے۔ البتہ! مجازاً ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا جاتا ہے۔ احادیث اور آثار میں جہاں ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا گیا ہے وہ اطلاق مجازی ہے۔ اس کے برعکس ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ خمر کا معنی ڈھانپنا ہے۔ شراب کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور ہر نشہ آور مشروب حقیقتاً خمر ہے۔ اب ہم لغت کے حوالوں سے خمر کا معنی بیان کرتے ہیں۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں' جو نشہ آور ہو' کیونکہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ابو حنیفہ دینوری نے کہا کہ دانوں سے جو شراب بنائی جاتی ہے' اس کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا میرے گمان میں یہ علامہ دینوری کا تسامح ہے کیونکہ خمر کی حقیقت انگور ہیں' نہ کہ دوسری اشیاء اور عرب انگوروں کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا میرے گمان میں انگوروں کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ خمر انگوروں سے بنائی جاتی ہے۔ ابو حنیفہ دینوری نے اس قول کی حکایت کی ہے اور کہا: کہ یہ یمن کی لغت ہے۔ نیز! انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے انی ارانی اعصر خمرا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خمر نچوڑ رہا ہوں یہاں خمر سے مراد انگور ہیں۔ ابن عرفہ نے کہا کہ خمر نچوڑنے کا معنی ہے انگور نچوڑ کر خمر حاصل کرنا اور جب انگور نچوڑ لیے جائیں تو اس سے خمر حاصل ہوتی ہے' اس لیے اس نے کہا میں خمر نچوڑ رہا ہوں۔ ابو حنیفہ نے بعض راویوں سے نقل کیا کہ انہوں نے یمن کے ایک شخص کو دیکھا جو انگور اٹھائے جا رہا تھا' انہوں نے اس سے پوچھا تم نے کیا اٹھایا ہوا ہے؟ اس نے کہا خمر سو اس نے انگوروں پر خمر کا اطلاق کیا۔

(لسان العرب' ج ۴' ص ۲۵۵' مطبوعہ ایران' تاج العروس' ج ۳' ص ۱۸۷-۱۸۶' مطبوعہ مطبعہ خیریہ' مصر' اقرب الموارد' ج ۱' ص ۳۰۱' مطبوعہ ایران)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک خمر کی تعریف یہ ہے' انگور کا کچا پانی جب نشہ آور ہو جائے۔ اہل لغت اور اہل علم کے نزدیک بھی خمر کا یہی معنی معروف ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ہر نشہ آور چیز کو خمر کہتے ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔

(صحیح مسلم الاشربہ' ۶۷' (۲۰۰۱) ۵۱۱۳' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۴۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۶۸۲' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۵۵۹۴)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے خمر ان دو درختوں سے (بنائی جاتی) ہے یہ فرما کر آپ نے انگور کی بیل اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔

(صحیح مسلم' الاشربہ' ۱۳' (۱۹۸۵) ۵۰۵۰' ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۶۷۸' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۵۵۷۴-۵۵۷۳-۵۵۷۲)

نیز خمر کا لفظ مخامرۃ العقل سے بنا ہے اور یہ وجہ اشتقاق ہر نشہ آور چیز میں پائی جاتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ انگور کے نشہ آور شیرہ کو خمر کہتے ہیں۔ اسی بناء پر خمر کا استعمال صرف اس معنی میں مشہور ہے۔ نیز خمر کی حرمت قطعی ہے اور باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے۔ اور ان کی حرمت کے دلائل بھی ظنی ہیں اور باقی نشہ آور مشروبات کو جو خمر کہا جاتا ہے' وہ مخامرۃ العقل کی وجہ سے نہیں کہا جاتا' بلکہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کا ذائقہ بھی خمر کی طرح کڑوا ہوتا ہے (یعنی یہ اطلاق بطور مجاز و استعارہ ہے) نیز اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خمر کا لفظ مخامرۃ العقل سے مشتق ہے' تب بھی یہ وجہ اشتقاق اس بات کے منافی نہیں ہے کہ خمر انگور کے ساتھ مخصوص ہو' کیونکہ نجم کا لفظ نجوم سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ظہور ہے' اس کے باوجود نجم کا لفظ ثریا کے ساتھ مخصوص ہے اور ہر ظاہر چیز کو نجم نہیں کہا جاتا۔ ائمہ ثلاثہ نے جو پہلی حدیث پیش کی ہے (ہر نشہ آور چیز خمر ہے) اس کو یحییٰ بن معین نے مطعون قرار دیا ہے۔ (یحییٰ بن معین نے کہا یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور یحییٰ بن معین امام' حافظ اور ثقہ ہیں' حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل نے کہا جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ پہچانتے ہوں' وہ حدیث نہیں ہے۔ عنایہ) اور دوسری حدیث: (خمر ان دو درختوں سے بنائی جاتی ہے) اس سے رسول اللہ ﷺ کا منشاء کھجور کی شراب کا حکم بیان کرنا تھا اور یہی بیان منصب رسالت کے لائق ہے۔ (یعنی جب کھجور کی شراب کی مقدار کثیر نشہ آور ہو' تو وہ بھی خمر کی طرح ہے اور حرام ہے' اور اس سے حد لازم آتی ہے۔ عنایہ) (ہدایہ اخیرین' ص ۴۹۲' مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

خمر کا بعینہ حرام ہونا اور غیر خمر کا مقدار نشہ میں حرام ہونا

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب مطلقاً حرام ہے' خواہ اس کی مقدار کثیر ہو یا قلیل' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر تو مطلقاً حرام ہے اور خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں' اس مقدار میں حرام ہیں اور اس سے کم مقدار میں حرام ہیں نہ نجس' اور ان کا پینا حلال ہے۔ امام ابوحنیفہ کا استدلال ان احادیث سے ہے:

امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے' خواہ قلیل ہو یا کثیر' اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔

(سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۷۰۲-۵۷۰۱-۵۷۰۰-۵۶۹۹' سنن کبریٰ ج ۸' ص ۲۹۷' کتاب الآثار لابی یوسف' ص ۲۲۸' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۵' ص ۸' سنن دار قطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۶۱۹' المعجم الکبیر للطبرانی' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۱۰۸۳۰-۱۰۸۳۰-۱۰۸۳۹-۱۰۸۳۷' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۲۶۳۳-۱۲۳۸۹' مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۵۳)

جس مشروب کی تیزی سے نشہ کا خدشہ ہو' اس میں پانی ملا کر پینے کا جواز

جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو' اس کی قلیل مقدار کے جائز ہونے پر فقہاء احناف نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب نبیذ میں شدت اور حدت ہو اور وہ اس شدت کی بناء پر نشہ آور ہو' اس نبیذ میں پانی ملا کر اس کی شدت کو کم کرکے اور اس کی حدت کو توڑ کر پینا جائز ہے' اور یہ عمل خود رسول اللہ ﷺ اور بہ کثرت صحابہ اور فقہاء تابعین سے ثابت ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نشہ میں مدہوش اعرابی لایا گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے عذر طلب کیا۔ جب وہ اپنی مدہوشی کی وجہ سے کچھ نہ بتا سکا تو آپ نے فرمایا اس کو باندھ دو' جب اس کو ہوش آ جائے تو اس کو کوڑے لگا دینا' پھر حضرت عمر نے اس اعرابی کے مشکیزہ میں بچے ہوئے مشروب کو منگوایا' پھر آپ نے اس کو چکھا تو وہ بہت تیز اور

سخت تلخ نبیذ تھا‘ آپ نے پانی منگوا کر اس کی شدت اور حدت کو توڑا‘ پھر آپ نے اس کو پیا اور اپنے ساتھیوں کو پلایا‘ پھر آپ نے فرمایا جب اس کی تیزی اور نشہ تم پر غالب آجائے تو اس کو پانی سے توڑ لیا کرو۔ امام محمد فرماتے ہیں‘ ہمارا اس پر عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

(کتاب الآثار‘ لامام محمد‘ ص ۱۸۴۔ ۱۸۳‘ کتاب الآثار لامام ابی یوسف‘ ص ۲۲۶‘ مصنف عبدالرزاق‘ ج ۹‘ ص ۲۲۴)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ صنعانی متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سبیل پر آئے اور فرمایا مجھے اس سے پانی پلاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہم آپ کو وہ چیز نہ پلائیں جس کو ہم اپنے گھر میں تیار کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں مجھ کو وہ چیز پلاؤ جس کو لوگ پیتے ہیں‘ حضرت عباس نبیذ کا ایک پیالہ لے کر آئے‘ آپ نے اس کو چکھا‘ پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا پانی لاؤ‘ پھر آپ نے اس میں پانی ملایا‘ پھر دوبارہ تین بار فرمایا اور زیادہ ملاؤ‘ اور فرمایا جب تم کو (نبیذ) تیز لگے‘ تو اسی طرح کیا کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ‘ ج ۸‘ ص ۱۴۰۔ ۱۳۹‘ مصنف عبدالرزاق‘ ج ۹‘ ص ۲۲۶‘ سنن کبریٰ للبیہقی‘ ج ۸‘ ص ۳۰۰۔ ۳۰۵۔ ۳۰۴)

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی ﷺ کعبہ کے گرد طواف کر رہے تھے‘ آپ کو پیاس لگی اور آپ نے پانی مانگا‘ آپ کے پاس ایک برتن سے نبیذ لایا گیا‘ آپ نے اس کو سونگھا اور پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا: میرے پاس زمزم کا ڈول لاؤ‘ پھر آپ نے اس میں پانی ملا کر اس کو پی لیا‘ ایک شخص نے پوچھا‘ یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ‘ ج ۸‘ ص ۱۴۰‘ سنن کبریٰ ج ۸‘ ص ۳۰۴‘ سنن نسائی‘ ج ۸‘ رقم الحدیث: ۵۷۱۹)

جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو‘ اس کی قلیل مقدار کے حلال ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے‘ خواہ قلیل ہو یا کثیر‘ اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو حرام کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی مشروب کا وہ آخری گھونٹ حرام ہے‘ جس سے نشہ پیدا ہو‘ اور خمر بعینہ حرام ہے۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر‘ اور مثلث اور کشمش اور چھواروں کے پکے ہوئے پانی (یعنی نبیذ) میں قلیل اور کثیر کا فرق ہے۔ اس کی قلیل مقدار حلال ہے اور جس گھونٹ کے بعد نشہ پیدا ہو وہ حرام ہے‘ اور وہ کثیر مقدار کا آخری گھونٹ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جو پیالہ نشہ آور ہو‘ صرف وہ حرام ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا اس کی مثال کپڑے میں خون کی طرح ہے۔ اگر کپڑے میں قلیل خون ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے‘ اور اس کی مثال نفقہ کی طرح ہے اگر انسان اپنی کمائی سے اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے تو جائز ہے اور اگر خرچ میں اسراف کرے (یعنی ناجائز محل پر خرچ کرے) تو یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح نبیذ ہے‘ اگر اس کو کھانے کے بعد پیا تو کوئی حرج نہیں ہے‘ اور اگر اس کو بہ قدر نشہ پیا تو ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ اسراف ہے‘ اس لیے جب نبیذ پیتے ہوئے نشہ ہونے لگے تو اس کو چھوڑ دے۔ دیکھئے! مثلاً دودھ حلال ہے‘ لیکن اگر کسی شخص کو زیادہ دودھ پینے سے نشہ ہونے لگے تو وہ زیادتی ناجائز ہوگی‘ اور اس تمام تفصیل سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حرمت کا مدار نشہ لانے والے جز پر ہے۔ البتہ! خمر مطلقاً حرام ہے‘ نیز خمر کو تھوڑی مقدار میں پینا زیادہ پینے کا محرک ہوتا ہے‘ اس لیے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے‘ اس کے برخلاف مثلث (انگور کا شیرہ‘ جب جوش دے کر پکایا جائے‘ اس کا دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے) تو اگر وہ شیریں ہو تو سب کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور جب وہ جوش دینے سے گاڑھا ہو جائے اور نشہ آور نہ ہو‘ تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو

یوسف کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور امام محمد کے نزدیک اس کا پینا جائز نہیں' اس کو مثلث کہتے ہیں۔ (ردالمحتار' ج ۵' ص ۲۹۰) اس کی قلیل مقدار کثیر کی محرک نہیں ہوتی' بلکہ اس کی قلیل مقدار کھانے کو ہضم کرتی ہے اور عبادت کرنے کی قوت دیتی ہے اور اس کی کثیر مقدار سر میں درد پیدا کرتی ہے۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ جو لوگ نشہ آور مشروبات کو پیتے ہیں' وہ مثلث میں بالکل رغبت نہیں کرتے۔ (المبسوط' ج ۲۴' ص ۹-۸' مطبوعہ دارالمعرفہ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نشہ آور چیز کی قلیل مقدار حرام نہ ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو حرام کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ خمر اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے اور بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے' اور نشہ آور مشروب کو قلیل مقدار میں پینے سے یہ اوصاف پیدا نہیں ہوتے اور اگر ہم ظاہر آیت کا لحاظ کریں تو قلیل مقدار میں بھی خمر حرام نہیں ہونی چاہیے' لیکن ہم نے خمر کی قلیل مقدار میں اس قیاس کو چھوڑ دیا' کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خمر مطلقاً حرام ہے' خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ البتہ خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات میں ظاہر آیت کا اعتبار کیا جائے گا' کیونکہ ان کی قلیل مقدار اللہ کے ذکر سے روکتی ہے' نہ نماز سے اور نہ بغض و عداوت پیدا کرتی ہے۔ (البنایہ' ج ۱۱' ص ۴۴۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

خمر کے علاوہ دیگر مشروبات جو کثیر مقدار میں نشہ آور ہوں اور قلیل مقدار میں نشہ آور نہ ہوں' تو اگر ان کی قلیل مقدار پینے سے کھانے کو ہضم کرنے کا ارادہ کیا جائے اور قیام لیل پر قوت حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے' یا دن میں روزہ رکھنے پر قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے' یا اعداء اسلام سے قتال کی قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے' یا مرض کو دور کرنے اور دوا کے قصد سے ان کو پیا جائے' تو یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک حلال ہیں اور امام محمد کے نزدیک مطلقاً حرام ہیں۔ خواہ ان کی مقدار قلیل ہو یا کثیر' اور چونکہ اب فساد عام ہو گیا ہے اور لوگ عیش و طرب اور لہو و لعب کے لیے ہی ان مشروبات کو پیتے ہیں' اس لیے متاخرین نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

(ردالمحتار' ج ۵' ص ۲۹۳-۲۹۲' ملخصاً موضحاً' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

انگریزی دواؤں اور پرفیوم کا شرعی حکم

مصنف کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آج کل کی غیر خمر مروجہ شرابیں پیتا ہے تو یہ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے قول کے مطابق حرام ہے' خواہ قلیل مقدار میں پیے یا کثیر مقدار میں اور احادیث صحیحہ کا بھی یہی تقاضا ہے' لیکن اگر اسپرٹ یا الکوحل کی نہایت قلیل مقدار مائع دواؤں میں شامل ہو' یا پرفیوم میں شامل ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے فتویٰ کے مطابق ان کو جواز پر محمول کرنا چاہیے' کیونکہ ان دواؤں کے استعمال سے یہ قول صادق نہیں آئے گا کہ وہ شخص نشہ آور مشروب کی قلیل مقدار کو پی رہا ہے' بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ شخص ایک چمچہ دوا پی رہا ہے۔ جس میں ایک یا دو قطرے الکوحل کے شامل ہیں اور جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: کہ خمر بعینہ حرام ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے اور جس طرح احادیث سے ثابت ہے کہ تیز اور تلخ مشروب میں پانی ملا دیا جائے تو وہ حلال ہے' سو اگر الکوحل بالفرض تیز اور تلخ بھی ہو تو دوسری دوائیں اور کیمیکلز ملنے کے بعد اس کی تیزی اور تلخی جاتی رہتی ہے' اور جس طرح علامہ عینی نے کہا ہے' کہ خمر کے حرام ہونے کی علت اس کا نماز اور اللہ کے ذکر سے روکنا ہے' اور مسلمانوں میں بغض اور عداوت کا پیدا کرنا ہے اور دوا کی ایک خوراک جو ایک یا دو چمچے ہوتی ہے' اور اس میں جو نہایت قلیل مقدار میں الکوحل ہوتی ہے' وہ الکوحل نہ تو خمر ہے نہ نماز' اور نہ

اللہ کے ذکر سے روکتی ہے اور نہ بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے۔ سو ان دلائل کے اعتبار سے دواؤں میں جو نہایت قلیل مقدار میں الکوحل ہوتی ہے' وہ حرام نہیں ہے اور یہ مائع دوائیں حلال ہیں اور کسی بیماری کے علاج کے لیے یا طاقت حاصل کرنے کے لیے ان دواؤں کو پینا جائز اور حلال ہے۔ اسی طرح پرفیوم میں جو سپرٹ اور الکوحل شامل ہوتی ہے' وہ بھی ان دلائل کے اعتبار سے جائز اور پاک ہے۔

مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی متوفی ۱۳۸۶ھ انگریزی دواؤں کے متعلق لکھتے ہیں:

(۱) اگر اسپرٹ خمر سے تیار ہوتی ہے' جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو یہ مطلقاً حرام ہے' اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں' مگر بوقت اضطرار کہ وہ بنص "الا ما اضطررتم الیہ" اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ پس اس کی بیع و شراء بھی جائز نہیں اور اس کا بذریعہ بھپکے کے مقطر کرنا اس کی حرمت کو زائل نہیں کرتا۔ ہدایہ شریف میں ہے: "والتاسع ان الطبخ لا یوثر فیھا لانہ للمنع من ثبوت الحرمۃ لا لرفعھا بعد ثبوتھا۔ انتھی" لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا' یہی معلوم ہوا کہ یہ اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً خمر کہا جاتا ہے' بلکہ یہ ایسی شراب کا جوہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے' یہی حکم اس تقدیر پر ہے جب کہ باذق یا مصنف یا نقیع زبیب و تمر سے بنائی گئی ہو' اس لیے کہ اس میں جوش دے دیا گیا ہے۔ لہذا عامہ علماء کے نزدیک اس کا قلیل مطلقاً حرام نہیں۔ کما صرحت من قبل اور اگر اس میں شک ہے کہ یہ شراب سے بنائی گئی ہے' یا نہیں یا یہ تو معلوم ہے کہ یہ شراب سے بنی ہے' لیکن یہ نہیں معلوم کہ کون سی شراب سے بنی ہے' تب بھی یہی حکم ہے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں ہو اور وہ اپنی دبر میں حرکت محسوس کرے اور اس کو یہ اشکال ہو کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے یا نہیں ٹوٹا' تو وہ اس وقت تک نماز نہ توڑے جب تک کہ آواز نہ سنے یا بدبو نہ محسوس کرے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور فقہاء نے کہا ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور اصل اشیاء میں حلت اور طہارت ہے۔

(۲) جن صورتوں میں اس کی بیع جائز ہے' ان ہی صورتوں میں اس کی خرید بھی جائز ہے۔ فقط۔

(۳) اگر اسپرٹ علاوہ خمر کے کسی دوسری شراب سے بنائی گئی' جیسا کہ بعض ڈاکٹروں کا بیان ہے تو اس کی خرید و فروخت جائز' لیکن مکروہ ہے۔ علامہ شامی نے کہا ہے کہ غیر خمر کی بیع ہر چند کہ صحیح ہے' لیکن مکروہ ہے' جیسا کہ غایہ میں مذکور ہے۔

پس اس کا ترک اولیٰ ہے۔ فقط۔

(۴) جب ادویہ میں اسپرٹ شامل ہے تو جو حکم اسپرٹ کا ہے وہی ان ادویات کا بھی ہے۔ پس اگر اسپرٹ یقیناً خمر سے تیار ہوئی ہے' تو دیکھا جائے کہ اس سے شفا کا صرف احتمال ہی ہے یا ظن غالب' اگر صرف احتمال ہے تو جائز نہیں اور اگر ظن غالب ہے' تو اگر دوسری جائز دوا اس مرض کے لیے پائی جاتی ہے تب بھی ناجائز ہے' ورنہ اختلاف ہے۔ درمختار میں ہے:

حرام دوا کے ساتھ علاج میں اختلاف ہے اور ظاہر مذہب میں یہ ممنوع ہے' جیسا کہ البحر الرائق کی کتاب الرضاع میں مذکور ہے۔ لیکن مصنف نے وہاں اور یہاں الحاوی سے نقل کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جب حرام دوا سے شفاء کا یقین ہو اور کسی دوسری دوا کا علم نہ ہو' تو اس کے ساتھ علاج کی رخصت دی جائے گی' جیسا کہ پیاسے کو خمر (شراب) پینے کی رخصت دی جاتی ہے۔

پس اس صورت میں اگر اس کا بطور دوا استعمال کیا جائے' تو گنجائش ہے' لیکن اولیٰ یہی ہے کہ اس سے بچا جائے' اور اگر اس کی ساخت بطریق تقطیر سوائے شراب کے دوسری اشربہ سے ہے' تب بھی بہتر تو یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس چیز میں شک ہو اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو' لیکن اگر زیادہ ضرورت دیکھی جائے تو اس کے استعمال میں بھی گنجائش ہے۔ للاختلاف ولعموم البلوی چنانچہ علامہ شامی نے احکام افیون کے بارے میں فرمایا:

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز نشہ آور ہو اس کی کثیر مقدار کو استعمال کرنا تو مطلقاً حرام ہے' اور قلیل مقدار اگر بہ طور لہو و لعب ہو' تب بھی حرام ہے اور اگر علاج کے لیے ہو تو پھر حرام نہیں ہے۔

لیکن یہ حکم جب ہے کہ قلیل استعمال کیا جائے' ورنہ قدر مسکر بجز اضطرار کے بطور دوا بھی جائز نہیں۔ کما قالہ العلماء والشامی فقط۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

(حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ ولوالدیہ امام مسجد فتح پوری' دہلی)

نوٹ: مفتی مظہر اللہ دہلوی نے حدیث اور فقہ کی صرف عربی عبارات ذکر کی تھیں' ہم نے ان عبارات کا اردو ترجمہ ذکر کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ (فتاویٰ مظہری' ص ۲۹۰-۲۸۹' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی)

شراب نوشی پر وعید کی احادیث

امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت زانی زنا کرتا ہے' وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شراب پینے والا خمر (شراب) پیتا ہے' وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چور چوری کرتا ہے' وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت لٹیرا لوگوں کے سامنے لوٹ مار کرتا ہے' وہ مومن نہیں ہوتا۔

(سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۷۵' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۴۷۵' صحیح مسلم الایمان' رقم الحدیث: ۱۰۴-۱۰۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۹۳۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص نشہ کرے تو اس کو کوڑے مارو' پھر اگر نشہ کرے تو پھر کوڑے مارو' پھر اگر نشہ کرے تو پھر کوڑے مارو' اور چوتھی بار فرمایا اس کی گردن اڑا دو۔

(سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۷۸' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۴۴۸۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۵۷۲)

عروہ بن رویم بیان کرتے ہیں کہ ابن الدیلمی سوار ہو کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی تلاش میں گئے' جب ان کے پاس پہنچے تو کہا: اے عبداللہ بن عمرو! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے خمر (انگور کی شراب) کے متعلق کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص میری امت میں سے خمر پئے گا' اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرمائے گا۔ (سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۳۷۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا خمر سے اجتناب کرو' یہ تمام گناہوں کی اصل ہے' تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص عبادت گزار تھا اس پر ایک بدکار عورت فریفتہ ہو گئی' اس نے اپنی باندی بھیج کر اس کو گواہی کے بہانے سے بلایا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو دروازہ بند کر دیا' اس نے دیکھا وہاں ایک حسین عورت ہے' ایک غلام ہے اور ایک شراب کا برتن ہے۔ اس عورت نے کہا خدا کی قسم! میں نے تم کو گواہی کے لیے نہیں بلایا' لیکن میں نے تم کو اس لیے بلایا ہے کہ تم میری خواہش نفس پوری کرو۔ یا

اس شراب سے ایک پیالہ پیو یا اس غلام کو قتل کر دو۔ اس عابد نے کہا مجھے اس شراب سے ایک پیالہ پلا دو' اس نے اس کو ایک پیالہ شراب پلائی' اس نے کہا اور پلاؤ' پھر اس نے اس عورت سے بدکاری کی اور اس غلام کو قتل بھی کر دیا۔ سو تم خمر سے اجتناب کرو' کیونکہ خدا کی قسم ادائما شراب نوشی کے ساتھ ایمان باقی نہیں رہتا۔ (سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' کہ جس شخص نے خمر کو پیا' چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی' پھر اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے' پھر اگر دوبارہ شراب پیے تو اللہ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں کرتا' پھر اگر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے' پھر اگر وہ شراب پیے تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس کو دوزخیوں کی پیپ پلائے۔

(سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۳۷۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دنیا میں شراب پی' پھر اس سے توبہ نہیں کی' تو وہ آخرت میں شراب (طہور) سے محروم رہے گا۔

(سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۵' صحیح مسلم' الاشربہ' رقم الحدیث: ۷۷-۷۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا' نہ ماں باپ کا نافرمان اور نہ دائمی شراب نوش۔ (سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۸)

خمر کی حد کا بیان

خمر پینے والے پر حد لگائی جائے گی' خواہ وہ ایک قطرہ خمر پیے اور خواہ اس کو نشہ نہ ہو' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص خمر پیے' اس کو کوڑے مارو' اگر دوبارہ پیے تو پھر کوڑے مارو' اگر سہ بارہ پیے تو پھر کوڑے مارو' اور اگر چوتھی بار خمر پیے تو اس کو قتل کر دو۔ (ترمذی و ابوداؤد) البتہ قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور کوڑے مارنے کا حکم باقی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کا خون صرف تین وجہ سے جائز ہے۔ قتل کے بدلہ میں قتل کیا جائے یا شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے' یا جو شخص مرتد ہو کر دین بدل لے اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔ (مسلم) اور جو شخص خمر کے علاوہ اور کوئی نشہ آور مشروب پیے تو اس پر اس وقت حد واجب ہے جب اس کو نشہ ہو جائے' اور خمر کی حد اجماع صحابہ سے اسی کوڑے مقرر کی گئی ہے۔ نیز شراب کے نشہ میں انسان پاک دامن مسلمان کو تہمت لگا دیتا ہے اور تہمت لگانے کی سزا قرآن مجید نے اسی کوڑے مقرر کی ہے۔

بھنگ اور افیون کا شرعی حکم

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

البحر الرائق کی کتاب الطلاق میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص لہو و لعب کے قصد سے بھنگ پیے یا افیون کھائے اور اس کی عقل ماؤف ہو جائے' تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ یہ معصیت ہے' اور اگر اس نے علاج کی غرض سے بھنگ پی تھی یا افیون کھائی تھی تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہو گی' کیونکہ اب اس کا کھانا اور پینا معصیت نہیں ہے۔ فتح القدیر میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ بغیر غرض علاج کے بھنگ پینا یا افیون کھانا حرام ہے۔ اور بزازیہ میں لکھا ہے کہ اس علت سے معلوم ہوا کہ علاج کی غرض سے بھنگ اور افیون کا استعمال جائز ہے۔ النہر الفائق میں بھی اس تفصیل کو لکھنے کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (رد المحتار' ج ۵' ص ۲۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

سکون آور دواؤں کا شرعی حکم

سکون آور ادویہ مثلاً اے۔ٹی ون' ڈائزوپام' والیم' لبریم اور تفرانیل وغیرہ کو بھی انسومینیا' دل گرفتگی (ڈپریشن) اور مالیخولیا ایسے امراض میں ماہر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق استعمال کرنا جائز ہے' لیکن ان دواؤں کو بطور عادت یا نشہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے' یہ تمام دوائیں وقتی طور پر اعصابی تشنج (ٹینشن) کو دور کرتی ہیں' لیکن ان کے مابعد اثرات زندگی اور صحت کے لیے بہت مضر ہیں' ان دواؤں کو بہ کثرت استعمال کرنے سے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور اخیر عمر میں رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔

تمباکو نوشی کا شرعی حکم

اگر انسان کبھی کبھی تمباکو پی لے تو یہ مباح ہے' لیکن تمباکو نوشی کو عادت بنالینا اور مستقل تمباکو کو پینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اب جدید میڈیکل سائنس کی اس تحقیق کو تمام دنیا میں تسلیم کرلیا گیا ہے کہ تمباکو نوشی انسانی صحت کے لیے مضر ہے' تمباکو پینے سے بالعموم لوگوں کو کھانسی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے۔ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا' تمباکو سے پھیپھڑوں کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں' خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں' بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے' کینسر ہو جاتا ہے اور بہت امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس یہ جسم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے' ہمیں اس جسم کو نقصان پہنچانے کا کوئی حق نہیں ہے اور ہر وہ چیز جس سے اس جسم کو نقصان پہنچے' اس سے احتراز لازم ہے اور اس کا ارتکاب کرنا ممنوع ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جو چیزیں نقصان دہ ہوں' ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً زہر' شیشہ' مٹی اور پتھر اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

ترجمہ: "اپنے آپ کو قتل نہ کرو" اور یہ ارشاد ہے "اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" اور ان چیزوں کا کھانا ہلاکت ہے' اس لیے ان کا حلال نہ ہونا واجب ہے۔ (شرح المہذب' ج ۹' ص ۳۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان

اس آیت میں جوا کھیلنے کو بھی حرام قرار دیا ہے' لوئیس معلوف قمار کا معنی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ غالب' مغلوب سے کوئی چیز لے لے گا' خواہ وہ چاندی ہو یا کوئی اور چیز۔

(المنجد' ص ۶۵۳' مطبوعہ المطبعہ الکاثولیکہ' بیروت' ۱۹۲۷ء)

میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی' قمار ہے۔

(التعریفات' ص ۷۷' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

قمار' قمر سے ماخوذ ہے۔ جو کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ' اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے۔ اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔

(رد المحتار' ج ۵' ص ۲۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

اہل علم کا جوئے کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی جوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ

عثمانے فرمایا آپس میں شرط لگانا جوا ہے' زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے۔ پہلے یہ مباح تھا' بعد میں اس کی تحریم نازل ہو گئی' جب سورۂ روم نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے رومیوں کے ایرانیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: شرط میں زیادتی کرو اور مدت بڑھا دو' پھر بعد میں اس سے منع فرما دیا اور جوئے کی حرمت نازل ہو گئی۔ اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ شتر سواری' گھوڑے سواری اور نیزہ بازی میں سابقت کی شرط لگانے کی رخصت ہے' یعنی سب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے اور پیچھے رہنے والے کو انعام نہ دیا جائے۔ (یہ انعام کوئی تیسرا شخص یا مقابلہ کرانے والا دے گا) اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا' وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا' وہ دے گا تو یہ شرط ناجائز ہے' اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کر دیں' تو یہ جائز ہے اور اس کو نبی ﷺ نے محلل فرمایا ہے۔ (احکام القرآن' ج ۲' ص ۳۲۹' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

معمہ' لاٹری اور سٹہ کا شرعی حکم

ہمارے زمانہ میں معمہ اور لاٹری کا رواج ہے۔ معمہ میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مقررہ فیس ادا کر کے لوگ اس معمے کو حل کر کے صاحب معمہ کے پاس قسمت آزمائی کے لیے بھیج دیتے ہیں' اور لاکھوں شرکاء کی فیسوں کے ذریعہ جو رقوم جمع ہوتی ہیں' اس میں سے تین چار انعام مقرر کیے جاتے ہیں۔ علمی حیثیت سے تو اس معمے کے بہت سے حل صحیح ہو سکتے ہیں' لیکن انعام اس شخص کو ملتا ہے جس کا حل کسی معقول کوشش کی بناء پر نہیں' بلکہ محض اتفاق سے کھانلو کے حل کے مطابق ہو۔ چونکہ معمے میں بھی تملیک کا مدار خطرہ (Risk) پر ہے' اس لیے یہ بھی میسر اور قمار ہے' اور شرعاً ناجائز ہے اور حرام ہے۔

اسی طرح لاٹری بھی جوا ہے۔ لاٹری میں بڑے بڑے انعامات کا لالچ دے کر لاکھوں ٹکٹ فروخت کیے جاتے ہیں اور ٹکٹوں کے ذریعہ جو رقوم جمع ہوتی ہیں' اس میں سے قرعہ اندازی کے ذریعہ چند لاکھ روپے تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ہلال احمر اور فاطمید فاؤنڈیشن کے ریفل ٹکٹ کا کاروبار عام ہے' یہ کاروبار خالص جوا ہے' اگر کوئی شخص تپ دق کے مریضوں کی مدد اور غریب بیماروں کے لیے خون مہیا کرتا ہے تو سیدھے اور صاف طریقہ سے آ کر ان اداروں میں عطیات جمع کرائے' لاٹری کے ٹکٹ خرید کر قسمت آزمائی کے راستہ سے غریب اور نادار مریضوں کے لیے جوئے کی رقم مہیا نہ کرے' اسی طرح وہ سارے کھیل اور کام جوئے میں داخل ہیں جن میں اشیاء کی تقسیم کا مدار حقوق اور خدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے۔ گھوڑ دوڑ کے مقابلوں میں اور بین الاقوامی کھیلوں میں ہار جیت پر جانبین سے شرط لگانا' اسی طرح بارش ہونے یا نہ ہونے پر' یا کسی بھی اتفاقی امر پر جانبین سے شرط لگانا صراحتاً سٹہ اور جوا ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر

جسمانی ورزش اور باہمی دلچسپی کے لیے جو کھیل کھیلے جاتے ہیں' ان کے کھیلنے سے اگر کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہوتا ہو اور کوئی عبادت ضائع نہ ہوتی ہو' تو ان کا کھیلنا جائز ہے۔ مثلاً بعض کھیل ایسے ہیں جن میں کھلاڑی گھٹنوں سے اونچا نیکر پہنتے ہیں' بعض کھیل ایسے ہیں جو صبح سے شام تک جاری رہتے ہیں اور ظہر کی نماز کا وقت کھیل کے دوران آ کر نکل جاتا ہے' اور کھلاڑی اور کھیل دیکھنے والے نماز کا کوئی خیال نہیں کرتے' کھانے اور چائے کا وقفہ کیا جاتا ہے' لیکن نماز کا کوئی وقفہ نہیں ہوتا' بعض دفعہ کسی کھیل میں ہار جیت' پر کوئی شرط رکھی جاتی ہے۔ یہ سب امور ناجائز ہیں۔

انسان کی صحت اور جسم کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے کھیل اور ورزش دونوں' بہت ضروری ہیں۔ بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں' ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا' اس

کی وجہ سے ان لوگوں کی توند نکل آتی ہے اور خون میں کلیسٹرول کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے' اور یہ لوگ ذیابطیس (خون میں شکر کا ہونا) ہائی بلڈ پریشر' دل کی بیماریوں' معدہ کا ضعف اور گیس کا شکار ہو جاتے ہیں' ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظان صحت کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اسلام میں مختلف کھیلوں اور ورزشوں کی بھی مناسب حد تک حوصلہ افزائی کی گئی ہے' نبی ﷺ نے گھڑ سواری کا مقابلہ کرایا' پیدل دوڑ کا مقابلہ کرایا' آپ نے خود بہ نفس نفیس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ لیا' اسی طرح آپ نے کشتی بھی کی' اس سلسلہ میں ہم نے تمام احادیث شرح صحیح مسلم' جلد سادس میں بیان کر دی ہیں۔

جسم کو چاق و چوبند اور صحت کو قائم رکھنے کے لیے جو کھیل کھیلے جائیں اور جسمانی ورزشیں کی جائیں' ان میں یہ نیت ہونی چاہیے کہ ایک صحت مند اور طاقتور جسم' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر زیادہ اچھی طرح عمل کر سکتا ہے' اور حقوق العباد کی ادائیگی اور مخلوق خدا کی خدمت' تندرست اور توانا جسم سے بہتر طور پر کی جا سکتی ہے۔ اس لیے اچھی صحت اور طاقت کے حصول کے لیے مناسب کھیلوں اور ورزشوں میں حصہ لینا چاہیے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

بغیر کسی عوض کی شرط کے مقابلہ میں حصہ لینا مطلقاً جائز ہے اور نہ اس میں کسی معین جنس کے مقابلے کی قید ہے۔ خواہ پیادہ دوڑ کا مقابلہ ہو' کشتیوں کا ہو یا پرندوں' خچروں' گدھوں اور ہاتھیوں یا نیزوں کا مقابلہ ہو۔ اسی طرح کشتی لڑنا بھی جائز ہے' اور طاقت آزمائی کے لیے پتھر اٹھانا بھی جائز ہے' کیونکہ ایک سفر میں نبی ﷺ نے حضرت عائشہ سے دوڑ میں مقابلہ کیا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع نے ایک انصاری سے دوڑ میں مقابلہ کیا' نبی ﷺ نے حضرت رکانہ سے کشتی لڑی اور نبی ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے' جو پتھر اٹھا کر طاقت آزمائی کر رہی تھی' آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔ (المغنی' ج ۹' ص ۳۶۸' مطبوعہ بیروت)

ان تمام احادیث اور آثار میں اس کا ثبوت ہے کہ صحت اور قوت کو برقرار رکھنے کے لیے صحت مند کھیلوں اور جسمانی ورزشوں کو اختیار کرنا چاہیے' اور ان کھیلوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے مقابلہ منعقد کرانا بھی جائز ہے۔ البتہ کسی بھی مقابلہ پر ہار جیت کی شرط رکھنا ناجائز ہے۔

چوسر اور شطرنج کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو' وہ حرام ہے اور جس کھیل میں کسی بھی جانب سے کسی عوض کی شرط نہ ہو' ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں۔ حرام تو نردشیر ہے۔ امام ابوحنیفہ اور اکثر شافعیہ کا یہی قول ہے اور بعض فقہاء نے کہا یہ مکروہ ہے' حرام نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نردشیر (چوسر) کھیلا' اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے نردشیر کو کھیلا' اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے خون اور گوشت میں رنگ لیے اور سعید بن جبیر جب نردشیر (چوسر) کھیلنے والوں کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام نہیں کرتے تھے۔

ان دلائل کی بناء پر جو شخص بار بار نردشیر (چوسر) کھیلے' اس کی گواہی مقبول نہیں' عام ازیں کہ وہ جوئے کے ساتھ کھیلے یا بغیر جوئے کے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا ظاہر مذہب ہے' شطرنج بھی چوسر کی طرح حرام ہے۔

البتہ چوسر کی حرمت زیادہ شدید ہے' کیونکہ اس کی حرمت میں صریح نص وارد ہے اور شطرنج کو چوسر پر قیاس کر کے حرام کیا گیا ہے۔ قاضی ابوالحسین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' سعید بن مسیب' قاسم' سالم' عروہ' محمد بن علی بن حسین' وراق اور امام مالک کے نزدیک شطرنج حرام ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ شطرنج مباح ہے۔ حضرت ابوہریرہ' سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر کا بھی یہی مذہب ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور شطرنج کی تحریم میں کوئی نص وارد نہیں ہے اور نہ ہی شطرنج اور نردشیر میں کوئی علت مشترکہ ہے۔ لہٰذا یہ اپنی اصل پر مباح ہے' نیز شطرنج سے جنگی چالوں کی مشق ہوتی ہے' لہٰذا یہ نیزہ بازی' تیر اندازی اور گھوڑے سواری کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں' ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میسر یعنی جوئے کو حرام کیا ہے۔ (المائدہ: ۹۰) اور حضرت علی نے شطرنج کو بھی میسر فرمایا اور شطرنج کھیلنے والے اس کھیل سے جنگی چالوں کی تربیت حاصل کرنے کا قصد نہیں کرتے' ان کا اس سے قصد صرف کھیل یا جوا ہوتا ہے۔ نیز اس میں مشغول ہو کر انسان نمازوں اور خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے' اسی وجہ سے امام احمد نے فرمایا کہ شطرنج کھیلنے والے کی شہادت بھی مردود ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ جو شخص شطرنج کو کھیلے تو یہ فعل حرام ہے اور اگر اس کو مباح سمجھنے والا کھیلے تو اس کی شہادت مسترد نہیں ہوگی' الا یہ کہ اس کھیل کی وجہ سے وہ نمازوں سے غافل ہو جائے یا اس کھیل میں وہ جھوٹی قسمیں کھائے یا بازار میں بیٹھ کر کھیلے یا اس کی وجہ سے کوئی اور پستی اور بے وقعت حرکت ہو۔ یہ امام شافعی کا مذہب ہے' سو شطرنج کا بھی وہی حکم ہے جو باقی مختلف فیہ مسائل کا حکم ہوتا ہے۔ (المغنی' ج ۱۰' ص ۱۷۲-۱۷۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ علاؤالدین الحصکفی الحنفی لکھتے ہیں:

نرد (چوسر) اور شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے' امام شافعی نے شطرنج کھیلنے کو مباح کہا ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہی ہے' یہ اس وقت ہے جب اس میں شرط نہ لگائی جائے اور نہ اس کو کھیلنے کی عادت بنائی جائے اور نہ اس میں مشغولیت کی بناء پر کسی واجب کو ترک کیا جائے' ورنہ شطرنج کھیلنا بالاجماع حرام ہے۔

(در مختار علی ہامش رد المحتار' ج ۵' ص ۲۵۳-۲۵۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

کرکٹ میچ کے متعلق امام احمد رضا کی ہدایت

مولانا اقبال احمد نوری لکھتے ہیں:

عرصہ ۲۰ سال کا ہوا' حاجی احمد حسین صاحب نے نجیب آباد میں اتفاقیہ ملاقات کے دوران ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ جب میں بریلی ہائی سکول میں پڑھ رہا تھا اور وہیں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا اور ہفتہ میں دو تین بار اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ میرٹھ کی ایک ٹیم ہر جگہ سے جیت کر فائنل میچ کھیلنے بریلی آئی' ہیڈ ماسٹر انگریز بھی ساتھ تھا۔ پہلے روز بریلی کی ٹیم کھیلی اور بیس رن بنا کر پوری ٹیم آؤٹ ہوگئی' جس کے سبب بڑی سراسیمگی پیدا ہوگئی اور جیتنے کا کوئی امکان نہ رہا۔ اسی روز بعد مغرب میں اور غلام جیلانی (کہ ہم دونوں ہم سبق اور پیر بھائی تھے) اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ میرٹھ اور بریلی ہر دو جگہ کے کھیلنے والے یہی امید لیے ہوئے ہیں کہ ہماری جیت ہو۔ پھر بریلی کے طلباء کی اگر امداد کی جائے جب کہ ہر دو فریق میں مسلم اور غیر مسلم طلباء موجود ہوں گے۔

عرض کیا ہاں! حضور' بات تو یہی ہے' مگر ماسٹر قرب محمد صاحب جو سید ہیں' حضور انہیں خوب جانتے ہوں گے۔ فرمایا ہاں! عرض کیا' وہ لڑکوں کو گیند بلا بھی کھلاتے ہیں اور ڈرل ماسٹر بھی ہیں' ان کی تنخواہ میں پندرہ روپیہ ترقی اس شرط پر قرار پائی ہے کہ بریلی والے جیت جائیں' فرمایا یہ بات قابل غور ہے۔

ارشاد فرمایا اگر میرٹھ والوں کے سولہ نمبر (رن) بنیں تو بریلی والوں کی جیت ہے۔ عرض کی جی حضور! اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کل صبح جب بریلی کے لڑکے کھیلنے کے لیے چلیں تو انہیں جو مسلمان ہوں' انہیں سکھا دیا جائے کہ بسم اللہ پڑھ کر قدم جمائیں اور سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر' چھنگلیاں سے شروع کریں اور کھیعص یہ پانچ حروف ہیں ہر حرف پڑھتے جائیں اور ایک ایک انگلی بند کرتے جائیں' پھر الٹے ہاتھ پر حمعسق یہ بھی پانچ حروف ہیں' ہر ہر حرف پڑھتے جائیں اور ایک ایک انگلی بند کرتے جائیں' جب دونوں مٹھیاں بند ہو جائیں تب سورۂ "الم تر کیف" پڑھیں۔ جب ترمیہم پر پہنچیں تو اس کو دس بار پڑھیں اور ہر بار سیدھے ہاتھ کی ایک ایک انگلی کھولتے' پھر الٹے ہاتھ کی یہاں تک دس بار ترمیہم پڑھنے میں دس انگلیاں کھل جائیں گی' پھر بقیہ سورہ بحجارۃ من سجیل فجعلھم کعصف ماکول پڑھ کر اپنی جگہ جا کر کھڑے ہو جائیں اور جو لڑکا گیند پھینکے' اسے سکھا دیں کہ ہر ہر مرتبہ حم ینصرون پڑھ کر گیند پھینکے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۹ رن بنا کر میرٹھ کے وہ سب لڑکے آؤٹ ہو گئے جو نہ معلوم کہاں کہاں سے جیت کر آئے تھے۔

یہ تھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی فن ریاضی' کمال کہئے یا کرامت کہ...... آپ نے ہمیشہ ایک ایسا عمل عطا فرما دیا کہ اس عمل کے ذریعہ ہر قسم کے مقابلوں میں فتح حاصل کی جا سکتی ہے' بعض عاملین نے اس پر یہ کہا کہ کسی بھی قیمت پر میرٹھ والوں کے سولہ رن سے زیادہ بن ہی نہیں سکتے تھے' کیونکہ اس عمل میں بھی ایک عجیب فلسفہ اور حکمت ہے۔ کھیعص میں پانچ حروف ہیں حمعسق میں پانچ حروف ہیں اور ترمیہم میں چھ حروف ہیں۔ اس طرح کل ملا کر سولہ حرف ہوئے' پس اعلیٰ حضرت نے اس عمل کے ذریعہ بندش کر دی تھی۔ لہٰذا سولہ رن سے آگے بڑھنا اور اس سے کم ہونا ناممکن تھا۔

(شمع شبستان رضا' حصہ سوم' ص ۵۰-۴۸' مطبوعہ رومی پبلیکیشنز' لاہور)

شراب پر زیادہ تفصیلی بحث شرح صحیح مسلم جلد سادس اور خامس میں ہے اور جوئے پر زیادہ تفصیلی گفتگو شرح صحیح مسلم' جلد رابع اور خامس میں ہے۔

شراب اور جوئے کی دینی اور دنیاوی خرابیاں

اس آیت میں دس وجوہ سے شراب اور جوئے کی حرمت بیان کی گئی ہے:

۱- شراب اور جوئے کو بتوں اور فال کے تیروں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور بت اور فال کے تیر حرام ہیں' سو شراب اور جوا بھی حرام ہیں۔

۲- شراب اور جوئے کو رجس یعنی ناپاک فرمایا ہے اور ہر ناپاک چیز حرام ہے' اس لیے شراب اور جوا بھی حرام ہیں۔

۳- ان کو شیطان کا عمل فرمایا اور شیطان کا عمل حرام ہے۔

۴- ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور جس سے اجتناب کرنا واجب ہو اس کا ارتکاب کرنا حرام ہے۔

۵- ان سے اجتناب کرنے پر اخروی فوز و فلاح موقوف ہے اور ان کا ارتکاب فوز و فلاح کے منافی ہے اور جو چیز اخروی فوز و فلاح کے منافی ہو' وہ حرام ہے۔

۶- ان کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان بغض پیدا کرتا ہے اور بغض حرام ہے۔

۷- ان کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان عداوت پیدا کرتا ہے اور عداوت حرام ہے اور یہ دونوں اجتماعی ضرر ہیں۔

۸- ان کے ذریعہ شیطان تمہیں اللہ کی یاد سے روکتا ہے اور جو چیز اللہ کی یاد سے روکے' وہ حرام ہے۔

۹- ان کے ذریعہ شیطان تمہیں نماز سے روکتا ہے اور جو چیز نماز سے روکے' وہ حرام ہے۔

۱۰- پھر فرمایا کیا تم باز آنے والے ہو؟ سو شراب اور جوئے سے باز آنا فرض ہے' اور ان میں مشغول ہونا حرام ہے۔

اسی وجہ سے حضرت عثمان نے فرمایا خمر (شراب) ام الخبائث ہے۔ (النسائی' ج ۸' ص ۵۶۸۲) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دائمی شرابی' ماں باپ کا نافرمان اور احسان جتانے والا فردوس کی جنتوں میں داخل نہیں ہوگا۔ (مسند البزار' ج ۳' ص ۲۹۳۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ دائمی شرابی تھا' وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا جیسے بتوں کو پوجنے والا ہو۔ (مسند البزار' ج ۳' ص ۲۹۳۴) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خمر پر' خمر کے پینے والے پر' خمر پلانے والے پر' انگور نچوڑنے والے پر' شراب بنانے والے پر' خمر اٹھانے والے پر' اس پر جس کے لیے خمر لائی جائے' خمر بیچنے والے پر' خمر خریدنے والے پر اور خمر کی قیمت کھانے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ (مسند البزار' ج ۳' ص ۲۹۳۷)

خمر انسان کی عقل زائل کر دیتی ہے اور انسان نشہ کی حالت میں ایسے کام کرتا ہے جن کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں اس کی عزت اور آبرو گر جاتی ہے اور اس کا وقار نہیں رہتا' نیک کاموں کی قدرت جاتی رہتی ہے اور برائی سے دور نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ شراب نوشی سے اس کی صحت تباہ ہو جاتی ہے اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں' اس کا اثر اس کی اولاد پر بھی پڑتا ہے اور اس کی اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے اور اس میں کئی بیماریوں کی استعداد ہوتی ہے اور نشہ کی حالت میں انسان اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالتا ہے اور اس سے اس کا گھر تباہ ہو جاتا ہے اور بچے ویران ہو جاتے ہیں۔

جوئے سے ایک فریق کو بغیر کسی محنت اور عمل کے بہت فائدہ ہوتا ہے اور دوسرا فریق ناگہانی طور پر بہت بڑے نقصان سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں' اور بسا اوقات یہ دشمنی قتل اور خون ریزی کی طرف پہنچاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شراب اور جوئے میں شخصی اور اجتماعی اور دینی اور دنیاوی خرابیاں ہیں۔

انصاب اور ازلام کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا انصاب اور نصب ان پتھروں کو کہتے ہیں جن پر مشرکین اپنے جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ (صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۱۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

ابو عبیدہ نے کہا نصب واحد ہے اور انصاب جمع ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا یہ وہ پتھر ہیں جن کو گاڑ دیا جاتا تھا اور ان کے پاس جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا اور ان پر جانوروں کا خون ڈال دیا جاتا تھا اور انصاب نصب کی بھی جمع ہے' اور اس کا معنی بت ہیں۔

(فتح الباری' ج ۸' ص ۲۷۸-۲۷۷' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

ازلام کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ازلام ان تیروں کو کہتے ہیں جن سے زمانہ جاہلیت میں مشرکین اپنی قسمت معلوم کرتے تھے۔ دوسروں نے کہا زلم اس تیر کو کہتے ہیں جس میں پر نہ ہو' یہ واحد ہے اور اس کی جمع ازلام ہے۔ اور استقسام (قسمت طلب کرنا) یہ ہے کہ تیر کو گھمایا جائے۔ اگر وہ کسی کام سے منع کرے تو رک جائے' اور اگر کسی کام کا حکم دے تو اس کو کرے' انہوں نے تیروں پر مختلف قسم کی علامتیں بنائی ہوئی تھیں جن کے ذریعہ وہ قسمت معلوم کرتے تھے۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۱۵' مطبوعہ بیروت)

صحیح البخاری کی حدیث الہجرت میں مذکور ہے کہ سراقہ بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر کا پیچھا کیا تو میں نے تیر سے قسمت معلوم کی' آیا مجھے نفع ہوگا یا نقصان' تو وہی نکلا جس کو میں ناپسند کرتا تھا۔ (ج ۴' رقم الحدیث: ۳۹۰۶) امام ابن جریر نے کہا زمانہ جاہلیت میں وہ تین قسم کے تیروں پر اعتماد کرتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا تھا "کام کرو" دوسرے پر لکھا ہوتا تھا "نہ کرو" اور تیسرا سادہ ہوتا تھا۔ فراء نے کہا ایک پر لکھا ہوتا تھا "میرے رب نے حکم دیا ہے" دوسرے پر لکھا ہوتا تھا "میرے رب نے منع کیا ہے" اور تیسرا سادہ ہوتا تھا۔ جب ان میں سے کوئی شخص کام کرنا چاہتا تو وہ تیر سے فال نکالتا' اگر لکھا ہوتا "کرو" تو وہ کام کرتا اور اگر لکھا ہوتا "نہ کرو" تو وہ کام نہ کرتا اور اگر تیر سادہ نکلتا تو وہ دوبارہ فال نکالتا۔ امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریش کا سب سے بڑا بت ہبل تھا' یہ کعبہ کے درمیان میں نصب تھا' اس کے پاس تیر رکھے ہوتے تھے۔ جب انہیں کوئی مہم درپیش ہوتی تو وہ ان تیروں سے فال نکالتے اور جس قسم کا تیر نکلتا' اس پر عمل کرتے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انفرادی طور پر تیروں کا نہ استعمال کرتے ہوں' جس طرح سراقہ نے کیا تھا' امام ابن جریر طبری نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ازلام سفید کنکریاں تھیں اور مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہ پتھر تھے' جن پر کچھ لکھا ہوا تھا' اور وہ اپنے ہر سفر میں خواہ وہ سفر جنگ کا ہو یا تجارت کا' ان پتھروں کے ساتھ سفر کرتے تھے' یہ تفسیر اس پر محمول ہے کہ وہ کعبہ والے ازلام کے علاوہ تھے۔ محدثین کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے ازلام (فال نکالنے کے تیر) تین قسم کے تھے۔ (۱) یہ تین قسم کے تیر تھے اور یہ ہر ایک کے پاس تھے (۲) یہ احکام کے تیر تھے اور یہی کعبہ میں تھے اور یہ عرب کے ہر حاکم اور کاہن کی دسترس میں ہوتے تھے' یہ تیر سات قسم کے تھے اور ان پر قصاص اور دیت وغیرہ کے احکام لکھے ہوئے تھے اور ایسے امور جو بہ کثرت پیش آتے تھے۔ (۳) یہ جوئے کے تیر تھے' یہ دس قسم کے تھے' سات دھاری دار تھے اور تین سادہ تھے اور وہ ان تیروں کے ساتھ جوا کھیلتے تھے۔

ابو عبیدہ نے کہا قسمت معلوم کرنے یا فال نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تیر کو گھماتے تا کہ ان کی قسمت معلوم ہو۔ آیا وہ سفر کریں یا نہ کریں' جنگ میں جائیں یا نہ جائیں اور جو کچھ لکھا ہوا نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے۔

(فتح الباری' ج ۸' ص ۲۷۸-۲۷۷' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

ازلام کی تفسیر میں مزید مباحث اور مسائل اسی سورت کی آیت نمبر ۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور محتاط رہو' پھر اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صرف احکام کو صاف طور سے پہنچا دینا ہے۔ (المائدہ: ۹۲)

یعنی اللہ اور اس کے رسول نے خمر' جوئے اور دیگر محرمات سے اجتناب کا جو حکم دیا ہے اس حکم پر عمل کرو اور اس بات سے ڈرو کہ اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کی تو دنیا میں تم پر کوئی مصیبت آجائے گی یا تم آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو گے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں' وہ اس بات سے ڈریں کہ انہیں کوئی آفت پہنچے یا دردناک عذاب۔

(النور: ۶۳)

اور اگر تم نے اعراض کیا اور ہمارے رسول کے حکم پر عمل نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ تو تمہیں تبلیغ فرما چکے ہیں' اللہ کی حجت تم پر پوری ہو چکی ہے اور اب تمہارے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھا پی چکے ہیں' اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں' اور ایمان پر برقرار رہیں' اور نیک عمل کرتے رہیں' پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور بدستور ایمان پر قائم رہیں۔ پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(المائدہ: ۹۳)

شان نزول کا بیان

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب شراب حرام ہونے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے ان بھائیوں کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے تھے اور اسی حال میں فوت ہو گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھا پی چکے ہیں' اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ الآیہ

(مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۶۹۱-۲۴۵۲-۲۰۸۸' دار الفکر' مسند احمد' ج ۱' ص ۲۳۴' طبع قدیم' جامع البیان' جز ۷' ص ۵۰' امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی' المستدرک ج ۴' ص ۱۴۳)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے فوت ہو گئے' جب شراب حرام کر دی گئی تو صحابہ نے کہا ہمارے ان اصحاب کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے رہے اور فوت ہو گئے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۶۲-۳۰۶۱' صحیح ابن حبان' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۵۳۵۰' مسند ابو یعلی' ۱۷۲۰' جامع البیان' ج ۷' ص ۵۰)

تحریم خمر کی تاریخ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں نے سورۂ مائدہ کی تفسیر میں یہ لکھا تھا کہ شراب فتح مکہ کے سال (۸ھ) میں فتح مکہ سے پہلے حرام کی گئی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ علامہ دمیاطی نے اپنی سیرت میں جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ شراب کو حدیبیہ کے سال حرام کیا گیا اور حدیبیہ کا واقعہ چھ ہجری میں ہوا تھا' اور امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ حکم بنو نضیر کے واقعہ میں نازل ہوا تھا اور یہ جنگ احد کے بعد کا واقعہ ہے اور راجح قول کے مطابق یہ چار ہجری کا واقعہ ہے' لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو میں (انس) لوگوں کو شراب پلا رہا تھا اور میں اس وقت قوم میں سب سے چھوٹا تھا۔ (صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۵۸۳) تو اگر چار ہجری میں شراب کی تحریم نازل ہوئی تو حضرت انس اس وقت چودہ سال کے ہوں گے' تو پھر وہ ان میں سب سے چھوٹے کیسے ہوئے۔ (فتح الباری' ج ۱۰' ص ۳۱' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

شراب کو حرام کر کے اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے' کیونکہ شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے سو جو چیز عقل کو زائل کر دے' اس کو حرام کر دینا ہم پر بہت بڑا انعام ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے تو پھر گزشتہ امتوں میں خمر کو کیوں حلال رکھا گیا' جبکہ عقل کی ان کو بھی ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نشہ کرنا تمام ادیان میں حرام رہا ہے' ان پر خمر کی قلیل مقدار حلال تھی' ہم پر خمر کی قلیل مقدار بھی حرام کر دی گئی' تاکہ قلیل مقدار میں خمر کا پینا کثیر مقدار میں خمر پینے کا ذریعہ نہ بن جائے اور یہ اللہ

تعالیٰ کا ہم پر خصوصی کرم ہے 'کیونکہ اس نے ہم کو خیر امم قرار دیا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر اس حکمت کی وجہ سے ابتداء "اسلام میں خمر کو حرام کیوں نہیں قرار دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً اسلام میں خمر کو مباح رکھا' تاکہ مسلمان خمر کے فساد کا خود مشاہدہ کریں' حتیٰ کہ جب ان پر خمر حرام کردی گئی تو انہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم برحق ہے۔

اللہ کے خوف کو تین بار ذکر کرنے کی توجیہات

اس آیت میں فرمایا ہے بہ شرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور ایمان پر برقرار رہیں اور نیک عمل کرتے رہیں' پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور بدستور ایمان پر قائم رہیں' پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں۔

اس آیت میں دو مرتبہ ایمان لانے اور تین مرتبہ اللہ سے ڈرنے کا ذکر فرمایا ہے' اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

۱- پہلے ایمان اور تقویٰ سے مراد اصل ایمان اور اصل تقویٰ ہے' یعنی انہوں نے شرک اور کفر کو ترک کیا اور اللہ پر ایمان لائے اور دوسری مرتبہ اللہ سے ڈرنے اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس ایمان اور تقویٰ پر برقرار رہے اور تیسری مرتبہ اللہ سے ڈرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے اس کے بندوں پر ظلم کرنے سے باز رہے' اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہے۔

۲- پہلی بار اللہ کے ڈر اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور اس کے نازل کیے ہوئے سابقہ احکام' مثلاً نماز' روزہ اور جہاد وغیرہ پر ایمان لائے اور دوسری مرتبہ اللہ کے خوف اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے بعد میں نازل ہونے والے احکام پر ایمان لائے' مثلاً بعد میں شراب' جوئے' انصاب اور ازلام کو حرام کیا گیا' تو وہ ان کی حرمت پر ایمان لے آئے۔ پھر تیسری بار اللہ کے ڈر سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے محرمات سے اجتناب کرنے پر برقرار رہے اور نیک سلوک کرتے رہے۔

۳- پہلی بار اللہ کے ڈر اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے محرمات سے بچتے تھے اور ایمان اور اعمال صالحہ پر برقرار رہتے تھے' اور دوسری بار ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے بعد میں حرام کی جانے والی چیزوں' مثلاً شراب سے مجتنب ہوئے اور اس کی تحریم پر ایمان لائے اور تیسری بار ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے ڈر سے اس اجتناب اور اعمال صالحہ پر برقرار رہے۔

۴- تین بار ذکر سے تین اوقات مراد ہیں' یعنی وہ ماضی میں اللہ سے ڈرتے تھے' حال میں بھی اللہ سے ڈرے اور مستقبل میں بھی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

۵- تین بار ذکر سے تین احوال مراد ہیں' یعنی وہ خوف خدا سے کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو اللہ عزوجل کی شان کے لائق نہ ہو' اور نہ وہ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جو آداب رسالت کے منافی ہو' اور نہ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے اپنے نفس اور عام مسلمانوں کے لیے باعث ضرر ہو' بلکہ اس کے برعکس وہ اللہ تعالیٰ' اس کے رسول ﷺ اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں کوشاں رہتے ہیں۔

۶- وہ خوف خدا سے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے بچتے ہیں' خلاف سنت اور خلاف اولیٰ کاموں سے بچتے ہیں اور بعض ایسے مباح کاموں سے بچتے ہیں جو دناءت اور خست نفس کا سبب ہوں۔

۷- اس سے مراد سلوک کی ابتداء' سلوک کا وسط اور سلوک کی انتہاء ہے' جس میں انسان محبوب حقیقی سے واصل ہو جاتا ہے۔

۸۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے عمر کے تین ادوار مراد ہوں' یعنی وہ عمر کی ابتداء میں بھی اللہ سے ڈرتے تھے' وسط میں بھی اور آخر میں بھی۔

۹۔ وہ شراب کی تحریم نازل ہونے سے پہلے بھی اس سے اجتناب کرتے تھے' اس کی تحریم نازل ہونے کے بعد بھی اس سے اجتناب کرتے رہے اور باقی اعمال میں خوف خدا سے گناہوں سے اجتناب کرتے رہے اور نیک عمل کرتے رہے۔

۱۰۔ اس تکرار سے ایمان اور خوف خدا کی تاکید اور اس میں مبالغہ مقصود ہے' تاکہ مسلمان اس پر نہایت اہمیت کے ساتھ برقرار رہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ

اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے

اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى

نیزے پہنچ سکیں تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، سو جس نے اس (تنبیہ)

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا

کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے ○ اے ایمان والو! حالتِ احرام میں شکار نہ

الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ

مارو، اور تم میں سے جس نے عمداً شکار مارا تو جس جانور کو اس نے مارا ہے

مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ

اس شخص کو مویشیوں میں سے اسی کی مثل قربانی کرنی ہوگی، تم میں سے دو منصف اس (کی

الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

مثلیت) کا فیصلہ کریں گے درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو، یا (اس پر) چند مسکینوں کا کھانا ہے یا ان (کی تعداد) کے برابر

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ

روزے رکھنا ہے تاکہ وہ اپنے کرتوت کا مزہ چکھے، جو گزر گیا اس کو اللہ نے معاف کر دیا، اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا تو اللہ

اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ

اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب منتقم ہے ○ تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام

طَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے۔ اور جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام

حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۹۶﴾

کر دیا گیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم سب پیش کیے جاؤ گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے سو جس نے اس تنبیہ کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (المائدہ: ۹۴)

شان نزول اور مناسبت

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کے سال میں نازل ہوئی' بعض مسلمانوں نے احرام باندھا ہوا تھا اور بعض نے احرام نہیں باندھا ہوا تھا' اور جب ان کے سامنے شکار آتا تو ان کے احوال اور افعال مختلف ہوتے اور ان پر احکام مشتبہ ہو جاتے۔ تب اللہ نے ان کے احوال اور افعال کے احکام بیان کرنے اور حج اور عمرہ میں ممنوعہ کام بیان کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۲۲۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم نے مقاتل سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عمرہ حدیبیہ میں نازل ہوئی' جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وحشی جانوروں کے شکار کی آزمائش میں مبتلا کیا اور وہ اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے' وحشی جانور بکثرت ان کی سواریوں کے گرد پھر رہے تھے' اور وہ ان کے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں تھے۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پرندوں کے چوزے اور وحشی جانوروں کے بچے اور انڈے ان کے ہاتھوں کی زد میں تھے اور بڑے جنگلی جانور' مثلاً جنگلی گدھا' گائے اور اونٹ وغیرہ ان کے نیزوں کی زد میں تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو شکار قریب تھے' وہ ان کے ہاتھوں کی دسترس میں تھے اور جو شکار دور تھے' وہ ان کے نیزوں کے نشانوں پر تھے۔ نیزہ کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ وہ شکار کرنے کا بڑا ہتھیار ہے' تیر اور دیگر ہتھیار بھی اس میں شامل ہیں۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۲۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا جن پاکیزہ اور پسندیدہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے' ان کو حرام نہ قرار دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو مستثنیٰ فرمایا اور فرمایا کہ یہ حرام اور نجس ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحشی جانوروں کے شکار کرنے کو محرم پر حرام قرار دیا' اور شکار کرنے پر اس کی تلافی اور تدارک کے لیے تاوان بیان فرمایا۔

"تاکہ اللہ یہ جان لے" کی توجیہات

اس آیت کے دوسرے جز کا لفظی معنی یہ ہے' تاکہ اللہ یہ جان لے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ہمیشہ سے جاننے والا ہے اور کسی شخص کے کسی کام کرنے یا نہ کرنے پر اس کا علم موقوف نہیں ہے' اس لیے ہم نے اس کا معنی یہ کیا ہے' تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم سے مراد علم ظہور ہے۔ اس کو حکماء کی اصطلاح میں علم تفصیلی سے تعبیر کرتے ہیں' جو معلومات کا عین ہے' اس کے برخلاف علم اجمالی عالم کا عین ہوتا ہے۔

علامہ بیضاوی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا ذکر کیا ہے اور اس سے مراد معلوم کو واقع کرنا اور اس کو ظاہر کرنا ہے۔ نیز علامہ بیضاوی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے غائبانہ ڈرتا ہے' اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم بالفعل متعلق ہو جائے اور بعض مفسرین نے کہا یہاں پر مضاف محذوف ہے' یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء جان لیں کہ کون اللہ سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے' تاکہ اللہ پہچان کرا دے اس کی جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا ہے۔

حالت احرام میں شکار کرنے کی سزا

اس کے بعد فرمایا سو جس نے اس تنبیہ کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ تنبیہ کے بعد محرم کا شکار کے درپے ہونا' اللہ تعالیٰ کے حکم سے محض لاپرواہی برتنا ہے اور بے باکی ہے اور اس کے ڈر اور خوف سے اپنے آپ کو آزاد رکھنا ہے اور جو شخص اپنے نفس کو لگام ڈالنے پر قادر نہ ہو اور اس قسم کے آسان احکام میں آزمائش پر پورا نہ اتر سکے' اس سے کب توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ بڑے بڑے اور سخت احکام میں آزمائش پر پورا اتر سکے گا۔ متبادر یہ ہے کہ یہ عذاب آخرت میں ہو گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کی پشت برہنہ کر کے اس پر کوڑے لگائے جائیں گے اور شیخ الاسلام نے کہا اس کو دنیا میں بھی سزا دی جائے گی اور وہ آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! حالت احرام میں تم شکار نہ مارو اور تم میں سے جس نے عمداً شکار مارا تو جس جانور کو اس نے مارا ہے' اس شخص کو مویشیوں میں ان کی مثل قربانی کرنی ہو گی' تم میں سے دو منصف اس (کی مثلیت) کا فیصلہ کریں گے درآنحالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو یا (اس پر) چند مسکینوں کا کھانا ہے یا ان (کی تعداد) کے برابر روزے رکھنا ہیں' تاکہ وہ اپنے کرتوت کا مزہ چکھے۔ جو گزر گیا' اس کو اللہ نے معاف کر دیا اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا' تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب منتقم ہے۔ (المائدہ: ۹۵)

خشکی کے جانوروں کے قتل کی ممانعت سے پانچ فاسق جانوروں کا استثناء

خشکی کے شکار کو مارنا محرم پر حرام ہے اور سمندری شکار کو مارنا اس کے لیے حلال ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (المائدہ: ۹۶)

تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے۔

خشکی کا شکار وہ ہے جو خشکی میں پیدا ہوا ہو اور خشکی ہی میں رہتا ہو اور سمندری شکار وہ ہے جو پانی میں (خواہ دریا ہو یا سمندر) پیدا ہوا ہو' اور پانی میں رہتا ہو اور شکار اس جانور کو کہتے ہیں جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے انسانوں سے غیر مانوس ہو اور ان سے متنفر اور متوحش ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے خشکی کے جانوروں کو قتل کرنے کی ممانعت کے عمومی حکم سے پانچ خبیث جانوروں کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔ کاٹنے والا کتا' بھیڑیا' چیل' کوا' سانپ اور بچھو۔ کیونکہ یہ جانور ابتداء حملہ کرتے ہیں اور ایذا پہنچاتے ہیں' اور کوے سے مراد وہ ہے جو مردار کھاتا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں جن کو حرم یا غیر حرم میں قتل کر دیا جائے گا۔ سانپ' کوا' (جس کی پشت اور پیٹ پر سفیدی ہو) چوہا اور کاٹنے والا کتا اور چیل۔

(صحیح مسلم' ج ۶۶' (۱۱۹۸) ۲۸۱۵' سنن نسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۸۲۹' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۸۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' پانچ جانور کل کے کل فاسق ہیں' ان کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ کوا' چیل' کاٹنے والا کتا' بچھو اور چوہا۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۲۹' صحیح مسلم' ج ا' (۱۱۹۸) ۲۸۲۰' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۸۹۰)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم اور غیر محرم کے لیے کاٹنے والے کتے کو حرم اور غیر حرم میں قتل کرنا جائز ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے یہی معروف کتا مراد ہے۔ امام اوزاعی' امام ابوحنیفہ' اور حسن بن صالح کا یہی قول ہے اور انہوں نے بھیڑیے کو بھی اسی کے ساتھ لاحق کیا ہے' اور امام زفر کے نزدیک کتے سے مراد صرف بھیڑیا ہے' اور جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ کاٹنے والے کتے سے مراد بالخصوص یہ معروف کتا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ درندہ ہے جو عادۃً حملہ کرتا ہو' مثلاً بھیڑیا اور چیتا وغیرہ۔ امام شافعی' امام احمد' سفیان ثوری وغیرہم کا یہی قول ہے۔ قاضی عیاض نے اس قول کو جمہور علماء کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح للنووی' ج ۵' ص ۳۲۳۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

کھیتوں کے کوے کے علاوہ ہر کوے کو قتل کرنے کا حکم

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کوے کو قتل کرنے کے حکم سے وہ چھوٹا کوا مستثنیٰ ہے جو دانہ کھاتا ہے۔ اس کو غراب زرع اور زاغ کہا جاتا ہے۔ اس کے کھانے پر جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے' اس کے علاوہ کوے کی جتنی قسمیں ہیں' ان سب کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ فتح الباری کے مطابق کوے کی پانچ قسمیں ہیں۔ ایک عقعق ہے۔ قاموس میں لکھا ہے کہ یہ سفید اور سیاہ رنگ کا پرندہ ہے' اس کی آواز عین اور قاف کے مشابہ ہے اور دوسرا ابقع ہے' جس کی پیٹھ اور پیٹ پر سفیدی ہے۔ تیسرا غداف ہے۔ اہل لغت اس کو ابقع کہتے ہیں اور اس کو غراب البین بھی کہا جاتا ہے' کیونکہ جب نوح علیہ السلام نے اس کو زمین کی خبر لانے کے لیے بھیجا' تو یہ ان سے علیحدہ ہو کر مردار کھانے میں مشغول ہو گیا۔ چوتھی قسم اعصم ہے۔ یہ وہ ہے جس کی ٹانگ یا پیر یا پیٹ میں سفیدی یا سرخی ہو اور پانچویں قسم زاغ ہے' اس کو غراب زرع بھی کہتے ہیں' یہ چھوٹا کوا ہے جو دانہ کھاتا ہے۔

(فتح الملہم' ج ۳' ص ۲۳۱' مطبوعہ مکتبہ الحجاز' کراچی)

شیخ عثمانی نے زاغ یا غراب زرع کے سوا کوے کی باقی اقسام کو حرام قرار دیا ہے اور فقہاء کی عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ زاغ (غراب زرع) اور عقعق کے سوا کوے کی باقی اقسام حرام ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ زاغ (غراب زرع) اور عقعق دونوں اس عام کوے سے چھوٹے ہوتے ہیں' ان تصریحات سے واضح ہوا کہ یہ عام معروف کوا جو ہمارے درختوں پر پایا جاتا ہے' حرام ہے۔

تین صورتوں میں محرم کے لیے شکاری جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر محرم شکار کو قتل کر دے تو اس پر اس کی جزا (تاوان) واجب ہوتی ہے' جیسا کہ سورۂ مائدہ کی اس آیت ۹۵ میں صراحتاً مذکور ہے۔ شکار کے قتل کی بھی قسمیں ہیں' ایک قسم مباح ہے اور ایک قسم حرام ہے۔ حرام وہ قسم ہے جس میں محرم شکار کو بغیر کسی سبب موجب یا سبب مبیح کے قتل کر دے۔ سبب موجب یہ ہے کہ کوئی جانور محرم پر حملہ کر دے' اور اس کو قتل کیے بغیر اس جانور سے جان بچانے کی اور کوئی صورت نہ ہو' اس صورت میں اس جانور کو قتل کرنا واجب

ہے' کیونکہ جان بچانا فرض ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے قاعدہ کے مطابق ہے' اور سب صحیح یہ ہے کہ انسان کے پاس حلال ذرائع سے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہو اور جان بچانے کی صرف یہ صورت ہو کہ انسان کسی جانور کو شکار کرکے کھالے' تو اس صورت میں اپنی جان بچانے کے لیے اس جانور کو شکار کرکے کھانا مباح ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ — اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو

(البقرہ: ۱۹۵)

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی جانور کو کسی درندہ یا کسی کے پھندہ سے بچانے کی کوشش کرے اور وہ جانور ہلاک ہو جائے' تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

محرم عمداً قتل کرے یا خطاءً' ہر صورت میں اس پر ضمان کا وجوب

ائمہ مذاہب کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ محرم شکار کو عمداً قتل کرے یا خطاءً قتل کرے' ہر صورت میں اس پر ضمان واجب ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس بجو کو محرم شکار کرے' اس کا تاوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا قرار دیا اور اس کو شکار میں شمار فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۸۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محرم شترمرغ کا انڈا شکار سے حاصل کرے تو اس کا تاوان اس کی قیمت ہے۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۸۶' مطبوعہ بیروت)

وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمان کو عمد کے ساتھ مقید نہیں فرمایا' بلکہ شکار کرنے پر مطلقاً تاوان کو واجب فرمایا ہے۔

شکار کی تعریف

شکار کو قتل کرنا محرم پر حرام ہے' خواہ اس نے حج کا احرام باندھا ہو یا عمرہ کا اور شکار وہ ہے جس میں تین اوصاف ہوں۔ اس کا کھانا حلال ہو' اس جانور کا کوئی مالک نہ ہو' وہ فی نفسہٖ پالتو جانور نہ ہو' اور انسانوں سے غیرمانوس ہو' ان کو دیکھ کر بھاگنے والا' متنفر اور وحشی ہو۔ سو اگر کوئی شخص کسی درندے کو یا چھاڑتے چیرنے والے پرندے کو یا حشرات الارض میں سے کسی جانور مثلاً چھپکلی یا گرگٹ وغیرہ اور دیگر کیڑے مکوڑے کو قتل کردے تو اس پر ضمان نہیں ہے' اسی طرح محرم اگر کسی پالتو جانور کو ذبح کردے مثلاً گائے' بکری اور مرغی وغیرہ کو تو اس پر بالاتفاق ضمان نہیں ہے' اور یہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ سمندری اور دریائی جانور کو شکار کرنا جائز ہے' صرف خشکی کے جانور کو شکار کرنا محرم کے لیے جائز نہیں ہے۔

شکار پر دلالت کرنے کی وجہ سے ضمان کے لزوم میں مذاہب ائمہ

امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک جس طرح شکار کو قتل کرنے سے محرم پر جزا لازم آتی ہے۔ اسی طرح اگر محرم کسی اور کو شکار کی طرف رہنمائی کرے یا اس پر دلالت کرے تو اس پر بھی ضمان لازم آتی ہے اور امام شافعی اور امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ ضمان کا تعلق قتل سے ہے' اور شکار پر دلالت کرنا' اس کو قتل کرنا نہیں اور یہ ایسا ہے جیسے غیر محرم' غیر محرم کو کسی شکار پر دلالت کرے' فقہاء احناف کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے' حتیٰ کہ ہم "قاحہ" میں پہنچے' ہم میں سے بعض محرم اور بعض غیر محرم تھے' اچانک میں نے دیکھا کہ میرے ساتھی کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں' میں نے دیکھا کہ وہ ایک جنگلی گدھا تھا' میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی' اپنا نیزہ سنبھالا اور سوار ہو گیا۔ اتفاقاً میرا چابک گر گیا' میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے چابک اٹھا دو' ساتھی محرم تھے' انہوں نے کہا خدا کی قسم! ہم تمہاری اس معاملہ میں بالکل مدد نہیں کریں گے' میں نے اتر کر چابک اٹھایا اور سوار ہو گیا۔ میں نے اس جنگلی گدھے کو پیچھے سے جا کر پکڑ لیا در آنحالیکہ وہ ٹیلہ کے پیچھے تھا' میں نے نیزہ مار کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس کو اپنے ساتھیوں کے پاس لایا۔ بعض ساتھیوں نے کہا کھا لو' اور بعض نے کہا نہ کھاؤ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے آگے تھے۔ میں گھوڑا بڑھا کر آپ تک پہنچا' آپ نے فرمایا وہ حلال ہے اس کو کھا لو۔

(صحیح مسلم' الحج' ۵۶' (۱۱۹۶) ۲۸۰۳' صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۲۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۸۵۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۸۴۷' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۸۱۶)

درج ذیل حدیث میں زیادہ وضاحت ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے بعض صحابہ کو ایک طرف روانہ کیا جس میں ابو قتادہ بھی تھے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلو۔ پھر مجھ سے آ ملنا' پھر وہ سب سمندر کے کنارے کنارے چل پڑے' جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جانے لگے تو حضرت ابو قتادہ کے سوا سب نے احرام باندھ لیا' انہوں نے احرام نہیں باندھا تھا' چلتے چلتے انہوں نے جنگلی گدھے دیکھے۔ حضرت ابو قتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ایک گدھی کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پھر سب نے اتر کر اس کا گوشت کھایا۔ حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے سوچا کہ ہم نے (شکار کا) گوشت کھا لیا ہے' حالانکہ ہم محرم ہیں۔ حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس جنگلی گدھی کا باقی ماندہ گوشت اپنے ساتھ رکھ لیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا' یا رسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور ابو قتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا' ہم نے جنگلی گدھے دیکھے' ابو قتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پھر ہم نے اتر کر اس کا گوشت کھایا۔ پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم محرم تھے' اور ہم نے شکار کا گوشت کھا لیا' پھر ہم نے باقی گوشت رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے شکار کا امر کیا تھا یا اس کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں' آپ نے فرمایا اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھا لو۔

شیبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کسی شخص نے اس کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ اور شعبہ کی روایت میں ہے کیا تم نے اشارہ کیا تھا یا امداد کی تھی؟ یا شکار کیا تھا؟

(صحیح مسلم' الحج' ۶۰' (۱۱۹۶) ۲۸۱۰' صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۲۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۸۵۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۸۴۸' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۲۸۲۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۰۹۳' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۳۹۶۶' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۸۳۳۷' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۵' ص ۳۲۲' سنن دار قطنی' ج ۲' ص ۲۹۱ ملتان' مسند احمد' ج ۵' ص ۳۰۶' ۳۰۵' ۳۰۱ طبع قدیم)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کے حلال ہونے کو اس کی طرف اشارہ نہ کرنے پر موقوف فرمایا ہے۔ سو اگر کوئی شخص زبان سے شکار کی رہنمائی کرے گا تو وہ بطریق اولیٰ حرام ہو گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے تو صرف اس شکار کا حرام ہونا لازم آئے گا' ضمان لازم نہیں آئے گی' تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ محرم کے لیے شکار کی

طرف اشارہ کرنا' یا اس کی طرف رہنمائی کرنا حرام ہے' اور اس کے اس اشارہ کرنے کی وجہ سے اس شکار کا امن زائل ہو گیا اور اس کی جان تلف ہو گئی او اس کے اشارہ اور اعانت کی وجہ سے وہ شکار قتل کر دیا گیا' سو شکار کی طرف اشارہ کرنے والے محرم پر بھی وہی ضمان ہو گی جو شکار کو قتل کرنے والے محرم پر ہوتی ہے۔ عطاء نے کہا ہے کہ تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ شکار پر دلالت کرنے والے پر بھی ضمان ہے' اور اس زمانہ کے لوگ صحابہ کرام اور تابعین تھے۔ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے اور امام طحاوی نے اس کو متعدد صحابہ سے نقل کیا ہے' اور کسی صحابی سے اس کے خلاف منقول نہیں ہے تو اس پر اجماع صحابہ ہے اور حضرت ابن عمر سے جو یہ منقول ہے کہ دلالت کرنے والے پر ضمان نہیں ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ جب دلالت کرنے سے شکار کو قتل نہ کیا جائے۔

(فتح القدیر' ج ۳' ص ۶۴۔ ۶۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

شکار پر دلالت کرنے سے بھی ضامن بنایا جائے گا' پس جب کسی محرم نے کسی غیر محرم کو شکار پر دلالت کی اور اس نے اس شکار کو تلف کر دیا' تو اس کی پوری جزا محرم پر ہو گی۔ یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور مجاہد' بکر مزنی' اسحاق اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے' اور امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ دلالت کرنے والے پر کچھ ضمان نہیں ہے' کیونکہ ضمانت جنایت سے لازم آتی ہے' دلالت سے لازم نہیں آتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے فرمایا تھا' کیا تم میں سے کسی نے اس کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ نیز شکار پر دلالت کرنا اس کو تلف کرنے کا ذریعہ ہے' لہٰذا اس کی وجہ سے ضمان لازم آئے گی اور یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے' اور صحابہ میں سے کوئی ان کا مخالف نہیں ہے۔

(المغنی' ج ۳' ص ۱۴۳' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۰۵ھ)

شکار کی جزا میں اس کی مثل صوری ضروری ہے یا اس کی قیمت؟

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک شکار کو قتل کرنے کی جزا یہ ہے کہ جس مقام پر شکار کو قتل کیا گیا یا جو جگہ اس کے قریب ترین ہو' وہاں اس شکار کی قیمت مقرر کی جائے اور دو نیک شخص اس کی قیمت مقرر کریں' پھر فدیہ دینے میں محرم کو اختیار ہے' اگر اتنی رقم سے قربانی کا جانور خرید ا جا سکتا ہے تو اس رقم سے قربانی کا جانور خرید کر اس کو ذبح کر دے اور اگر چاہے تو اس رقم سے طعام خرید کر مسکینوں پر صدقہ کرے' ہر مسکین کو دو کلو گرام گندم یا چار کلو گرام کھجوریں یا جو صدقہ کرے اور اگر چاہے تو جتنے مساکین پر صدقہ لازم آتا ہے اتنے دنوں کے روزے رکھے' مثلاً فدیہ کی رقم سے دس کلو گندم آتی ہے' جو پانچ مسکینوں پر صدقہ کی جائے گی تو اس کو اختیار ہے کہ وہ پانچ مسکینوں پر دس کلو گندم صدقہ کرے' اور چاہے تو اس کے بجائے پانچ دنوں کے روزے رکھ لے۔

امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ جس شکار کی نظیر ہو سکتی ہو' اس میں اس کی نظیر کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ ہرن کی نظیر بکری ہے' اور بجو کی نظیر بھی بکری ہے اور خرگوش کی نظیر بکری کا بچہ ہے' اور جنگلی چوہے کی نظیر چار ماہ کا بکری کا بچہ ہے اور شتر مرغ کی نظیر اونٹ ہے اور جنگلی گدھے کی نظیر گائے ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ — تو اس کا تاوان اس جانور کی مثل ہے جس کو اس نے قتل کیا ہے۔ (المائدہ: ۹۵)

اور مقتول جانور کی مثل وہ ہوگی جو صورۃً اس کی مثل ہو اور قیمت اس جانور کی مثل نہیں ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی خلقت اور ظاہری صورت کے اعتبار سے مثل کو واجب کیا ہے۔ شتر مرغ' ہرن' جنگلی گدھے اور خرگوش میں انہوں نے ان ہی جانوروں کو مثل قرار دیا ہے' جو ہم نے بیان کی ہیں۔ امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا' کیا بجو شکار ہے؟ فرمایا ہاں! جب محرم اس کا شکار کرے تو اس میں ایک مینڈھا ہے۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث:۳۸۰۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث:۸۵۱' سنن النسائی' رقم الحدیث:۲۸۳۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۲۳۶' سنن دارمی' ۱۸۷۷' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۳۹۶۵' مسند احمد' ج ۳' ص ۲۹۷' سنن دار قطنی' ج ۲' ص ۲۴۵' ملتان' المستدرک' ج ۱' ص ۴۵۲)

جس جانور کی نظیر نہ ہو' اس میں امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قیمت واجب ہے' مثلاً چڑیا اور کبوتر اور ان کی مثل دوسرے پرندے' اور جب قیمت واجب ہو تو امام محمد کا قول امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے مطابق ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کبوتر میں بکری کو واجب کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں مثل کو مطلقاً ذکر کیا ہے' اور مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے اور مثل کامل وہ ہے جو صورۃً اور معنیً دونوں اعتبار سے مثل ہو' اور جب کامل مثل متحقق نہیں ہو سکتی' تو اس کو معنی مثل پر محمول کیا جائے گا' کیونکہ مثل معنوی شریعت میں متعارف ہے' جیسا کہ حقوق العباد میں ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (البقرہ:۱۹۴)

سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کی زیادتی کا بدلہ لو' اس زیادتی کی مثل جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

نیز جن جانوروں کی مثل نہیں ہے' ان میں امام شافعی کے نزدیک بھی مثل معنوی مراد ہوتی ہے' پس مثل معنوی بالاجماع مراد ہے۔ لہٰذا سب جگہ مثل معنوی ہی مراد لینی چاہیے' ورنہ قرآن مجید کے ایک لفظ سے دو معنی مراد لینے لازم آئیں گے' کہیں مثل صوری اور کہیں مثل معنوی۔ نیز مثل معنوی میں عموم ہے اور مثل صوری میں خصوص ہے اور عموم خصوص پر راجح ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ محرم نے جس شکار کو قتل کیا ہے' اس پر اس کے تاوان میں اس کی قیمت واجب ہے۔ نیز قرآن مجید میں قتل کیے ہوئے شکار کے لیے نعم کا لفظ ہے اور یہ لفظ جنگلی اور پالتو دونوں قسم کے جانوروں کے لیے بولا جاتا ہے۔

جزاء میں اختیار منصفوں کی طرف راجع ہے یا محرم کی طرف؟

امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک جزاء میں اختیار محرم کی طرف راجع ہے' یعنی محرم کو اختیار ہے' خواہ وہ اس جانور کی قیمت سے قربانی کا جانور خرید کر اس کی قربانی کر دے' یا اس کی قیمت کا طعام خرید کر مساکین پر صدقہ کر دے' یا ان مسکینوں کی تعداد کے برابر روزے رکھ لے' اور امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک یہ اختیار فیصلہ کرنے والے دو نیک حاکموں کی طرف راجع ہے۔ اگر وہ قربانی کا حکم دیں تو اس جانور کی نظیر خرید کر اس کی قربانی کرے' اور اگر وہ طعام صدقہ کرنے کا حکم دیں یا روزے رکھنے کا حکم دیں تو اس کی قیمت کا طعام خرید کر مساکین پر صدقہ کرے یا مساکین کی تعداد کے برابر روزے رکھے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہ اختیار محرم کی آسانی کے لیے دیا گیا ہے اور محرم کے لیے آسانی اسی وقت ہوگی جب یہ اختیار اس کی طرف راجع ہو۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم میں سے دو منصف اس (کی مثلیت) کا فیصلہ کریں گے درآنحالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو' یا اس پر چند مسکینوں کا کھانا ہے' یا ان کی تعداد کے برابر روزے رکھنا ہیں

اور ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختیار ان منصفوں کی طرف راجع ہے۔

طعام کا صدقہ مکہ میں کرنا ضروری ہے یا دوسرے شہر میں بھی جائز ہے؟

قربانی کا جانور صرف مکہ میں ذبح کیا جائے گا اور مسکینوں کو طعام کا صدقہ کسی اور شہر میں بھی دیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی صدقہ طعام کو قربانی پر قیاس کرکے کہتے ہیں کہ یہ طعام بھی مکہ کے مسکینوں پر صدقہ کیا جائے اور ان دونوں میں مشترک چیز یہ ہے کہ حرم کے رہنے والوں کے ساتھ حسن سلوک ہو۔ امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ شکار کی جزاء میں کسی جانور کو ذبح کرنا غیر معقول فعل ہے' لہٰذا وہ زمان اور مکان کے اعتبار سے اپنے امور میں بند رہے گا اور صدقہ کرنا ایک معقول فعل ہے۔ اس لیے وہ ہر جگہ ہو سکتا ہے اور روزہ میں اتفاق ہے کہ وہ کسی بھی شہر میں رکھے جا سکتے ہیں۔

(ہدایہ اولین' ص ۲۸۰-۲۷۷' مختصراً و موضحاً' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

دوسری بار شکار کو مارنے سے جزاء لازم ہوگی یا نہیں؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو گزر گیا اس کو اللہ نے معاف کر دیا اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا' تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب منتقم ہے۔ (المائدہ: ۹۵)

اس آیت کا معنی ہے محرم نے پہلی بار شکار کو قتل کیا اور اس کی ضمان یا جزاء ادا کر دی' تو اللہ اس کو معاف کر دے گا اور جس محرم نے دوسری بار شکار کو قتل کیا' وہ اخروی عذاب کا مستحق ہوگا۔

دوسری بار شکار کو قتل کرنے والا ضمان ادا کرے گا یا نہیں' اس میں دو قول ہیں۔ عطاء' ابراہیم' ابن جبیر' حسن اور جمہور کا قول یہ ہے کہ تکرار قتل سے تکرار جزاء واجب ہوتی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قاضی شریح کا قول یہ ہے کہ اگر محرم نے دوبارہ شکار کو قتل کیا تو اس کو کفارہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا' حتیٰ کہ جب ان سے کوئی محرم سوال کرتا کہ اس نے شکار کو قتل کر دیا ہے' اب وہ کیا کرے تو وہ اس سے سوال کرتے تھے کہ اس نے پہلی بار شکار کو قتل کیا ہے یا دوسری بار۔ اگر اس نے پہلی بار قتل کیا ہوتا تو اس کو کفارہ کا حکم دیتے اور اگر دوسری بار قتل کیا ہوتا' تو اس کو کفارہ کا حکم نہ دیتے' اور وہ چونکہ عذاب اخروی کا مستحق ہے' اس لیے اب اس پر صرف توبہ کرنا لازم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے کہ اس کی توبہ قبول فرمائے یا اس کو عذاب دے' جس طرح باقی کبیرہ گناہوں کا حکم ہے۔

اس آیت کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے دوبارہ حالت احرام میں شکار کو قتل کیا اور کفارہ نہیں دیا' تو اللہ اس سے انتقام لے گا' لیکن یہ توجیہ ظاہر آیت سے بعید ہے۔ اس آیت میں گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے والے کے لیے بہت سخت وعید ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو دوبارہ کرنے پر انتقام لینے کی وعید سنائی ہے۔ بندہ کو چاہیے کہ ہر آن اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا رہے اور کسی بھی گناہ کو دوبارہ کرنے سے اجتناب کرے۔ مبادا وہ اللہ تعالیٰ کے انتقام کا شکار ہو جائے' میں جب بھی اس آیت کو پڑھتا ہوں' تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔

اضطرار کی صورت میں شکار اور مردار میں سے کس کو اختیار کرنا اولیٰ ہے

اگر محرم کو کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ملے اور وہ بھوک سے جاں بلب ہو اور اس کو مردار اور شکار دونوں میسر ہوں تو اس میں اختلاف ہے کہ وہ مردار کھا کر جان بچائے یا شکار کو مار کر کھائے۔ امام زفر نے کہا وہ مردار کھالے' کیونکہ مردار ایک وجہ سے حرام ہے اور شکار کو قتل کرکے کھانا کئی وجہ سے حرام ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ وہ شکار کو قتل کرکے کھالے اور اس کی جزاء ادا کرے' کیونکہ مردار کی حرمت زیادہ غلیظ ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شکار کی حرمت عارضی ہے' احرام سے

نکلنے کے بعد یہ حرمت ختم ہو جاتی ہے' اس کے برخلاف مردار کی حرمت دائمی ہے اور جب اسے دو حرمتوں میں سے کسی ایک حرمت کا ارتکاب کرنا پڑے تو زیادہ غلیظ حرمت کے مقابلہ میں ضعیف حرمت کو اختیار کرے جیسا کہ دو مصیبتوں میں سے کم درجہ کی مصیبت کو اختیار کیا جاتا ہے' جس کو فقہاء اھون البلیتین سے تعبیر کرتے ہیں۔ مبسوط میں اسی طرح مذکور ہے اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ اس صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کے مطابق مردار کھانا شکار کو قتل کر کے کھانے سے اولیٰ ہے۔ امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد نے کہا کہ شکار کو ذبح کرلے اور اگر شکار حلال ہو اور مذبوح ہو تو سب کے نزدیک شکار کو کھانا مردار سے اولیٰ ہے اور اگر ایک طرف شکار ہو اور دوسری طرف خنزیر کا گوشت ہو تو جان بچانے کے لیے محرم کے واسطے اولیٰ یہ ہے کہ وہ شکار کھالے۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۳۰-۲۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

مبسوط اور فتاویٰ قاضی خاں کی نقل میں تعارض ہے' ہمارے نزدیک مبسوط کی نقل معتمد ہے اور قوت دلیل کے اعتبار سے وہی راجح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے' تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے اور جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے' اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم سب پیش کیے جاؤ گے۔ (المائدہ: ۹۶)

سمندری شکار کی تعریف اور اس میں مذاہب ائمہ

سمندری شکار سے مراد ہے جس جانور کو پانی میں شکار کیا جائے' خواہ وہ پانی سمندر میں ہو' دریا میں ہو' نہر میں ہو یا تالاب میں ہو اور اس سے مقصود وہ جانور ہے جو پانی میں پیدا ہوا ہو' اور اس کی نشوونما اور بقا بھی پانی میں ہو اور اس کے طعام سے مراد' پانی میں کیا ہوا شکار ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک اس سے مراد صرف مچھلی ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں' مچھلی اور ٹڈی۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۱۸' مسند احمد ج ۲' رقم الحدیث: ۵۷۲۷)

اس حدیث کی سند کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن یزید ضعیف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے مراد پانی کے تمام جانور ہیں' ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے اور حضرت عمر' حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سمندری طعام سے مراد وہ تمام جانور ہیں جن کو سمندر ساحل پر پھینک دے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سمندری طعام سے مراد ہر وہ چیز ہے جو سمندر سے نکالی جائے اس کو کھالو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور سمندر کی ہر چیز کھائی جائے گی' خواہ وہ مردار ہو' سمندر میں ہو یا سمندر کے ساحل پر ہو۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۸۸-۸۶)

خشکی کے شکار سے مراد وہ جانور ہیں جو خشکی میں پیدا ہوئے ہوں اور ان کی نشوونما اور بقا بھی خشکی میں ہو اور شکار سے مراد وہ جانور ہیں جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے انسانوں سے غیر مانوس اور متوحش اور متنفر ہوں' جیسے ہرن اور نیل گائے وغیرہ اور بکری' گائے اور اونٹ وغیرہ شکار نہیں ہیں' کیونکہ وہ انسانوں سے مانوس ہیں۔ خشکی کے جانوروں کو قتل کرنے کی ممانعت کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے پانچ فاسق جانوروں کو مستثنیٰ فرما دیا ہے۔ وہ یہ ہیں: بچھو' چوہا' کاٹنے والا کتا' کوا' اور چیل ان کی تفصیل اور تحقیق ہم اس سے متصل پہلی آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

شکار کا گوشت محرم کے لیے ناجائز ہونے کے متعلق احادیث

اس آیت میں فرمایا ہے اور جب تک تم احرام میں ہو، تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ اگر غیر محرم، محرم کے لیے کسی جانور کو شکار کرے تو محرم کے لیے اس کو کھانا جائز نہیں ہے، اور حسب ذیل احادیث سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک جنگلی گدھا (شکار کر کے) پیش کیا، رسول اللہ ﷺ نے وہ ان کو واپس کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے میرے چہرے پر افسوس کے آثار دیکھے تو آپ نے فرمایا ہم نے تم کو یہ صرف اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم محرم ہیں۔

(صحیح مسلم، حج، ۵۰، (۱۱۹۳) ۲۷۹۹، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۸۲۵، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۸۵۰، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۲۸۱۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۰۹۰)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حارث کو طائف کا گورنر مقرر کیا تھا، اس نے کچھ پرندوں اور جنگلی جانوروں کا شکار کیا اور یہ طعام حضرت عثمان کی طرف بھیجا، حضرت عثمان نے یہ طعام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا، جس وقت ان کا قاصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، تو وہ اپنے اونٹوں کے لیے اپنے ہاتھ سے درختوں سے پتے جھاڑ رہے تھے، لوگوں نے آپ سے کہا یہ طعام کھائیں۔ آپ نے فرمایا تم لوگ کھالو، کیونکہ میں محرم ہوں۔ پھر فرمایا قبیلہ اشجع کے جو لوگ یہاں موجود ہیں، میں ان کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے جنگلی گدھے کا گوشت پیش کیا در آنحالیکہ آپ محرم تھے؟ آپ نے اس گوشت کو کھانے سے انکار کیا؟ انہوں نے کہا ہاں!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے زید بن ارقم! کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شکار کی دستی پیش کی گئی تو آپ نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا میں محرم ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں!

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۰-۱۸۴۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارے لیے خشکی کا شکار حلال ہے، جب تک کہ تم اس کو خود شکار نہ کرو، یا اس کو تمہارے لیے شکار نہ کیا جائے۔

امام ابوداؤد نے کہا جب نبی ﷺ کی دو حدیثیں متعارض ہوں تو اس حدیث پر عمل کیا جائے جس پر آپ کے اصحاب نے عمل کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۱، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۴۷، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۸۲۷)

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نوفل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے ایک ساتھ حج کیا۔ ایک غیر محرم نے شکار کر کے حضرت عثمان کے پاس اس کا گوشت بھیجا، حضرت عثمان نے اس میں سے کھایا اور حضرت علی نے نہیں کھایا۔ حضرت عثمان نے فرمایا بہ خدا ہم نے شکار کیا ہے، نہ اس کا حکم دیا ہے، نہ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت علی نے یہ آیت پڑھی جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب محرم ہوتے تو شکار کو نہیں کھاتے تھے، خواہ اس کو غیر محرم

نے شکار کیا ہو۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۹۷۔۹۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

جب محرم خود شکار کرے یا شکار کو ذبح کرے تو محرم پر اس کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب تک تم احرام میں ہو' تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔ (المائدہ: ۹۶) اور اگر محرم اس شکار میں اعانت کرے یا اس پر دلالت کرے یا اس کی طرف اشارہ کرے' تب بھی وہ محرم کے لیے جائز نہیں ہے اور اگر غیر محرم' محرم کی خاطر شکار کرے تو یہ محل اختلاف ہے۔ امام احمد' امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں بھی اس شکار کو کھانا محرم پر حرام ہے اور یہی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے' اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں' اس صورت میں محرم کے لیے شکار کو کھانا جائز ہے' کیونکہ حدیث صحیح میں اس کا جواز ہے۔

صحابہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا' یا رسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور ابو قتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا' ہم نے جنگلی گدھے دیکھے۔ حضرت ابو قتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں' ہم نے اتر کر اس کا گوشت کھایا' پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم محرم تھے اور ہم نے شکار کا گوشت کھالیا' پھر ہم نے باقی گوشت رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے شکار کا امر کیا تھا یا اس کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھالو۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۲۴' صحیح مسلم' ج' ۶۰' (۱۱۹۶) ۲۸۱۰' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۸۵۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۸۴۸' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۲۸۲۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۰۹۳' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۳۹۶۶' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۸۳۳۷' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۵' ص ۳۲۲' سنن دار قطنی' ج ۲' ص ۲۹۱' ملتان' مسند احمد' ج ۵' ص ۳۰۶' ۳۰۵' ۳۰۱' طبع قدیم)

اور حضرت علی' حضرت ابن عمر' حضرت عائشہ' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا موقف یہ ہے کہ شکار کا گوشت محرم پر ہر حال میں حرام ہے۔ (المغنی' ج ۳' ص ۱۳۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین نظریات ہیں:

۱۔ حضرت علی' حضرت ابن عمر' حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس کا موقف یہ ہے کہ شکار کا گوشت محرم پر ہر حال میں حرام ہے۔

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہے تو محرم پر اس شکار کا گوشت حرام ہے' ورنہ نہیں اور یہی ائمہ ثلاثہ کا موقف ہے۔

۳۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر محرم نے شکار میں غیر محرم کی اعانت نہیں کی' نہ اس کی طرف اشارہ کیا' نہ دلالت کی' تو پھر محرم کے لیے اس شکار کو کھانا جائز ہے' خواہ غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہو۔

محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلائل

قوت دلائل کے اعتبار سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نظریہ راجح ہے' کیونکہ امام ابوحنیفہ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور وہ صحیح بخاری' صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ سنن ابوداؤد' سنن ترمذی اور سنن نسائی میں ہے' اور صحاح کی احادیث سنن کی احادیث پر مقدم ہیں۔ اور

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں لام تملیک کے لیے ہے، یعنی شکار کا گوشت تمہاری ملک کر دیا جائے تو پھر تمہارے لیے اس کا کھانا جائز نہیں، جبکہ تم محرم ہو۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جب تمہاری اعانت سے تمہارے لیے شکار کیا جائے اور اس صورت میں اس کا کھانا بالاتفاق حرام ہے۔

حضرت صعب بن جثامہ کی حدیث میں ہے انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں جنگلی گدھا پیش کیا تو آپ نے یہ فرما کر رد کر دیا کہ میں محرم ہوں۔ یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے بھی خلاف ہے اور امام ابوحنیفہ کے بھی، ائمہ ثلاثہ اس حدیث کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ نے رسول اللہ ﷺ کی خاطر شکار کیا تھا، اس لیے آپ نے اس شکار کو واپس کر دیا اور امام ابوحنیفہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ صحیح مسلم، الحج، ۵۰ میں ہے کہ حضرت صعب نے آپ کی خدمت میں جنگلی گدھا پیش کیا اور الحج، ۵۲ میں ہے، جنگلی گدھے کا گوشت پیش کیا اور الحج، ۵۴ میں ہے جنگلی گدھے کی ایک ٹانگ پیش کی اور حدیث مضطرب سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اس لیے یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ کے موقف کے خلاف حجت نہیں ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جو بخاری، مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے اور غیر مضطرب ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں ہے جب تک احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے، یہ آیت بھی بظاہر امام ابوحنیفہ اور ائمہ ثلاثہ دونوں کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس پر محمول ہے کہ خشکی کا شکار تم پر حرام کر دیا گیا ہے جبکہ تم نے حالت احرام میں خود شکار کیا ہو یا شکار کرنے والے غیر محرم کی اعانت کی ہو، امام اعظم ابوحنیفہ کی تائید میں مزید احادیث حسب ذیل ہیں:

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بحرین کے پاس سے گزرا تو مجھ سے سوال کیا گیا کہ اگر غیر محرم شکار کرے تو آیا اس کا گوشت محرم کے لیے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا، لیکن میرے دل میں کچھ اضطراب تھا، میں نے حضرت عمر سے اس کا ذکر کیا، حضرت عمر نے فرمایا اگر تم اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو تاحیات تم فتویٰ نہ دے سکتے۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۵۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی)

امام ابن جریر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، اگر تم اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو میں تمہیں درے مارتا۔

(جامع البیان، جز ۷، ص ۹۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دھوپ میں سکھایا ہوا شکار کا گوشت لے کر جاتے اور اس کو سفر میں کھاتے تھے، حالانکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام میں ہوتے تھے۔ (کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۶۰، مطبوعہ کراچی)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اس میں بحث کر رہے تھے کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں اور نبی ﷺ سوئے ہوئے تھے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے پوچھا، تم کس چیز میں بحث کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے ہمیں اس کے کھانے کا حکم دیا۔ امام محمد نے فرمایا ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جب غیر محرم شکار کرے تو محرم کے لیے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ اس کو محرم کی خاطر ذبح کیا گیا ہو، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۶۱، مطبوعہ کراچی)

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ

اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا، اور حرمت والے مہینہ کو

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور کعبہ کی قربانی کو اور جانوروں کے گلوں میں پڑے ہوئے پٹوں کو، یہ اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، بیشک اللہ ہر چیز کو بہت جاننے والا ہے ○ جان لو کہ اللہ کا عذاب بہت

شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ ؕ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا

سخت ہے اور یہ کہ اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ رسول پر صرف حکم پہنچانا ہے

الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو ○ آپ کہیے کہ پاک اور ناپاک

الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

برابر نہیں ہو سکتا، خواہ (اے مخاطب) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی لگتی ہو، سو اے عقل والو! تم

يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع

اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ ○

ع ١٣ / ٣

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے، لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا اور حرمت والے مہینہ کو اور کعبہ کی قربانی کو اور جانوروں کے گلوں میں پڑے ہوئے پٹوں کو، یہ اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، بیشک اللہ ہر چیز کو بہت جاننے والا ہے ○ جان لو کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور یہ کہ اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (المائدہ: ٩٨-٩٧)

مشکل الفاظ کے معنی

کعبہ: یہ چوکور اور بلند بیت ہے جس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے مکہ میں بنایا، کعب کے معنی بلند ہونا ہے اور یہ چونکہ بلند بیت ہے، اس لیے اس کو کعبہ کہا گیا۔

قیاما للناس: جس چیز کے سبب سے لوگوں کے معاملات قائم اور درست ہوں، کعبہ کی زیارت کر کے اور اس کا طواف کر کے لوگ حج اور عمرہ کی عبادات کو انجام دیتے ہیں، جس سے ان کی آخرت درست ہوتی ہے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو

امن کی جگہ بنادیا ہے اور تمام دنیا سے تجارتی سامان کھنچ کر کعبہ کی سرزمین میں چلا آتا ہے‘ اس سے ان کی دنیا درست ہوتی ہے۔

الشھر الحرام: چار حرمت والے مہینے ہیں۔ ذوالقعدہ‘ ذوالحجہ‘ محرم اور رجب۔ ان مہینوں کے سبب سے بھی ان کے معاملات قائم اور درست رہتے ہیں‘ کیونکہ ان مہینوں میں جنگ اور قتال کرنا جائز نہیں ہے۔

الھدی: جن جانوروں کو قربان کرنے کے لیے حرم میں بھیجا جائے‘ ان کو الھدی کہتے ہیں‘ غرباء اور فقراء ان کا گوشت کھاتے ہیں‘ جس سے ان کی مدد ہوتی ہے۔

القلائد: قلادہ پٹے کو کہتے ہیں‘ اس سے مراد قربانی کا وہ جانور ہے جس کے گلے میں ہار یا پٹا ہو۔ اہل عرب کا طریقہ تھا کہ جس جانور کو قربانی کے لیے کعبہ کی طرف بھیجتے‘ اس کے گلہ میں پٹا ڈال دیتے‘ اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کا خصوصیت سے ذکر کیا۔

مناسبت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے محرم پر شکار کرنے کو حرام فرمایا تھا‘ اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ جس طرح حرم وحشی جانوروں اور پرندوں کے لیے باعث امن ہے‘ اسی طرح وہ انسانوں کے لیے بھی امن کا باعث ہے اور دنیا اور آخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں کے حصول کا سبب ہے۔

کعبہ اور دیگر شعائر حرم کا لوگوں کے لیے مصلح اور مقوم ہونا

عرب میں کوئی امیر اور رئیس نہیں تھا جو ضعیف اور مظلوم کا حق قوی اور ظالم سے دلا سکے اور جو کسی بدکار کو سزا اور نیکوکار کو جزا دے سکے‘ تو اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو البیت الحرام ہے‘ لوگوں کے معاملات کی درستگی اور اصلاح کا سبب بنا دیا‘ جیسے کسی ملک کا بادشاہ اپنی رعیت کے معاملات کو درست اور قائم رکھتا ہے اور ان میں عدل و انصاف برقرار رکھتا ہے‘ اسی طرح سے کعبہ اور حرمت والے مہینے زمانہ جاہلیت میں ان کی اصلاح اور درستگی کا سبب تھے‘ کیونکہ وہ البیت الحرام کی تعظیم کرتے تھے‘ اور اس شہر میں جنگ و جدال سے اجتناب کرتے تھے اور سال کے چار حرمت والے مہینوں میں بھی لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرتے تھے‘ کیونکہ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں لوگ حج کے لیے سفر کرتے تھے اور محرم میں سفر حج سے واپس جاتے تھے‘ اور رجب میں عمرہ کے لیے سفر کرتے تھے اور وہ زائرین بیت کو بیت اللہ کی تعظیم کی وجہ سے مامون اور محفوظ رکھتے تھے۔ اسی طرح قربانی کے جو جانور حرم میں لے جائے جاتے تھے جن کو الھدی اور القلائد کہا جاتا تھا‘ ان کی بھی بیت اللہ کی وجہ سے تعظیم کرتے تھے‘ بیت اللہ کی تعظیم ان کے دل و دماغ میں مستحکم ہو چکی تھی اور ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔

اور زمانہ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعظیم کو اسلامی عبادات کا اہم حصہ بنا دیا‘ سو فرمایا:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ (البقرہ: ۱۲۵)

اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے لیے مرکز اجتماع اور مقام امن بنا دیا اور (ہم نے حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو‘ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل سے عہد لیا کہ وہ میرے بیت کو طواف کرنے والوں‘ اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھیں۔

مناسک حج کی ادائیگی کی وجہ سے اس بے آب و گیاہ‘ ویران اور بنجر زمین میں تمام دنیا سے مسلمان ٹوٹ کر آتے ہیں‘ اور ہر جگہ سے یہاں تجارتی سامان‘ پھل اور غلہ پہنچتا ہے‘ اور یوں اس بیت کی وجہ سے ساکنان حرم کے لیے اسباب زیست فراہم ہوتے

ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (القصص:۵۷)

کیا ہم نے انہیں حرم میں آباد نہیں کیا جو امن والا ہے' جس کی طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں جو ہماری طرف سے عطا کردہ ہیں' لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

دور دور سے لوگ حرم میں آکر عبادت کرتے ہیں اور دنیا کی زیب و زینت سے اجتناب کرتے ہیں' احرام کی ممنوعات سے باز رہتے ہیں' قرآن مجید کی حرم میں تلاوت کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ حرم میں نمازیں پڑھتے ہیں اور طواف کرنے کی سعی کرتے ہیں' حج کے اجتماع کو دیکھ کر محشر کو یاد کرتے ہیں' ان کے دلوں میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف زیادہ ہوتا ہے اور وہ برے کاموں سے باز رہنے اور بقیہ عمر میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کا عہد کرتے ہیں' حرم میں کی ہوئی نیکیوں کا اللہ تعالیٰ ایک لاکھ گنا اجر عطا فرماتا ہے' زائرین یہاں آتے ہیں اور واپس جاتے ہوئے اپنا دل یہیں چھوڑ جاتے ہیں اور ساری عمر یہیں آنے کی پیاس رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رسول پر صرف حکم پہنچانا ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ (المائدہ:۹۹)

کسی کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا فرائض رسالت میں سے نہیں ہے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا' اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے عذاب کا ذکر کیا تاکہ لوگ اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز رہیں' پھر اپنی مغفرت اور رحمت کا ذکر فرمایا کہ اگر انسان سے شامت نفس سے کوئی گناہ ہو جائے' تو پھر اللہ کی رحمت پر نظر رکھے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر لوگوں کو عمل کی ترغیب دی اور فرمایا رسول کا کام صرف تبلیغ کرنا اور ہدایت دینا ہے' نیک کاموں کی ترغیب دینا اور برے کاموں سے روکنا اور ان کو عذاب سے ڈرانا ہے' تم کو نہ تو جبراً صالح اور نیکوکار بنانا رسول کا منصب ہے اور نہ تم میں ایمان اور تقویٰ پیدا کرنا رسول کی ذمہ داری ہے اور نہ نیکیوں پر ثواب عطا کرنا اور برائیوں پر عذاب دینا رسول کا کام ہے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو نیکی اور برائی کے راستے دکھا اور بتا دیئے تو ان کا کام ختم ہو گیا' اب ان پر عمل کرنا' نہ کرنا تمہارا معاملہ ہے اور اس پر ثواب عطا کرنا یا عذاب دینا یہ اللہ کا کام ہے۔

البتہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گنہگاروں کی مغفرت کے لیے اور نیکوکاروں کے درجات میں ترقی کے لیے شفاعت فرمائیں گے' جس کی تفصیل اپنے مقام پر آچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتا' خواہ (اے مخاطب!) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی لگتی ہو' سو اے عقل والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو' تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (المائدہ:۱۰۰)

اللہ کے نزدیک نیکوکاروں اور بدکاروں کا برابر نہ ہونا

پاک اور ناپاک کو برابر کرنا اور صالح اور فاسق و فاجر کو برابر رکھنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ۔ (ص:۲۸)

کیا ہم ایمان والوں اور نیکی کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۞ (الجاثیہ: ۲۱)	جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں 'کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم انہیں ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے برابر کر دیں گے' کہ ان (سب) کی زندگی اور موت برابر ہو جائے گی' وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں!۔
اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۞ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۔ (القلم: ۳۶-۳۵)	کیا ہم اطاعت گزاروں کو مجرموں کی مثل کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہوا' تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اے رسول! آپ انہیں بتا دیجئے کہ کھرا اور کھوٹا' نفع بخش اور ضرر رساں' نیک اور بد' حلال اور حرام' عادل اور ظالم کبھی برابر نہیں ہو سکتے' خواہ دیکھنے والوں کو دنیا میں بد کردار اور بے ایمان لوگ زیادہ عیش و عشرت اور زیادہ عزت و جاہ میں کیوں نہ دکھائی دیتے ہوں' جیسے مسلمانوں کی بہ نسبت کفار زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ قوی اور مستحکم ہیں' حتیٰ کہ امریکہ جس ملک پر چاہے فضائی پابندی لگوا دیتا ہے' جیسے کئی سالوں سے لیبیا پر پابندی لگوائی ہوئی تھی' اور جس ملک پر چاہے تجارتی اور اسلحہ سازی کی پابندی لگوا دے' جیسے کئی سالوں سے عراق پر یہ پابندی لگوائی ہوئی ہے' اسی طرح مسلمانوں میں بھی زیادہ عزت دار' زیادہ خوشحال اور زیادہ طاقتور وہ لوگ ہیں جو بدعنوان سیاست دان اور بددیانت سرمایہ دار ہیں' جو اسمگلنگ اور چور بازاری کرتے ہیں' سودی کاروبار کرتے ہیں' ٹیکس ادا نہیں کرتے' قومی کاروباری معاہدوں میں رشوت اور ناجائز کمیشن لیتے ہیں اور بینکوں سے قرضے لے کر کھا جاتے ہیں یا معاف کرا لیتے ہیں۔ معاشرہ میں یہی لوگ عزت دار سمجھے جاتے ہیں اور سڑک کے کنارے بیٹھا ہوا موچی جو اپنی محنت سے رزق حلال کماتا ہے' اخبار فروش' ملوں میں کام کرنے والے محنت کش اور راج اور مستری کا کام کرنے والے مزدور جو اپنے خون اور پسینہ سے حلال کمائی کھاتے ہیں' ان کو معاشرہ میں ذلیل اور پسماندہ خیال کیا جاتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال کھانے والے اور حرام کھانے والے' پاک اور ناپاک' طیب اور خبیث ہرگز برابر نہیں ہیں۔

سو! اے صاحبان عقل! ان خبیث لوگوں کی ظاہری آن بان کو نہ دیکھو' شیطان کے دام میں نہ آؤ' اور مال حرام کی زیب و زینت سے مسحور مت ہو' کیونکہ عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اللہ سے ڈرے اور فانی کو باقی پر' عارضی کو دائمی پر' باطل کو حق پر' فساد کو صلاح پر اور حرام کو حلال پر ترجیح نہ دے اور دنیا کے بدلہ میں آخرت کا سودا نہ کرے' کہ یہ سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار

تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ

ہوں' اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی' اللہ نے

عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ

ان سے درگزر کیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے ۞ تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کیے تھے' پھر وہ

اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ

لوگ ان ہی سوالات کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے ○ اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بحیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ

وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى

اور نہ وصیلہ اور نہ حامی مگر یہ کافر جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں، اور

اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس دین

اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول (کی شریعت) کی طرف تو کہتے ہیں ہمیں وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

باپ اور دادا کو پایا خواہ ان کے باپ دادا کسی چیز کا علم نہ رکھتے ہوں نہ ہدایت یافتہ ہوں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں' اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کردی جائیں گی' اللہ نے ان سے درگزر کیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے۔ (المائدہ: ۱۰۱)

نبی ﷺ سے سوالات کرنے کے متعلق احادیث

لوگ نبی ﷺ سے بکثرت سوال کرتے تھے' ان میں مسلمان بھی تھے اور منافق بھی۔ مسلمان تو امر واقع کو دریافت کرنے کے لیے سوال کرتے تھے' اور منافق امتحاناً' استہزاء' اور عناداً سوال کرتے تھے' کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی پوچھتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے اس جیسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ نے فرمایا: کہ اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور روؤ زیادہ' رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور بلند آواز سے رونے لگے' ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! ﷺ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ فلاں ہے' تب یہ آیت نازل ہوئی' ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۲۱' صحیح مسلم' فضائل' ۱۳۴' (۲۳۵۹) ۶۰۰۴' سنن ترمذی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۰۶۷' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۱۵۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے استہزاء' سوال کرتے تھے' کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون

ہے؟ کوئی کہتا میری اونٹنی گم ہو گئی' وہ اونٹنی کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۲۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے نبی ﷺ سے سوالات کیے' حتیٰ کہ بہت زیادہ سوال کیے تو ایک دن نبی ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: تم مجھ سے جس چیز کے متعلق سوال کرو گے میں تمہیں اس چیز کے متعلق بیان کروں گا' میں دائیں اور بائیں دیکھ رہا تھا' اس وقت ہر شخص اپنے کپڑوں میں سر ڈالے ہوئے رو رہا تھا' ایک شخص کا جب کسی سے جھگڑا ہوتا تھا تو لوگ اس کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرتے تھے' وہ کہنے لگا اے اللہ کے نبی! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے' پھر حضرت عمر نے کہا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں' اور اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد (ﷺ) کو رسول مان کر' ہم برے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں' نبی ﷺ نے فرمایا میں نے آج کی طرح خیر و شر کو نہیں دیکھا! میرے سامنے جنت اور دوزخ کی تصویر کو پیش کیا گیا' حتیٰ کہ میں نے ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا۔ قتادہ اس حدیث کا اس آیت کو پڑھتے وقت ذکر کرتے تھے: "اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو......"

(صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۰۸۹' صحیح مسلم' فضائل ۱۳۷' (۲۳۵۹) ۶۰۰۸' مسند احمد' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۲۷۵۶' طبع دار الحدیث' قاہرہ' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۳۶۶۷-۱۲۸۲۰' طبع دار الفکر' بیروت' مسند احمد' ج ۳' ص ۱۷۷' طبع قدیم)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستے کی استطاعت رکھتے ہوں (آل عمران: ۹۷) تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں؟ آپ خاموش رہے' انہوں نے پھر پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں؟ آپ نے فرمایا نہیں! اور اگر میں ہر سال میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔ (المائدہ: ۱۰۱)

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۶۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۸۸۴' صحیح مسلم' الحج' ۴۱۲' (۱۳۳۷) ۳۱۹۹' سنن نسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۱۹)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے' درآنحالیکہ آپ کا چہرہ غصے سے سرخ تھا' آپ منبر پر بیٹھ گئے' ایک شخص نے سوال کیا: میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں' دوسرے نے سوال کیا' میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حذافہ؟ حضرت عمر بن الخطاب نے کھڑے ہو کر عرض کیا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں' اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد (ﷺ) کو نبی مان کر اور قرآن کو امام مان کر' یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت اور شرک سے تازہ تازہ نکل کر آئے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو اللہ جانتا ہے' پھر نبی ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو......

(جامع البیان' جز ۷' ص ۱۱۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آپ سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجوہات

نبی ﷺ سے جن چیزوں کے متعلق سوال کیے جاتے تھے ان میں سے بعض مخفی ہوتی تھیں' جن کے ظاہر ہونے سے کسی کا پردہ فاش ہو سکتا تھا اور اس کی رسوائی کا خطرہ تھا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی نے پوچھا تھا: کہ میرے باپ کون ہیں؟

فرض کیجئے کہ ان کے باپ حذافہ نہ ہوتے' کوئی اور ہوتے' تو لوگوں میں رسوا ہو جاتے اور ان کی ماں کی ناموس پر دھبہ لگ جاتا' اسی طرح جس شخص نے یہ سوال کیا تھا کہ کیا ہر سال میں حج کرنا فرض ہے' اگر آپ ہاں فرما دیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور مسلمان محض اس وجہ سے مشکل میں پڑ جاتے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

سلمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے گھی' پنیر اور جنگلی گدھے کے متعلق سوال کیا گیا' آپ نے فرمایا حلال وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں حلال ہے اور حرام وہ ہے' جو اللہ کی کتاب میں حرام ہے اور جس سے اللہ نے سکوت کیا' وہ معاف ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۷۳۲' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۶۷)

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں' ان کو ضائع مت کرو اور کچھ حدود مقرر کی ہیں' ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں سے منع فرمایا ہے' ان میں ملوث نہ ہو اور کچھ اشیاء سے سکوت فرمایا' ان میں تمہارے لیے رخصت ہے' اللہ انہیں بھولا نہیں ہے' تم ان سے بحث نہ کرو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۲' المستدرک' ج ۲' ص ۱۲۲)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں تھی اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ ان پر حرام کر دی گئی۔

(صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۲۸۹' صحیح مسلم' فضائل ۱۳۲' (۲۳۵۸) ۶۰۰۱' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۶۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو جن چیزوں سے منع کیا ہے' ان سے اجتناب کرو اور جن کا حکم دیا ہے' ان کو بجالاؤ جتنی تمہاری استطاعت ہے' کیونکہ تم سے پہلے لوگ محض زیادہ سوالات کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (صحیح مسلم' فضائل ۱۳۰' (۱۳۳۷) ۵۹۹۸)

آپ سے سوال کرنے کی ممانعت اور اجازت کے محامل

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زیر تفسیر آیت اور احادیث مذکورۃ الصدر میں سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے' حالانکہ قرآن مجید کی ایک اور آیت اور ایک حدیث میں سوال کرنے کا حکم فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔　　اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے سوال کرو۔

(الانبیاء: ۷)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے' ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا' جس سے اس کا سر پھٹ گیا' پھر اس کو احتلام ہو گیا' اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا میرے لیے تیمم کرنے کی رخصت ہے؟ انہوں نے کہا نہیں' تم پانی کے استعمال پر قادر ہو' تمہارے لیے تیمم کی رخصت نہیں۔ سو اس نے غسل کیا اور وہ فوت ہو گیا' جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی' آپ نے فرمایا انہوں نے اس کو مار ڈالا' اللہ ان کو ہلاک کرے' جب ان کو مسئلہ کا علم نہیں تھا تو انہوں نے سوال کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ جہالت کی شفا سوال کرنا ہے' اس کے لیے تیمم کرنا کافی تھا' یا وہ اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم پر پانی بہاتا۔

(سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۳۶' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۷۲' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۷۰' طبع قدیم)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا امتحان لینے کے لیے یا آپ سے استہزاء کے طور پر سوال کرنے سے ان کو منع کیا گیا تھا' یا جس عبادت کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم نہیں دیا تھا' نہ اس کا اپنی کتاب میں ذکر کیا تھا' اس کے متعلق سوال کرنے سے مسلمانوں کو منع فرمایا تھا' یا جس چیز سے کسی کی پردہ دری ہوتی ہو اس کے متعلق سوال کرنے سے منع فرمایا تھا' لیکن جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو اور اس کا وجوب ثابت ہو چکا ہو' اس کی وضاحت کے متعلق سوال کرنا جائز ہے' جیسا کہ اس آیت کے آخری حصہ میں فرمایا: اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو گا تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائے گی۔ (المائدہ: ۱۰۱)

اثناء وحی میں جو حکم مجمل ہو اس کی وضاحت کے لیے سوال کرنا' جو چیز سمجھ میں نہ آئے' اس کو پوچھنا' کسی پیش آمدہ حاجت کے متعلق سوال کرنا' یہ تمام سوالات جائز ہیں اور قرآن مجید اور احادیث میں ان کی بہت نظائر ہیں۔

آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت بیان فرمائی' اور جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کی عدت بیان فرمائی اور حاملہ کی عدت بیان فرمائی اور اس عورت کی عدت بیان نہیں فرمائی جس کو حیض آتا ہو' نہ حمل ٹھہرتا ہو' یعنی وہ بہت بوڑھی ہو' تو صحابہ نے اس کے متعلق سوال کیا' تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ (الطلاق: ۴)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو مایوس ہو چکی ہوں اور تمہیں (ان کی عدت کے متعلق) شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

اسی طرح حسب ذیل آیات میں صحابہ کرام کے ان سوالات کا ذکر فرمایا ہے جو وہ کسی شرعی حکم پر عمل کرنے کی وضاحت کے سلسلہ میں کرتے تھے:

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (البقرہ: ۲۱۵)

وہ آپ سے خرچ کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہئے کہ تم جو (مال) بھی خرچ کرو تو وہ ماں باپ' قریبی رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے خرچ کرو۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ کَبِیْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَکُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔ (البقرہ: ۲۱۷)

وہ آپ سے ماہ حرام میں قتال کے متعلق پوچھتے ہیں' آپ کہئے اس میں قتل کرنا بڑا گناہ ہے' اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام جانے سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو اس سے نکالنا' اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے اور فساد کرنا قتل سے زیادہ سخت ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرہ: ۲۱۹)

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے (بھی) ہیں' اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑا ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ۔ (البقرہ: ۲۲۰)

وہ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہئے کہ ان کی اصلاح زیادہ بہتر ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ...... وہ آپ سے حیض کے حکم کا سوال کرتے ہیں' آپ کہئے کہ وہ گندگی ہے' پس عورتوں سے حالت حیض میں الگ رہو۔

(البقرہ: ۲۲۲)

قرآن مجید میں اس طرح کے سوالات کی پندرہ آیتیں ہیں' جن میں سے بارہ آیتوں میں صحابہ کرام کے سوالات ہیں' ان آیات سے معلوم ہوا کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں' کسی چیز کا حکم معلوم کرنے کے لیے' کسی شرعی حکم کی وضاحت کے لیے' اور کسی اشتباہ کو دور کرنے کے لیے سوال جائز ہے' احادیث میں بھی اس کی بہت نظائر ہیں۔

آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق احادیث

نبی ﷺ سے صحابہ کرام امور مستقبلہ کے متعلق بھی سوال کرتے تھے۔

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک مجلس میں نبی ﷺ صحابہ کرام سے گفتگو فرما رہے تھے' کہ ایک اعرابی نے آپ کی حدیث کے دوران سوال کیا: قیامت کب ہوگی؟ آپ نے اپنی حدیث جاری رکھی' پھر سائل کو متوجہ کر کے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا' اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب کوئی منصب نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

صحابہ کرام کسی پیش آمدہ مسئلہ اور حادثہ میں آپ ﷺ سے سوال کرتے تھے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لیے ٹھہر گئے' لوگ آپ سے سوال کر رہے تھے' ایک شخص نے کہا مجھے پتا نہیں چلا اور میں نے ذبح سے پہلے سر منڈا لیا' آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں (اب) ذبح کر لو ایک اور شخص نے کہا کہ مجھے پتا نہیں چلا میں نے رمی سے پہلے نحر کر لیا۔ آپ نے فرمایا اب رمی کر لو' کوئی حرج نہیں ہے۔ نبی ﷺ سے جس چیز کے متعلق بھی سوال کیا گیا جس کو مقدم یا موخر کیا گیا ہو۔ آپ نے فرمایا کر لو کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح بخاری' ج ۱' رقم الحدیث' ۸۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک تقدیم تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے دم لازم آتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے اسی طرح مروی ہے' اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس سے آخرت میں حرج یعنی گناہ نہیں ہوگا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو اھاب کی بیٹی سے شادی کی' ایک عورت نے ان سے کہا: میں نے عقبہ اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہے' حضرت عقبہ نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے پہلے مجھے بتایا تھا' پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس سے الگ کیوں نہیں ہوتے؟ جبکہ یہ کہا گیا ہے' تو عقبہ اس عورت سے الگ ہو گئے۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۸' بیروت)

آپ کا یہ ارشاد بطور استحباب ہے' ورنہ ایک عورت کے قول سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی' ثبوت رضاعت کے لیے دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مذی بہت آتی تھی' میں نے حضرت مقداد سے کہا: کہ وہ اس کے متعلق سوال کریں' انہوں نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس میں وضو ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۲' بیروت)

خواتین آپ سے عورتوں کے خصوصی مسائل دریافت کرتی تھیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں فرماتا' کیا عورتوں پر بھی احتلام کی وجہ سے غسل فرض ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! جب وہ پانی دیکھ لے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے میں اپنے منہ کو چھپا کر کہا: یا رسول اللہ! عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں! پھر بچہ کس وجہ سے اس کے مشابہ ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۰' بیروت)

قرآن مجید کی کسی اصطلاح کے متعلق بھی صحابہ آپ سے سوال کرتے تھے:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں قتال کرنے کی کیا تعریف ہے؟ ہم میں سے کوئی شخص غضب کی وجہ سے قتال کرتا ہے' کوئی گروہی تعصب کی وجہ سے قتال کرتا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سر اٹھایا' اس وقت وہ شخص کھڑا ہوا تھا' آپ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے قتال کیا' وہی اللہ عزوجل کی راہ میں قتال کرتا ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۳' مطبوعہ بیروت)

بعض اوقات صحابہ آپ کی حدیث کے معارضہ میں قرآن مجید کی آیت پیش کرتے' پھر آپ اس کا جواب دیتے تھے:

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی آپ سے کوئی حدیث سنتیں اور آپ اس کے مطلب کو نہ پہنچتیں تو آپ سے رجوع کرتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے حساب لیا گیا' اس کو عذاب دیا گیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کیا اللہ یہ نہیں فرماتا اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا۔ (الانشقاق' ۸) آپ نے فرمایا اس آیت میں حساب کا پیش کرنا مراد ہے' لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا' وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۳' مطبوعہ بیروت)

مشکل سوالات اور بجھارت ڈالنے کی ممانعت

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہیلیوں اور بجھارتوں کے ڈالنے سے منع فرمایا' کسی کو ساکت اور عاجز کرنے کے قصد سے اس پر بجھارت ڈالنا منع ہے' اور شاگردوں کا امتحان لینے کے لیے بجھارت ڈالنا جائز ہے' خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے' بتاؤ وہ کون سا درخت ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۲)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے سامنے لوگوں نے سوالات کیے تو انہوں نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکل سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے افضل کوئی قوم نہیں دیکھی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تیرہ سوالات کیے جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ وہ تیرہ سوالات یہ ہیں:

(۱) واذا سالک عبادی عنی۔ (۲) یسئلونک عن الاهلة (۳) یسئلونک ماذا ینفقون (۴) یسئلونک عن الشهر الحرام (۵) یسئلونک عن الخمر و المیسر (۶) ویسئلونک عن الیتامی (۷) ویسئلونک ماذا ینفقون (۸) ویسئلونک عن

المحیض۔ یہ آٹھ سوالات سورۃ البقرۃ میں ہیں۔ (۹) یسئلونک ماذا احل لھم۔ (المائدہ) (۱۰) یسئلونک عن الساعۃ۔ (الاعراف) (۱۱) یسئلونک عن الانفال۔ (الانفال) (۱۲) یسئلونک عن الجبال۔

تحقیق یہ ہے کہ صرف بارہ سوالات صحابہ نے کیے تھے' قرآن مجید میں یسئلونک کے صیغہ سے باقی جو سوال ہیں' وہ یہود اور مشرکین کے ہیں۔ طاؤس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس چیز کے متعلق سوال کرے' جو نہیں ہے' کیونکہ جو چیز بھی ہونے والی ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ' ج ۲' ص ۱۴۲' بلخصا' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

سوالات کرنے کے جائز اور ناجائز مواقع

بہرحال اب حصول علم کے لیے شرعی سوالات کا کرنا جائز ہے' کیونکہ اب یہ خوف نہیں کہ کسی کے سوال کرنے کی وجہ سے کسی شے کی حرمت نازل ہو جائے گی' حلال و حرام احکام نازل ہونے کا معاملہ وحی پر موقوف ہے' اور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد سلسلہ وحی ختم ہو چکا ہے۔ پس اگر کوئی شخص پیش آمدہ مسئلہ میں یا کسی نئے حادثہ میں یا کسی غیر منصوص صورت نازلہ میں کسی مسئلہ کا حل دریافت کرنے کے لیے علماء سے سوال کرتا ہے تو اس کا یہ سوال کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے' اگر تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے سوال کرو۔ (الانبیاء: ۷) اور نبی ﷺ نے فرمایا جہالت کی شفا سوال کرنا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۳۶) اور جو شخص کسی پر اپنا علمی تفوق ظاہر کرنے کے لیے سوال کرے' تاکہ اس کو جواب نہ آئے اور وہ عاجز ہو جائے' یا جو شخص محض ضد اور ہٹ دھرمی کے لیے سوال کرے یا جو شخص عناداً سوال کرے' سو ایسے سوال ناجائز ہیں' خواہ کم ہوں یا زیادہ' البتہ علماء کسی مسئلہ میں ایک دوسرے کی رائے معلوم کرنے کے لیے' جو سوال کرتے ہیں اور مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں' وہ جائز ہے۔ اسی طرح کسی کی دلیل پر نقض وارد کرنا اور مسلمات بین الفریقین سے معارضہ کرنا بھی جائز ہے اور احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے مناظرہ کرنا بھی جائز ہے' تاہم مناظرہ میں فریق مخالف کو حکمت کے ساتھ کسی کفریہ کلمہ سے بچانا چاہیے' اور اگر یہ چاہے کہ وہ کوئی کفریہ کلمہ کہے اور میں اس کی تکفیر کروں تو یہ خود کفر ہے اور اگر یہ چاہے کہ وہ دین میں کوئی ناروا بات کہے اور میں اس کی مذمت کروں تو یہ حرام ہے' بلکہ یہ نیت ہونی چاہیے کہ میں دلائل پیش کر کے حکمت کے ساتھ فریق مخالف کو حق کا قائل کرلوں' نہ یہ کہ اس کو مناظرہ میں شکست دوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کیے تھے' پھر وہ لوگ انہی سوالات کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے۔ (المائدہ: ۱۰۲)

کثرت سوالات اور مطالبات کی وجہ سے پچھلی امتوں کا ہلاک ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ تم سے پہلی قوموں نے اپنے نبیوں سے چند فرمائشی معجزات کا سوال کیا تھا' جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سوالات کو پورا کر دیا اور ان نبیوں کو وہ معجزات عطا فرما دیئے تو وہ ان نبیوں پر ایمان لانے کی بجائے اپنے انکار اور کفر میں پختہ ہو گئے' جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کا سوال کیا تھا' اور جب وہ اونٹنی آگئی تو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے یہ سوال کیا تھا کہ ان پر آسمان سے دسترخوان نازل کیا جائے اور جب ان پر دسترخوان نازل کر دیا گیا تو وہ کفر میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے نبی ﷺ کی وساطت سے اور ان کی زبان سے تنبیہ کی ہے کہ وہ سوالات کرنے کے معاملہ میں اپنے سے پہلی امتوں کے راستہ پر نہ چل پڑیں' اس لیے فرمایا کہ تم فرمائشی

معجزات کا سوال نہ کرو، نہ کسی کا پوشیدہ راز معلوم کرو، اور جو چیز تم پر فرض یا حرام نہیں کی گئی اس کا سوال نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا بیان کیا جائے تو تم کو ناگوار ہو یا تم کسی دشواری میں پڑ جاؤ۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کرو، اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان کو بجالاؤ، جتنی تمہاری استطاعت ہے، کیونکہ تم سے پہلے لوگ محض زیادہ سوالات کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ (صحیح مسلم، فضائل، ۱۳۰، (۱۳۳۷) ۵۹۹۸)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہارے لیے جو چیزیں چھوڑی ہیں، تم بھی ان کو چھوڑ دو، تم سے پہلے لوگ اپنے سوالوں کی وجہ سے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے، پس جب میں تم کو کسی چیز سے منع کردوں تو اس سے اجتناب کرو، اور جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو اس کو بجالاؤ، اپنی استطاعت کے مطابق۔

(صحیح بخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۲۸۸، صحیح مسلم، الحج، ۴۱۲، (۱۳۳۷) ۳۱۹۹، سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۶۸۸، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۱۹، صحیح ابن حبان، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۱-۲۰-۱۹-۱۸، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۷۳۱۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بحیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی، مگر یہ کافر جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں اور ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (المائدہ: ۱۰۳)

اس سے پہلی آیتوں میں کثرت سوال سے منع فرمایا تھا، مبادا کوئی چیز حرام نہ ہو اور تمہارے سوال کی وجہ سے حرام کر دی جائے، اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ مشرکوں نے از خود بعض جانوروں کو حرام کر لیا تھا، اللہ نے ان کو حرام نہیں کیا، وہ بدستور حلال ہیں، سو جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام نہ کیا ہو، اس کو حرام قرار دے کر شریعت سازی نہ کرو۔

البحیرہ کا معنی

بحر کے معنی وسعت ہے، جب کسی اونٹنی کے کان کو بہت لمبا چیر دیا جائے تو اسے بحیرہ کہتے ہیں، جب کوئی اونٹنی دس بچے جنتی تو وہ اس کے کان چیر کر اس کو آزاد چھوڑ دیتے، اس پر سواری کی جاتی نہ اس پر سامان لادا جاتا۔

(المفردات، ص ۳۷، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۲ھ)

مسروق نے بیان کیا کہ جب اونٹنی کے پانچ یا سات بچے ہو جاتے تو وہ اس کا کان چیر دیتے اور کہتے یہ بحیرہ ہے۔

قتادہ نے بیان کیا کہ جب کسی اونٹنی کے پانچ بچے ہو جاتے تو وہ پانچویں بچے کو دیکھتے اگر وہ نر ہوتا تو اس اونٹنی کو ذبح کر دیتے اور اس کو صرف مرد کھاتے، اور اگر وہ بچہ مردہ ہوتا تو اس اونٹنی میں مرد اور عورت دونوں شریک ہوتے اور اگر پانچویں بار اونٹنی مونث کو جنم دیتی تو اس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا، اس کا دودھ دوہا جاتا نہ اس پر سواری کی جاتی، نہ اس کے بالوں کو حاصل کیا جاتا اور نہ اس کو ذبح کیا جاتا۔ (جامع البیان جز ۷، ص ۱۲۲، ۱۲۰، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

السائبہ کا معنی

جب کوئی اونٹنی پانچ بچے جن لے تو اس کو چراگاہ میں چھوڑ دیا جاتا تھا، اور اس کو پانی اور چارے سے منع نہیں کیا جاتا تھا، اس کو سائبہ کہتے تھے۔ (المفردات، ص ۲۴۶، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۲ھ)

شعبی نے بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی اونٹنیوں اور بکریوں کو اپنے بتوں کے پاس ذبح کے لیے چھوڑ دیتے تھے' وہ لوگوں کی بکریوں کے ساتھ خلط ملط ہو جاتیں' ان کا دودھ صرف مرد دوہتے تھے' اور جب ان میں سے کوئی مرجاتی تو مرد اور عورت دونوں اس کا گوشت کھاتے تھے۔ یہ سائبہ کی تفسیر ہے۔

سدی نے سائبہ کی تفسیر میں بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی شخص کا مال بہت زیادہ ہو جاتا' یا وہ کسی بیماری سے شفایاب ہو جاتا یا کسی سفر سے کامیاب لوٹتا تو وہ اپنی کسی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دیتا' کوئی شخص اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ ابن المسیب نے کہا جس اونٹنی کو وہ بتوں کے لیے چھوڑ دیتے وہ سائبہ کہلاتی۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۱۲۳-۱۲۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کی بتوں کے لیے نذر مانی جاتی اور اس کو بتوں کے خدام اور محافظوں کے سپرد کر دیا جاتا۔ وہ جہاں چاہتی' چرتی اس پر سامان لادا جاتا نہ اس کا اون کاٹا جاتا' اور نہ اس کا دودھ دوہا جاتا' البتہ مہمان مستثنیٰ تھا۔

(التفسیر المنیر' جز ۷' ص ۸۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

الوصیلہ کا معنی

جب کسی شخص کی بکری نر اور مادہ دو بچے جنتی' تو کہتے کہ یہ بکری اپنے بھائی سے واصل ہو گئی ہے' پھر اس مادہ بچے کی وجہ سے نر بچے کو بھی ذبح نہیں کرتے تھے' اس بکری کو مشرکین زمانہ جاہلیت میں "الوصیلہ" کہتے تھے۔

(المفردات' ص ۵۵' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

علقمہ نے الوصیلہ کی تعریف میں کہا جب اونٹنی صرف نر بچے کو جنم دیتی تو اس اونٹنی کو مرد کھاتے تھے' اور جب ایک ساتھ نر اور مادہ کو جنتی تو کہتے یہ اونٹنی اپنے بھائی کے ساتھ واصل ہو گئی ہے' پھر ان دونوں کو نہیں کھاتے تھے' اور جب نر مرجاتا تو اس کو صرف مرد کھاتے تھے' گویا نر کے ساتھ پیدا ہونے والی اونٹنی وصیلہ تھی۔

ابن المسیب نے بیان کیا کہ وصیلہ وہ اونٹنی تھی جو پہلی بار مادہ کو جنم دے' دوسری بار پھر مادہ کو جنم دے' وہ کہتے تھے کہ یہ وصیلہ ہے' دو مادہ اونٹنیوں کے درمیان نر نہیں ہے' اس اونٹنی کو وہ بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۱۲۳-۱۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الحامی کا معنی

وہ نر جو دس مرتبہ مادہ کو گیابھن کر دے' اس کو حامی کہتے تھے' اس پر سامان لادا جاتا تھا' نہ اس پر سواری کی جاتی تھی۔

(المفردات' ص ۱۳۳-۱۳۲' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

قتادہ نے کہا جو اونٹ اور اس کا بیٹا دس مرتبہ گیابھن کر دے' وہ حامی ہے۔

امام ابن جریر نے کہا کہ جس اونٹ کی ضرب سے مسلسل دس اونٹنیاں پیدا ہوں' درمیان میں نر نہ ہو' اس کو حامی کہتے تھے' اس پر سواری کی جاتی' نہ اس پر سامان لادا جاتا' نہ اس کا اون کاٹا جاتا' اس کو پانی اور چراگاہ سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۱۲۳' ۱۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بحیرہ اور سائبہ وغیرہما کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب نے بیان کیا کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنا بتوں کی وجہ سے منع کر دیا جاتا تھا' اور کوئی شخص اس کا

دودھ نہیں دوہتا تھا' اور سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے' اور اس پر کسی چیز کو لادا نہیں جاتا تھا' اور حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا' وہ دوزخ میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا' اور یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا تھا' اور وصیلہ وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار اونٹ جنتی ہے اور دوسری بار اونٹنی جنتی ہے' وہ اس کو اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے' بشرطیکہ وہ یکے بعد دیگرے مادہ کو جنم دے اور ان کے درمیان نر نہ ہو' اور حامی نر اونٹ ہے' جو چند معین مرتبہ گیابھن کرے' جب وہ اپنا عدد پورا کرے تو وہ اس اونٹ کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے' اور اس پر سامان نہیں لادتے تھے' اور اس کو الحامی کہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دیکھا کہ دوزخ کی بعض آگ بعض کو کھا رہی تھی' اور میں نے دیکھا کہ عمرو اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا اور یہ پہلا شخص تھا جس نے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۲۴-۴۶۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الاحوص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہاری اونٹنیاں پیدا ہوتی ہیں تو ان کے کان سالم ہوتے ہیں' پھر تم استرا لے کر ان کے کان کاٹ ڈالتے ہو' اور کہتے ہو کہ یہ بحیرہ ہے' اور ان کے کان چیر دیتے ہو' اور کہتے ہو کہ یہ حرام ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اللہ کی کلائی بہت سخت ہے اور اس کا استرا بہت تیز ہے اور تمہارا ہر مال جو تمہارے لیے حلال ہے' اس میں سے کوئی چیز حرام نہیں کی گئی۔

(مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۵۸۸۸' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۰' جامع البیان' جز ۷' ص ۱۱۹-۱۱۸)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام عبد الرزاق' امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن جریر نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس شخص کو ضرور پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا اور بتوں کے سامنے ذبح کرنے کے پتھر نصب کیے' اور جس شخص نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے دین کو تبدیل کیا۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص بنو کعب کا بھائی عمرو بن لحی ہے۔ میں نے اس کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا اور اس کی آنتوں کی بدبو سے دوزخیوں کو اذیت پہنچ رہی تھی' اور میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے بحیرہ کے کان چیرے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بنو مدلج کا ایک شخص ہے جس کی دو اونٹنیاں تھیں' اس نے ان کے کان چیرے اور ان کا دودھ دوہنا اور ان پر سامان لادنا حرام کر دیا' پھر اس کو ضرورت ہوئی تو اس نے ان کا دودھ پیا اور ان کی پشت پر سوار ہوا' میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا وہ اونٹنیاں اس کو اپنے مونہوں سے بھنبھوڑ رہی تھیں اور اپنے کھروں سے روند رہی تھیں۔ (یہ حدیث مرسل ہے)

(در منثور' ج ۲' ص ۳۳۸' جامع البیان جز ۷' ص ۱۱۸' روح المعانی' جز ۷' ص ۴۴)

ایصالِ ثواب کے لیے نامزد جانوروں کا حلال اور طیب ہونا

اللہ تعالیٰ نے ان چار جانوروں کو حرام نہیں کیا لیکن زمانہ جاہلیت میں مشرکوں نے بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حامی ٹھہرائے' ان کو اپنے بتوں کے لیے نامزد کیا' اور ان سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیا' اور یہ محض اللہ پر افتراء ہے' سو ان جانوروں کو جب مسلمان' اللہ کے نام پر ذبح کرے گا تو ان کا کھانا حلال اور طیب ہو گا' اسی طرح قربانی کے لیے جو جانور لوگوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں' یہ عبد اللہ کی گائے ہے' یہ عبد الرحمن کا بکرا ہے' اور اولیاء اللہ کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے جو جانور ان کی طرف

منسوب کیے جاتے ہیں کہ مثلاً اس بکرے کو ذبح کر کے اس کے طعام کے صدقہ کے ثواب کو حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ یا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ کی روح کو پہنچایا جائے گا اور اس اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ یہ غوث پاک کا بکرا ہے یا یہ داتا صاحب کا بکرا ہے' تو جب اس کو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرے گا تو اس کا گوشت بھی حلال اور طیب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس دین کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول (کی شریعت) کی طرف' تو کہتے ہیں۔ ہمیں وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ اور دادا کو پایا' خواہ ان کے باپ اور دادا کسی چیز کا علم نہ رکھتے ہوں' نہ ہدایت یافتہ ہوں۔ (المائدہ: ۱۰۴)

بحیرہ وغیرہ کی تحریم کا خلاف عقل ہونا

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے کفار کی تشریع کو رد کر دیا ہے' اور یہ اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا ہے' اور نہ یہ اس کی سنت ہے اور نہ شریعت میں اس کو عبادت قرار دیا ہے' اور اگر یہ جاہل عقل سے کام لیتے تو اول تو کفر اور شرک نہ کرتے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا نہ کرتے اور ان جانوروں کو بتوں کے لیے وقف کر کے اور ان سے حصول نفع کو حرام کر کے مزید گمراہ نہ ہوتے' جو پتھر کسی قسم کے نفع اور نقصان پر اصلاً قادر نہیں ہیں' نہ ان کی پکار سن سکتے ہیں' نہ اس کا جواب دے سکتے ہیں' ان کی پرستش کرنے سے کیا حاصل؟ اور ان جانوروں کو ان کی خاطر حرام کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

تقلید مذموم اور تقلید محمود

عقل سے کام لیتے تو بت پرستی نہ کرتے اور نہ بتوں کی خاطر ان جانوروں کو حرام کرتے لیکن وہ بغیر غور و فکر کے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں گرفتار ہیں' حالانکہ ان کے آباؤ اجداد جاہل اور گمراہ تھے اور جاہلوں کی تقلید ضرر محض ہے۔ عقل' علم اور دین کے منافی ہے اور مصلحت کے خلاف ہے' اس آیت میں مطلقاً تقلید کی مذمت نہیں کی' بلکہ ان لوگوں کی تقلید کی مذمت کی ہے' جو جاہل اور گمراہ ہوں' اور اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جو لوگ عالم اور ہدایت یافتہ ہوں ان کی تقلید جائز اور صحیح ہے' امام رازی نے لکھا ہے کہ ہدایت یافتہ عالم کی تقلید اس وقت صحیح ہے' جب مقلد کو معلوم ہو کہ اس عالم کا قول دلیل اور حجت پر مبنی ہے' اور بوقت ضرورت وہ اس عالم سے دلیل معلوم کر کے بیان کر سکے' اس صورت میں یہ محض اندھی تقلید نہیں ہو گی اور وہ شخص دراصل اسی دلیل کے مطابق عمل کر رہا ہے' اور یہ چیز عقل اور علم کے خلاف نہیں ہے۔

ہر دور میں ان پڑھ عوام اپنے پیش آمدہ مسائل میں علماء اور مفتیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں' اور عالم اور مفتی اس مسئلہ کا جو حل بیان کرتا ہے' اس پر عمل کرتے ہیں' کیونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ قرآن اور حدیث کی کسی دلیل پر مبنی ہے اور بوقت ضرورت وہ دلیل بیان بھی کر دی جاتی ہے' سو در حقیقت وہ شخص قرآن اور حدیث پر عمل کر رہا ہے مقلد محض نہیں ہے' اور ہدایت یافتہ عالم کا مقلد ہے' جاہل اور گمراہ کا مقلد نہیں ہے' اسی طرح ائمہ اربعہ کے مقلدین ہیں وہ اپنے امام کے قول پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ یہ ان کے امام کا قول ہے' بلکہ اس قول پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ ان کا قول قرآن اور حدیث کی کسی دلیل پر مبنی ہے تو در حقیقت وہ قول امام پر عمل نہیں کر رہا' بلکہ قرآن اور حدیث پر عمل کر رہا ہے اور چونکہ عام آدمی کا علم قرآن اور حدیث کو محیط نہیں ہے اور وہ ان سے مسائل کے استنباط پر قادر نہیں ہے اور قرآن و حدیث سے حاصل شدہ احکام کو اپنے پیش آمدہ مسئلہ پر منطبق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا' اس لیے اسے کسی قرآن اور حدیث کے متبحر اور ماہر عالم کی طرف رجوع کی ضرورت ہوتی ہے' اس لیے وہ کسی ہدایت یافتہ متبحر اور ماہر عالم دین کی تقلید کرتا ہے اور ائمہ اربعہ ہدایت یافتہ اور قرآن و حدیث کے علوم کے ماہر اور امام تھے۔ سو ان کی تقلید کرنا بالکل جائز' صحیح اور عقل سلیم کے مطابق ہے' ان کے اقوال قرآن و حدیث پر

مبنی ہیں' یہ دلائل انہوں نے خود بھی بیان کیے اور ان کے متبع علماء نے بھی بیان کیے' اس کے باوجود ان کی نیک نفسی اور علم و دیانت کا یہ حال ہے کہ انہوں نے کہا اگر ہمارا کوئی قول کسی حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اس قول کو مسترد کر دو' اور حدیث پر عمل کرو وہی ہمارا مذہب ہے' سو ان ائمہ کی تقلید کرنا دراصل قرآن و حدیث کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ یہ محض ان کی تقلید نہیں ہے اور نہ ہی اندھی تقلید ہے' کیونکہ ان کے اقوال قرآن و حدیث پر مبنی ہیں اور نہ یہ کسی جاہل اور گمراہ کی تقلید ہے' بلکہ یہ ان کی تقلید ہے جو اپنے اپنے دور میں علم اور ہدایت کے آفتاب و ماہتاب تھے' سو اس آیت سے ائمہ اربعہ کی تقلید پر طعن کرنا علم اور دیانت کے خلاف ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا

اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی

ٱهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى ٱللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ

ضرر نہیں ہوگا، اللہ ہی کی طرف تم سب نے لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے

تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ شَهَٰدَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ

رہے تھے ○ اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت) آجائے اور وہ

أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ حِينَ ٱلْوَصِيَّةِ ٱثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ ءَاخَرَانِ

وصیت کر رہا ہو تو تمہاری شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تم میں سے دو نیک آدمی (گواہ ہوں) اور اگر تم زمین میں

مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى ٱلْأَرْضِ فَأَصَٰبَتْكُم مُّصِيبَةُ

سفر کر رہے ہو اور تم میں سے کسی کو موت آپہنچے تو غیروں میں سے ہی دو شخص (گواہ ہوں)، اگر

ٱلْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِنۢ بَعْدِ ٱلصَّلَوٰةِ فَيُقْسِمَانِ بِٱللَّهِ إِنِ ٱرْتَبْتُمْ

تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو، وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم (کسی فائدہ کی وجہ

لَا نَشْتَرِى بِهِۦ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَٰدَةَ ٱللَّهِ إِنَّآ

سے) اس قسم کے عوض کوئی مال نہیں لیں گے اور خواہ قریبی رشتہ دار ہوں (ہم ان کی رعایت نہیں کریں گے) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپائیں گے

إِذًا لَّمِنَ ٱلْءَاثِمِينَ ﴿١٠٦﴾ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰٓ أَنَّهُمَا ٱسْتَحَقَّآ إِثْمًا فَـَٔاخَرَانِ

ورنہ ہم سخت گنہگاروں میں شمار ہوں گے ○ پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو جن لوگوں کا حق

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ

ان گواہوں نے ضائع کیا ہے ان کی طرف سے دو گواہ ان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ اللہ کی قسم کھا کر

بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ

کہیں کہ ہماری شہادت ان (وصیوں) کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا، ورنہ ہمارا شمار ظالموں

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ

میں ہو گا ○ یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ (وصی) اس طرح شہادت دیں جس طرح شہادت دینے کا

يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ

حق ہے یا وہ اس بات سے ڈریں کہ (ورثاء کی) قسموں کے بعد ان کی قسمیں مسترد کر دی جائیں گی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام)

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

سنو؛ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو تم اپنی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہو گا' اللہ ہی کی طرف تم سب نے لوٹنا ہے' پھر وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے۔ (المائدہ: ۱۰۵)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب مشرکین کو اللہ کے دین کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہ طریقہ کافی ہے۔ جس پر ہم نے اپنے باپ اور دادا کو پایا غرض! ان جاہلوں اور گمراہوں کو اسلام کی طرف بلانے کی مسلمانوں نے پوری کوشش کی۔ اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اخروی انعامات کی ترغیب دی۔ اس کے باوجود جب ان جاہلوں نے اپنی جہالت اور گمراہی پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مسلمانو! تم ان کی جہالت اور گمراہی کی پرواہ نہ کرو اور ان کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ بلکہ تم اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے رہو اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے' ان سے اجتناب کرتے رہو۔ اس لیے اس آیت میں فرمایا اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو' جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اہل کتاب سے جزیہ قبول کر لیتے تھے اور عرب کے مشرکین سے جزیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کے لیے صرف دو راستے تھے' یا اسلام قبول کریں یا پھر جنگ کے لیے تیار رہیں۔ تب منافقوں نے مسلمانوں کو ملامت کی کہ تم بعض کفار سے جزیہ قبول کرتے ہو اور بعض سے قبول نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تم ہدایت پر ہو تو ان کی ملامت کی پرواہ نہ کرو' مسلمانوں کو اس سے بہت سخت تکلیف ہوتی تھی کہ نبی ﷺ کی بسیار تبلیغ' اس قدر معجزات کے مشاہدہ اور آپ کی اتنی کوششوں کے باوجود یہ کفار کفر کو نہیں چھوڑتے اور اپنی گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی' جس کا معنی یہ ہے کہ تم ان کو

مسلمان کرنے کے مکلف نہیں ہو‘ تم صرف اپنی فکر کرو‘ جب تم ہدایت پر ہو تو ان کی جہالت اور گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہو گا۔ (تفسیر کبیر‘ ج ۴‘ ص ۴۶۱‘ مطبوعہ دار الفکر‘ بیروت‘ ۱۳۹۸ھ)

نجات کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ضروری ہونا

”تم اپنی فکر کرو“ کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو گناہوں کے ارتکاب سے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھو اور اپنی آخرت اور عاقبت سنوارنے کی فکر کرو۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر لوگ برے کام کر رہے ہیں تو کرنے دو تم صرف اپنی فکر کرو‘ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی کو نیکی کا حکم دینا یا برائی سے روکنا واجب نہیں ہے‘ صرف اپنی اصلاح کر لینا کافی ہے۔ حالانکہ یہ معنی قرآن مجید اور احادیث کی دوسری نصوص کے خلاف ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسروں کو نیکی کا حکم نہیں دیتا اور برائی سے نہیں روکتا تو وہ عذاب کا مستحق ہو گا‘ کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے‘ اس لیے تم اپنی فکر کرو کا معنی یہ ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو‘ اس کے باوجود اگر لوگ برے کاموں سے باز نہ آئیں تو تم فکر نہ کرو‘ جب تم ہدایت پر ہو‘ نیکی کر رہے ہو اور نیکی کا حکم دے رہے ہو‘ تو کسی کی برائی سے تمہیں ضرر نہیں ہو گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے متعلق احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بنو اسرائیل میں گناہ بہت بڑھ گئے تو ان کے علماء نے منع کیا‘ وہ باز نہیں آئے۔ وہ علماء ان کی مجلسوں میں بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے تو اللہ نے ان کے دل بھی ان کی طرح کر دیئے اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی گئی‘ کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے‘ پھر آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ (امام ابو داؤد کی روایت میں ہے) تم ان کو ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ظالموں کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق کے مطابق عمل پر مجبور کرنا۔

(سنن ترمذی‘ ج ۵‘ رقم الحدیث: ۳۰۵۸‘ سنن ابو داؤد‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۴۳۳۶‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۴۰۰۶)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

قیس بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت تلاوت کرتے ہو اے ایمان والو تم اپنی فکر کرو‘ جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہو گا (المائدہ: ۱۰۵) اور تم اس آیت سے غلط مطلب نکالتے ہو اور ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے‘ جب لوگ ظالم کو دیکھیں‘ اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا اور ھیثم کی روایت میں ہے جس کسی قوم میں گناہوں پر عمل کیا جاتا ہے اور وہ ان گناہوں کو مٹانے پر قادر ہوں پھر نہ مٹائیں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا۔

(سنن ابو داؤد‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۴۳۳۸‘ سنن ترمذی‘ ج ۵‘ رقم الحدیث: ۳۰۶۸‘ سنن کبریٰ للنسائی‘ ج ۶‘ رقم الحدیث: ۱۱۱۵۷‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۴۰۰۵)

المائدہ ۷۹-۷۸ کی تفسیر میں ہم نے اس سلسلہ میں بہت احادیث پیش کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت) آ جائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو

تمہاری شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تم میں سے دو نیک آدمی (گواہ ہوں) اور اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو اور تم میں سے کسی کو موت آپہنچے تو غیروں میں سے ہی دو شخص (گواہ ہوں) اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔ وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم (کسی فائدہ کی وجہ سے) اس قسم کے عوض کوئی مال نہیں لیں گے' اور خواہ قریبی رشتہ دار ہوں (ہم ان کی رعایت نہیں کریں گے) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپائیں گے' ورنہ ہم سخت گنہ گاروں میں شمار ہوں گے' پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو جن لوگوں کا حق ان گواہوں نے ضائع کیا ہے' ان کی طرف سے دو گواہ ان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان (وصیوں) کی شہادت سے زیادہ برحق ہے' اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا' ورنہ ہمارا شمار ظالموں میں ہو گا' یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ (وصی) اس طرح شہادت دیں جس طرح شہادت دینے کا حق ہے' یا وہ اس بات سے ڈریں کہ (ورثاء کی) قسموں کے بعد ان کی قسمیں مسترد کر دی جائیں گی' اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو! اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶)

سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنانے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بنو سہم (عاص بن وائل سہمی کے قبیلہ) میں سے ایک شخص تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ (سفر میں) گیا۔ سہمی ایسی جگہ میں فوت ہو گیا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا' جب وہ دونوں سہمی کا ترکہ لے کر آئے تو اس کے ورثاء نے اس میں چاندی کا پیالہ گم پایا جس میں سونے کے پتر چڑھے ہوئے تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان سے حلف لیا' پھر وہ پیالہ مکہ میں پایا گیا اور ان لوگوں نے کہا ہم نے یہ پیالہ تمیم اور عدی سے خریدا ہے' پھر سہمی کے ورثاء میں سے دو شخصوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور یہ پیالہ ان کے ساتھی کا ہے اور انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے۔ (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶)

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۷۸۰' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۰۶)

امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے اس حدیث کو زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت (المائدہ: ۱۰۶) کے متعلق تمیم داری سے روایت کرتے ہیں' تمیم داری نے کہا وہ اور عدی بن بداء دونوں نصرانی تھے' اور اسلام لانے سے پہلے شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ ایک بار وہ دونوں تجارت کے لیے شام روانہ ہوئے' تو ان کے پاس بنو سہم کے آزاد شدہ غلام بھی تجارت کے مقصد سے آئے' ان کا نام بدیل بن ابی مریم تھا' ان کے پاس چاندی کا ایک پیالہ تھا' وہ اس کو بادشاہ کے پاس لے جانا چاہتے تھے' وہ راستہ میں بیمار ہو گئے۔ انہوں نے ہم دونوں کو وصیت کی اور یہ کہا: ان کا ترکہ ان کے اہل کو پہنچا دیں۔ تمیم نے کہا جب وہ فوت ہو گئے تو ہم نے اس پیالہ پر قبضہ کر لیا' اس کو ہم نے ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ پھر میں نے اور عدی بن بداء نے اس رقم کو آپس میں تقسیم کر لیا' جب ہم بدیل سہمی کے گھر پہنچے تو اس کا باقی ترکہ جو ہمارے پاس تھا' وہ ہم نے اس کے گھر والوں کو دے دیا' انہوں نے اس ترکہ میں پیالہ کو گم پایا' تو ہم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ ہم نے کہا اس نے اس کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا تھا' اور نہ اس کے سوا اور کوئی چیز ہمیں دی تھی۔

تمیم نے کہا جب میں رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مسلمان ہو گیا' تو میں نے اس فعل میں گناہ جانا' میں ان کے گھر گیا اور ان کو اصل واقعہ کی خبر دی' اور ان کو پانچ سو درہم واپس کر دیئے' اور ان کو بتایا کہ میرے ساتھی کے پاس بھی اتنے درہم ہیں۔ وہ اس (عدی بن بداء) کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے' آپ نے سہمی کے ورثاء سے گواہ طلب کیے' ان کے

پاس گواہ نہیں تھے۔ پھر آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ عدی بن بداء سے قسم طلب کریں جو ان کے دین میں سب سے بڑی قسم ہو' اس نے قسم کھائی' تب یہ آیت نازل ہوئی (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶) پھر عمرو بن العاص اور ایک اور شخص نے (ورثاء سہمی کے موقف پر اور عدی کے خلاف) قسم کھائی تو عدی بن بداء سے پانچ سو درہم وصول کیے گئے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۷۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

سفر میں وصیت کرنے اور غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے جواز پر امام احمد کے دلائل

ان آیتوں میں سفر اور حضر میں وصیت کرنے پر ترغیب دی گئی ہے' وصیت کے ثبوت اور اس کو نافذ کرنے کے لیے گواہ مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اصل میں مسلمان گواہوں کو مقرر کرنا چاہیے' اور یہ کہ ضرورت یا حاجت کے پیش نظر غیر مسلموں کو بھی گواہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے تم میں سے دو شخص گواہ ہوں اس کا معنی ہے تمہارے دین اور تمہاری ملت سے دو گواہ ہوں یہ حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' سعید بن مسیب' سعید بن جبیر' شریح' ابن سیرین اور شعبی کا قول ہے۔ امام احمد کا بھی یہی مختار ہے۔ پھر فرمایا ہے اور سفر میں غیروں میں سے ہی دو گواہ بنالیے جائیں حضرت ابن مسعود' حضرت عباس اور دیگر مذکور الصدر فقہاء تابعین کے نزدیک اس سے مراد ہے جو لوگ تمہارے دین اور تمہاری ملت کے غیر ہوں' یعنی اہل کتاب میں سے ہوں' اور حسن اور عکرمہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہارے اقرباء اور رشتہ داروں کے غیر ہوں۔

جب یہ مراد لی جائے کہ غیروں سے مراد غیر مسلم اور اہل کتاب ہیں اور یہ کہ سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنالیا جائے' تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت محکمہ اور غیر منسوخ ہے یا یہ کہ اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ حضرت ابن عباس' ابن المسیب' ابن جبیر' ابن سیرین' قتادہ' شعبی' ثوری اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے اور اب بھی اہل کتاب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہوئی:

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: ۲) اور اپنوں (یعنی مسلمانوں) میں سے دو نیک شخصوں کو گواہ بناؤ۔

زید بن اسلم' امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کا بھی اسی طرف میلان ہے' انہوں نے کہا کہ اہل کفر عادل (نیک) نہیں ہیں اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے' کیونکہ یہ حاجت اور ضرورت کا مقام ہے اور ایسے مواقع پر صرف عورتوں کی گواہی بھی صحیح ہوتی ہے۔ جیسے حیض' نفاس اور بچے کی پیدائش میں عورتوں کی گواہی صحیح ہوتی ہے۔

(زاد المسیر' ج ۲' ص ۴۲۷-۴۲۶' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

سفر میں وصیت پر غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے عدم جواز پر جمہور فقہاء کے دلائل

جمہور فقہاء کے نزدیک مسلمانوں کے معاملات میں کفار کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے' اور اس آیت میں جو غیروں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے' اس آیت میں غیروں سے مراد غیر مسلم ہو تو پھر یہ آیت واشہدوا ذوی عدل منکم سے منسوخ ہے اور یا اس آیت سے منسوخ ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ (البقرہ: ۲۸۲) اور اپنے (مسلمان) مردوں میں سے دو گواہ بنالو' اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

اور ظاہر ہے کہ ذمی یا اہل کتاب شرعاً غیر پسندیدہ ہیں' سو یہ آیت سورۂ مائدہ کی زیر تفسیر آیت کے لیے ناسخ ہے۔ اور ماضی میں مسلمانوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے اہل کتاب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کی اجازت دی گئی' کیونکہ اس وقت مسلمان صرف مدینہ میں تھے اور آج کے دور میں تو ہر جگہ مسلمان موجود ہیں' اس لیے کفار کی شہادت ساقط ہو جائے گی' اس لیے اب مسلمانوں کا کافروں کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ شریح سے روایت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو صرف سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے' اور کسی موقع پر جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۱۴۲) امام احمد بن حنبل سے بھی اسی کی مثل مروی ہے اور وہ اس میں منفرد ہیں۔ ائمہ ثلاثہ نے ان سے اختلاف کیا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اہل ذمہ کی گواہی جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۱۴۴) اور امام طحاوی نے ابوداؤد سے روایت کیا ہے کہ ایک مسلمان شخص دقوقا میں فوت ہو گیا اور اس کو مسلمانوں میں سے کوئی شخص نہیں ملا جس کو وہ اپنی وصیت پر گواہ بناتا' تو اس نے دو اہل کتاب عیسائیوں کو گواہ بنا لیا' وہ دونوں کوفہ میں حضرت ابوموسیٰ کے پاس آئے' حضرت ابوموسیٰ نے کہا نبی ﷺ کے عہد کے بعد اس طرح نہیں ہوتا تھا' پھر عصر کے بعد ان دونوں سے حلف لیا کہ انہوں نے خیانت کی ہے' نہ جھوٹ بولا ہے' نہ وصیت میں کوئی تبدیلی کی ہے' پھر ان کی شہادت کو نافذ کر دیا۔ (سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۰۵' جامع البیان' جز ۷' ص ۱۴۳) امام طحاوی نے کہا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ آیت محکمہ (غیر منسوخ) تھی اور میرے علم کے مطابق صحابہ میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی ہے' اور اکثر فقہاء تابعین کا بھی یہی نظریہ ہے' اور نحاس نے ذکر کیا ہے کہ جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور کسی حال میں کافر کی شہادت جائز نہیں ہے' جس طرح فاسق کی شہادت جائز نہیں ہے۔ وہ زید بن اسلم' امام شافعی اور نعمان (امام ابوحنیفہ) ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ نے کافروں کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کو جائز کہا ہے۔ (عمدۃ القاری' ج ۱۴' ص ۴۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

اہل ذمہ کی آپس میں گواہی کے جواز پر امام ابوحنیفہ کے دلائل

امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ کافروں کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی جائز ہے' اور مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی جائز نہیں ہے' کیونکہ شہادت کی تمام آیات اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے مسلمانوں کے متعلق ہیں' اور کافروں کی گواہی ایک دوسرے کے متعلق قبول کی جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اور کافر ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

(الانفال: ۷۳)

قرآن مجید نے کافروں کی ایک دوسرے پر ولایت ثابت کی ہے اور ولایت شہادت سے اعلیٰ درجہ ہے اور حدیث میں بھی اہل کتاب کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کا ثبوت ہے۔ امام ابوداؤد سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود ایک مرد اور عورت کو لے کر آئے' جنہوں نے زنا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تم میرے پاس ایسے دو مردوں کو لے کر آؤ جو تمہارے سب سے بڑے عالم ہوں' وہ صوریا کے دو بیٹوں کو لے کر آئے۔ آپ نے ان کو قسم دی کہ یہ بتاؤ کہ تورات میں اس جرم کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا تورات میں یہ مذکور ہے کہ جب چار آدمی یہ گواہی دیں کہ انہوں نے مرد کے آلہ کو عورت کے اندام نہانی میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سلائی سرمہ دانی میں

ہوتی ہے تو ان دونوں کو رجم کر دیا جائے گا' آپ نے فرمایا پھر تم کو انہیں رجم کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ انہوں نے کہا ہماری سلطنت (اقتدار) چلی گئی' تو پھر ہم نے قتل کرنے کو ناپسند جانا' پھر رسول اللہ ﷺ نے گواہوں کو بلایا' سو چار گواہ آئے اور انہوں نے یہ شہادت دی کہ انہوں نے اس مرد کے آلہ کو اس عورت کے اندام نہانی میں اس طرح دیکھا ہے' جس طرح سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے' تب نبی ﷺ نے ان کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا۔

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۴۵۲' سنن دار قطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۰۵)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اہل کتاب کی اہل کتاب کے خلاف شہادت جائز ہے' ایک اور حدیث سے بھی یہ بات مفہوماً نکلتی ہے۔

امام علی بن عمر دار قطنی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک ملت والے دوسری ملت والوں کے وارث نہیں ہوتے اور ایک ملت والوں کی دوسری ملت والوں کے خلاف شہادت جائز نہیں ہے۔ ماسوا میری امت کے' کیونکہ ان کی شہادت دوسروں کے خلاف جائز ہے۔

(سنن دار قطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۶۸' المعجم الاوسط للطبرانی' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۴۳۰' مجمع الزوائد' ج ۴' ص ۲۰۱)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک ملت کے افراد کی اپنی ملت والوں کے خلاف شہادت جائز ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اہل ذمہ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت قبول کی جائے گی' خواہ ان کی ملتیں مختلف ہوں۔ (مثلاً یہود کی گواہی نصاریٰ کے خلاف مقبول ہوگی) امام مالک اور امام شافعی نے کہا ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی' کیونکہ یہ فاسق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا والکافرون ھم الفاسقون (قرآن مجید میں یہ آیت نہیں ہے' یہ صاحب ہدایہ کا تسامح ہے۔ البتہ اس معنی میں یہ آیت ہے ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون (النور: ۵۵)

اس لیے ان کی خبر پر توقف کرنا واجب ہے' اسی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اور وہ بہ منزلہ مرتد ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نصاریٰ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ نیز ان کو اپنے اوپر اور اپنے چھوٹے بچوں کے اوپر ولایت حاصل ہے۔ لہٰذا ان کو اس کی جنس پر شہادت کا حق بھی حاصل ہوگا' اور فسق اعتقادی شہادت کو قبول کرنے سے مانع نہیں ہے' کیونکہ وہ اپنے دین میں جس چیز کو حرام اعتقاد کرتے ہیں' اس سے اجتناب کرتے ہیں اور جھوٹ بولنا تمام ادیان میں حرام ہے۔ اس لیے وہ جھوٹی گواہی نہیں دیں گے اور ان کو مرتد پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ مرتد کو کسی پر بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی' اور ذمیوں کی گواہی مسلمانوں کے خلاف اس لیے مقبول نہیں ہے کہ ذمیوں کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (النساء: ۱۴۱)

اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں بنائے گا۔

اور چونکہ کافر مسلمان سے دشمنی رکھتا ہے اور دار اسلام میں اس سے مغلوب ہے' اس لیے وہ اس پر غلبہ پانے کے لیے جھوٹ بولے گا اور کفر کی ملتیں ہرچند کہ مختلف ہیں' لیکن دار اسلام میں وہ ایک دوسرے سے مغلوب نہیں ہیں' اس لیے ان میں باہم دشمنی نہیں ہوگی' جو ان کو جھوٹی گواہی پر اکسائے اور حربی مستامن (جو کافر پاسپورٹ لے کر ہمارے ملک میں آئے) کی گواہی

ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی اور جو کافر الگ الگ ملکوں میں رہتے ہیں' ان کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔ (ہدایہ اخیرین' ص ۱۶۳' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

اور اس سے پہلے جو ہم نے حدیث ذکر کی ہے کہ ایک ملت والوں کی گواہی دوسری ملت والوں کے خلاف قبول نہیں ہو گی اس سے مراد دو مختلف ملکوں میں رہنے والے کافر ہیں' اور جو مختلف ملتوں والے ایک ملک کے کافر ہمارے ملک میں پاسپورٹ لے کر آئیں' ان کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی' کیونکہ یہاں وہ ایک دوسرے پر غالب نہیں ہیں اور ان میں باہم دشمنی نہیں ہے' جو ان کو ایک دوسرے کے خلاف جھوٹی گواہی پر ابھارے۔ البتہ! مستامن کی شہادت ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی اور نہ مختلف ملکوں میں رہنے والے کافروں کی شہادت ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی۔

(ہدایہ اخیرین' ص ۱۶۳)

امام ابو حنیفہ کے استدلال پر علامہ قرطبی کے اعتراض کا جواب

فقہاء مالکیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک اہل ذمہ کی شہادت مطلقاً مقبول نہیں ہے' مسلمان کے خلاف' نہ اہل کتاب کے خلاف۔ اس لیے علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ فقہاء احناف کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ نے اس آیت (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶) سے یہ استدلال کیا ہے کہ اہل ذمہ کی آپس میں شہادت جائز ہے' کیونکہ او اخران من غیرکم کا معنی ہے "یا ان کو گواہ بناؤ جو دین میں تمہارے غیر ہیں" اور جب اہل ذمہ کو مسلمان گواہ بنا سکتے ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو بطریق اولیٰ گواہ بنا سکتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمہارے نزدیک تو مسلمانوں کا اہل ذمہ کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور تمہارے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے' اس لیے تمہارا یہ استدلال جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت عبارت النص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہل ذمہ کو مسلمانوں کے خلاف گواہ بنانا جائز ہے اور بہ طریق تنبیہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہل کتاب کی آپس میں گواہی بھی جائز ہے' کیونکہ جب ان کی شہادت مسلمانوں کے خلاف جائز ہے تو اپنی ملت والوں کے خلاف بہ طریق اولیٰ جائز ہو گی۔ پھر جب دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کے خلاف ان کی شہادت باطل ہے' تو آپس میں ان کی شہادت کا جواز اپنے حال پر باقی رہا' لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے' کیونکہ اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کا جائز ہونا اس مسئلہ کی فرع ہے کہ اہل ذمہ کی مسلمانوں کے خلاف شہادت جائز ہو اور جب اہل ذمہ کی مسلمانوں کے خلاف شہادت باطل ہو گی جو اصل تھی' تو جو اس کی فرع ہے یعنی اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کا جواز وہ بہ طریق اولیٰ باطل ہو جائے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ۶' ص ۲۷۰-۲۶۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کی اس عالمانہ بحث کی متانت سے ہمیں انکار نہیں ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ نے اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کے جواز پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا' بلکہ ان کا استدلال اس آیت سے ہے والذین کفروا بعضہم اولیاء بعض (الانفال: ۷۳) یہ آیت اور اس کے علاوہ دو حدیثیں جن سے امام اعظم نے استدلال کیا ہے' ہم اس سے متصل پہلے عنوان میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اہل ذمہ آپس میں خرید و فروخت کرتے ہیں' اجرت اور قرض کا لین دین کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کے ساتھ زیادتی بھی کرتا ہے' مثلاً قتل کرتا ہے یا زخمی کرتا ہے اور ان میں دیگر جرائم بھی ہوتے ہیں اور باہمی تنازعات بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ اپنے مقدمات مسلمان حاکموں کے پاس لے جاتے ہیں' اگر ان کے معاملات' جرائم اور تنازعات میں ان کی اپنی شہادت قبول نہ ہو تو ان کے حقوق معطل ہو جائیں گے۔ ہمارے ملک میں ان کو انصاف نہیں مل سکے گا

اور ظلم اور فساد کا غلبہ ہو گا' اور یہ اسلام کے منشاء کے خلاف ہے' اس لیے ضرورت کا یہ تقاضا ہے کہ دار الاسلام میں اہل ذمہ میں ایک دوسرے کے متعلق شہادت کو قبول کیا جائے اور اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ کا موقف ہی قرآن مجید' احادیث اور عقل سلیم کے مطابق ہے۔

ناگزیر صورت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا جواز

بعض اوقات سفر میں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان کو وصیت کے وقت کوئی مسلمان گواہ میسر نہ ہو' تو اب اگر مسلمانوں کے معاملات میں اہل کتاب کی شہادت بالکل میسر نہ ہو تو بعض مواقع پر مسلمانوں کے حقوق معطل ہو جائیں گے۔ اس لیے جہاں ایسی صورت ہو وہاں کسی غیر مسلم سے اس کے مذہب کے مطابق قسم لے کر امام احمد بن حنبل کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے اس کو گواہ بنا لیا جائے' تو اس کی گنجائش ہے' کیونکہ اس آیت کا منسوخ ہونا متفق علیہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس' ابن المسیب' ابن جبیر' ابن سیرین' قتادہ' شعبی' ثوری اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے اور منسوخ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی ایسی صورت میں کسی غیر مسلم کو اس کے مذہب کے مطابق قسم لے کر گواہ بنا لیا جائے' تو یہ ظاہر قرآن کے بھی مطابق ہے اور اس میں آسانی ہے اور مسلمانوں کے حقوق کا بھی تحفظ ہے۔

شک اور شبہ کی بناء پر ملزم یا متہم کو قید میں رکھنے کا جواز

اس آیت میں فرمایا ہے:

اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص پر کسی قسم کا شبہ ہو اس کو روکنا اور قید کرنا جائز ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو تہمت کی بنا پر قید کر لیا۔ امام ترمذی کی روایت میں ہے' بعد میں اس کو رہا کر دیا۔

(سنن ابو داؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۳۰' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۲۲' سنن نسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۸۹۱)

علامہ احمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

قید کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ بطور سزا کے قید کرنا اور بطور تفتیش کے قید کرنا اور بطور سزا کے اس وقت قید کیا جائے گا جب اس پر کوئی حق واجب ہو گا یا جرم ثابت ہو گا' اور جس شخص کو تہمت کی بنا پر قید کیا جائے گا تو اس کی تفتیش کی جائے گی اور حدیث میں ہے' نبی ﷺ نے ایک شخص کو دن کے تھوڑے وقت کے لیے قید کیا' پھر اس کو رہا کر دیا۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابو داؤد' ج ۵' ص ۲۴۷' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

نیز امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عبداللہ حزاری بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ کلاعین کے لوگوں کی چوری ہو گئی' انہوں نے حاکہ کے کچھ لوگوں پر چوری کی تہمت لگائی' وہ لوگ نبی ﷺ کے صحابی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' حضرت نعمان نے حاکہ کے لوگوں کو چند روز قید رکھا' پھر ان کو رہا کر دیا۔ کلاعین حضرت نعمان کے پاس گئے اور کہا' آپ نے ان لوگوں کو بغیر مارے پیٹے اور بغیر امتحان لیے رہا کر دیا۔ حضرت نعمان نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں ان کو مار لگاؤں' پھر اگر تمہارا سامان نکل آیا تو فبہا' ورنہ میں تمہاری پشت پر اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے ان کو لگائے ہوں گے۔ انہوں نے کہا یہ آپ کا فیصلہ ہے؟ حضرت نعمان نے کہا یہ اللہ کا حکم ہے

اور رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔

امام ابوداؤد نے کہا اعتراف سے پہلے کسی کو مارنا جائز نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۸۲' سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۸۸۹)

ہمارے ملک میں محض شبہ کی بناپر کسی شخص کو حوالات میں اتنی مار لگائی جاتی ہے کہ وہ مار سے بچنے کے لیے اپنے ناکردہ جرائم کا اعتراف کرلیتا ہے' یہ اسلام کے خلاف ہے۔ علامہ سندی نے لکھا ہے کہ تہمت اور شبہ کی بناء پر کسی کو قید کرنا جائز ہے۔

مجرموں کو قید میں رکھنے کا جواز

مجرموں کو قید میں رکھنے کی اصل یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گھوڑے سواروں کی ایک جماعت نجد کی طرف بھیجی' وہ ایک شخص کو گرفتار کرکے لائے جس کا نام ثمامہ بن آثال تھا' صحابہ نے اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا' نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور پوچھا اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا اے محمد! میرا ایک خیال ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو آپ ایک خونی کو قتل کریں گے اور اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شکرگزار پر احسان کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا چاہیں مجھ سے سوال کریں' اس کو اسی طرح رکھا گیا۔ آپ نے دوسرے دن پھر اس سے فرمایا: اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں نے آپ سے کہا تھا' اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شکرگزار پر احسان کریں گے' اس کو پھر اسی طرح رکھا گیا۔ تیسرے دن آپ نے پھر اس سے سوال کیا: اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو' پھر ثمامہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا' اس نے غسل کیا' پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہنے لگا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ اے محمد ﷺ بخدا! (پہلے) تمام روئے زمین پر مجھے آپ کا چہرہ سب سے زیادہ برا لگتا تھا' اور اب آپ کا چہرہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے' اور بخدا! میں پہلے سب سے زیادہ آپ کے دین سے بغض رکھتا تھا اور اب آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے' اور پہلے میں آپ کے شہر سے سب سے زیادہ بغض رکھتا تھا اور اب آپ کا شہر مجھے تمام شہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کرلیا تھا' اور اب میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں' آپ کی کیا رائے ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بشارت دی اور اسے عمرہ کرنے کا حکم دیا' جب وہ مکہ میں پہنچا تو اس سے کسی شخص نے کہا کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! بخدا! میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلمان ہوگیا ہوں' بخدا! تمہارے پاس اب یمامہ سے اس وقت تک گندم کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچے گا' جب تک کہ نبی ﷺ اس کی اجازت نہیں دیں گے۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۳۷۲' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۶۷۹' صحیح مسلم' جہاد' ۵۹' (۱۷۶۴) ۴۵۰۸' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۹' مسند احمد' ج ۲' ص ۴۵۲' ج ۳' ص ۸۲' طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے تین دن ثمامہ بن آثال کو قید رکھا اور یہ حدیث مجرموں کو قید میں رکھنے کی اصل ہے۔

نادہندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

ہرماس بن حبیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس اپنے مقروض کو لے کر آیا' آپ نے فرمایا اس کو قید کر لو' پھر مجھ سے فرمایا: اے بنو تمیم کے بھائی! تم اپنے قیدی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟

(سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۲۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اس حدیث میں نادہندہ مقروض کو قید میں رکھنے کی دلیل ہے۔

عمرو بن الشرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا متمول آدمی کی (قرض واپس کرنے میں) سستی اور تاخیر اس کی عزت اور سزا کو حلال کر دیتی ہے۔

امام ابن المبارک نے کہا کہ عزت کو حلال کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس سے سختی اور درشت کلام کے ساتھ تقاضا کیا جائے اور سزا حلال کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے۔ (علامہ نووی اور علامہ سندی نے بھی یہی تشریح کی ہے)

(سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۲۸' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۷۰۴-۴۷۰۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۲۷' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۹۶۸' طبع جدید' دار الفکر' مسند احمد' ج ۴' ص ۳۸۹-۳۸۸-۲۲۲' طبع قدیم' امام بخاری نے اس حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ کتاب الاستقراض' باب ۱۳)

نیز امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے کہ قاضی شریح مقروض کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا حکم دیتے تھے۔

(کتاب الصلوۃ' باب ۷۶)

نادہندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ حمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تنگ دست اور غریب مقروض کو عدم ادائیگی پر قید نہیں کیا جائے گا' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی سزا کو جائز کہا ہے جو ادائیگی پر قادر ہو اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ قاضی شریح کا نظریہ یہ تھا کہ متمول اور تنگ دست دونوں کو قید کر دیا جائے' اصحاب رائے کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (فقہاء احناف کا یہ نظریہ نہیں ہے سعیدی غفرلہ) امام مالک نے کہا تنگ دست کو قید نہیں کیا جائے گا' اس کو ادائیگی کے لیے مہلت دی جائے گی' امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص بہ ظاہر تنگ دست ہو' اس کو قید نہیں کیا جائے گا اور جو شخص بظاہر متمول ہو اور وہ اپنے حق کو ادا نہ کرتا ہو' تو اس کو قید کیا جائے گا اور بعض اصحاب شافعیہ نے اس میں مزید قیود کا اضافہ کیا ہے۔ (معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد' ج ۵' ص ۲۳۶-۲۳۷)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو (اور قرض ادا نہ کرے) تو اس پر سختی کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری' ج ۵' ص ۶۲' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو (اور قرض ادا نہ کرے) تو اس پر سختی کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے' کیونکہ اس وقت وہ ظالم ہے اور ظلم حرام ہے' خواہ وہ قلیل ہو اور اگر مقروض کا تنگ دست ہونا ثابت ہو تو اس کو مہلت دینا واجب ہے اور اس کو قید کرنا حرام ہے' اور جس شخص کا تنگ دست ہونا ثابت ہو گیا ہو اور اس کو قید سے نکال دیا گیا ہو تو اس میں اختلاف ہے' کہ آیا قرض خواہ مقروض کے ساتھ لازم رہے یا نہیں۔ امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جب تک اس کے پاس کسی اور مال کا ثبوت نہ ہو' وہ اس کے ساتھ لازم نہ رہیں اور امام ابو حنیفہ یہ فرماتے

ہیں کہ حاکم قرض خواہوں کو اس کے ساتھ لزوم سے منع نہ کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۳۶ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۸ھ)

جس طرح مالی حقوق میں اس شخص کو قید کرنا جائز ہے جس پر کسی کا مالی حق ہو' اسی طرح بدنی حقوق میں استغاثہ کو حق دلانے کے لیے اس شخص کو قید کرنا جائز ہے جس پر قصاص لازم ہو' اسی طرح جس شخص نے حدود میں سے کسی حد کا ارتکاب کیا ہو' اس پر حد نافذ کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے۔

گواہ بنانے کے لیے بعد از نماز وقت کی خصوصیت

اس آیت میں فرمایا ہے:

اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو' وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں......

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں "بعد از نماز" سے مراد بعد از نماز عصر ہے' کیونکہ تمام ادیان میں اس وقت کو عظیم گردانا جاتا ہے اور وہ اس وقت میں جھوٹ بولنے سے اور جھوٹی قسم کھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس وقت میں دن کے فرشتے بندہ کے اعمال لکھ کر جا رہے ہوتے ہیں اور رات کے فرشتے اس کے اعمال لکھنے کے لیے آ رہے ہوتے ہیں اور یہ وقت دونوں فرشتوں کے اجتماع کا ہوتا ہے اور اس وقت جو عمل کیا جائے' اس کو دن کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں اور رات کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں' اسی وقت بندوں کے اعمال قبول کیے جانے کے لیے عرش کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں' اس لیے اس وقت میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' اور برے اعمال سے حتی الامکان گریز کیا جاتا ہے' خصوصیت سے اس وقت میں جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ کلام نہیں کرے گا' اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا' اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ میں فاضل پانی ہو اور وہ مسافروں کو پانی (لینے) سے منع کرے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی شخص سے محض دنیا کے لیے بیعت کرے' اگر وہ اس کی خواہش کے مطابق دے تو اس سے بیعت کو پورا کرے' ورنہ بیعت پوری نہ کرے۔ اور تیسرا وہ شخص جو عصر کے بعد کسی آدمی کو کسی چیز کی قیمت بتائے' اور اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اسے وہ چیز اتنے اتنے میں ملی ہے اور وہ آدمی اس کو لے لے' حالانکہ اسے اتنے میں نہ ملی ہو۔ (صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۷۲' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۲۱۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے گا' اللہ عزوجل اس سے کلام نہیں کرے گا' نہ اس کی طرف نظر رحمت فرمائے گا' نہ اس کو پاک کرے گا اور اس کو دردناک عذاب ہوگا۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

عصر کے وقت کو زیادہ گناہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ حالانکہ جھوٹی قسم ہر وقت کھانا حرام ہے' کیونکہ یہ عظیم الشان وقت ہے' اس وقت میں ملائکہ جمع ہوتے ہیں اور یہ اعمال کے ختم ہونے کا وقت ہے اور امور کا مدار خاتمہ پر ہے۔ اس لیے اس وقت میں گناہ کے ارتکاب پر سخت سزا رکھی ہے' تاکہ لوگ اس وقت میں گناہوں پر جرأت نہ کریں اور متقدمین عصر کے بعد حلف لیتے تھے اور اس سلسلہ میں حدیث بھی ہے۔

(فتح الباری' ج ۱۳' ص ۲۰۳' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

قسم دلانے اور گواہ بنانے میں مقام کی خصوصیت میں مذاہب

جس طرح قسم کو پختہ کرنے کے لیے زمان کے اعتبار سے عصر کے بعد کے وقت کی خصوصیت ہے' اسی طرح مکان اور مقام کے اعتبار سے کسی جگہ کی بھی اہمیت ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ مدعیٰ علیہ جہاں چاہے قسم کھائے اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جائے گا اور اس کے تحت یہ اثر ذکر کیا ہے کہ مروان نے حضرت زید بن ثابت کے خلاف فیصلہ کیا کہ وہ منبر پر قسم کھائیں' حضرت زید نے کہا میں اپنی جگہ قسم کھاؤں گا' پھر زید قسم کھانے لگے اور انہوں نے منبر پر قسم کھانے سے انکار کیا' مروان کو اس سے تعجب ہوا' حضرت زید نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا یا تم دو گواہ پیش کرو یا وہ قسم اٹھائے گا اور آپ نے کسی جگہ کی تخصیص نہیں فرمائی۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قسم دلانے کے لیے کسی خاص مقام کی ضرورت نہیں ہے' اور امام بخاری کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا قسم میں امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب چوتھائی دینار یا اس سے زائد کے معاملہ پر قسم کھائی ہو تو جامع مسجد میں یا جامع مسجد کے منبر پر قسم دلائی جائے گی' اور جب اس سے کم کا معاملہ ہو تو حاکم کی مجلس میں' بازار میں یا کسی بھی جگہ قسم کھائی جا سکتی ہے' اور اس پر قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں ہے' اور امام مالک منبر مدینہ کے سوا اور کسی منبر کو نہیں پہچانتے تھے' اور جو شخص منبر مدینہ کے پاس قسم کھانے سے انکار کرے' وہ ان کے نزدیک قسم کھانے سے منکر ہے اور قسامت کی قسموں میں امام مالک کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ وہ رکن اور مقام کے درمیان قسم کھائے۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے: کہ امام شافعی کا مذہب بھی امام مالک کی طرح ہے' لیکن ان کے نزدیک منبر مدینہ یا مکہ میں رکن اور مقام کے نزدیک قسم کھانا اس وقت ضروری ہے جب بیس دینار یا اس سے زائد کا معاملہ ہو اور امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک کسی شخص سے کسی بھی معاملہ میں خواہ قلیل مال کا معاملہ ہو' یا کثیر مال کا نبی ﷺ کے منبر پر قسم لینا ضروری نہیں ہے' اور نہ قصاص اور دیت میں اور نہ کسی اور چیز میں' اور جس شخص پر قسم واجب ہو تو حکام اپنی مجلس میں اس سے قسم لے لیں۔

امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن ثابت کے اثر سے استدلال کیا ہے' کیونکہ انہوں نے منبر پر قسم نہیں کھائی اور جو اس کو ضروری قرار دیتے ہیں' وہ مروان کے قول سے بلا دلیل استدلال کرتے ہیں۔ صاحب التوضیح نے امام شافعی کی طرف سے استدلال کیا ہے کہ اگر حضرت زید بن ثابت کو یہ یقین ہوتا کہ منبر پر قسم کھانا سنت نہیں ہے تو وہ مروان پر رد کرتے اور کہتے کہ نہیں' خدا کی قسم! میں منبر پر قسم نہیں کھاؤں گا' میں صرف تمہاری مجلس میں قسم کھاؤں گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عجیب استدلال ہے' اگر حضرت زید کو علم ہوتا کہ منبر پر قسم کھانا سنت ہے' تو وہ مروان کی مجلس میں قسم نہ کھاتے اور منبر پر ہی قسم کھاتے' لیکن انہوں نے مروان کے کلام کی طرف توجہ نہیں کی اور اسی مجلس میں قسم کھائی اور یہ مروان کا رد نہیں تو اور کیا ہے!

(عمدۃ القاری' ج ۱۳' ص ۲۵۳-۲۵۲' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تائید میں یہ اثر ہے۔ امام ابو عبیدہ نے کتاب القضاء میں سند صحیح کے ساتھ نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے وصی تھے' ان کے پاس ایک شخص ایک دستاویز لے کر آیا' جس میں گواہوں کے نام مٹ چکے تھے۔ حضرت ابن عمر نے نافع سے کہا: اس کو منبر پر لے جا کر اس سے حلف لو۔ اس شخص نے کہا جب یہ منبر پر مجھ سے حلف لے گا تو آپ تو نہیں سن رہے ہوں گے! حضرت ابن عمر نے فرمایا تم نے سچ کہا: اور اس شخص

سے اسی مجلس میں حلف لیا۔
مروان کی تائید میں بھی اثر ہے۔ امام کرابیسی نے آداب القضاء میں سند قوی کے ساتھ سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے۔ ایک شخص نے کسی آدمی پر یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اس شخص کا اونٹ غصب کر لیا ہے' اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پیش کیا' حضرت عثمان نے اس کو حکم دیا کہ وہ منبر پر قسم کھائے' اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اور کہا: منبر کے علاوہ اور آپ جہاں چاہیں میں قسم کھاؤں گا' حضرت عثمان نے فرمایا نہیں تم کو منبر پر قسم کھانی ہوگی' ورنہ اونٹ تاوان میں دینا پڑے گا' اس شخص نے اونٹ تاوان میں دے دیا اور منبر پر قسم نہیں کھائی۔
جس طرح زمان کے اعتبار سے قسم کی تغلیظ میں عصر کے بعد کے وقت کی تخصیص ہے۔ اسی طرح مکان کے اعتبار سے قسم کی تغلیظ میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص ہے' اور اس سلسلہ میں دو مرفوع حدیثیں ہیں:
۱- امام مالک' امام ابوداؤد' امام نسائی' امام ابن ماجہ' امام ابن خزیمہ نے تصحیح کے ساتھ اور امام ابن حبان اور امام حاکم وغیرہم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائے گا' خواہ وہ ایک سبز مسواک پر قسم کھائے' وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔
۲- امام نسائی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے حضرت ابو امامہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائی' جس سے وہ کسی مسلمان شخص کا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہو' اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو' اللہ اس کا کوئی فرض قبول کرے گا' نہ نفل۔
(فتح الباری' ج ۵' ص ۲۸۵' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)
اس میں کوئی شک نہیں کہ منبر رسول پر جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے' اور جس قسم میں تغلیظ مقصود ہو' تو وہ منبر رسول پر قسم دینی چاہیے' لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ واجب ہے؟ اور کیا تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے اس پر عمل کرنا ممکن ہے؟ عصر کے بعد کا وقت تو دنیا میں ہر جگہ حاصل ہو سکتا ہے' اس لیے سخت اور قوی قسم دینے کے لیے عصر کے وقت کی خصوصیت درست ہے۔ لیکن رکن اور مقام پر قسم دینا یا منبر رسول پر قسم دینا' یہ عملاً صرف حرمین طیبین میں ہی ممکن ہے اور اب اسلام تمام دنیا میں پھیل چکا ہے۔ خصوصاً پاسپورٹ اور ویزے کی پابندی کے اس دور میں معقول مذہب صرف امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا ہے' اور وہی قابل عمل ہے۔

صرف اللہ کی ذات کی قسم کھائی جائے یا اس کی صفات کا بھی ذکر کیا جائے

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
جس ذات کی قسم کھائی جائے اس کی صفات کے ذکر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائے۔ "باللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ الرحمن الرحیم" امام شافعی نے کہا اس میں یہ اضافہ بھی کرے "الذی یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور والذی یعلم من السر ما یعلم من العلانیۃ" علامہ سحنون مالکی نے کہا اللہ اور مصحف کی قسم کھائے اور ہمارے اصحاب احناف کے نزدیک صرف اللہ کے نام کی قسم کھانا کافی ہے' طلاق کی قسم نہ کھائے (یعنی اگر میں نے یہ کام کیا ہے تو میری بیوی کو طلاق) ہاں! اگر فریق مخالف اللہ کی قسم کو اہمیت نہ دیتا ہو اور طلاق کی قسم کا مطالبہ کرے تو پھر طلاق کی قسم کھالے' لیکن اگر اس نے طلاق کی قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا' کیونکہ اس نے اس چیز سے انکار کیا ہے' جو شرعاً ممنوع ہے' اور اگر اس کے خلاف فیصلہ کر

بھی دیا گیا' تو وہ نافذ نہیں ہو گا۔ قسم کو زیادہ پختہ اور موکد کرنے کے لیے اللہ کی صفات کا بھی ذکر کیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو شخص عرف میں نیک ہو' اس سے پختہ قسم کا مطالبہ نہ کیا جائے اور دوسروں سے مطالبہ کیا جائے' اور ایک قول یہ ہے کہ زیادہ مال کے معاملہ میں پختہ قسم کا مطالبہ کیا جائے' اور کم مال کے معاملہ میں نہ کیا جائے اور زمان اور مکان کے اعتبار سے قسم کو پختہ نہ کیا جائے (یعنی عصر کے بعد قسم کا مطالبہ کرے' یا مسجد کے منبر پر قسم کھانے کا مطالبہ کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ جب اس وقت میں اور منبر پر قسم کھانے کا رواج عام ہو جائے گا تو لوگوں کے نزدیک ان کی وقعت کم ہو جائے گی۔ ہاں اکسی بہت اہم اور خاص معاملہ میں زمان و مکان کے ساتھ تغلیظ کرنی چاہیے' اور اللہ کی ذات اور صفات کی قسم دینی چاہیے' کیونکہ امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو قسم دی اور فرمایا یہ قسم کھاؤ "باللہ الذی لا الہ الا ھو" میرے پاس مدعی کی کوئی چیز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۲۰) اس طرح قرآن' حدیث اور آثار صحابہ سب پر عمل ہو گا' کیونکہ قرآن مجید میں (عصر کی) نماز کے بعد قسم دلانے کا حکم ہے اور حدیث میں اللہ کی ذات اور صفات کے ساتھ قسم دینے کا حکم ہے' اور آثار صحابہ میں مسجد کے منبر پر قسم دینے کا ذکر ہے۔ اس لیے قسم کی تغلیظ' تاکید اور اس کو پختہ کرنے کے لیے ان امور کے ساتھ قسم دی جائے' لیکن چونکہ قرآن اور حدیث میں اس تغلیظ کو واجب اور ضروری نہیں قرار دیا' اس لیے ان امور کے ساتھ تغلیظ کو عام معمول نہ بنایا جائے' تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں ان کی وقعت اور اہمیت کم نہ ہو' اور کسی بہت اہم اور غیر معمولی معاملہ میں جہاں بہت تاکید اور تغلیظ مقصود ہو' وہاں عصر کے بعد مسجد کے منبر پر اللہ کی ذات اور صفات کی قسم دی جائے۔ (سعیدی غفرلہ) توضیح میں یہ مذکور ہے کہ کیا قسم دیتے وقت مصحف (قرآن مجید) کو بھی حاضر کیا جائے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے اس کا انکار کیا اور بعض مالکی علماء نے کہا بیس دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت میں مصحف کو حاضر کرنا لازم ہے' اور ابن المنذر نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے مطرف کو دیکھا' وہ مصحف کے سامنے حلف اٹھاتے تھے۔

(عمدۃ القاری' ج ۱۳' ص ۲۵۳' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں' تو جن لوگوں کا حق ان گواہوں نے ضائع کیا ہے' ان کی طرف سے دو گواہ ان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اس واقعہ میں پہلے میت کے وصیوں نے قسم کھائی کہ ہم کو اس میت نے صرف اتنا ہی مال دیا تھا (جس میں چاندی کا پیالہ نہیں تھا) اور ورثاء نے یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے پورا مال نہیں پہنچایا' اور انہوں نے جھوٹی قسم کھائی اور امانت میں خیانت کی ہے' پھر وصیوں کی قسم کے مقابلہ میں ورثاء کے دو آدمی پیش ہوئے' اور انہوں نے ان وصیوں کے خلاف قسم کھائی اور کہا ہماری قسم ان کی قسم کے مقابلہ میں برحق ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ورثاء مدعی تھے اور مدعی کے ذمہ گواہ ہوتے ہیں' اور قسم مدعیٰ علیہ پر ہوتی ہے اور یہاں مدعی کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا' کیونکہ جب ورثاء کے گواہوں نے قسم کھائی کہ یہ وصی جھوٹے ہیں' اس سامان میں پیالہ بھی تھا' تو ان کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ پیالہ مکہ میں مل گیا اور وصیوں سے اس کے متعلق پوچھا گیا' تو انہوں نے کہا کہ ہم نے میت سے یہ پیالہ خرید لیا تھا تو اب معاملہ برعکس ہو گیا' اب وہ مدعی ہو گئے اور میت کے ورثاء اس خریداری کے منکر تھے' وہ مدعیٰ علیہ ہو گئے اور چونکہ وصیوں کے پاس پیالہ خریدنے کے گواہ نہ تھے' اس لیے ورثاء پر قسم لازم آئی' انہوں نے قسم کھائی کہ یہ جھوٹے ہیں اور ان کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض ورثاء کو مدعی ہی قرار دیا جائے' تب بھی اصول یہ ہے کہ اگر کسی خارجی قرینہ سے مدعیٰ علیہ کی خیانت اس کا جھوٹ اور گناہ ثابت ہو جائے تو اس کی قسم غیر معتبر ہو جاتی ہے' اور پھر مدعی سے قسم لے کر اس کی قسم پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے' اور اس آیت سے یہی اصول ثابت ہوتا ہے اور جو قاعدہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ کی قسم پر فیصلہ کیا جاتا ہے' وہ اس وقت جب مدعیٰ علیہ کی قسم کے جھوٹ ہونے پر کوئی خارجی دلیل اور قرینہ نہ ہو۔ اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے جس میں گواہ کا مسلمان ہونا ضروری فرمایا ہے' اور اس آیت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا ذکر ہے' اس پر مفصل بحث ہم اس آیت کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۖ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ

جس دن اللہ (تمام) رسولوں کو جمع فرمائے گا، پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ وہ عرض کریں گے ہمیں بالکل علم نہیں ہے

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

بیشک تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے ○ جب اللہ فرمائے گا، اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے اوپر

اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ

اور اپنی ماں کے اوپر میرے احسان کو یاد کرو، جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی،

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

تم گہوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی، اور جب میں نے تم کو کتاب، حکمت، تورات اور

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ

انجیل کا علم دیا، اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے

بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ

تھے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی' اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھوں

الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ

اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے' اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے، اور میں نے (ہی) تم کو

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ

بنو اسرائیل سے بچایا، جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تو ان میں سے کافروں نے

كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى

کہا یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے ○ اور جب میں نے حواریوں پر الہام

الْحَوَارِيّٖنَ أَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا

کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے اللہ!) تو

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

گواہ ہو جا کہ بیشک ہم مسلمان ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا' پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ وہ عرض کریں گے' ہمیں بالکل علم نہیں ہے' بے شک تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے (المائدہ: ۱۰۹)

آیات سابقہ سے مناسبت

قرآن مجید میں اللہ کا اسلوب یہ ہے کہ جب اللہ احکام شرعیہ بیان فرماتا ہے تو اس کے بعد اپنی ذات اور صفات کا ذکر فرماتا ہے یا انبیاء علیہم السلام کے احوال اور اوصاف کا ذکر فرماتا ہے اور یا احوال قیامت کا ذکر فرماتا ہے۔ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حج کے احکام بیان فرمائے تھے۔ پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر سفر میں وصیت کرنے اور اس پر گواہ بنانے کے احکام بیان فرمائے' تو اب اس کے بعد اس آیت میں احوال قیامت کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال بیان فرمائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کا ذکر تھا اور گواہی میں یہ ضروری ہے کہ وہ خیانت نہ کرے' اور اپنے کسی فائدہ کی بناء پر گواہی میں ردوبدل نہ کرے' اور نہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی رعایت کرے۔ اس لیے اس آیت کے بعد اس آیت کا ذکر کیا جس میں قیامت کا ذکر ہے' تاکہ انسان قیامت کی ہولناکیوں اور خدا کے سامنے پیش ہونے کے ڈر سے صحیح اور سچی گواہی دے' اور اس میں خیانت نہ کرے۔

قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے اس قول کی توجیہات کہ "ہمیں کچھ علم نہیں"

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں سے دریافت فرمائے گا کہ تمہیں تمہاری امتوں کی طرف سے کیا جواب دیا گیا تھا؟ اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (الاعراف: ۶)

سو بے شک ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ ○ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الحجر: ۹۳-۹۲)

سو آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو علم نہیں تھا کہ ان کی امتوں نے ان کو کیا جواب دیا؟ حالانکہ دوسری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے اعمال کے متعلق گواہی دیں گے' مثلاً یہ آیت ہے:

فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَہِیۡدٍ وَّ جِئۡنَا بِکَ عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ شَہِیۡدًا (النساء: ۴۱)

اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول مکرم) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یقیناً اپنی امتوں کے احوال اور ان کے دیئے ہوئے جوابات کا علم ہے اور جب ہی وہ ان کے متعلق گواہی دیں گے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے جو یہ عرض کریں گے "ہمیں اصلاً علم نہیں ہے" اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے غیر متناہی علم کے مقابلہ میں ان کو اصلاً علم نہیں ہے۔ مفسرین کرام نے اس سوال کے متعدد جوابات ذکر کیے ہیں، ہم ان میں سے بعض کو نقل کر رہے ہیں۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اس کلام کا معنی یہ ہے کہ ہمیں اپنی امتوں کے دیئے ہوئے جوابات کے باطن کا علم نہیں، یعنی ان کے دلوں کے حال کا علم نہیں اور جزاء کا ترتب اسی پر ہوتا تھا اور یہ نبی ﷺ سے مروی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں کسی چیز کا علم نہیں ہے ماسوا اس کے جس کا تو نے ہمیں علم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے ہمیں اس کے سوا اور کسی بات کا علم نہیں ہے کہ تو ہم سے زیادہ جاننے والا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ قیامت کی ہولناکیوں اور خوف اور دہشت سے ان کو اپنے علم سے ذہول ہو جائے گا، اور وہ کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ نحاس نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ رسل صلوات اللہ علیہم پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

میں کہتا ہوں کہ قیامت کے دن اکثر اوقات میں انبیاء علیہم السلام کو کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا، لیکن بعض اوقات میں ان پر خوف طاری ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ جب جہنم کو لایا جائے گا تو وہ زور سے چیخ مارے گی، اس وقت ہر نبی اور ہر صدیق گھٹنوں کے بل گر جائے گا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل نے قیامت کے دن کا اتنا خوف دلایا کہ میں رونے لگا۔ میں نے کہا اے جبرائیل! کیا میرے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) ذنب کی مغفرت نہیں کر دی گئی، تو انہوں نے مجھ سے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ قیامت کی ایسی ہولناکیوں کو ضرور دیکھیں گے جو آپ کو آپ کی مغفرت بھلا دیں گی۔ نحاس نے کہا اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ تم کو ظاہر اور باطن میں اور جلوت اور خلوت میں کیا جواب دیا گیا؟

وہ کہیں گے ہمیں اصلاً علم نہیں ہے، اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں اور ابن جریج نے کہا اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا عمل کیے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہے، تو ہی تمام غیوب کا جاننے والا ہے۔ ابو عبید نے کہا اس کے مشابہ یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے، میں کہوں گا کہ (کیا یہ) میری امت ہیں؟ تو کہا جائے گا، بے شک آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالیں؟

علامہ ماوردی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو پہلے سے ہی ان کے حال اور ان کے جواب کو جاننے والا ہے، پھر ان سے کیوں سوال فرمائے گا؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تاکہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بتلائے کہ ان کے وصال کے بعد ان کی امتوں نے ان پر کیا کیا افتراء باندھے اور کیا کیا کفر کیے؟ اور دوسرا جواب یہ ہے تاکہ ان کی امتوں کے کافروں کو تمام مخلوق کے سامنے ذلیل اور رسوا کرے، اور یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج ۶ ص ۳۶۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح جواب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مختار ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اللہ سے عرض کیا ہمیں کچھ علم نہیں کیونکہ جو عمل انہوں نے ظاہر کیے جو پوشیدہ کیے ان کو صرف تو ہی جانتا ہے ہم تو صرف ان اعمال کو جانتے ہیں جو انہوں نے ظاہر کیے۔ اس لیے انہوں نے اللہ کے سامنے اپنے علم کی نفی کی گویا اللہ کے علم کے سامنے ان کا علم عدم علم کے حکم میں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمیں صرف اپنی زندگی میں ان کے اعمال کا علم تھا اور ہماری وفات کے بعد ان کے اعمال کا ہمیں علم نہیں اور جزاء اور ثواب کا مدار خاتمہ پر ہے ہمیں علم نہیں کہ ان کا خاتمہ کن اعمال پر ہوا۔ اس وجہ سے انہوں نے کہا ہمیں کچھ علم نہیں اور بعد میں جو فرمایا: بے شک تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے وہ ان دونوں جوابوں کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ اس تفسیر کو لکھتے وقت جو جواب میرے دل میں آیا وہ یہ ہے کہ علم اور چیز ہے (اور وہ یقین ہے) اور ظن اور چیز ہے اور ہر شخص کو دوسرے کے متعلق ظن ہوتا ہے علم نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا: تم میرے پاس مقدمات لاتے ہو ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص زیادہ طلاقت لسانی (چرب زبانی) کے ساتھ اپنے موقف کو پیش کرے۔ پس اگر (بالفرض) میں ناحق فیصلہ کر دوں تو گویا میں اس کو آگ کا ایک حصہ دے رہا ہوں سو انبیاء علیہم السلام کے قول کا معنی یہ ہے کہ ہمیں ان کے احوال کا علم (یعنی یقین) نہیں ہمیں ان کے احوال کا صرف ظن حاصل ہے اور ظن صرف دنیا میں معتبر ہوتا ہے کیونکہ دنیا کے احکام صرف ظن پر مبنی ہیں اور آخرت میں ظن کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ آخرت کے احکام حقائق اشیاء اور بواطن امور پر مبنی ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے کہا: ہمیں علم نہیں ہے سوا اس علم کے جو تو نے ہمیں عطا فرمایا اور آخرت میں اپنے ظن کا ذکر نہیں کیا کیونکہ آخرت میں ظن کا اعتبار نہیں ہوتا اور آخری جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم حکیم اور عادل ہے اس کا کوئی کام حکمت اور عدل کے خلاف نہیں ہے۔ تو انہوں نے جان لیا کہ ان کے کلام سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا نہ کوئی نقصان دور ہوگا اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سامنے سکوت کیا جائے اور معاملہ اس حکیم اور عادل پر چھوڑ دیا جائے جو حی وقیوم اور لایموت ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے بھی اس آخری جواب کو اختیار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

انبیاء کا یہ جواب ان کے کمال ادب کی شان ظاہر کرتا ہے کہ وہ علم الٰہی کے حضور اپنے علم کو اصلاً نظر میں نہ لائیں گے اور قابل ذکر قرار نہ دیں گے اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم وعدل پر تفویض فرما دیں گے۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے بھی اس جواب کو نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

لیکن ابن عباس کے نزدیک "لا علم لنا" کا مطلب یہ ہے کہ خداوندا تیرے علم کامل ومحیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں گویا یہ الفاظ تادب مع اللہ کے طور پر کہے۔

(حاشیۃ القرآن بر ترجمہ قرآن از شیخ محمود الحسن)

بعض علماء دیوبند اس آیت کو انبیاء علیہم سے علم غیب کی نفی میں پیش کرتے ہیں انہیں شیخ عثمانی کی اس تفسیر میں غور کرنا چاہیے۔ باقی ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کو اتنا ہی علم غیب حاصل ہے جتنا ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور ہم انبیاء علیہم السلام کے لیے غیب مطلق کے قائل نہیں ہیں اور ہمارے نزدیک ان کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہے امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر اسماء کے اطلاق کا ضابطہ

امام رازی نے فرمایا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر علام کا اطلاق کرنا جائز ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر خلاق کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر علامہ کا اطلاق کرنا جائز نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "تا" تانیث کے لیے بھی آتی ہے۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۴۶۷' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جس لفظ میں کسی نقص کا وہم ہو اس لفظ کا اللہ پر اطلاق کرنا جائز نہیں ہے' ہمارے عام بول چال میں اللہ میاں اور اللہ سائیں کہا جاتا ہے۔ میاں کا لفظ بیوی کے مقابل کے لیے بولا جاتا ہے' کسی بوڑھے آدمی اور گاؤں کے مولوی کو بھی میاں جی کہتے ہیں' طوائف کے سرپرست کو بھی میاں جی کہتے ہیں' اور سائیں فقیر کو بھی کہا جاتا ہے۔ سو یہ دونوں لفظ نقص کے معنی کو متضمن ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ پر ان کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ان ہی اسماء صفات کا اطلاق کرنا جائز ہے' جس کا ثبوت قرآن اور حدیث میں ہو۔ البتہ اس کی ذات کو کسی بھی لفظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے' جیسے فارسی میں خدا اور ترکی میں تنگری۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۸۰)

اور اللہ ہی کے لیے اچھے نام ہیں' سو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو' اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام میں کج روی اختیار کرتے ہیں' ان کو عنقریب ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ پر ان ہی اسماء صفات کا اطلاق کیا جائے' جن میں حسن ہو اور جن اسماء میں کسی وجہ سے نقص یا عیب ہو' ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہ کیا جائے' بلکہ اس سلسلہ میں قرآن اور حدیث کے اطلاقات سے تجاوز نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے اوپر اور اپنی ماں کے اوپر میرے احسان کو یاد کرو' جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی' تم گہوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی اور جب میں نے تم کو کتاب' حکمت' تورات اور انجیل کا علم دیا اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے' پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے' اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے اور میں نے (ہی) تم کو بنی اسرائیل سے بچایا جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے' تو ان میں سے کافروں نے کہا یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے (المائدہ: ۱۱۰)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ایک یہ صفت بیان کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس دن تمام نبیوں سے سوال کرے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا تھا؟ اس آیت میں اس دن کی دوسری صفت بیان فرمائی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائے گا اور ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا' اور اس سے مقصود عیسائیوں کی مذمت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے ان پر اتنے احسانات فرمائے اور ان کی فرمائشیں پوری کیں' پھر انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا' اور اس کا شریک بنالیا۔ دوسری امتوں کے کافروں نے تو صرف اپنے نبیوں کا کفر کیا تھا' اور ان کی شان میں نازیبا باتیں کی تھیں' یہ کفر میں ان سے بڑھ گئے' انہوں نے اللہ کی طرف بیوی اور بیٹے کی نسبت کی۔ "تعالی اللہ عن ذالک" اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ پر اپنی نعمتیں یاد دلائیں تاکہ دنیا کے سامنے ان آیات کی

تلاوت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی عزت اور کرامت عطا فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام تمام آسمانی مذاہب کے رہنماؤں کی تعظیم اور تکریم کرتا ہے' اور تمام نبیوں کی شان اور ان کے بلند درجات بیان کرتا ہے' اس میں یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے سبق اور عبرت ہے جو پیغمبر اسلام سیدنا محمد ﷺ کی تنقیص اور توہین میں دن رات کوشاں رہتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی نعمتیں گنواتے ہوئے فرمایا: جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی۔

روح القدس کا معنی

روح القدس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ اس میں روح کی اضافت قدس کی طرف ہے' قدس سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح' ارواح کی ماہیت مختلف ہوتی ہے' بعض طاہرہ نورانیہ ہوتی ہیں' بعض خبیثہ ظلمانیہ ہوتی ہیں۔ حضرت جبرائیل وہ روح ہیں جو طاہر اور نورانی ہے' اور حضرت عیسیٰ پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ ان کی مدد طاہر اور نورانی روح سے کی گئی ہے۔

حیات مسیح اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل

تم گہوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی یعنی بچپن میں اور پختہ عمر میں' ہر دور میں ان کا کلام عقل اور حکمت کے مطابق تھا اور انبیاء اور حکماء کے کلام کے موافق تھا' کیونکہ پنگھوڑے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے' اور میں جہاں بھی ہوں' مجھے برکت والا بنایا ہے اور میں جب تک زندہ ہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کا حکم دیا۔ (مریم: ۳۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے گہوارے میں وحی فرمائی' اب یہاں ایک یہ سوال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارہ میں کلام کرنا تو معجزہ ہے' پختہ عمر میں ان کا کلام کرنا کس طرح معجزہ ہوگیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کہولت تیس سال کے بعد کی عمر کو کہتے ہیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس سال سے پہلے آسمانوں کی طرف اٹھا لیے گئے اور کئی ہزار سال بعد زمین پر ان کا نزول ہوگا' اور اس وقت وہ پختہ عمر کے ہوں گے اور یہ بھی ان کا معجزہ ہے کہ کئی ہزار سال گزرنے کے بعد بھی وہ صرف کہول ہوں گے' حتیٰ کہ بوڑھے بھی نہیں ہوں گے' اور پختہ عمر کی حالت میں کلام کریں گے۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر نزول کی بھی دلیل ہے' کیونکہ وہ پختہ عمر اور کہولت کے زمانہ کو پانے سے پہلے آسمانوں پر اٹھا لیے گئے تھے اور قرآن مجید کے مطابق ان کا کہولت کی عمر میں کلام کرنا بھی ضروری ہے' اس سے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بھی ہیں اور ان کا زمین پر نزول بھی ہوگا' ورنہ اس آیت کا صدق کیسے ہوگا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے کہولت کا زمانہ پالیا تھا اور وہ کہولت کے زمانہ میں باتیں کرتے تھے تو یہ معجزہ کیسے ہوا؟ کہولت کے زمانہ میں تو سب باتیں کرتے ہیں' یہ معجزہ اسی وقت ہوگا جب انہیں کہولت کے زمانہ سے پہلے اٹھا لیا گیا ہو' اور وہ کئی ہزار برس بعد زمین پر نازل ہوں اور کہولت کا زمانہ پا کر لوگوں سے باتیں کریں' سو اس طرح اس آیت میں ان کے معجزہ کا ذکر بھی ہوگا اور یہ آیت ان کی حیات اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل بھی ہوگی۔

کتاب' حکمت اور تورات اور انجیل کا معنی

اور جب میں نے تم کو کتاب' حکمت' تورات اور انجیل کا علم دیا کتاب سے مراد یا تو اس کا مصدری معنی ہے' یعنی لکھنا' اور یا کتاب بمعنی مکتوب ہے' اور اس سے مراد جنس کتاب ہے۔ کیونکہ انسان پہلے آسان کتابیں پڑھتا ہے اور پھر مشکل اور ادق کتابیں پڑھتا ہے' اور حکمت سے مراد علوم نظریہ اور علوم عملیہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نازل شدہ کتابوں کا علم اور

ان کے اسرار کی فہم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمت سے مراد نفس کا کمال علمی اور علم کے تقاضوں پر عمل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمت سے مراد صحیح قول ہے' تورات سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی' اس میں شرائع اور احکام ہیں اور انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی' اس میں مواعظ اور اخلاق ہیں' پہلے کتاب کا ذکر فرمایا' پھر تورات اور انجیل کا ذکر فرمایا حالانکہ وہ بھی کتابیں ہیں' یہ شرف اور فضیلت کی وجہ سے عام کے بعد خاص کا ذکر ہے' جیساکہ اس آیت میں ملائکہ کے بعد جبرائیل اور میکائیل کا ذکر کیا گیا ہے' حالانکہ وہ بھی ملائکہ میں سے ہیں:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ

جو شخص اللہ اور فرشتوں اور رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہے' تو اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

(البقرہ: ۹۸)

تورات اور انجیل کے معنی کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے آل عمران: ۳ میں کردی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے بنانا' بیماروں کو شفا دینا اور دیگر معجزات

جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے' پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی' اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ لوگوں نے بطور عناد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا' اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہمارے لیے چمگادڑ بنائیں اور اس میں روح ڈال دیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی اٹھائی اور اس سے چمگادڑ کی صورت بنائی۔ پھر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی' چمگادڑ کو بنانا اور اس میں پھونک مارنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کسب تھا' اور اس کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے چمگادڑ بنانے کا مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ یہ گوشت اور خون سے بنا ہوا عجیب ترین جانور ہے اور یہ پروں کے ساتھ اڑتا ہے اور حیوان کی طرح بچے دیتا ہے' اور باقی پرندوں کی طرح انڈے نہیں دیتا' اس کے تھن ہیں جن سے دودھ نکلتا ہے' انسان کی طرح ہنستا ہے اور اس کو عورت کی طرح حیض آتا ہے' یہ دن کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے نہ رات کے اندھیرے میں' یہ رات کے ابتدائی حصہ تک دکھائی دیتا ہے۔[۱]

(حاشیہ محی الدین شیخ زادہ علی البیضاوی' ج ۲' ص ۱۳۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اکمیٰ اس شخص کو کہتے ہیں جو بصیر پیدا ہو اور بعد میں اندھا ہو جائے اور اکمہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اندھا پیدا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں کو اللہ کے حکم سے بینا کرتے تھے' برص ایک جلدی بیماری ہے جس کی وجہ سے جلد سفید ہو جاتی ہے اور ایک تکلیف دہ خارش ہوتی ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے برص کے مریضوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے۔ یعنی تم میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتے تھے۔ جب تم اللہ سے دعا کر کے مردے سے یہ کہتے تھے' اللہ کے اذن سے اپنی قبر سے باہر آ' ان تینوں افعال میں اللہ کے اذن کا ذکر کیا ہے' تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان افعال کا فاعل حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

اور میں نے (ہی) تم کو بنو اسرائیل سے بچایا' جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تو ان میں سے کافروں نے کہا یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے' یعنی جب تم بنو اسرائیل کے پاس اپنی نبوت اور رسالت پر دلائل اور معجزات لے کر گئے' تو انہوں نے تمہاری تکذیب کی اور تم پر تہمت لگائی کہ تم جادوگر ہو' اور انہوں نے تمہیں قتل کرنے اور سولی دینے کا ارادہ کیا اور میں نے تم کو اپنی طرف اوپر اٹھا لیا اور تم کو ان کے شر سے بچا لیا۔ النساء: ۱۵۸ میں ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان

پر اٹھائے جانے کا بیان بڑی تفصیل سے کیا ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب میں نے حواریوں پر الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ' تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے اللہ!) تو گواہ ہو جا کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ (المائدہ: ۱۱۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی حکمتیں

حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انصار اور ان کے مخلص اصحاب تھے' حور کا معنی ہے کسی چیز کو صاف کرنا اور ان لوگوں نے اپنے نفوس کا تزکیہ کر کے پاک اور صاف کر لیا تھا' اس آیت میں مذکور ہے میں نے حواریین کی طرف وحی کی' ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ جس کلام کو اپنے نبی کی طرف نازل فرماتا ہے' خواہ فرشتے کے واسطے سے ہو یا بلاواسطہ اس کو وحی کہتے ہیں' اس لیے اس آیت کا معنی ہے ہم نے حواریین کی طرف الہام کیا۔ قرآن مجید کی اور بھی کئی آیتوں میں وحی بمعنی الہام ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ (القصص: ۷) — اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام فرمایا کہ انہیں دودھ پلاؤ۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ (النحل: ۶۸) — اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا' اور درختوں میں اور ان چھپروں میں جنہیں لوگ اونچا بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں' سو وہ ایمان لے آئے' ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ پر کی ہوئی نعمتوں کو شمار کرا رہا ہے' اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حواریوں کا حضرت عیسیٰ پر ایمان لانا حضرت عیسیٰ کے حق میں نعمت کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی انسان کا اس درجہ میں ہونا کہ لوگ اس کے قول کو قبول کریں' اس کو محبوب بنائیں اور اس کی اطاعت کریں' اس کے ماننے پر ان کی نجات موقوف ہو' یہ اس پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان آیات کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا؟ پھر جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان سب کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے نہ کہ ان کی والدہ سے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیٹے کو جو شرف اور مقام ملتا ہے' وہ اس کی ماں کے لیے عزت اور سرخ روئی کا باعث ہوتا ہے' سو یہ نعمتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ہیں اور ضمناً اور بالواسطہ ان کی ماں پر بھی ہیں۔

جس زمانہ میں جس قسم کے کمال کا چرچا اور شہرت ہوتی ہے' نبی کو اس زمانہ میں اسی نوع کا ایسا کمال دے کر بھیجا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کمال کے ماہرین اس کی نظیر لانے سے قاصر اور عاجز ہوتے ہیں اور یہی ان کا معجزہ ہوتا ہے جو ان کی نبوت کی دلیل قرار پاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری اور شعبدہ بازی کا چرچا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء دے کر بھیجا جو ان کی جادوگری پر غالب آگیا' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت کا چرچا تھا تو آپ کو حکمت کا ایسا کمال دے کر بھیجا کہ اس زمانہ کے اطباء اور حکماء اس کی نظیر لانے سے عاجز ہو گئے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں زبان دانی اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا' تو آپ کو قرآن مجید دے کر بھیجا جس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثال اس زمانہ میں کوئی لا سکا' نہ آج تک کوئی لا سکا ہے۔ علم اور ادب میں دن بہ دن ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالفین بھی بہت ہیں' اگر اس کی کسی ایک سورت کی بھی مثال کا لانا ممکن ہوتا تو مخالفین اب تک لا چکے ہوتے۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ

جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل

أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ

کر سکتا ہے؟ (عیسیٰ نے) کہا: اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے

مُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَ

ہو ○ انھوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور

نَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿١١٣﴾

ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں ○

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان نازل

مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ ۖ

فرما تاکہ (وہ دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشان (ہو جائے)

وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا

اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے ○ اللہ نے فرمایا بیشک میں اس خوان کو تم پر

عَلَيْكُمْ ۖ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ

نازل فرمانے والا ہوں، پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام

أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١١٥﴾ ع

جہان والوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل کر سکتا ہے؟ (عیسیٰ نے) کہا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو○ انہوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے

ہو جائیں O (المائدہ: ۱۱۴-۱۱۲)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آٹھ نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا' اس آیت اور اس کے بعد والی آیتوں میں نویں نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ حواریوں کی فرمائش اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آسمان سے خوان نعمت کا نازل ہونا ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کا قبول ہونا ہے اور ان کے دعا کرنے میں ان کے بندہ ہونے کا اثبات ہے' اور ان کی الوہیت کی نفی ہے اور اس وجہ سے لوگوں کا ان کی نبوت کی تصدیق کرنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ اور رسول حضرت عیسیٰ پر بہت بڑا احسان ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تم اللہ کے لیے تیس روزے رکھو' پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا' کیونکہ جو شخص کسی کے لیے عمل کرے وہ اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔ بنو اسرائیل نے تیس روزے رکھے' پھر حضرت عیسیٰ سے کہا اے خیر کی تعلیم دینے والے! آپ نے کہا تھا کہ جو شخص کسی کے لیے عمل کرے اس کا اجر اس کے ذمہ ہوتا ہے' اور آپ نے ہمیں تیس روزے رکھنے کا حکم دیا تھا سو ہم نے رکھ لیے اور ہم جس کے لیے بھی تیس دن کام کرتے' وہ ہمیں سیر کر کے کھانا کھلاتا' تب انہوں نے کہا کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان (نعمت) نازل کر سکتا ہے؟

(جامع البیان ج ۷' ص ۱۷۵-۱۷۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نزول مائدہ کے فرمائشی معجزہ کی توجیہات

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حواریوں کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ ہم ایمان لے آئے اور اے اللہ! تو گواہ ہو جا کہ ہم مسلمان ہیں! اور اب ان کا یہ قول نقل فرمایا: کیا آپ کا رب آسمان سے خوان نازل کر سکتا ہے؟ اور یہ قول اللہ کی قدرت پر شک کو واجب کرتا ہے۔ پھر وہ مسلمان کیسے ہوئے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ایمان کا حکم نہیں لگایا تھا' بلکہ یہ صرف ان کا دعویٰ تھا کہ وہ مومن ہیں اور حضرت عیسیٰ کا یہ فرمانا کہ تم اللہ سے ڈرو اگر ایمان والے ہو اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا ایمان کامل نہیں تھا۔

(۲) وہ اپنے دعویٰ کے مطابق مومن تھے اور ان کا یہ کہنا کہ کیا اللہ ایسا کر سکتا ہے؟ اللہ کی قدرت پر شک کی وجہ سے نہیں تھا' بلکہ محض طمانیت قلب کے حصول کے لیے تھا' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حصول طمانیت کے لیے فرمایا تھا اے میرے رب! تو مجھے دکھا تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔

(۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھ رہے تھے کہ ایسا سوال کرنا آیا حکمت کے منافی تو نہیں ہے۔

(۴) یستطیع میں سین زائد ہے اور اس آیت کا معنی ہے کیا آپ کا رب آپ کی دعا قبول فرمالے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم اللہ سے ڈرو اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ سے فرمائشی معجزہ نہ طلب کرو' کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم ضدی اور ہٹ دھرم ہو۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو اور اپنے مطالبات پر صبر کرو' کیونکہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرما دیتا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ (الطلاق: ۳-۲)

اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا' اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان (بھی) نہ ہو گا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا' تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

حواریوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا۔ اس آیت میں حواریوں نے جو اپنا عذر پیش کیا ہے اس کی حسب ذیل تقریریں ہیں:

(۱) ہم اس خوان کو کسی معجزہ کے طور پر طلب نہیں کر رہے' بلکہ ہم پر بھوک غالب ہے اور ہمیں کہیں اور سے کھانا نہیں ملا' اس لیے آپ سے دعا کی درخواست کی ہے۔

(۲) ہرچند کہ ہمیں دلائل سے اللہ کی قدرت پر یقین ہے لیکن جب ہم نزول مائدہ کا مشاہدہ کریں گے تو ہمارا یقین اور پختہ ہو جائے گا۔

(۳) ہرچند کہ ہم نے آپ کے تمام معجزات کی تصدیق کی ہے' لیکن اس معجزہ کو دیکھ کر ہمارا عرفان اور یقین اور پختہ ہو جائے گا۔

(۴) اس سے پہلے جو آپ کے معجزات تھے ان سب کا تعلق زمین سے تھا' اور اس معجزہ کا تعلق آسمان سے ہو گا' اس کو دیکھ کر ہمارے ایمان میں مزید تقویت ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان نازل فرما' تاکہ وہ (دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی (ہو جائے) اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۴)

عام آدمی کی نظر اور نبی کی نظر

حواریوں نے جب خوان کی درخواست کی تھی تو کہا تھا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے سچ کہا تھا' انہوں نے اس خوان سے دنیاوی غرض' یعنی کھانے کو پہلے ذکر کیا اور اخروی غرض' یعنی ایمان کی پختگی کو بعد میں ذکر کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دعا کی تو اخروی غرض کو پہلے ذکر کیا اور وہ ہے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہونا اور اللہ کی طرف سے نشانی ہونا اور دنیاوی غرض کا بعد میں ذکر کیا اور وہ ہے ہمیں رزق عطا فرما اور اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی کہ تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے' یہ فرق ہے نبی کی نظر میں اور عام آدمی کی نظر میں!

عید کے دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے عبادت کی جاتی ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر پہلے اللہ کی عبادت کی طرف تھی' پھر فرمایا کہ وہ تیری طرف سے نشانی ہو جائے' یعنی لوگ نزول مائدہ میں غور و فکر کر کے اس کے نازل کرنے والے کی طرف رسائی حاصل کریں اور نظر اور استدلال سے خدا کو پہچانیں' یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر ایک بلند مقام سے' اس سے بھی بلند تر مقام پر پہنچی۔ پھر جب فرمایا ہمیں رزق عطا فرما' تو نفس کے حصہ کی طرف نظر کی اور خالق سے مخلوق کی طرف نزول کیا اور جب کہا تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے تو نزول کے بعد پھر خالق کی طرف رجوع کیا' اور یوں اس آیت میں حضرت عیسیٰ نے دو مرتبہ خلق سے خالق اور غیر اللہ سے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اس دعا کے اول میں بھی ان کی نظر اللہ کی

طرف تھی اور آخر میں بھی ان کی نظر اللہ کی طرف تھی' اور اہل اللہ کا یہی حال ہوتا ہے وہ ہر حال میں اللہ کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں بھی اس بلند مقام سے حظ وافر عطا فرما! (آمین)

اول اور آخر کے لیے عید ہونے کا معنی

تاکہ وہ دن ہمارے اول اور آخر کے لیے عید ہو جائے۔ ابن جریج نے کہا اول سے مراد اس وقت کے زندہ لوگ ہیں اور آخر سے مراد بعد میں آنے والے لوگ ہیں۔

سفیان نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اس دن ہم دو مرتبہ نماز پڑھیں۔

حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہمارے سامنے خوان رکھا جائے تو اول سے لے کر آخر تک سب لوگ کھالیں۔

سدی نے کہا جس دن مائدہ نازل ہو اس دن کی تعظیم کرتے ہوئے ہم بھی اس دن عید منائیں اور ہمارے بعد آنے والے لوگ بھی۔

امام ابن جریر نے کہا صحیح قول یہ ہے کہ اس دعا کا معنی یہ ہے کہ: یہ دن ہمارے لیے عید ہو جائے اور جس دن یہ خوان نازل ہو' اس دن ہم نماز پڑھیں' جیسے لوگ عید کے دن نماز پڑھتے ہیں۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۱۷۸-۱۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بنو اسرائیل پر نازل ہونے والے طعام کا خوان

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان سے جو خوان نازل کیا گیا تھا' اس میں روٹیاں اور گوشت تھا' ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس میں نہ خیانت کریں اور نہ اس کو کل کے لیے بچا کر رکھیں۔ انہوں نے خیانت بھی کی اور کل کے لیے بچا کر بھی رکھا' سو ان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۷۲)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

بنو عجل کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں نماز پڑھی۔ انہوں نے نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بنو اسرائیل کے خوان کا کیا معاملہ ہوا تھا؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ ابن مریم سے سوال کیا کہ ان کے اوپر کھانے کا ایسا خوان نازل کیا جائے جس سے وہ کھانا کھاتے رہیں اور وہ کبھی ختم نہ ہو' ان سے کہا گیا کہ وہ خوان تمہارے پاس رہے گا' بشرطیکہ تم اس میں سے کچھ چھپا کر نہ رکھو اور خیانت نہ کرو اور اس میں سے کوئی چیز نہ اٹھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم نے ایسا کیا تو میں تم کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا۔ پھر ایک دن بھی نہیں گزرا تھا کہ انہوں نے اس میں سے چھپایا اور اٹھالیا اور خیانت کی' سو ان کو ایسا عذاب دیا گیا جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا گیا تھا اور اے عرب والو! تم لوگ اونٹوں اور بکریوں کو چراتے تھے' پھر اللہ نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا' جس کے حسب اور نسب کو تم جانتے اور پہچانتے تھے' اور تمہارے نبی کی زبان سے تم کو یہ اطلاع دی کہ عنقریب تم پورے عرب پر غلبہ پاؤ گے' اور تم کو سونے اور چاندی کے جمع کرنے سے منع کیا اور بخدا! تم اب دن رات سونا اور چاندی جمع کر رہے ہو' اور دردناک عذاب کے مستحق ہو رہے ہو۔

حضرت عمار بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر مائدہ نازل کیا گیا' اس میں جنت کے پھول تھے' ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس

میں سے نہ چھپائیں، نہ خیانت کریں، نہ ذخیرہ کریں۔ ان لوگوں نے خیانت کی، چھپایا اور ذخیرہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر اور خنزیر بنادیا۔ (جامع البیان، جز ۷، ص ۱۸۰-۱۷۹، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

میلاد رسول ﷺ

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

یعنی ہم اس (خوان طعام) کے نزول کے دن کو عید بنائیں، اس کی تعظیم کریں، خوشیاں منائیں، تیری عبادت کریں، شکر بجا لائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو، اس دن کو عید بنانا اور خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا، شکر الٰہی بجالانا، طریقہ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الٰہی بجالانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ (خزائن العرفان، ص ۲۰۳، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور)

علامہ شریف سید احمد بن عبدالغنی بن عمر عابدین دمشقی متوفی ۱۳۲۰ھ (سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ کے عم زاد) نے علامہ ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ کی کتاب النعمۃ الکبریٰ کی شرح لکھی ہے۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی نے النعمۃ الکبریٰ، نبی ﷺ کے میلاد کے ثبوت اور بیان میں لکھی ہے۔ اس کتاب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں، لیکن سب سے مبسوط شرح علامہ احمد عابدین دمشقی کی ہے۔ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ نے اس شرح کو جواہر البحار میں مکمل نقل کیا ہے۔ ہم اس شرح کے چند اقتباسات جو میلاد النبی ﷺ کے ثبوت سے متعلق ہیں، یہاں پر نقل کر رہے ہیں۔

محفل میلاد کا بدعت حسنہ ہونا

جس ماہ میں نبی ﷺ کی ولادت ہوئی، اس میں میلاد شریف کو منانا بدعات مستحبہ میں سے ہے، اس کو ایجاد کرنے والا اربل کا بادشاہ مظفر تھا۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ وہ ربیع الاول میں میلاد شریف منعقد کرتا تھا، اور بہت عظیم الشان محفل کا اہتمام کرتا تھا، اس کی بادشاہی کافی عرصہ قائم رہی اور وہ ۶۳۰ھ میں فوت ہوا۔ وہ بہت بہادر، نیک، عادل اور ذہین بادشاہ تھا، وہ اس محفل میں بہت علماء اور صوفیاء کو مدعو کرتا تھا اور اس عظیم الشان دعوت میں تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ علامہ نووی کے استاذ شیخ ابوشامہ نے میلاد شریف کی رات بکثرت صدقہ و خیرات کرنے پر ملک مظفر کی بہت تعریف کی ہے، اور علامہ ابو شامہ کی یہ تعریف شب ولادت میں میلاد شریف منانے کے بدعت حسنہ ہونے پر بہت قوی دلیل ہے۔

علامہ ابوشامہ کی عبارت یہ ہے:

ہمارے زمانہ میں نبی ﷺ کی ولادت کے دن جو میلاد شریف منایا جاتا ہے اور صدقات اور خیرات کیے جاتے ہیں اور خوشی اور مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے، یہ سب سے اچھی اور نیک بدعت ہے، نیز اس عمل کے ذریعہ نبی ﷺ سے محبت کی وجہ سے ناداروں اور مفلسوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہے، جس شخص نے اس بدعت کو ایجاد کیا، اللہ تعالیٰ اس کو نیک جزا دے۔ نیز! اس عمل کی وجہ سے کفار اور منافقین کے دل غیظ سے جلتے ہیں۔

(الباعث علی انکار البدع والحوادث، ملخصاً، ص ۹۵، مطبوعہ دار الرایہ الریاض، طبع اولیٰ، ص ۱۴۱۰ھ)

علامہ زرقانی مالکی نے لکھا ہے کہ حافظ ابو الخیر شمس الدین بن الجزری نے کہا وہ ابولہب جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا، اس نے نبی ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی باندی ثویبہ کو انگلی کے اشارہ سے آزاد کردیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس فعل کی یہ جزا دی کہ ہر پیر کو جب وہ اس انگلی کا سرا چوستا ہے تو اس کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے، تو نبی ﷺ کا امتی مسلمان اور موحد

جب ایمان کے رشتہ سے آپ کی ولادت پر خوشی منائے گا اور اپنی استطاعت کے مطابق مال خرچ کر کے صدقہ اور خیرات کرے گا تو اس کی جزاء کیا ہوگی! اور مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل عمیم سے جنات النعیم میں داخل کر دے گا۔ امام محقق ابو زرعہ عراقی سے سوال کیا گیا کہ میلاد شریف منانا آیا مستحب ہے یا مکروہ ہے؟ اور کیا اس میں کوئی چیز وارد ہوئی ہے اور کیا یہ فعل صحابہ کرام سے منقول ہے تو علامہ عراقی نے جواب دیا کہ دعوت کرنا اور کھانا کھلانا ہر وقت میں مستحب ہے اور جب اس کے ساتھ نبی ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی اور مسرت شامل ہو تو یہ فعل کیونکر مستحب نہیں ہوگا اور ہم سلف صالحین کے متعلق اس سے زیادہ نہیں جانتے اور کسی چیز کے بدعت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بدعت مکروہہ ہو' کیونکہ کتنی بدعات مستحب ہیں' بلکہ واجب ہیں۔

علامہ ابراہیم حلبی حنفی نے کہا اگر محفل میلاد میں برائیوں کو شامل کر لیا جائے' مثلاً عورتیں شریک ہوں اور بلند آواز سے گائیں' یا مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماع ہوں (یا جلوس کے دوران نمازیں نہ پڑھی جائیں) تو اس قسم کے افعال بالاجماع حرام ہیں۔ (علامہ شامی نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ برائیوں کے شامل ہونے کی وجہ سے کسی نیکی کو ترک نہیں کیا جائے گا' کیونکہ اس وجہ سے عبادات کو ترک نہیں کیا جاتا' بلکہ انسان پر واجب ہے کہ وہ عبادات اور نیکیوں کو بجالائے اور بدعات کا انکار کرے اور حتی الامکان ان کا ازالہ کرے۔ (ردالمحتار' ج ا' ص ۶۰۴) علامہ زرقانی نے کہا کہ خلاصہ یہ ہے کہ فی نفسہ میلاد شریف بدعت ہے' اس میں محاسن بھی ہیں اور قبائح بھی' سو اگر محاسن کو اختیار کیا گیا اور قبائح سے اجتناب کیا گیا تو یہ بدعت حسنہ ہے ورنہ نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ مجھ پر میلاد شریف منانے کی اصل ظاہر ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے' آپ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا اور حضرت موسیٰ کو نجات دی تھی' تو ہم اس دن بطور شکر کے روزہ رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس معین دن میں اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے' اس دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے' اور نبی ﷺ کی ولادت اور آپ کے ظہور سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی۔ سو جس دن آپ کی ولادت ہوئی' اس دن مختلف عبادات کرنا' مثلاً نوافل پڑھنا' روزہ رکھنا' صدقہ و خیرات کرنا' اور تلاوت کرنا اور ان عبادات سے اللہ کا شکر بجالانا اس حدیث کے مطابق ہے اور حافظ ابن حجر سے پہلے علامہ ابن رجب حنبلی نے اس اصل کو تلاش کیا تھا۔ حافظ ابن حجر مکی نے کہا ہمارے نبی ﷺ نے بھی انبیاء علیہم السلام کی متابعت میں اس دن روزہ رکھا اور یہود سے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہمارا تم سے زیادہ حق ہے۔

علامہ احمد عابدین نے کہا نبی ﷺ کی محفل میلاد میں شریک ہونا اور آپ کی ولادت مبارکہ کا واقعہ اور آپ کے فضائل اور محامد کو بیان کرنا اور آپ پر بکثرت درود و سلام پڑھنا' آپ کی محبت کا سبب ہے اور آپ کے قرب کا موجب ہے۔ سو ہر وہ شخص جو آپ کی محبت میں صادق ہو' اس کو چاہیے کہ وہ آپ کی ولادت کے مہینہ کی آمد پر خوش ہو اور اس مہینہ میں اس محفل کو منعقد کرے اور اس میں آپ کی ولادت کے متعلق احادیث صحیحہ اور آثار قویہ بیان کرے اور امید ہے کہ ایسے شخص کو آپ کی شفاعت حاصل ہوگی' کیونکہ شفاعت آپ کی محبت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ سو جو شخص محافل میلاد منعقد کر کے آپ کا بکثرت ذکر کرے گا اور آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص جس سے محبت کرتا ہے اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ تو امید ہے کہ آپ کی محبت سے محفل میلاد میں آپ کا ذکر کرنے والے

اور آپ پر بکثرت صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے' جنت میں آپ کے ساتھ ہوں گے۔ سو اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں پر رحمت نازل فرمائے' جنہوں نے میلاد النبی ﷺ کے ماہ مبارک کی راتوں کو عیدیں بنادیا۔

(جواہر البحار' ج ۳' ص ۳۶۲-۳۵۹ 'ملخصا'- مطبوعہ دار الفکر 'بیروت' ۱۴۱۷ھ)

عید میلاد النبی ﷺ کی مشروعیت پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں نیز حاصل بحث کی ہے اور اس سورت کی آیت ۳' میں بھی ماخذین کے بکثرت حوالہ جات سے میلاد شریف کی مشروعیت اور استحباب کو بیان کیا ہے۔ یہ امر واضح رہے کہ ہمارے نزدیک محفل میلاد منعقد کرنا مستحسن اور مستحب ہے' واجب یا فرض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک میں اس خوان کو تم پر نازل فرمانے والا ہوں' پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو بھی نہیں دوں گا۔ (المائدہ: ۱۱۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم پر اس مائدہ کو نازل کرنے اور تم کو اس کا طعام کھلانے کے بعد جس نے میرے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور میرے احکام کی اطاعت کرنے سے روگردانی کی تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو اس سے پہلے کسی کو نہیں دیا ہوگا۔ قتادہ نے بیان کیا ہے کہ ان کو خنزیر بنادیا گیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا سب سے زیادہ عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہوگا: منافقین کو' اصحاب مائدہ میں سے کافروں کو اور آل فرعون کو۔

(جامع البیان جز ۷' ص ۱۸۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نزول مائدہ کی کیفیت کی تحقیق

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سلمان الخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ (طعام کے خوان) کا سوال کیا تو آپ نے اس کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اللہ نے تم کو جو رزق حلال زمین سے دیا ہے' اس پر قناعت کرو اور آسمان سے مائدہ کا سوال نہ کرو' کیونکہ اگر وہ تم پر نازل کیا گیا تو وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانی ہوگی۔ تم سے پہلے قوم ثمود نے اپنے نبی سے نشانی کا سوال کیا تھا' وہ اس نشانی میں مبتلا کیے گئے' پھر اس نشانی کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے وہ ہلاک کردیئے گئے۔ جب ان کی قوم نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ نے نماز پڑھی اور بہت گریہ و زاری سے دعا کی: اے اللہ! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما' تو اللہ تعالیٰ نے دو بادلوں کے درمیان ان پر سرخ دسترخوان نازل کیا' بنو اسرائیل اس کو نازل ہوتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور حضرت عیسیٰ خوف زدہ ہو کر بار بار دعا کر رہے تھے' اے اللہ! اس خوان کو رحمت بنانا اور اس کو غضب نہ بنانا۔ حضرت عیسیٰ دعا کر رہے تھے کہ وہ دسترخوان حضرت عیسیٰ کے پاس آکر ٹھہر گیا' حواریوں کو اس سے ایسی خوشبو آئی جیسی انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی' حضرت عیسیٰ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے' یہود اس خوان کو دیکھ کر غیظ و غضب سے جل گئے۔ حواری اس دسترخوان کے گرد بیٹھ گئے' وہ خوان ایک رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا جو شخص سب سے زیادہ عبادت گزار اور اللہ کا شکر گزار ہوگا' وہ اس کو کھولے گا۔ حواریوں نے کہا یا روح اللہ! آپ ہی اس کو کھولنے کے لائق ہیں' حضرت عیسیٰ نے دوبارہ وضو کیا' نماز پڑھی اور اللہ سے رو رو کر اپنے اور قوم کے لیے برکت کی دعا کی' پھر اس کو کھولا' تو اس میں بہت بڑی بھنی ہوئی مچھلی تھی جس میں کانٹے نہیں تھے اور اس سے گھی بہہ رہا تھا اور اس کے گرد ہر قسم کی سبزیاں تھیں اور نمک اور سرکہ تھا اور پانچ روٹیاں تھیں۔ ایک روٹی پر زیتون' ایک پر کھجور اور باقیوں پر انار تھے۔

شمعون نے کہا یا روح اللہ! یہ طعام دنیا کے طعام میں سے ہے یا آخرت کے طعام میں سے؟ آپ نے فرمایا یہ نہ دنیا کا طعام

ہے نہ آخرت کا' اس کو اللہ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا تم بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے رب کا شکر ادا کرو' وہ تم کو مزید عطا فرمائے گا۔ انہوں نے کہا یا روح اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اس نشانی میں ایک اور نشانی دکھائیں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا تمہارے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے جو اور نشانی کا سوال کرتے ہو۔ جب انہوں نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ نے اس مچھلی سے کہا اے مچھلی! تو اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح زندہ ہو جا' وہ مچھلی اللہ کی قدرت سے زندہ ہو گئی۔ وہ شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی اور اس کی آنکھیں گردش کرنے لگیں اور وہ پھڑکنے لگی' حواری خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا پہلے تم نے نشانی کا مطالبہ کیا تھا' اب نشانی دیکھ کر ڈرتے کیوں ہو؟ پھر آپ نے مچھلی سے فرمایا اے مچھلی! اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح بھنی ہوئی ہو جا' پھر انہوں نے کہا اے روح اللہ! آپ کھانے کی ابتداء کریں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! وہی کھانے کی ابتداء کرے گا جس نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ حواری اور ان کے اصحاب ڈرتے تھے کہ اس کے کھانے سے کہیں وہ مثلہ نہ ہو جائیں' یا ان پر کوئی آفت نہ آ جائے۔ تب حضرت عیسیٰ نے فقراء اور اپاہجوں کو بلایا کہ تم اللہ کے رزق اور اپنے نبی کی دعا سے کھاؤ' اللہ کے نام سے شروع کرو اور اللہ کے شکر پر ختم کرو' تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ سو اس مائدہ سے تیرہ سو مردوں اور عورتوں نے کھایا' اور ان میں سے ہر شخص سیر ہو گیا' حضرت عیسیٰ اور حواریوں نے دیکھا وہ طعام اسی طرح تھا اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ مائدہ آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا اور جس فقیر نے اس مائدہ سے کھایا تھا وہ غنی ہو گیا اور جس اپاہج نے کھایا وہ تندرست ہو گیا اور وہ لوگ تادم حیات اسی طرح رہے۔ پھر حواری اور ان کے اصحاب اس میں سے نہ کھانے پر پشیمان ہوئے اور تادم مرگ ان کے دل میں اس سے کھانے کی حسرت رہی۔ چند دنوں بعد پھر مائدہ نازل ہوا۔ پھر ہر جگہ سے امیر اور غریب' صحت مند اور بیمار' چھوٹے اور بڑے' بنو اسرائیل اس پر ٹوٹ پڑے۔ جب حضرت عیسیٰ نے یہ دیکھا تو آپ نے باری مقرر کر دی۔ ایک دن مائدہ نازل ہوتا اور ایک دن نازل نہ ہوتا' چالیس دن تک یہی معمول رہا' جب تک وہ کھاتے رہتے مائدہ ان کے سامنے رہتا اور جب وہ کھا چکتے تو مائدہ آسمان کی طرف اٹھ جاتا' وہ اس کو دیکھتے رہتے' حتیٰ کہ وہ ان کی نگاہوں سے غائب ہو جاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس مائدہ سے یتیموں' فقیروں اور اپاہجوں کو کھلایا جائے اور امیر لوگوں کو نہ کھلایا جائے۔ تب امیروں نے اس میں شک کرنا شروع کر دیا اور اس کے متعلق بری باتیں پھیلا دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمیں مائدہ کے نزول کے متعلق مطمئن کریں' کیونکہ بہت لوگ اس میں شک کرتے ہیں (کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں) حضرت عیسیٰ نے فرمایا بخدا! اگر تم نے اس میں شک کیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے اسی شرط سے مائدہ نازل کیا تھا کہ جو اس کے بعد کفر کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں ایسا عذاب کسی کو نہ دیا ہو گا۔ حضرت عیسیٰ نے عرض کیا' اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب اور حکمت والا ہے۔ شام کو جب شک کرنے والے بستروں پر اپنی عورتوں کے ساتھ لیٹے تو ان کی اچھی صورتیں تھیں اور رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا' صبح کو وہ کوڑے اور گندگی کے ڈھیروں پر گندگی تلاش کر کے کھانے لگے۔ پھر باقی بنو اسرائیل خوف زدہ ہو کر حضرت عیسیٰ کی اطاعت کرنے لگے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام باہر نکلتے تو وہ خنزیر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آتے اور آپ کے پیروں پر گرتے اور زار و قطار روتے' حضرت عیسیٰ ان میں سے ہر شخص کا نام لے لے کر پکارتے' ان میں سے ہر ایک اپنا سر ہلاتا تھا اور بول نہیں سکتا تھا۔ آپ فرماتے' میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا تھا گویا میں پہلے سے یہ دیکھ رہا تھا' وہ تین دن تک اسی طرح بلکتے رہے اور ان کے گھر والے ان کو دیکھ کر روتے رہے' لوگوں کے دل ان کا حال دیکھ کر پگھل گئے' پھر چوتھے دن حضرت عیسیٰ

علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ ان پر موت طاری کردے' سو چوتھے روز وہ مرگئے اور زمین پر ان کا مردہ جسم نہیں دکھائی دیا' اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کے مردہ اجسام کہاں گئے۔ البتہ یہ ایسا عذاب تھا جس سے ان لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور روئے زمین پر ان کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔

(کتاب العظمہ' ص ۳۶۷-۳۶۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس حدیث کو بعض مفسرین نے اختصار سے اور بعض نے تفصیل سے بعض نے اپنی سند سے اور بعض نے بغیر سند کے بیان کیا ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(زادالمسیر' ج ۲' ص ۴۶۱-۴۵۹' تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۴۷۲' الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۲۸۴' تفسیر ابن کثیر' ج ۲' ص ۶۸۵-۶۸۲' البیضاوی مع الکازرونی' ج ۲' ص ۳۸۲-۳۸۱' الدرالمنثور' ج ۲' ص ۳۴۷-۳۴۶' تفسیر ابوالسعود علی ہامش التفسیر الکبیر' ج ۴' ص ۹۷-۹۵' تفسیر الجمل' ج ۱' ص ۵۴۶-۵۴۵' روح المعانی' ج ۷' ص ۶۳-۶۳' قصص الانبیاء للثعلبی' ص ۴۰۲-۴۰۱' تفسیر السمرقندی' ج ۱' ص ۴۶۸)

علامہ سیوطی نے اس حدیث کو حکیم ترمذی کی نوادر الاصول کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے۔ میں نے اس کی چاروں جلدیں دیکھیں' ان میں یہ حدیث نہیں ہے۔ امام رازی' علامہ سمرقندی اور علامہ قرطبی نے اس حدیث کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے' باقی سب نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔ ان مفسرین نے بغیر کسی جرح کے اس روایت کو نقل کر دیا ہے۔ علامہ ابوالحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ میں اس روایت کے ذکر سے اعراض کرتا ہوں' کیونکہ اس روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس پر قرآن مجید کی آیت دلالت کرتی ہو اور سب سے اچھی وہ روایت ہے جس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا' اس میں گوشت اور روٹیاں تھیں۔ بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس میں سے بچا کر نہ رکھیں اور خیانت نہ کریں' انہوں نے اس حکم کی معصیت کی تو یہ مائدہ اٹھا لیا گیا اور ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ (البحر المحیط' ج ۴' ص ۴۱۵-۴۱۴)

امام ترمذی کی روایت کا مفاد یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے کفران نعمت کیا تو ان پر عذاب نازل ہوا اور سلمان الخیر کی مفصل روایت کا مفاد یہ ہے کہ انہوں نے اس مائدہ کے نزول کے بعد بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں شک کیا اور یہ کفر ہے تو ان پر عذاب نازل ہوا۔ لیکن ترمذی کی حدیث صحاح میں سے ہے اور وہ حدیث مرفوع ہے اور اس حدیث کی سند میں وہب بن منبہ ہیں یہ اسرائیلی عالم تھے' بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ سو یہ حدیث اسرائیلیات میں سے ہے' اس لیے ہمارے نزدیک بھی اس کے مقابلہ میں امام ترمذی کی روایت ہی کو ترجیح ہے' ہم نے صرف تحقیق مقام کے لیے اس روایت کو پوری تفصیل کے ساتھ اس کے ماخذ کے ساتھ درج کیا ہے' واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یہ واضح رہے کہ عیسائیوں کی کتابوں میں نزول مائدہ کا ذکر نہیں ہے' نہ وہ اس دن کو عید مناتے ہیں' لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں مائدہ کو نازل فرماؤں گا اس لیے ہمارے نزدیک حجت قرآن اور حدیث ہے' عیسائیوں کا نقل نہ کرنا ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس (سلمان الخیر) کی حدیث میں بحث کی گنجائش ہے اور یہ سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابو عبدالرحمان سلمی نے کہا مائدہ کا طعام روٹی اور مچھلی تھی۔ حضرت عمار بن یاسر اور قتادہ نے کہا مائدہ آسمان سے نازل ہوتا تھا اور اس میں جنت کے پھل تھے' اور وہب بن منبہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو کی روٹیاں اور مچھلیاں نازل کی تھیں اور یہ تین اقوال امام

ترمذی کی حدیث کے خلاف ہیں۔ اس میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان سے مائدہ نازل ہوا' اس میں روٹیاں اور گوشت تھا اور ترمذی کی حدیث ان اقوال سے اولیٰ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۲۸۷-۲۸۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

دسترخوان اور میز پر کھانا کھانے کا شرعی حکم

سلمان الخیر کی حدیث میں مائدہ کا بیان ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ وہ سفرہ (چمڑے کا دسترخوان) تھا' وہ کوئی خوان (میز) نہیں تھی جس کے پائے ہوں اور نبی ﷺ اور عربوں کا مائدہ سفرہ (چمڑے کا دسترخوان تھا) حکیم ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی خوان کے اوپر کھانا کھایا نہ پیالی میں اور نہ کبھی آپ کے لیے چپاتی پکائی گئی۔ قتادہ نے حضرت انس سے پوچھا پھر وہ کس چیز پر کھانا کھاتے تھے؟ انہوں نے کہا: سفرہ پر۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ترمذی نے کہا خوان ایک نئی چیز ہے جس کو عجمیوں نے ایجاد کیا ہے' عرب سفرہ پر کھانا کھاتے تھے' سفرہ چمڑے کا دسترخوان ہے جس کو کھولا بھی جاتا ہے اور لپیٹا بھی جاتا ہے' کپڑے کے دسترخوان کو مائدہ کہتے ہیں اور خوان چوکی یا میز کو کہتے ہیں جس کے پائے ہوں اور سفرہ چمڑے کا دسترخوان ہے۔ حسن نے کہا میز پر کھانا کھانا بادشاہوں کا فعل ہے اور کپڑے کے دسترخوان پر کھانا عجمیوں کا فعل ہے اور سفرہ پر کھانا عربوں کا طریقہ ہے اور یہی سنت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۲۸۸-۲۸۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: اگر گوہ حرام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کے مائدہ پر نہ کھائی جاتی۔ (صحیح مسلم' الصید' ۴۶' (۱۹۴۷) ۴۹۵۰' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۵۷۵' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۷۹۳' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۴۳۱۸) اس سے معلوم ہوا کہ کپڑے کے دسترخوان اور چمڑے کے دسترخوان دونوں پر کھانا سنت ہے' اور میز ایک نئی چیز ہے' نبی ﷺ نے اس پر کھانے سے منع نہیں فرمایا' اس لیے اس پر کھانا مباح ہے اور اگر میز پر کپڑے یا چمڑے کا دسترخوان بچھالیا جائے اور اس پر کھانا کھایا جائے تو سنت پر بھی عمل ہوگا۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ

اور جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے

وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ

سوا دو خدا بنا لو؟ وہ عرض کریں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات

اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ

کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے، اگر میں نے (بالفرض) یہ کہا ہوتا تو تو اسے ضرور جانتا، تو ان باتوں کو

مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ

جانتا ہے جو میرے دل میں ہیں اور میں ان چیزوں کو نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہیں، بیشک تو ہی سب غیبوں کا

وقف النبي صلى الله عليه وسلم

الْغُيُوبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ

جاننے والا ہے ۞ میں نے ان سے وہی کہا جسے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ (صرف) اللہ کی عبادت کرو جو

رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا

میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے

تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

مجھے (آسمان پر) اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا، اور تو ہر چیز پر گواہ

شَهِيدٌ ﴿۱۱۷﴾ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ

ہے ۞ اگر تو ان کو عذاب دے تو بیشک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت

أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ

غالب بڑی حکمت والا ہے ۞ اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع

صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

پہنچائے گا، ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ

أَبَدًا ۚ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۹﴾

رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے ۞

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ

آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور وہ ہر چیز

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۲۰﴾

پر قادر ہے ۞

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بنا لو؟ وہ عرض کریں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں نے (بالفرض) یہ کہا ہوتا تو تو اسے ضرور جانتا، تو ان باتوں کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہیں، اور میں ان چیزوں کو نہیں جانتا

جو تیرے علم میں ہیں' بے شک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۶)

اس اشکال کا جواب کہ عیسائی تو حضرت مریم کو خدا نہیں کہتے اور اللہ کی الوہیت کی نفی نہیں کرتے

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال فرمایا کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بنا لو' اس سوال کی کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو خدا بنا لیا تھا' اس آیت سے ان کو زجر و توبیخ کرنا' ان کا رد کرنا اور ان کی مذمت کرنا مقصود ہے' کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے انکار کریں گے تو ان لوگوں کی واضح تکذیب ہوگی۔ نیز اس سوال و جواب سے یہ بتانا تھا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ان کے دین کو بدل دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایسی چیز کا دعویٰ کیا جس کے وہ خود قائل نہ تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نصاریٰ نے حضرت مریم کو خدا نہیں کہا' اور نہ یہ ان کا عقیدہ ہے تو پھر یہ آیت کس طرح صادق ہوگی' کیا تم نے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ انہوں نے صراحۃً حضرت مریم کو خدا نہیں کہا؟ لیکن ان کے اقوال سے یہ بات لازم آتی ہے' کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم نے کسی انسان کو جنم نہیں دیا' انہوں نے خدا کو جنم دیا ہے اور بیٹا ماں کا جز اور ماں کی جنس سے ہوتا ہے' تو جب بیٹا خدا ہے تو اس سے لازم آیا کہ اس کی ماں بھی خدا ہو۔ گویا وہ صراحتاً حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں اور التزاماً ان کی ماں کو بھی خدا کہتے ہیں' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ (التوبہ: ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! عیسائی اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے اس کو ان کے علماء اور درویش حرام کہیں تو یہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے حرام کیا ہو اس کو ان کے علماء اور درویش حلال کہیں تو یہ اس کو حلال کہتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا یہی ان کی عبادت کرنا ہے (اور ان کو خدا ماننا ہے۔ ثعلبی) سو جس طرح عیسائی صراحتاً اپنے علماء اور درویشوں کو خدا نہیں کہتے لیکن یہ ان پر لازم آتا ہے' اسی طرح وہ مریم کو صراحتاً خدا نہیں کہتے لیکن یہ ان پر لازم آتا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بنا لو حالانکہ عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور خدائی کی کبھی نفی نہیں کی۔ خود قرآن مجید میں عیسائیوں کے متعلق مذکور ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (المائدہ: ۷۳)

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عیسائی یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کے ہاتھوں سے جو معجزات ظاہر ہوئے ان کے خالق حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم ہیں۔ اس لحاظ سے ان سے یہ نقل اور حکایت کرنا صحیح ہے کہ "کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بنا لو"۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ وہ اللہ کے خدا اور معبود ہونے کی نفی نہیں کرتے تھے' لیکن وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ

حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی عبادت بھی کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ جب اللہ کی عبادت کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت بھی کی جائے گی تو گویا کہ اللہ کی عبادت نہیں کی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ تنہا مستحق عبادت ہے اور وہی عبادت اللہ کی عبادت کہلائے گی جو صرف اسی کی کی جائے اور جب اس کی عبادت کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کی جائے تو پھر وہ اس کی عبادت نہیں ہوگی تو حقیقت میں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو معبود بنایا اور اللہ تعالیٰ کو معبود نہیں بنایا' اس لیے فرمایا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بنالو!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کمال ادب سے اپنی براءت کرنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا تو سبحان (پاک) ہے' میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی' بلکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا: کہ میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ بات حق نہیں ہے' اس لیے میں نے نہیں کہی اور کمال ادب سے اس کو اللہ تعالیٰ کے علم پر چھوڑ دیا کہ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا' تو تجھے علم ہوتا' کیونکہ تجھے میرے متعلق علم ہے اور مجھے تیرے متعلق علم نہیں ہے' یا اس کا معنی ہے تو میرے غیب کو جانتا ہے اور میں تیرے غیب کو نہیں جانتا' یا تجھے میری دنیا کے متعلق علم ہے اور مجھے تیرے اخروی امور کے متعلق علم نہیں ہے' یا تجھے میرے اقوال اور افعال کا علم ہے اور مجھے تیرے اقوال اور افعال کا علم نہیں ہے' پھر اس کی تاکید کے طور پر فرمایا: بے شک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام کی ابتداء لفظ سبحان سے کی' ایک تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جو شریک کی نسبت کی گئی ہے اس کی تنزیہ کریں اور دوسرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت اور سطوت کا بیان کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے ان سے وہی کہا جسے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ (صرف) اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا' پھر جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ (المائدہ: ۱۱۷)

حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے پر ایک اشکال کا جواب

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں۔ کیونکہ توفی کا معنی وفات ہے اور اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ جب تو نے مجھے وفات دے دی' تو تو ہی ان پر نگہبان تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق جو احادیث ہیں' وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور النساء: ۱۵۸ کی تفسیر میں ہم نے بہت زیادہ احادیث پیش کی ہیں۔

توفی کا مادہ وفاء ہے۔ وفاء کا معنی ہے کسی چیز کو پورا کرنا یا کسی چیز کا تمام و کمال کو پہنچنا' موت کو وفات اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں مدت حیات پوری ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے واوفوا الکیل (الانعام: ۱۵۲) پورا پورا ماپ کرو واوفوا بعهدی (البقرہ: ۴۰) مجھ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ ووفیت کل نفس ما کسبت (آل عمران: ۲۵) ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں توفی کا لفظ موت کے لیے بھی آیا ہے اور نیند کے لیے بھی:

اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا (الزمر: ۴۲)

اللہ موت کے وقت روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جن کی موت نہیں آئی ان کی نیند کے وقت۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ (الانعام: ۶۰) وہی ہے جو رات کے وقت تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے۔

اور اس آیت میں توفی کا معنی پورا پورا اٹھالینا ہے' جیسا کہ بکثرت احادیث میں بیان کیا گیا ہے' اس آیت میں توفی کا معنی موت مراد لینے پر مرزائی حسب ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر نصیحت کرتے ہوئے خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے درآنحالیکہ تم ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون ہو گے اللہ نے فرمایا ہے: جس طرح ہم نے پہلی بار مخلوق کو پیدا کیا تھا' ہم اسی حالت میں اس کو لوٹائیں گے' یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم بے شک اس کو کرنے والے ہیں (الانبیاء: ۱۰۴) اور سنو! مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور سنو! میری امت میں سے چند لوگ لائے جائیں گے۔ ان کو بائیں جانب سے پکڑا ہوا ہو گا' میں کہوں گا' اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں' سو کہا جائے گا آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالی ہیں' تو میں اس طرح کہوں گا جس طرح اللہ کے عبد صالح نے کہا تھا میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا' پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی' تو تو ہی ان پر گواہ تھا۔ الایہ (المائدہ: ۱۱۸-۱۱۷) سو مجھ سے کہا جائے گا' آپ کے دنیا سے جانے کے بعد یہ لوگ اپنی ایڑیوں پر پلٹ گئے تھے۔ (مرتد ہو گئے تھے)

(صحیح مسلم' الجنت' ۵۸' (۲۸۶۰) ۷۰۶۷' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۷۵۲۶' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۴۲۳-۳۱۶۷' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۲۰۸۷)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سورۂ مائدہ کی اسی آیت کو نقل فرمایا ہے اور اس آیت میں توفی وفات کے معنی میں ہے۔ مرزائی کہتے ہیں' اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت میں توفی وفات کے معنی میں ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ جب اس آیت کو پڑھیں گے تو آپ کے حق میں اس کا معنی وفات ہی ہو گا' کیونکہ آپ کے حق میں اس معنی کے خلاف کوئی قرینہ نہیں ہے' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب توفیتنی فرمائیں گے تو ان کے حق میں اس کا معنی وفات نہیں ہو گا' کیونکہ اس معنی کے خلاف بہ کثرت احادیث ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے' سو اس کا معنی ہو گا جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھا لیا۔ بعض اوقات فاعل کے اختلاف سے فعل کا معنی مختلف ہو جاتا ہے۔ صلی اللہ کا معنی ہے اللہ نے رحمت نازل کی' صلی الملائکہ کا معنی ہے فرشتوں نے استغفار کیا' صلی المسلمون کا معنی ہے مسلمانوں نے رحمت طلب کی۔ اس لیے مستبعد نہیں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ توفیتنی فرمائیں تو اس کا معنی ہو تو نے مجھے وفات دی اور جب حضرت عیسیٰ توفیتنی کہیں تو اس کا معنی ہو تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا جبکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ توفی کا معنی لازماً موت اور وفات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو غالب' بڑی حکمت والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۸)

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مشرکین کی شفاعت کی

سیاق و سباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے آپ کے

آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد آپ کو اور آپ کی ماں کو معبود بنا لیا تھا' کیونکہ سلسلہ کلام ان ہی کے ساتھ مربوط ہے اور وہ لوگ مشرک تھے اور مشرکوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ان کو نہیں بخشے گا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی شفاعت کیسے کی؟ کیونکہ مشرکوں کے لیے شفاعت جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اس میں ضمیران کی طرف راجع ہے جنہوں نے موت سے پہلے اپنے کفر سے توبہ کرلی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قیامت کے دن کے بارے میں نہیں ہے' بلکہ آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ہے اس تقدیر پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تو ان کو کفر پر باقی رکھے' حتیٰ کہ یہ مر جائیں اور تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور اپنی توحید اور اطاعت کی ھدایت دے' پھر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب ہے تیرے ارادہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے اور تو اپنے افعال میں حکیم ہے جس میں چاہتا ہے گمراہی پیدا کرتا ہے اور جس میں چاہتا ہے ہدایت پیدا کرتا ہے۔ اس جواب سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اور "اگر تو ان کو بخش دے" کے ساتھ 'تو غالب اور حکمت والا ہی مناسب ہے اور غفور رحیم مناسب نہیں ہے۔

العزیز الحکیم اور الغفور الرحیم کا فرق

امام رازی کے والد ضیاء الدین عمر رازی رحمہ اللہ نے فرمایا اس آیت کے آخر میں العزیز الحکیم' الغفور الرحیم سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ غفور رحیم ایسی صفت ہے جو ہر محتاج کے لیے مغفرت کو واجب کرتی ہے اور عزیز رحیم ایسی صفت ہے جو ہر ایک کے لیے مغفرت کو واجب نہیں کرتی' کیونکہ عزیز ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ غالب ہے جو چاہے کرے' کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے اور جب وہ عزیز ہو اور ہر اعتبار سے غالب ہو' پھر اس کا بخش دینا اس کا بہت بڑا کرم ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ اگر وہ غفور رحیم کہتے تو یہ متبادر ہوتا کہ وہ شفاعت کر رہے ہیں' اور جب انہوں نے العزیز الحکیم کہا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ معاملہ بالکلیہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔

فساق مومنین کے لیے نبی ﷺ کی شفاعت

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے لیے شفاعت فرمائیں گے' کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو یہ کہا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں یہ نیکو کاروں کے حق میں نہیں فرمایا تھا' کیونکہ وہ عذاب کے سزاوار نہیں ہیں اور نہ ہی یہ دعا کفار کے حق میں ہے' کیونکہ ان کا یہ قول "اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب بہت حکمت والا ہے" کفار کے لائق نہیں ہے' کیونکہ کافروں کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ پس واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شفاعت ان مومنین کے لیے ہے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مرتکبین کبائر کی شفاعت ثابت ہے تو سیدنا محمد ﷺ کے لیے مرتکبین کبائر کی شفاعت بہ طریق اولیٰ ثابت ہوگی' اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کی شفاعت کے لیے اس آیت کو پڑھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت کی اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا' سو جس نے میری پیروی کی وہ بے شک میرا ہے' اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً تو بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے (ابراہیم: ۳۶) اور عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب' بہت حکمت والا ہے (المائدہ: ۱۱۸) نبی ﷺ نے اپنے

ہاتھ بلند کیے اور کہا اے اللہ! میری امت! میری امت! اور آپ رونے لگے۔ اللہ عزوجل نے کہا اے جبرائیل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور تمہارا رب خوب جاننے والا ہے' ان سے پوچھو ان کو کیا چیز رلاتی ہے؟ جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام آپ کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو خبر دی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرائیل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔

(صحیح مسلم' الایمان' ۳۴۶' (۲۰۲) ۴۸۹' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۲۶۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اپنی امت پر بہت شفیق تھے اور امت کی بھلائی اور بہتری میں کوشاں رہتے تھے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ بلند کر کے دعا کرنا مستحب ہے اور اس حدیث میں اس امت کے لیے بہت عظیم بشارت ہے اور اس میں امت کی مغفرت کی بہت بڑی امید ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی ﷺ کی بہت عزت اور وجاہت ہے اور حضرت جبرائیل کو نبی ﷺ کے پاس بھیجنے سے آپ کے شرف اور مرتبہ کا اظہار مقصود ہے۔ یہ حدیث اس آیت کے موافق ہے۔ عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ کو راضی کر دے گا۔ (الضحیٰ: ۵) اللہ اکبر! سارا جہان اللہ کو راضی کرتا ہے اور اللہ آپ کو راضی کرتا ہے۔ آپ کو راضی کرنے کی بشارت دینے کے بعد یہ فرمایا: اللہ آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دے گا' کیونکہ بعض امتیوں کو بخش دینے سے بھی راضی کرنا متحقق ہو سکتا ہے' لیکن اگر آپ کا ایک امتی بھی دوزخ میں رہ گیا تو آپ رنجیدہ ہوں گے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے اور آپ کے تمام امتیوں کو دوزخ سے نجات دے دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع پہنچائے گا' ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ آسمانوں' زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(المائدہ: ۱۲۰-۱۱۹)

سچ بولنے کا فائدہ صرف آخرت میں کیوں ہو گا؟

اس پر اجماع ہے کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے' اور یہ کہ جن لوگوں نے دنیا میں سچ بولا تھا' ان کا سچ اس دن کام آئے گا اور ان کو نفع دے گا' اور اس دن کسی کا سچ بولنا اس کے لیے نفع آور نہیں ہو گا' کیونکہ دار التکلیف اور دار العمل دنیا ہے اور قیامت کا دن یوم الجزاء ہے۔ اس دن تو شیطان بھی سچ بولے گا اور کہے گا:

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ (ابراھیم: ۲۲)

اور فیصلہ ہو چکنے کے بعد شیطان کہے گا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا سو میں نے اس کے خلاف کیا۔

شیطان کا یہ قول سچ ہے لیکن اس دن کسی کا سچ اس کے کام نہیں آئے گا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ مسلمان یوم آخرت میں انبیاء علیہم السلام کے تبلیغ کرنے کی جو سچی گواہی دیں گے اور اپنے اعمال کی سچی گواہی دیں گے تو مسلمانوں کی یہ سچی گواہی ان کو نفع دے گی' اور نفع یہ ہے کہ ان سے شہادت کے چھپانے کا مواخذہ نہیں ہو گا اور ان کی مغفرت کر دی جائے گی۔

سچ بولنے کا نفع ویسے تو انسان کو ہر روز حاصل ہوتا ہے' لیکن آخرت میں دائمی اجر و ثواب صرف اس دن حاصل ہو گا۔ اس

کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آخرت میں سچ بولنے کا کیا نفع ملے گا' وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں۔ انسان کو کوئی نعمت مل جائے تو پھر بھی اس کو یہ فکر ستاتی رہتی ہے کہ کہیں یہ نعمت زائل نہ ہو جائے اور اگر نعمت زائل نہ ہو تو اس نے ایک دن مرجانا ہے' تب بھی وہ اس خیال سے ملول رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت کی نعمتیں زائل نہیں ہوں گی نہ ان کو موت آئے گی' بلکہ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت انسان کے جسم کی نعمت ہے اور اس کی روح کی نعمت یہ ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے تو جنت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا۔ پھر فرمایا: یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سب سے بڑی کامیابی اللہ کا راضی ہونا ہے' جنت میں مرغوبات نفس ہیں اور اللہ کی رضا اس سے بہت بڑا اور اعلیٰ درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے' ہم جنت کے لائق تو نہیں ہیں وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں جنت الفردوس عطا فرمائے اور سب سے بڑا مطلوب یہ ہے کہ وہ ہم سے راضی ہو جائے۔

اللہ کی عظمت و جبروت کے ذکر پر سورت کا اختتام

آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' اس آیت میں لفظ ما استعمال فرمایا ہے۔ جو غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ من کا لفظ استعمال نہیں فرمایا' جو ذوی العقول کے لیے آتا ہے' اس میں ہو سکتا ہے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہو کہ آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے خواہ وہ ذوی العقول اور ذوی العلوم ہوں' غیر ذوی العقول اور غیر ذوی العلوم سب اس کے قبضہ و قدرت میں مسخر ہیں اور سب اس کی قضاء و قدرت کے تابع ہیں۔ اور ذوی العقول اس کے سامنے غیر ذوی العقول اور جمادات کے درجہ میں ہیں' اس کی قدرت کے سامنے کسی کی قدرت نہیں اور اس کے علم کے سامنے کسی کا علم نہیں' اس لیے اس آیت میں غیر ذوی العقول کو ذوی العقول پر غلبہ دے کر لفظ ما استعمال فرمایا۔

شریعت اور حقیقت کی طرف اشارہ

جب آسمان اور زمین کی ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے تو حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم بھی اللہ کی ملک میں ہیں۔ اس کے مملوک اور عبد ہیں اور جو مملوک اور عبد ہوں' وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس آیت میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم خدا ہیں' اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو اور احکام شرعیہ کے ذکر سے اس سورت کی ابتداء کی تھی اور اس سورت کا اختتام اللہ عزوجل کی کبریائی' اس کی عزت و جلال اور اس کی سلطنت اور قدرت پر کیا ہے۔ گویا یہ سورت شریعت کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور حقیقت کے ذکر پر ختم ہوتی ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ شریعت ابتداء ہے اور حقیقت انتہاء ہے' اور یہ کہ شریعت پر عمل کر کے ہی انسان حقیقت تک پہنچے گا۔

تمام مضامین سورت کی دلیل

اس سورت میں احکام شرعیہ بیان کیے گئے ہیں اور یہود کا رد کیا گیا ہے۔ جو سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کا انکار کرتے تھے اور عیسائیوں کا رد کیا گیا ہے' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے معتقد تھے' اور اس سورت کو اس آیت پر ختم کیا ہے۔ جس کا معنی ہے ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ تمام ممکنات' ارواح اور اجسام کا موجد اور خالق ہے اور جب اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور مالک ہے تو اسے اپنی مخلوق کو امر اور نہی' حکم دینے اور منع کرنے کا حق ہے اور یہی شریعت ہے' سو یہی آیت احکام شرعیہ کی دلیل ہے اور جب اللہ خالق اور مالک ہے تو اسے یہ حق ہے کہ وہ جس حکم کو چاہے معطل کر دے اور جس شریعت کو چاہے منسوخ کر دے۔ سو اس نے یہود کی شریعت کو منسوخ کر کے سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کو نافذ کر دیا' سو اس آیت سے یہود کا رد بھی ہو گیا اور اس آیت سے خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں کا رد بھی ہو گیا' کیونکہ جب ہر چیز

اس کی مملوک ہے تو حضرت عیسیٰ بھی اس کے مملوک ہیں' اور جو مملوک ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا' سو یہ آخری آیت اس پوری سورت کے مضامین کی دلیل ہے۔

اختتامی کلمات

آج بہ روز چہار شنبہ مورخہ ۱۹ صفر ۱۴۱۸ھ / ۲۵ جون ۱۹۹۷ سحری کے مبارک وقت میں سورۂ مائدہ کی تفسیر ختم ہو گئی۔ اس سورت کے تمام حقائق و معارف اور تمام اسرار و رموز کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں نے اسلاف کی کتابوں سے استفادہ کر کے اور زیادہ سے زیادہ احادیث پیش کر کے اپنی استطاعت کے مطابق اس تفسیر کی سعی کی ہے۔

الٰہ العالمین! اس سعی کو قبول فرما' اس میں جو کوتاہی ہو گئی اس سے درگزر فرما اور جس طرح تو نے محض اپنے فضل سے سورۂ مائدہ کی تفسیر کی توفیق دی ہے' بقایا سور قرآن کی تفسیر کی بھی توفیق عطا فرما اور محض اپنے فضل و کرم سے میری' میرے والدین اور اساتذہ کی' میرے تلامذہ کی اس تفسیر کے کمپوزر' کاتب اور مصحح کی' اس کے ناشر' اس کے تمام معاونین' محبین اور قارئین کی مغفرت فرما۔ ہم سب کو دنیا اور آخرت کی ہر مشکل' مصیبت اور پریشانی اور عذاب سے محفوظ رکھ اور دنیا اور آخرت کی ہر سعادت اور نعمت عطا فرما۔ شرح صحیح مسلم' اس تفسیر اور میری ہر تصنیف کو میرے لیے صدقہ جاریہ کر دے' ان کتابوں کے فیضان کو تا قیام قیامت باقی اور عام رکھ' ان کتابوں کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔ آمین یا رب العالمین بجاہ نبیک سیدنا محمد خاتم النبیین' قائد المرسلین' شفیع المذنبین' وعلی آلہ الطیبین الطاہرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وعلی ازواجہ امہات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ و علماء ملتہ اجمعین۔

سُورَةُ الْأَنْعَامِ

(٦)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانعام

اس سورت مبارکہ کا نام الانعام ہے' اس میں بیس (۲۰) رکوع اور ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) آیات ہیں' یہ سورت مکی ہے البتہ اس کی چند آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان آیتوں کو اس سورت میں اپنے اپنے مقام پر لکھوا دیا۔ ان کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب باحوالہ آرہی ہے' انعام کا معنی ہے مویشی۔ اس سورت کا نام الانعام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں ان مشرکین کا رد کیا گیا ہے' جنہوں نے از خود چند مویشیوں کو حلال کر لیا تھا اور چند مویشیوں کو حرام کر لیا تھا' وہ آیتیں یہ ہیں:

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (الانعام: ۱۳۹-۱۳۸)

اور مشرکوں نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں' انہیں وہ کھائے گا جسے ہم چاہیں گے ان کے زعم فاسد کے مطابق' اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن کی پشتوں (پر سواری اور بار برداری) کو حرام کیا گیا ہے اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر وہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے تھے' اللہ پر بہتان باندھنے کے لیے' اللہ ان کو ان کے بہتان کی عنقریب سزا دے گا ۝ اور انہوں نے کہا ان مویشیوں کے پیٹ میں جو بچہ (زندہ) ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور وہ ہماری بیویوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں۔ عنقریب اللہ ان کو ان احکام کو وضع کرنے کی سزا دے گا' بے شک وہ بڑی حکمت والا' بہت علم والا ہے۔

جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے یہ پوری سورت ایک رات میں یک بارگی نازل ہوئی تھی' اور جس رات یہ نازل ہوئی آپ نے اسی رات اس کو لکھوا دیا تھا۔ اس سورت کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکی دور کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس سے پہلے الفاتحہ' البقرہ' آل عمران' النساء اور المائدہ

مدنی سورتیں تھیں۔ ان سورتوں میں اصالتہً خطاب مومنین سے تھا۔ اور ان میں مسلمانوں کیلئے شرعی احکام بیان کیے تھے۔ نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' جہاد' صلہ رحم' عورتوں کے حقوق' نکاح' طلاق وعدت' وراثت' امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دیگر احکام شرعیہ بیان فرمائے تھے' اور مدینہ منورہ میں جو غیر مسلم تھے' یہود اور عیسائی' ان کی بد عقیدگیاں بیان کر کے ان کا رد فرمایا تھا اور اسلام کے خلاف ان کے شکوک و شبہات کے جوابات دیئے تھے اور منافقین کی ریشہ دوانیاں بیان فرمائی تھیں' اور ان کی سازشوں اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے مسلمانوں کو خبردار فرمایا تھا اور ضمناً بعض آیتوں میں مشرکین کا بھی رد فرمایا تھا۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے یہ پہلی مکی سورت ہے' چونکہ مکہ میں مسلمانوں نے اپنی کوئی ریاست قائم نہیں کی تھی اور نہ ان کو اس کے مواقع میسر تھے' اس لیے وہاں مسلمانوں کے پاس اپنا نظام معیشت اور نظام حکومت قائم کرنے کے وسائل نہیں تھے۔ اس لیے مکی سورتوں میں احکام شرعیہ کو تفصیل سے بیان نہیں فرمایا' وہاں پر مسلمانوں کا مشرکین سے تصادم تھا اور توحید کا پیغام پہنچانے میں مشرکین زبردست رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اس لیے مکی سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد کو بیان کرنے اور ان کو دلائل سے ثابت کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

الانعام میں توحید و رسالت کے بنیادی مسائل اور دلائل بیان فرمائے ہیں اور حیات بعد الموت اور حشر و نشر کو بیان فرمایا ہے' اور اصل دین ابراہیم کی وضاحت کی ہے اور انسان کی اندرونی اور بیرونی شہادتوں اور عقل و فطرت کے تقاضوں سے استدلال کیا ہے' مشرکین کے فرمائشی معجزات ظاہر نہ کرنے کی وجہ بتائی ہیں۔ تقدیر کا بیان کیا ہے اور بعض مشرکانہ رسوم کا رد فرمایا ہے' مشرکین عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ عذاب آگیا تو تمہارے پاس اس کے بچاؤ کا کیا سامان ہے؟

سورۃ الانعام کے نزول کے متعلق احادیث

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سورۃ الانعام مکمل ایک رات میں مکہ میں نازل ہوئی اور اس کے گرد ستر ہزار فرشتے تھے جو بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ (المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۹۳۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ پر سورۃ الانعام یکبارگی مکمل نازل ہوئی۔ اس وقت میں نبی ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے تھی' اور اس سورت کے بوجھ سے لگتا تھا کہ اس اونٹنی کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔

(المعجم الکبیر' ج ۲۴' رقم الحدیث: ۴۴۹-۴۴۸' مطبوعہ بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ الانعام نازل ہوئی در آنحالیکہ اس کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت تھی جس نے مشرق اور مغرب کو بھر لیا تھا' وہ بلند آواز سے تسبیح اور تقدیس کر رہی تھی اور زمین لرز رہی تھی' اور رسول اللہ ﷺ پڑھ رہے تھے سبحان الله العظیم' سبحان الله العظیم۔ اس حدیث کی روایت میں احمد بن محمد سالمی متفرد ہیں۔ (المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۴۴۳' مطبوعہ مکتبۃ المعارف الریاض' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الانعام سے مدنی آیات کے استثناء کے متعلق احادیث

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام النحاس نے اپنی کتاب ناسخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکہ میں مکمل یکبارگی نازل ہوئی' سو یہ مکی سورت ہے۔ ماسوا تین آیتوں کے وہ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ (قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم۔ الایہ: ۱۵۳-۱۵۱)

امام ابن المنذر نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے' یہ مکی سورت ہے۔ ماسوا اس آیت کے ولو اننا نزلنا الیھم الملائکۃ (الانعام: ۱۱۱)

امام فریابی' امام اسحاق بن راھویہ اور امام عبد بن حمید نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔ اس کے ساتھ فرشتے بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے' یہ مکی سورت ہے ماسوا ان دو آیتوں کے قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم (الایہ) اور اس کے بعد والی آیت۔ (الانعام: ۱۵۲-۱۵۱) (الدر المنثور' ج ۳' ص ۲۴۴' مطبوعہ بیروت)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے سورۃ الانعام چھ آیتوں کے سوا مکہ میں نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبوں کو بلا کر اسی رات اس سورت کو لکھوا لیا تھا۔ (قرطبی' ج ۶' ص ۳۸۵)

سورۃ الانعام کی فضیلت کے متعلق احادیث

امام دیلمی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۃ الانعام پڑھنے والے کو ایک منادی ندا کرتا ہے: اس سورت سے محبت رکھنے اور اس کی تلاوت کرنے کی وجہ سے آؤ جنت کی طرف۔

امام ابوالشیخ نے ابو محمد عابد سے روایت کیا ہے۔ جس شخص نے سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں: تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجتا ہے' جو قیامت تک اس کے لیے دعا کرتے ہیں' قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا' اس کو کوثر سے غسل دے گا اور سلسبیل سے اس کو پانی پلائے گا اور فرمائے گا "میں تیرا برحق رب ہوں اور تو میرا برحق بندہ ہے"۔

امام ابن الضریس' ابو محمد فارسی سے روایت کرتے ہیں جس شخص نے سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں' اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجے گا جو قیامت تک اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔ قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اس کو اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور کوثر سے پانی پلائے گا اور سلسبیل سے غسل دے گا اور اللہ فرمائے گا' میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ ہے۔

امام دیلمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جس شخص نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اور اپنے مصلی پر بیٹھ گیا اور سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں' اللہ تعالیٰ ستر فرشتوں کو مقرر کر دیتا ہے۔ جو اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور قیامت تک اس شخص کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ (الدر المنثور' ج ۳' ص ۲' مطبوعہ ایران)

ان احادیث کو علامہ قرطبی نے بھی نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج ۶' ص ۳۸۶-۳۸۵)

حافظ سیوطی نے سورۃ الانعام کی فضیلت میں جو احادیث نقل کی ہیں' ان میں صرف ایک حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے اور باقی روایات کی اسانید سے سکوت کیا ہے۔ لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس حدیث میں کم عمل پر بہت زیادہ ثواب بیان کیا جائے' وہ موضوع ہوتی ہے اور فضائل قرآن کے سلسلہ میں لوگوں نے بہت احادیث وضع کی ہیں۔ اگر یہ احادیث موضوع نہ ہوں' تب بھی ضعف سے بہرحال خالی نہیں ہیں اور فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہیں' اور تعدد اسانید سے حدیث ضعیف کو تقویت ملتی ہے۔ ہم نے اس نیت سے یہ احادیث لکھی ہیں کہ ان میں بیان کردہ ثواب کی امید پر سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنی چاہئیں' لیکن یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ صرف ان تین آیتوں کو پڑھ لینا ہی نجات کے لیے کافی ہے۔ نہ فرائض' واجبات اور سنن و مستحبات پر عمل کی ضرورت ہے' نہ محرمات اور مکروہات سے اجتناب کی حاجت ہے تاہم اللہ بہت کریم اور نکتہ نواز ہے۔ وہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ساری عمر کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے اپنے موزہ میں پانی بھر کر اس کو چلو سے پانی پلایا' حتیٰ کہ اس کتے کو سیراب کر دیا۔ اللہ نے اس کے اس عمل کو مشکور کیا اور اس شخص کو جنت میں داخل کر دیا۔ (صحیح البخاری' ج ا' رقم الحدیث: ۱۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

سو اگر اللہ تعالیٰ سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنے سے بخش دے اور جنت عطا فرمائے تو یہ اس کے کرم اور نکتہ نوازی سے کب بعید ہے!

سورۃ الانعام کا موضوع

جس طرح باقی مکی سورتوں میں اصالۃً عقائد کو بیان کیا گیا ہے' اسی طرح سورۃ الانعام میں بھی اصول اور عقائد ہی کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور الوہیت' وحی' رسالت' بعث بعد الموت اور جزاء و سزا کا اثبات اور اس پر دلائل فراہم کرنا اس سورت کا بنیادی موضوع ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس سورت میں مشرکین اور دیگر ان مبتدعین کے خلاف دلائل ہیں جو حشر اور نشر کا انکار کرتے تھے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس پوری سورت کو یکبارگی نازل کیا جائے۔ کیونکہ پوری سورت بہ منزلہ دلیل واحد ہے۔ اگرچہ اس کی فروع بہت ہیں اور متکلمین نے اسی سورت پر اپنے دلائل کی بنیاد رکھی ہے' کیونکہ اس میں ایسی آیات ہیں جو قدریہ کا رد کرتی ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج ۶' ص ۳۸۶' مطبوعہ بیروت)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے خود بھی دلائل کو پیش کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دلائل کی تلقین کی ہے۔ خود دلائل پیش کرنے کی چند مثالیں یہ ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ (الانعام: ۱)

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور روشنی کو پیدا فرمایا پھر (بھی) کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ (الانعام: ۲)

وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر مدت (حیات) مقرر فرما دی اور (قیامت کا) معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے' پھر تم شک کرتے ہو۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ (الانعام: ۶۱)

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر (نگہبان) فرشتے بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی پر موت (کا وقت) آ جائے تو ہمارے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ کثرت دلائل تلقین فرمائے ہیں۔ ان کی چند مثالیں یہ ہیں:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: ۱۲)

آپ پوچھیے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے' وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہیے کہ اللہ ہی کی ملکیت ہے' اس نے (اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (الانعام: ۱۴)

آپ کہئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں اور یہ کہ تم ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہونا۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ (الانعام: ۱۹)

آپ پوچھئے سب سے بڑی کس کی گواہی ہے؟ آپ فرمائیے میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔

قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ○ قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○ (الانعام: ۶۳-۶۴)

آپ پوچھئے تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے؟ جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو۔ اگر وہ ہمیں اس (مصیبت سے) سے بچالے تو ہم ضرور اس کے شکر گزار بن جائیں گے ○ آپ کہئے اللہ ہی تم کو اس (مصیبت) سے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو۔

سورۃ الانعام کے مضامین

سورۃ الانعام کے مضامین کو حسب ذیل عنوانوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱- اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی وحدانیت اور اس کی صفات پر انسان کی اندرونی اور بیرونی شہادتوں سے استدلال

۲- نبوت' رسالت اور وحی پر عقلی اور مشاہداتی دلائل اور مشرکین کے شبہات کے جوابات

۳- بعث بعد الموت' حساب و کتاب' حشر و نشر اور قیامت کے دن اعمال کی جزاء اور سزا کا اثبات۔

۴- تمدنی اور معاشرتی زندگی کے مسلمہ اخلاق اور آداب کا بیان۔

۵- حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہونا اور اصول اور عقائد میں لوگوں کے اختلاف کا اہواء شخصیہ اور آباء و اجداد کی تقلید پر مبنی ہونا۔

۶- آخرت میں ثواب اور عذاب کا لوگوں کے شخصی اعمال پر مبنی ہونا۔

۷- انسانوں کے افعال کو خلق اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اس کا کسب انسان کرتا ہے۔ کسب سے مراد انسان کا اختیار اور ارادہ ہے۔ انسان جس فعل کا ارادہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے اور اس کو جزا و سزا اپنے کسب اور اختیار کی وجہ سے ملتی ہے۔ اس لیے جبر بھی نہیں ہے کیونکہ انسان مختار ہے' اور قدر بھی نہیں ہے کیونکہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور تقدیر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کے موافق اسباب کا مسببات کے ساتھ مربوط ہونا۔

۸- کافروں اور فاسقوں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور مومنوں اور نیکو کاروں کو ثواب دینا' اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل ہے۔

۹- حلال اور حرام کرنے کی تشریع اور شریعت سازی اللہ عزوجل کا حق ہے اور بعض امور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو یہ منصب عطا کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور یہ بھی شریعت ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی انسان کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال یا حرام کرے۔

۱۰- لوگوں پر لازم ہے کہ وہ گزشتہ امتوں کے احوال میں غور و فکر کریں کہ جن لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی' ان کا کیا

حال ہوا' اور زمین میں گھوم پھر کر ان پر کیے ہوئے عذاب کے آثار دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور ان بکثرت نشانیوں میں غور و فکر کریں جو اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی عظمت' اس کے علم اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۱- اللہ تعالیٰ انسان کو مصائب سے اور دنیاوی زیب و زینت سے امتحان اور آزمائش میں ڈالتا ہے' تاکہ نیک اور بد ممتاز ہوں۔

۱۲- اللہ تعالیٰ فاسقوں اور کافروں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے' اس لیے کسی کافر یا فاسق کی دنیاوی عیش و عشرت' آسودہ حالی اور اقتدار سے کسی مسلمان کو دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

۱۳- بیوی اور اولاد سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کا بیان' استاذ ابو اسحاق اسفرائنی نے کہا ہے کہ سورۃ الانعام میں توحید کے تمام قواعد ہیں۔

۱۴- جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کرتے ہیں ان کو نصیحت کرنا اور جو دین حق کی تکذیب کرتے ہیں ان کو پہلی امتوں کے مکذبین کی وعید سنانا اور یہ بتانا کہ ان کے انکار سے صرف ان کو نقصان ہو گا۔

۱۵- جو مشرکین مکہ نبی ﷺ سے علاوہ معجزات طلب کرتے تھے' ان کی جہالت کا بیان کرنا۔

۱۶- نبی ﷺ کو یہ تسلی دینا کہ آپ کی قوم کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔

۱۷- رسولوں کو بھیجنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور اس کے ثواب کی بشارت دیں' لوگوں کی فرمائش سے ان کو مغیبات پر مطلع کرنا یہ رسول کا منصب نہیں ہے۔

۱۸- فضیلت کا معیار اللہ تعالیٰ کے دین کو ماننا اور تقویٰ ہے۔

۱۹- نفس کو طیبات یعنی پاکیزہ اور حلال چیزوں سے محروم کرنا یہ تقویٰ نہیں ہے' بلکہ تقویٰ یہ ہے کہ نفس کے ناجائز تقاضے پورے نہ کیے جائیں اور اس کو شہوات باطلہ کی تکمیل سے محروم کر دیا جائے۔

۲۰- امت محمدیہ پر یہ احسان کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے قرآن نازل کیا جس طرح حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سابقہ امتوں کا خاتم بنایا۔

۲۱- قرآن اور دین اسلام کی فضیلت اور یہ کہ اس امت کی نیکیوں کا ثواب اللہ نے کئی گنا بڑھایا۔

۲۲- یہ سورت مشرکین جاہلیت کے تمام احوال کی جامع ہے اور اس میں ان کی جہالت پر سب سے زیادہ رد کیا گیا ہے۔

سُورَةُ الْأَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَخَمْسٌ وَسِتُّونَ آيَةً وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورۃ الانعام مکی ہے اس میں ایک سو پینسٹھ آیات اور ۲۰ بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا

النُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

فرمایا ؛ پھر (بھی) کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں ○ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے

مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ

پیدا فرمایا ، پھر مدت (حیات) مقرر فرما دی ، اور قیامت کا معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے اور تم لوگ

تَمْتَرُوْنَ ﴿٢﴾ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ

شک کرتے ہو ○ اور اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں میں عبادت کا مستحق ہے ، وہ تمہارے ظاہر اور باطن

جَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿٣﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ

کے حال کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے ○ اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے

رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٤﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۭ

کوئی نشانی آتی ہے وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں ○ سو بے شک جب ان کے پاس حق آگیا تو انھوں نے اس کو

فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٥﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ

جھٹلا دیا سو عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○ کیا انھوں نے نہیں دیکھا

اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ

کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں تباہ و برباد کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جیسا تمہیں نہیں

لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَاۗءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ

دیا ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیتوں باغوں کے) نیچے دریا بہائے

مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا

پھر ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ہم نے ایک دوسری

اٰخَرِيْنَ ﴿٦﴾

قوم پیدا کر دی ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا۔ پھر (بھی) کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔ (الانعام: ۱)

حمد' مدح اور شکر کا فرق

حمد' مدح اور شکر میں فرق ہے مدح' حمد سے عام ہے۔ حمد' کسی شخص کی اختیاری خوبی اور کمال پر تعریف اور توصیف کو کہتے ہیں خواہ وہ نعمت ملنے کی وجہ سے کی جائے یا بغیر نعمت کے۔ اور مدح کسی چیز کے حسن اور خوبی پر کی جانے والی تعریف کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ اس کی اختیاری خوبی ہو یا غیر اختیاری۔ اگر آپ کسی عالم کے علم و فضل کی تعریف کریں گے تو یہ حمد بھی ہے اور مدح بھی ہے اور اگر آپ کسی پھول کی خوشبو کی تعریف کریں گے تو یہ مدح ہے' حمد نہیں ہے۔ حمد اور شکر میں بھی فرق ہے۔ حمد عام ہے خواہ نعمت کی وجہ سے تعریف کی جائے یا بغیر نعمت کے۔ اگر آپ کسی ایسے شخص کے علم کی تعریف کریں جو آپ کو جانتا نہیں ہے اور آپ کا اس سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے تو یہ حمد ہے' شکر نہیں ہے۔ اور اگر کسی شخص نے آپ کو کچھ مال دیا ہو اور آپ اس کی سخاوت کی تعریف کریں تو یہ شکر بھی ہے اور حمد بھی ہے۔

تمام تعریفوں کا اللہ کے ساتھ مختص ہونا

ہم نے الحمد للہ کا ترجمہ کیا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں کیونکہ الحمد میں الف لام جنس کا ہے اور للہ میں لام اختصاص کا ہے یا استحقاق کا ہے اور اس کا معنی ہے حمد کی ماہیت اور حقیقت اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے تمام تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ منعم کا شکر واجب ہے مثلاً تعلیم کی وجہ سے استاذ کا شکر واجب ہے۔ عدل کی وجہ سے منصف کا شکر واجب ہے' احسان کی وجہ سے محسن کا شکر واجب ہے اور پالنے پوسنے کی وجہ سے ماں باپ کا شکر واجب ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ (لقمان: ۱۴) میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن: ۶۰) نیکی کا صلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے؟

اور امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا' وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا (امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۸۱۱' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۶۱' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۵۸' ج ۳' ص ۳۲' ج ۴' ص ۲۷۸' طبع قدیم)

یہ برحق ہے کہ جب کوئی انسان کسی انسان کے ساتھ کوئی نیکی کرے یا اس کو کوئی نعمت پہنچائے تو اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے' لیکن درحقیقت تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور تمام احسانات اسی کے ہیں۔ اسی لیے حقیقت میں صرف وہی مشکور ہے اور باقی سب مجازاً مشکور ہیں۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک انسان دوسرے انسان پر اس وقت احسان کرتا ہے جب اس کے دل میں اس احسان کا محرک اور داعیہ پیدا ہوتا ہے اور یہ محرک اور داعیہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو اصل احسان اسی کا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان پر بلاغرض احسان کرتا ہے اور بندہ کسی غرض سے احسان کرتا ہے اور یہ غرض یا حصول نفع ہوتی ہے یا دفع ضرر۔ کسی ضرورت مند پر احسان کر کے محسن کا دل خوش اور مطمئن ہوتا ہے یا وہ اس پر احسان کر کے اس کے کسی سابقہ

احسان کا بدلہ چکاتا ہے یا اخروی ثواب کے لیے احسان کرتا ہے اور یہ حصول نفع ہے یا اس ضرورت مند کی ضرورت کو دیکھ کر اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس رقت کے ازالہ کے لیے اس پر احسان کرتا ہے اور یہ دفع ضرر ہے تو انسان انسان پر کسی نہ کسی غرض سے احسان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بلا غرض احسان کرتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ بلاواسطہ احسان کرتا اور انسان بالواسطہ احسان کرتا ہے۔

مثلاً ایک انسان کسی بھوکے شخص کو کھانا کھلا کر احسان کرتا ہے۔ اگر اس انسان کے پاس طعام خریدنے کے لیے پیسے نہ ہوتے یا پیسے تو ہوتے لیکن بازار میں طعام دستیاب نہ ہوتا تو وہ اس کو طعام کیسے کھلاتا؟ پھر یہ بھی سوچئے کہ یہ طعام کس کا پیدا کیا ہوا ہے! پھر اگر وہ انسان طعام فراہم کر لیتا لیکن وہ بھوکا شخص کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا جس کی وجہ سے وہ کھانا نہ کھا سکتا تو وہ اس کو کیسے کھانا کھلاتا؟ غرض انسان جب کسی انسان پر احسان کرتا ہے اور اس کو فیض پہنچاتا ہے تو اس تک اس احسان اور فیض پہنچنے میں بیسیوں واسطے ہوتے ہیں اور ہر واسطہ اللہ کے فیض اور اس کے احسان پر ختم ہوتا ہے۔ نتیجہ یہی نکلا کہ جو شخص کسی پر انعام اور احسان کرتا ہے وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کا انعام ہے اور اسی کا احسان ہے۔ لہٰذا تمام احسانات پر شکر اور تمام کمالات اور محاسن پر ستائش اور تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور وہی اس کا مستحق ہے اور مخلوق میں جس کی خوبی پر حمد کی جائے اور جس کے احسان کا شکر ادا کیا جائے' وہ سب مجاز ہے۔ حقیقت میں وہی مشکور ہے اور وہی محمود ہے۔

عالم کبیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی ستون کے اور بغیر کسی کجی کے آسمان کو بنایا اور آسمانوں میں سورج اور چاند کو رکھا اور اس کو ستاروں سے مزین کیا اور ہوا کے دوش پر بادلوں کو رکھا' زمین کا فرش بچھایا' اس میں پہاڑوں کو نصب کیا اور ان میں کشادہ راستے رکھے اور اس میں سمندروں اور دریاؤں کو رواں دواں کیا اور پتھروں سے چشمے نکالے۔ ان تمام چیزوں میں اس کی وحدانیت اور اس کی عظیم قدرت پر دلالت ہے' کیونکہ اس کائنات کا پورا نظام طرز واحد پر چل رہا ہے اور اس نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور وہی اللہ واحد قہار ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے' اس نے تاریکیوں اور نور کو پیدا کیا۔ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد تاریکی اور نور کے پیدا کرنے کا ذکر کیا' کیونکہ آسمان اور زمین جواہر اور اعیان ہیں اور تاریکی اور نور معانی اور اعراض ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ نے مٹی (زمین) کو ہفتہ کے دن پیدا کیا اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ پیدا کیے اور پیر کے دن درخت پیدا کیے اور منگل کے دن مکروہ چیزوں کو پیدا کیا (مسلم کے علاوہ دوسری روایات میں التقن کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں معدنیات) اور بدھ کے دن نور کو پیدا کیا اور جمعرات کے دن اس میں مویشیوں اور جانوروں کو پھیلا دیا اور مخلوق کے آخر میں جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔

(صحیح مسلم' المنافقین' ۲۷' (۲۷۸۹) ۶۹۲۰' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۸۳۴۹' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۲۷' طبع قدیم)

کفار کی احسان فراموشی

یہ آیت کفار کی شقاوت اور قباحت پر دلالت کرتی ہے' کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ

آسمانوں اور زمینوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور اس کے پیدا کرنے کے دلائل اور نشانیاں سب پر ظاہر اور واضح ہیں اور اس کی عطاؤں اور انعامات سے کائنات کا ہر فرد فیض پا رہا ہے اور فائدہ اٹھا رہا ہے اور کوئی شخص بھی اس کے کرم سے محروم نہیں ہے۔ پھر ان تمام احسانات کے باوجود یہ کفار بے جان بتوں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص کسی کو ملامت کرتے ہوئے کہے میں نے تم کو اتنا مال دیا' اتنی عزت دی' تم پر اتنے احسان کیے' پھر بھی تم مجھے گالیاں دیتے ہو اور برا کہتے ہو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے سے اس کو ایسی ہی اذیت ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا۔ اس نے جو میری تکذیب کی وہ اس کا یہ فاسد گمان ہے کہ میں اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس نے جو مجھے گالی دی' وہ اس کا یہ قول ہے کہ میرا بیٹا ہے' سو میں اس سے پاک ہوں کہ میں کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۴۸۲' سنن النسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۷۷' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۵۱' طبع قدیم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر مدت (حیات) مقرر فرمادی اور قیامت کا معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے اور تم لوگ شک کرتے ہو۔ (الانعام: ۲)

عالم صغیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین یعنی عالم کبیر کو پیدا کرنے سے اپنی خالقیت اور وحدانیت پر استدلال کیا تھا اور اس آیت میں انسان یعنی عالم صغیر کو پیدا کرنے سے اپنی خالقیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تم آدم کی اولاد ہو' لہٰذا تم کو بھی مٹی سے پیدا کیا۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں فرمایا اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ مومن' متقی' کریم اور فاجر' درشت خو اور ذلیل۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

(شعب الایمان' ج ۴' ص ۲۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم کو بلاواسطہ مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو فرشتہ رحم پر مقرر کیا گیا ہے' وہ نطفہ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر یہ کہتا ہے' اے رب! اس کی تخلیق کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی؟ اگر اللہ فرمائے کہ اس کی تخلیق کی جائے گی تو پھر کہتا ہے' اے رب! اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کا نشان کیسا ہے؟ اور اس کی موت کب ہو گی؟ اللہ فرماتا ہے تم لوح محفوظ میں دیکھو۔ وہ لوح محفوظ میں دیکھتا ہے تو اس میں اس کا رزق' اس کا نشان' اس کی موت اور اس کا عمل لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جس جگہ اس کو دفن کیا جائے گا' وہ وہاں سے مٹی لیتا ہے اور اس کو اس کے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے:

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى (طٰہٰ: ۵۵)
ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹا دیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۳۰۰' مطبوعہ بیروت)

امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے عطا خراسانی سے روایت کیا ہے جس جگہ انسان کو دفن کیا جائے گا' وہاں کی مٹی کو فرشتہ نطفہ پر چھڑکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے منہا خلقنا کم۔

(الدر المنثور' ج ۴' ص ۳۰۲' مطبوعہ ایران)

حافظ ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مولود کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء' ج ۲' ص ۲۸۰' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ علی متقی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ خطیب کے حوالے سے لکھتے ہیں' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مولود کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا اور میں اور ابو بکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی میں دفن کیے جائیں گے۔ (کنز العمال' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۲۶۷۳)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ ہر انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ احادیث کے علاوہ اس موقف پر عقل سے بھی استدلال کیا گیا ہے' کیونکہ انسان کو منی اور حیض کے خون سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ دونوں چیزیں خون سے بنتی ہیں اور خون غذا سے بنتا ہے اور غذا گوشت اور زمینی پیداوار (سبزیوں اور پھلوں) پر مشتمل ہوتی ہے اور حیوان کا گوشت بھی زمینی پیداوار سے بنتا ہے تو مآل زمینی پیداوار ہے اور زمینی پیداوار مٹی سے حاصل ہوتی ہے۔ سو خلاصہ یہ ہے کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے' پھر اس طریقہ سے مٹی سے نطفہ بنتا ہے اور نطفہ سے متعدد اعضاء بنتے ہیں جو رنگ روپ اور صورت شکل میں مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً قلب' دماغ' پھیپھڑے' جگر اور دیگر بڑی بڑی ہڈیاں' باریک شریانیں اور پٹھے وغیرہ اور ایک مادہ یعنی مٹی سے مختلف صورت و شکل اور مختلف طبائع اور حقائق کے اعضاء پیدا کرنا اور ایک مٹی سے دنیا کے متعدد اور مختلف رنگ و نسل کے انسان پیدا کرنا' صرف اسی کی تخلیق سے عمل میں آسکتا ہے جو حکیم اور مدبر اور قادر اور قیوم ہو۔ پھر ان مختلف انسانوں کی پیدائش ہزارہا سال سے ایک ہی نظم اور ایک ہی طرز پر ہو رہی ہے اور انسان کی تخلیق کے اس سلسلہ کا نظم واحد پر ہونا پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور وہ اللہ الواحد القہار ہے۔

دو اجلوں کی تفسیریں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اس نے اجل (موت) مقرر فرما دی اور اجل مسمّٰی (مدت مقررہ) اس کے پاس ہے۔ اجل کے معنی موت ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو موتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان موتوں کی کئی تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد موت ہے اور دوسری اجل سے مراد قیامت ہے' کیونکہ آخرت میں ان کی حیات کی مدت کی کوئی انتہا نہیں ہے اور نہ وہ کبھی ختم ہو گی اور اس کی مدت اور اس کی کیفیت کا حال اللہ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک کی مدت ہے۔ اور دوسری اجل سے مراد موت کے بعد سے لے کر اس کے دوبارہ پیدا ہو کر اٹھنے تک کی مدت ہے اور اس مدت کو برزخ کہتے ہیں۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد نیند ہے اور

دوسری اجل سے مراد موت ہے۔ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد طبعی موت ہے اور دوسری اجل سے مراد حادثاتی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' وہ اس کے پاس مقرر ہے۔ اس کا معنی ہے وہ اس کو معلوم ہے اور لوح محفوظ میں مذکور ہے' پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی خالقیت اور اس کی وحدانیت کے اس قدر واضح دلائل ہونے کے باوجود تم اس کی وحدانیت میں شک کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں میں عبادت کا مستحق ہے۔ وہ تمہارے ظاہر اور باطن کے حال کو جانتا ہے' اور تمہارے کاموں سے واقف ہے (الانعام: ۳)

اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلیل

اس سورت کی پہلی آیت میں فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا' دوسری آیت میں فرمایا جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور یہ دونوں آیتیں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمہاری خلوت اور جلوت کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلیل ہے اور کمال علم اور کمال قدرت یہ ایسی دو صفتیں ہیں جن پر الوہیت کا مدار ہے اور ان دونوں آیتوں کے مجموعہ سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر دلیل مکمل ہو گئی۔

اس آیت کا بظاہر معنی یہ ہے کہ وہی اللہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اس سے یہ لازم آیا کہ آسمان اور زمین اللہ کے لیے ظرف ہیں اور اللہ تعالیٰ مظروف ہے اور مظروف محدود ہوتا ہے اور محدود ہونا الوہیت کے منافی ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے اللہ آسمانوں اور زمینوں میں معظم ہے' یا معبود ہے' یا مستحق عبادت ہے' یا اس کا معنی ہے اللہ آسمانوں اور زمینوں کی تدبیر میں منفرد ہے' یا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہاری خلوت اور جلوت کو آسمانوں اور زمینوں میں جانتا ہے' اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اللہ جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو' کسب کا معنی ہے حصول نفع یا دفع ضرر کے لیے کوئی کام کرنا' اسی لیے اللہ تعالیٰ کے افعال کو کسب نہیں کہا جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آتی ہے' وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں' سو بے شک جب ان کے پاس حق آ گیا تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا۔ سو عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے (الانعام: ۵-۴)

کفر باللہ پر ملامت کے بعد کفر بالرسول کی مذمت

اس سے پہلی تین آیات کا تعلق توحید کے ساتھ تھا اور ان آیتوں کا تعلق رسالت کے ساتھ ہے۔ سابقہ آیتوں میں مشرکین کے اس کفر کو بیان فرمایا تھا جو وہ اللہ کے ساتھ کرتے تھے اور ان آیتوں میں ان کے اس کفر کو بیان فرمایا ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کرتے تھے اور ان آیات میں وجہ ارتباط یہ ہے کہ مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کا انکار بھی اس لیے کرتے تھے' کہ آپ اللہ عزوجل کی توحید کی دعوت دیتے تھے اور خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیتے تھے۔ اس وجہ سے وہ آپ کی تکذیب کرتے تھے اور جب بھی رسول اللہ ﷺ اپنی رسالت کے صدق پر اللہ کی طرف سے کوئی نشانی اور معجزہ پیش کرتے تو وہ اس سے منہ موڑ لیتے تھے۔ سب سے بڑی نشانی یہ تھی کہ آپ نے قرآن مجید پیش کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ کوئی انسان اس کی چھوٹی سے چھوٹی آیت کی بھی نظیر نہیں لا سکتا' سو کوئی اس کی نظیر نہیں لا سکا۔ پھر آپ نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا اور کئی معجزات

پیش کیے، لیکن انہوں نے ان معجزات کا نہ صرف انکار کیا بلکہ ان کا مذاق اڑایا۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے انکار اور کفر کے تین احوال بیان فرمائے ہیں۔ پہلا حال یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں سے اعراض کیا اور منہ موڑا۔ دوسرا حال یہ ہے کہ انہوں نے ان نشانیوں کی تکذیب کی اور ان کو جھٹلایا اور تیسرا حال یہ ہے کہ انہوں نے ان نشانیوں کا مذاق اڑایا اور یہ ان کے کفر اور انکار کی انتہاء ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ اس وعید میں دو احتمل ہیں 'اس سے مراد دنیا کا عذاب بھی ہو سکتا ہے' جیسا کہ جنگ بدر میں مشرکین مکہ کو شکست فاش ہوئی اور ان کو اپنی عددی برتری اور طاقت کا جو گھمنڈ تھا' وہ خاک میں مل گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں تباہ و برباد کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جیسا تمہیں نہیں دیا۔ ہم نے ان پر آسمان سے موسلادھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیتوں اور باغوں) کے نیچے دریا بہائے' پھر ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ہم نے ایک دوسری قوم پیدا کر دی۔ (الانعام: ٦)

ربط آیات اور خلاصہ مضمون

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اعراض کرنے' ان کی تکذیب کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا تھا اور ان کے اس انکار اور استہزاء پر ان کو عذاب کی وعید سنائی تھی۔ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار اور مکذبین کو عذاب کی وعید سنانا اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے۔ کیا ان مکذبین کو لوگوں سے خبریں سن کر یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی سابقہ امتوں کو مثلاً قوم عاد و ثمود' قوم فرعون اور قوم لوط کو ہلاک کر دیا۔ جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں اس گھمنڈ سے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی کہ وہ بہت مالدار اور طاقتور ہیں۔ وہ قریش مکہ سے اس بات میں ممتاز تھے کہ ان پر بکثرت موسلادھار بارشیں نازل ہوتی تھیں' جس سے ان کی زرعی زمینیں بہت زرخیز ہوتی تھیں اور ان کے مکانوں کے کنارے پر دریا بہتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ایک اور قوم پیدا کی جو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتی تھی اور یہ بھی اللہ کی سنت جاریہ ہے کہ جو قوم اپنے رسول کی تکذیب کرتی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتی ہے' اللہ تعالیٰ اس قوم کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ (القصص: ٥٩-٥٨)

ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا (جن کے رہنے والے) اپنی خوشحالی پر اترانے لگے تھے۔ سو یہ ہیں ان کے مکان' جن میں ان کے بعد بہت کم رہائش کی گئی ہے اور (بالآخر) ہم ہی وارث ہیں ۝ اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان بستیوں کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دے' جو ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرے اور ہم اس وقت ہی بستیوں کو ہلاک کرتے ہیں جب اس کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ کفار مکہ کو نصیحت کی جائے اور انہیں اس بات سے ڈرایا جائے کہ کہیں ان پر بھی وہ عذاب

نہ آجائے جو پچھلی امتوں کے ان جیسے کافروں پر آیا تھا' جب کہ وہ لوگ دنیاوی شان و شوکت اور قوت و طاقت اور عددی حیثیت سے اہل مکہ کی بہ نسبت کہیں زیادہ اور برتر تھے۔

قرن کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے قرن تباہ کر دیئے اس آیت میں قرن کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے قرن کا یہ معنی لکھا ہے قرن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ایک زمانہ میں مقترن ہوں اس کی جمع قرون ہے (المفردات' ص ۴۰۱) علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے' ہر زمانہ کے لوگوں کو قرن کہتے ہیں اور یہ ہر زمانہ میں متوسط عمروں کی مقدار پر مشتمل لوگ ہیں۔ یہ لفظ اقتران سے ماخوذ ہے' یعنی جتنے زمانہ میں اس زمانہ کے لوگ اپنی عمروں اور اپنے احوال سے مقترن ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ زمانہ چالیس سال کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اسی سال کا زمانہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ سو سال کا زمانہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مطلق زمانہ ہے۔ (النہایہ' ج ۴' ص ۵۱) امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ واحدی نے کہا ہے کہ زمانہ کی جس مدت میں ایک قوم مقترن ہو وہ قرن ہے' یعنی جس مدت میں ایک قوم مقترن ہو' پھر موت سے وہ دوسری قوم سے متفرق ہو جائے' تو وہ قوم ایک قرن ہے۔ کیونکہ جو لوگ ان کے بعد آئیں گے وہ ایک دوسری قوم ہوں گے اور وہ آپس میں مقترن ہوں گے' تو یہ دوسری قرن ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام قرنوں میں بہترین میرا قرن ہے۔ اور جبکہ عموماً لوگوں کی عمریں ساٹھ' ستر' اور اسی سال کے لگ بھگ ہوتی ہیں اس وجہ سے بعض لوگوں نے کہا قرن ساٹھ سال کا زمانہ ہے۔ بعض نے کہا ستر سال کا اور بعض نے کہا اسی سال کا زمانہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ اس میں زمانہ کی کوئی ایسی معین مقدار نہیں ہے جس پر زیادتی یا اس سے کمی نہ ہو سکے' بلکہ اس سے مراد ہے ہر زمانہ کے لوگ اور جب اس زمانہ کے اکثر لوگ ختم ہو جائیں گے تو کہا جائے گا کہ وہ قرن ختم ہو گئی۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۱۱' طبع قدیم)

امام رازی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے' وہ یہ ہے امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سب میں بہترین میرا قرن ہے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں' پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں (الحدیث)

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۶۵۱' صحیح مسلم' فضائل صحابہ' ۲۱۴' (۲۵۳۵) ۶۳۵۵' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۵۷' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۲۹' سنن نسائی' ۳۸۱۸' صحیح ابن حبان' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۷۲۲۹' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۲' ص ۱۷۶' المعجم الکبیر' ج ۱۸' رقم الحدیث: ۵۸۵' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۸۰۷' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۵۹۴' طبع قاہرہ' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۷۹' طبع قدیم)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرن سو سال کا زمانہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تم ایک قرن تک زندہ رہو گے تو وہ سو سال زندہ رہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۳۰۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بعض سوالوں کے جوابات

اس آیت پر ایک یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مکذبین کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ اس میں زجر و توبیخ کی

کون سی بات ہے؟ کیونکہ موت تو ہر شخص کو آتی ہے۔ خواہ مومن ہو یا کافر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زجر و توبیخ کی وجہ یہ ہے کہ ان کو عذاب شدید سے موت آئی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کیا انہوں نے گزشتہ امتوں کی ہلاکت کو نہیں دیکھا؟ حالانکہ کفار مکہ نے گزشتہ امتوں کے احوال کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی خبر دینے کے وہ مصدق نہیں تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کیا ان کو ان امتوں کے احوال نہیں معلوم اور ان امتوں کی ہلاکت کے احوال تواتر سے نقل ہو رہے تھے اور لوگوں کے درمیان مشہور تھے۔ ایک اور سوال یہ ہے کہ اس بات کے ذکر کی کیا ضرورت ہے کہ اللہ ان کی جگہ ایک اور قوم کو لے آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان کو ہلاک کرنا اللہ پر دشوار نہیں ہے' وہ اس پر قادر ہے کہ ان کو ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسری قوم کو لے آئے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ

اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے تب بھی کفار

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

یہی کہتے کہ یہ محض کھلا ہوا جادو ہے ۝ اور انہوں نے کہا اس رسول پر فرشتہ

عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸

کیوں نہیں نازل کیا گیا، اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا، پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی ۝

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے تب بھی اس کو (صورۃً) مرد بناتے اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا

اور بیشک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ ع

لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے اور وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے تب بھی کفار یہی کہتے کہ یہ محض کھلا ہوا جادو ہے۔ (الانعام: ۷)

ربط آیات اور شان نزول

رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید اور پیغام اسلام کو مسترد کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو اپنے عیش و آرام میں مست تھے اور ان کو اپنی قوت و حشمت پر گھمنڈ تھا۔ ان کا ذکر اس سے پہلی آیتوں میں آ چکا ہے۔ دوسری قسم کے وہ لوگ تھے

جو نبی ﷺ کے پیش کیے ہوئے معجزات کو کھلا ہوا جادو قرار دیتے تھے۔ ان کا ذکر اس آیت میں ہے۔
امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے بیان کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا اے محمد ﷺ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کتاب نہ لائیں اور اس کتاب کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو یہ گواہی دیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔
(زاد المسیر' ج ۳' ص ۷' مطبوعہ المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

کفار کے انکار کا حقیقی سبب

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین کس سبب سے دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ان کا انکار چند ضعیف شبہات پر مبنی تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ایک لکھی ہوئی کتاب نازل ہو اور اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہو جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرے' لیکن حقیقت میں ان کے انکار اور تکذیب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے اعراض کرتے تھے اور ان میں غور و فکر نہیں کرتے تھے۔ سو اگر اللہ ایک لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیتا اور وہ اس کو چھو کر دیکھ لیتے' پھر بھی کہتے کہ یہ کھلا جادو ہے اور ایمان نہ لاتے۔ ہاتھ سے چھونے کا اس لیے ذکر فرمایا کہ کبھی دیکھی ہوئی چیز کی بہ نسبت ہاتھوں سے چھوئی ہوئی چیز زیادہ یقینی ہوتی ہے' کیونکہ مشاہدہ میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ نظر نے دھوکا کھایا ہو یا نظر بندی کی گئی ہو۔ لیکن ہاتھ سے چھونے کے بعد یہ احتمالات ختم ہو جاتے ہیں' لیکن یہ ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہیں کہ یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کی نظیر یہ آیات ہیں:

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝ (الحجر: ۱۵-۱۴)

اور اگر ہم ان کے لیے آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں (دن بھر) چڑھتے رہیں (تو پھر بھی) یہ لوگ یقیناً یہی کہیں گے کہ محض ہماری نظر بندی کی گئی ہے' بلکہ ہم لوگوں پر جادو کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:- اور انہوں نے کہا اس رسول پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا' پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے' تب بھی اس کو (صورۃً) مرد بناتے اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا' تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ (الانعام: ۱۰-۸)

کفار کے مطالبہ کے باوجود نبی ﷺ کے ساتھ فرشتے کو نہ بھیجنے کی حکمت

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:
امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے امام محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو مسلمان کرنے کی انتہائی کوشش کی تو زمعہ بن الاسود' نضر بن حارث' عبدہ بن عبد یغوث' ابی بن خلف اور عاص بن وائل نے کہا کہ آپ پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا۔ (الدر المنثور' ج ۳' ص ۵' مطبوعہ ایران)
کفار مکہ کا منشا یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجتا' تو کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ کیونکہ فرشتوں کے علوم انسانوں سے زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی قدرت۔۔ اور ان کی ہیبت بھی انسانوں سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ مکمل طور

پر دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ سو ان کی نبوت اور رسالت میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہوگا تو اس وجہ سے اگر اللہ کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جو جواب دیا ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ کفار مکہ فرشتے کو اسی وقت دیکھ سکتے تھے جب وہ کسی جسم کثیف میں متمثل ہوتا' اور ہر شخص اپنی جنس سے مانوس ہوتا ہے اور دوسری جنس سے غیر مانوس ہوتا ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو ان کے پاس رسول بنا کر بھیجتا تو اگر وہ اپنی اصل صورت میں ان کے پاس آتا تو وہ اس کو دیکھ سکتے' نہ اس کا کلام سن سکتے اور نہ اس کی عبادات اور معمولات ان کے لیے نمونہ اور حجت ہوتے۔ کیونکہ دونوں کی جنس الگ الگ ہوتی اور اگر وہ ان کے سامنے انسانی پیکر میں متمثل ہو کر آتا' تو وہ اس سے کہتے کہ تم فرشتہ نہیں ہو' تم تو ہماری طرح انسان ہو اور پھر ان کا وہی پہلا شبہ لوٹ آتا۔ انبیاء علیہم السلام کے پاس بھی فرشتے بعض اوقات انسانی پیکر میں آتے تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے پاس فرشتے انسانی صورتوں میں آئے اور نبی ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل اعرابی اور دحیہ کلبی کی شکل میں آئے اور نبی ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبرائیل کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ نے لکھا ہے کہ اگر کفار فرشتہ کو اس کی اصل صورت میں دیکھ لیتے تو اسی وقت مر جاتے' کیونکہ وہ اس کی صورت دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا کہ قیامت آجاتی۔ حسن اور قتادہ نے کہا ان پر عذاب آکر ان کو ملیامیٹ اور تہس نہس کر دیتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی نشانی کا مطالبہ کرتی ہے اور اس کے مطالبہ پر وہ نشانی بھیج دی جاتی ہے اور پھر وہ ایمان نہیں لاتی تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو فی الفور ہلاک کر دیتا ہے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آسمانی عذاب نہیں آنا تھا' اس لیے ان کا یہ مطالبہ پورا نہیں کیا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۳۰۵' مطبوعہ **دار الفکر**' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی ﷺ پر طعن اور استہزاء کرنے والوں کی سزا

بعض کفار مکہ نبی ﷺ سے استہزاءً یہ مطالبہ کرتے تھے کہ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ آنا چاہیے جو آپ کی رسالت کی گواہی دے تو اللہ نے آپ کی تائید اور نصرت کے لیے یہ آیت نازل کی اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا' تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اس سے پہلے دیگر کافر قوموں نے بھی اپنے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (الحجر: ۱۱-۱۰)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے اگلے گروہوں میں رسول بھیجے اور ان کے پاس جو بھی رسول آیا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ (الحجر: ۹۵-۹۴)

آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کو علانیہ ذکر فرمائیں اور مشرکین سے اعراض کریں اور بے شک ان مذاق اڑانے والوں کو سزا دینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

اور مکہ کے جو صنادید رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ کا بدلہ لے لیا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سردار نبی ﷺ کو ایذاء پہنچاتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان لوگوں میں اسد بن عبد العزیٰ سے اسود بن المطلب تھا' رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ وہ آپ کا مذاق اڑاتا ہے' آپ نے اس کے خلاف دعا کی: اے اللہ! اس کو اندھا کر دے اور اس کے بچوں کو گم کر دے اور بنو زہرہ میں سے اسود بن عبد یغوث تھا اور بنو مخزوم میں سے ولید بن مغیرہ تھا۔ اور بنو سہم میں سے عاص بن وائل تھا اور خزاعہ میں سے حارث بن طلاطلہ تھا۔ جب ان کی سرکشی بہت بڑھ گئی اور رسول اللہ ﷺ کا یہ لوگ بہت مذاق اڑانے لگے' تو سورۂ حجر کی یہ آیات (۹۵-۹۴) نازل ہوئیں اور جس وقت یہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے' اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور رسول اللہ ﷺ حضرت جبرائیل کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اسود بن المطلب حضرت جبرائیل کے پاس سے گزرا' حضرت جبرائیل نے اس کے منہ پر سبز پتا مارا جس سے وہ اندھا ہو گیا اور اسود بن عبد یغوث گزرا' جبرائیل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو اس کو استسقاء (پیاس) کی بیماری لگ گئی' پانی پی پی کر اس کا پیٹ پھول گیا اور وہ اسی حال میں مرگیا۔ اور ولید بن مغیرہ گزرا' دو سال پہلے اس کے پیر کی ایڑی کے نیچے ایک زخم آیا تھا' کیونکہ وہ بنو خزاعہ کے ایک شخص کے پاس سے گزرا' تو اس کا تیر اس کے تہبند میں گھس گیا جس سے اس کا پیر زخمی ہو گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس زخم کی طرف اشارہ کیا وہ تازہ ہو گیا اور وہ اس کی تکلیف میں مرگیا۔ اور عاص بن وائل سہمی گزرا حضرت جبرائیل نے اس کے پیر کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ طائف جانے کے لیے اپنے گدھے پر سوار ہوا تو اپنے گدھے سے گرا اور اس کے تلوے میں کانٹا چبھ گیا اور اس سے زخم ہو گیا اور اسی تکلیف میں وہ مرگیا۔ اور حارث بن طلاطلہ گزرا' حضرت جبرائیل نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا تو اس کے سر سے پیپ نکلنے لگی اور وہ اسی بیماری میں مرگیا۔

(جامع البیان' جز ۱۴' ص ۹۵-۹۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو نامی گرامی کافر نبی ﷺ پر طعن کرتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے' وہ سب عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر مر گئے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

آپ کہیے کہ تم زمین میں گھومو، پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا

الْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾ قُل لِّمَن مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُل لِّلَّهِ ۚ

ہوا ○ آپ (ان سے) کہیے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہیے کہ

كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا

وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے، اس نے محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے، وہ تم کو ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس

رَيْبَ فِيهِ ۚ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ وَلَهُ مَا

میں کوئی شک نہیں ہے، (مگر) جن لوگوں نے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ رات اور دن میں

سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ

جو بھی سکونت پذیر ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، وہی خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے ○ آپ کہیے کیا میں اللہ

اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا

کے سوا کسی اور کو کارساز بنا لوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں

يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ

جاتا، آپ کہیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ

والوں میں سے نہ ہونا ○ آپ کہیے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ

ڈرتا ہوں ○ جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا اور یہی

الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا

بہت واضح کامیابی ہے ○ اور (اے مخاطب) اگر اللہ تمہیں کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا

هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ

نہیں ہے، اور اگر وہ تمہیں کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اور وہی اپنے

الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

تمام بندوں پر غالب ہے اور وہ بہت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ تم زمین میں گھومو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ (الانعام: ۱۱)

اس آیت کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا اے محمد ﷺ ان مذاق اڑانے والوں اور جھٹلانے والوں سے کہئے کہ تم زمین میں سفر کرو اور تفتیش کرو اور تم سے پہلے کافروں پر تکذیب کی وجہ سے جو عذاب آیا تھا اس کے آثار اور نشانات دیکھو اور اس کے متعلق لوگوں سے خبریں معلوم کرو۔ اس آیت میں تکذیب کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور دین اسلام کی تکذیب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ (ان سے) کہئے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے، وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہئے

کہ وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے۔ وہ تم کو ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے' مگر جن لوگوں نے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۱۲)

الوہیت' رسالت اور قیامت پر دلیل

اس آیت سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق اور مستحق عبادت ہے اور سیدنا محمد ﷺ اس کے رسول برحق ہیں اور قیامت کے دن مخلوق سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور دلیل کی تقریر یہ ہے کہ کفار اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ تمام آسمان اور زمینیں اور ان میں تمام رہنے والے سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ساری مخلوق اللہ کی مملوک ہے اور مملوک پر اپنے مالک کی اطاعت کرنا لازم ہے۔ سو تمام انسانوں پر لازم ہے کہ صرف اس ایک رب کی عبادت کریں' اور اسی کو عبادت کا مستحق مانیں اور عبادت کا طریقہ بتلانے اور اللہ کے احکام پہنچانے کے لیے ایک رسول کا ہونا ضروری ہے' جو دلیل اور معجزہ سے اپنی رسالت کو ثابت کرے اور سیدنا محمد ﷺ نے بکثرت دلائل اور معجزات سے اپنی نبوت و رسالت کو ثابت کیا ہے۔ پھر جو لوگ اللہ کی اطاعت کریں' ان کو اجر دینے کے لیے اور جو نافرمانی کریں ان کو سزا دینے کے لیے ایک دن ہونا چاہیے اور وہ روز قیامت اور روز جزا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی اس کتاب میں لکھ دیا جو اس کے پاس عرش کے اوپر تھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح مسلم' التوبہ' ۱۴(۲۷۵۱) ۶۸۳۶' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۱۹۴' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۷۷۵۰' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۹۵' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۶۰-۲۵۸-۲۴۲' طبع قدیم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر لیا تو اپنی اس کتاب میں لکھا جو اس کے پاس رکھی ہوئی تھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح مسلم' التوبہ' ۱۶' (۲۷۵۱) ۶۸۳۸' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۷۵۰۳' طبع دارالفکر' بیروت)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی کرنے والے مسلمان کو ثواب عطا فرمانے اور اپنے بندہ کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرے اور اللہ کے غضب کا معنی یہ ہے کہ وہ فاسقوں اور نافرمانوں کو عذاب میں مبتلا کرنے اور مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرنا اس کی صفت قدیمہ ہے' جس سے وہ تمام مرادات کا ارادہ فرماتا ہے اور رحمت کی سبقت اور اس کے غلبہ سے مراد یہ ہے کہ رحمت بہت زیادہ اور بہت کثیر افراد کو شامل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ایک سو رحمتیں ہیں۔ جنات' انسانوں' جانوروں اور حشرات الارض میں اس نے (صرف) ایک رحمت رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت اور رحم کرتے ہیں۔ اس رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں پر رحم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں مؤخر کر رکھی ہیں۔ ان کے ساتھ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔

(صحیح مسلم' التوبہ' ۱۹' (۲۷۵۲) ۶۸۴۲' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۹۳)

یہ دنیادار ابتلاء اور دار التکلیف ہے اور اس دنیا میں بھی اللہ کی ایک رحمت سے مسلمانوں کو 'اسلام' قرآن اور نماز کی رحمت حاصل ہوئی' بلکہ تمام شریعت اللہ کی رحمت ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رحمت رکھی جس سے وہ نیکی' صلہ رحمی اور غریب پروری کرتے ہیں تو ان ننانوے رحمتوں کی وسعت اور گیرائی کے متعلق کوئی شخص کیا تصور کر سکتا ہے جو دار آخرت میں حاصل ہوں گی' جو دار القرار اور دار الجزاء ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیدی پیش کیے گئے' قیدیوں میں سے ایک عورت کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ اچانک اس نے قیدیوں میں اپنے بچہ کو دیکھا' اس نے بچے کو اپنے پیٹ سے چمٹالیا اور اس کو دودھ پلایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا نہیں' خدا کی قسم! اگر آگ میں ڈالنا اس کے لیے مقدور ہو تو یہ اپنے بچہ کو کبھی آگ میں نہیں ڈالے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اپنے بچہ پر جس قدر رحم کرنے والی ہے' اللہ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

(صحیح مسلم' التوبہ ۲۲' (۲۷۵۴) ۶۸۴۵' صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۹۹۹)

اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب ماں اپنے بچہ کو آگ میں ڈالنا گوارہ نہیں کرتی تو اللہ اپنے بندوں کو آگ میں ڈالنا کیسے گوارا کرے گا' جبکہ اللہ ماں سے کہیں زیادہ رحیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا اور جن کو آگ میں ڈالے گا' وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ نہیں کہتے۔ کوئی خود کو بتوں کا بندہ کہتا ہے' کوئی اپنے آپ کو سورج' آگ' پیپل اور کوئی گائے کا بندہ کہتا ہے اور کوئی خود کو عیسیٰ اور عزیر کا بندہ کہتا ہے اور کوئی اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہتا ہے مگر بندگی اپنی خواہشات کی کرتا ہے:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ (الفرقان: ۴۳)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنالیا تو کیا آپ اس کی وکالت کریں گے!

ہاں! جو لوگ خود کو اللہ کا بندہ کہلانے میں عار نہیں سمجھتے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں' وہ ان کو آگ میں نہیں ڈالے گا اور ایسے لوگوں سے اگر کبھی انسانی تقاضے سے کوئی لغزش یا اطاعت میں کمی ہو گئی اور انہوں نے پھر توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کر لیا تو اللہ انہیں معاف فرما دے گا اور ان میں سے اگر کوئی بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کے لیے بھی اللہ کی رحمت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے عفو و درگزر کی گنجائش ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کی موت کا وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا' پھر میرے جسم کو پیسنا اور میری راکھ کو سمندر میں ہوا کے اندر اڑا دینا۔ پس بہ خدا اگر میرا رب مجھ پر قادر ہوا تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہو گا؟ اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا تمہارے اس فعل کا محرک کیا تھا؟ اس نے کہا اے میرے رب! تیرا خوف۔ سو اللہ نے اس وجہ سے اس کو بخش دیا۔ (صحیح مسلم' التوبہ' ۲۵' (۲۷۵۶) ۶۸۴۸' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۴۸۱' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۵۵' سنن النسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۰۷۹)

اس حدیث میں ہے کہ اگر بہ خدا میرا رب قادر ہوا تو مجھے ایسا عذاب دے گا۔ (الحدیث) اس پر اعتراض یہ ہے کہ اس شخص کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کی قدرت پر شک تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک کرنا کفر ہے۔ اس اعتراض کے متعدد جواب ہیں۔

۱- اس شخص کے قول میں "قدر" قدرت سے ماخوذ نہیں ہے' بلکہ قضاء قدر کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر میرے رب نے میرے لیے عذاب مقرر کردیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا۔

۲- "قدر" اس قول میں تنگی کرنے کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر میرے رب نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے ایسا عذاب دے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ (الفجر: ۱۶) سو اس پر اس کا رزق تنگ کردیا۔

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (الانبیاء: ۸۷) یونس نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے۔

۳- "قدر" قدرت ہی کے معنی میں ہے۔ لیکن اس شخص نے سوچ سمجھ کر یہ لفظ نہیں کہا اور اس نے جو یہ کہا اگر اللہ عذاب دینے پر قادر ہوا تو اس کو ایسا عذاب دے گا اس کلام سے اس کا یہ قصد اور ارادہ نہیں تھا کہ اس کو اللہ کی قدرت پر شک ہے۔ بلکہ اس نے خوف' دہشت اور سخت گھبراہٹ کی کیفیت میں بغیر تدبر اور تفکر کے یہ الفاظ کہے۔ جیسے کوئی شخص غفلت اور نسیان سے کلمہ کفر کہہ دے تو اس کی تکفیر نہیں کی جاتی' جیسے ایک شخص کو اپنی گم شدہ اونٹنی مل گئی تو اس نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے شدت فرح اور خوشی کے جذبات سے بے قابو ہو کر کہا تھا تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں اسی طرح اس نے غلبہ خوف اور دہشت کی وجہ سے سو یہ الفاظ کہے اور اس سے اس کی تکفیر نہیں ہوتی۔

۴- عربوں کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ یقینی امر کو شک کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سبا: ۲۴) آپ کہئے تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے رزق کون دیتا ہے؟ آپ کہئے اللہ! اور بے شک ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔

اسی طرح اس شخص کو اللہ کی قدرت پر یقین تھا لیکن اس امر کو شک کی صورت میں بیان کیا۔

۵- وہ شخص اللہ تعالیٰ کی صفات سے جاہل تھا اور جو شخص اللہ کی کسی صفت سے جاہل ہو اس کی تکفیر متفق علیہ نہیں ہے۔ امام ابن جریر طبری اس کی تکفیر کرتے ہیں' دیگر ائمہ نے کہا کہ اللہ کی صفت سے جہل کفر نہیں ہے' اس کی صفت کا انکار کفر ہے۔ امام ابوالحسن اشعری نے بھی اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے۔

۶- وہ شخص زمانہ فترت میں تھا اور اس کے لیے صرف توحید کو ماننا کافی تھا' اور صحیح مذہب یہ ہے کہ شریعت نازل ہونے سے پہلے کوئی شخص کسی حکم کا مکلف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (الاسراء: ۱۵) ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔

۷- اس شخص نے خود کو حقیر اور مستحق عذاب قرار دینے کے لیے اور اللہ کی رحمت پر امید رکھتے ہوئے یہ کہا تھا' اس کو اللہ کی قدرت پر شک نہیں تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کے ایک شخص کی روح سے فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ فرشتوں نے پوچھا تم نے کوئی نیکی کی ہے؟ اس نے کہا نہیں! فرشتوں نے کہا یاد کرو۔ اس نے کہا میں لوگوں کو قرض دیتا تھا اور میں نے اپنے نوکروں کو حکم دیا تھا کہ جو تنگ دست ہو اس کو مہلت دینا اور خوش حال پر سختی نہ کرنا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے درگزر کرو۔ حضرت حذیفہ کی ایک اور روایت میں ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس چیز کا میں تم سے زیادہ حقدار

ہوں' میرے بندے سے درگزر کرو۔
(صحیح مسلم' المساقاۃ' ۲۶' (۱۵۶۰) ۳۹۱۷' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۷۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۲۰)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا۔ اس نے راستہ میں کانٹوں کی ایک ٹہنی دیکھی' اس نے اس کو راستہ سے ایک طرف کر دیا' اللہ نے اس کے اس فعل کو مشکور کیا اور اس کو بخش دیا۔ امام مسلم کی دوسری روایت میں ہے اس شخص نے کہا بہ خدا میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹاؤں گا' تاکہ ان کو ایذاء نہ پہنچے۔ تو وہ شخص جنت میں داخل کر دیا گیا۔
(صحیح مسلم' البر والصلۃ' ۱۲۸' ۱۲۷' (۱۹۱۴) ۶۵۴۷' ۶۵۴۶' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۴۷۲' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۶۵' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۸۴' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۵۳۶' مسند الحمیدی' رقم الحدیث: ۱۱۳۴' الموطاء' رقم الحدیث: ۲۹۵' مسند احمد' ج ۲' ص ۵۲۱' طبع قدیم)
راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ایمان کی گھاٹیوں میں سے ہے' خواہ وہ کانٹوں کی ٹہنی ہو' شیشہ کا ٹکڑا ہو' کیلے یا آم کا چھلکا ہو' کوئی گندی چیز ہو یا مردار ہو۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص راستہ میں جا رہا تھا اس کو بہت سخت پیاس لگی' اس نے ایک کنواں دیکھا' اس میں اتر کر پانی پیا۔ پھر وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا ایک کتا پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے کہا اس کتے کو بھی اتنی ہی پیاس لگی ہوئی ہے جتنی مجھے لگی تھی' وہ کنوئیں میں اترا اور اس نے اپنے موزہ میں پانی بھرا' پھر موزہ کے منہ کو بند کر کے کنوئیں سے باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ نے اس کے اس فعل کو مشکور کیا اور اس کو بخش دیا۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے سے بھی ہمیں اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہر زندہ جگر میں اجر ہے۔
(صحیح مسلم' سلام' ۱۵۳' (۲۲۴۴) ۵۷۵۱' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۳۶۳' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۵۰)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زانیہ عورت نے ایک سخت گرم دن میں ایک کتے کو کنوئیں کے گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھا جس نے پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکالی ہوئی تھی' اس عورت نے اپنے موزہ میں اس کے لیے پانی بھرا' تو اس عورت کو بخش دیا گیا۔ (صحیح مسلم' سلام' ۱۵۴' (۲۲۴۵) ۵۷۵۲)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بلی کی وجہ سے ایک عورت دوزخ میں داخل ہو گئی' اس نے اس بلی کو باندھ کر رکھا' اس کو خود کھلایا نہ اس کو آزاد کیا' تاکہ وہ زمین سے کچھ اٹھا کر کھا لیتی۔ حتیٰ کہ وہ بھوک سے مر گئی۔
(صحیح مسلم' التوبہ' ۲۶' (۲۷۵۶) ۶۸۵۰' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۳۶۵' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۸۱' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۵۶' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۸۱۴' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۱۴' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۶۱' ۱۸۱' ۱۵۹' طبع قدیم)
آثار رحمت کی احادیث ذکر کرنے کے بعد ہم نے آخر میں آثار غضب کی بھی ایک حدیث درج کر دی ہے' تاکہ کوئی شخص صرف رحمت پر نظر کرتے ہوئے گناہوں پر بے باک نہ ہو جائے' کیونکہ اگر وہ ایک کتے کو پانی پلانے پر عمر بھر کے گناہ معاف کر کے جنت عطا فرماتا ہے تو ایک بلی کو بھوکا رکھ کر مار دینے پر غضب میں آ کر دوزخ میں بھی ڈال دیتا ہے۔ اس لیے اس کی دونوں صفتوں پر نظر رہے اور ایمان' عذاب کے خوف اور ثواب کی امید کی درمیانی کیفیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رات اور دن میں جو بھی سکونت پذیر ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے' وہی خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ آپ کہئے' کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز بنالوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ آپ کہئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ آپ کہئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں' جس شخص سے اس دن عذاب دور کردیا گیا تو بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا اور یہی بہت واضح کامیابی ہے۔
(الانعام: ۱۶-۱۳)

مغفرت' نجات اور دخول جنت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے نہ کہ اعمال

بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے یہ کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم نے یہ نبوت کا دعویٰ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کیا ہے۔ ہم تمہارے لیے اس قدر مال جمع کردیتے ہیں کہ تم ہم سب سے غنی ہو جاؤ گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ رات اور دن میں جو چیز بھی متحرک ہے یا ساکن' یا جو چیز بھی سکونت پذیر ہے' وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے۔

پھر فرمایا آپ کہئے کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو رب' ناصر اور معبود بنالوں؟ کیا میں آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے کو چھوڑ دوں؟ جو اپنی تمام مخلوق کو رزق دیتا ہے اور وہ اپنی حیات اور بقا میں کسی غذا کا محتاج نہیں ہے۔

اور چونکہ نبی ﷺ اپنی امت میں سب سے سابق ہیں' اس لیے آپ کو سب سے پہلے اسلام لانے کا حکم دیا اور شرک کرنے سے منع کیا۔ پھر فرمایا کہ آپ کہئے اگر میں بھی بالفرض اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس میں امت کے لیے تعریض ہے۔ جب نبی ﷺ جو معصوم ہیں جن کی وجہ سے ان گنت گنہگار بخشے جائیں گے' جب وہ بھی اللہ کی نافرمانی کرنے پر عذاب سے ڈرتے ہیں تو عام مسلمانوں کو اللہ سے کتنا زیادہ ڈرنا چاہیے۔ پھر فرمایا جس شخص سے اس دن عذاب دور کردیا گیا' بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا۔

معتزلہ یہ کہتے تھے کہ نیک مسلمانوں کو اجر و ثواب دینا اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ اس کے مقابلہ میں اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ نیک مسلمانوں کو اجر و ثواب دینا اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور کافروں اور فاسقوں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور یہ آیت اہل سنت کی دلیل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جس شخص سے اس دن عذاب دور کردیا گیا تو بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا' اور یہ کہنا اسی وقت مستحسن ہو گا جب نیک مسلمانوں کو عذاب سے بچانا اللہ کا فضل اور احسان ہو۔ اگر ان کو عذاب سے بچانا اللہ پر واجب ہوتا' تو پھر ان کو عذاب سے بچانا اللہ تعالیٰ کا رحم نہ ہوتا' بلکہ یہ ان کا حق ہوتا۔ اور اللہ پر کسی کا حق نہیں ہے اور اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور نیک مسلمانوں کو عذاب سے بچانا محض اس کا رحم و کرم اور فضل و احسان ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں ہرگز داخل نہیں کرے گا صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں۔ سوائے اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح مسلم' منافقین' ۷۵' ۵ (۲۸۱۶) ۶۹۸۴' صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۴۶۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۰۱' سنن

دارمی' ج ٢' رقم الحدیث: ٢٧٣٣' مسند احمد بتحقیق احمد شاکر' ج ٧' رقم الحدیث: ٧٢٠٢' طبع قاہرہ' مسند احمد' ج ٢' ص ٢٥٦' ٢٣٥' طبع قدیم)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی سزا دینے کے لیے جہنم میں ڈال دیا جائے گا' ان کے جسموں پر آگ کے نشان ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ان کو جنت میں داخل کردے گا' ان کو جہنم سے نجات یافتہ کہا جائے گا۔ (صحیح البخاری' ج ٨' رقم الحدیث: ٧٤٥٥' مسند احمد' ج ٣' ص ٢٠٨' طبع قدیم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس مسلمان کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں' وہ اس مسلمان کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں داخل کردیں گے۔

(صحیح البخاری' ج ٢' رقم الحدیث: ١٢٤٨' سنن نسائی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٨٧٢' سنن ابن ماجہ' ج ١' رقم الحدیث: ١٦٠٥' مسند احمد' ج ٢' ص ٥١٠' طبع قدیم)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل سے سوال کرو' کیونکہ اللہ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور کشادگی کا انتظار کرنا افضل عبادت ہے۔

(سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣٥٨٢)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا کرے' اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا کرے' اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل سے سوال کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم' مسافرین' ٦٨' (٧١٣) ١٣٢٢' سنن ابوداؤد' ج ١' رقم الحدیث: ٤٦٥' سنن نسائی' ج ٢' رقم الحدیث: ٧٢٩' سنن کبریٰ للنسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ١٠٠٠٥' عمل الیوم واللیلۃ النسائی' رقم الحدیث: ٩١' سنن ابن ماجہ' ج ١' رقم الحدیث: ٧٧٢' سنن دارمی' ج ١' رقم الحدیث: ١٣٩٤' ج ٢' ٢٦٩١' مسند احمد' ج ٥' ص ٤٢٥' طبع قدیم)

نبی ﷺ نے استخارہ کی جو دعا تعلیم فرمائی ہے' اس میں ایک جملہ یہ ہے:

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری' ج ٢' رقم الحدیث: ١١٦٢' سنن نسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ٣٢٥٣' مسند احمد' ج ٣' ص ٣٤٤' طبع قدیم)

امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے فرمایا اے قبیصہ تم کس کام سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری ہڈی کمزور ہو گئی ہے' میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسے عمل کی تعلیم دیں جس سے اللہ عزوجل مجھے نفع دے۔ آپ نے فرمایا اے قبیصہ! تم کسی پتھر' درخت یا مٹی کے ڈھیلے کے پاس سے نہیں گزرو گے' مگر وہ تمہارے لیے استغفار کرے گا۔ اے قبیصہ! تم صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تین دفعہ یہ پڑھو "سبحان اللہ العظیم وبحمدہ" تم نابینا ہونے' جذام اور فالج سے محفوظ رہو گے۔ اے

قبیصہ! تم یہ دعا کرو اے اللہ! میں تجھ سے ان چیزوں سے سوال کرتا ہوں جو تیرے پاس ہیں' تو مجھ پر اپنے فضل سے فیضان فرما اور مجھ پر اپنی رحمت بکھیر دے اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل فرما۔ (مسند احمد' ج ۵' ص ۶۰' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' طبع قدیم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرأت سے پہلے جب سکوت کرتے تو اللہ سے اس کے فضل سے سوال کرتے تھے۔ (مسند احمد' ج ۲' ص ۴۴۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' طبع قدیم)

اللہ کے فضل اور رحمت سے دخول جنت کی تحقیق

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقل سے ثواب اور عذاب ثابت نہیں ہوتا اور نہ احکام تکلیفیہ عقل سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تمام امور شرع سے ثابت ہوتے ہیں۔ نیز اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے' تمام جہان اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور دنیا و آخرت میں اس کی سلطنت ہے۔ وہ جو چاہے' کرے۔ اگر وہ تمام اطاعت کرنے والوں اور صالحین کو دوزخ میں ڈال دے تو یہ اس کا عدل ہوگا اور جب وہ ان پر اکرام اور احسان کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا تو یہ اس کا فضل ہوگا اور اگر وہ کافروں پر اکرام کرے اور ان کو جنت میں داخل کر دے تو وہ اس کا بھی مالک ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا اور اس کی خبر صادق ہے اور اس کی خبر کا کذب ہونا محال ہے۔ اس نے یہ خبر دی ہے کہ وہ مومنوں کی مغفرت کر دے گا اور اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرمائے گا' اور یہ اس کا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کو عذاب دے گا اور ان کو ہمیشہ دوزخ میں رکھے گا۔ اس کے برخلاف معتزلہ کہتے ہیں کہ احکام تکلیفیہ عقل سے ثابت ہیں اور نیک اعمال کا اجر و ثواب دینا واجب ہے۔

ہم نے جو احادیث بیان کی ہیں ان میں اہل سنت کی دلیل ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی اطاعت کی وجہ سے جنت کا مستحق نہیں ہے' بلکہ جنت کا مدار عمل پر نہیں محض اللہ کے فضل پر ہے۔ البتہ بعض آیتیں بظاہر معتزلہ کی موید ہیں۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (النحل: ۳۲) ان اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ جو تم کرتے تھے۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الزخرف: ۷۲) اور یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث کیے گئے ہو' ان اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔

یہ آیتیں اور اس نوع کی دوسری آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جنت میں دخول کا سبب نیک اعمال ہیں' لیکن نیک اعمال کی توفیق اور اعمال میں اخلاص کی ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور اپنی رحمت سے ان نیک اعمال کو قبول فرماتا ہے تو حاصل اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ جنت محض عمل سے نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے' اس کی توفیق اور ہدایت نہ ہو تو کوئی نیک عمل کیسے کر سکتا ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک جنت میں دخول کا صوری اور ظاہری سبب ہے اور ایک حقیقی سبب ہے۔ ظاہری اور صوری سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ ان آیتوں میں ظاہری سبب یعنی اعمال کی طرف دخول جنت کی نسبت فرمائی ہے اور جو احادیث ہم نے ذکر کی ہیں' ان میں دخول جنت کی نسبت حقیقی سبب یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کی طرف فرمائی ہے اور عمل کی جو نفی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ دخول جنت کا حقیقی سبب اعمال نہیں ہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ بعض علماء نے کہا جنت میں دخول ایمان کی وجہ سے ہوگا۔ درجات اعمال کی وجہ سے ملیں گے اور جنت میں

دوام مومن کی نیت کی وجہ سے ہوگا' کیونکہ مومن کی نیت ہمیشہ ایمان پر قائم رہنے کی ہوتی ہے' اس لیے اس کو اجر و ثواب بھی ہمیشہ ہمیشہ ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) اگر اللہ تمہیں کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا نہیں ہے' اور اگر وہ تمہیں کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی اپنے تمام بندوں پر غالب ہے اور وہ بہت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے۔ (الانعام: ۱۸-۱۷)

حقیقی حاجت روا' کارساز اور مستعان صرف اللہ تعالیٰ ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا آپ کہئے' کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز بنالوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے' اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی حاجت روا نہیں ہے اور اسی مطلوب پر یہ آیت دلیل ہے کہ اگر اللہ تمہیں ضرر پہنچائے تو اس کے سوا اور کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمہیں نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی مضمون کی یہ آیت ہے:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ ۢ بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (فاطر: ۲)

اللہ رحمت سے لوگوں کے لیے جو چیز کھولے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو وہ روک لے تو اس کے روکنے کے بعد اسے کوئی چھوڑنے والا نہیں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

یہ معنی حدیث صحیح میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نماز کے بعد جو ذکر کرتے تھے' اس میں یہ جملہ ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز کے بعد ذکر کرتے تھے...... اے اللہ! جو چیز تو عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور کوئی طاقتور اپنی طاقت سے تیرے مقابلہ میں نفع نہیں پہنچا سکتا۔ (صحیح مسلم' المساجد' ۱۳۷' (۵۹۳) ۱۳۴۳' صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۶۶۱۵' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۵۰۵' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۳۴۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں سواری پر نبی ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے بیٹے! میں تم کو چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں۔ تم اللہ کو یاد رکھو' اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو' تم اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ اور جان لو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ اگر تمام لوگ تم کو نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۵۲۴' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۰۴' ۲۷۶۳' ۲۶۶۹' طبع قاہرہ' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۸۰۴' ۲۷۶۳' ۲۶۶۹' طبع جدید' دار الفکر' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۰۷' ۳۰۳' ۲۹۳' طبع قدیم' دار الفکر' مسند ابو یعلیٰ' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۵۵۶' المعجم الکبیر للطبرانی' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۱۵۶۰' ۱۱۴۱۶' ۱۱۲۴۳' کتاب الدعا للطبرانی' رقم الحدیث: ۴۱' مسند الشہاب' ۷۴۵' المستدرک' ج ۳' ص ۵۴۱' مصابیح السنہ' ج ۳' ص ۴۴۷' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحدیث: ۴۲۷' مطبوعہ کراچی' مشکوٰۃ المصابیح'

ص ۴۵۳، طبع کراچی)

قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو فقر' مرض' غم اور ذلت کی وجہ سے جو مصیبت اور تکلیف پہنچتی ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا ان مصائب اور شدائد کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور رنج والم کو اس کے سوا کوئی زائل کرنے والا نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی طرح صحت' دولت' عزت اور اولاد کا بھی صرف وہی دینے والا ہے۔ دنیا اور آخرت میں اس کی سلطنت اور فرمانروائی ہے' اسی کا غلبہ اور اسی کی کبریائی ہے' بڑے بڑے بادشاہوں اور جابر حکمرانوں کی گردنیں اسی کے سامنے جھکتی ہیں۔ تمام انبیاء' رسل اور فرشتے اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں' سب اسی سے سوال اور دعا کرتے ہیں۔ وہی سب کا داتا ہے اور سب کی حاجتیں پوری کرتا ہے' وہی کارساز مطلق ہے اور وہی حقیقی حاجت روا ہے۔ اس لیے اسی کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے اور اسی سے مدد طلب کی جائے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں (ہر) ایک شخص کو چاہیے کہ اپنی تمام حاجات میں اپنے رب سے سوال کرے' حتیٰ کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اپنے رب سے اس کا سوال کرے۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۲۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے (ہر) ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی حاجت میں اپنے رب سے سوال کرے' حتیٰ کہ نمک کا بھی اس سے سوال کرے اور جب جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کا بھی اس سے سوال کرے۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۲۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

اگر کسی شخص کی دعا فوراً قبول نہ ہو تو اس کو مایوس ہو کر دعا ترک نہیں کرنی چاہیے' بلکہ مسلسل دعا کرتے رہنا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی اس قدر ہاتھ بلند کر کے اللہ سے سوال کرتا ہے کہ اس کی بغلیں ظاہر ہو جائیں اللہ اس کا سوال پورا کر دیتا ہے۔ جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ! جلدی کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہے کہ میں نے سوال کیا اور میں نے سوال کیا اور مجھے کچھ نہیں دیا گیا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ وہ کہتا ہے میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۱۹' کنز العمال' رقم الحدیث: ۳۲۴۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی اللہ سے کوئی دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ یا تو اس کا مطلوب اسے فوراً دنیا میں دے دیا جاتا ہے یا اس کے لیے آخرت میں اس کا اجر ذخیرہ کیا جاتا ہے یا اس دعا کے بہ مقدار اس کے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ گناہ کی یا قطع رحم کی دعا نہ کرے اور عجلت نہ کرے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ! عجلت کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ کہے میں نے اپنے رب سے دعا کی' اس نے میری دعا قبول نہیں کی۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۷۸' صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۶۳۴۰' صحیح مسلم' (۲۷۳۵) سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۴۸۴' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۴۹۵' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۳۰۰۷' طبع جدید' دارالفکر' بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا ہے' اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ سوال یہ ہے کہ اس سے

عافیت کا سوال کیا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مصائب نازل ہو چکے ہیں اور جو نازل نہیں ہوئے ان سب میں دعا سے نفع ہوتا ہے۔ اے اللہ کے بندو! دعا کیا کرو۔ امام ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند غریب ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۵۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ مصیبتوں کے وقت اس کی دعا قبول کی جائے' اس کو چاہیے کہ راحت کے وقت بہ کثرت دعا کرے۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۳۹۳' المستدرک' رقم الحدیث: ۱۹۹۷)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حیادار' کریم ہے۔ وہ اس سے حیا فرماتا ہے کہ کوئی شخص اس کی طرف ہاتھ اٹھائے اور وہ ان ہاتھوں کو نامراد اور خالی لوٹا دے۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۶۷' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۴۸۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۶۵)

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مصیبت اور ضرر کو دور نہیں کر سکتا' حالانکہ انسان کبھی خود اپنی کوشش سے مصیبت کو دور کر لیتا ہے' کبھی اس کے دوست اور رشتہ دار اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں' انسان بیمار پڑ جاتا ہے تو ڈاکٹر دوا کے ذریعہ اس کی بیماری اور تکلیف کو دور کر دیتا ہے' قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ خصوصاً گناہ گاروں کی شفاعت فرما کر ان سے عذاب کی مصیبت کو دور کریں گے' بلکہ آپ نے دو گنہ گاروں کی قبر پر شاخ کے دو ٹکڑے نصب کر کے ان سے برزخ کا عذاب دور کر دیا۔ (صحیح بخاری' ۲۱۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھ میں' حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی میں اور حضرت زید بن معاذ کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ میں لعاب دہن لگایا اور ان سے دنیا کی تکلیف کو دور کر دیا اور وہ شفایاب ہو گئے۔ (شفاء' ج ۱' ص ۲۱۳) امام بخاری نے بھی حضرت علی کی آنکھوں کی شفا کی حدیث روایت کی ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۷۰۱) نیز امام بخاری نے حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کی حدیث بھی روایت کی ہے۔ (ج ۵' رقم الحدیث: ۴۲۰۶) اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عتیک گئے اور اس مہم میں ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اس طرح درست ہو گئی کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۰۳۹)

ایسے بہ کثرت واقعات ہیں' اسی طرح اولیاء اللہ کی کرامتوں سے بھی لوگوں کی بیماریاں اور ان کے مصائب دور ہو جاتے ہیں اور یہ تمام امور اس آیت کے مخالف ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتی قدرت سے اپنے بندوں کے مصائب اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے' اس کے برخلاف لوگ جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ان کی مشکلات میں کام آتے ہیں اور ان کے مصائب کو دور کرتے ہیں' وہ اللہ کی توفیق اور اس کی دی ہوئی طاقت سے کرتے ہیں اور دواؤں میں شفا کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ وہ محض سبب ہیں شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ چاہے تو بغیر دوا کے شفا دے دے اور اگر وہ نہ چاہے تو کسی دوا سے شفا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام' اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں۔ بیماروں کو شفا دیتے ہیں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرتے ہیں اور تنگ دستوں کو غنی کرتے ہیں اور ان افعال کی ان کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نَقَمُوٓا اِلَّآ اَنۡ اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ (التوبہ: ۷۴)
اور ان کو صرف یہ برا لگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

دیکھئے حقیقت میں غنی کرنے والا صرف اللہ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا" سو معلوم ہوا ایسا کہنا جائز ہے۔ البتہ! یہ اعتقاد ضروری ہے کہ اللہ نے اپنی ذاتی قدرت سے غنی کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے غنی کیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِىۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ (الاحزاب: ۳۷)
اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور آپ نے (بھی) انعام فرمایا۔

ظاہر ہے کہ اللہ منعم حقیقی ہے اور آپ نے اللہ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے انعام فرمایا' مگر اللہ تعالیٰ نے انعام کرنے کی نسبت دونوں کی طرف کی ہے اور حضرت جبرائیل نے حضرت مریم سے کہا

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ (مریم: ۱۹)
(جبرائیل نے) کہا میں تو صرف آپ کے رب کا فرستادہ ہوں' تاکہ میں آپ کو پاک بیٹا دوں۔

حقیقت میں بیٹا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے بیٹا دینے کی نسبت حضرت جبرائیل کی طرف کی ہے' کیونکہ اللہ نے حضرت جبرائیل کو اس کا سبب اور ذریعہ بنایا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے بھی بیٹا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔

(مسند احمد' ج ۴' ص ۱۲۸' ۱۲۷' المعجم الکبیر' ج ۱۸' ص ۲۵۲' مسند البزار' ج ۳' ص ۱۱۳' موارد الظمآن' ص ۵۱۵' المستدرک' ج ۲' ص ۶۰۰' حلیۃ الاولیاء' ج ۶' ص ۸۹' دلائل النبوۃ' ج ۲' ص ۱۳۰' شرح السنہ' رقم الحدیث: ۳۶۲۶' مصابیح السنہ' ج ۴' ص ۳۸)

اور قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کی دعا منظور فرمائے تو ان کی دعا سے بھی اولاد ہو سکتی ہے' لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ اولیاء کرام سے دعا کی درخواست کی جائے' کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا کریں کہ ہمارا فلاں مطلوب پورا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیاء کرام کی ایسی عزت' وجاہت اور مقبولیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور فضل سے ان کی دعا قبول فرما لیتا ہے اور رد نہیں فرماتا۔ اس نے خود فرمایا ہے کہ میں اپنے مقرب بندہ کو جب اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے سوال کو رد نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۰۲' مجملاً)

حدیث میں بھی غنی کرنے کا اسناد اللہ اور رسول دونوں کی طرف کیا گیا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ وصول کرنے کا حکم دیا' آپ کو بتایا گیا کہ ابن جمیل' حضرت خالد بن ولید اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے صدقہ دینے سے منع کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ابن جمیل کو تو صرف یہ بات ناگوار ہوئی ہے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ اور اس کے رسول نے اس کو غنی کر دیا اور رہا خالد تو تم اس پر ظلم کرتے ہو' اس نے اپنی زرہ محفوظ رکھی ہے اور اس کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف کیا ہوا ہے' اور رہے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تو وہ رسول اللہ ﷺ کے عم (محترم) ہیں۔ جتنا صدقہ ان پر واجب ہے ان سے اتنا اور وصول کیا جائے (یعنی ان کے بلند رتبہ کی وجہ سے ان سے دگنی زکوٰۃ وصول کی جائے۔ سعیدی غفرلہ)

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حقیقتاً بلاواسطہ اور بالذات مصائب کو دور کرنے والا اور نعمتیں عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے' تاہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے مقربان حضرت رب العزت' خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ بھی عذاب اور مصائب کو دور کرتے ہیں اور دنیا اور آخرت میں غنی اور شاد کام کرتے ہیں۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ۣ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ

آپ کہیے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے؛ آپ کہیے اللہ، میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ

اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس (تک) یہ پہنچے۔ کیا تم ضرور

لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ۭ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا

یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں؛ آپ کہیے کہ میں گواہی نہیں دیتا۔ آپ کہیے کہ وہ صرف

هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۱۹ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ

ایک مستحق عبادت ہے اور بیشک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو○ جن لوگوں کو ہم نے کتاب

الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا

دی ہے وہ اس (نبی) کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا

اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ ع

سو وہ ایمان نہیں لائیں گے○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے؟ آپ کہئے اللہ' میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس تک یہ پہنچے' کیا تم ضرور یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں؟ آپ کہئے کہ میں گواہی نہیں دیتا۔ آپ کہئے کہ وہ صرف ایک مستحق عبادت ہے اور بے شک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔ (الانعام: ۱۹)

ان لوگوں کی تفصیل جن کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی گئی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اللہ کو آپ کے سوا رسول بنانے کے لیے اور کوئی نہیں ملا؟ ہمیں کوئی شخص نہیں ملا جو آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کرے۔ ہم نے یہود اور نصاریٰ سے آپ کے رسول ہونے کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا ہماری کتابوں میں ان کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ آپ کی نبوت کی گواہی کون دے گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آپ کہئے: کہ کس کی گواہی سب سے بڑی

ہے؟ آپ کہئے' اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے' کیونکہ سب سے بڑی گواہی اللہ سبحانہ کی ہے اور جب وہ اس کو مان لیں تو آپ بتائیں کہ میری نبوت پر اللہ گواہ ہے۔ کیونکہ مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے اور یہ قرآن معجزہ ہے' کیونکہ تم فصحاء اور بلغاء ہو اور تم اس قرآن کا معارضہ کرنے اور اس کی نظیر لانے سے عاجز رہے ہو اور جب یہ قرآن معجزہ ہے تو اللہ تعالیٰ کا اس قرآن کو مجھ پر نازل کرنا میرے دعویٰ نبوت کے موافق ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے نبی ہونے کی شہادت ہے۔ اور یہ اس آیت کا معنی ہے' اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں (اور ان کو) جن تک یہ پہنچے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری طرف سے تبلیغ کرو' خواہ ایک آیت ہو۔ اور بنو اسرائیل سے احادیث بیان کرو' کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۴۶۱' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۷۸' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۴۹۶' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۶۲۵۶)

جن لوگوں کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی گئی' نبی ﷺ نے ان کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے جس ہدایت اور علم کو دے کر مجھے بھیجا ہے' اس کی مثال اس بارش کی طرح ہے جو کسی زمین پر برسی' ان میں سے بعض زمینیں زرخیز تھیں۔ انہوں نے پانی کو قبول کر لیا اور تر اور خشک گھاس کو اگایا اور بعض غیر زرعی زمینیں تھیں' ان میں پانی جمع ہو گیا' اللہ نے ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ انہوں نے پانی پیا' اپنے مویشیوں کو پلایا اور کھیتوں کو پانی دیا اور ایک اور زمین کی قسم پر بارش ہوئی جو بنجر تھی' اس نے پانی جمع کیا' نہ کچھ اگایا۔ یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے جو دین دے کر مجھے بھیجا ہے' اس سے نفع پایا۔ اس نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے اس دین کی طرف بالکل توجہ نہیں کی اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

پہلی مثال کے مصداق ائمہ مجتہدین ہیں' دوسری مثال کے مصداق محدثین ہیں اور تیسری مثال کے مصداق کفار اور منافقین ہیں۔

بعض روایات میں مذکور ہے' جس شخص کے پاس کتاب اللہ کی ایک آیت پہنچ گئی اس کے پاس اللہ کا حکم پہنچ گیا' خواہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے۔ مقاتل نے کہا جن اور انس میں سے جس کے پاس قرآن پہنچ گیا' وہ اس کو ڈرانے والا ہے۔ اور قرطبی نے کہا جس کے پاس قرآن پہنچ گیا گویا کہ اس نے سیدنا محمد ﷺ کو دیکھا اور آپ سے سنا۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۳۱۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابو نعیم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس قرآن پہنچ گیا گویا اس نے مجھ سے بالمشافہ سنا۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے آپ کہئے کہ مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے' تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور ان لوگوں کو جن تک یہ قرآن پہنچے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن لوگوں

تک احکام شرعیہ نہیں پہنچے' ان سے احکام شرعیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام ابو شیخ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی لائے گئے۔ آپ نے پوچھا تم نے ان کو اسلام کی دعوت دی ہے؟ صحابہ نے فرمایا نہیں! آپ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس تک یہ پہنچے نیز یہ آیت بھی اس مطلوب پر دلیل ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (الاسراء: ۱۵)

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں' جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے آپ کہئے کہ وہ صرف ایک مستحق عبادت ہے اور بے شک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے لیے صرف کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت پڑھ لینا کافی نہیں ہے' بلکہ یہ ضروری ہے کہ اپنے پچھلے دین کے باطل ہونے کا اعتراف اور اقرار کرے اور اس سے برائت اور بیزاری کا اظہار کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے' وہ اس (نبی) کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۲۰)

اہل کتاب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچاننا

اس سے پہلی آیت کے شان نزول میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ کفار نے یہ کہا تھا کہ ہم نے آپکی نبوت کے متعلق یہود و نصاریٰ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں ان کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اسکا ایک جواب اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں دیا کہ سب سے بڑی گواہی تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور آپکی نبوت پر اللہ گواہ ہے اور دوسرا جواب اس آیت میں دیا کہ اہل کتاب کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ آپکی نبوت کو نہیں پہچانتے' بلکہ وہ اپنے بیٹوں کو اتنا نہیں پہچانتے جتنا آپکو پہچانتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے بیان کیا کہ اہل کتاب میں سے جو مسلمان ہو چکے تھے' انہوں نے کہا بخدا ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانتے تھے' کیونکہ ہماری کتاب میں آپ کی صفت اور شناخت مذکور ہے اور رہے ہمارے بیٹے تو ہم نہیں جانتے کہ ہماری بیویوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۲۱۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے ہیں' تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے تین ایسی چیزوں کے متعلق سوال کروں گا جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ (۱) قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ اور اہل جنت پہلے کون سا طعام کھائیں گے؟ اور کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ اور کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ابھی ان چیزوں کی جبرائیل نے خبر دی ہے۔ عبداللہ نے کہا فرشتوں میں وہ یہودیوں کا دشمن ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی پہلی علامت ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی' اور اہل جنت جو طعام سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اور بچے کی مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد عورت سے عمل تزویج کرتا ہے تو اگر مرد کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر

عورت کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔ عبداللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر کہا یا رسول اللہ! یہود کو اگر میرے اسلام قبول کرنے کا علم ہو گیا تو وہ مبہوت ہو جائیں گے۔ سو یہود آئے اور عبداللہ گھر میں چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا عبداللہ بن سلام تم میں کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا وہ ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں اور ہم میں سب سے افضل ہیں اور سب سے افضل کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر عبداللہ اسلام لے آئیں تو! انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اس کو اس سے پناہ میں رکھے۔ تب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ان کے سامنے آئے اور کہا "اشھد ان لاالہ الااللہ واشھد ان محمد رسول اللہ" تو انہوں نے کہا یہ ہم میں سب سے بدتر شخص ہے اور سب سے بدتر شخص کا بیٹا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۲۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

ابو حمزہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ آیت نازل کی ہے کہ اہل کتاب آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ بتاؤ! یہ معرفت کیسی تھی؟ حضرت ابن سلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی صفت اور نعت بیان کی ہے' ہم آپ کو اس صفت اور نعت سے پہچانتے تھے۔ جب ہم نے آپ کو تمہارے درمیان دیکھا تو ہم نے آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کو دوسرے لڑکوں کے درمیان پہچان لیتا ہے اور اللہ کی قسم! مجھے سیدنا محمد ﷺ کی معرفت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی' کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس کی ماں کیا کرتی رہی تھی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۱۲۰' مطبوعہ بیروت)

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ معرفت دلائل سے حاصل ہوئی تھی' کیونکہ نبی ﷺ مسلسل غیب کی خبریں بیان فرماتے تھے اور غیب پر مطلع ہونا بدوں وحی کے متصور نہیں تھا۔ نیز آپ سے متواتر معجزات کا ظہور ہو رہا تھا اور سب سے بڑا معجزہ خود قرآن کریم تھا۔ اس لیے جو شخص بھی ان دلائل میں غور کرتا اسے آپ کی نبوت کا عرفان ہو جاتا' اولاد کے نسب کے متعلق کوئی علمی اور عقلی دلیل نہیں تھی اور آپ کی نبوت کے بارے میں بہت دلائل تھے' اور یہ صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہوئی علامات سے آپ کو پہچان لیا تھا۔ کیونکہ اول تو ان کی کتابوں میں تحریف ہو چکی تھی اور ثانیاً وہ علامات شرق و غرب میں پھیلے ہوئے سب یہودیوں کو کب معلوم تھیں کہ وہ آپ کو دیکھتے ہی ان علامات کو آپ پر منطبق کر لیتے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا' وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۲۰)

کفار کے اخروی نقصان کا معنی

یعنی جو لوگ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو پہچانتے تھے' اس کے باوجود انہوں نے عناداً آپ کی نبوت کا انکار کیا۔ اس انکار سے انہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا' کیونکہ ان کو اب دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ خسارہ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے ایک جنت بنائی ہے' تاکہ اگر وہ ایمان لے آئے تو اس کو اس جنت میں داخل کر دیا جائے' اور اس کے لیے ایک دوزخ بنائی ہے' تاکہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے' اور قیامت کے دن کافروں کی جنتیں مسلمانوں کو دے دی جائیں گی اور مسلمانوں کی دوزخیں کافروں کو دے دی جائیں گی اور یہ کافروں کا نقصان ہے کہ اپنی جنتیں ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گی اور اس کے بدلہ میں دوزخیں ملیں گی اور مسلمانوں کو اپنی جنتیں بھی ملیں گی اور وہ کافروں کی جنتوں کے بھی وارث ہوں گے' اس لیے مومنوں کے متعلق فرمایا ہے:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ○ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

وہی وارث ہیں، جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(المؤمنون: ۱۱-۱۰)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک ظالم

لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

فلاح نہیں پائیں گے ○ اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکین سے کہیں گے

اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ

تمہارے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے ○ پھر وہ صرف یہی فتنہ

فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ

اٹھا سکیں گے کہ کہیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے ○ دیکھیے انہوں نے

كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے ○

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کان لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تا کہ وہ

يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ

آپ کی باتیں سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے، اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ

حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا

اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ

قصہ کہانی ہے ○ اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں اور

اِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے' بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔ (الانعام: ۲۱)

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے لگائے ہوئے بہتانوں کی تفصیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے دو ظلم بیان فرمائے ہیں۔ ایک ظلم ہے اللہ پر جھوٹا بہتان لگانا اور دوسرا ظلم ہے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا۔ اللہ پر جھوٹا بہتان لگانے کی تفصیل یہ ہے کہ کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ یہ بت اللہ کے شریک ہیں اور اللہ سبحانہ نے ان کی عبادت کرنے اور ان کے ذریعہ تقرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے' نیز کفار مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے بحیرہ' سائبہ' حامی اور وصیلہ سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیا تھا' اور وہ اس حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ بھی اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ان کی شریعتیں غیر منسوخ ہیں اور ان کے نبیوں کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور خصوصاً یہود یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور دوزخ کی آگ ہمیں صرف چند دن جلائے گی اور ان میں سے بعض جہلاء یہ کہتے تھے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' اور خصوصاً نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے اور اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں' اور یہود و نصاریٰ ان دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا دعویٰ دار تھا کہ ان کے سوا اور کوئی جنت میں نہیں جائے گا اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ پر افتراء اور بہتان ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔

ان کا دوسرا ظلم اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے ثبوت پر اللہ تعالیٰ نے جو معجزات ظاہر فرمائے' یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے ان کو جھٹلا دیا اور قرآن مجید جو نبی ﷺ کی نبوت پر سب سے بڑا معجزہ ہے' باوجود اس کے کہ وہ اس کی نظیر لانے کے چیلنج کو پورا نہیں کر سکے' انہوں نے اس کو کھلا جادو کہا' کبھی شعر و شاعری کہا اور کبھی گزرے ہوئے لوگوں کی داستان کہا اور کبھی کہا یہ محض ان کے تخیلات ہیں۔ انہوں نے اس کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا اور آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے' پھر مشرکین سے کہیں گے تمہارے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے؟ پھر وہ صرف یہی فتنہ اٹھا سکیں گے کہ کہیں: اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ دیکھئے انہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے۔

(الانعام: ۲۴-۲۲)

روز قیامت مشرکین کی ناکامی اور نامرادی

اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کو ملامت کرنے اور ان کی مذمت کرنے کے لیے ان سے سوال فرمائے گا تمہارے وہ شرکاء اور جھوٹے معبود اور پتھر کی مورتیاں کہاں ہیں جن کے متعلق تم دنیا میں یہ زعم کرتے تھے کہ یہ تمہارے کارساز ہیں اور مددگار ہیں اور وہ تمہیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے تمہاری شفاعت کر کے تمہیں عذاب سے چھڑا لیں گے' اب وہ کہاں ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ کیوں دکھائی نہیں دیتے؟ اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

وَ یَوۡمَ یُنَادِیۡہِمۡ فَیَقُوۡلُ اَیۡنَ شُرَکَآءِیَ الَّذِیۡنَ کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ (القصص: ۶۲)

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو ندا کر کے فرمائے گا' میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم (میرا شریک) زعم کرتے تھے۔

وَمَا نَرٰی مَعَکُمۡ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ اَنَّہُمۡ فِیۡکُمۡ شُرَکٰٓؤُا ؕ لَقَدۡ تَّقَطَّعَ بَیۡنَکُمۡ وَ ضَلَّ عَنۡکُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ (الانعام: ۹۴)

ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارش کرنے والوں کو نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم یہ زعم کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں (ہمارے) شریک ہیں' بے شک تمہارا (خود ساختہ) ربط ٹوٹ گیا اور تم دنیا میں جو زعم کرتے تھے وہ ٹوٹ گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن مجید میں جہاں بھی زعم کا لفظ آیا ہے اس کا معنی ہے جھوٹا قول۔

جب اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرنے کے لیے یہ سوال فرمائے گا تو وہ اس کے جواب میں حیران اور پریشان ہوں گے اور کوئی صحیح اور معقول جواب ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا اور اس کے سوا انہیں کوئی بات نہیں سوجھے گی کہ وہ دنیا میں اپنے کیے ہوئے شرک کا انکار کر دیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی مغفرت اور بخشش ہو رہی ہے تو وہ کہیں گے کہ ہم بھی مشرک نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو بخش دے گا اور اس کے نزدیک ان کا کوئی گناہ بھاری نہیں ہو گا۔ جب مشرکین یہ ماجرا دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخش رہا ہے اور شرک کو نہیں بخش رہا' آؤ ہم بھی یہ کہیں کہ ہم گنہ گار ہیں' مشرک نہیں ہیں۔ جب وہ اپنے شرک کو چھپائیں گے تو ان کے مونہوں پر مہر لگ جائے گی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے' اس وقت مشرکین یہ جان لیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکتے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یَوۡمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ عَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰی بِہِمُ الۡاَرۡضُ ؕ وَ لَا یَکۡتُمُوۡنَ اللّٰہَ حَدِیۡثًا ۝ (النساء: ۴۲)

جن لوگوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی' اس دن وہ تمنا کریں گے' کاش! ان پر زمین ہموار کر دی جائے اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔

بعض مفسرین نے کہا یہ آیت منافقین کے متعلق ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا' یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا کیا دوپہر کے وقت جب بادل نہ ہوں تو سورج کو دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا چودھویں رات کو جب بادل نہ ہوں تو کیا چاند کو دیکھنے سے تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تمہیں اپنے رب کو دیکھنے میں صرف اتنی تکلیف ہو گی جتنی تکلیف تم کو سورج یا چاند کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ بندہ سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا' اے فلاں! کیا میں نے تجھ کو عزت اور سرداری نہیں دی؟ کیا میں نے تجھے زوجہ نہیں دی اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا! وہ بندہ کہے گا' کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو یہ گمان کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا ہے' جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسرے بندہ سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا' کیا میں نے تجھ کو عزت اور سیادت نہیں

دی؟ کیا میں نے تجھ کو زوجہ نہیں دی؟ کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے؟ اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا؟ وہ شخص کہے گا کیوں نہیں! اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو یہ گمان کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ تیسرے بندہ کو بلا کر اس سے اسی طرح فرمائے گا۔ وہ کہے گا اے میرے رب! میں تجھ پر' تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا' میں نے نماز پڑھی' روزہ رکھا اور صدقہ دیا اور وہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنی نیکیاں بیان کرے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا ابھی پتا چل جائے گا' پھر اس سے کہا جائے گا ہم ابھی تیرے خلاف اپنے گواہ بھیجتے ہیں' وہ بندہ اپنے دل میں سوچے گا' میرے خلاف کون گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران' اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا' تم بولو! پھر اس کی ران' اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال بیان کریں گی اور یہ اس لیے کیا جائے گا کہ خود اس کی ذات میں اس کے خلاف حجت قائم ہو۔ یہ وہ منافق ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔

(صحیح مسلم' الزہد' ۱۶' (۲۹۶۸) ۷۳۰۳' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۷۳۰)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھئے انہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا مشرکین کا جھوٹ یہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ بتوں کی عبادت ہمیں اللہ کے قریب کر دیتی ہے اور منافقین کا جھوٹ یہ تھا کہ انہوں نے جھوٹے عذر پیش کیے اور اپنے نفاق کا انکار کیا۔

پھر فرمایا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے' یعنی دنیا میں ان کا جو یہ گمان تھا کہ ان کے بت ان کی شفاعت کریں گے وہ باطل ہو گیا۔ یا اللہ کو چھوڑ کر وہ جن بتوں کی عبادت کرتے تھے' وہ ان کے کسی کام نہ آسکے اور ان سے کسی عذاب کو دور نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کان لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں' تاکہ وہ آپ کی باتیں سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے' حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا قصہ کہانی ہے۔ (الانعام: ۲۵)

شان نزول

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب' ولید بن مغیرہ' نضر بن الحارث' عتبہ' شیبہ بن ربیعہ کے دونوں بیٹے' امیہ اور ابی بن خلف۔ رسول اللہ ﷺ کی باتیں کان لگا کر سن رہے تھے تو انہوں نے نضر سے کہا اے ابو قتیلہ (سیدنا) محمد ﷺ کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے میرے اور ان کے کلام سننے کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی ہے' میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ میں صرف ان کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں اور وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں' وہ پچھلے لوگوں کی داستانیں ہیں جیسا کہ میں تمہیں گزرے ہوئے لوگوں کی داستانیں سناتا ہوں۔ اور نضر پچھلے لوگوں کے قصے بہت زیادہ بیان کرتا تھا۔ وہ قریش کو واقعات بیان کرتا تھا اور وہ اس کی باتیں غور سے سنتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(اسباب النزول' ۲۱۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

کفار کے کانوں پر ڈاٹ لگانے پر اعتراضات کے جوابات

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ آپ کی بات سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے اس آیت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اگر ان کے کانوں میں ڈاٹ (گرانی) تھی اور ان کے دلوں پر پردے تھے تو چاہیے تھا کہ وہ کوئی بات نہ سنتے اور کسی بات کو نہ سمجھتے۔ حالانکہ وہ لوگوں کی باتیں سنتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے۔ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ وہ نبی ﷺ کی باتوں کو نہیں سنتے تھے اور نہ سمجھتے تھے تو اس کے معارض اس آیت کا آخری حصہ ہے۔ جس میں فرمایا ہے جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا قصہ کہانی ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کے کلام کو سنتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے' البتہ مانتے نہیں تھے۔

اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ سننے سے مقصود یہ تھا کہ وہ سن کر اس سے نفع حاصل کرتے اور اس پر ایمان لاتے اور سمجھنے سے مقصود یہ تھا کہ وہ اس میں غور و فکر کر کے صحیح نتیجہ نکالتے اور یہ اعتراف کر لیتے کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے اور کوئی انسان اس کی نظیر نہیں لا سکتا اور نبی ﷺ کی نبوت کو مان لیتے اور جب انہوں نے سننے اور سمجھنے کے مقصود کو پورا نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں' تاکہ وہ آپ کی بات سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے' پھر اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ آیت کفار کی مذمت میں وارد ہوئی ہے اور جب ان کے کانوں میں اللہ نے گرانی رکھی ہے اور ان کے دلوں میں اللہ نے پردے ڈال دیئے ہیں تو وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہوئے' پھر ان کی مذمت کی کیا وجہ ہے؟ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب ان کے کانوں میں اللہ نے ڈاٹ لگادی اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تو اب ان کا ایمان لانا ممکن نہیں رہا' پھر ان کو ایمان لانے کا مکلف کرنا کس طرح درست ہوگا؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ: ۲۸۶) — اللہ ہر شخص کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کافروں نے اپنے عناد اور بغض کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایسی شدید گستاخی کی' جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حق کو سننے کے لیے ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی اور حق کو سمجھنے کے لیے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے' جیسا کہ ان آیات سے واضح ہے:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (النساء: ۱۵۵) — بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (المنافقون: ۳) — یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے' پھر انہوں نے کفر کیا' سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

ان کے کانوں میں ڈاٹ لگانے اور دلوں پر پردے ڈالنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ حسی طور پر ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی تھی اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تھے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کفر اور معصیت کو اچھا جاننے اور ایمان اور اطاعت کو برا جاننے کے خوگر اور عادی ہو گئے تھے' کیونکہ اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کرنے اور دلائل میں صحیح طریقہ سے غور و فکر کرنے سے مسلسل اعراض کرنے کی وجہ سے ان میں گمراہی اس قدر راسخ ہو چکی تھی کہ ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں انکار کی ایسی حالت پیدا کر دی جس کی وجہ سے ان میں حق نافذ نہیں ہو سکتا تھا اور ان کے کانوں میں ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ حق بات کو سننا انہیں بہت ناگوار ہوتا تھا اور ان کے دلوں اور کانوں میں اس کیفیت کا پیدا کرنا ان کو کفر اور گمراہی پر مجبور کرنا نہیں تھا' بلکہ انہوں نے اپنے اختیار سے دلائل میں غور و فکر کرنے کی بجائے اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کو جو اختیار کیا تھا' یہ اس کی سزا اور تعزیر تھی' تو چونکہ ہر ممکن اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتا ہے اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ

نے پیدا کیا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی رکھی ہے اور چونکہ اس کو پیدا کرنے کا سبب ان کافروں کا اپنا ارادہ' اختیار اور کسب تھا' اس وجہ سے ان کی مذمت فرمائی اور آیت سے قطع نظر کرکے فی نفسہ ان کا ایمان لانا ممکن ہے' اس لیے ان کو ایمان کا مکلف کرنا بھی صحیح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کا ایمان لانا ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار از راہ تکبر خود کہتے تھے ہم آپ کی بات نہیں سنتے۔ آپ کی باتیں سننے کے لیے ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور آپ کے اور ہمارے درمیان مضبوط پردہ حائل ہے۔

بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○ (حٰم السجدہ: ۵-۴)

بشارت دیتا ہوا اور ڈراتا ہوا' سو اکثر کافروں نے منہ پھیر لیا پس وہ نہیں سنتے ○ اور انہوں نے کہا جس چیز کی طرف تم دعوت دیتے ہو' ہمارے دلوں میں اس کے لیے پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان مضبوط حجاب ہے تو آپ اپنا کام کریں' بے شک ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔

کفار یہ ظاہر کرتے تھے کہ رسول کا کلام ان کے سننے کے قابل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا نہیں بلکہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تم کو ہمارے رسول کا کلام سنایا جائے' تو جس طور سے انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے دلوں پر پردے ہیں' اسی طور سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے کانوں میں ڈاٹ ہم نے لگائی ہے اور تمہارے دلوں پر پردے ہم نے ڈالے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب کافروں نے حق کو سننے اور اس کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے دلائل میں غور و فکر کرنے سے مسلسل اعراض کیا اور اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید پر اصرار کیا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس انکار اور اعراض کی حالت کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی جس کے دل پر پردے ہوں اور اس کے کانوں میں گرانی ہو' سو اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقتاً ان کے دلوں پر اللہ نے پردے ڈال دیئے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق سے ان کی مسلسل روگردانی ایسی ہے جیسے ان کے دلوں پر پردے ہوں اور ان کے کانوں میں گرانی ہو' جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا (لقمان: ۷)

اور جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو اس نے تکبر کرتے ہوئے پیٹھ پھیرلی' گویا اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں گرانی ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ختم اللہ علی قلوبھم کی تفسیر میں' میں نے اس پر مفصل لکھا ہے۔ وہاں پر میں نے صرف پہلے جواب کو زیادہ تفصیل اور وضاحت سے لکھا ہے اور یہاں پر دو مزید جواب ذکر کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں۔ وہ صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (الانعام: ۲۶)

ایمان ابوطالب کی تحقیق

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ کفار لوگوں کو نبی ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کرنے سے

روکتے ہیں اور آپ سے دور بھاگتے ہیں یا وہ لوگوں کو قرآن مجید کے سننے اور اس کو ماننے سے روکتے ہیں اور اس سے دور بھاگتے ہیں اور وہ اس طرز عمل سے صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے۔

اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابوطالب' نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے سے لوگوں کو منع کرتے تھے اور خود آپ کی نبوت پر ایمان لانے اور آپ کی تصدیق کرنے سے دور رہتے تھے' یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے اور ان کے علاوہ قاسم بن مخیمرہ اور عطا بن دینار سے بھی ماثور ہے۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۲۲۹۔۲۲۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے سے مشرکین کو منع کرتے تھے اور خود نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین سے دور رہتے تھے۔ یہ عطا بن دینار اور قاسم بن مخیمرہ کا قول ہے اور مقاتل نے کہا کہ ابوطالب کے پاس نبی ﷺ تشریف فرما تھے' آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو قریش ابوطالب کے پاس جمع ہو گئے اور یہ مطالبہ کیا کہ نبی ﷺ کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں ابوطالب نے چند اشعار پڑھے' جن کا خلاصہ یہ تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ لوگوں سے آپ کا دفاع کرتے ہیں اور خود آپ کی تصدیق سے دور رہتے ہیں۔

(اسباب النزول' ص ۲۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

ان روایات کے مطابق ابوطالب کا ایمان اور اسلام ثابت نہیں ہے اور حسب ذیل احادیث اس کی موید ہیں۔

ابوطالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب کے والد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آ پہنچا' تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ابوطالب کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے چچا! ایک بار "لا الہ الا اللہ" کہو تو میں تمہارے حق میں اسلام کی گواہی دوں گا۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے' اے ابوطالب! کیا تم اپنے باپ عبدالمطلب کی ملت کو چھوڑ رہے ہو' رسول اللہ ﷺ مسلسل ابوطالب کو کلمہ پڑھنے کی تلقین کرتے رہے۔ بہر حال! ابوطالب نے جو آخری الفاظ کہے' وہ یہ تھے میں اپنے باپ عبدالمطلب کی ملت پر ہوں اور "لا الہ الا اللہ" کہنے سے انکار کر دیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہ خدا میں اس وقت تک تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس سے روک نہ دے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ترجمہ) نبی اور مسلمانوں کے لیے مشرکین کی مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں۔ خواہ وہ ان کے رشتہ دار کیوں نہ ہوں جبکہ ان کا جہنمی ہونا معلوم ہو چکا ہو (التوبہ: ۱۱۳) اور ابوطالب کے بارے میں یہ آیت بھی نازل فرمائی (ترجمہ) ہر وہ شخص جس کو آپ چاہیں آپ اس میں ہدایت جاری نہیں کر سکتے۔ البتہ! اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے ہدایت پیدا فرما دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے بخوبی واقف ہے۔ (القصص: ۵۶)

(صحیح مسلم' الایمان' ۳۹' (۲۴) ۱۳۱' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۶۷۵' سنن النسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۳۵' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۳۸۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا "لا الہ الا اللہ" پڑھیں۔ میں قیامت کے دن آپ کے حق میں اس کی گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اگر مجھے قریش کے عار دلانے کا خوف نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ یہ

بے صبری کی وجہ سے مسلمان ہو گیا تو میں کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کر دیتا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے' لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے' ہدایت یافتہ کرتا ہے۔ (القصص: ۵۶)

(صحیح مسلم الایمان' ۴۲' (۲۵) ۱۳۴' صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۷۲' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۱۹۹' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۹۶۸۶' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۶۲۷۰' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۲' ص ۳۴۵-۳۴۴)

حضرت عباس بن عبد المطلب نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ نے اپنے چچا سے کس عذاب کو دور کیا؟ وہ آپ کی طرف سے مدافعت کرتے تھے' آپ کی خاطر غضبناک ہوتے تھے۔ آپ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے آخری طبقہ میں ہوتا۔ (صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۸۸۳' صحیح مسلم' الایمان' ۳۵۷' (۲۰۹) ۵۰۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا' نبی ﷺ کے سامنے ابو طالب کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو نفع پہنچے گا' اس کو تھوڑی سی آگ میں ڈالا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی' جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہو گا۔ (صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۸۸۵' صحیح مسلم' الایمان' ۳۶۰' (۲۱۰) ۵۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے کم دوزخ کا عذاب ابو طالب کو ہو گا' اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہو گا۔

(صحیح مسلم' الایمان' ۳۶۲' (۲۱۲) ۵۰۴' صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۶۵۶۱' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۱۳' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۸۴۱۸' صحیح ابن حبان' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۷۴۷۲)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ قیامت کے دن دوزخ میں سب سے کم عذاب والا وہ شخص ہو گا جس کے پیروں کے تلووں میں دو انگارے ہوں گے' جس سے اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہو گا جس طرح پیتل کی دیگچی میں پانی کھولتا ہے۔ (صحیح مسلم' الایمان' ۳۶۳' (۲۱۳) ۵۰۵' صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۶۵۶۱)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا' آپ کا بوڑھا گمراہ چچا فوت ہو گیا' اس کو زمین میں کون دفن کرے گا؟ آپ نے فرمایا جاؤ' اپنے باپ کو زمین میں دفن کر دو۔ (سنن النسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۰۵)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: کہ ابو طالب فوت ہو گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جا کر اس کو دفن کر دو۔ میں نے عرض کیا وہ مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا جا کر اس کو دفن کر دو۔ جب میں دفن کر کے نبی ﷺ کے پاس واپس آیا تو آپ نے فرمایا غسل کر لو۔

(مسند احمد' ج ۱' ص ۱۳۱' ۱۳۰' ۱۰۳' ۹۷' طبع قدیم' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۲' ص ۳۴۸)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب ابو طالب فوت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس جا کر کہا آپ کا بوڑھا چچا جو کافر تھا' وہ فوت ہو گیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۳' ص ۳۴۸' مطبوعہ کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا قرآن مجید کی آیت اور وہ لوگوں کو (انہیں ایذا پہنچانے سے) منع کرتے ہیں اور خود

ان سے دور رہتے ہیں (الانعام: ۲۶) ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے سے مشرکین کو منع کرتا تھا اور آپ کے لائے ہوئے دین سے دور رہتا تھا۔ (دلائل النبوۃ' ج ۲' ص ۳۴۱' مطبوعہ بیروت)

ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق مفسرین کے مذاہب کی تصریحات

التوبہ: ۱۱۳ کی تفسیر میں علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ امام احمد' امام ابن ابی شیبہ' امام بخاری' امام مسلم' امام نسائی' امام ابن جریر' امام ابن منذر اور امام بیہقی نے مسیب بن حزن سے روایت کیا ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے' اس وقت اس کے پاس ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا اے چچا! لا الہ الا اللہ کہو' میں اللہ کے نزدیک اس کلمہ سے حجت پکڑوں گا ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا اے ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کر رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ اس پر "لا الہ الا اللہ" پیش کرتے رہے اور ابو جہل اور عبداللہ اس کو اس کلمہ کے خلاف بھڑکاتے رہے' آخر میں ابو طالب نے کہا وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے اور "لا الہ الا اللہ" کہنے سے انکار کر دیا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لیے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا' جب تک مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

حسین بن فضل نے یہ کہا ہے کہ ابو طالب کی موت ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی ہے' اور یہ سورت مدینہ میں آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے اس حدیث کو اس آیت کا شان نزول قرار دینا مستبعد ہے۔ علامہ واحدی نے کہا یہ استبعاد خود مستبعد ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ ابو طالب کی موت کے بعد اس کے لیے مسلسل استغفار کرتے رہے ہوں۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ میں یہ آیت نازل ہوئی' کیونکہ کفار کے ساتھ سختی کرنے کی آیات مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوئی ہیں۔ اس تاویل کی بناء پر حدیث کا معنی یہ ہوگا' اس لیے اللہ نے یہ آیت نازل کی' یہ معنی نہیں ہوگا اس کے بعد یہ آیت نازل کی اور فا نزل میں فاسببیت کے لیے ہوگی' نہ کہ تعقیب کے لیے۔ اکثر علماء نے اس توجیہ کو پسند کیا ہے اور یہ ہے بھی عمدہ توجیہ۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام ابن سعد اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابو طالب کی موت کے بعد کئی دن تک نبی ﷺ اس کے لیے استغفار کرتے رہے' حتیٰ کہ جبرائیل اس آیت کو لے کر نازل ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے یہ کہ حدیث ضعیف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ سورۂ توبہ کی یہ آیت مکہ میں پہلے نازل ہوئی ہو اور باقی آیات بعد میں مدینہ میں نازل ہوئی ہوں اور اس سورت کو باعتبار غالب کے مدنی کہا جاتا ہو۔ بہر حال! یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ ابو طالب کفر پر مرا اور یہی اہل سنت و جماعت کا معروف مذہب ہے۔

امام ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ ابو طالب کے مرض الموت میں نبی ﷺ نے اس سے کہا کہ اے چچا! آپ "لا الہ الا اللہ" کہیں تاکہ قیامت کے دن آپ کے لیے میری شفاعت جائز ہو' اور نبی ﷺ نے بہ اصرار ترغیب دی۔ ابو طالب نے کہا بہ خدا! اے بھتیجے! اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ میرے بعد قریش تم پر اور تمہارے باپ کی اولاد پر ملامت کریں گے اور قریش یہ کہیں گے کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ لیتا اور میں صرف تمہاری خوشی کے لیے یہ کلمہ پڑھتا۔ جب ابو طالب پر موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عباس نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹ ہل رہے تھے' انہوں نے کان لگا کر سنا اور حضور سے کہا اے بھتیجے! تم نے اسے جس کلمہ کو پڑھنے کے لیے کہا تھا' اس نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے نہیں سنا۔ (البدایہ والنہایہ'

ج ۳' ص ۱۲۳) اس روایت سے ابوطالب کے جو اشعار حضور کی مدح میں مشہور ہیں' ان سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ابوطالب مومن تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان اشعار کی سند منقطع ہے' علاوہ ازیں ان اشعار میں ابوطالب کے ایمان لانے کی تصریح نہیں ہے۔ رہی یہ روایت تو یہ شیعہ کی روایت ہے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے' علاوہ ازیں اس روایت میں بھی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا "میں نے نہیں سنا"۔

امام بیہقی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے' اور حضرت عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں' اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے ابوطالب کی عاقبت کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ابوطالب کو کیا نفع پہنچایا؟ وہ آپ کی مدافعت کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف روایت اس صحیح حدیث سے تصادم کی قوت نہیں رکھتی۔ (دلائل النبوۃ' ج ۲' ص ۳۴۶)

باقی ابوطالب نے جو رسول اللہ ﷺ کی مدد اور نصرت کی تو وہ دین اسلام کی محبت میں نہیں کی' بلکہ نسب اور قرابت کی وجہ سے کی' اور اعتبار دینی محبت کا ہے' نسبی محبت کا نہیں ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ کے شدید اصرار کے بعد بھی ابوطالب نے ایمان نہ لا کر آپ کو سخت اذیت بھی تو پہنچائی ہے' تاہم ابوطالب کے کفر کے باوجود اس کی اس طرح مذمت نہ کی جائے جس طرح ابوجہل اور دیگر کفار کی مذمت کی جاتی ہے۔ (روح المعانی' جز ۱۱' ص ۳۳-۳۲' مطبوعہ بیروت)

امام رازی شافعی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے لیے استغفار کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے' کیونکہ وہ مشرک تھا۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۱۱۵' طبع قدیم' دار الفکر' بیروت)

حافظ ابن کثیر شافعی نے اس آیت کی تفسیر میں احادیث کے حوالے سے ابوطالب کے ایمان نہ لانے کو بیان کیا ہے۔
(تفسیر ابن کثیر' ج ۳' ص ۴۶۰' مطبوعہ ادارہ اندلس' بیروت)

علامہ قرطبی مالکی نے بھی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۳۱۶-۳۱۵)

علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ کی بھی یہی تحقیق ہے۔
(زاد المسیر' ج ۳' ص ۲۱-۲۰' ۵۰۷' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید' امام مسلم' امام ترمذی' امام ابن ابی حاتم' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب پر موت آنے لگی تو اسکے پاس نبی ﷺ تشریف لے گئے اور فرمایا اے چچا! "لا الہ الا اللہ" کہئے میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے آپکے حق میں گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اگر مجھے قریش کی ملامت کا خدشہ نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے تو میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ (القصص: ۵۶)

بے شک آپ جسے چاہیں اس کو ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے لیکن اللہ جسے چاہے اس کو ہدایت یافتہ کرتا ہے۔

امام بخاری' امام مسلم' امام نسائی' امام احمد اور دیگر ائمہ حدیث نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے' جب نبی ﷺ نے ابوطالب سے اسلام لانے کے لیے شدید اصرار کیا۔ امام ابن مردویہ نے بھی اس روایت کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ علامہ نووی شافعی نے لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر

اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (شرح مسلم' ج ۱' ص ۴۱)

ابوطالب کے اسلام کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ کہنا کہ تمام مسلمانوں کا' یا تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے' صحیح نہیں ہے کیونکہ علماء شیعہ اور ان کے اکثر مفسرین کا یہ نظریہ ہے کہ ابوطالب اسلام لے آئے تھے اور ان کا دعویٰ ہے کہ ائمہ اہل بیت کا بھی اس پر اجماع ہے اور ابوطالب کے اکثر قصائد اس پر شاہد ہیں اور جن کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ علماء شیعہ کے اختلاف اور ان کی روایات کا اعتبار نہیں کرتے۔ تاہم ابوطالب کے اسلام نہ لانے کے قول کے باوجود ابوطالب کو برا نہیں کہنا چاہیے اور نہ اس کے حق میں یاوہ گوئی کرنی چاہیے' کیونکہ اس سے علویوں کو ایذاء پہنچتی ہے اور یہ بعید نہیں ہے کہ اس سے نبی ﷺ کو بھی ایذا پہنچے۔ (روح المعانی' جز ۲۰' ص ۹۷-۹۶' مطبوعہ بیروت)

ابوطالب کے ایمان کے متعلق مصنف کا نظریہ

مذاہب اربعہ کے معروف علماء' فقہاء' مفسرین اور جمہور اہل سنت کا یہ موقف ہے کہ ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں ہے۔ ہم نے عمداً ان تمام تصریحات کا ذکر نہیں کیا' کیونکہ ہمارے لیے یہ کوئی خوشگوار موضوع نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بڑی خواہش تھی کہ ابوطالب ایمان لے آئے۔ لیکن تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہا' یہ بہت نازک مقام ہے' جو لوگ اس مسئلہ میں شدت کرتے ہیں اور ابوطالب کی ابولہب اور ابوجہل کی طرح مذمت کرتے ہیں' وہ رسول اللہ ﷺ کی دل آزاری کے خطرہ میں ہیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی دل آزاری سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں' ہم اس بحث میں صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں ہے اور یہ چیز ہم پر بھی اتنی ہی گراں اور باعث رنج ہے جتنی اہل بیت کے لیے ہے۔ اس سے زیادہ ہم اس بحث میں نہ کچھ لکھنا چاہتے ہیں اور نہ اس مسئلہ کی باریکیوں میں الجھنا چاہتے ہیں۔ بعض علماء اہل سنت نے ابوطالب کے ایمان کو ثابت کیا ہے۔ ہرچند کہ یہ رائے تحقیق اور جمہور کے موقف کے خلاف ہے' لیکن ان کی نیت محبت اہل بیت ہے' اس لیے ان پر طعن نہیں کرنا چاہیے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ

اور (اے مخاطب) کاش تو دیکھتا جب ان (کافروں) کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا، اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں لوٹا

بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا

دیا جائے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب نہ کریں اور مومنوں میں سے ہو جائیں ○ بلکہ ان پر اب وہ حقائق منکشف ہو گئے ہیں

يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ

جن کو وہ پہلے چھپاتے تھے ، اور اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے گئے تو پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا اور بے شک

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ

وہ ضرور جھوٹے ہیں ○ اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی صرف اسی دنیا میں ہے اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے

بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ

جائیں گے ○ اور (اے مخاطب) کاش تو وہ منظر دیکھتا جب ان کو ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا؛ اللہ فرمائے گا

هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا

کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں، اے ہمارے رب! اللہ فرمائے گا پس اب تم اپنے کفر کی وجہ سے

كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

عذاب (کا مزہ) چکھو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) کاش! تو دیکھتا جب ان کافروں کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا' اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش! ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب نہ کریں اور مومنوں میں سے ہو جائیں۔ (الانعام: ۲۷)

قیامت کے دن کافروں کے عذاب کی کیفیت

قرآن مجید میں وقوف کا لفظ ہے' یعنی ان کافروں کو جب دوزخ پر واقف کیا جائے گا۔ اس کا معنی قیام بھی ہے اور جاننا بھی' اس صورت میں اس کے کئی معنی ہیں۔ (۱) وہ دوزخ کے پاس کھڑے ہوں اور دوزخ کا مشاہدہ کر رہے ہوں (۲) دوزخ کے اوپر جو پل صراط ہے' وہ اس کے اوپر کھڑے ہوئے دوزخ کو دیکھ رہے ہوں (۳) وہ دوزخ کے عذاب پر واقف اور مطلع ہوں (۴) ان کو دوزخ میں ڈال دیا گیا ہو اور وہ اس حال میں دوزخ میں کھڑے ہوئے ہوں کہ وہ ہر طرف سے دوزخ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہوں۔

اس آیت میں جزا محذوف ہے اور حاصل معنی یہ ہے کہ اے مخاطب! جب تو یہ دیکھے گا کہ فرشتے کافروں کو دوزخ کے پاس کھڑا کر دیں گے تو تو ان کو اس قدر خوف اور دہشت میں دیکھے گا جس کو منضبط کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت یہ کافر نادم ہوں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انہیں پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے اور پھر ہم اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور مومنوں میں سے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں اور دلیلوں کی تکذیب نہ کریں جو اس کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کی تصدیق پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ اور قیامت پر' فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائیں اور گناہوں سے توبہ کریں اور نیک عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کا رد فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ ان پر اب وہ حقائق منکشف ہو گئے ہیں جن کو وہ پہلے چھپاتے تھے اور اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے گئے تو پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں۔ (الانعام: ۲۸)

یعنی ان کی حالت نہیں بدلے گی اور وہ اسی طرح کفر اور معصیت پر برقرار رہیں گے۔ اب وہ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے دلوں میں جو کفر اور معصیت چھپائی تھی وہ سب قیامت کے دن ظاہر ہو گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (الزمر: ۴۸)

اور ان کی کی ہوئی تمام برائیاں ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ندامت یا تمنا کا صراحتاً رد فرمایا، یعنی اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے گئے تو ان کو جس کفر، عناد، معصیت اور نفاق سے منع کیا گیا تھا، وہ پھر اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ کیونکہ کفر اور عناد ان کی طبیعت میں رچ چکا ہے۔ وہ دنیا کی رنگینیوں اور زیب و زینت کو دیکھ کر ایک بار پھر آخرت کا انکار کر دیں گے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے، حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کی پھر تکذیب کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی صرف اسی دنیا میں ہے اور ہم دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے (الانعام: ۲۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کا صراحتاً رد فرمایا ہے کہ اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا گیا تو وہ پھر دنیا کی لذتوں میں مشغول ہو جائیں گے اور پھر کفر کریں گے، وہ صرف دنیا کی زندگی کا اقرار کریں گے اور آخرت کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ صرف یہی دنیاوی زندگی ہے جس میں ہم زندہ ہیں اور ہم صرف طبعی حیات کو پورا کرتے ہیں۔ اس کے بعد نہ کوئی ثواب ہے نہ عذاب ہے۔ یہ لوگ مادہ پرست اور ملحد ہیں جو غیب پر ایمان نہیں لاتے، ان کا نفس امارہ ان کو کفر، گمراہی اور برے کاموں پر قائم رہنے کا حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) کاش! تو وہ منظر دیکھتا جب ان کو ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، اللہ فرمائے گا کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے، کیوں نہیں؟ اے ہمارے رب! اللہ فرمائے گا پس اب تم اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔ (الانعام: ۳۰)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حشر کے دن کافروں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے گا جس طرح مجرموں کو حاکم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ان سے بازپرس فرمائے گا، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (الصّٰفّٰت: ۲۴) ان کو کھڑا کرو ان سے سوال کیا جائے گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (البقرہ: ۱۷۴) اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا۔

اور اس آیت میں ان سے کلام فرمانے کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بلاواسطہ کلام نہیں فرمائے گا اور اس آیت میں جس کلام فرمانے کا ذکر ہے وہ فرشتوں کے واسطے سے ہے، یا اللہ تعالیٰ ان سے رحمت کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا اور یہ کلام غضب کے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کے واسطے سے ان سے فرمائے گا کہ کیا یہ مر کر دوبارہ اٹھنا حق نہیں ہے، جس کا تم انکار کرتے تھے۔ وہ قسم کھا کر کہیں گے کہ یہ بالکل حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تم اپنے کفر اور تکذیب کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ

بے شک ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا، حتیٰ کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آپہنچے گی تو

بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا ۙ وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ

کہیں گے ہائے افسوس! ہماری اس تقصیر پر جو اس بارے میں ہم سے ہوئی اور وہ اپنی پیٹھوں پر (اپنے گناہوں

أَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ

کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے ، سنو وہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے ○ اور دنیا کی زندگی تو

الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ

صرف کھیل تماشا ہے اور بیشک آخرت کا گھر متقین کے لیے بہت اچھا ہے ، پھر

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ

کیا تم عقل سے کام نہیں لوگے ○ (اے رسولِ مکرم) ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں ان سے آپ غمگین ہوتے ہیں ،

لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ

دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ○ آپ سے پہلے

كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى

بھی کتنے ہی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی سو انہوں نے اس تکذیب اور ایذاء رسانی پر صبر کیا حتی کہ

اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ

ان کے پاس ہماری مدد آپہنچی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے ، اور بیشک آپ کے پاس رسولوں کی

نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ

خبریں آچکی ہیں ○ اور اگر ان لوگوں کی بے اعتنائی آپ پر دشوار ہے تو آپ اگر زمین میں کوئی

اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ

سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کرسکتے ہیں تاکہ ان کے پاس (ان کا مطلوبہ) معجزہ لے آئیں

فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ

(تو لے آئیں!) اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا، (تو اے مخاطب!) تو ہرگز نادانوں

مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۭ وَالْمَوْتٰى

میں سے نہ ہو جانا ○ (دعوتِ اسلام کو) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو توجہ سے سنتے ہیں اور مردہ دلوں کو

النصف

وقف غفران

يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

اللہ اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ○ اور انہوں نے کہا اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ

سے کوئی (مطلوبہ) معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ کہیے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ (ان کا مطلوبہ) معجزہ نازل کر دے، لیکن ان کے

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اکثر لوگ نہیں جانتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا' حتیٰ کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آ پہنچے گی تو کہیں گے' ہائے افسوس! ہماری اس تقصیر پر جو اس بارے میں ہم سے ہوئی اور وہ اپنی پیٹھوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے' سنو! وہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الانعام: ۳۱)

منکرین قیامت کے خسارہ کا بیان

اس آیت میں بھی ان کافروں کے احوال بیان فرمائے ہیں جنہوں نے قیامت کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کیا' ان کا ایک حال یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے نقصان اٹھایا اور دوسرا حال یہ بیان فرمایا کہ وہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اس نقصان کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعضاء جسمانیہ اور عقل و فکر کے ساتھ بھیجا' تاکہ انسان اپنی قوت عملیہ اور قوت عقلیہ سے نفع حاصل کرے' اور وہ نفع ہے اخروی نعمتوں کا اور غیر فانی اجر و ثواب کے حصول کا' اور یہ نفع اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جب کافر اللہ اور اس کے رسول پر اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے تو ان کو اخروی نعمتوں کا نفع حاصل نہیں ہوا' اور کفر اور معصیت کی وجہ سے ثواب کے بجائے عذاب کے مستحق ہوئے۔ ان کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ وہ اپنی پیٹھوں پر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اس نقصان کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی سعادت کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اس کی عبادت میں مشغول رہے اور دنیا کی دلفریبیوں اور عیاشیوں سے خود کو بے تعلق رکھے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے آپ کو باز رکھے اور جو شخص قیامت کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا منکر ہو گا' وہ اخروی زندگی کے لیے کسی زاد راہ کو تیار نہیں کرے گا۔ اس کے برعکس وہ شہوت اور غضب کے تقاضوں میں ڈوب کر اپنے گناہوں کے بوجھ میں اضافہ کرتا رہے گا۔ حتیٰ کہ جب اس کے پاس قیامت آ پہنچے گی تو وہ کہے گا' ہائے افسوس! میری اس تقصیر پر جو قیامت کے متعلق مجھ سے ہوئی' درآنحالیکہ وہ اپنی پیٹھ پر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو گا اور وہ کیسا برا بوجھ ہے۔

روز قیامت کو ساعت اور اللہ سے ملاقات کا دن فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں قیامت کو ساعت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قیامت ایک ساعت میں واقع ہو گی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حساب و کتاب بھی ایک ساعت میں ہو گا گویا قیامت ایک ساعت حساب ہے۔

اس آیت میں قیامت کے دن کو اللہ سے ملاقات کا دن فرمایا ہے' کیونکہ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے غضب کے آثار کا ظہور ہو گا۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ بندوں کو مہلت اور ڈھیل دیتا ہے اور ان کے گناہوں اور سرکشی پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ (یونس: ۱۱)

اور اگر اللہ لوگوں کو سزا دینے میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ بھلائی کی طلب میں کرتے ہیں' تو ان کی مدت عمل ختم کی جا چکی ہوتی (مگر یہ اللہ کا طریقہ نہیں ہے) لہٰذا جو لوگ ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے' وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دنیا میں مہلت اور ڈھیل دی' تاکہ لوگ اللہ سے ملاقات کرنے کو یاد کریں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے اور اس کے سامنے پیش ہوں گے تو وہ اپنے گناہوں اور سرکشی کے متعلق کیا عذر پیش کریں گے۔ اس لیے انہیں زندگی میں مہلت دی گئی کہ کسی بھی لمحہ وہ اس ملاقات کے دن کو یاد کر کے اپنی معصیت اور سرکشی سے باز آ جائیں اور توبہ کرلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ (البقرہ: ۲۲۳)

اور اللہ سے ڈرو اور یقین رکھو کہ تم ضرور اس سے ملاقات کرنے والے ہو۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (الجاثیہ: ۳۴)

اور ان سے کہہ دیا جائے گا آج کے دن ہم تم پر رحم نہیں کریں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن کو یاد رکھنے کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ سے ملاقات کے شوق میں نیک عمل کرے' تاکہ اس دن اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت فرمائے اور محبت کے ساتھ اس سے کلام کرے اور اس کو اپنے دیدار سے نوازے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے' اللہ (بھی) اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے' اللہ (بھی) اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا آپ کی کسی اور زوجہ نے کہا ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے۔ البتہ جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ عزوجل کے راضی ہونے اور اس کے کرم کرنے کی بشارت دی جاتی ہے۔ تو اس وقت اس کو آخرت کے سفر میں آگے جانے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی۔ سو وہ اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے' اور کافر پر جب موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کو آخرت کے اگلے سفر سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں ہوتی' سو وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۰۷' صحیح مسلم' الدعا الذکر' ۱۷ (۲۶۸۵) ۶۷۰۰' سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۶۸' سنن النسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۸۳۴' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۵۶)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تمہارا خیال ہے وہ بات نہیں ہے لیکن جب پتلیاں اوپر کی طرف چڑھ جائیں اور جب سانس سینہ میں اکھڑنے لگے اور جسم پر لرزہ طاری ہو اور انگلیوں میں تشنج ہو جائے' اس وقت جو اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو اس وقت اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خوشی اور ناخوشی نزع روح کے وقت معتبر ہوتی ہے۔ اس وقت ہر انسان کو یہ خبر دے دی جاتی ہے کہ اس کا کیا انجام ہے؟ اور آخرت میں اس کے لیے کیا تیار کیا گیا ہے؟ اور اس کا اخروی ٹھکانہ اس کے لیے منکشف کر دیا جاتا ہے۔ نیک لوگ موت کو اور اللہ سے ملنے کو پسند کرتے ہیں' تاکہ ان انعامات کی طرف منتقل ہو جائیں جو ان کے لیے تیار کیے گئے ہیں اور اللہ بھی ان کو پسند کرتا ہے تاکہ ان پر اپنا انعام اور اکرام فرمائے اور بدکار لوگ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں کیونکہ ان کو پتا چل جاتا ہے کہ ان کو عذاب کی طرف دھکیلا جائے گا اور اللہ بھی ان سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اور ان کو اپنی رحمت اور اپنے عفو و کرم سے دور رکھتا ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں عمرو بن قیس سے روایت کیا ہے کہ مومن جب اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کا نیک عمل حسین صورت اور نفیس خوشبو میں اس کا استقبال کرے گا اور اس سے کہے گا' کیا تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا نہیں' البتہ تمہاری خوشبو بہت نفیس ہے اور تمہاری صورت بہت حسین ہے۔ وہ کہے گا' تم بھی دنیا میں اسی طرح تھے' میں تمہارا نیک عمل ہوں' میں دنیا میں بہت عرصہ تم پر سوار رہا' آج کے دن تم مجھ پر سواری کرو اور یہ آیت پڑھے گا جس دن ہم متقین کو رحمٰن کی طرف بطور وفد جمع کریں گے (مریم: ۸۵) اور کافر کا عمل نہایت بری صورت اور بدبو کے ساتھ اس کا استقبال کرے گا' اور اس سے کہے گا تو دنیا میں اسی طرح تھا' میں تیرا برا عمل ہوں۔ تو دنیا میں بہت عرصہ مجھ پر سوار رہا' آج میں تجھ پر سواری کروں گا۔ پھر یہ آیت پڑھے گا اور وہ اپنی پیٹھوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ سنو وہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الانعام: ۳۱) (جامع البیان' جز ۷' ص ۲۳۶ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دنیا کی زندگی تو صرف کھیل تماشا ہے' اور بے شک آخرت کا گھر متقین کے لیے بہت اچھا ہے' پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے۔ (الانعام ۳۲)

آیات سابقہ سے مناسبت اور وجہ ارتباط

جو لوگ قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر تھے' ان کے نزدیک دنیا اور اس کی رنگینیاں' دلفریبیاں اور دنیا کی راحتیں اور لذتیں بہت بڑی چیز تھیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دنیا کا خسیس اور گھٹیا ہونا اور اس کا رکیک اور بے وقعت اور بے مایہ ہونا بیان فرمایا اور چونکہ یہ دنیا آخرت کی سعادتوں اور کامیابیوں کا وسیلہ اور زینہ ہے' اس لیے اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً دنیا کی زندگی مذموم نہیں ہے' بلکہ کافر کی زندگی مذموم ہے اور مومن چونکہ نیک اعمال کے ساتھ زندگی گزارتا ہے' اس لیے اس کی زندگی لہو و لعب نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور دنیا کی زندگی مطلقاً لہو و لعب ہے اور دنیا سے مراد دنیا کی لذتیں اور راحتیں ہیں اور جس طرح انسان کھیل تماشے میں مشغولیت سے جب فارغ ہوتا ہے تو وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ اگر اس وقت کو کسی نیکی کے کام میں گزارا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا' اسی طرح دنیا کی لذتوں سے جب انسان فارغ ہوتا ہے تو وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ اگر یہ وقت کسی عبادت میں صرف کیا ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔

دنیا کی زندگی کو لہو و لعب قرار دینے کی وجوہات

دنیا کی زندگی کو لہو و لعب قرار دینے کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

۱- لہو و لعب کی مدت کم ہوتی ہے اور بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی بھی کم ہوتی ہے اور جلد ختم ہو جاتی ہے۔
۲- لہو و لعب عموماً کسی فریب پر مبنی ہوتا ہے' اسی طرح انسان دنیا کی زندگی کو بھی کسی فریب کے سہارے گزارتا ہے۔
۳- عموماً بچے اور نادان اور غافل لوگ لہو و لعب میں اشتغال کرتے ہیں اور سنجیدہ اور فہمیدہ لوگ لہو و لعب میں زیادہ مشغول نہیں ہوتے۔ اسی طرح دنیا کی لذتوں اور دلفریبیوں میں بھی جاہل اور غافل لوگ مشغول رہتے ہیں اور جو عقل مند اور زیرک لوگ ہوتے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کی لذتیں فانی ہیں۔ لہٰذا وہ فانی کی بہ نسبت باقی رہنے والی نعمتوں کے حصول کی جدوجہد میں مشغول رہتے ہیں۔

دنیا کے بے وقعت ہونے کے متعلق احادیث

حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن ابی الدنیا متوفی ۲۸۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواروں کی ایک جماعت میں جا رہا تھا' اچانک آپ ایک جگہ سے گزرے جہاں بکری کا (مردہ) بچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ جب اس کے مالکوں نے اس کو پھینکا ہو گا تو یہ ان کے نزدیک بے وقعت ہو گا۔ صحابہ نے کہا اس کے بے وقعت ہونے کی وجہ سے ہی انہوں نے اس کو پھینک دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ جس قدر یہ بکری کا مردہ بچہ اپنے مالکوں کے نزدیک بے وقعت ہے' اللہ عزوجل کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہے۔

(موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا' ج ۲' ذم الدنیا' رقم الحدیث: ۲' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۲۸' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۴۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۱۱' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۸۰۳۵' دارالفکر' طبع جدید' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۸۸' ج ۴' ص ۲۲۹' ۲۳۰' ۲۳۶' دارالفکر' طبع قدیم)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(ذم الدنیا' رقم الحدیث: ۴' صحیح مسلم' الزھد ۱ (۲۹۵۶) ۷۲۸۳' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۳۱' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۶۸۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۱۳' مسند احمد' ج ۲' ص ۱۹۷' ۳۲۳' ۳۸۹' ۴۸۵' طبع قدیم' کتاب الزھد لاحمد' ص ۳۷)

محمد بن منکدر اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا ملعونہ ہے' اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے ماسوا اس کے جو اللہ کے لیے ہو۔ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے' ماسوا اللہ کے ذکر کے اور ذکر کرنے والوں کے اور ماسوا عالم یا متعلم کے۔

(ذم الدنیا' رقم الحدیث: ۷' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۲۹' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۱۲' حلیۃ الاولیاء' ج ۳' ص ۱۵۷)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرے گا' وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا۔ سو تم باقی رہنے والی چیز کو فانی ہونے والی چیز پر ترجیح دو۔ (ذم الدنیا' رقم الحدیث: ۸' مسند احمد' ج ۴' ص ۴۱۲' طبع قدیم' المستدرک' ج ۴' ص ۳۰۸)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے۔ (ذم الدنیا' ۹' کتاب الزھد لاحمد)

مالک بن دینار بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابوالحسن! ہمارے لیے دنیا کی حقیقت بیان کریں۔ آپ نے فرمایا دنیا کی جو چیزیں حلال ہوں گی ان کا حساب لیا جائے گا اور جو چیزیں حرام ہوں گی ان پر دوزخ کا

عذاب ہو گا۔ (ذم الدنیا' ۱۷' مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہ خدا مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں ہے' لیکن مجھے تم پر یہ خوف ہے کہ تم پر دنیا اس طرح کشادہ کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کر دی گئی تھی' سو تم دنیا میں اس طرح رغبت کرو گے جس طرح انہوں نے رغبت کی اور تم اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح وہ ہلاک ہو گئے تھے۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۱۵۸' صحیح مسلم' الزھد ۶' (۲۹۶۱) ۷۲۹۱' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۷۰' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۹۹۷' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۳۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے' جس کے نشان آپ کی جلد پر نقش ہو گئے تھے۔ میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' اگر آپ ہم کو اجازت دیں تو ہم چٹائی کے اوپر کوئی چیز بچھا دیں جس سے آپ کی جلد محفوظ رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا مطلب ہے؟ میری اور دنیا کی مثال یہ ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے سائے میں بیٹھے' پھر سائے کو ترک کر کے سفر شروع کر دے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۸۴' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۰۹' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۰۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے اس طرح حیا کرو جس طرح حیا کرنے کا حق ہے۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! الحمد للہ ہم حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے لیکن اللہ سے حیاء کرنے کا حق یہ ہے کہ تم سر اور اس کے نچلے حصہ کی حفاظت کرو اور پیٹ اور اس کے نچلے حصہ کی حفاظت کرو اور موت اور جسم کے بوسیدہ ہونے کو یاد رکھو اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے' وہ دنیا کی زینت کو ترک کر دیتا ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے اللہ سے اس طرح حیاء کی جو حیاء کرنے کا حق ہے۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۶۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۵۹)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا مقصود دنیا ہو' اللہ اس کے حالات دگرگوں کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے فقر کر دیتا ہے اور دنیا سے اس کو وہی چیز ملتی ہے جو اس کے لیے مقدر ہوتی ہے اور جس شخص کی نیت آخرت ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کے حالات مجتمع کر دیتا ہے اور اس کا دل مستغنی کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۰۵' اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تمام تفکرات کو صرف آخرت کا حصہ بنا دیا' اللہ اس کو دنیا کے افکار سے کافی ہو گا اور جس شخص کے تمام افکار دنیا کے حالات کے متعلق ہوں' اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۰۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر ہو یا راستہ پار کرنے والے ہو اور اپنے آپ کو اہل قبور میں سے شمار کرو۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۴۰' صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۴۱۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۱۴' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۶۹۸' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۳' ص ۳۶۹)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ کافر کو اس سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۲۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۱۰' حلیۃ الاولیاء' ج ۳' ص ۳۰۴' ج ۸' ص ۲۹۰)

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس کو میں کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دنیا میں بے رغبتی کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے پاس جو چیزیں ہیں' ان سے بے رغبتی کرو' تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۰۲' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دنیا جانے والی ہے اور آخرت آنے والی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے فرزند ہیں۔ سو تم آخرت کے فرزند بنو' دنیا کے فرزند نہ بنو۔ آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہو گا اور عمل نہیں ہو گا۔
(صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب فی الامل وطولہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی' پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور قیامت تک واقع ہونے والی کسی چیز کو نہیں چھوڑا' مگر اس کی ہم کو خبر دی' اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور اس کو بھلا دیا جس نے بھلا دیا اور آپ کے ارشادات میں یہ بھی تھا کہ دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور اللہ تم کو دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے' پھر وہ دیکھنے والا ہے کہ تم کیا کرتے ہو' سنو! تم دنیا سے پرہیز کرو اور عورتوں سے پرہیز کرو (مسلم کی روایت میں ہے) کیونکہ بنو اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں میں برپا ہوا تھا' اور آپ کے ارشادات میں یہ بھی تھا کہ جس شخص کو حق کا علم ہو جائے تو لوگوں کا دباؤ اس کو حق بیان کرنے سے باز نہ رکھے۔ حضرت ابو سعید رونے لگے اور کہا ہم نے کئی چیزوں کو دیکھا اور ہم دباؤ میں آ گئے۔ (الحدیث)

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۹۸' صحیح مسلم' الذکر والدعاء ۹۹' (۲۷۴۲) ۶۸۱۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۰' صحیح ابن حبان' ج ۸' رقم الحدیث: ۳۲۲۱' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۱۶۹)

حضرت قتادہ بن النعمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے بچاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص استسقاء کے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔
(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۴۴' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۳۸۵۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۴۴۲)

دنیا کے مال کو انسان اگر عیش و عشرت اور ناجائز خواہشات کو پورا کرنے میں صرف کرے تو پھر دنیا اور دنیا کا مال مذموم ہے اور ان احادیث کا یہی محمل ہے اور اگر دنیا کے مال و دولت کو دین کی سربلندی' تبلیغ دین' اسلام کی نشر و اشاعت اور ضرورت مندوں کی مدد پر صرف کرے اور حج اور عمرہ کرے' قربانی' زکوٰۃ اور صدقات ادا کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرے اور نیکی اور خیر کے راستوں میں مال کو خرچ کرے' تو پھر دنیا کا مال و دولت بہت مبارک اور مستحسن ہے۔

نیکی کی راہ میں صرف کرنے کی نیت سے مال دنیا کا استحسان

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف دو شخصوں پر حسد (رشک) کرنا مستحسن ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن دیا ہو اور وہ دن رات قرآن کے ساتھ قیام کرتا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ دن رات اس مال کو (نیکی میں) خرچ کرتا ہو۔

(صحیح مسلم' مسافرین' ۲۶۶' (۸۱۵) ۱۸۶۳' صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۵۲۹' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۴۳' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۸۰۷۲' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۰۹' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۶۱۲' دارالفکر' طبع

جدید' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۸۵' دار الفکر' طبع قدیم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صرف دو شخصوں پر حسد (رشک) کرنا مستحسن ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کو حق کے راستوں پر خرچ کرتا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے حکمت (علم دین) عطا کی ہو' اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور تعلیم دیتا ہو۔

(صحیح مسلم' مسافرین' ۲۶۸' (۸۱۷) ۱۸۶۶' صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۳' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۵۸۴۰' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۰۸' مسند احمد' ج ۱' ص ۴۳۲' ج ۲' ص ۱۳۳' ۸۸' ۳۶' ۹' ج ۴' ص ۱۰۵' طبع قدیم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اصحاب ثروت اور دولت مند لوگ بلند درجات اور دائمی نعمتوں کو لے گئے۔ آپ نے فرمایا وہ کس وجہ سے؟ انہوں نے کہا وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں' اور روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں' اور وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کرسکتے۔ اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کرسکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس کی وجہ سے تم ان کے درجات کو پالو' جنھوں نے تم پر سبقت کی ہے اور اس کی وجہ سے تم اپنے بعد والوں پر بھی سبقت کرو گے اور تم سے کوئی شخص افضل نہیں ہو گا' ماسوا اس کے جو تمہاری طرح اس کام کو کرے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ' اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھو۔ فقراء مہاجرین پھر دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا' ہمارے مال دار بھائیوں کو بھی ان تسبیحات کا پتا چل گیا؟ اور وہ بھی ہماری طرح یہ تسبیحات پڑھنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم' مسافرین' ۱۴۲' (۵۹۵) ۱۳۲۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و دولت کو اللہ کا فضل قرار دیا اور اس کی تائید اس آیت کریمہ میں بھی ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ: ۱۰)

پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ اور ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ مال مسجد کے بالمقابل بیرحاء تھا (یہ مسجد کے سامنے بنو جدیلہ کا محلہ تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں خوش ذائقہ پانی پیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے' جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو۔ (آل عمران: ۹۲) تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کرسکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو اور میرے نزدیک میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحاء ہے اور یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔ میں اللہ کے پاس اس کی نیکی اور ذخیرہ کی امید رکھتا ہوں۔ یا رسول اللہ! آپ اس کو جہاں چاہیں صرف کریں۔ آپ نے فرمایا چھوڑو یہ مال نفع آور ہے' یہ مال نفع آور ہے۔ تم نے اس کے متعلق جو کہا وہ میں نے سن لیا' اور میری رائے یہ ہے کہ تم یہ مال اپنے رشتہ داروں کو دے دو۔ پھر حضرت ابوطلحہ نے بیرحاء کو اپنے رشتہ داروں اور عم زادوں میں تقسیم کردیا۔

(صحیح مسلم' زکوٰۃ' ۴۲' (۹۹۸) ۲۲۷۸' صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۶۱' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۰۶۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم نے عرض کیا' یارسول اللہ! انس آپ کا خادم ہے۔ آپ اس کے حق میں اللہ سے دعا کیجئے' آپ نے دعا کی۔ اے اللہ! اس کے مال اور اولاد کو زیادہ کر اور اس کو جو کچھ عطا فرمائے' اس میں برکت دے۔

(صحیح مسلم' فضائل صحابہ' ۱۴۱' (۲۴۸۰) ۶۲۵۵' صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۳۳۸' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۸۵۳)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطا فرمارہے تھے' میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھ سے زیادہ محتاج کو دیجئے' حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے مال عطا فرمایا۔ میں نے عرض کیا مجھ سے زیادہ ضرورت مند کو دیجئے۔ آپ نے فرمایا اس کو لے لو' جب تمہارے پاس مال آئے در آنحالیکہ تم اس پر حریص ہو' نہ اس کا سوال کر رہے ہو تو اس مال کو لے لو اور جو مال اس طرح نہ ہو اس کے درپے نہ ہو۔

(صحیح مسلم' زکوٰۃ' ۱۱۰' (۱۰۴۵) ۲۳۶۷' صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۷۳' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۰۸)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ نے مجھے عطا فرمایا میں نے پھر سوال کیا' آپ نے مجھے پھر عطا فرمایا' میں نے پھر سوال کیا آپ نے مجھے پھر عطا فرمایا پھر آپ نے فرمایا یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے۔ جو شخص اس مال کو استغناء نفس سے لے گا' اس کو اس مال میں برکت دی جائے گی اور جو شخص حریص ہو کر اس مال کو لے گا' اس کو برکت نہیں دی جائے گی اور وہ اس شخص کی طرح ہو گا جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

(صحیح مسلم' الزکوٰۃ ۹۶' (۱۰۳۵) ۲۳۴۹' صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۷۲' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۷۱' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۵۳۱' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۲۳۱۰' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۵۳۲۷' صحیح ابن حبان' ج ۸' رقم الحدیث: ۳۲۲۰' المعجم الکبیر' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۰۸۰' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۲۰۰۴۱' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۴' ص ۱۹۶)

دنیا کی محبت مطلقاً مذموم نہیں ہے

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مطلقاً مال دنیا مذموم نہیں ہے۔ البتہ اگر مال دنیا کو ناجائز خواہشات کے پورا کرنے میں خرچ کیا جائے تو یہ لائق ملامت اور مستوجب عذاب ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے محبت کرنا اور ان سے دل لگانا بھی مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔

امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی چیزوں سے عورتوں اور خوشبو کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۳۹۴۹' مسند احمد' ج ۳' ص ۲۸۵' ۱۹۹' ۱۲۸' طبع قدیم)

بلکہ ممنوع اور مذموم یہ ہے کہ انسان دنیا کے حصول کو ہی مقصد حیات سمجھ لے' جبکہ مقصود آخرت ہے اور دنیا اس کے حصول کا وسیلہ اور اس تک پہنچنے کا زینہ ہے یا بندہ دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل ہو جائے۔ انسان اپنے لیے' اپنے ماں باپ اور اپنے اہل و عیال کے لیے رزق حلال کی جستجو کرتا ہے اور اپنے رشتہ داروں اور دیگر انسانوں کے ساتھ جو الفت اور محبت کے ساتھ پیش آتا ہے اور ملک و قوم کی فلاح کے لیے اور انسانیت کی خدمت کے لیے جو دنیا میں تگ و دو کرتا ہے' اور کارنامے انجام دیتا ہے ان تمام کاموں میں حسن نیت کی بناء پر اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کے مطابق اجر و ثواب ملے گا اور یہ تمام کام اطاعات اور عبادات میں شامل ہیں اور جس وجہ سے دنیا

کی مذمت کی گئی ہے' یہ کام اس میں داخل نہیں ہیں۔

لہو ولعب کے معنی کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف لہو ولعب ہے۔ اس لیے ہم لہو ولعب کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لہو کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس چیز میں مشغولیت کی وجہ سے انسان اپنے مقصود سے غافل ہو جائے' اس کو لہو کہتے ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت مثلاً عورتوں اور بچوں کو بھی لہو و لعب کہا جاتا ہے' کیونکہ ان میں مشغولیت کی وجہ سے انسان اپنے مقصود سے غافل ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ (التکاثر: ۱-۲)

مال جمع کرنے کی حرص نے تمہیں اس قدر غافل کر دیا کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (المنافقون: ۹)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور اولاد کی مشغولیت تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (النور: ۳۷)

وہ مرد جنہیں تجارت اور خرید و فروخت کی مشغولیت' اللہ کی یاد' نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی' وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ جائیں گے۔

ان آیات میں اولاد' مال و دولت اور تجارت میں مشغول ہونے سے مطلقاً منع نہیں فرمایا' بلکہ اس حد تک اشتغال سے منع فرمایا ہے' کہ انسان نماز اور دیگر عبادات سے غافل ہو جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دیگر آیات میں تجارت اور مال جمع کرنے کی اجازت دی ہے:

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (الحج: ۲۸)

(وہ حج کے لیے آئیں گے) تاکہ اپنے فائدے کے مقامات پر حاضر ہوں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ: ۱۹۸)

(حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(المفردات' ص ۴۵۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۶۲ھ)

لعب کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

لعب اصل میں لعاب ہے' یہ لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب منہ سے لعاب بہنے لگے اور جب کسی شخص کا فعل بغیر قصد کے واقع ہو تو اس کو لعب کہتے ہیں۔ (المفردات' ص ۴۵۰' مطبوعہ ایران)

علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

لعب کا معنی ہے مذاق میں کوئی کام کرنا۔ حدیث میں ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا سامان بطور مذاق سنجیدگی سے نہ لے' یعنی وہ اس کا سامان اس کو تنگ کرنے کے لیے لیتا ہے اور چوری کا ارادہ نہیں کرتا' لیکن اس کو اذیت پہنچانے کا سنجیدگی سے ارادہ کرتا ہے۔ سو ایسا نہ کرے اور جو شخص لغو اور بے فائدہ کام کرے' اس کو بھی لعب کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے ہم سمندر میں

سفر کر رہے تھے' جب موجیں جوش سے اٹھ رہی تھیں اور ایک ملاح تک موجیں ہمارے ساتھ لعب کرتی رہیں' یعنی موجوں نے ان کو اس طرف نہیں جانے دیا جس طرف وہ جانا چاہتے تھے۔ (النہایہ' ج ۴' ص ۲۵۳-۲۵۴' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۷ھ)

اردو میں لہو و لعب کا ترجمہ کھیل تماشے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ہم نے لہو کا جو معنی بیان کیا ہے' اس کا خلاصہ ہے غافل کرنا اور لعب کا خلاصہ ہے بے مقصد اور بے فائدہ کام' اور کھیل اور تماشہ عموماً لغو اور بے فائدہ ہوتا ہے اور اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے انسان عبادات اور کئی اہم کاموں سے غافل ہو جاتا ہے' اس لیے کھیل اور تماشے کو لہو و لعب کہتے ہیں۔

کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کے احکام

ہر کھیل تماشا مطلقاً ممنوع اور حرام نہیں ہے' بلکہ جو کھیل تماشا کسی غیر شرعی امر پر مشتمل ہو' مثلاً غیر محرم مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہو یا اجنبی مرد عورتوں کے سامنے یا اجنبی عورتیں مردوں کے سامنے مثلاً کرکٹ کھیلیں یا ٹینس کھیلیں یا رقص کریں یا کسی کھیل میں کھیلنے والوں کا ستر کھلا رہے تو ایسے کھیل ممنوع ہیں یا جس کھیل میں جانبین سے شرط لگائی جائے کہ جو فریق بھی کھیل میں ہار گیا' وہ جیتنے والے کو اتنی رقم دے گا' یا فلاں چیز دے گا یا فلاں چیز کھلائے گا۔

یا کسی کھیل میں اس قدر اشتغال کیا جائے جس سے فرائض اور واجبات ترک ہو جائیں تو وہ کھیل جائز نہیں ہیں۔

امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لہو صرف تین چیزوں میں ہے۔ کسی شخص کا اپنے گھوڑے کو سدھانا' کسی شخص کا اپنی بیوی سے دل لگی کرنا اور کسی شخص کا تیر اندازی کرنا۔

(سنن النسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ۳۵۸۰' سنن ابو داؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۱۳' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۴٦)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حبشی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں کھیل رہے تھے' حضرت عمر داخل ہوئے اور انہوں نے ایک کنکری اٹھا کر انہیں ماری۔ آپ نے فرمایا اے عمر ان کو چھوڑ دو۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۹۰۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲٦۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے اور حبشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے۔ آپ مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے تھے' لیکن میں ان کے کھیل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہے' حتیٰ کہ میں خود واپس مڑی۔ سو تم اندازہ کرو کہ ایک کم عمر کھیل کی شوقین لڑکی نے کتنی دیر کھیل دیکھا ہو گا۔

(صحیح مسلم' عیدین' ۱۸' ۱۷' (۸۹۲) ۲۰۳۰' ۲۰۲۹' صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۵۰' السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۷۹٦)

حدیث میں ہے کہ عید کے دن حبشی مسجد میں آکر رقص کر رہے تھے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ علماء نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ حبشی اپنے ہتھیاروں کے ساتھ اچھل کود رہے تھے' اور اپنے جنگی آلات کے ساتھ کھیل رہے تھے' اور ان کا یہ کھیل رقص کے مشابہ تھا' کیونکہ اکثر روایات میں ہتھیاروں کے ساتھ کھیلنے کا ذکر ہے۔ اس لیے اس حدیث کی ایسی تاویل کی جائے گی جو باقی احادیث کے موافق ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ' حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت زید سے فرمایا تم میرے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) ہو تو وہ ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگے اور حضرت جعفر سے فرمایا تم میری صورت اور سیرت کے مشابہ ہو تو وہ حضرت زید کے پیچھے ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگے۔ پھر مجھ سے فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو میں حضرت جعفر کے پیچھے ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگا۔

(مسند احمد' ج ۱' ص ۱۰۸' مطبوعہ دار الفکر' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۵۷' طبع دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد' ج ۱' ص ۵۳۷' طبع قاہرہ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت علی کی روایت سے مسند احمد میں ہے۔ اسی طرح الباقر کی مرسل روایت میں ہے کہ حضرت جعفر نبی ﷺ کے گرد چکر لگانے لگے۔ نبی ﷺ نے فرمایا یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے حبشیوں کو دیکھا ہے' وہ اپنے بادشاہوں کے سامنے اس طرح کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ نجاشی جب اپنے اصحاب میں سے کسی سے خوش ہوتا تو اس کے گرد کھڑے ہو کر ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگتا۔ حدیث میں حجل کا لفظ ہے۔ اس کا معنی ہے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر ہیئت مخصوصہ کے ساتھ رقص کرنا اور حضرت علی کی حدیث میں مذکور ہے کہ تینوں نے اس طرح رقص کیا۔

(فتح الباری' ج ۷' ص ۵۰۷' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک عورت کو ایک انصار کے مرد سے زفاف (شادی) کے لیے تیار کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! کیا تمہارے پاس کوئی لہو (کھیل) ہے؟ کیونکہ انصار کو لہو اچھا لگتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۱۶۲' مطبوعہ بیروت)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

عامر بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت قرظہ بن کعب اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک شادی میں گیا۔ وہاں بچیاں گا رہی تھیں۔ میں نے کہا آپ دونوں رسول اللہ ﷺ کے بدری صحابی ہیں اور آپ کے سامنے یہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ بیٹھ کر گانا سنو اور چاہو تو چلے جاؤ' ہمیں شادی کے موقع پر لہو کی اجازت دی گئی ہے۔ (سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۳۸۳' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابولہب کی بیٹی کے خاوند بیان کرتے ہیں کہ جب ابولہب کی بیٹی کی شادی ہوئی تو ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کیا کوئی لہو (کھیل) ہے؟

(مسند احمد' ج ۳' ص ۶۷' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۷۰۹' طبع قاہرہ' المعجم الکبیر' ج ۲۲' رقم الحدیث: ۶۵۹' ص ۲۵۸' مجمع الزوائد' ج ۴' ص ۲۸۹)

علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور علامہ ابن حجر نے التعجیل میں اس کی تصویب کی ہے۔

(مسند احمد' ج ۱۳' ص ۹۶' مطبوعہ قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

نبی ﷺ نے گھوڑے سواری کا مقابلہ کرایا' پیدل دوڑ کا مقابلہ کرایا' آپ نے خود بہ نفس نفیس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ

لیا' اسی طرح آپ نے رکانہ سے کشتی بھی کی۔ ان تمام حدیثوں کو ہم نے صحاح اور سنن کے حوالہ سے (شرح صحیح مسلم' ج ٦' ص ٦٣١-٦٣٩ میں) بیان کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لہو و لعب مطلقاً ممنوع نہیں ہے اور جب کوئی کھیل کسی غیر شرعی امر پر مبنی نہ ہو' نہ اس میں شرط لگائی جائے' نہ اس سے کوئی عبادت ضائع ہو تو غرض صحیح سے مناسب حد تک اس کا کھیلنا جائز ہے اور جب کسی کھیل میں زیادہ دلچسپی لینے کی وجہ سے انسان عبادات سے غافل ہو جائے' تو وہ ممنوع اور مذموم ہے۔

انسان کی صحت اور جسم کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے مناسب حد تک کھیل اور ورزش مستحسن ہیں۔ بعض لوگ کرسی پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں' ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا' جس سے ان کی توند نکل آتی ہے اور خون میں کلسٹرول کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ لوگ ذیابیطس' ہائی بلڈ پریشر' دل کی بیماریوں مثلاً انجائنا' معدہ کا ضعف' گیس اور السر وغیرہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے جائز کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظان صحت کے لیے نہایت ضروری ہے' ہم اس سے پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے مسلمانوں کی کرکٹ ٹیم کی کامیابی کے لیے وظیفہ بتایا تھا۔ دیکھئے شمع شبستان رضا' حصہ سوم' ص ٥٠-٤٨

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں ان سے آپ غمگین ہوتے ہیں' دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (الانعام: ٣٣)

شان نزول اور مناسبت

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جنگ بدر کے دن اخنس بن شریق اور ابوجہل کی ملاقات ہوئی' اخنس ابوجہل کو اس جگہ لے گیا جہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ابوجہل سے کہا اے ابوالحکم! مجھے یہ بتاؤ کہ (سیدنا) محمد ﷺ صادق ہیں یا کاذب؟ کیونکہ یہاں پر میرے اور تمہارے سوا قریش کا اور کوئی فرد نہیں ہے جو ہماری باتیں سن رہا ہو۔ ابوجہل نے کہا تم پر افسوس ہے' بہ خدا (سیدنا) محمد ﷺ البتہ ضرور صادق ہیں اور (سیدنا) محمد ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا' لیکن جھنڈا' کعبہ کی دربانی اور زمزم کی سبیل پہلے ہی بنو قصی کے پاس ہیں۔ اگر نبوت بھی وہ لے گئے تو قریش کے پاس کیا باقی بچے گا' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے' یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

ناجیہ بن کعب بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے نبی ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے' لیکن آپ جو چیز لے کر آئے ہیں' ہم اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

(جامع البیان' ج ٧' ص ٢٤٠' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ' اسباب النزول' ص ٢١٩' ٢١٨)

مقاتل نے بیان کیا کہ یہ آیت حارث بن عامر کے متعلق نازل ہوئی ہے' جو لوگوں کے سامنے نبی ﷺ کی تکذیب کرتا تھا اور جب گھر والوں کے ساتھ تنہا ہوتا تو کہتا (سیدنا) محمد ﷺ جھوٹوں میں سے نہیں ہیں اور میرے نزدیک وہ صرف سچے شخص ہیں۔ (اسباب النزول' ص ٢١٩' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اس سے پہلی آیتوں میں کفار کا رد کیا جا رہا تھا اور اس آیت میں بھی ان کا رد ہے۔ پہلے ان کفار قریش کا رد کیا جو توحید' نبوت اور قیامت کا انکار کرتے تھے۔ پھر ان کافروں کا رد کیا جو سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا اس لیے انکار کرتے تھے کہ آپ بشر تھے

اور فرشتہ نہ تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے، تب بھی ہم اس کو انسان کی صورت میں ہی بھیجتے اور تم پر پھر اشتباہ ہو جاتا اور اس آیت میں ان کافروں کا رد فرمایا ہے جو نبی ﷺ کو اپنی باتوں سے ایذاء پہنچاتے تھے۔ بعض آپ کو جھوٹا کہتے تھے۔ بعض آپ کو جادوگر کہتے تھے اور بعض شاعر یا کاہن یا مجنون کہتے تھے۔

نبی ﷺ کی تسلی کی آیات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو کفار کی تکذیب اور ان کی دوسری دل آزار باتوں کی وجہ سے تسلی دی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں، ان سے آپ غمگین ہوتے ہیں۔ دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے، یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی اور کئی آیتوں میں بھی نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح تسلی دی ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکہف: ۶)

اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لائے تو کہیں فرط غم سے آپ ان کے پیچھے جان دے دیں گے۔

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر: ۸)

ان پر حسرتوں کی وجہ سے آپ کی جان نہ چلی جائے۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا (المزمل: ۱۰-۱۱)

کافروں کی باتوں پر صبر کیجئے اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیجئے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو مجھ پر چھوڑ دیجئے اور ان کو تھوڑی سی مہلت دیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ سے پہلے بھی کتنے ہی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی، سو انہوں نے اس تکذیب اور ایذا رسانی پر صبر کیا، حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آپہنچی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آچکی ہیں۔ (الانعام: ۳۴)

اس آیت میں نبی ﷺ کو دوبارہ تسلی دی گئی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ مخالفوں اور کافروں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنا انبیاء سابقین علیہم السلام کا طریقہ ہے اور نبی کو چاہیے کہ ان کی بے ہودہ باتوں سے اعراض کرے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: ۳۵)

سو آپ صبر کیجئے جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا۔

اس قسم کی آیات سے نبی ﷺ کو بار بار تسلی دینے اور صبر کی تلقین کرنے کی حکمت یہ ہے کہ صبر کرنے سے مصائب کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے اور صبر کے اندر رحمت کے نزول اور کشادگی کے حصول کی بشارت ہے:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الانشراح: ۵-۶)

کیونکہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آچکی ہیں، یعنی ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء سابقین کو لوگوں نے جھٹلایا اور انہوں نے ان کے جھٹلانے پر صبر کیا اور بالآخر رسولوں کے پاس اللہ کی مدد آپہنچی۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن: ۵۱)

بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں ضرور مدد فرمائیں گے اور (آخرت میں) جس دن

گواہ کھڑے ہوں گے۔

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصفت: ١٧٣-١٧١)

ہم اپنے ان (مقرب) بندوں سے جو رسول ہیں یہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ یقیناً وہی مدد کیے ہوئے ہیں اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے۔

اور جو بات اللہ پہلے فرما چکا ہے اس کا کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ان لوگوں کی بے اعتنائی آپ پر دشوار ہے تو اگر آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کر سکتے ہیں' تاکہ ان کے پاس (ان کا مطلوبہ) معجزہ لے آئیں (تو لے آئیں!) اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا (تو اے مخاطب!) تو ہرگز نادانوں میں سے نہ ہو جانا۔ (الانعام: ٣٥)

شان نزول

بعض آثار میں ہے کہ حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف قریش کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کوئی نشانی لائیے جیسا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام نشانیاں لاتے تھے۔ پھر ہم آپ کی تصدیق کریں گے' اللہ تعالیٰ نے ان کی مطلوبہ نشانیاں عطا فرمانے سے انکار فرمایا۔ تو انہوں نے نبی ﷺ سے منہ پھیر لیا' نبی ﷺ پر ان کا اعراض کرنا بہت دشوار ہوا' کیونکہ آپ ﷺ اپنی قوم کے ایمان لانے پر بہت حریص تھے' اور وہ جب بھی کسی نشانی کا مطالبہ کرتے تو ان کے ایمان لانے کی طمع میں آپ کی یہ شدید خواہش ہوتی کہ وہ نشانی (معجزہ) نازل کر دی جائے' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی' جز ٧' ص ١٣٨' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

زمین میں سرنگ بنانے اور آسمان پر سیڑھی لگانے کے معانی اور توجیہات

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کو ان لوگوں کا کفر بہت دشوار معلوم ہوتا ہے اور ان کی تکذیب بہت گراں محسوس ہوتی ہے اور اس سے آپ کو بہت رنج پہنچتا ہے تو اگر آپ زمین میں سرنگ بنا کر اس میں داخل ہونے پر قادر ہوں یا سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھنے پر قادر ہوں' تو آپ ایسا کر لیں اور اگر آپ اس پر قادر نہیں ہیں تو پھر آپ پر لازم ہے کہ آپ ان کے خلاف غم و غصہ کو برداشت کریں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور آپ کی نبوت اور دین اسلام کی حقانیت پر جو دلائل قائم کیے ہیں' صرف ان سے استدلال کریں اور جن لوگوں میں غور و فکر کرنے کی اہلیت ہے ان کو اس کی طرف متوجہ کریں اور جو اپنی عقل سے کام لینے کے بجائے ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہیں' ان کی پروا نہ کریں۔

اس آیت کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اگر آپ کے خیال میں ان کے ایمان لانے کے لیے آپ کا زمین میں سرنگ بنا کر چلے جانا یا آسمان پر سیڑھی لگا کر چلے جانا کافی ہے تو آپ ایسا کر لیں' اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ اگر آپ زمین میں سرنگ بنا کر چلے جائیں یا آسمان پر سیڑھی کے ذریعہ چڑھ کر ان کا مطلوبہ معجزہ لا سکیں تو آپ ایسا کر لیں' اور اس کی تائید ان آیتوں سے ہوتی ہے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ○ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ○ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا

اور کافروں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو' پھر آپ اس میں بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں' یا جیسا کہ آپ نے کہا

اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِیْلًاۙ اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۠ (بنو اسرائیل: ۹۳-۹۰)

آپ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں' یا آپ اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں' آپ کا سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے آسمان پر چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے' حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں۔ آپ کہئے: میرا رب پاک ہے' میں صرف ایک بشر ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے دعویٰ نبوت کے صدق پر بطور برھان اور معجزہ قرآن مجید نازل فرمایا اور یہ چیلنج کیا کہ اس میں نہ ردوبدل ہو سکتا ہے' نہ اس کی کوئی نظیر لا سکتا ہے اور جب تمام دنیا اس چیلنج سے عاجز ہو گئی اور قرآن مجید کا معجزہ ہونا خوب ظاہر ہو گیا اور کفار کے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش نہیں رہی' تو وہ لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے طرح طرح کی نشانیاں طلب کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں نبی ﷺ سے یہ کہلوایا کہ آپ کہئے کہ میں صرف بشر اور رسول ہوں۔ یعنی میرا کام اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ وہ میں نے پہنچا دیا اور میری نبوت پر کسی شخص کے اطمینان اور یقین کے لیے جس قدر معجزات اور نشانیاں ضروری ہو سکتی تھیں' وہ سب میرے رب نے ظاہر فرما دی ہیں۔ اب یہ کافر حیل و حجت اور ہٹ دھرمی کے لیے عجیب و غریب معجزات طلب کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے مطلوبہ معجزات اس لیے عطا نہیں فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی نشانی نہیں نازل فرماتا جس کے بعد عقل کی آزمائش کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کافروں کی پوری قوم کسی معجزہ کی طلب پر اصرار کرے اور اس معجزہ کے ظہور کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے اور نبی ﷺ کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ اب ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا' چنانچہ فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان کو عذاب دے درآنحالیکہ آپ ان میں موجود ہیں۔

معجزہ نبی کے اختیار میں ہے یا نہیں؟

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں کسی نشان اور معجزہ کو ظاہر کرنا نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ کسی نشانی اور معجزہ کو ظاہر فرما دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو نبی ﷺ اپنی کوشش سے کسی معجزہ کو ظاہر نہیں کر سکتے اور یہ بالکل برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو قدرت دی ہے اور اختیار عطا فرمایا ہے' لیکن اس قدرت اور اختیار کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں قادر و مختار ہیں' حتیٰ کہ جس کام کو اللہ نہ کرنا چاہے آپ اس کو کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں نہ یہ کہنا مطلقاً درست ہے کہ کوئی معجزہ نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ تمام معجزات نبی ﷺ کے اختیار میں ہیں۔ قرآن مجید نبی ﷺ کا معجزہ ہے' لیکن اس کا نزول آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے قرآن مجید کی آیات نازل فرماتا ہے۔ اسی طرح غیب کی خبریں دینا آپ کا معجزہ ہے' لیکن یہ آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غیب پر مطلع فرماتا ہے تو آپ غیب کی خبریں دیتے ہیں اور بعض معجزات آپ کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام غزالی سے نقل کیا ہے کہ بعض خصائص کی وجہ سے نبی عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور ان خصائص میں سے یہ ہے کہ جس طرح عام انسانوں کے اختیار میں افعال عادیہ ہوتے ہیں' اسی طرح نبی کے اختیار میں افعال غیر

علویہ (معجزات) ہوتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۶۷، طبع لاہور، احیاء العلوم ج ۵ ص ۵۳، طبع بیروت)

نبی ﷺ نے اپنے لعاب دہن سے کئی بیماروں کو شفا عطا فرمائی۔ (الشفاء، ج ۱، ص ۲۱۴-۲۱۲) آپ نے پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں سے فوارے کی طرح پانی جاری ہو گیا۔ (صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۹) معرکہ بدر میں جب جنگ کی شدت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کی طرف پھینکی اور تین مرتبہ شاہت الوجوہ فرمایا۔ اللہ کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے اور وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ (روح المعانی، ج ۹، ص ۱۸۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کے ایک تھپڑ مارا اور ان کی آنکھ نکل گئی (صحیح البخاری، ج ۲، رقم ۱۳۳۹)

نبی ﷺ نے ایک شخص کے متعلق فرمایا ابو خیثمہ ہو جا وہ شخص جو کوئی بھی تھا، وہ ابو خیثمہ ہو گیا۔ (صحیح مسلم، التوبہ، ۵۳، (۲۷۶۹) ۶۸۸۳) اس قسم کے معجزات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان معجزات کو نبی ﷺ کی قدرت اور اختیار میں دے دیا تھا۔

جبراً ہدایت نہ دینے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان کو جبراً مومن بنانا چاہتا تو ان سب کو مومن بنا دیتا، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے اور اس کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ اس نے دنیا میں خیر اور شر دونوں چیزوں کو پیدا کر دیا ہے اور شر کی ترغیب کے لیے شیطان کو پیدا کیا اور خیر کی تحریص کے لیے انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا اور انسان کے اندر بھی خیر اور شر کے دو محرک پیدا کیے۔ پھر انسان کو عقل سلیم عطا کی، اب وہ خارجی اور داخلی تحریکات میں سے جس سے بھی متاثر ہو کر جو راستہ بھی اختیار کرتا ہے، خیر اور شر میں سے جس راہ پر چلنے کا فیصلہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ از خود اس پر کوئی راستہ مسلط نہیں کرتا اور چونکہ خیر یا شر بندہ میں اسی کے اختیار میں پیدا کی جاتی ہے، اس لیے اس اختیار کی وجہ سے اس کو جزاء یا سزا دی جاتی ہے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کو یہ بتایا گیا ہے کہ کفار مکہ کو ہدایت پر لانے کے لیے تمام دلائل کھول کھول کر بیان کیے جا چکے ہیں اور بہت سے معجزات اور نشانیاں دی جا چکی ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنی گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اب ان کو ہدایت پر لانے کی صرف یہی صورت رہ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں جبراً ہدایت پیدا کر دے، لیکن یہ اللہ عزوجل کا طریقہ نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا کرنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ از خود تمام انسانوں کو ہدایت یافتہ بنا دیتا۔ پھر کسی نبی اور رسول کو بھیجنے کی ضرورت ہوتی نہ کتاب اور صحائف نازل کرنے کی اور نہ معجزات اور نشانیاں پیش کرنے کی حاجت ہوتی اور رشد و ہدایت کا یہ حکمت پر مبنی نظام اور مربوط سلسلہ عبث اور بے کار ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (دعوت اسلام کو) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو توجہ سے سنتے ہیں اور مردہ دلوں کو اللہ اٹھائے گا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (الانعام: ۳۶)

کفار کو مردہ فرمانے کی توجیہ

جو لوگ آپ کی دعوت اور تبلیغ سے منہ موڑ رہے ہیں اور اللہ کی توحید اور آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لا رہے، ان کے ایمان نہ لانے اور اعراض کرنے سے آپ دل برداشتہ اور مغموم نہ ہوں، کیونکہ آپ کے پیغام کو وہی لوگ توجہ سے سنیں گے جن کے کانوں کو اللہ عزوجل نے غور سے سننے کے لیے کھول دیا ہے اور ان کے لیے آپ کی اتباع کو آسان کر دیا ہے اور وہ لوگ

آپ کے پیغام کو توجہ سے نہیں سنیں گے' جن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے۔ سو جب آپ انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلائیں گے تو ان پر کوئی اثر نہیں ہو گا' جس طرح مویشی اپنے چرواہوں کی آوازوں کو سنتے ہیں اور ان کے مفہوم کو نہیں سمجھتے' سو یہی ان کا حال ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۚ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (البقرہ: ۱۷۱)

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص ایسے کو پکارے جو چیخ و پکار کے سوا کچھ نہ سنے' بہرے گونگے' اندھے ہیں' سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو موتی (مردہ) فرمایا ہے' کیونکہ جس طرح مردے کوئی آواز سنتے ہیں نہ کسی پکار کا معنی سمجھتے ہیں' اسی طرح یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور و فکر نہیں کرتے اور نہ اس کی نشانیوں سے عبرت اور نصیحت حاصل کرتے ہیں' تاکہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب اور مخالفت سے باز آجائیں۔ قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی ان کو مردہ فرمایا ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (النمل: ۸۱-۸۰)

بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ بہروں کو سناتے ہیں' جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ راست پر لانے والے ہیں' آپ صرف ان ہی کو سناتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لانے والے ہیں' سو وہی مسلمان ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ (فاطر: ۲۲)

بے شک اللہ سناتا ہے جسے چاہے اور آپ قبر والوں کو سنانے والے نہیں ہیں۔

ان کافروں کی آنکھیں تھیں لیکن ان کو اندھا فرمایا' ان کے کان تھے پھر بھی ان کو بہرہ فرمایا اور ان کی زبان تھی' اس کے باوجود ان کو گونگا فرمایا اور یہ زندہ تھے' پھر بھی ان کو مردہ فرمایا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک آنکھیں اس کی ہیں جو محبت سے آپ کا جلوہ دیکھے' کان اس کے ہیں جو عقیدت سے آپ کی باتیں سنے' زبان اس کی ہے جو آپ کا کلمہ پڑھے اور زندہ وہ ہے جو آپ کی غلامی میں زندہ رہے۔ جو آپ کی محبت سے جہاد میں مارا جائے' جو آپ کی خاطر سر کٹائے تو اللہ کے نزدیک وہ مردہ نہیں ہے' جو آپ کی غلامی میں رہے وہ زمین کے اوپر ہو' پھر بھی زندہ ہے اور زمین کے نیچے ہو پھر بھی زندہ ہے اور جو آپ سے منحرف ہو اور آپ کا منکر ہو وہ زمین کے اوپر ہو' پھر بھی مردہ ہے اور زمین کے نیچے ہو پھر بھی مردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی (مطلوبہ) معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا' آپ کہیے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ (ان کا مطلوبہ) معجزہ نازل کردے' لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ○

(الانعام: ۳۷)

کفار کی مطلوبہ نشانیاں نازل نہ کرنے کا سبب

یہ آیت صنادید قریش کے متعلق نازل ہوئی ہے جو عناد اور سرکشی کی بنا پر نبی ﷺ سے کسی معجزہ اور نشانی کا سوال کرتے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے بہت سی نشانیاں اور معجزے دیئے جا چکے تھے جو کسی منصف مزاج شخص کے ایمان لانے کے لیے کافی تھے اور جن نشانیوں کا یہ سوال کر رہے تھے' اللہ تعالیٰ ان کے نازل کرنے پر بھی قادر تھا' جیسا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ متعدد نشانیاں

نازل فرما چکا تھا' مثلاً ان کے مطالبہ پر چاند کو شق کیا گیا' لیکن یہ اس کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ لہٰذا ان کے مطالبہ کے موافق نشانیاں نازل کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا' کیونکہ ہر نشانی نازل ہونے کے بعد یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ سو واضح ہوا کہ یہ محض عناد اور ہٹ دھرمی سے نشانیوں کو طلب کرتے ہیں اور ان کے اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اگر ان کے اجتماعی مطالبہ کے موافق کوئی نشانی نازل کر دی جائے اور یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر ایسا عذاب آئے گا جس سے یہ سب ملیامیٹ ہو جائیں گے' تو ان کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل نہ فرمانا اس حکمت پر مبنی ہے' ورنہ اللہ تعالیٰ ان کا مطالبہ پورا کرنے سے عاجز نہیں ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ

اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور (فضا میں) اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری ہی مثل مخلوق

أَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ

ہے ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا، پھر وہ اپنے رب کی طرف جمع

يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ

کیے جائیں گے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی (وہ) بہرے اور گونگے ہیں، اندھیروں میں (بھٹکے ہوئے)

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

ہیں، اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر گامزن کر دے ○

قُلْ أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ

آپ کہیے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آئے یا تم پر قیامت آجائے۔ کیا (اس وقت) اللہ

اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُوْنَ

کے سوا کسی اور کو (مدد کے لیے) پکارو گے؟ (بتاؤ!) اگر تم سچے ہو؟ ○ بلکہ تم اسی کو پکارو گے۔ پس اگر وہ

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ إِلَيْهِ إِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

چاہے گا تو وہ اس تنگی کو کھول دے گا جس کے لیے تم اس کو پکارو گے اور تم انہیں بھول جاؤ گے جن کو (اللہ کا) شریک بناتے تھے ○

ع ۱۱ ۱۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور (فضا میں) اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری ہی مثل مخلوق ہے۔ ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا' پھر وہ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے ○ (الانعام: ۳۸)

آیات سابقہ سے مناسبت اور وجہ ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اگر کفار کے فرمائشی اور مطلوبہ معجزات کے نازل کرنے میں کوئی فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان معجزات کو نازل فرمادیتا اور اس کی تاکید اس آیت میں فرمائی کہ زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور فضا میں اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے' یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل و کرم فرمایا ہے اور ان پر احسانات کیے ہیں' اسی طرح تم پر بھی فضل و کرم فرمایا ہے اور تم پر بھی احسانات کیے ہیں اور تمہارے مطلوبہ معجزات کو تم پر نازل نہ کرنا بھی ہمارا تم پر احسان ہے' کیونکہ اگر تمہاری فرمائش کے مطابق نشانیاں نازل کردی جاتیں اور پھر تم ایمان نہ لاتے تو تم پر ایسا عذاب نازل کیا جاتا جس سے تم نیست و نابود ہو جاتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کافروں کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اس کے حضور جمع کیے جائیں گے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ حیوانات اور پرندے بھی تمہاری مثل ہیں' یعنی ان کو بھی اللہ کے حضور جمع کیا جائے گا۔

جانوروں کے حساب اور قصاص کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن ہر چیز مقدمہ پیش کرے گی' حتیٰ کہ وہ بکریاں بھی جنہوں نے ایک دوسرے کو سینگ مارے تھے۔

(مسند احمد' ج ۲' ص ۳۹۰' طبع قدیم' اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۴۹)

امام ابو یعلی نے اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(مسند ابو یعلی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۰۰' مسند احمد' ج ۳' ص ۲۹' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۴۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور دو بکریاں گھاس چر رہی تھیں۔ ایک بکری نے دوسری بکری کو سینگ مار کر اس کا حمل ساقط کر دیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے۔ آپ سے عرض کیا گیا' یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا مجھے اس بکری پر تعجب ہوا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اس بکری سے قیامت کے دن قصاص لیا جائے گا۔ (مسند احمد' ج ۵' ص ۱۷۳' مسند البزار' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۴۵۰)

امام احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۵۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سینگ والی بکری سے بغیر سینگ کی بکری کا قصاص لیا جائے گا۔ (مسند البزار' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۴۴۹' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۵۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بعض مخلوق کا بعض سے حساب لیا جائے گا' حتیٰ کہ بغیر سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے اور حتیٰ کہ چیونٹی کا چیونٹی سے۔

(مسند احمد' ج ۲' ص ۳۶۳' امام احمد کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۵۲)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جبار تبارک و تعالیٰ متوجہ ہو گا اور پل صراط پر اپنا پیر رکھ دے گا' پھر فرمائے گا' مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! کوئی ظالم ظلم کر کے مجھ سے بھاگ نہیں سکتا۔ پھر وہ بعض مخلوق کا بعض سے انصاف لے گا' حتیٰ کہ بغیر سینگ کی بکری کا سینگ والی بکری سے اس کو سینگ مارنے کا انصاف لے گا۔

(المعجم الکبیر' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۲۱' اس حدیث کی سند میں ایک راوی یزید بن ربیعہ ضعیف ہے اور باقی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۵۳)

حیوانوں اور پرندوں کی انسانوں سے مماثلت کی وجوہ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہر حیوان اور ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے۔ یہ تمثیل اور تشبیہ کس چیز میں ہے؟ اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجوہات بیان کی ہیں:

۱- حیوانوں اور پرندوں کو بھی اللہ کی معرفت ہے' وہ اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنواسرائیل: ۴۴)

سات آسمان' اور زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے' وہ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (النور: ۴۱)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں اور صف بستہ پرندے' ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا۔

حضرت شرید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے بلا فائدہ کسی چڑیا کو قتل کیا' وہ چڑیا قیامت کے دن اللہ عزوجل سے فریاد کرے گی اے میرے رب! فلاں شخص نے مجھ کو بے فائدہ قتل کیا اور کسی نفع کے لیے مجھے قتل نہیں کیا۔

(سنن نسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۴۵۸' مسند احمد' ج ۴' ص ۳۸۹' مسند الحمیدی' رقم الحدیث: ۵۸۷' المعجم الکبیر' ج ۷' رقم الحدیث: ۷۲۴۵' المستدرک' ج ۴' ص ۲۳۳' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۹' ص ۸۶' الکامل لابن عدی' ج ۵' ص ۱۸۳۷' کنز العمال' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۳۹۹۷۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کو واقعات اور حوادث کا ادراک اور ان کی معرفت ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہدہد کے مکالمہ کا جو ذکر کیا گیا ہے' اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح چیونٹی کے جس کلام کا ذکر کیا گیا ہے اس میں بھی حیوانوں کے ادراک اور معرفت پر دلیل ہے۔

۲- جس طرح انسانوں میں توالد اور تناسل ہے اور وہ ایک دوسرے سے انس رکھتے ہیں' اسی طرح حیوانوں اور پرندوں میں بھی یہ امور ہیں۔

۳- اللہ عزوجل نے جس طرح انسانوں کو ایک خاص تدبیر سے پیدا کیا ہے' اور وہ ان کے رزق کا کفیل ہے' اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کا معاملہ ہے۔

۴- جس طرح قیامت کے دن انسانوں سے ایک دوسرے کا قصاص لیا جائے گا' سو حیوانوں اور پرندوں سے بھی یہ معاملہ ہوگا۔

۵- ہر انسان میں کسی نہ کسی حیوان یا پرندے کی خصلت اور خصوصیت ہے۔ بعض انسان شیر کی طرح دلیر اور بہادر ہیں' بعض انسان بھیڑیے کی طرح حملہ کرتے ہیں' بعض انسان کتوں کی طرح بھونکتے ہیں' بعض انسان مور کی طرح مزین ہوتے ہیں' بعض انسان خنزیر کی طرح پاک چیز کو چھوڑ کر ناپاک کی طرف لپکتے ہیں' بعض انسان بلی کی طرح خوشامدی ہوتے ہیں' بعض کوے کی طرح حریص اور بعض لومڑی کی طرح چالاک ہوتے ہیں۔

۶- جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی موت' حیات' ان کا عمل' ان کا رزق اور ان کا اخروی انجام مقدر کر دیا ہے' اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کے بھی یہ امور مقرر کر دیئے ہیں۔

۷- جس طرح انسان اپنی روزی میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے' اور اسے کسی مکان کی حاجت ہوتی ہے' جس میں وہ سردی' گرمی اور بارش سے پناہ حاصل کر سکے۔ اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کو بھی ان امور کی حاجت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ہم مثل ہونے کا محمل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکہف: ۱۱۰)

آپ کہئے کہ میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں' میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس آیت کی بنا پر بعض لوگ نبی ﷺ کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے کہا نبی ﷺ کے مماثل کوئی بشر نہیں ہے۔ اس نے کہا کیا آپ کے دو ہاتھ نہیں تھے؟ کیا آپ کی دو آنکھیں اور دو کان نہیں تھے؟ میں نے کہا تم دو ہاتھ تو دکھا دو گے مگر ان ہاتھوں میں یہ کمال کہاں سے لاؤ گے؟ کہ ان ہاتھوں سے اشارہ کریں تو سورج مغرب سے طلوع ہو جائے' ہاتھ اٹھا کر دعا کریں تو چاند شق ہو جائے' وضو کے برتن میں ہاتھ رکھ دیں تو انگلیوں سے فوارے کی طرح پانی جاری ہو جائے اور تم دو آنکھیں تو دکھا دو گے لیکن ان آنکھوں میں یہ کمال کہاں سے لاؤ گے؟ کہ ان آنکھوں سے جنات اور فرشتوں کو دیکھو حتیٰ کہ رب کائنات کو بے حجاب دیکھو اور تم دو کان تو دکھا دو گے مگر ان کانوں میں یہ قوت کہاں سے لاؤ گے؟ کہ فرشتوں اور جنات کا کلام سن سکو' زمین پر ہوتے ہوئے آسمانوں کی آوازوں کو سن سکو' حتیٰ کہ رب کائنات کا کلام سن سکو۔ وہ کہنے لگا کمالات کی بات کو چھوڑو' صرف اس بات میں تو آپ ہماری مثل ہیں کہ آپ کے بھی دو کان تھے اور دو آنکھیں تھیں' یعنی ان اعضاء کے عدد اور گنتی میں تو آپ ہماری مثل ہیں۔ میں نے کہا اس طرح تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ تم کتے اور خنزیر کی مثل ہو' کیونکہ تمہارے بھی دو کان اور دو آنکھیں ہیں۔ اور ان کے بھی دو کان اور دو آنکھیں ہیں اور جس طرح تم رسول اللہ ﷺ کے مماثل ہونے کے ثبوت میں سورۂ کہف کی یہ آیت پڑھتے ہو' وہ تمہیں کتے اور خنزیر کی مثل ثابت کرنے کے لیے یہ آیت پڑھ سکتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (الانعام: ۳۸)

اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور فضا میں اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے۔

اگر تمہیں کتے اور خنزیر کی مثل کہا جائے تو یہ تمہاری توہین ہے۔ حالانکہ تمہیں کتے اور خنزیر پر اتنی فضیلت نہیں ہے جتنی رسول اللہ ﷺ کو ہم پر فضیلت ہے' تو سوچو کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی مثل کہنے سے آپ کی کس قدر توہین ہوگی!

رہا یہ سوال کہ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ آپ کہئے کہ میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں' میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف عدم الوہیت میں ہماری مثل ہیں۔ نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں اور اسی پر تنبیہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی وجودی وصف میں کوئی رسول اللہ ﷺ کا مماثل نہیں ہے نہ بشریت میں' نہ عبدیت میں' نہ نبوت اور رسالت میں اور اس کائنات میں جو بھی آپ کی مثل ہے' وہ عدمی وصف میں آپ کی مثل ہے یعنی نہ وہ خدا ہے نہ آپ خدا ہیں۔ نہ وہ واجب' قدیم اور مستحق عبادت ہے' نہ آپ واجب' قدیم اور مستحق عبادت ہیں۔

لوح محفوظ تمام مخلوقات کے تمام احوال کی جامع ہے

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا اس آیت میں کتاب کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے' لوح محفوظ سے مراد وہ کتاب ہے جس میں تمام مخلوقات کے تمام احوال تفصیل سے لکھے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ○ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ (القمر: ۵۳-۵۲)

انہوں نے جو کچھ کیا' وہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے' ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا' پھر ان پر اپنے نور سے تجلی فرمائی' سو جس نے اس نور کو پالیا' اس نے ہدایت کو پالیا اور جس نے اس نور سے خطا کی' وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم پر خشک ہو چکا ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۵۱' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۵۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۹۶' صحیح ابن حبان' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۰' مسند ابو عوانہ' ج ۱' رقم ۱۷' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۲۰۶۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یقین رکھو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ تم کو صرف وہی نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے لکھ دیا ہے' اور اگر تمام امت تم کو نقصان پہنچانے پر مجتمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف وہی نقصان پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے لکھ دیا ہے' قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۵۲۴' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۰۷' ۳۰۳' ۲۹۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نوجوان شخص ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خوف ہے اور عورتوں سے نکاح کرنے کی میرے پاس وسعت نہیں ہے آپ خاموش رہے۔ میں نے پھر عرض کیا آپ نے پھر مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے پھر عرض کیا' آپ نے پھر مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے چوتھی بار اسی طرح عرض کیا تو آپ نے فرمایا اے ابوہریرہ! جو کام تمہیں درپیش ہیں' ان کے متعلق قلم (لکھ کر) خشک ہو چکا ہے' خواہ تم خصی ہو یا ایسے رہو۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۰۷۶' سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۱۵)

ان حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ میں تمام مخلوقات کے تمام احوال لکھ دیئے گئے ہیں اور قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔

قرآن مجید تمام عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کا جامع ہے

اس آیت میں کتاب کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے اور اب معنی یہ ہوگا کہ ہم نے قرآن مجید میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں حساب' الجبرا' ریاضی اور سائنسی علوم اور ان کے قواعد کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح جدید اور قدیم میڈیکل سائنس کے علوم کا ذکر نہیں ہے' تو پھر یہ معنی کس طرح درست ہوگا کہ ہم نے قرآن مجید میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا موضوع ہے دین کی معرفت' عقائد اور احکام شرعیہ کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ: ۲)

یہ عظیم الشان کتاب! اس (کے منزل من اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں ہے' یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔

إِنَّآ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُۚ (النساء: ۱۰۵)

بے شک ہم نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے۔

وَمَآ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ٱلَّذِي ٱخۡتَلَفُواْ فِيهِ وَهُدٗى وَرَحۡمَةٗ لِّقَوۡمٖ يُؤۡمِنُونَ (النحل: ۶۴)

ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل فرمائی ہے کہ جس چیز میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے' آپ اس کو صاف صاف بیان کر دیں اور یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ تِبۡيَٰنٗا لِّكُلِّ شَيۡءٖ وَهُدٗى وَرَحۡمَةٗ وَبُشۡرَىٰ لِلۡمُسۡلِمِينَ ○ (النحل: ۸۹)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت' رحمت اور بشارت ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے یہ کتاب ہر شے کا روشن بیان ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس میں تمام علوم و فنون کا روشن بیان ہے اور ماضی' حال اور مستقبل کے تمام واقعات کا تفصیلی ذکر ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں ہر پیش آمدہ مسئلہ کے لیے روشن ہدایت اور واضح شرعی رہنمائی ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ اس کا موضوع عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کا بیان ہے' اس میں منطق' فلسفہ' ریاضی اور سائنس وغیرہ کی تعلیم نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ احکام شرعیہ سارے کے سارے قرآن کریم سے ثابت نہیں ہیں۔ بعض قرآن مجید سے ثابت ہیں' بعض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے' بعض آثار صحابہ سے' بعض اجماع سے اور بعض قیاس سے ثابت ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جو احکام سنت سے ثابت ہیں' ان کی اصل بھی قرآن مجید میں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جو مسائل آثار صحابہ سے ثابت ہیں' ان کی اصل بھی قرآن کریم میں ہے اور اجماع اور قیاس کا حجت ہونا بھی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ لہٰذا جو مسائل اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں' ان کی اصل بھی قرآن مجید میں ہے۔

سنت کی حجیت پر دلائل

جو احکام رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں' ان کی اصل یہ آیات ہیں:

وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمۡ عَنۡهُ فَٱنتَهُواْۚ (الحشر: ۷)

اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں' ان سے باز رہو۔

مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدۡ أَطَاعَ ٱللَّهَۖ (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡۚ (آل عمران: ۳۱)

آپ کہئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو' اللہ تم کو اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

آثار صحابہ کی حجیت پر دلائل

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت اور اتباع کی اصل یہ احادیث ہیں:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے' احکام کو سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ خواہ تم پر حبشی غلام مسلط کر دیا جائے' جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت اختلاف دیکھیں گے۔ تم دین میں نئی نئی باتیں نکالنے سے اپنے آپ کو بچانا کیونکہ یہ گمراہی ہے' تم میں سے جو شخص اس چیز کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ میری سنت پر عمل کرے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرے اور اس کو ڈاڑھوں سے پکڑ لے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث ۲۶۸۵' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۰۷' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۲' سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۵' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۱۴۵' طبع جدید' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۲۷-۱۲۶' طبع قدیم' المستدرک' ج ۱' ص ۹۷-۹۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت ضرور وہ کام کرے گی جو بنو اسرائیل نے کیے تھے' بالکل برابر برابر' حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی لوگ ایسا کریں گے اور بنو اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہوگی' اور ایک فرقے کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سا فرقہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس ملت پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۵۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے بعد میرے اصحاب میں جو اختلاف ہوگا' اس کے متعلق میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اے محمد! (ﷺ) آپ کے اصحاب میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی طرح ہیں۔ بعض اصحاب بعض سے زیادہ قوی ہیں اور ہر ایک کا نور ہے' جب ان کے مواقف میں اختلاف ہو تو جو شخص ان میں سے جس کے موقف پر بھی عمل کرے گا' وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم نے ان میں سے جس کی بھی اقتداء کی' تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اس حدیث کو امام رزین نے روایت کیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح' ص ۵۵۴' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی)

اس حدیث کے آخری حصہ کو علامہ زبیدی نے امام دارمی اور امام ابن عدی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین' ج ۲' ص ۲۲۳' مطبوعہ مطبعہ میمنہ' مصر' ۱۳۱۱ھ)

اجماع کی حجیت پر دلائل

اجماع کی اصل درج ذیل آیت اور احادیث ہیں:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء: ۱۱۵)

جس شخص نے ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلا تو ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو جہنم میں پہنچائیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں تمام مسلمانوں کے موقف اور مسلک کی مخالفت پر عذاب کی وعید ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام مسلمانوں کا اجماعی موقف حجت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کبھی

بھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی' سو تم جماعت کو لازم رکھو کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

(المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۳۶۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔ ایک سند کے راوی صحیح اور ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۲۱۸)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے' اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے' اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور کسی کی مخالفت ان کو نقصان نہیں پہنچائے گی حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

قیاس کی حجیت پر دلائل

هُوَ الَّذِيٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (الحشر: ۲)

وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے پہلی بار جلاوطن کرنے کے وقت نکالا' تمہیں ان کے نکل جانے کا گمان (بھی) نہ تھا۔ وہ اس گھمنڈ میں تھے کہ ان کے مضبوط قلعے انہیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے' سو ان کے پاس اللہ کا حکم آگیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا' وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو ویران کر رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی' سو اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

اس آیت میں قیاس کی دلیل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا' یعنی جو حکم اصل شے کے لیے ثابت ہوگا' وہی حکم اس کی نظیر کے لیے ثابت ہوگا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو عبرت پکڑنے کا حکم دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس کام کے سبب سے کفار اہل کتاب پر عذاب نازل ہوا ہے' تم وہ کام نہ کرنا' ورنہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہوگا اور یہی قیاس ہے کہ علت کے اشتراک کی وجہ سے حکم مشترک ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی میری بہن فوت ہوگئی اور اس پر مسلسل دو ماہ کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ! اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں۔ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا تو اللہ کا حق ادائیگی کے زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۹۵۳' صحیح مسلم' صیام' ۱۵۴' (۱۱۴۸) ۲۶۵۱' سنن ترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۷۱۶' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۱۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۵۹' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۹۱۲)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور جس شخص پر روزے ہوں اور وہ فوت ہو جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے فدیہ دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی' پھر وہ فوت ہوگئی۔ اس کا بھائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ! اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا

ہاں! آپ نے فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو، وہ ادائیگی کے زیادہ حقدار ہے۔
(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۶۹۹، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۳۱۵، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر (وہ مسئلہ) کتاب اللہ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر (وہ مسئلہ) سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے، جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو توفیق عطا فرمائی۔
(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابو داؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۹۲، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۳۶، ۲۳۰)

عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ایک دن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ سوالات کیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ایک زمانہ تھا کہ ہم بالکل فیصلہ نہیں کرتے تھے اور ہم اس مقام پر فائز نہ تھے۔ پھر اللہ عزوجل نے ہمارے لیے وہ چیز مقدر کر دی جو تم دیکھ رہے ہو۔ سو آج کے بعد جس شخص کو فیصلہ کرنا پڑے، وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے۔ پھر اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل کتاب اللہ میں نہ ہو، تو وہ نبی ﷺ کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی ﷺ نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہو تو جس طرح صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو، اس کے مطابق فیصلہ کرے، اور اگر کوئی ایسا امر درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی ﷺ نے اس کا فیصلہ کیا ہو اور نہ صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو، تو پھر وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں اور میں خوف زدہ ہوں، کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں تو جس چیز میں تمہیں شک ہو، اس کو چھوڑ کر غیر مشکوک امر کو اختیار کرو۔ امام ابو عبدالرحمن نسائی نے کہا یہ حدیث بہت جید (عمدہ) ہے۔
(سنن النسائی، ج ۸، رقم الحدیث: ۵۴۱۲، ۵۴۱۳، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مسائل کے استنباط اور احکام کے اثبات کے لیے کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کی ترتیب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں ہر چیز کے ذکر ہونے پر دلائل

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا قرآن مجید میں صرف ان علوم کو بیان کیا گیا ہے جن کی مکلفین کو ہدایت اور اخروی فوز و فلاح میں احتیاج ہوتی ہے یا قرآن مجید میں دنیا اور آخرت کے ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا ذکر موجود ہے۔ علامہ آلوسی کا مختار ثانی الذکر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ یہ بلخی اور ایک جماعت کا مختار ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ان تمام چیزوں کا ذکر ہے جن کی دین اور دنیا میں ضرورت پڑتی ہے، بلکہ اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا بھی ذکر ہے، اور یہ ذکر یا مفصل ہے یا مجمل ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ دین کا جو مسئلہ بھی پیش آئے گا، اللہ کی کتاب میں اس کے متعلق ہدایت موجود ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ گودنے والی پر اور گدوانے والی پر لعنت کرتا ہے، اور بال نوچنے والی پر اور جو خوبصورتی کے لیے دانتوں میں جھری کرواتی ہیں، اور اللہ کی بناوٹ کو تبدیل کرتی ہیں۔ ام یعقوب نے کہا اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت عبداللہ نے کہا میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی

ہے اور اس پر کتاب اللہ میں لعنت ہے۔ اس عورت نے کہا بہ خدا میں نے قرآن مجید کو پڑھا ہے اس میں تو اس لعنت کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا بہ خدا اگر تم نے قرآن مجید کو پڑھا ہوتا تو تم اس لعنت کو پالیتیں' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے باز رہو۔ (الحشر: ۵۹)' (صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۵۹۳۹) صحیح بخاری میں اسی قدر ہے' لیکن علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے پوچھا' کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی' اس نے کہا پڑھی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام سے منع فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ امام شافعی نے مکہ میں فرمایا تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو میں تم کو اللہ کی کتاب سے اس کا جواب دوں گا ان سے سوال کیا گیا جو محرم بھڑ (تتیہ) کو مار ڈالے آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا وہ اس کو مار سکتا ہے اور اس پر حضرت ابن مسعود کی طرح استدلال کیا۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا اس قرآن میں ہر علم کو نازل کیا گیا ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان کیا گیا ہے' لیکن ہمارا علم ان چیزوں کو حاصل کرنے سے قاصر ہے جن کا قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اور امام ابوالشیخ نے کتاب **العظمہ** میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کسی چیز سے غافل ہوتا تو چیونٹی' رائی کے دانہ اور مچھر سے غافل ہوتا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو گئی تو میں اسے اللہ کی کتاب میں تلاش کرلوں گا (یہ اثر کسی صحیح یا معتبر سند سے منقول نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور علامہ مرسی نے کہا قرآن مجید میں اولین اور آخرین کے علوم جمع ہیں اور ان علوم کا حقیقتاً احاطہ صرف اللہ تعالیٰ نے کیا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'ماسوا ان چیزوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کرلیا ہے' اور میں نے بعض علماء سے سنا اور اس کی صحت کا ذمہ ان ہی پر ہے کہ ایک دن محی الدین ابن العربی قدس سرہ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر جا رہے تھے' اچانک شیخ گدھے سے گر گئے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ لوگ شیخ اکبر کو سوار کرانے کے لیے آگے بڑھے' انہوں نے کہا مجھے کچھ مہلت دو۔ انہوں نے کچھ مہلت دی۔ پھر شیخ نے ان کو سوار کرانے کی اجازت دی' لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی۔ شیخ نے کہا میں نے اللہ کی کتاب میں اس حادثہ پر غور کیا' تو مجھے سورۃ الفاتحہ میں اس کا ذکر مل گیا' اور یہ امر ہماری عقلوں سے ماوراء ہے۔ اسی طرح بعض علماء نے سورۃ الفاتحہ سے بادشاہوں کے نام نکالے ہیں اور ان کے احوال اور ان کی سلطنت کی مدت وغیرہ مستنبط کی ہے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ ام الکتاب ہے۔ اس تفسیر کی بناء پر اس آیت میں اس تخصیص کی ضرورت نہیں ہے کہ قرآن مجید میں ان ہی چیزوں کا بیان کیا گیا ہے جن کی مکلفین کو ضرورت ہے' مثلاً دلائل توحید وغیرہ۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۱۴۵-۱۴۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

قرآن مجید میں صرف ہدایت کے مذکور ہونے پر دلائل

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کا موضوع صرف ہدایت دینا ہے۔ اس لیے اس نے عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کی ہدایت دی ہے' اور اس سلسلہ میں موعظت اور نصیحت کے لیے انبیاء اور صالحین اور کفار اور منافقین کا تذکرہ کیا ہے اور جنت اور دوزخ کا بیان کیا ہے اور اخروی فوز و فلاح کی ہدایت کے لیے جو امور ضروری ہیں ان سب کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے مقابلہ میں بعض علماء اور صوفیاء کا یہ نظریہ ہے کہ قرآن مجید میں تمام ماکان و مایکون کا بیان ہے' یعنی ابتداء آفرینش عالم سے لے کر دخول جنت اور دخول نار تک ہر ہر جزی اور مشخص واقعہ اور حادثہ کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہرچند کہ ان کا

صراحتاً اور تفصیلاً بیان نہیں ہے، لیکن ان امور کا اجمالاً ذکر ہے اور کچھ رموز اشارات اور کنایات ہیں جن سے ان تمام امور کا استخراج کیا جا سکتا ہے۔ ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (النحل: ٨٩)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت ان کے مطلوب پر دلالت نہیں کرتی' کیونکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ قرآن مجید میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ اگر ہر چیز سے ما کان و ما یکون مراد لیا جائے تو ان کے اپنے قول کے مطابق اس کا بیان رموز اور اشارات سے ہے اور اس کو تبیان اور روشن یا واضح بیان نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں! اگر اس سے مراد عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ ہوں تو ان کی ہر چیز کا قرآن مجید میں روشن بیان ہے۔ نیز وہ اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (یوسف: ١١١)

یہ (قرآن) کوئی من گھڑت بات نہیں ہے' لیکن یہ ان کتابوں کی مصدق ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

لیکن اس آیت سے بھی ان کا استدلال صحیح نہیں ہے' کیونکہ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اگر اس سے یہ مراد ہو کہ اس میں دنیا اور آخرت کے ہر واقعہ اور ہر حادثہ اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کی تفصیل ہے تو فی الواقع قرآن کریم میں ان چیزوں کی تفصیل نہیں ہے اور ان علماء کا بھی یہ کہنا ہے کہ ان تمام امور کا قرآن مجید میں اجمالاً ذکر ہے' نہ کہ تفصیلاً۔ اس لیے یہ آیت بھی ان کے مدعا پر دلیل نہیں ہے اور اگر اس آیت سے یہ مراد ہو کہ اس میں عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ میں سے ہر چیز کی تفصیل ہے تو یہ معنی برحق ہے' لیکن یہ معنی ہماری تائید کرتا ہے نہ کہ ان کی۔

قرآن مجید میں ہر چیز کے بیان کے متعلق مستند مفسرین کا نظریہ

علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ٣٦٨ھ لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ٣٨)

ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔

عطا نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں کو جس چیز کی حاجت تھی' ہم نے اس کا بیان کر دیا ہے یا صریح عبارت میں یا دلالت النص سے یا اجمال سے یا تفصیل سے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: ٨٩)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

یعنی قرآن مجید ہر اس چیز کا روشن بیان ہے جس کی دین میں احتیاج ہے' اور سورۃ الانعام کی زیر بحث آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جو ما کان و ما یکون پر مشتمل ہے' یعنی ہم نے لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھ دیا ہے' جیسا کہ حدیث میں ہے قیامت تک کی تمام چیزوں کو لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے۔

(الوسیط' ج ٢' ص ٢٦٩' ٢٦٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٠ھ)

علامہ واحدی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے' وہ یہ ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ اس سے فرمایا لکھ تو اس نے ابد تک ہونے والی سب چیزوں کو لکھ دیا۔

(سنن الترمذی ' ج ۵ ' رقم الحدیث: ۳۳۳۰ ' سنن ابوداؤد ' ج ۳ ' رقم الحدیث: ۴۷۰۰ ' مسند احمد ' ج ۵ ' ص ۳۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے قلم کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا لکھ تو اس نے قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لکھ دیا۔

(المعجم الکبیر ' ج ۱۲ ' رقم الحدیث: ۱۲۵۰۰ ' مسند ابو یعلیٰ ' ج ۳ ' رقم الحدیث: ۲۳۲۶ ' سنن کبریٰ للبیہقی ' ج ۹ ' ص ۳ ' الاسماء والصفات للبیہقی ' ص ۳۷۸ ' مجمع الزوائد ' ج ۷ ' ص ۱۹۰ ' اس حدیث کی سند صحیح ہے)

علامہ ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کتاب کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے ' یعنی ہم نے ہر چیز کو ام الکتاب میں لکھ دیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے ' یعنی ہم نے تمہاری حاجت کی ہر چیز قرآن مجید میں بیان کر دی ہے یا صراحتاً یا اجمالاً یا دلالۃً۔ جیسا کہ سورۃ النحل ' آیت ۸۹ میں ہے ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کا روشن بیان ہے یعنی ہر اس چیز کو بیان کر دیا جس کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ (زاد المسیر ' ج ۳ ' ص ۳۵ ' مطبوعہ مکتب اسلامی ' بیروت ' ۱۴۰۷ھ)

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی تمام یا اکثر آیتیں مطابقتاً ' تضمناً ' اور التزاماً اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کتاب کو نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دین ' اللہ کی معرفت اور اللہ کے احکام کی معرفت کو بیان کیا جائے۔

(تفسیر کبیر ' ج ۴ ' ص ۴۰ ' مطبوعہ دارالفکر ' بیروت ' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے ' کیونکہ اس میں تمام حوادث ثابت کیے گئے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے ' یعنی ہم نے دین کی کسی چیز کو قرآن مجید میں نہیں چھوڑا ' اور دین کی ہر چیز کی اس میں دلالت ہے۔ یا تو بالکل واضح دلالت ہے اور اگر مجمل دلالت ہے تو اس کا بیان رسول اللہ ﷺ سے یا اجماع سے یا قیاس سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ' جز ۶ ' ص ۳۲۸ ' مطبوعہ دارالفکر ' بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بن محمد شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

کتاب سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے ' کیونکہ اس میں دنیا کی ہر بڑی اور چھوٹی چیز لکھی ہوئی ہے اور اس میں کسی جاندار یا بے جان کی کسی چیز کو ترک نہیں کیا گیا اور یا کتاب سے مراد قرآن مجید ہے ' کیونکہ اس میں ان تمام چیزوں کی تدوین کی گئی ہے جن کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ مفصلاً بھی اور مجملاً بھی۔ (البیضاوی مع الکازرونی ' ج ۲ ' ص ۴۰۶ ' مطبوعہ دارالفکر ' بیروت ' ۱۴۱۶ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب میں ایسی کسی چیز کو نہیں چھوڑا جو اللہ کی معرفت کی دعوت دیتی ہو ' اور اس کے احکام کی طرف بلاتی ہو۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ کتاب تمام احکام شرعیہ پر مشتمل ہے۔

(البحر المحیط ' ج ۴ ' ص ۵۰۳ ' مطبوعہ دارالفکر ' بیروت ' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم جوزیہ حنبلی متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

کتاب کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس چیز کو نہیں چھوڑا جس کے ذکر کی احتیاج ہے۔

(بدائع التفسیر' ص ۱۳۸-۱۴۷' مطبوعہ دار ابن الجوزی' ریاض' ۱۴۱۴ھ)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد حسین قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے کتاب میں کسی چیز کے ذکر کو نہیں چھوڑا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں طب' حساب' دیگر علوم اور لوگوں کے مذاہب کی تفصیلات تو نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تفریط نہ کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کی احتیاج ہو اس کو نہ چھوڑا جائے اور احتیاج اصول اور قوانین کی ہوتی ہے۔ اور وہ قرآن مجید میں مذکور ہیں اور علم الفروع کی تفاصیل کے متعلق علماء نے کہا ہے کہ وہ سنت' اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں۔

(غرائب القرآن ورغائب الفرقان علی ہامش جامع البیان' جز ۷' ص ۱۳۲' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی ہے کہ یہ کتاب اپنی عبارت' دلالت' اشارت اور اقتضاء کے اعتبار سے ان تمام امور پر مشتمل ہے۔ جن کی طرف ہم اپنی عبادت میں محتاج ہیں۔

(مدارک التنزیل علی ہامش الخازن' ج ۲' ص ۱۵' مطبوعہ دار الکتب العربیہ' پشاور)

علامہ ابو سعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

اگر اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اہم اشیاء کے بیان میں سے قرآن کریم میں کسی شے کو ترک نہیں کیا اور ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کی مصلحتوں کی رعایت فرماتا ہے۔

(تفسیر ابو سعود علی ہامش التفسیر الکبیر' ج ۳' ص ۱۶۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

یا کتاب سے مراد قرآن مجید ہے' کیونکہ اس میں ان تمام چیزوں کو مفصلاً یا مجملاً مدون کیا گیا ہے جن کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ (التفسیر المظہری' ج ۳' ص ۲۴۴' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو' ۱۴۰۴ھ)

سید محمد رشید رضا اپنے استاذ الشیخ محمد عبدہ کی تقریر لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے قرآن مجید مراد لیا جائے تو اس آیت کے عموم سے مراد دین کے موضوع کا عموم ہوگا' جس دین کو دے کر رسولوں کو بھیجا جاتا ہے' اور جس کی وجہ سے کتابوں کو نازل کیا جاتا ہے اور وہ ہدایت ہے کیونکہ ہر چیز کا عموم اس کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس آیت کا معنی ہے کہ ہم نے اس کتاب میں ہدایت کی ان اقسام میں سے کسی قسم کو ترک نہیں کیا جن کی وجہ سے رسولوں کو بھیجا جاتا ہے' اور ہم نے ان کو اس کتاب میں بیان کر دیا ہے اور وہ دین کے اصول' قواعد اور احکام ہیں اور ان میں انسان کی قوت بدنی اور قوت عقلی کی یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے' وہ ان سے کس طرح استفادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی سنتوں کی رعایت کر کے کس طرح سے انفرادی اور اجتماعی کمال حاصل کرے اور قرآن مجید نے صریح عبارات اور اشارات سے اس کے حصول کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید میں تمام کائنات کے علوم ہیں اور تمام ما کان و ما یکون کا ذکر ہے اور یہ کہ ایک دن شیخ محی الدین ابن العربی اپنے دراز گوش سے گر گئے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو انہوں نے لوگوں کو اس وقت تک یہ

اجازت نہیں دی کہ ان کو اٹھائیں جب تک کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ سے اپنے گدھے سے گرنے اور ٹانگ ٹوٹنے کے حادثہ کا استخراج نہیں کر لیا۔ یہ دعویٰ ایسا ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے اس کا قول نہیں کیا اور نہ فقہاء تابعین اور علماء سلف صالحین میں سے کسی کا یہ قول ہے اور نہ ہی لوگوں میں سے کوئی شخص اس قول کو قبول کرے گا' سوا ان لوگوں کے جن کا یہ اعتقاد ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں نے جو کچھ اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے وہ سب حق ہے۔ خواہ اس کو عقل قبول کرے' نہ اس کی نقل تائید کرے اور نہ اس پر لغت دلالت کرے۔ اس کے برعکس ائمہ سلف نے یہ کہا ہے کہ عبادات ضروریہ کے تمام احکام فرعیہ پر قرآن مجید مشتمل نہیں ہے نہ صریح عبارت سے' نہ دلالت النص سے' نہ اشارۃ النص سے' بلکہ قرآن نے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا واجب ہے۔ لہٰذا ہر وہ چیز جو سنت سے ثابت ہے' اس پر بھی قرآن دلالت کرتا ہے۔ نیز قرآن مجید نے قیاس صحیح کے قواعد کو ثابت کیا ہے اور دیگر قواعد کو بھی ثابت کیا ہے۔ لہٰذا قیاس کی فروع اور جزئیات پر بھی قرآن مشتمل ہے اور دین کی کوئی چیز ان سے خارج نہیں ہے۔ (المنار' ج ۷' ص ۳۹۵' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

علامہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید شریعت کا کلیہ ہے اور اس میں امور کلیات جمع کیے گئے ہیں' کیونکہ ان کے نزول کے مکمل ہونے سے شریعت تام ہو گئی' لہٰذا جب ہم شریعت کے کلیات کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید ان تمام کو شامل ہے۔ (تفسیر القاسمی' ج ۶' ص ۵۲۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ احمد مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے' یعنی ہم نے قرآن مجید میں ہدایت کی ان اقسام میں سے کوئی قسم نہیں چھوڑی جن کی وجہ سے رسولوں کو بھیجا گیا ہے اور اس میں دین کے اصول' احکام اور حکمتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ انسان اپنی بدنی اور عقلی قوتوں کو کس طرح استعمال کرے۔

(تفسیر المراغی' ج ۷' ص ۱۱۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

اگر اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید مکمل شریعت پر دلالت کرتا ہے اور اسلام کے مبادی اور تمام احکام کے اصول اور دین کے اخلاق و ضوابط پر محیط ہے۔

(التفسیر المنیر' ج ۷' ص ۱۹۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

علامہ محی الدین شیخ زادہ متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن کریم میں علم طب اور علم حساب کی تفاصیل کا ذکر تو نہیں ہے' نہ دیگر علوم اور ان کے مباحث کا ذکر ہے اور نہ ائمہ کے مذاہب کا ذکر ہے اور نہ ان کے ان دلائل کا ذکر ہے جو علم الاصول اور علم الفروع میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں چھوڑا' اس سے مراد یہ ہے کہ مکلفین کو اپنے دین کی فہم میں جن امور کی ضرورت ہوتی ہے' ہم نے ان کو نہیں چھوڑا۔ اور جن امور کی حاجت نہیں ہے' ان کی تفصیل نہیں کی اور علم الاصول بتمامہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں دلائل اصلیہ پوری تفصیل سے موجود ہیں اور ائمہ مذاہب کی تفاصیل اور ان کے اقوال کے ذکر کی اس میں کوئی حاجت نہیں ہے۔ باقی رہی علم الفروع کی تفاصیل تو علماء نے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید اس پر دلالت کرتا ہے کہ اجماع' خبر واحد اور قیاس شریعت

میں حجت ہیں اور جو مسئلہ بھی ان تین ذرائع میں سے کسی ایک سے ثابت ہوگا' وہ در حقیقت قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں' ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو روکیں ان سے باز رہو (الحشر: ۵۹) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' تم میری سنت پر اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر لازماً عمل کرنا اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے' یعنی گودنے والی پر اور گدوانے والی پر اور بال جوڑنے والی پر اور بال جڑوانے والی پر۔

روایت ہے کہ ایک عورت نے پورے قرآن کو پڑھا' پھر وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی میں نے گزشتہ رات پورے قرآن کو پڑھا اور مجھے اس میں یہ آیت نہیں ملی کہ گودنے والی پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر تم واقعی تلاوت کرتیں تو تم کو وہ آیت مل جاتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے منع کریں ان سے باز رہو' اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو احکام دیئے ہیں' ان میں یہ حکم بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ گودنے والی پر اور گدوانے والی پر لعنت فرماتا ہے' اور روایت ہے کہ ایک دن امام شافعی مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص نے آکر پوچھا اگر محرم بھڑ (تتیہ) کو مار دے تو کیا اس پر تاوان ہے؟ امام شافعی نے فرمایا اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ اس شخص نے پوچھا کہ حکم قرآن مجید میں کہاں ہے؟ کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں وہ قبول کرو پھر سند کے ساتھ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میری سنت پر اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر لازماً عمل کرنا۔ پھر سند کے ساتھ ذکر کیا کہ جس محرم نے بھڑ کو قتل کیا تھا' اس کے متعلق حضرت عمر نے یہی فرمایا تھا' تو امام شافعی نے تین درجات کے ساتھ اس حکم کو قرآن مجید سے مستنبط کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن کریم اس پر دلالت کرتا ہے کہ اجماع حجت ہے اور خبرواحد حجت ہے اور قیاس حجت ہے' لہٰذا ہر وہ حکم جو ان تین طریقوں میں سے کسی ایک سے ثابت ہوگا' وہ در حقیقت قرآن مجید سے ثابت ہوگا اور اس تقریر کے مطابق اس آیت کا یہ معنی صحیح ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کو نہیں چھوڑا' کیونکہ اس کتاب کا موضوع عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کا بیان ہے اور وہ تمام عقائد اور احکام قرآن مجید میں یا صریح عبارت کے ساتھ موجود ہیں یا دلالت کے ساتھ موجود ہیں اور وہ دلالت اجماع' خبرواحد یا قیاس میں سے کسی ایک سے حاصل ہوگی۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی' ج ۲' ص ۱۶۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ہم نے یہ واضح کرنے کے لیے بہ کثرت دلائل اور حوالہ جات پیش کیے ہیں کہ قرآن مجید میں صرف عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانہ میں یہ بات بہت مشہور ہو گئی ہے کہ قرآن مجید میں ابتداء آفرنیش عالم سے لے کر دخول جنت اور دخول نار تک تمام کوائن اور حوادث اور تمام مخلوقات کے تمام احوال بیان کیے گئے ہیں اور جیسا کہ قارئین پر واضح ہو چکا ہے' یہ بالکل بے اصل بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ بہرے اور گونگے ہیں۔ اندھیروں میں (بھٹکے ہوئے) ہیں' اللہ جسے چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر گامزن کردے۔ (الانعام: ۳۹)

اللہ تعالیٰ کے گمراہی اور ہدایت پیدا کرنے کی توجیہ

جن کافروں نے اللہ تعالیٰ کی ان آیات کی تکذیب کی جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا' ان کی جہالت اور ان کی کج فہمی کی وجہ سے ان کی مثال بہرے شخص کی طرح ہے جو سنتا نہ ہو اور گونگے شخص کی طرح ہے جو

بولتا نہ ہو۔ وہ حق کی طرف دعوت وارشاد کو قبول کرنے کے لیے سننے اور حق کو پہچاننے کے باوجود اس کا اقرار نہیں کرتے اور وہ شرک' بت پرستی اور رسوم جاہلیت کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اور جہالت' آباء واجداد کی اندھی تقلید اور ہٹ دھرمی اور کٹ حجتی کے اندھیروں میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ سو جو شخص بہرہ اور گونگا ہو اور اندھیروں میں بھٹک رہا ہو' وہ کیسے صحیح راستہ پر گامزن ہو سکتا ہے یا ان تاریکیوں کے جال سے کس طرح نکل سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے' تصرف فرماتا ہے۔ وہ جس میں چاہتا ہے' ہدایت پیدا فرمادیتا ہے اور جس میں چاہتا ہے' گمراہی پیدا فرمادیتا ہے۔ جو شخص اللہ کی طرف بلائے جانے سے اعراض کرتا ہے اور جو دلائل اللہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں' ان میں غور و فکر کرنے سے تکبر کرتا ہے اس شخص میں اللہ تعالیٰ گمراہی پیدا کر دیتا ہے اور جو انسان اپنی سماعت' بصارت اور عقل سے صحیح کام لے کر صحیح نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کرتا ہے اور وسیع کائنات میں اس کی قدرت اور اس کی وحدت پر پھیلی ہوئی نشانیوں سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے' وہ اس میں ہدایت پیدا کر دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بندہ جس چیز کا کسب اور ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ وہی چیز اس میں پیدا کر دیتا ہے' اس لیے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ گمراہی کو پیدا کرتا ہے تو گمراہ کی مذمت کس لیے ہے؟ اور جب ہدایت اللہ پیدا کرتا ہے تو ہدایت یافتہ کی تعریف کس سبب سے ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے! یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آئے' یا تم پر قیامت آجائے' کیا (اس وقت) اللہ کے سوا کسی اور کو (مدد کے لیے) پکارو گے؟ (بتاؤ!) اگر تم سچے ہو؟ (الانعام: ۴۰)

مصیبتوں میں صرف اللہ کو پکارنا انسان کا فطری تقاضا ہے

پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی جاہلیت کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے اور اس کائنات میں وہی حقیقی متصرف ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب ان کافروں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ میں آتے ہیں اور اس کی اطاعت کرنے سے سرکشی نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی فطرت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے اور مصیبتوں اور تکلیفوں میں وہی واحد نجات دینے والا اور کارساز ہے' چنانچہ اس آیت میں فرمایا ہے:

اے رسول مکرم! آپ ان مشرکین سے کہئے کہ جس طرح سابقہ امتوں پر عذاب آتے تھے' ان کو زمین میں دھنسا دیا جاتا تھا' یا ان پر سخت آندھیاں آتیں یا بجلی کی کڑک آلیتی یا طوفان آتا اگر تم پر ایسا ہی عذاب آجائے یا تم پر قیامت آجائے تو کیا تم اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے' جو تم سے ان مصائب کو دور کرے گا یا تم اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو پکارو گے جو تم کو ان تکلیفوں سے نجات دیں گے۔ بتاؤ! اگر تم ان بتوں کی عبادت میں سچے ہو؟ تو پھر اللہ تعالیٰ از خود اس سوال کا جواب دیتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ تم اسی کو پکارو گے' پس اگر وہ چاہے گا تو وہ اس تنگی کو کھول دے گا جس کے لیے تم اس کو پکارو گے اور تم انہیں بھول جاؤ گے جن کو (اللہ کا) شریک بناتے تھے۔ (الانعام: ۴۱)

خلاصہ یہ ہے کہ سختی' مصیبت اور تنگی میں تم صرف اللہ ہی کو پکارتے ہو' تاکہ تمہاری مصیبتیں اور تکلیفیں دور ہو جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق اگر چاہے تو تم سے وہ تکلیف دور کر دیتا ہے اور ایسے وقت میں تم اپنے بتوں کو بھول جاتے ہو اور اللہ کے سوا تم کو کوئی یاد نہیں آتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ (الانعام: ۶۳-۶۴)

آپ کہئے کہ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے تمہیں کون نجات دیتا ہے؟ جسے تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو ہم شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے' آپ کہئے اس (مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے تمہیں اللہ ہی نجات دیتا ہے' پھر تم شرک کرتے ہو۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۶۵)

پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں درآنحالیکہ وہ اخلاص سے اس کی عبادت کرنے والے ہوتے ہیں اور جب وہ ان کو خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے' تو یکایک وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اپنے خالق کی معرفت رکھی ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ خدائے واحد کی پرستش کرے اور اسی کو پکارے۔ اس لیے انسان پر جب کوئی سخت مصیبت اور پریشانی آتی ہے تو اس کی امید کی نظریں اس کے سوا اور کسی کی طرف نہیں اٹھتیں:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم: ۳۰)

اللہ کی بنائی ہوئی سرشت کو اپنے اوپر لازم کر لو' جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی سرشت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ

اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے' پھر ہم نے ان کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا

وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا

کر دیا تاکہ وہ گڑگڑا کر دعا کریں ۝ تو جب ان کے پاس تنگی کا عذاب آیا تو انہوں نے کیوں نہ

وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

گڑگڑا کر دعا کی لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا ۝

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَىْءٍ حَتّٰٓى

پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے' حتیٰ کہ

اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناامید ہو کر رہ گئے ۝

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۵﴾

پس ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ○

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ

آپ کہیے یہ بتاؤ اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے جائے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو

مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ

اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ چیزیں تمہارے پاس لے آئے ، دیکھیے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں

هُمْ یَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً

پھر (بھی) وہ روگردانی کرتے ہیں ○ آپ کہیے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اچانک یا کھلم کھلا ، اللہ کا عذاب آجائے

اَوْ جَهْرَةً هَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ

تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کیے جائیں گے ○ ہم صرف خوش خبری سنانے والے

اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ

اور ڈرانے والے رسول بھیجتے ہیں ، پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان پر نہ کوئی

وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ

خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو اس وجہ سے عذاب ہو گا کہ

بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ

وہ نافرمانی کرتے تھے ○ آپ کہیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا

اور نہ میں ازخود غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا

یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے ، آپ کہیے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہے ، کیا تم غور نہیں کرتے ○

٥ ٩ ١١

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے' پھر ہم نے ان کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا' تا کہ وہ گڑ گڑا کر دعا کریں ○ تو جب ان کے پاس تنگی کا عذاب آیا تو انہوں نے کیوں نہ گڑ گڑا کر دعا کی' لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا۔ (الانعام: ۴۳-۴۲)

مصیبتیں اور تکلیفیں بندوں کو اللہ کی طرف راجع کرنے کے لیے نازل ہوتی ہیں

اس سے پہلی آیت میں کافروں کی ایک قوم کا حال بیان فرمایا تھا جو سختیوں اور مصیبتوں میں اللہ کی طرف رجوع کرتی تھی اور اس آیت میں ان سے زیادہ سخت دل کافروں کا حال بیان فرما رہا ہے جو سخت تکلیفوں اور مصیبتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ الباساء کا معنی ہے شدت' عذاب' قوت اور شدت فقر اور اس کا اطلاق جنگ اور مشقت پر بھی کیا جاتا ہے اور الباساء جنگ کی شدت کو بھی کہتے ہیں اور الضراء' ضرر سے بنا ہے' ضرر نفع کی ضد ہے' یعنی نقصان اور مرض کو بھی کہتے ہیں۔ اس آیت میں الباساء سے مراد ہے فقر کی تنگی اور الضراء سے مراد ہے بیماری کی سختی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی عبرت کے لیے سابقہ امتوں کی مثال دی اور یہ بتلایا کہ اپنے بندوں کو مشکلات اور سختیوں میں مبتلا کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے' تا کہ وہ گمراہی اور کفر سے ہدایت اور ایمان کی طرف رجوع کریں۔ اس لیے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے جنہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی دعوت دی۔ سو انہوں نے اپنے پیغمبروں کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو ہم نے ان کو فقر اور معاش کی تنگی میں اور بیماریوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیا' تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور گڑ گڑا کر اللہ سے دعا کریں' کیونکہ سختیاں جھیلنے سے انسان کندن بن جاتا ہے۔ مشرکین مکہ کو یہ اس لیے بتایا ہے کہ وہ بھی پچھلی امتوں کے کافروں کی طرح عذاب الٰہی کے منتظر تھے اور نبی ﷺ کی مخالفت کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو موکد فرمایا کہ جب ان کافروں پر فقر اور مرض کا عذاب مسلط کیا گیا تو انہوں نے اللہ سے گڑ گڑا کر دعا کیوں نہیں کی' ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہوئی' نہ خوف پیدا ہوا اور انہوں نے عبرت حاصل نہیں کی۔ سو ان کے دل پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اور یہ لوگ جو نبیوں سے عناد رکھتے تھے' شرک کرتے تھے اور فسق و فجور میں ڈوبے رہتے تھے' شیطان نے ان کے ان کاموں کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا اور ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اپنے باپ دادا کے طریقہ پر ڈٹے رہو' کیونکہ یہی حق و صواب ہے۔ پھر جب انہوں نے اس تنبیہ کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عذاب بھیجا جس سے وہ قومیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ چنانچہ فرمایا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے' حتیٰ کہ جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناامید ہو کر رہ گئے ○ پس ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (الانعام: ۴۵-۴۴)

گناہوں کے باوجود نعمتوں کا ملنا اللہ کی طرف سے استدراج اور ڈھیل ہے

اس آیت میں ان کے نصیحت کے بھولنے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا گیا' حالانکہ بھولنے سے احتراز تو ان کے اختیار میں نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بھولنے سے مراد ترک کرنا ہے' یعنی جب انہوں نے اس نصیحت کے تقاضوں پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ ابن جریج نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: جس دین کی طرف ان کو اللہ اور اس کے رسولوں نے دعوت دی تھی' اس کو انہوں نے ترک کر دیا' بلکہ اس کا انکار کیا اور اس کو رد کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی معاش کی تنگی کو رزق کی وسعت سے بدل دیا اور بیماریوں کو صحت اور سلامتی کے ساتھ بدل دیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کس طرح فرمایا ہے کہ ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ ان پر رحمت اور توبہ کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے۔ ان کے علاوہ نیکی اور صلاح اور فلاح کے دروازے بھی بہت زیادہ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی اس طرح نہیں ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے رزق کی وسعت' خوشحالی اور جسمانی صحت و سلامتی کے جو دروازے ان پر بند کر دیئے تھے' بطور استدراج اور ان کو ڈھیل دینے کے لیے ہم نے وہ بند دروازے ان پر کھول دیئے۔ اس کی نظیر اس آیت میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ○ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ (الاعراف: ۹۵-۹۴)

ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو اس بستی والوں کو (نبی کی تکذیب کی وجہ سے) ہم نے تنگی اور تکلیف میں گرفتار کر لیا' تاکہ وہ گڑگڑا کر دعا کریں' پھر ہم نے بدحالی کو خوشحالی سے بدل دیا' حتیٰ کہ وہ (مال اور اولاد میں) بہت زیادہ ہو گئے اور کہنے لگے' ہمارے آباء و اجداد کو بھی تکلیف اور راحت پہنچتی رہی ہے پھر ہم نے اچانک ان کو اپنی گرفت میں لے لیا در آنحالیکہ ان کو شعور نہ تھا۔

وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ○ (الاعراف: ۱۸۳)

اور میں انہیں ڈھیل دیتا ہوں' بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے۔

محمد بن نضر حارثی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بستی والوں کو بیس سال مہلت دی تھی۔ ابن جریج نے کہا کہ وہ خوشحالی میں مغرور تھے کہ اچانک ان پر عذاب آگیا۔ ابن زید نے کہا مبلس وہ شخص ہے جس پر ایسی مصیبت آجائے جس کا تدارک نہ ہو سکے۔ یا اس پر ایسا عذاب آئے جس سے بچاؤ نہ کیا جا سکے۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۲۵۶-۲۵۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے گناہوں کے باوجود ان کے سوالوں کے مطابق عطا فرما رہا ہے' تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے استدراج اور ڈھیل ہے' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے (الآیہ) (مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۳۱۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' طبع جدید' ۱۴۱۴ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں' حسن نے کہا جس شخص پر بھی اللہ نے دنیا وسیع کر دی ہے' اور اس کو یہ خوف نہ ہو کہ اس کو ڈھیل دی گئی ہے تو اس شخص کا عمل ناقص ہو گا اور اس کی فکر ردی ہو گی اور جس شخص سے اللہ نے دنیا کی وسعت روک لی ہو اور اس نے اس تنگی میں خیر کا گمان نہ کیا ہو' تو اس شخص کا عمل بھی ناقص ہو گا اور اس کی فکر ردی ہو گی اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی جب تم فقر کو اپنی طرف آتا دیکھو تو نیک لوگوں کی طرح مرحبا کہو' اور جب تم غنا کو اپنی طرف آتا دیکھو تو کہو یہ آزمائش ہے جس میں مجھے مبتلا کیا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۳۳۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جن لوگوں نے اپنے رب کے خلاف سرکشی کی تھی' اس کے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کے احکام کی مخالفت کی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کو اچانک بالکلیہ ہلاک کر دیا اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹا کر نیست و نابود کر دیا۔ اس لیے فرمایا پس ظالموں کی جڑ

کاٹ دی گئی اور فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، یعنی کامل ثناء اور مکمل شکر اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس نے اپنے رسولوں پر اور اپنی اطاعت کرنے والوں پر انعام فرمایا اور ان کو اپنے مخالف کافروں کے خلاف دلائل اور براہین سے غلبہ عطا فرمایا اور کافروں کو ان کے کفر اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے جس عذاب کی وعید سنائی تھی، وہ عذاب ان پر نازل کر دیا اور اپنی وعید کو سچا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے یہ بتاؤ! اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے جائے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ چیزیں تمہارے پاس لے آئے، دیکھیے! ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں، پھر (بھی) وہ روگردانی کرتے ہیں۔ (الانعام: ۴۶)

اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ خالقیت پر استدلال کرنا مقصود ہے، کیونکہ انسان کے اشرف الاعضاء کان آنکھیں اور دل ہیں۔ کان قوت سامعہ کا محل ہیں، آنکھیں قوت باصرہ کا محل ہیں اور دل حیات، عقل اور علم کا محل ہے۔ اگر ان اعضاء سے یہ صفات زائل ہو جائیں تو انسان کے حواس اور اس کی کارکردگی کا نظام فاسد ہو جائے گا اور وہ دین و دنیا کے فوائد حاصل کرنے سے محروم ہو جائے گا اور یہ بالبداہت معلوم ہے کہ جس ذات نے ان قوتوں کو پیدا کیا اور ان کو زائل ہونے سے محفوظ رکھا ہے، وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ان عظیم الشان اور عالی قدر نعمتوں کا دینے والا صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے تو پھر یہ کہنا واجب ہے کہ تعظیم، ثناء اور عبادت کا مستحق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ بتوں کی عبادت کرنا باطل اور فاسد طریقہ ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اگر وہ تمہارے دلوں پر مہر لگا دے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دے جس سے وہ ہدایت کو نہ سمجھ سکیں اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عقلوں کو بالکل زائل کر دے اور وہ پاگلوں اور مجنونوں کی طرح ہو جائیں اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ ان کے دلوں کو مردہ کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، دیکھیے! ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں، یعنی کبھی ہم انہیں اپنی نعمتیں یاد دلا کر ان کو ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہیں اور کبھی انہیں پچھلی امتوں کا عذاب یاد دلا کر ڈراتے ہیں اور کبھی اس بات سے ڈراتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو تمہارے اشرف الاعضاء کو معطل اور بے کار کر دیں، تاکہ تم ایمان لے آؤ اور کبھی اپنی الوہیت، قدرت اور توحید پر دلائل پیش کرتے ہیں کہ تم ان دلائل سے متاثر ہو کر ایمان لے آؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے یہ بتاؤ! اگر تمہارے پاس اچانک یا کھلم کھلا اللہ کا عذاب آ جائے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کیے جائیں گے۔ (الانعام: ۴۷)

کافروں کے عمومی عذاب میں، آیا مومن بھی مبتلا ہوں گے یا نہیں؟

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے صرف اشرف الاعضاء کو زائل کرنے کی وعید سنائی تھی اور اس آیت میں عمومی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عذاب خواہ کسی قسم کا ہو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا اس عذاب کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے۔ اسی طرح خواہ کسی قسم کی خیر ہو، اللہ عزوجل کے سوا اس کا کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے۔ اس آیت میں عذاب کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ اچانک اور کھلم کھلا، کیونکہ یا تو عذاب کی پہلے علامتیں نمودار ہوں گی یا پیشگی علامتوں کے بغیر عذاب آئے گا۔ ثانی الذکر اچانک عذاب ہے اور اول الذکر کھلم کھلا عذاب ہے۔ ثانی الذکر کا اچانک ہونا ظاہر ہے اور اول الذکر کو کھلم

کھلا اس لیے فرمایا کہ اس عذاب کی علامتیں پہلے نمودار ہو چکی تھیں' حتیٰ کہ اگر وہ اس عذاب سے بچنا چاہتے تو وہ کفر اور سرکشی سے توبہ کر کے بچ سکتے تھے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر یہ عذاب آجائے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ھلاک کیا جائے گا! اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب عمومی عذاب آئے گا تو پھر نیک اور بد کی تمیز نہیں رہے گی اور کافروں کے ساتھ مومن بھی ہلاک ہو جائیں گے؟ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگرچہ بظاہر مومن اور کافر دونوں ہلاک ہوں گے لیکن حقیقت میں ہلاکت صرف کفار کے لیے ہوگی اور مومنوں کے لیے یہ ضرر عظیم ثواب اور بلند درجات کا سبب ہوگا' اس لیے ان کے حق میں یہ ہلاکت نہیں ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ' یہ ہے کہ جب وہ کسی علاقہ کے کافروں پر عمومی عذاب نازل فرماتا ہے تو ایمان والوں کو وہاں سے نکال دیتا ہے' جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں پر جب عذاب نازل فرمایا تو ایمان والوں کو وہاں سے نکال لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم صرف خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجتے ہیں۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو اس وجہ سے عذاب ہوگا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ (الانعام: ۴۹-۴۸)

انبیاء علیہم السلام کا مقرر شدہ کام

اس آیت کا معنی ہے کہ ہم رسولوں کو صرف ترغیب اور ترہیب کے لیے بھیجتے ہیں۔ وہ دنیا میں رزق کی وسعت اور آخرت میں ثواب کی بشارت دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی مذکور ذیل آیتوں میں ترغیب اور ترہیب دونوں کی مثالیں ہیں:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَO اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىٕمُوْنَ (الاعراف: ۹۷-۹۶)

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور (اللہ سے) ڈرتے تو ہم ان پر ضرور آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے' لیکن انہوں نے (رسولوں کی) تکذیب کی تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو گرفت میں لے لیا O کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ راتوں رات ان پر عذاب آجائے درآنحالیکہ وہ سو رہے ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے رسولوں کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں۔ اس لیے نہیں بھیجا کہ کفار ان سے من مانے اور فرضی معجزات طلب کریں۔ انبیاء علیہم السلام صرف ان ہی معجزات کو پیش کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوتی ہے اور کسی انسان کی تسلی اور اطمینان کے لیے جس قدر معجزات کی ضرورت ہوتی ہے' وہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو عطا فرما دیتا ہے اور جو شخص ان معجزات کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے وہ آخرت میں عذاب سے بے خوف ہوگا اور جن لوگوں نے ان معجزات کے باوجود انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ان کو آخرت میں عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں' میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ کہئے: کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہے کیا تم غور نہیں کرتے۔ (الانعام: ۵۰)

نبی ﷺ سے قدرت، علم غیب اور فرشتہ ہونے کی نفی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی نبوت کے منکروں سے کہئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں خدا ہوں جس کی ملک میں آسمانوں اور زمینوں کے خزانے ہیں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں از خود ایسے غیب کو جانتا ہوں جن غیوبات کو اللہ تعالیٰ کے سوا از خود کوئی نہیں جانتا' حتیٰ کہ تم میرے دعویٰ نبوت کی تکذیب کرو' کیونکہ خدا وہی ہو سکتا ہے جس کی ملکیت میں کائنات کی ہر چیز ہو اور جس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہ ہو' یعنی جس کا علم اور اس کی قدرت کامل ہو خدا وہی ہو سکتا ہے اور نہ میں نے تم سے یہ کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں' کیونکہ میں تم کو دکھائی دیتا ہوں اور فرشتہ عام انسانوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام سنایا ہے یہ وہی ہے جس کی میری طرف وحی کی گئی تھی۔ میں صرف وحی الہیٰ کی پیروی کرتا ہوں' میں نے جو دعویٰ نبوت کیا ہے' اس پر میں نے اللہ کی طرف سے قوی اور مستحکم دلیلیں پیش کی ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں ہے اور نہ عقل کے خلاف ہے۔ اے محمد! ﷺ آپ کہئے' کیا وہ لوگ جو حق کو اور دلائل کو دیکھنے سے اندھے ہیں' وہ اور وہ لوگ جو دلائل کو دیکھ کر حق کا اعتراف کر لیتے ہیں' دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم لوگ میرے دعویٰ کی سچائی اور اپنی تکذیب کے فساد پر غور نہیں کرتے؟

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے تین جملے دراصل مشرکین کے تین سوالوں کے جواب ہیں:

۱- مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو آپ اللہ سے ہمارے لیے دنیا کے منافع اور اچھائیاں طلب کریں اور یہ کہ اللہ ہمارے لیے سعادتوں کے دروازے کھول دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے' ملک عطا کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے' اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ خیر اسی کے ہاتھ میں ہے' میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (خزانہ کا معنی ہے ایسی حفاظت کی جگہ جہاں لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں)

۲- مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر آپ درحقیقت رسول ہیں تو آپ ہمیں یہ بتائیں کہ مستقبل میں کیا فائدے ہوں گے اور کیا نقصانات ہوں گے؟ تاکہ ہم فوائد حاصل کرنے کی تیاری کریں اور نقصانات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہئے کہ میں (از خود) غیب کو نہیں جانتا' تو تم مجھ سے ان امور کا کیسے مطالبہ کرتے ہو؟

۳- مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے اور شادی کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ رہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہئے کہ میں فرشتوں میں سے نہیں ہوں۔

نبی ﷺ سے قدرت اور علم غیب کی نفی کا محمل

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے ان تین امور کی نفی کرائی۔ اس نفی کرانے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(الف) اس سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنی طرف سے اللہ کے سامنے تواضع اور خضوع کا اظہار کریں' تاکہ لوگ آپ کے متعلق وہ اعتقاد نہ کرلیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کیا گیا تھا۔

(ب) کفار مکہ آپ سے بہت زبردست معجزوں کے اظہار کا مطالبہ کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے' حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کردیں یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو' پھر آپ اس

کے درمیان سے کوئی دریا جاری کر دیں یا جیسا کہ آپ کہتے ہیں آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں یا آپ اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں یا آپ کا سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جسے ہم پڑھیں۔ آپ کہئے میرا رب سبحان ہے۔ میں تو صرف بشر رسول ہوں (بنی اسرائیل: ۹۳-۹۰) یعنی صرف رسالت اور نبوت کا دعویٰ دار ہوں اور جن امور کو تم طلب کر رہے ہو، ان کو اللہ کی قدرت کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ سو اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ جن معجزات کا تم مطالبہ کر رہے ہو ان کو حاصل کرنے کے لیے میرے پاس مستقل قدرت نہیں ہے۔

(ج) میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس ایسی قدرت ہے جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اور نہ میں غیب جانتا ہوں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ کے علم سے متصف ہوں اور ان دونوں جملوں کا حاصل یہ ہے کہ میں الوہیت کا مدعی نہیں ہوں۔

(تفسیر کبیر، ج ۴، ص ۴۸-۴۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ، طبع قدیم)

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے مقدورات اور اس کے خزانے ہیں۔ اور میں غیب نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ جس غیب کی میری طرف وحی نہ کی جائے، یا جس غیب پر دلیل (عقلی یا سمعی) قائم نہ ہو، اس کو میں نہیں جانتا، یا میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتوں کی جنس سے ہوں یا جن کاموں پر فرشتے قادر ہیں ان پر میں قادر ہوں۔ نبی ﷺ نے خدا ہونے اور فرشتہ ہونے کے دعویٰ سے براءت کا اظہار کیا اور نبوت کا دعویٰ کیا جو بشر کے کمالات سے ہے۔

(انوار التنزیل مع الکازرونی، ج ۲، ص ۴۱۱-۴۱۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مولانا شیخ الاسلام کا مختار یہ ہے کہ معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ عزوجل کے افعال سے متعلق علم غیب کو جانتا ہوں، حتیٰ کہ تم مجھ سے یہ سوال کرو کہ قیامت کس وقت واقع ہوگی یا عذاب کس وقت نازل ہوگا؟ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ غیب کفار کے انجام کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی میں اس کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں حتیٰ کہ تم مجھے خلاف عادت افعال کا مکلف کرو، مثلاً آسمان پر چڑھنے کا، اس سے یہ وہم نہ ہو کہ فرشتہ نبی سے افضل ہوتا ہے کیونکہ شیر، بھیڑیا، سانپ اور پرندے ایسے کام کر لیتے ہیں جو انسان نہیں کر سکتا، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انسان سے افضل ہوں۔ (روح المعانی، ج ۷، ص ۱۵۶-۱۵۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علماء دیوبند کے نزدیک علم غیب کی نفی کا محمل

اس آیت کو علماء دیوبند نے بھی اس پر محمول کیا ہے کہ نبی ﷺ سے مطلقاً علم غیب کی نفی نہیں کی گئی، بلکہ مستقل اور بالذات علم کی نفی کی گئی ہے یا آپ سے تمام معلومات الٰہیہ کی نفی کی گئی ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں تمام غیبوں کو (جو کہ معلومات الٰہیہ ہیں) جانتا ہوں (جیسا کہ کبھی کبھی بطور عناد اس قسم کی باتیں پوچھتے ہو کہ قیامت کب آئے گی؟) (بیان القرآن، ج ۱، ص ۲۷۸، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو اس کا یہ دعوی نہیں ہوتا کہ تمام مقدورات الٰہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے' وہ ضرور ہی کر دکھلائے یا تمام معلومات غیبیہ و شہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو' اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پوچھو وہ فوراً بتلا دیا کرے۔

(تفسیر عثمانی بر ترجمہ شیخ محمود الحسن' ص ۱۷۷)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کے تحت خلاصہ تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں تمام غیب کی چیزوں کو جانتا ہوں (جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے)

(معارف القرآن' ج ۳' ص ۳۲۴' مطبوعہ ادارہ المعارف' کراچی ۱۴)

نبی ﷺ کے لیے علم غیب کا ثبوت

مفسرین کرام نے اس آیت میں علم غیب کی نفی کو مطلقاً علم غیب کی نفی پر محمول نہیں کیا' بلکہ اس علم غیب کی نفی پر محمول کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو خصوصاً اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو عموماً علم غیب عطا فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض آیات حسب ذیل ہیں:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (آل عمران: ۴۴)
یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جس غیب کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے علم کا ایک ذریعہ وحی ہے' سو جب نبی ﷺ کی طرف غیب کی وحی کی گئی تو آپ کو غیب کا علم ہو گیا۔ چونکہ شرح عقائد میں لکھا ہوا ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں۔ حواس سلیمہ' خبر صادق اور عقل (شرح عقائد' ص ۱۰) اور جب نبی ﷺ کو غیب کی خبریں دی گئیں تو آپ کو غیب کا علم حاصل ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ (ھود: ۴۹)
یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن خبروں کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔

عمومی طور پر انبیاء علیہم السلام کو غیب پر مطلع کرنے کا ذکر ان آیات میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران: ۱۷۹)
اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہیں غیب پر مطلع کرے ہاں (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) وہ چن لیتا ہے جسے چاہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن: ۲۶-۲۷)
(اللہ) غیب کا جاننے والا ہے' وہ اپنے غیب کا کسی پر اظہار نہیں فرماتا' سوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا' جو اس کے رسول ہیں۔

بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی طرف صراحتاً علم غیب کی نسبت نہیں کی' بلکہ اظہار غیب اور اطلاع علی الغیب کی نسبت کی ہے۔ اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام پر غیب ظاہر کیا گیا' یا ان کو غیب پر مطلع کیا گیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غیر سے علم غیب کی بلا استثناء نفی فرمائی ہے' اس لیے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو علم غیب ہے' بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو علم غیب دیا گیا' یعنی عبارت میں کوئی ایسا قرینہ ہو جس سے معلوم ہو کہ اس علم سے

مراد عطائی ہے' ذاتی نہیں ہے۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصا جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کردی ہے اور یہ یقیناً حق ہے۔ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (الملفوظ' ج ۳' ص ۴۷ 'مطبوعہ نوری کتب خانہ 'لاہور)

امام احمد رضا قادری کی اس عبارت سے مذکور الصدر تحقیق کی تائید ہوتی ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

اس معاملہ میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو غیب کی ہزاروں لاکھوں چیزوں کا علم عطا فرمایا تھا' بلکہ تمام فرشتوں اور اولین و آخرین کو جتنا علم دیا گیا ہے' ان سب سے زیادہ حضور ﷺ کو علم عطا فرمایا گیا ہے۔ یہی پوری امت کا عقیدہ ہے۔ ہاں! اس کے ساتھ ہی قرآن و سنت کی بے شمار تصریحات کے مطابق تمام ائمہ سلف و خلف کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا علم محیط صرف حق تعالیٰ شانہ کی مخصوص صفت ہے۔ جس طرح اس کے خالق و رازق قادر مطلق ہونے میں کوئی فرشتہ یا رسول اس کے برابر نہیں ہو سکتا' اسی طرح اس کے علم محیط میں بھی کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی فرشتہ یا پیغمبر کو لاکھوں چیزیں معلوم ہونے کے باوجود عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

(معارف القرآن' ج ۳' ص ۳۲۸ 'مطبوعہ ادارۃ المعارف 'کراچی' ۱۴۱۴ھ)

نبی ﷺ پر عالم الغیب کے اطلاق کا عدم جواز

ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب ثابت ہے۔ اس کے باوجود ہمارے نزدیک آپ پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں ہے' کیونکہ عالم الغیب کا لفظ عرف اور شرع میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہو چکا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے' حالانکہ آپ عزیز و جلیل ہیں۔ اسی طرح محمد تبارک و تعالیٰ کہنا جائز نہیں ہے' حالانکہ آپ بابرکت اور بلند ہیں' کیونکہ عرف اور شرع میں عزوجل اور تبارک و تعالیٰ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔

امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ کے بتائے سے امور غیب پر انہیں اطلاع ہے۔

(الامن والعلیٰ' ص ۲۰۳' مطبوعہ نوری کتب خانہ 'لاہور)

مولانا سردار احمد متوفی ۱۳۸۲ھ لکھتے ہیں:

لفظ عالم الغیب کا اطلاق ہم بھی عرفاً غیر خدا عزوجل پر نہیں کرتے۔ (مناظرہ بریلی' ص ۱۰۶' مطبوعہ المکتبۃ الحامدیہ' لاہور)

ہم نے اپنی کتاب مقام ولایت و نبوت میں علماء اہل سنت اور خصوصاً علماء دیوبند کی بکثرت عبارات پیش کی ہیں۔ جن میں مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کی گئی ہے۔

نبی ﷺ کے علم غیب کے متعلق اہل سنت کا مسلک

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

۱- بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں' اس قدر خود ضروریات دین سے ہے اور منکر کافر۔

۲- بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا۔ مساوی تو درکنار تمام اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ

مقربین سب کے علوم مل کر علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرہ سی بوند کے کروڑویں حصہ کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ' دونوں متناہی ہیں' اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الٰہیہ کے غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش و فرش' و شرق و غرب و جملہ کائنات از روز اول تا روز آخر کو محیط ہو جائیں۔ آخر متناہی ہیں کہ عرش و فرش دو حدیں ہیں' شرق و غرب دو حدیں ہیں' روز اول و روز آخر دو حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہے' سب متناہی ہے' بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا' تو جملہ علوم خلق کو علم الٰہی سے اصلاً نسبت ہوتی ہی محال قطعی ہے' نہ کہ معاذ اللہ توہم مساوات۔

۳- یونہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے۔ یہ بھی ضروریات دین سے ہے' جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

۴- اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کا حصہ تمام انبیاء' تمام جہاں سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم ﷺ کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے' مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا۔

(خالص الاعتقاد' ص ۳۹-۳۸' مطبوعہ مطبع اہل سنت' بریلی' ۱۳۲۸ھ)

کیا نبی ﷺ کا اتباع وحی کرنا آپ کے اجتہاد کے منافی ہے؟

اس آیت کے آخر میں ہے (آپ کہئے کہ) میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے' آپ کہئے: کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں کیا تم غور نہیں کرتے۔ (الانعام: ۵۰)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتے تھے اور آپ اجتہاد نہیں کرتے تھے' بلکہ آپ کے تمام احکام وحی سے صادر ہوتے تھے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ — اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے' ان کا کلام کرنا صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ (النجم: ۴-۳)

اور جب نبی ﷺ اجتہاد نہیں کرتے تو امت کے لیے بھی اجتہاد جائز نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے' بلکہ ان پر لازم ہے کہ صرف وحی الٰہی کی اتباع کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید فرمائی' کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں؟ کیونکہ بغیر وحی کے عمل کرنا اندھے کے عمل کے قائم مقام ہے اور وحی کے مطابق عمل کرنا دیکھنے والے کے عمل کے قائم مقام ہے۔ پھر فرمایا کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔ اس سے صاحب عقل کو متنبہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ان دونوں امور کا فرق سمجھے اور غافل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۴۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

نبی ﷺ کے اجتہاد پر دلائل

امام رازی کی یہ تقریر صحیح نہیں ہے۔ نبی ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا اجتہاد کرنا جائز ہے اور نصوص پر قیاس کرنا بھی جائز ہے۔ سورۂ انبیاء ۷۹-۷۸ میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے اجتہاد کا ذکر ہے اور امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی' پھر وہ فوت ہو گئی' اس کا بھائی نبی ﷺ کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے

فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو' وہ ادائیگی کے زیادہ حقدار ہے۔
(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۵۲' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۶۹۹' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۳۱۵' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۳۱)
اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور یہ نبی ﷺ کے اجتہاد اور قیاس کی دلیل ہے۔

قرآن مجید میں ہے:
فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (الحشر: ۲) اے صاحبان بصیرت! اعتبار کرو۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا اور یہی معنی قیاس میں بھی متحقق ہوتا ہے' کیونکہ قیاس میں اصل کے حکم کو فرع کی طرف منتقل کرتے ہیں۔
قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:
اس آیت سے قیاس کی حجت پر استدلال کیا گیا ہے' کیونکہ اس آیت میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دو چیزوں میں مشارکت کی وجہ سے ایک کا حکم دوسرے پر لاگو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہی قیاس ہے۔ (انوار التنزیل علی ہامش عنایۃ القاضی' ج ۸' ص ۱۷۶-۱۷۷' مطبوعہ دار صادر' بیروت)
علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:
اس آیت میں ہمیں اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا' بایں طور کہ اس شے پر اس کی نظیر کا حکم عائد کیا جائے اور یہ اعتبار نصیحت حاصل کرنے' قیاس شرعی اور قیاس لغوی کو شامل ہے اور یہ آیت نصیحت حاصل کرنے پر عبارۃ" اور قیاس پر اشارۃ" دلالت کرتی ہے۔ (عنایۃ القاضی' ج ۸' ص ۱۷۶' مطبوعہ دار صادر' بیروت)

صحابہ کرام کے اجتہاد پر دلائل

بکثرت احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ایک سرد رات میں جنبی ہو گئے۔ انہوں نے اجتہاد کر کے غسل کی بجائے تیمم کر لیا' نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔
(صحیح البخاری' کتاب التیمم' باب ۷)

اور امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کو توفیق عطا کی۔
(سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۳۳۲' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۵۹۲' مسند احمد' ج ۵' ص ۲۳۶-۲۳۰)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حاکم اجتہاد سے حکم کرے اور صحیح حکم دے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب وہ حکم میں خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔
(سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۳۳۱' صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۳۵۲' صحیح مسلم اقضیہ ۱۵ (۱۷۱۶) ۴۴۰۷' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۵۷۴' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۱۴' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۵۹۱۸)

آپ کا وحی کی اتباع کرنا اجتہاد کے منافی نہیں ہے

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ نے اجتہاد کیا ہے اور آپ نے صحابہ کرام کو اجتہاد کرنے کی ہدایت بھی کی ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اس آیت میں ہے "میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے" اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں قرآن مجید میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا' میں اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اجتہاد سے جو احکام دیئے ان کی تائید اللہ کی وحی سے ہو گئی' کیونکہ جب آپ احکام دے رہے تھے اس وقت نزول وحی کا زمانہ تھا۔ اگر آپ کے احکام میں خطا ہوتی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آپ کی اصلاح فرما دیتا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے احکام کو برقرار رکھا' تو معلوم ہوا کہ آپ کے احکام صحیح تھے اور چونکہ آپ کے احکام کو وحی کی تائید حاصل تھی' تو گویا آپ مآل کے اعتبار سے اتباع وحی کر رہے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ منصوص احکام میں آپ صراحۃً اتباع وحی کرتے ہیں اور غیر منصوص احکام اور اجتہادی مسائل میں آپ مآل کے اعتبار سے اتباع وحی کرتے تھے۔ اس لیے آپ کا یہ فرمانا صحیح ہے کہ میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ کفار آپ سے مال طلب کرتے تھے۔ غیب کی باتیں پوچھتے تھے اور غیر معمولی کام کرنے کے لیے کہتے تھے۔ تو آپ سے فرمایا کہ آپ کہئے کہ میں صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں' میں وہی چیزیں دوں گا اور وہی چیزیں بتاؤں گا اور وہی کام کروں گا جس کی اللہ مجھے اجازت دے گا۔ اس لیے یہ آیت نبی ﷺ کے اجتہاد کے خلاف نہیں ہے۔ یہاں چونکہ اجتہاد کی بحث آ گئی ہے' اس لیے ہم اجتہاد کی تعریف اور نبی ﷺ کے اجتہاد میں مذاہب علماء بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

اجتہاد کی تعریف

امام غزالی نے اجتہاد کی یہ تعریف کی ہے احکام شرعیہ کا علم حاصل کرنے کے لیے مجتہد کا اپنی طاقت کو خرچ کرنا۔
(المستصفیٰ' ج ۲' ص ۳۵۰)

علامہ آمدی نے کہا احکام شرعیہ میں سے کسی حکم شرعی کا ظن غالب حاصل کرنے کے لیے اتنی کوشش کرنا کہ اس سے زیادہ کوشش سے نفس عاجز ہو۔ (الاحکام' ج ۴' ص ۱۶۹)

قاضی بیضاوی نے کہا احکام شرعیہ حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا۔
(نہایۃ السؤل' ج ۴' ص ۵۲۴' الابہاج' ج ۳' ص ۲۴۶' الابہاج' ص ۲۶۷)

علامہ ابن ہمام نے کہا حکم شرعی ظنی کو حاصل کرنے کے لیے فقیہ کا اپنی طاقت کو خرچ کرنا۔ (تیسیر التحریر' ج ۴' ص ۱۷۹)

ان تعریفات میں طاقت خرچ کرنے' جدوجہد کرنے اور کوشش کرنے سے مراد یہ ہے کہ مجتہد علمی اور ذہنی کوشش کرے اور جس پیش آمدہ مسئلہ کا حکم معلوم کرنا ہے' قرآن مجید' احادیث اور آثار صحابہ میں اس کی نظائر تلاش کرے اور اصل اور فرع میں علت مشترکہ نکالے اور اس میں غور کرے کہ جس مسئلہ کو وہ قیاس سے معلوم کر رہا ہے' کہیں وہ صراحتاً کتاب و سنت میں منصوص تو نہیں ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے متعلق علماء اسلام کے مذاہب

علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ دنیاوی مصلحتوں اور جنگ کی تدبیروں اور ان جیسے امور میں نبی ﷺ کا اجتہاد کرنا جائز ہے اور آپ نے ان امور میں اجتہاد کیا بھی ہے۔ ابن حزم نے اس کی یہ مثال دی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے تہائی پھل دے کر

غطفان سے صلح کا ارادہ کیا اور یہ مباح ہے' کیونکہ آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ اپنے مال سے جس کو چاہیں' ہبہ کردیں۔ اسی طرح جب مسلمانوں نے کھجوروں میں پیداوار کی کمی کی شکایت کی تو آپ نے کھجوروں میں پیوند لگانے کا حکم دیا' کیونکہ ہر شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی کھجور میں پیوند لگائے یا نہ لگائے' اور احکام شرعیہ میں آپ کے اجتہاد کے متعلق اختلاف ہے کہ جن چیزوں میں نصوص وارد نہیں ہیں' ان میں آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء کے نزدیک آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے' بعض کے نزدیک آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے اور بعض نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے عدم جواز کے قائلین

استاذ ابو منصور کا مذہب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ آپ کو نص کے حصول پر قدرت ہے۔ قرآن مجید میں ہے ان ھو الا وحی یوحی (النجم: ۴) ان کا کلام کرنا صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے' ابن حزم کا بھی یہی مختار ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے گدھوں کی زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا مجھ پر ان کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۶۰' صحیح مسلم' زکوٰۃ' ۲۴' (۹۸۷) ۲۲۵۳' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۵۶۳)

نبی ﷺ سے جب کسی کام کے متعلق سوال کیا جاتا تو آپ وحی کا انتظار فرماتے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں تھا۔ پھر ایک قول یہ ہے کہ آپ کے لیے اجتہاد کرنا عقلاً ممتنع ہے۔ یہ امام الحرمین کا قول ہے' جس کو انہوں نے تلخیص میں لکھا ہے اور ابو علی اور ابو ہاشم کا مذہب یہ ہے کہ آپ اجتہاد سے عبادت نہیں کرتے تھے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے جواز کے قائلین

امام شافعی' امام احمد' اکثر مالکیہ' قاضی ابو یوسف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے۔ امام شافعی نے "الرسالہ" میں اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اور بندوں کو تدبر اور اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لیے مثالیں بیان فرمائی ہیں' اسی طرح نبی ﷺ کو بھی تدبر اور تفکر کرنے کا حکم دیا ہے' بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سب سے زیادہ غور و فکر کرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ اعتبار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے "ان ھو الا وحی یوحی" (النجم: ۴) ان کا کلام کرنا صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے اس سے مراد قرآن کریم ہے اور اجتہاد شرعی کی اجازت دی گئی ہے۔ جنگی واقعات میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ مثلاً نضر کو قتل کرنا اور بہت سے امور ہیں۔ آپ نے غور و فکر کرکے دو جائز کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہے اور احکام شرعیہ میں آپ کے لیے اجتہاد کرنا اس لیے جائز ہے کہ جب امت کے لیے احکام شرعیہ میں اجتہاد کرنا جائز ہے' تو آپ کے لیے بہ طریق اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ خطاء سے معصوم ہیں' اور امت خطاء سے معصوم نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ اجتہاد سے کسی حکم کو معلوم کرنے میں منصوص حکم کو معلوم کرنے کی بہ نسبت زیادہ دشواری ہے اور جس عمل میں زیادہ مشقت ہو' اس میں زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے متعلق توقف کے قائلین

علامہ الصیرفی نے "شرح الرسالہ" میں لکھا ہے کہ یہ امام شافعی کا مذہب ہے' کیونکہ امام شافعی نے اس مسئلہ میں کئی اقوال نقل کیے ہیں اور کسی قول کو مختار قرار نہیں دیا اور یہ کہا کہ جس چیز میں نص کتاب نہ ہو اور اس میں رسول اللہ ﷺ نے کسی طریقہ کو بیان نہیں کیا' اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے نبی ﷺ کو اس کا علم عطا فرمایا ہے

اور بعض علماء نے کہا نبی ﷺ نے اسی کام کے طریقہ کو بیان کیا ہے جس کی اصل کتاب میں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا نبی ﷺ کے پاس اللہ کا پیغام آتا تو نبی ﷺ اس پیغام سے اللہ تعالیٰ کے فرض ادا کرنے کا طریقہ (سنت) بیان فرماتے۔ بعض نے کہا نبی ﷺ نے سنت سے جتنے احکام بیان کیے ہیں' وہ سب آپ کے دل میں القا کیے گئے تھے۔ پھر امام شافعی نے الناسخ والمنسوخ کے باب میں بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا يَكُونُ لِيٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِيْ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اس قرآن کو اپنی طرف سے تبدیل کردوں۔ (یونس: ۱۵)

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حق دیا ہے کہ جس مسئلہ میں کتاب کا حکم نازل نہیں ہوا ہے' اس میں اللہ کی توفیق سے اپنی طرف سے بیان فرمائیں۔ پھر کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ (الرعد: ۳۹) اللہ مٹاتا ہے جو چاہے اور ثابت کرتا ہے جو چاہے۔

اللہ جس فرض کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس فرض کو چاہتا ہے ثابت کر دیتا ہے۔

آپ کے اجتہاد کرنے کے متعلق امام شافعی نے یہ متعارض دلائل نقل کیے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ ان کا رجحان توقف کی طرف ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کے متعلق مذاہب علماء

نبی ﷺ سے اجتہاد کے وقوع کے متعلق چار مذاہب ہیں۔ بعض علماء نے وقوع کا مطلقاً انکار کیا' بعض علماء نے اصول اور قواعد میں آپ کے اجتہاد کرنے کا انکار کیا اور یہ کہا کہ آپ فروع اور مسائل میں اجتہاد کرتے تھے اور بعض نے اس میں توقف کیا۔ جنہوں نے اجتہاد کے وقوع کا انکار کیا' انہوں نے کہا تمام سنت وحی ہے' لیکن یہ وحی غیر متلو ہے اور قرآن مجید وحی متلو ہے اور سنن کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ ہے۔ امام مسلم نے حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص کے جبہ پر خوشبو کے لیپ کے آثار تھے' اس نے نبی ﷺ سے پوچھا آپ مجھے عمرہ میں کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ اس وقت نبی ﷺ پر وحی نازل ہوئی' آپ کے اوپر کپڑا ڈال دیا گیا۔ حضرت یعلی کی یہ خواہش تھی کہ وہ نبی ﷺ پر نزول وحی کی کیفیت دیکھیں۔ حضرت عمر نے کپڑے کی چادر ایک طرف ہٹائی تو حضرت یعلی نے دیکھا کہ ان کو اونٹ کے بڑبڑانے کی آواز آ رہی تھی' جب آپ سے یہ کیفیت دور ہوئی تو آپ نے فرمایا اس خوشبو کے اثر کو دھو ڈالو اور جبہ اتار دو اور جو کچھ حج میں کرتے ہو' وہی عمرہ میں بھی کرو۔

(صحیح مسلم' ج ۶' (۱۱۸۰) ۲۷۵۲' صحیح بخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۴۷' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۴۷)

یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں یہ قطعی دلیل ہے کہ جس طرح آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا' اسی طرح سنت بھی نازل ہوتی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر منصوص احکام میں نبی ﷺ اجتہاد نہیں کرتے تھے' بلکہ وحی سے احکام حاصل کر کے بیان کرتے تھے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے کہا کہ نبی ﷺ کے لیے اجتہاد کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واقع ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا نبی ﷺ کے اجتہاد میں خطا جائز ہے یا نہیں۔ محققین کا مذہب یہ ہے کہ آپ کے اجتہاد میں خطا جائز نہیں ہے اور اکثر علماء جواز کے قائل ہیں' لیکن آپ کو خطا پر برقرار نہیں رکھا جاتا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی' ج ۱' ص ۵۸۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں احادیث

جن لوگوں نے نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کا انکار کیا ہے' انہوں نے حضرت یعلیٰ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب آپ سے عمرہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس وقت تک جواب نہیں دیا جب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی' لیکن بکثرت ایسی احادیث ہیں کہ نبی ﷺ نے نزول وحی کے بغیر فی الفور سائل کے جواب دیئے اور یہ جوابات آپ کے اجتہاد پر قوی دلیل ہیں اور حضرت یعلیٰ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ وحی سے احکام حاصل کرتے تھے' لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ہر حکم وحی سے حاصل کرتے تھے اور اجتہاد بالکل نہیں کرتے تھے' جبکہ آپ نے بکثرت سوالات کے جوابات میں فی الفور احکام شرعیہ بیان فرمائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے دن یہ خبر دی گئی کہ خزاعہ نے بنولیث کے ایک شخص کو اپنے مقتول کے بدلہ میں قتل کر دیا ہے' جس کو بنولیث نے قتل کیا تھا۔ نبی ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا بے شک اللہ نے مکہ میں قتل کو بند کر دیا ہے اور ان پر رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو مسلط کر دیا ہے۔ سنو! مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی شخص کے لیے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہو گا۔ سنو! وہ میرے لیے دن کی صرف ایک ساعت کے لیے حلال ہوا ہے اور سنو! یہ وہی ساعت ہے' نہ اس کے کانٹوں کو اکھاڑا جائے گا' نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے گا اور نہ اس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے گی' ماسوا اعلان کرنے والے کے' اور جن لوگوں کا کوئی شخص قتل کیا گیا ہو' اس کو دو اختیار ہیں' یا تو وہ دیت لے لے یا قصاص لے لے۔ یمن کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے یہ لکھ کر دیں۔ آپ نے فرمایا ابو فلاں کے لیے یہ لکھ دو۔ قریش کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اذخر (ایک قسم کی گھاس) کا استثناء فرمائیے' کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں میں اور قبروں میں رکھتے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا ماسوا اذخر کے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱۲' صحیح مسلم' ج ۴' ۴۴۵' (۱۳۵۳) ۳۲۴۴' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۰۱۸' سنن نسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۸۷۵' ۲۸۷۴' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۵۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ سے اذخر کے استثناء کا سوال کیا گیا اور آپ نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے اس کا استثناء کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ محرم کیا پہنے؟ آپ نے فرمایا محرم قمیص پہنے' نہ عمامہ' نہ شلوار' نہ ٹوپی' نہ زعفران یا سرخ رنگ سے رنگا ہوا کپڑا۔ اگر اس کو نعلین نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے اور ان کو (اوپر سے) کاٹ لے حتیٰ کہ وہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۴' صحیح مسلم' ج ۳' (۱۱۷۷) ۲۷۴۴' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۶۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۹۳۲)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے سائل کے جواب میں وحی کی طرف مراجعت کیے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے محرم کے لباس کے متعلق حکم شرعی بیان فرمایا۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں اور وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ

بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اور نہ کسی نیکی کے کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں۔ (الممتحنہ: ۱۲) اور نیکی کے کاموں میں سے نوحہ کی ممانعت بھی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آل فلاں کا استثناء کر دیجئے، کیونکہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں (نوحہ کرنے میں) میری مدد کی تھی، تو میرے لیے بھی ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماسوا آل فلاں کے۔

(صحیح مسلم، جنائز، ۳۳، (۹۳۷) ۲۱۳۰، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ماموں حضرت ابو بردہ بن نیار نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بکری کا گوشت ہے (یعنی قربانی نہیں ہے، کیونکہ وہ نماز عید کے بعد ہے) انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس چھ ماہ کا بکرا ہے، آپ نے فرمایا تم اس کی قربانی کر لو تمہارے علاوہ اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

(صحیح مسلم، الاضاحی، ۴، (۱۹۶۱) ۴۹۷۹، صحیح البخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۶۵، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۰۱، ۲۸۰۰، سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۱۳، سنن النسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۶۳، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۴۸۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۲۶۳، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۸۵۰۷، طبع جدید)

ان دونوں حدیثوں میں نبی ﷺ نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر استثناء بیان فرمایا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا میں خوشی سے سرشار تھا تو میں نے روزے کے باوجود بوسہ لے لیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج میں نے بہت سنگین کام کیا ہے۔ میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا، آپ نے فرمایا یہ بتاؤ! اگر تم روزے کی حالت میں پانی سے کلی کر لو تو! (دارمی میں ہے) میں نے کہا تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہو گا۔ آپ نے فرمایا تو اس سے کیسے ہو گا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۸۵، سنن دارمی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۷۲۴، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۱)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے صراحتاً قیاس سے حکم شرعی بیان فرمایا ہے اور روزے میں بوسہ لینے کو کلی کرنے پر قیاس فرمایا ہے اور یہ آپ کے اجتہاد پر واضح دلیل ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب نے نبی ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! مالدار لوگ تو اجر و ثواب لے گئے، وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد مال سے صدقہ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ نے تمہارے لیے صدقہ کا سبب مہیا نہیں کیا؟ ہر بار "سبحان اللہ" کہنا صدقہ ہے، ہر بار "الحمد للہ" کہنا صدقہ ہے اور ہر بار "لا الہ الا اللہ" کہنا صدقہ ہے، اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تم میں سے ہر شخص کا جماع کرنا صدقہ ہے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی شخص محض شہوت سے جماع کرے، پھر بھی اس کا یہ عمل صدقہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تم میں سے کوئی شخص حرام محل میں شہوت پوری کرتا تو کیا اس کو گناہ ہوتا؟ سو اسی طرح جب وہ حلال محل میں شہوت پوری کرے گا، تو اس کو اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم، زکوۃ، ۵۳، (۱۰۰۶) ۲۲۹۲، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۹۳۷، مسند احمد، ج ۵، ص ۱۶۸-۱۶۷)

اس حدیث میں بھی نبی ﷺ کے قیاس اور اجتہاد پر واضح دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی، پھر وہ فوت ہو گئی۔ اس کا بھائی نبی ﷺ کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ! اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا

ہاں! آپ نے فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو، وہ ادائیگی کے زیادہ حقدار ہے۔
(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۳۱)
اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور یہ نبی ﷺ کے اجتہاد کی قوی دلیل ہے۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ
اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں درآں حالیکہ اللہ
مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ
کے سوا نہ ان کا کوئی مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا۔ (ان کو ڈرائیے) تاکہ وہ متقی ہو جائیں ○ اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ
نہ کیجیے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں درآں حالیکہ وہ اسی کی رضا جوئی کرتے ہیں، ان کا حساب بالکل
مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ
آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرمو ان کے ذمہ نہیں ہے، پس اگر (بالفرض) آپ نے ان کو
فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ
دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے ○ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض
بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ
کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا، تاکہ انجام کار وہ (مالدار کافر) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے
اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا
احسان کیا ہے؛ (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟ ○ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے
فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ
ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے، کہ تم میں سے جس کسی نے
عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ
ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بیشک اللہ بہت

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ

بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور ہم یونہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع

ہو جائے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرایئے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں' درآنحالیکہ اللہ کے سوا نہ ان کا کوئی مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا (ان کو ڈرایئے) تاکہ وہ متقی ہو جائیں۔ (الانعام: ۵۱)

کافروں اور مسلمانوں کو ڈرانے کے الگ الگ محمل

اس سے پہلے کی آیتوں میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں فرمایا اس قرآن کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرایئے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ان لوگوں سے کون مراد ہیں؟ بعض نے کہا اس سے مراد کافر ہیں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کافروں کو عذاب آخرت سے ڈراتے تھے' اور بعض کافروں پر اس ڈرانے کا اثر ہوتا تھا اور وہ سوچتے تھے کہ شاید آپ ٹھیک کہتے ہوں۔ پھر فرمایا اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہیں ہو گا۔ اس میں یہود و نصاریٰ کا رد ہے جو کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ (المائدہ: ۱۸) اور اس میں مشرکین کا بھی رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے اور بعض مفسرین نے کہا کہ ان لوگوں سے مراد مسلمان ہیں اور معنی یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کو ڈرایئے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں' کیونکہ مسلمانوں کو ہرچند کہ اپنے رب کے سامنے جمع کیے جانے کا یقین تھا' لیکن ان کو اپنے اوپر عذاب کا یقین نہیں تھا' کیونکہ ان کو یہ گمان تھا کہ ان کا خاتمہ ایمان اور نیک اعمال پر ہو گا۔ تاہم یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ان کو عذاب ہو' اس لیے فرمایا کہ آپ انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرائیں' تاکہ وہ گناہوں سے باز رہیں اور نیک اعمال پر ثابت قدم رہیں۔ اس کے بعد فرمایا اس دن اللہ کی اجازت کے بغیر نہ کوئی مدد کر سکے گا' نہ شفاعت کر سکے گا اور گناہ گار مسلمانوں کے لیے جو شفاعت کی جائے گی' وہ اللہ کی اجازت سے ہو گی:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ: ۲۵۵)
کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کر سکے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا: ۲۳)
اور اس کی بارگاہ میں صرف اسی کی شفاعت سے نفع ہو گا جس کے لیے وہ اجازت دے گا۔

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (الانبیاء: ۲۸)
اور وہ (فرشتے) اسی کی شفاعت کریں گے جس کے لیے وہ (رب) راضی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں درآنحالیکہ وہ اسی کی رضاجوئی کرتے ہیں' ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرمو ان کے ذمہ نہیں

ہے‘پس اگر (بالفرض) آپ نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے۔ (الانعام: ۵۲)

مسکین مسلمانوں کو ان کی مسکینی کی بناء پر مجلس سے اٹھانے کی ممانعت

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزری اس وقت آپ کے پاس حضرت خباب‘ حضرت صہیب‘ حضرت بلال اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں۔ (الانعام: ۵۱)

(مسند احمد‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۳۹۸۵‘ طبع دارالحدیث قاہرہ‘ علامہ احمد محمد شاکر‘ متوفی ۱۳۷۶ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد‘ ج ۱‘ ص ۴۲۰‘ طبع قدیم‘ بیروت)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔ (الانعام: ۵۲) کی تفسیر میں بیان کیا‘ اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکین مسلمانوں میں سے حضرت صہیب‘ حضرت بلال‘ حضرت عمار اور حضرت خباب آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں‘ جب مشرکین نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہوں نے ان مسکین مسلمانوں کو حقیر جانا‘ پس وہ آپ کے پاس آکر خلوت میں بیٹھے اور کہنے لگے‘ ہم آپ کے ساتھ مجلس میں شرکت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عربوں میں ہماری کیا فضیلت ہے؟ عرب کے وفود آپ کے پاس آتے رہتے ہیں اور ہم کو حیا آتی ہے کہ عرب لوگ ہم کو ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھیں۔ تو جب ہم آپ کے پاس آیا کریں آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں اور جب ہم آپ کی مجلس سے فارغ ہو جائیں‘ تو پھر آپ چاہیں تو ان کو اپنے پاس بٹھا لیا کریں۔ آپ نے فرمایا اچھا‘ انہوں نے کہا آپ ہمیں یہ لکھ کر دے دیں۔ آپ نے صحیفہ منگوایا اور حضرت علی کو لکھنے کے لیے بلایا اور ہم اس وقت ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام اس آیت کو لے کر نازل ہوئے اور ان (مسکین مسلمانوں کو) دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں درآنحالیکہ وہ اسی کی رضاجوئی کرتے ہیں‘ ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرمو ان کے ذمہ نہیں ہے‘ پس اگر بالفرض آپ نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے۔ (الانعام: ۵۲)

پھر اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کا ذکر کیا اور فرمایا اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا‘ تاکہ انجام کار وہ (مال دار کافر) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے۔ (الانعام: ۵۳) پھر فرمایا اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو‘ تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ (الانعام: ۵۴) حضرت خباب نے کہا پھر ہم آپ کے قریب بیٹھتے تھے۔ حتیٰ کہ ہم اپنے گھٹنوں کو آپ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا کر بیٹھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ بیٹھتے تھے اور جب آپ اٹھ کر جانا چاہتے تو ہمیں مجلس میں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہئے جو صبح اور شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں‘ درآنحالیکہ وہ اسی کی رضا چاہتے ہیں۔ اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہوں اور آپ اس

شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو گیا۔ (الکہف: ٢٨)

حضرت خباب نے کہا پھر ہم نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھتے تھے' حتیٰ کہ جب نبی ﷺ کے جانے کا وقت آتا تو ہم آپ کو چھوڑ کر اٹھ جاتے تھے۔ پھر آپ تشریف لے جاتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٤١٢٧' جامع البیان' ج ٧' ص ٢٦٣' شعب الایمان' ج ٧' رقم الحدیث: ١٠٤٩١' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ١٢' رقم الحدیث: ١٢٥٦٣' حلیۃ الاولیاء' ج ١' ص ١٤٦' الدر المنثور' ج ٣' ص ١٣' اسباب النزول' ص ٢٢١-٢٢٠)

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو مسند ابو یعلی اور دلائل النبوۃ کے حوالوں سے بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ ان کا تسامح ہے۔ مسند ابو یعلی اور دلائل النبوۃ میں یہ حدیث نہیں ہے۔ امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم' امام ابن الجوزی' امام رازی' علامہ قرطبی' علامہ ابو الحیان اندلسی' حافظ ابن کثیر اور علامہ آلوسی وغیرھم نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت (الانعام: ٥٢) ہم چھ نفوس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ میرے متعلق' حضرت ابن مسعود کے متعلق' حضرت صہیب' حضرت عمار' حضرت مقداد اور حضرت بلال کے متعلق۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ہم ان لوگوں کے پیروکار بننے سے راضی نہیں ہوں گے۔ آپ ان کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے' پھر رسول اللہ ﷺ کے دل میں وہ بات آئی جو اللہ نے چاہا۔ آپ نے منصوبہ بنایا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں' درآنحالیکہ وہ اسی کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں۔ (الانعام: ٥٢)

(صحیح مسلم' فضائل الصحابہ' ٤٦-٤٥' (٢٤١٣) ٦١٢٢' ٦١٢٣' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٤١٢٨' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ٨٢٢)

صبح و شام اخلاص سے عبادت کرنے کی وضاحت

اس آیت میں ان مسکین مسلمانوں کے متعلق فرمایا ہے' وہ صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ پابندی اور دوام کے ساتھ فرض نمازوں کو باجماعت پڑھتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس' مجاہد اور حسن بصری کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کا ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد صبح اور شام اللہ سے دعا کرنا ہو' تا کہ دن کی ابتداء اور اس کا افتتاح اللہ کی دعا سے ہو اور دن کا اختتام بھی اللہ سے دعا پر ہو۔ نیز فرمایا درآنحالیکہ وہ اس کی رضا جوئی کرتے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اخلاص سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی عبادات اور اعمال میں اللہ کے سوا اور کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتے' اس آیت میں اور قرآن مجید کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو "وجہ (چہرہ)" کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے' کیونکہ انسان کے جسم کی شناخت اس کے چہرہ سے ہوتی ہے اور اس کے تمام اعضاء میں سب سے زیادہ تکریم اس کے چہرے کی ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو چہرے سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم اور چہرہ ہے' صبح اور شام کے وقت عبادت کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا ہے کیونکہ ان اوقات میں لوگ آرام اور کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں تو جو لوگ ان اوقات میں بھی عبادت میں مشغول ہوں' وہ باقی اوقات میں بہ طریق اولیٰ عبادت میں مشغول ہوں گے۔

مسکینوں کا حساب آپ کے ذمہ نہ ہونے کی وضاحت

جب سورۂ کہف کی یہ آیت نازل ہوئی اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہئے جو صبح اور شام اپنے رب کی

عبادت کرتے ہیں تو نبی ﷺ اس وقت تک مجلس سے نہیں اٹھتے تھے' جب تک کہ یہ مسکین مسلمان خود اس مجلس سے نہیں اٹھتے تھے' جیسا کہ سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث کے حوالوں سے ہم بیان کر چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ان کے اعمال کی جزاء دینا یا ان کو رزق مہیا کرنا آپ کے ذمہ نہیں' بلکہ ان کو جزا دینا اور ان کو رزق مہیا کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ اسی طرح آپ کا رزق اور آپ کی جزا بھی اللہ کے ذمہ ہے' کسی اور کے ذمہ نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ مسکین مسلمان فقر میں مبتلا ہیں تو اس سے آپ کو کوئی ضرر نہیں ہو گا' حتیٰ کہ آپ مشرکین کی فرمائش پر ان کو اپنی مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کریں۔ آپ پر ان کے رزق اور ان کے اعمال کے محاسبہ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ مشرکوں کی فرمائش پوری کرنے کے درپے ہوں۔ آپ کا کام منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ معاملات کے ظاہر پر عمل کریں اور ان کے باطن کو اللہ کے حوالے کر دیں اور ان مسکین مسلمانوں کا ظاہر حال یہ ہے کہ یہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' سو آپ ان کی طرف متوجہ ہوں' ان کے ساتھ مجلس میں بیٹھیں' اور ان کو اپنے پاس سے دور نہ کریں۔

نبی ﷺ کو منع کرنا دراصل امت کے لیے تعریض ہے

اس کے بعد فرمایا اگر آپ نے (بالفرض) ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ سے یہ متصور نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد بھی ان مسکین مسلمانوں کو اپنی مجلس سے دور کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے بطور تعریض دوسرے مسلمانوں کو سنانے کے لیے یہ فرمایا ہے کہ جب نبی ﷺ بھی امیر کافروں کی رعایت کر کے غریب مسلمانوں کو بالفرض اپنی مجلس سے اٹھا دیں' تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے' تو کوئی اور مسلمان ایسا کرے گا' تو وہ کیونکر ظالموں میں سے نہیں ہو گا۔ اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: ۶۵)

اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا۔

زیر بحث آیت اور مذکور الصدر احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کافر یا فاسق کی اس کی دنیاوی شان و شوکت کی وجہ سے عزت کرنا اور کسی نیک مسلمان کی غربت اور افلاس کی وجہ سے بے توقیری اور تحقیر کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

نبی ﷺ کی عصمت پر اعتراض کا جواب

جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر طعن کرتے ہیں' وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان مسکین مسلمانوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا ان کو مجلس سے اٹھانا گناہ ہوا' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر آپ نے ان کو مجلس سے اٹھایا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور آپ نے ان کو مجلس سے اٹھا دیا تو آپ کا (معاذ اللہ) ظالم ہونا ثابت ہوا۔ سورۂ کہف میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے اور وہاں ارشاد ہے اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہیے جو صبح اور شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ اس کی رضا چاہتے ہیں' اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہوں اور آپ اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو گیا۔ (الکہف: ۲۸) اس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہیں اور ایک اور آیت میں آپ کو دنیا کی زینت کا ارادہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے اور آپ دنیا کی زندگی کی ان زینتوں اور آرائشوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں' جو ہم نے ان کے

مختلف قسم کے لوگوں کو (عارضی) نفع اٹھانے کے لیے دے رکھی ہیں' تاکہ ہم اس میں ان کو آزمائیں اور آپ کے رب کا رزق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ (طٰہٰ: ۱۳۱) جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو زینت دنیا کی طرف التفات کرنے سے منع فرمایا ہے اور سورۂ کہف کی آیت میں فرمایا ہے کہ آپ زینت دنیا کا ارادہ کرتے ہیں تو آپ کا یہ فعل گناہ ہوا؟ (العیاذ باللہ)

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مسکین مسلمانوں کو مجلس سے اٹھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کو ظلم فرمایا ہے' تو آپ اگر ان کو مجلس سے اٹھاتے' تب گناہ اور ظلم لازم آتا۔ لیکن آپ نے ان کو مجلس سے نہیں اٹھایا' اس لیے گناہ اور ظلم لازم نہیں آیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ گناہ کا عزم بھی گناہ ہوتا ہے اور آپ نے ان کو اٹھانے کا عزم کر لیا تھا حتیٰ کہ آپ نے اس کو لکھوانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا لیا تھا' تو بہرحال گناہ لازم آگیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت کے بعد کام کیا جائے یا اس کا عزم کیا جائے' تب گناہ ہو گا کہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کی' لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اٹھانے کا ارادہ کیا تھا' اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا تھا۔ لہٰذا نافرمانی یا اس کا عزم کیسے لازم آیا؟ منع تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے عزم کے بعد فرمایا ہے اور ممانعت سے پہلے آپ کا یہ فعل جائز اور مباح تھا اور اس کا عزم بھی جائز اور مباح تھا۔ نیز! آپ کا منصب' تبلیغ اور اشاعت اسلام ہے اور آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ بڑے بڑے سردار اسلام قبول کر لیں تو ان کو دیکھ کر ان کے متبعین بھی مسلمان ہو جائیں گے' اس لیے آپ نے سوچا کہ اگر ان مسکین مسلمانوں کو وقتی طور پر مجلس سے اٹھا دیا جائے' تو ہرچند کہ اس سے ان کی دل شکنی ہو گی' لیکن یہ تھوڑا ضرر ہے اور اگر اس کے نتیجہ میں یہ بڑے بڑے سردار تبلیغ سے مسلمان ہو گئے تو یہ خیر کثیر اور عظیم فائدہ ہے اور زیادہ نفع کے لیے کم نقصان کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سوچ برحق تھی اور آپ کا اجتہاد صحیح تھا اور ہم امام رازی کے اس جواب سے متفق نہیں ہیں کہ آپ کی یہ اجتہادی خطا تھی۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۵۰)

لیکن اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے' اس کو علم تھا کہ یہ کفار اس موقع پر ایمان لانے والے نہیں تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھا اور فرمایا آپ ان کافروں کے اسلام لانے کے طمع میں ان مسکین مسلمانوں کو مجلس سے نہ اٹھایئے' کیونکہ یہ کافر تو بہرحال اسلام نہیں لائیں گے تو آپ اپنے وفادار غلاموں کی دل آزاری کا نقصان کیوں اٹھائیں۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ فعل خلاف اولیٰ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ خلاف اولیٰ بھی تب ہوتا جب آپ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد اشاعت اسلام کے لیے ان مسکین مسلمانوں کو وقتی طور پر مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کرتے' اور جس وقت آپ نے ان کو مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کیا تھا' اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے منع ہی نہیں فرمایا تھا' تو اللہ تعالیٰ کے کس حکم کی مخالفت ہوئی؟ جس وجہ سے آپ کا یہ ارادہ خلاف اولیٰ کا ارادہ ہوتا یا اجتہادی خطا قرار دیا جاتا؟

منکرین عصمت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زینت دنیا کی طرف التفات کرنے سے منع فرمایا اور آپ نے کافر سرداروں کی دولت اور ثروت دیکھ کر زینت دنیا کا ارادہ فرما لیا تھا اور یہ ممنوع کام کا ارادہ ہے اور گناہ کا ارادہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زینت دنیا کا زینت دنیا کی وجہ سے ارادہ ممنوع ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کافر سرداروں کے مال و دولت کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے' بلکہ اشاعت اسلام کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے' تاکہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور ان کی وجہ سے ان کے متبعین بھی مسلمان ہو جائیں اور آپ کا یہ ارادہ کسی معصیت کا یا خلاف اولیٰ کام کا ارادہ نہیں ہے' بلکہ فرائض رسالت میں سے ایک فرض کی ادائیگی کا ارادہ ہے اور اس پر آپ کو فرض ادا کرنے کا اجر و ثواب ملے گا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے' اس کو علم تھا کہ یہ لوگ اس موقع پر اسلام لانے والے نہیں ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کافروں کی خوشنودی کی خاطر اپنے وفا شعار اور اطاعت گزار غلاموں کو مجلس سے نہ اٹھائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر اعتراض

کی اس وقت گنجائش ہوتی جب اس ممانعت کے بعد نبی ﷺ نے کسی مسکین مسلمان کو کافر سرداروں کی خاطر اپنی مجلس سے اٹھایا ہوتا یا اس کا ارادہ کیا ہوتا۔

یاد رکھئے تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں' نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کوئی صغیرہ یا کبیرہ' سہواً یا عمداً' صورۃً یا حقیقتاً ان سے کبھی بھی کوئی گناہ صادر نہیں ہوا' ہاں! انبیاء سابقین علیہم السلام سے اجتہادی خطا ہوئی ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوع سے کھانا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو مکا مارنا اور حضرت یونس علیہ السلام کا خصوصی اجازت کے بغیر بستی سے چلے جانا وغیرہ' اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اجتہادی خطا سے بھی مامون اور محفوظ ہیں اور محققین کا یہی مذہب ہے' جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے علامہ نووی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو' بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا' تاکہ انجام کار وہ (مال دار کافر) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے۔ (الانعام: ۵۳)

بعض لوگوں کی بعض پر فضیلت کا آزمائش ہونا

اللہ تعالیٰ کا بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے سبب آزمائش میں مبتلا کرنا یہ ہے کہ لوگ رزق اور اخلاق میں ایک دوسرے سے متفاوت رہیں۔ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے غنی بنایا اور بعض لوگوں کو فقیر بنایا' بعض لوگوں کو قوی بنایا' بعض لوگوں کو ضعیف بنایا اور بعض لوگوں کو بعض لوگوں کا محتاج کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو مال دار بنایا اور بعض لوگوں کو فقراء بنایا اور مالداروں نے فقراء کے متعلق کہا' کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان فرمایا ہے' یعنی ان کو ہدایت دی ہے۔ انہوں نے یہ بطور استہزاء اور مذاق اڑانے کی خاطر کہا تھا۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۲۷۰' طبع دار الفکر' بیروت)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ہر شخص اپنے بالمقابل کی بہ نسبت آزمائش میں مبتلا ہے' مال دار کافر' فقراء صحابہ سے ان کی اسلام میں سبقت پر حسد کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ اگر ہم اب مسلمان ہو گئے تو ہم ان مسکینوں اور فقیروں کے تابع ہوں گے اور یہ چیز ان پر سخت دشوار تھی اور فقراء صحابہ ان مال دار کافروں کو عیش' راحت اور فراخ دستی میں دیکھتے تھے' اور وہ سوچتے تھے کہ ان کافروں کو مال و دولت کی ایسی فراوانی اور وسعت کیسے حاصل ہو گئی؟ جبکہ ہم مال اور وسائل کی سخت تنگی اور مشکلات میں مبتلا ہیں' تو ایک فریق دوسرے فریق کو دین میں بلندی پر دیکھتا تھا اور دوسرا فریق اس کو دنیا میں فراخی میں دیکھتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان میں سے بعض کو' بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا۔ اور اس بناء پر کافر یہ کہتے تھے' کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ اور اہل حق جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حق اور صائب ہے اور اس کے ہر فعل میں حکمت ہے اور اس کے کسی فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو' تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جس کسی نے ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر لیا' پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے' بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور ہم یونہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔ (الانعام: ۵۵-۵۴)

شان نزول میں متعدد اقوال

اس آیت کے شان نزول کے متعلق پانچ اقوال ہیں:

۱- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہو گئے ہیں رسول اللہ ﷺ خاموش رہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

۲- حسن بصری اور عکرمہ نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کو مجلس سے اٹھانے سے منع فرمایا تھا' نبی ﷺ جب ان کو دیکھتے تو ابتداً سلام کرتے اور فرماتے اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو رکھا' جن کے متعلق مجھے ابتداً سلام کرنے کا حکم دیا۔

۳- عطاء نے کہا یہ آیت حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت حمزہ' حضرت جعفر' حضرت عثمان بن مظعون' حضرت ابوعبیدہ' حضرت مصعب بن عمیر' حضرت سالم' حضرت ابوسلمہ' حضرت ارقم بن ابی الارقم' حضرت عمار اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

۴- ابن السائب نے کہا حضرت عمر بن الخطاب نے رسول اللہ ﷺ سے اشارۃً یہ کہا تھا کہ مالدار کافروں کی دلجوئی کے لیے مسکین کافروں کو موخر کر دیجئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی اور (ان مسکین مسلمانوں کو) دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں تو حضرت عمر اپنے اس مشورہ پر معذرت کرتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے آئے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔

۵- ابوسلیمان دمشقی نے کہا یہ آیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام کی بشارت دینے کے لیے نازل ہوئی تھی۔ جب حضرت عمر آئے اور اسلام قبول کیا تو نبی ﷺ نے ان پر یہ آیت تلاوت کی۔

حسن بصری اور عکرمہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ کہئے تم پر سلام ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی کے لیے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ انہیں سلام کریں اور ابن زید نے کہا آپ کو اللہ کی طرف سے انہیں سلام پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا۔ زجاج نے کہا سلام کا معنی انسان کے لیے آفات سے سلامتی کی دعا ہے۔

(زاد المسیر' ج ۳' ص ۴۹-۴۸' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اولیاء اللہ کی تعظیم کی تاکید

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

عائذ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان' حضرت صہیب اور حضرت بلال کے پاس چند لوگوں میں حضرت ابوسفیان آئے تو انہوں نے کہا اللہ کی تلواریں' اللہ کے دشمنوں کی گردنوں میں اپنی جگہ پر نہیں پہنچیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ قریش کے شیخ اور سردار کے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہو! پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس جا کر یہ ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر! تم نے ان (فقراء صحابہ) کو ناراض کر دیا' اگر تم نے ان کو ناراض کیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔ تب حضرت ابوبکر ان کے پاس گئے اور کہا اے میرے بھائیو! میں نے تم کو ناراض کر دیا انہوں نے کہا نہیں' اے بھائی اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔

(صحیح مسلم' فضائل صحابہ' ۱۷۰' (۲۵۰۴) ۶۳۹۴' المعجم الکبیر' ج ۱۸' رقم الحدیث: ۲۸' مسند احمد' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۲۰۵۱۸' طبع دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ۷' رقم الحدیث: ۲۰۶۶۵' طبع جدید دار الفکر' مسند احمد' ج ۵' ص ۶۵' طبع قدیم دار الفکر' سنن کبریٰ' ج ۵' رقم الحدیث: ۸۲۷۷)

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نیک مسلمانوں کا احترام کرنا چاہیے اور جس بات سے انہیں غصہ آئے یا ان کو ایذاء پہنچے' اس سے اجتناب کرنا چاہیے' کیونکہ جو شخص اللہ کے اولیاء میں سے کسی کو ناراض کرتا ہے' وہ اللہ کے عذاب اور اس کے غضب کا مستحق ہوتا ہے۔

جہالت کی وجہ سے گناہوں کی معافی کی وضاحت

اس آیت میں فرمایا ہے تم میں سے جس کسی نے ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کرلیا' پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور اصلاح کرلی تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے

مجاہد نے کہا جس شخص نے اللہ کی معصیت میں کوئی کام کیا' تو یہ اس کی جہالت ہے حتیٰ کہ وہ اس سے رجوع کرلے۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۲۷۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا جہالت کا معنی خطا اور غلطی ہے اور اس پر توبہ کی ضرورت نہیں ہوتی' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے غلبہ شہوت سے معصیت کی اور اس کا بیان یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان علم کے باوجود کوئی گناہ کرتا ہے اور پھر اس پر توبہ کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ حسن بصری نے کہا جس نے کوئی معصیت کا کام کیا' وہ جاہل ہے۔ پھر معصیت کو جہالت سے تعبیر کرنے کی وجہ سے اختلاف ہے۔ بعض نے کہا وہ اس سے جاہل ہے کہ اس کام کی وجہ سے اس سے کتنا ثواب جاتا رہا اور وہ کتنے عذاب کا مستحق ہوگیا؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہرچند کہ اس کو علم ہے کہ اس فعل کا نتیجہ مذموم ہے' لیکن اس نے فوری اور دنیاوی لذت کو دیر سے اور آخرت میں ملنے والی خیر کثیر پر ترجیح دی اور جو شخص قلیل کو کثیر پر ترجیح دے' اس کو عرف میں جاہل کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے معصیت کا ارتکاب کیا ہرچند کہ وہ جاہل نہیں ہے' لیکن اس نے کام جاہلوں والا کیا ہے' اس لیے اس کے کام پر جہالت کے کام کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۵۳' مطبوعہ دار الفکر' طبع قدیم' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ ہر معصیت جہالت ہے' خواہ وہ معصیت عمداً کی جائے یا جہلاً۔ کلبی نے کہا جہالت سے گناہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اسے اس کام کے معصیت اور گناہ ہونے کا تو علم ہو' لیکن اسے اس گناہ کی سزا کی کنہ اور حقیقت کا علم نہ ہو۔ عکرمہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سوا دنیا کے تمام کام جہالت ہیں۔ زجاج نے کہا اس کی جہالت یہ ہے کہ فانی لذت کو باقی لذت پر ترجیح دے رہا ہے اور دنیاوی منفعت کو اخروی منفعت پر ترجیح دے رہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جہالت سے مراد ہے معصیت پر اصرار کرنا۔ ایک قول یہ ہے کہ جہالت سے مراد یہ ہے کہ وہ غلبہ شہوت کی وجہ سے ارتکاب معصیت کرے اور اس کا مقصد گناہ کو معمولی سمجھنا نہ ہو۔ یا کوئی شخص اس خیال سے گناہ کرے کہ وہ اس گناہ کے بعد توبہ کرکے نیک بن جائے گا اور اس سے جاہل ہو کہ وہ ایسا کرسکے گا یا نہیں' یا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مغفرت کے حصول کی بناء پر گناہ کا ارتکاب کرے' اور وہ اس کے مآل اور انجام سے جاہل ہو۔

(البحر المحیط' ج ۴' ص ۵۶۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے شدید غصہ سے' غلبہ شہوت یا حماقت کی بناء پر اخروی سزا سے غافل ہو کر کوئی گناہ کرلیا' پھر اس نے اخلاص کے ساتھ اپنے گناہ پر توبہ کی' اس گناہ سے رجوع کیا اور نادم ہوا اور مستقبل میں دوبارہ وہ گناہ نہ کرنے کا عزم کیا'

اپنے عمل کی اصلاح کی اور اس گناہ کی تلافی اور تدارک کیا اور اس گناہ کے بعد کوئی نیکی کی، تاکہ اس گناہ کا اثر مٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو بخش دے گا کیونکہ وہ بہت وسیع رحمت اور مغفرت والا ہے۔

مجرموں کے طریقہ کو بیان کرنے کی حکمت

اس کے بعد فرمایا اور ہم یونہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے، یعنی جس طرح ہم نے توحید اور رسالت اور قضاء و قدر کے دلائل بہت آسان اور موثر طریقہ سے بیان کیے ہیں، قرآن مجید کی آیات کی تفصیل کی ہے اور حقائق شریعت بیان کیے ہیں۔ اسی طرح ہم ہر اس حق کو بیان کرتے ہیں جس کا اہل باطل انکار کرتے ہیں، تاکہ مومنین کے لیے مجرمین کا طریقہ واضح ہو جائے اور جب مجرموں کا اور اہل باطل کا طریقہ واضح ہو جائے گا تو اہل حق اور مسلمانوں کا طریقہ معلوم ہو جائے گا کیونکہ باطل کی ضد حق ہے، کیونکہ ایک ضد کی خصوصیت اس کے مقابل ضد کی خصوصیت سے پہچانی جاتی ہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

آپ کہیے بیشک مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، آپ

قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

کہیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا، (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا ○

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا

آپ کہیے بے شک میں اپنے رب کی طرف سے اس روشن دلیل پر ہوں جس کو تم نے جھٹلایا ہے، جس چیز کو تم

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ

عجلت سے طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، حکم صرف اللہ کا ہے، وہ حق بیان فرماتا ہے اور وہ بہترین

الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ

فیصلہ فرمانے والا ہے ○ آپ کہیے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم بہ عجلت طلب کر رہے ہو تو میرے اور

الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ

تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○ اور اسی کے پاس غیب کی

الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ

چابیاں ہیں، اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا، وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے، وہ ہر اس پتے

مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ

کو جانتا ہے جو درخت سے گرتا ہے، اور زمین کی تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تر اور ہر خشک چیز

وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ

لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے ○ اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ج

اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا، پھر دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے تاکہ مقررہ میعاد پوری ہو،

ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ بے شک مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو' آپ کہیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا۔ (الانعام: ۵۶)

بتوں کی عبادت کا خلاف عقل ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم آیات کی تفصیل کرتے ہیں' تاکہ حق ظاہر ہو اور مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے راستہ پر چلنے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ مشرکین صرف اپنی خواہش اور اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے بتوں کی عبادت کر رہے ہیں' کیونکہ یہ بت محض جمادات اور پتھر ہیں جو انسان سے بہت کم درجہ کے ہیں' جبکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اشرف کا ارذل کی عبادت کرنا عقل کے خلاف ہے۔ نیز ان بتوں کو خود ان لوگوں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور عامل اور صانع کا اپنے معمول اور مصنوع کی عبادت کرنا بھی عقل اور درایت کے منافی ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ان مشرکین کا بتوں کی عبادت کرنا ہدایت کے خلاف ہے اور ان کی خواہش پر مبنی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ آپ کہیے کہ مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے' جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو' آپ کہیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔

غیر اللہ کو پکارنے میں مشرکوں اور مسلمانوں کا فرق

اس آیت میں "تدعون من دون اللہ" فرمایا ہے اور دعا کا معنی ہے طلب نفع یا دفع ضرر کے لیے ندا کرنا' لیکن مشرکین اپنی مہمات اور مشکلات میں بطور عبادت ان بتوں کو ندا کرتے تھے۔ اس لیے یہاں دعاء کا معنی عبادت ہے' کیونکہ وہ ان بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے پر قادر ہیں۔ سو ان کا بتوں کو پکارنا در اصل ان کی عبادت کرنا تھا اس لیے ہم نے یہاں دعا کا معنی پرستش اور عبادت کیا ہے اور حدیث میں بھی دعا کو عبادت فرمایا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا کرنا ہی عبادت ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی تمہارا

رب فرماتا ہے! مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا' بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے۔ (المومن: ۶۰) ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۳۸۳' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۴۷۹' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۲۸' صحیح ابن حبان' ج ۳' رقم الحدیث: ۸۹۰' مسند احمد' ج ۴' ص ۲۶۷' المستدرک' ج ۱' ص ۴۹۱-۴۹۰' الادب المفرد' رقم الحدیث: ۷۱۴' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۰' ص ۲۰۰' حلیۃ الاولیاء' ج ۸' ص ۱۲۰' شرح السنہ' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۳۷۸)

بعض مسلمان اپنی مشکلات اور مہمات میں یا علی مدد اور یا غوث الاعظم المدد کہتے ہیں' افضل اور اولیٰ تو یہی ہے کہ یا اللہ کہا جائے۔ اللہ کو پکارا جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے' لیکن ان مسلمانوں کی اس ندا سے غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ اولیاء کرام' اللہ تعالیٰ کی مدد کے مظہر ہوتے ہیں اور اللہ کی اجازت سے تصرف کرتے ہیں اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی یہ ندا شرک نہیں ہے۔ اسی طرح بعض شعراء کی نعتوں اور منقبتوں میں بھی یا رسول اللہ اور یا غوث اعظم کے الفاظ ہوتے ہیں' یہ کلمات ذوق و شوق اور محبت سے کہے جاتے ہیں' یہ بھی شرک نہیں ہے۔ شرک اس وقت ہوگا جب پکارنے والا اس اعتقاد سے پکارے کہ جس کو وہ پکار رہا ہے' وہ مستقل ہے اور از خود سنتا ہے اور اپنی ذاتی طاقت سے از خود مدد کرتا ہے' یا وہ اس کو مستحق عبادت سمجھتا ہو اور اس کو بطور عبادت ندا کرے۔ جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں کو ندا کرتے تھے۔ مشرکین کے بتوں کو پکارنے اور بعض مسلمانوں کا اولیاء اللہ کو پکارنے میں یہ بنیادی فرق ہے۔ اس وجہ سے مشرکین کا بتوں کو پکارنا شرک ہے اور مسلمانوں کا اولیاء اللہ کو پکارنا شرک نہیں ہے۔

مشرکین ان بتوں کی عبادت کرتے تھے' اس کے برخلاف مسلمان اللہ کی عبادت کرتے ہیں' نماز پڑھتے ہیں' روزے رکھتے ہیں' اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور "لا الہ الا اللہ" پڑھتے ہیں اور ان کا یہ ظاہر حال اس پر قرینہ ہے کہ وہ اپنی مشکلات میں جس کو پکار رہے ہیں' اس کو خدا نہیں سمجھتے۔ بلکہ خدا کا مقرب بندہ اور ماذون فی التصرف سمجھتے ہیں۔ تاہم اپنی تمام حاجات اور تمام مشکلات میں صرف اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز کا صرف اس سے سوال کرنا چاہیے اور صرف اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ جب تم سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد چاہو تو صرف اللہ سے مدد چاہو۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۵۲۴' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۰۷' ۳۰۳' ۲۹۳' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۶۹' دارالحدیث قاہرہ' علامہ احمد شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ مسند ابویعلیٰ' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۵۵۶' المعجم الکبیر' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۱۵۶۰' ۱۱۴۱۶' ۱۱۲۴۳' مسند الشہاب' رقم الحدیث: ۷۴۵' کتاب الدعا للطبرانی' رقم الحدیث: ۴۱' عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی' رقم الحدیث: ۴۲۷' المستدرک' ج ۳' ص ۵۴۲' مشکوٰۃ' ص ۴۵۳)

انبیاء علیہم السلام اور صالحین کرام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی مہمات' مشکلات اور تمام حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور اسی سے استمداد اور استغاثہ کرتے تھے۔ سو ہمیں بھی ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے اور اپنی ہر حاجت کا صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہیے' اور اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ ہاں! انبیاء علیہم السلام اور صالحین عظام کا وسیلہ پیش کرنا' ایک جدا امر ہے۔ اس کے جواز اور استحسان میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے' اور جب مقربین بارگاہ صمدیت کے وسیلہ سے دعا کی جائے گی' تو اس کا مقبول ہونا زیادہ متوقع ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے بے شک میں اپنے رب کی طرف سے اس روشن دلیل پر ہوں جس کو تم نے جھٹلایا

ہے' جس چیز کو تم عجلت سے طلب کر رہے ہو' وہ میرے پاس نہیں ہے۔ حکم صرف اللہ کا ہے۔ وہ حق بیان فرماتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے ○ آپ کہئے! اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم بہ عجلت طلب کر رہے ہو' تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○ (الانعام: ۵۸-۵۷)

کفار کے مطالبہ کے باوجود ان پر عذاب نازل نہ کرنے کی وجہ

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر قائم تھے اور کفار قریش اس دلیل کی تکذیب کرتے تھے۔ اس دلیل سے مراد وہ دلیل ہے جو قرآن مجید میں اللہ کی توحید پر قائم کی گئی ہے' جب کفار اس دلیل کو سنتے تو اس کو جھٹلاتے تھے' وہ ظالم لوگ آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہتے تھے:

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (الانبیاء: ۳)

یہ صرف تم جیسے بشر ہیں' کیا تم جادو کے پاس جاتے ہو حالانکہ تم دیکھتے ہو۔

نبی ﷺ ان مشرکین کو عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے' تو وہ ڈرنے کے بجائے آپ سے اس عذاب کو جلد بھیجنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (الانفال: ۳۳-۳۲)

اور جب انہوں نے یہ کہا کہ اے اللہ! اگر یہی (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو تو اپنی طرف سے ہم پر آسمان سے پتھر برسا' یا (کوئی اور) دردناک عذاب لے آ' اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے در آنحالیکہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے' در آنحالیکہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نضر بن الحارث اور باقی قریش نے نبی ﷺ سے استہزاء کہا اے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیک وسلم) ہمارے پاس وہ عذاب لے کر آئیں جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں' اور نضر نے کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر کہا اے اللہ! جو یہ کہتے ہیں اگر وہ حق ہے تو' تو ہمارے اوپر عذاب بھیج دے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی' جس چیز کو تم عجلت سے طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔ نیز فرمایا آپ کہئے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم بہ عجلت طلب کر رہے ہو' تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

(زاد المسیر' ج ۳' ص ۵۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ' اسباب النزول' ۲۲۲)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اس عذاب کو نازل کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیار میں ہے۔ وہ اگر چاہے گا تو عذاب کو نازل فرمائے گا اور اگر وہ اپنی کسی حکمت کی بناء پر عذاب کو نہ نازل کرنا چاہے تو نہیں نازل فرمائے گا' مجھے اس عذاب کے نازل کرنے یا اس کو مقدم اور موخر کرنے پر قدرت نہیں ہے' اور اگر بالفرض یہ معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہارے مطالبہ پر عذاب کو لا چکا ہوتا۔

زیر بحث آیت کا ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ یہ چاہتے تھے کہ کفار پر عذاب نازل ہو اور

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کفار پر عذاب نازل ہو' جیسا کہ حسب ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا' یا رسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن آیا جو جنگ احد سے زیادہ شدید تھا؟ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری قوم سے بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور سب سے زیادہ تکلیف وہ تھی جو مجھے یوم عقبہ کو پہنچی۔ جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا (یعنی اس کو دعوت اسلام دی) لیکن اس نے وہ چیز قبول نہیں کی جو میں چاہتا تھا۔ پس میں غم زدہ ہو کر واپس چلا آیا' اور قرن ثعالب پر پہنچ کر مجھے افاقہ ہوا' اچانک میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا اس میں جبرائیل تھے' انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا آپ نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا تھا' وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا اور جو انہوں نے آپ کو جواب دیا' وہ بھی سن لیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے' تاکہ آپ اس کو ان کفار کے متعلق جو چاہیں' حکم دیں۔ حضور نے فرمایا پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا۔ پھر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اور مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے' تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ان پر بچھا دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ان لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

(صحیح مسلم' جہاد' ۱۱۱ (۱۷۹۵) ۴۵۷۲' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۱' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۷۷۰۶)

اس آیت میں اور اس حدیث میں اس طرح موافقت ہے کہ آیت میں کفار کی طرف سے عذاب کے مطالبہ پر عذاب نازل کرنے کا ذکر ہے اور حدیث میں کفار کی طرف سے عذاب کے مطالبہ کا ذکر نہیں ہے' بلکہ پہاڑوں کے فرشتے کی اس خواہش کا ذکر ہے کہ کفار پر عذاب نازل کیا جائے جس کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا' وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے۔ وہ ہر اس پتے کو جانتا ہے جو درخت سے گرتا ہے' اور زمین کی تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تر اور ہر خشک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ (الانعام: ۵۹)

مفاتح الغیب کی تفسیر میں بعض علماء کی لغزش

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مفاتح الغیب کا ذکر ہے۔ مفاتح' مفتح کی جمع ہے۔ مفتح کا معنی چابی ہے اور یہ کلام بہ طور استعارہ ہے کیونکہ چابی سے خزانہ تک پہنچا جاتا ہے۔ پس جس کے پاس چابی ہو اور اس کو کھولنے کا طریقہ معلوم ہو' وہ خزانہ کو پالیتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ فقط وہی غیب تک واصل ہونے والا ہے۔ جس طرح جس شخص کے پاس خزانے کے قفلوں کی چابیاں ہوں اور اس کو کھولنے کا طریقہ معلوم ہو تو وہی خزانہ تک واصل ہو سکتا ہے۔

(الکشاف' ج ۲' ص ۳۱' نشر البلاغہ' قم' ایران' ۱۴۱۳ھ)

علامہ زمخشری کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چابی کے ذریعہ غیب تک واصل ہونے والا ہے' کیونکہ اس سے یہ

وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بالفعل علم حاصل نہیں ہے' بلکہ تدریجاً علم حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں غائب حاضر کی مانند ہے' ماضی اور مستقبل کا علم اس کے سامنے یکساں ہے' ہر چیز کا علم اس کے سامنے ہر وقت حاضر ہے۔

اسی طرح شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے۔

جس کے ہاتھ کنجی ہوتی ہے' قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جب چاہے کھولے' جب چاہے نہ کھولے۔ اسی طرح ظاہر کی چیزوں کو دریافت کرنا لوگوں کے اختیار میں ہے۔ جب چاہیں کریں' جب چاہیں نہ کریں۔ سو اسی طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو' جب چاہے کر لیجئے۔ یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔ (تقویت الایمان' ص ۱۴' (کلاں) مطبوعہ مطبع علیمی' لاہور)

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بالفعل غیب کا علم نہیں ہے۔ وہ جب چاہے' غیب کو دریافت کر سکتا ہے اور یہ بداہتاً باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر وقت تمام مغیبات اور شہادات کا علم حاضر ہے' اور اسے کبھی دریافت کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

مفاتح الغیب کی تفسیر میں احادیث اور آثار

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیب کی چابیاں پانچ ہیں۔ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا ہو گا' اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کس جگہ مرے گا' اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ بارش کب آئے گی؟

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۰۳۹' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۷۶۶' مطبوعہ بیروت' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۶۶' دار الحدیث قاہرہ' المعجم الکبیر' ج ۹' رقم الحدیث: ۱۳۳۴۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہارے نبی ﷺ کو ہر چیز کی مفاتیح دی گئی ہیں۔ سوا پانچ چیزوں کے۔ بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے' وہی بارش نازل فرماتا ہے' وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا۔ بے شک اللہ بہت جاننے والا' بہت خبر رکھنے والا ہے۔

(لقمان: ۳۴) (مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۶۵۹' علامہ محمد احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا یہ حدیث صحیح ہے' مسند ابو یعلیٰ' ج ۵' رقم الحدیث: ۵۱۵۳' مسند حمیدی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۴' جامع البیان' جز ۷' ص ۲۸۷' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۶۳)

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں ہے حضرت جبرائیل نے نبی ﷺ سے سوال کیا' قیامت کب ہو گی؟ آپ نے فرمایا جس سے سوال کیا گیا ہے' وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ میں عنقریب تمہیں اس کی علامتیں بیان کروں گا' جب تم دیکھو کہ عورت سے اس کا مالک پیدا ہوا' تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے' اور جب تم ننگے پیر' ننگے بدن' بہرے' گونگے لوگوں کو زمین کا مالک دیکھو تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے اور جب تم مویشیوں کے چرانے والوں کو بڑے بڑے مکان بناتے دیکھو تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ وہی بارش نازل فرماتا ہے' وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا' بے شک اللہ بہت جاننے والا بہت خبر رکھنے والا ہے۔ (لقمان: ۳۴)

(صحیح مسلم' ایمان' ۷' (۱۰) ۹۹)

مفاتح الغیب کی تفسیر میں علماء کے نظریات

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مفاتح الغیب کی تفسیر میں جن پانچ چیزوں کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے' اس سے مراد اہم چیزیں ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ جو باقی مغیبات ہیں' ان کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۱۷۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

یہ پانچ چیزیں ہوں یا باقی غیوب از خود ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے' اور اس نے ان پانچ چیزوں کا علم بھی ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے کہا جو شخص رسول اللہ ﷺ کے توسل کے بغیر ان پانچ چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرے' وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ (مرقات المفاتیح' ج ۱' ص ۶۵' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اور علامہ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (عمدۃ القاری' ج ۱' ص ۲۹۰' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۸ھ' فتح الباری' ج ۱' ص ۱۲۴' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کو ان پانچ چیزوں کا علم بھی دیا گیا ہے اور وقت وقوع قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے' اور آپ کو ان کے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ (شرح الصدور' ص ۳۱۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں' وہی ان میں سے جس خزانے کو جس وقت اور جس قدر چاہے' کسی پر کھول سکتا ہے۔ کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پا سکے' یا جتنے غیوب اس پر منکشف کر دیئے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کرے۔ کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات و واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو' تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو مفاتیح غیب کہنا چاہیے' حق تعالیٰ نے اپنے لیے ہی مخصوص رکھا ہے۔

(تفسیر شیخ عثمانی' ص ۱۷۹' مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس)

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مفاتح الغیب سے مراد آسمانوں اور زمینوں میں غیب کے خزانے ہیں۔ مثلاً رزق اور قدرت کے۔ عطاء نے کہا اس سے مراد ثواب' عذاب اور مستقبل کی عائب کی چیزیں ہیں۔ زجاج نے کہا اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو علم غیب کے حصول کا وسیلہ ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عمروں کے انجام اور خواتیم اعمال ہیں۔

(البحر المحیط' ج ۴' ص ۵۳۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس آیت میں مفاتح کا لفظ ہے۔ عربی قواعد کی رو سے یہ مفتح (میم کی زیر کے ساتھ) کی جمع بھی ہو سکتا ہے۔ اور مفتح (میم کی زبر کے ساتھ) کی جمع بھی ہو سکتا ہے۔ اگر مفتح (میم کی زیر) کی جمع ہو تو اس کا معنی چابیاں ہیں اور اگر مفتح (میم کی زبر) کی جمع ہو تو اس کا معنی خزانہ ہے۔

آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف غیب کی خبریں دی گئی ہیں یا غیب کا علم بھی دیا گیا ہے؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم غیب کی نفی بھی کی گئی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے لیے علم غیب کا اثبات بھی کیا گیا ہے' علماء اسلام نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بلاواسطہ' بلا تعلیم اور ذاتی علم غیب کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ اور بالواسطہ' بذریعہ وحی والہام اور عطائی علم غیب کا غیر اللہ کے لیے ثبوت ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ علم غیب کی نفی ہے اور اطلاع علی الغیب اور اظہار غیب کا ثبوت ہے' یہ دونوں توجیہات صحیح ہیں۔ بعض متاخرین علماء دیوبند نے یہ کہا ہے کہ علم غیب کی نفی ہے اور غیب کی خبروں کا ثبوت ہے۔ اس توجیہ میں ہمیں کلام ہے' کیونکہ خبر بھی علم کا ایک ذریعہ ہے اور کسی چیز کی خبر کا ثبوت اس کے علم کے ثبوت کو مستلزم ہے' نیز متقدمین علماء دیوبند نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے' پہلے ہم بعض متاخرین علماء دیوبند کی عبارت نقل کریں گے' پھر اس پر جرح کریں گے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح کسی رسول و نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ کشف والہام جو غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا' اس کو قرآن میں غیب کی بجائے انباء الغیب کہا گیا ہے' جیسا کہ متعدد آیات میں مذکور ہے۔ "تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک" اس لیے آیت مذکورہ میں "لا یعلمھا الا ھو" یعنی غیب کے خزانوں کو' بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا' اس میں کسی شبہ یا استثناء کی گنجائش نہیں۔ (معارف القرآن' ج ۳' ص ۳۳۸' مطبوعہ ادارۃ المعارف' ۱۴۱۳ھ)

نیز مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتلاتے ہیں' وہ حقیقتاً علم غیب نہیں ہے' بلکہ غیب کی خبریں ہیں۔ جو انبیاء کو دی گئی ہیں جن کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ "من انباء الغیب نوحیھا الیک" (معارف القرآن' ج ۳' ص ۳۳۸' مطبوعہ ادارۃ المعارف' ۱۴۱۳ھ)

لیکن متقدمین علماء دیوبند نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے' جو دوسرے شخص سے مخفی ہوتی ہے۔ (حفظ الایمان' ص ۱۱' مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ' دیوبند یوپی)

اس عبارت میں شیخ تھانوی نے نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے' بلکہ ہر آدمی' بچوں' پاگلوں' حیوانات اور بہائم کے علم پر بھی علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔ شیخ تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین چاندپوری متوفی ۱۳۷۱ھ اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب باعطاء الٰہی حاصل ہے۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان' ص ۵' مطبوعہ لاہور)

نیز لکھتے ہیں:

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بعض علوم غیبیہ حاصل ہیں' اس سے تو یہاں بحث ہی نہیں۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان' ص ۱۰' مطبوعہ لاہور)

نیز شیخ چاند پوری لکھتے ہیں:

صاحب حفظ الایمان کا مدعی تو یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کو باوجود علم غیب عطائی ہونے کے عالم الغیب کہنا جائز نہیں۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان‘ ص ۱۳‘ مطبوعہ لاہور)

واضح رہے کہ ہمارے نزدیک بھی نبی ﷺ کو علم غیب حاصل ہے۔ لیکن آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عرف اور شرع میں عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے‘ جیسے باوجود عزیز اور جلیل ہونے کے محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کے لیے عالم الغیب کہنا مکروہ قرار دیا ہے۔

نیز شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

اول: میں نے دعویٰ کیا ہے کہ علم غیب جو بلاواسطہ ہو وہ تو خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اور جو بواسطہ ہو‘ وہ مخلوق کے لیے ہو سکتا ہے‘ مگر اس سے مخلوق کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں۔ (حفظ الایمان‘ ص ۱۴‘ مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ‘ دیوبند)

اس قسم کی عبارات بہت ہیں۔ ہم نے بہ غرض اختصار چند عبارات نقل کی ہیں۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب مقام ولایت و نبوت میں ہے۔ بہر حال ان عبارات سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کو عطاء الٰہی سے علم غیب حاصل ہے‘ جیسا کہ شیخ چاند پوری نے اس کی تصریح کی ہے‘ اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت درست ہے‘ اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ آپ کو صرف غیب کی خبریں دی گئی ہیں‘ غیب کا علم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں فرق

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ علم کے متعلق دو چیزیں حق تعالیٰ کی خصوصیت میں سے ہیں جن میں کوئی فرشتہ یا رسول یا کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں۔ ایک علم غیب‘ دوسرے موجودات کا علم محیط جس سے کوئی ذرہ مخفی نہیں۔

(معارف القرآن‘ ج ۳‘ ص ۳۴۸‘ مطبوعہ ادارۃ المعارف‘ کراچی)

نیز مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو اور بالخصوص حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو غیب کی ہزاروں لاکھوں چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے اور سب فرشتوں اور انبیاء سے زیادہ عطا فرمایا ہے‘ لیکن یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے برابر کسی کا علم نہیں‘ نہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ پھر یہ رسول کی تعظیم کا وہ غلو ہو گا جو عیسائیوں نے اختیار کی کہ رسول کو خدا کے برابر ٹھہرا دیا۔ اسی کا نام شرک ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ (معارف القرآن‘ ج ۳‘ ص ۳۵۰‘ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

ہمارے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں مساوات کا قول کرنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور غیر متناہی ہے‘ اور نبی ﷺ کا علم حادث اور متناہی ہے‘ اللہ تعالیٰ کا علم از خود اور بے تعلیم ہے‘ نبی ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی تعلیم سے ہے۔ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ ایک قطرہ کو جو نسبت سمندر سے ہے‘ نبی ﷺ کے علم کو اللہ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں ہے‘ کیونکہ قطرہ اور سمندر میں متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور نبی ﷺ کے علم اور اللہ کے علم میں متناہی کی غیر متناہی کی طرف نسبت ہے‘ بلکہ ایک ذرہ کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کا علم‘ اللہ کے علم کی مثل نہیں ہے‘ کیونکہ آپ کو ایک ذرہ کا علم متناہی وجوہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متناہی وجوہ سے ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے:

اول: علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطاء غیر ہو

دوم: علم کا غنا کہ کسی آلہ جارحہ و تدبیر فکر و نظر و التفات و انفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو

سوم: علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو

چہارم: علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو

پنجم: علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات' ذاتیات' اعراض' احوال لازمہ' مفارقہ' ذاتیہ' اضافیہ' ماضیہ' آتیہ (مستقبلہ) موجودہ' ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔

ان پانچ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے مطلقاً منفی' یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو ان پانچ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو' حاصل ہونا ممکن نہیں ہے' جو کسی غیر الٰہی کے لیے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرہ کا ایسا علم ثابت کرے' یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ (الصمصام' ص ۷۔۶' مطبوعہ الایمان پریس لاہور' ۱۳۱۲ھ)

نیز امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں:

میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کردی ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصہ کو سمندر سے ہے' کیونکہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر متناہی کی متناہی سے۔ (الملفوظ' ج ۱' ص ۴۶' مطبوعہ نوری کتب خانہ' لاہور)

لوح محفوظ کا بیان

اسی آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر اپنے علم کی وسعت بیان فرمائی تھی کہ اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اور اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا' اور آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے تفصیلی طور پر اپنے علم کی وسعت بیان فرمائی۔ وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے' وہ ہر اس پتے کو جانتا ہے جو درخت سے گرتا ہے' اور زمین کی تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تر اور خشک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ تمام مغیبات کو جانتا ہے' اسی طرح خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور اس کا علم تمام موجودات کو محیط ہے' زمین و آسمان میں سے کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ غیب اور شہادت کی ہر چیز کو جاننے والا ہے' درخت کے پتوں میں سے کب اور کس جگہ کوئی پتہ گرتا ہے؟ نباتات' جمادات اور حیوانات کی تمام حرکات اور ان کے تمام احوال اس کے علم میں ہیں' اور مکلفین میں سے جن اور انس کے ہر فعل سے وہ واقف ہے۔ زمین کے اندھیروں میں بوئے ہوئے بیج اور زمین کے اندر رہنے والے کیڑوں مکوڑوں اور زمین کے اوپر جانداروں اور بے جانوں کے تمام احوال' کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ جو تر اور خشک' زندہ یا مردہ' پھل یا کوئی دانہ زمین پر گرتا ہے' وہ سب سے واقف ہے اور ان میں سے ہر چیز کو اس نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ ہر چیز کی پیدائش اور اس کی موت اور حیات' موت اور مابعد الموت کے تمام کوائف اس میں لکھے ہوئے ہیں اور ہر چیز کو پیدا کرنے سے پہلے بلکہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے بھی پہلے اس نے تمام مخلوق کے احوال اس میں لکھ دیئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ

زمین میں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور نہ تمہاری جانوں میں لیکن مصیبت ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ (الحدید: ۲۳-۲۲)

ہوئی ہے۔ یہ بے شک اللہ پر بہت آسان ہے' تا کہ اگر کوئی چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے تو تم اس پر رنج نہ کرو اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے' تم اس پر اترایا نہ کرو' اور اللہ کسی اترانے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھی تھیں اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم' قدر' ۱۶' (۲۶۵۳) ۶۶۳۲' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۶۳' صحیح ابن حبان' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۶۱۳۸' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۵۸۰' سنن کبریٰ للبیہقی' ص ۴ ۷ ۳)

کائنات کے وجود سے پہلے ازل میں اللہ تعالیٰ کو جو اس کائنات کا علم تھا' اس کا نام تقدیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ کے مطابق اس کائنات میں جو کچھ ہونا تھا' اس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ افلاک کی حرکت اور سورج کی گردش سے دن رات' اور ماہ و سال کا تعین ہوتا ہے' اس لیے افلاک کے پیدا کرنے سے پہلے زمانہ اور سالوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس لیے اس حدیث میں پچاس ہزار سال کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے اتنی مدت پہلے لوح محفوظ میں لکھا کہ اگر آسمان وغیرہ ہوتے تو اتنی مدت میں پچاس ہزار سال گزر جاتے اور یا پچاس ہزار سال مدت کے طویل ہونے سے کنایہ ہے۔

اس کتاب کو لوح محفوظ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب تحریف اور شیطان کی رسائی سے محفوظ ہے' یا یہ محو اور اثبات سے محفوظ ہے' کیونکہ محو اور اثبات فقط فرشتوں کے صحیفوں میں ہوتا ہے' یا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محفوظ ہے۔ بھلائی نہیں گئی۔ امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا' پھر دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے' تاکہ مقررہ میعاد پوری ہو۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے' پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے۔ (الانعام: ۶۰)

نیند کا وفات صغریٰ ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا کمال علم بیان فرمایا تھا کہ غیب اور شہادت کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کمال بیان فرمایا ہے کہ وہ رات میں تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور دن میں پھر تمہاری روح لوٹا دیتا ہے اور تمہارے اس سونے اور جاگنے میں حشر و نشر کی دلیل ہے' اور بالآخر تم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بلاشبہ سونے والا زندہ ہوتا ہے۔ وہ سانس لیتا ہے اور کروٹیں بدلتا ہے' تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کس طرح درست ہو گا اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روح دو قسم کی ہیں۔ ایک روح کا تعلق احساس کے ساتھ ہے اور دوسری روح کا تعلق حیات اور حرکت بالارادہ کے ساتھ ہے۔ جب انسان سویا ہوا ہوتا ہے تو اس کی ارواح حساسہ ظاہر سے باطن میں چلی جاتی ہیں' اس لیے اس کے حواس ظاہرہ عمل کرنے سے معطل ہو جاتے

ہیں اور نیند کے وقت اس کے جسم کا ظاہر بعض اعمال سے معطل ہو جاتا ہے اور موت کے وقت اس کا پورا بدن ہر قسم کے عمل سے معطل ہو جاتا ہے' اسی طرح نیند اور موت کی حالت میں ایک قسم کی مشابہت ہے اور اس اعتبار سے نیند پر بھی موت اور وفات کا اطلاق صحیح ہے۔

اس کے بعد فرمایا پھر اللہ تمہیں دن میں اٹھا دیتا ہے' یعنی تمہاری ارواح حساسہ پھر باطن سے ظاہر میں لوٹا دی جاتی ہیں اور تمہارے قوئ ظاہرہ پھر کام کرنے لگتے ہیں' تاکہ تم وہ کرسکو جو تمہارے لیے مقدر کیے گئے ہیں اور جو عمر طبعی تمہارے لیے مقدر کردی گئی ہے' اس کو تم پورا کرسکو' اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سونے اور جاگنے کے تسلسل کو جاری رکھتا ہے' تاآنکہ تم اپنی طبعی حیات کو پورا کرلو' پھر تم نے دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہ تم کو خبر دے گا کہ تم اپنی راتوں اور دنوں میں کیا کام کرتے تھے۔

نیند وفات صغریٰ ہے اور موت وفات کبریٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں وفاتوں کا ذکر درج ذیل آیت میں بھی فرمایا ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (الزمر: ۴۲)

جن کی موت کا وقت ہو اللہ ان کی جانوں کو قبض کرلیتا ہے اور جن کی موت کا وقت نہ ہو ان کی جانوں کو (بھی) نیند میں قبض کرلیتا ہے' پھر جن کی موت کا حکم فرمادیا ان کی جانوں کو روک لیتا ہے اور دوسری (جانوں) کو ایک وقت مقررہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

حدیث میں ہے' نبی ﷺ نے فرمایا نیند موت کا بھائی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا' یا رسول اللہ! کیا اہل جنت کو نیند آئے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیند موت کا بھائی ہے اور اہل جنت کو نیند نہیں آئے گی۔

(المعجم الاوسط' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۲۳' مسند البزار' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۵۱۷' حلیۃ الاولیاء' ج ۷' ص ۹۰' علل متناہیہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۵۵۴' ۱۵۵۳' کامل ابن عدی' ج ۴' ص ۱۵۳۳' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۴۱۵)

حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ مسند البزار کی سند صحیح ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے (فرشتے) بھیجتا ہے، حتیٰ کہ جب تم میں سے

جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ

کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے ○ پھر وہ

رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا برحق مالک ہے، سنو اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے ○

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ

آپ کہیے تمہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے، جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر

لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ

وہ ہمیں اس (مصیبت) سے بچالے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ○ آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو اس

مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى

(مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو ○ آپ کہیے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ

اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ

تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف گروہوں میں

اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ

تقسیم کردے اور تمہارے بعضوں کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھادے دیکھیے ہم کس طرح

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ

بار بار دلیلوں کو بیان کررہے ہیں تاکہ یہ سمجھ سکیں ○ اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلایا حالانکہ یہی

الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّ

حق ہے آپ کہیے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ○ ہر خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور عنقریب تم جان لوگے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔ (الآیہ)

(الانعام: ۶۱)

اللہ تعالیٰ کے قہر کا معنی

اس سے پہلی آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلائل تھے اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلیل ہے۔ اس آیت کے شروع میں فرمایا ہے اور وہ اپنے بندوں پر قاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی عدم پر قہر فرماتا ہے تو ممکن کو عدم سے وجود میں لے آتا ہے اور کبھی وجود پر قہر فرماتا ہے تو ممکن کو وجود سے عدم کی طرف لے آتا ہے۔ اسی طرح وہ ہر چیز پر اس کی ضد سے قہر فرماتا

ہے۔ مثلاً نور پر ظلمت کے ساتھ قہر فرماتا ہے اور ظلمت پر نور کے ساتھ' دن پر رات کے ساتھ اور رات پر دن کے ساتھ قہر فرماتا ہے۔ حیات پر موت کے ساتھ 'موت پر حیات کے ساتھ قہر فرماتا ہے' اور یہ قہر کا ایسا بحر ہے۔ جس کا کوئی ساحل نہیں ہے۔ وہ ہر چیز پر اس کی ضد کے ساتھ قہر فرماتا ہے۔ وہ مالک الملک ہے۔ جس کو چاہتا ہے 'ملک عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے' ملک چھین لیتا ہے' وہ جس کو چاہتا ہے 'عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے' ذلت میں مبتلا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس: ۱۰۷)

اور اگر اللہ آپ کو کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ آپ کے لیے کسی خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دن کام کاج کے لیے بنایا ہے اور رات نیند کے لیے بنائی ہے۔ اگر انسان دن میں نیند کا معمول بنانا چاہیں اور رات کو کام کاج کا معمول بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ وہ قہراً رات کو سونے اور دن کو کام کاج پر مجبور ہیں۔ کتنی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان جاگنا چاہتا ہے اور نیند اس پر غالب آجاتی ہے اور کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ وہ سونا چاہتا ہے اور اس کو نیند نہیں آتی' صحت اور بیماری اور حیات اور موت میں انسان کا مغلوب ہونا اور اللہ تعالیٰ کا ان پر غالب ہونا اور بھی واضح ہے۔

کراماً کاتبین کی تعریف اور ان کے فرائض

اس کے بعد فرمایا اور وہ تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔ حفظۃ ' حافظ کی جمع ہے۔ جیسے طلبہ طالب کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بندوں کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور بندوں کی آفات سے حفاظت کرتے ہیں۔ قتادہ سے منقول ہے کہ وہ عمل' رزق اور میعاد حیات کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ دو فرشتے رات کے اعمال کو لکھنے کے لیے ہیں اور دو دن کے اعمال کے لکھنے کے لیے ہیں۔ ایک فرشتہ نیکیوں کو لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ برائیوں کو لکھتا ہے' اور مباح کاموں کے لکھنے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کل پانچ فرشتے حفظہ ہیں۔ دو دن کے' دو رات کے اور ایک فرشتہ وہ ہے جو دن رات میں سے کسی بھی وقت جدا نہیں ہوتا۔

کراماً کاتبین کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۝ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (الانفطار: ۱۲-۱۰)

اور بے شک تم پر ضرور حفاظت کرنے والے (فرشتے مقرر) ہیں 'معزز لکھنے والے' وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ۝ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (ق: ۱۸-۱۷)

جب (اس کے ہر قول اور فعل کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (فرشتے) ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھا ہوتا ہے' وہ جو کچھ زبان سے کہتا ہے' اس کو لکھنے کے لیے ایک نگہبان (فرشتہ) تیار ہوتا ہے۔

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ (الکہف: ۴۹)

اور نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا' پس آپ دیکھیں گے کہ مجرم اس سے ڈر رہے ہوں گے جو اس میں (مذکور) ہے اور وہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسا نوشتہ اعمال ہے کہ اس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا ہے نہ بڑا گناہ' مگر اس کا احاطہ کر لیا ہے' اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا' وہ سب اپنے سامنے موجود

پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

کراماً کاتبین کے فرائض اور وظائف کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے تمہارے پاس باری باری آتے ہیں اور فجر اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے تمہارے ساتھ رات گزاری ہے' وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے' حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے' تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں ہم نے جس وقت ان کو چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تو وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۵۵' صحیح مسلم' المساجد ۲۱۰' (۶۳۲) ۱۴۰۵' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۸۷' ۴۸۶' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۷۷۶۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم برہنگی سے احتراز کرو' کیونکہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہوتے ہیں جو تم سے بیت الخلاء اور عمل تزویج کے سوا کسی وقت جدا نہیں ہوتے' تم ان سے حیا کرو اور ان کا اکرام کرو۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۸۰۹' شعب الایمان' ج ۶' رقم الحدیث: ۷۷۳۹)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ دائیں طرف کا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف کا فرشتہ برائیاں لکھتا ہے۔

ابراہیم تیمی بیان کرتے ہیں کہ دائیں جانب کا فرشتہ بائیں جانب کے فرشتہ کا امیر ہوتا ہے' جب بندہ کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتے سے کہتا ہے' رک جاؤ' شاید یہ توبہ کرلے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں۔ ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب۔ جو دائیں جانب ہے' وہ نیکیاں لکھتا ہے اور جو بائیں جانب ہے' وہ برائیاں لکھتا ہے۔ (جامع البیان' جز ۲۶' ص ۲۰۵' ۲۰۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی الدنیا نے الندیہ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نیکیاں لکھنے والا دائیں جانب ہے اور برائیاں لکھنے والا بائیں جانب ہے' جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں جانب والا دس نیکیاں لکھ لیتا ہے' اور جب وہ کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا بائیں جانب والے سے کہتا ہے' اس کو چھوڑ دو' حتیٰ کہ یہ تسبیح کرے یا استغفار کرے۔ پھر جب جمعرات کا دن آتا ہے تو اس وقت تک جو نیکیاں اور برائیاں ہوں' وہ لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے ماسوا کو چھوڑ دیا جاتا ہے' پھر یہ نوشتہ لوح محفوظ پر پیش کیا جاتا ہے' تو اس میں یہ تمام چیزیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

امام ابن ابی الدنیا احنف بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ دائیں جانب والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور وہ بائیں جانب والے فرشتہ پر امیر ہوتا ہے۔ اگر بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے رک جاؤ' پھر اگر بندہ استغفار کرے تو وہ اس کو وہ گناہ لکھنے سے منع کرتا ہے اور اگر بندہ استغفار کی بجائے گناہ پر اصرار کرتا ہے' تو وہ اس گناہ کو لکھ لیتا ہے۔

(الدر المنثور' ج ۷' ص ۵۹۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں دو فرشتے ہیں۔ ان میں سے ایک دائیں جانب ہے جو نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ بائیں جانب ہے' جو برائیاں لکھتا ہے۔ جو دائیں جانب ہے وہ اپنے صاحب کی شہادت کے بغیر لکھتا ہے اور جو بائیں جانب ہے وہ اپنے صاحب کی شہادت کے بغیر نہیں لکھتا۔ اگر بندہ بیٹھ جائے تو ایک فرشتہ دائیں جانب ہوتا ہے اور دوسرا بائیں جانب اور اگر بندہ چلنے لگے تو ایک فرشتہ بندہ کے آگے ہوتا ہے اور ایک پیچھے' اور اگر وہ سو جائے تو ایک فرشتہ اس کے سر کی جانب ہوتا ہے اور ایک پیروں کی جانب' اور ابن المبارک رحمہ اللہ نے کہا انسان کے ساتھ پانچ فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں' دو فرشتے رات کے' دو دن کے' یہ آتے جاتے رہتے ہیں اور پانچواں فرشتہ دن رات کے کسی وقت میں اس سے الگ نہیں ہوتا۔

(کتاب العظمہ' رقم الحدیث: ۵۲۱' ص ۱۸۵' مطبوعہ مکتبہ دار الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۴ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی مسلمان کے جسم کو کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے تو فرشتہ سے فرماتا ہے: اس کے اس عمل کو لکھتے رہو جو یہ کیا کرتا تھا' پھر اگر اس کو شفا دیتا ہے تو اس کو غسل سے پاک کر دیتا ہے اور اگر اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے تو اس کو بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

(شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۹۳۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلم اپنے جسم کی کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرض میں اس کی صحت کے ہر نیک عمل کو لکھتا رہتا ہے۔

(شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۹۳۴' مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اپنے بندہ مومن کے ساتھ دو فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کے عمل کو لکھتے رہتے ہیں۔ جب وہ بندہ فوت ہو جاتا ہے تو جو فرشتے اس کے عمل لکھتے تھے' وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ تو اب ہمیں اجازت دے تو ہم آسمان پر چڑھ جائیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے میرا آسمان ان فرشتوں سے بھرا ہوا ہے جو میری تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ عرض کریں گے تو کیا ہم زمین میں قیام کریں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری زمین میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے جو میری تسبیح کر رہی ہے' وہ کہیں گے پھر ہم کہاں جائیں؟ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا تم میرے اس بندہ کی قبر پر قیام کرو اور سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھو اور قیامت تک اس کو میرے اس بندہ کے لیے لکھتے رہو۔

(شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۹۳۱' مطبوعہ بیروت)

آیا دل کی باتوں کو کراماً کاتبین لکھتے ہیں یا نہیں؟

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں اور ارادوں پر مطلع ہوتے ہیں اور ان کو لکھ لیتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرے تو اس کو نہ لکھو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو اور اگر وہ نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو ایک نیکی لکھ لو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو دس نیکیاں لکھ لو۔ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے اور ایک روایت اس طرح کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں اے رب! تیرا یہ بندہ گناہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے' حالانکہ اسے گناہ پر خوب بصیرت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کا انتظار کرو' اگر یہ اس گناہ کو کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو اور اگر اس کو ترک

کردے تو اس کی ایک نیکی لکھ لو' کیونکہ اس نے میری وجہ سے اس گناہ کو ترک کیا ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان' ۲۰۵' ۲۰۳' (۱۲۸) ۳۲۷' صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۵۰۱' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۸۴' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۸۱' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۰' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۷۳۰۰)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں اور ارادوں پر مطلع ہوتے ہیں اور بعض دیگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کے احوال اور نیات پر مطلع نہیں ہوتے۔

امام عبداللہ بن محمد ابوالشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

ضمرہ بن حبیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرشتے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کے عمل لے کر اوپر چڑھتے ہیں' اس عمل کو وہ بہت زیادہ اور بہت بابرکت گمان کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی سلطنت میں جہاں تک اللہ چاہتا ہے' اس عمل کو لے کر پہنچتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی طرف وحی فرماتا ہے' تم میرے بندے کے عمل کی حفاظت کرنے والے ہو' اور میں اس کے دل کی نگہبانی کرنے والا ہوں۔ میرے اس بندہ نے یہ عمل میرے لیے اخلاص سے نہیں کیا' اس کو سجین (جہنم کی ایک وادی) میں ڈال دو اور وہ اللہ عزوجل کے بندوں میں سے ایک اور بندے کے عمل کو لے کر اوپر چڑھیں گے' اور اس عمل کو بہت کم گمان کریں گے۔ پھر وہ اللہ کی سلطنت میں سے جہاں تک اللہ چاہے گا' اس عمل کو لے کر پہنچیں گے۔ پھر اللہ عزوجل ان کی طرف وحی فرمائے گا تم حفاظت کرنے والے ہو اور جو کچھ اس کے دل میں ہے' میں اس پر نگہبان ہوں۔ اس کے اس عمل کو دگنا چوگنا کر دو اور اس کو علیین میں ڈال دو۔

(کتاب العظمہ' رقم الحدیث: ۵۲۲' ص ۱۸۵' مطبوعہ بیروت' کتاب الزھد لابن المبارک' رقم الحدیث: ۴۵۲' مطبوعہ بیروت)

امام ابن المبارک کی روایت میں ہے میرے اس بندے نے اخلاص سے عمل کیا ہے' اس کو علیین میں لکھ دو۔

بہ ظاہر ان حدیثوں میں تعارض ہے' لیکن حقیقت میں تعارض نہیں ہے' کیونکہ جس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر مطلع ہوتے ہیں۔ وہ صحیح بخاری' صحیح مسلم' صحیح ابن حبان اور سنن ترمذی اور سنن نسائی کی روایت ہے اور جس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر مطلع نہیں ہوتے' وہ کتاب العظمہ اور کتاب الزھد کی روایت ہے اور ثانی الذکر کتابیں اول الذکر کتابوں کے پائے کی نہیں ہیں۔ نیز اول الذکر حدیث متصل ہے اور ثانی الذکر مرسل روایت ہے اور اول الذکر سنداً صحیح ہے اور ثانی الذکر سنداً ضعیف ہے۔ اس لیے ترجیح پہلی حدیث کو ہے اور راجح یہی ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر بھی مطلع ہوتے ہیں اور موخر روایت کی یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ریا اور اخلاص کو مستثنیٰ فرمایا ہے' اخلاص کو مخفی رکھا' تاکہ قیامت کے دن اس بندے کی عزت افزائی کی جائے اور ریا کو مخفی رکھا' تاکہ ریاکار کے عمل کی قیامت کے دن زیادہ رسوائی ہو' جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگوں کو جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ جنت کے قریب ہوں گے اور جنت کی خوشبو سونگھیں گے' اور جنت کے محلوں کی طرف دیکھیں گے اور ان چیزوں کی طرف دیکھیں گے جو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لیے تیار کی ہیں تو ان کو ندا کی جائے گی کہ جنت سے واپس آ جائیں' ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ حسرت کے ساتھ جنت سے واپس آئیں گے اور کہیں گے' اے ہمارے رب! کاش! تو ہمیں اپنا ثواب دکھانے سے پہلے اور اپنے اولیاء کے لیے جو تو نے نعمتیں تیار کی ہیں ان کو دکھانے سے پہلے ہمیں دوزخ

میں داخل کر دیتا' تو یہ ہم پر آسان ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا کہ جب تم خلوت میں ہوتے تو میرے ساتھ بہت بڑا مقابلہ کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے تم میرے لیے عاجزی کرتے تھے۔ تم لوگوں کے لیے دکھلاوا کرتے تھے اور تم اپنے دلوں سے مجھے اس کے خلاف دیتے تھے اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے اور مجھ سے نہیں ڈرتے تھے' اور تم لوگوں کو بزرگ جانتے تھے اور مجھے بڑا نہیں جانتے تھے۔ سو آج میں تم کو دردناک عذاب چکھاؤں گا اور تم کو ثواب سے محروم کروں گا۔

(المعجم الاوسط' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۴۷۴' المعجم الکبیر' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۱۹۹' ص ۸۶' حلیۃ الاولیاء' ج ۴' ص ۱۲۵-۱۲۴' شعب الایمان' ج ۵' رقم الحدیث: ۶۸۰۹' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۲۲۰)

اعمال کو لکھوانے کی حکمتیں

اس میں اختلاف ہے کہ ایک شخص کی نیکیاں اور برائیاں لکھنے والے فرشتے ہر روز بدلتے ہیں یا اخیر عمر تک وہی فرشتے لکھتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ بہرحال ثابت ہے کہ دن اور رات کے فرشتے بدلتے رہتے ہیں' اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ بندہ کی موت کے بعد فرشتے کیا کرتے ہیں؟ بعض نے کہا وہ آسمان پر جا کر عبادت کرتے ہیں' لیکن ہم شعب الایمان کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ وہ قیامت تک اس بندے کی قبر پر بیٹھ کر اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

کراماً کاتبین جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اس کی کیا حکمت ہے؟ ایک حکمت تو یہ ہے کہ قیامت کے دن بندہ کے سامنے اس کے خلاف ایک مادی حجت قائم کر دی جائے' تاکہ وہ اپنے کسی قول یا عمل سے انکار نہ کر سکے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ جب بندہ کو یہ معلوم ہو گا کہ اس کے اعمال لکھ کر محفوظ کیے جا رہے ہیں اور بر سر محشر لوگوں کے سامنے یہ اعمال پیش کیے جائیں گے' تو لوگوں کے سامنے اپنی برائیاں اور بے حیائیاں کھلنے کے خوف سے وہ برے اور فحش کاموں کے ارتکاب سے باز رہے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ فرشتوں نے ابن آدم کی پیدائش پر یہ کہا تھا کہ یہ زمین میں خون ریزی اور فتنہ و فساد کرے گا اور جب وہ خود اپنے ہاتھوں سے مسلمانوں کی نیکیاں لکھیں گے تو ان پر ابن آدم کی پیدائش کی حکمت کامل طریقہ سے واضح ہو گی۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ انسان کے اعمال میزان میں وزن کیے جائیں گے۔ بظاہر یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کیونکہ اعمال از قبیل اعراض ہیں' لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اعمال کے وزن کرنے سے مراد صحائف اعمال کا وزن کرنا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ (الانعام: ۶۱)

اللہ تعالیٰ' ملک الموت اور فرشتوں کی طرف قبض روح کی نسبت کی وضاحت

قرآن مجید میں بندہ کی روح قبض کرنے کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہے' ملک الموت کی طرف بھی ہے اور عام فرشتوں کی طرف بھی ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل آیتوں سے ظاہر ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر: ۴۲)
موت کے وقت اللہ جانوں (روحوں) کو قبض کرتا ہے۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (السجدۃ: ۱۱)
آپ کہئے کہ موت کا فرشتہ تمہاری روح قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے' پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اور زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں۔ (الانعام: ۶۱)

ان آیات میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ روح قبض کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ وہ روح قبض کرنے کا فاعل حقیقی ہے اور ملک الموت کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ ظاہری فاعل ہے اور روح قبض کرنے

والے فرشتوں کا رئیس ہے' اور دوسرے فرشتوں کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ روح قبض کرنے میں ملک الموت کے اعوان اور انصار ہیں۔ بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ انسان کے درجہ اور مقام کے اعتبار سے احوال مختلف ہوتے ہیں' اس لیے بعض انسانوں کی روح اللہ تعالیٰ بلاواسطہ قبض کرتا ہے' بعض کی روح ملک الموت قبض کرتا ہے اور بعض کی دیگر فرشتے روح قبض کرتے ہیں۔

موت کے وقت مسلمانوں اور کافروں کی روحوں کے نکلنے کی کیفیت

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرنے والے کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ پس جب وہ کوئی نیک شخص ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں' اے پاکیزہ روح نکلو تم پاکیزہ جسم میں تھیں' تم تعریف کی ہوئی باہر آؤ' تمہیں خوشی اور مسرت کی نوید ہو اور رب کے راضی ہونے کی بشارت ہو۔ اس کو یونہی کہا جاتا رہے گا' حتیٰ کہ روح باہر آجائے گی۔ پھر وہ روح آسمان کی طرف چڑھے گی۔ اس کے لیے آسمان کو کھلوایا جائے گا۔ پوچھا جائے گا' یہ کون ہے؟ پھر اسے بتایا جائے گا یہ فلاں ہے! آسمان والے کہیں گے' پاکیزہ روح کو خوش آمدید ہو' یہ پاکیزہ جسم میں تھی' تم تعریف کی ہوئی داخل ہو۔ تمہیں خوشی اور مسرت کی بشارت ہو' اور رب کے راضی ہونے کی نوید ہو۔ اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا' حتیٰ کہ وہ اس آسمان (عرش الٰہی) میں پہنچے گی' جس پر اللہ عزوجل جلوہ فرما ہے۔ اور جب مرنے والا کوئی برا شخص ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں نکل اے خبیث (ناپاک) روح! تو خبیث جسم میں تھی' نکل تو مذمت کی ہوئی ہے۔ تجھے کھولتے ہوئے بدبودار پانی کی بشارت ہو' اور اسی قسم کے اور پانی کی۔ اسے یونہی کہا جاتا رہے گا' حتیٰ کہ وہ روح جسم سے نکلے گی۔ پھر اس کو آسمان کی طرف چڑھایا جائے گا' اور اس کے لیے آسمان کو کھلوایا جائے گا۔ پوچھا جائے گا یہ کون ہے؟ پھر بتایا جائے گا' یہ فلاں ہے! پھر کہا جائے گا اس ناپاک روح کا آنا نامبارک ہو' یہ ناپاک جسم میں تھی' تو مذمت کی ہوئی واپس ہو جا' تیرے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے' پھر اس کو آسمان سے بھیج دیا جائے گا' پھر قبر تک پہنچے گی۔

علامہ محمد احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۸۷۵۴' مطبوعہ دارالحدیث' القاہرہ' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۶۵۔۳۶۴' طبع قدیم' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۶۲)

امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس رحمت کے فرشتے سفید ریشم کو لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں (اے روح!) نکلو در آنحالیکہ تم اللہ سے راضی ہو اور اللہ تم سے راضی ہو' تم اللہ کی راحت اور خوشی کی طرف نکلو' اور رب کی رضا کی طرف نکلو۔ پھر روح مشک کی پاکیزہ خوشبو کی طرح نکلتی ہے' حتیٰ کہ بعض فرشتے اس روح کو لیتے ہیں اور اس کو آسمان کے دروازے کی طرف لاتے ہیں اور آسمان والے کہتے ہیں' یہ کیسی پاکیزہ خوشبو ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے؟ پھر وہ اس روح کو مومنین کی ارواح سے ملاتے ہیں اور وہ روحیں اس روح سے مل کر اسی طرح خوش ہوتی ہیں' جیسے کوئی شخص اپنے بچھڑے ہوئے دوست سے مل کر خوش ہوتا ہے۔

پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کیسا ہے؟ فلاں شخص کیسا ہے؟ پھر کہتے ہیں کہ اس کو چھوڑو' وہ دنیا کے غم میں ہے اور جب وہ کہتا ہے کہ کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس کو دوزخ میں ڈال دیا گیا' اور جب کافر کے پاس موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے پاس ٹاٹ کو لے کر آتے ہیں اور اس کی روح سے کہتے ہیں' نکل در آنحالیکہ تو اللہ سے ناراض ہے

اور اللہ تجھ سے ناراض ہے۔ تو اللہ کے عذاب کی طرف نکل' تو وہ انتہائی ناگوار بدبو کی طرح نکلتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس کو زمین کے دروازہ کی طرف لاتے ہیں اور زمین والے کہتے ہیں' یہ کیسی ناگوار بدبو ہے؟ پھر وہ اس کو کفار کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں۔
(سنن نسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۸۳۲' صحیح ابن حبان' ج ۷' رقم الحدیث: ۳۰۱۴' المستدرک' ج ۱' ص ۳۵۳)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام بزار اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے ریشم میں مشک اور گل ریحان کے گچھے لے کر آتے ہیں۔ پھر اس کے جسم سے روح اس طرح نکال لیتے ہیں جس طرح آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے' اے پاکیزہ روح! اللہ کی خوشی اور اس کی کرامت کی طرف راضیہ اور مرضیہ ہو کر چلو' اور اس کو ریشم میں لپیٹ کر علیین کی طرف لے جاتے ہیں اور کافر پر جب موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے ایک ٹاٹ میں انگارے لے کر آتے ہیں اور بڑی سختی سے اس کی روح کو کھینچتے ہیں اور کہا جاتا ہے' اے ناپاک روح! نکل در آنحالیکہ تو اللہ سے ناراض ہے اور اللہ تجھ سے ناراض ہے' نکل اللہ کی دی ہوئی ذلت اور اس کے عذاب کی طرف۔ اور جب روح نکل جاتی ہے تو اس کو اس انگارے پر رکھ کر ٹاٹ میں لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس کو سجین کی طرف لے جایا جاتا ہے۔
(شرح الصدور' ص ۶۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا برحق مالک ہے۔ سنو! اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے۔ (الانعام: ۶۲)

اللہ تعالیٰ کے مولیٰ اور حق ہونے کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے' پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا ایسا مولیٰ ہے جو حق ہے۔ مولیٰ کا ایک معنی ہے آزاد کرنے والا' اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عذاب سے آزاد فرمادے گا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ (مسند الحمیدی' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۱۲۶) نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی اضافت اپنے بندوں کی طرف فرمائی ہے' یعنی ان کا مولیٰ اور یہ اضافت انتہائی رحمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ پھر فرمایا ان کا مولیٰ جو حق ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا میں انسان باطل آقاؤں کے ماتحت تھا اور وہ نفس' شہوت اور غضب کے احکام کی اطاعت کرتا تھا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ

کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنالیا۔ (الفرقان: ۴۳)

اور جب انسان مرجاتا ہے تو باطل آقاؤں کے احکام کی اطاعت سے آزاد ہو جاتا ہے اور صرف اپنے حقیقی مولیٰ کے زیر تصرف آجاتا ہے۔

روح کے انسان کی حقیقت ہونے پر امام رازی کے دلائل

امام فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر قوی دلیل ہے کہ انسان کی حقیقت یہ جسم نہیں ہے' بلکہ یہ روح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں صراحتاً یہ فرمایا ہے کہ انسان مرجائے گا اور مرنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا' اور اس مردہ جسم کا اللہ کی طرف لوٹانا تو ممکن نہیں ہے' تو ثابت ہوا کہ اس کی روح کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدن کے ساتھ تعلق سے پہلے روح موجود تھی' کیونکہ اس عالم سے اللہ کی بارگاہ کی طرف روح کا لوٹانا اسی وقت ہو سکتا ہے جب روح پہلے سے موجود

ہو اور یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے:

اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ (الفجر: ۲۸) اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۶۰-۵۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام رازی کے دلائل پر بحث و نظر

امام رازی کی اس تقریر سے معاد جسمانی کا انکار لازم آتا ہے' جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ انسان کا حشر روح مع الجسم ہو گا اور اس مردہ جسم کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زندہ کر دے گا' اور جسم میں روح ڈال کر اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس جسم کے زندہ کیے جانے اور اللہ کے سامنے اس کے پیش کیے جانے پر دلائل مذکور ہیں:

وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِیۡدًا ۝ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَہُمۡ وَجَعَلَ لَہُمۡ اَجَلًا لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ فَاَبَی الظّٰلِمُوۡنَ اِلَّا کُفُوۡرًا ۝ (بنو اسرائیل: ۹۹-۹۸)

اور انہوں نے کہا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم از سر نو پیدا کیے جائیں گے' کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ان کی مثل بنانے پر قادر ہے اور اس نے ان کے لیے موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے' جس میں کوئی شبہ نہیں ہے' پس ظالموں نے کفر کرنے کے سوا ہر بات کا انکار کر دیا۔

قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَہِیَ رَمِیۡمٌ ۝ قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (یٰس: ۷۹-۷۸)

اس نے کہا جب ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ آپ کہئے! انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں پیدا کیا تھا۔

قرآن مجید کی ان آیتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف صرف روح نہیں لوٹائی جائے گی' بلکہ روح اور جسم دونوں لوٹائے جائیں گے اور انسان صرف روح کا نام نہیں ہے' بلکہ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ پیدا ہونے کے بعد جسم کی ساخت اور اس کے تشخص میں عمر کے ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے اور مرنے کے بعد جسم بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور انسان واحد کی حقیقت اور اس کا تشخص تو معین اور غیر متبدل ہونا چاہیے اور وہ تعین تو صرف روح میں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے جسم میں اجزاء اصلیہ ہوتے ہیں جو اس کے جسم کے تمام مختلف ادوار میں مشترک رہتے ہیں' اور جب جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے' تب بھی وہ اجزاء باقی رہتے ہیں اور ان ہی اجزاء کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے اور انسان کی حقیقت اور اس کے تشخص کا مدار روح اور ان اجزاء اصلیہ پر ہے۔

جسم سے پہلے روح کے پیدا ہونے پر دلائل اور بحث و نظر

البتہ! امام رازی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ روح کو جسم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا روحیں مجتمع لشکر ہیں' جو ان میں سے ایک دوسرے سے متعارف ہوتی ہیں وہ ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں' اور جو ایک دوسرے سے ناآشنا ہوتی ہیں' وہ آپس میں اختلاف کرتی ہیں۔ (صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۳۶' صحیح مسلم' بر ۱۵۹' (۲۶۳۸) ۶۵۸۴' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۸۳۴' مسند احمد' ج ۲' ص ۵۳۷' ۵۲۷' ۲۹۵' طبع قدیم)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مراد یہ ہو سکتی ہے کہ اس سے ابتداء خلقت کی خبر دینا مقصود ہو' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور جب روحوں کا جسموں میں حلول ہو تو ان کی آپس میں شناسائی یا عدم شناسائی عالم ارواح کے اعتبار سے ہوئی' تو روحیں جب دنیا میں ایک دوسرے سے ملیں تو ان کا ایک دوسرے سے متفق یا مختلف ہونا بھی اسی سابق شناسائی یا عدم شناسائی کے اعتبار سے تھا۔ (فتح الباری' ج ۶' ص ۳۶۹' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا ہے۔ (الحاوی للفتاوی' ج ۲' ص ۱۰۰' مطبوعہ المکتبہ النوریہ الرضویہ' لائلپور' پاکستان)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جسموں کے فنا ہونے کے بعد بھی روحیں باقی رہتی ہیں۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں۔ (عمدۃ القاری' ج ۱۵' ص ۲۱۶' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

حافظ عسقلانی اور حافظ سیوطی نے یہ تو لکھا ہے کہ روحیں جسموں سے پہلے پیدا کی گئی ہیں' لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ حدیث کس امام نے کس صحابی سے روایت کی ہے؟ البتہ علامہ ابن قیم جوزیہ نے لکھا ہے کہ امام ابو عبداللہ بن مندہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندوں کی روحیں بندوں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کی گئی ہیں۔ سو جو روحیں ایک دوسرے سے متعارف تھیں' وہ ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں اور جو روحیں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھیں' وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتی ہیں۔ (الروح' ص ۱۵۴-۱۵۳' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۰ھ)

پھر علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ نے اس حدیث کی سند پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک راوی عتبہ بن سکن ہے۔ امام دار قطنی نے اس کے متعلق یہ کہا کہ یہ متروک ہے اور ایک راوی ارطاۃ بن منذر ہے۔ امام ابن عدی نے کہا اس کی بعض احادیث غلط ہیں۔ (الروح' ص ۱۶۵' مطبوعہ قاہرہ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی اصل صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے' جس کو ہم نے شروع میں بیان کیا ہے۔ اس میں اگرچہ دو ہزار سال پہلے کے الفاظ نہیں ہیں' لیکن وہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ روحیں ایک مجتمع لشکر کی صورت میں پہلے پیدا ہو چکی تھیں' نیز اس کی مزید تائید ان حدیثوں سے ہوتی ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ہر وہ روح گر گئی جس کو وہ ان کی اولاد سے قیامت تک پیدا کرنے والا ہے اور اس نے ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک بنائی۔ پھر ان سب کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا' حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی چمک انہیں بہت اچھی لگی۔ پوچھا اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد میں سے آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے۔ اس کو داؤد کہا جاتا ہے' حضرت آدم نے پوچھا اے میرے رب! اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال۔ عرض کیا' اے میرے رب! میری عمر سے چالیس سال اس کی عمر زیادہ کر دے' جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کیا ابھی میری عمر سے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ ملک الموت نے کہا کیا آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو یہ عمر نہیں دی؟ نبی ﷺ نے فرمایا حضرت آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار

کیا اور حضرت آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم نے (اجتہادی) خطا کی تو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔ امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ متعدد سندوں کے ساتھ از ابو ھریرہ از نبی ﷺ مروی ہے۔

(سنن ترمذی ج ۵ رقم الحدیث: ۳۰۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام اولاد کی روحوں کو نکالا گیا جس سے یہ واضح ہو گیا کہ روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

نیز امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالا جو قیامت تک پیدا ہونے والے تھے پہلے ان کو ارواح بنایا پھر ان کو صورتیں دیں اور گویائی عطا کی وہ بولنے لگے۔ پھر ان سے عہد اور میثاق لیا اور ان کو اپنی جانوں پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی! (یہ اس لیے کہ) کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس عہد سے غافل تھے اور ہم نے تمہارے باپ آدم کو تم پر گواہ کیا ہے کہ تم یہ کہو کہ ہم کو پتا نہ تھا یا یہ کہو کہ ہم اس سے غافل تھے۔ سو تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا کیونکہ میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور میں تم پر اپنی کتابوں کو نازل کروں گا۔ پس انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی ہمارا رب ہے نہ تیرے سوا کوئی معبود ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف دیکھا تو ان میں غنی اور فقیر اور خوبصورت اور بدصورت لوگوں کو دیکھا۔ تو حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! اگر تو اپنے تمام بندوں کو برابر کر دیتا! اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے چراغوں کی طرح روشن انبیاء علیہم السلام کو دیکھا ان سے نبوت اور رسالت کا عہد و میثاق لیا گیا اور اس میں ان آیتوں کی تصدیق ہے:

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيۡثَاقَهُمۡ وَمِنۡكَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا (الاحزاب: ۷)

اور (یاد کیجئے) جب ہم نے نبیوں سے میثاق لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ میثاق لیا۔

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَـلۡقِ اللّٰهِ (الروم: ۳۰)

سو آپ اللہ کی اطاعت کے لیے اپنی ذات کو ثابت قدم رکھیں ادیان باطلہ سے اعراض کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی سرشت پر لازم کر لو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی سرشت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

هٰذَا نَذِيۡرٌ مِّنَ النُّذُرِ الۡاُولٰى (النجم: ۵۶)

یہ ایک ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں سے۔

وَمَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ مِّنۡ عَهۡدٍ وَّاِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَكۡثَرَهُمۡ لَفٰسِقِيۡنَ ۝ (الاعراف: ۱۰۲)

اور ہم نے ان کے اکثر لوگوں سے عہد کی وفا نہیں پائی اور ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا۔

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ (یونس: ۷۴)

پھر نوح کے بعد ہم نے ان لوگوں کی طرف رسول بھیجے جو ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ ان پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے کیونکہ وہ اس سے پہلے ان کی تکذیب کر چکے تھے۔

پس حضرت عیسیٰ کی روح ان ارواح میں سے تھی جن سے آدم علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ روح حضرت مریم کی طرف بھیجی' جو اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ایک شرقی مقام میں آگئی تھی۔ پھر لوگوں کی طرف سے انہوں نے ایک پردہ بنالیا' تو ہم نے ان کی طرف اپنے ایک فرشتہ کو بھیجا جس نے ان کے سامنے ایک تندرست آدمی کی صورت اختیار کی۔۔۔۔۔ پھر مریم نے اس کو اپنے پیٹ میں لے لیا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی۔

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(المستدرک' ج ۲' ص ۳۲۴-۳۲۳' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کی روحوں کو نکالا اور ان دونوں حدیثوں کی تصدیق اس آیت میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ (الاعراف: ۱۷۲)

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو ان کی جانوں پر گواہ بنایا (فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں' سب نے کہا کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی (یہ اس لیے کہ) کہیں تم قیامت کے دن کہو ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

علامہ ابن قیم نے ان دلائل کے معارضہ میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ فرشتہ ماں کے پیٹ میں روح پھونکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم کے ساتھ یا اس کے بعد حادث ہوتی ہے' وہ حدیث یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ صادق اور مصدوق ہیں' کہ تم میں سے ہر ایک کی خلقت اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک جمع کی جاتی ہے (یعنی نطفہ) پھر وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن کے بعد وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے' پھر چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے' اور اس سے کہا جاتا ہے اس کا عمل لکھو اور اس کا رزق' اور شقی یا سعید ہونا' پھر وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ بے شک تم میں سے ایک شخص عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' تو اس پر لکھا ہوا غالب آجاتا ہے' پھر وہ دوزخیوں کا عمل کرتا ہے اور ایک شخص عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر لکھا ہوا غالب آجاتا ہے' پھر وہ جنتیوں کا عمل کرتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۲۰۸' ۳۳۳۲' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۹۴' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۴۵۴' صحیح مسلم' قدر' ۱' (۲۶۴۳) ۶۵۹۹' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۴۴' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۰۸' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۶' صحیح ابن حبان' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۶۱۷۴' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۲۴' مسند حمیدی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۶' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۲۴۶)

ہر چند کہ اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس وقت فرشتہ پھونک مارتا ہے' اس وقت اللہ تعالیٰ اس میں روح پیدا کرتا ہے' لیکن دوسرے دلائل سے مطابقت کے لیے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ فرشتہ کے پھونک مارتے وقت اللہ تعالیٰ اس میں وہ روح بھیج دیتا ہے جو اس سے پہلے پیدا کی جاچکی ہے۔

قیامت کے دن جلد حساب لینے کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنو! اسی کا حکم ہے یعنی صورۃً اور معناً ہر طرح اسی کا حکم ہے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کسی شخص کی اطاعت ثواب کو واجب نہیں کرتی اور کسی شخص کی معصیت عذاب کو واجب نہیں کرتی' کیونکہ اگر ایسا ہو تا تو اطاعت کرنے والے کا یہ حق ہو تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ثواب عطا کرنے کا حکم دے' حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا' بلکہ ہر چیز پر اسی کا حکم نافذ ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے حسب ذیل آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے جلد حساب لینے کے متعلق فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (الرعد: ۴۱)

اللہ حکم فرماتا ہے اور اس کے حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب بہت جلد لے لے گا۔ اور ایک ہی وقت میں کسی ایک شخص سے حساب لینا اور اس وقت میں کسی دوسرے سے حساب لینا اس کے لیے مانع اور رکاوٹ نہیں ہو گا۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب اتنی دیر میں لے لے گا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے' اور بعض حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف یوم کی مقدار میں حساب لے لے گا۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حساب نہیں لے گا' بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرشتوں کو حساب لینے کا حکم دے گا۔ سو ہر فرشتہ ہر بندے سے حساب لے گا اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ خود حساب لے گا اور کافروں سے فرشتے حساب لیں گے' کیونکہ اگر اللہ کافروں سے خود حساب لیتا تو ان سے کلام بھی فرماتا' حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا' لیکن اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے رحمت کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا' بلکہ غضب کے ساتھ ان سے کلام فرمائے گا اور قرآن مجید کی ظاہر آیتیں اس قسم کے کلام پر دلالت کرتی ہیں:

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (الانعام: ۲۲)

اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے' پھر شرک کرنے والے لوگوں سے کہیں گے تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (السجدہ: ۱۴)

پس اب تم (اس کا مزہ) چکھو کہ تم نے اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا۔ بے شک ہم نے تمہیں فراموش کر دیا اور دائمی عذاب کا مزہ چکھو' ان (برے) کاموں کے بدلے جو تم کرتے تھے۔

باقی حساب لینے کی کیا کیفیت ہو گی؟ اس کا عقل انسانی احاطہ نہیں کر سکتی' ہم اللہ کے حساب لینے پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت کو عالم الغیب والشہادۃ کے سپرد کرتے ہیں۔ (روح المعانی' ج ۷' ص ۱۷۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حساب کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ (الرحمٰن: ۳۹) اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حساب نہیں لیا جائے گا لیکن اس کے معارض دوسری آیت ہے:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الحجر: ۹۳-۹۲) سو آپ کے رب کی قسم! ہم ان سے ضرور سوال کریں گے ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

ان آیتوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ ان سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا ہے؟ کیونکہ ان کے اعمال فرشتے نے لکھے ہوئے ہیں' بلکہ ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا ہے؟ دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے۔ کسی سے کسی وقت کوئی سوال نہیں کیا جائے گا اور کسی دوسرے وقت سوال کیا جائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی وقت کسی کو اپنا عذر بیان کرنے کی جرأت نہیں ہوگی اور کسی وقت وہ ایک دوسرے کے خلاف اپنی حجتیں پیش کریں گے۔ جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ○ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (المرسلات: ۳۶-۳۵) اس دن وہ نہ کوئی بات کر سکیں گے اور نہ انہیں عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (الزمر: ۳۱) پھر یقیناً تم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے۔

پہلی آیت میں فرمایا کہ وہ اس دن کوئی بات نہیں کر سکیں گے اور دوسری آیت میں فرمایا وہ جھگڑا کریں گے' اس کا یہی محمل ہے کہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے۔

حساب کی کیفیت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی کوئی حدیث سنتی تھیں اور اس کو نہ سمجھ پاتیں تو وہ نبی ﷺ سے پوچھتی تھیں' حتیٰ کہ اس کو سمجھ لیتیں۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص سے حساب لیا گیا اس کو عذاب دیا گیا حضرت عائشہ نے عرض کیا' کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا؟

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ○ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ○ (الانشقاق: ۸-۷) پھر جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' تو عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا اس سے مراد صرف اعمال کو پیش کرنا ہے' لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا (کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا) وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے قتل کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۸۶۴' صحیح مسلم' دیات' ۲۸ (۱۶۷۸) ۴۳۰۲' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۰۲' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۰۰۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۶۱۵)

یہ حدیث حقوق العباد پر محمول ہے اور حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کے عمل سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا' اگر نمازیں درست ہوئیں تو وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور اگر نمازیں فاسد ہوئیں تو وہ ناکام اور نقصان اٹھانے والا ہو گیا۔ اگر اس کے فرض میں کمی ہو تو رب تبارک و تعالیٰ فرمائے گا' دیکھو میرے اس بندہ کے نفل ہیں؟ پھر فرائض کے نقصان کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ پھر باقی اعمال کا بھی اسی طرح معاملہ ہو گا۔

(سنن الترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۱۳' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۶۴' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۶۶' ۴۶۵' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۴۲۵' مسند احمد' ج ۲' ص ۴۲۵' ۲۹۰' ج ۴' ص ۱۰۳' ۶۵' ج ۵' ص ۷۷' ۷۲' ۷۲)

قاضی ابو بکر ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ فرائض کی تعداد میں جو کمی رہ گئی ہے' وہ نوافل سے پوری ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ فرائض کے خشوع میں جو کمی رہ گئی ہو' وہ نوافل سے پوری ہو جائے اور میرے نزدیک پہلا احتمال زیادہ ظاہر ہے' کیونکہ آپ نے باقی اعمال کا بھی یہی حکم بیان فرمایا ہے اور زکوٰۃ میں صرف فرض ہے یا نفل ہے' پس جس طرح زکوٰۃ کا فرض فاضل صدقات سے پورا ہو جاتا ہے' اسی طرح نماز کا فرض بھی نفل سے پورا ہو جائے گا اور اللہ کا فضل بہت وسیع ہے اور اس کا وعدہ بہت نافذ ہونے والا ہے اور اس کا عزم اتم اور اعم ہے۔ (عارضۃ الاحوذی' ج ۲' ص ۲۰۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں' امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نماز کی سنتوں میں جو کمی رہ جاتی ہے' وہ نوافل سے پوری کی جائے گی۔ کیونکہ کوئی سنت واجب کا بدل نہیں ہو سکتی ہے۔ حدیث قدسی ہے جتنا مجھ سے فرائض کے ذریعہ قرب حاصل ہوتا ہے' اتنا اور کسی چیز سے نہیں ہوتا اور شیخ عزالدین نے کہا ہے کہ زکوٰۃ واجبہ کے ایک درہم کا آٹھواں حصہ نفلی ہزار درہم سے زائد ہے اور کوئی آدمی ساری عمر نفلی قیام کرے' بلکہ تمام زمانہ قیام کرے تو وہ صبح کی دو رکعت فرض کے برابر نہیں ہے۔ (سنن النسائی' ج ۱' شرح الحدیث ۴۶۵' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

زید بن حارث بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا اللہ کا رات میں ایک حق ہے جس کو وہ دن میں قبول نہیں کرتا' اور اللہ کا دن میں ایک حق ہے جس کو وہ رات میں قبول نہیں کرتا' اور جب تک فرض ادا نہ کیا جائے اللہ نفل کو قبول نہیں کرتا۔ (الحدیث)

(مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۱۶۴۸۰' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۱۸۹۰۲' کتاب الزھد لابن المبارک' رقم الحدیث: ۹۱۴' حلیۃ الاولیاء' ج ۱' ص ۳۶' جامع الاحادیث الکبیر' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۱۸۹)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کا قدم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے سے اس وقت تک نہیں ہٹے گا' حتیٰ کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کر لیا جائے۔ اس نے اپنی عمر کس کام میں فنا کی؟ اس نے اپنی جوانی کس کام میں مبتلا کی؟ اس نے مال کہاں سے حاصل کیا؟ اور کہاں اس کو خرچ کیا؟ اور اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ (سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۲۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ انہوں نے کہا

یارسول اللہ! مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم ہو نہ کوئی متاع ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن نماز' روزہ اور زکوۃ لے کر آئے گا اور اس نے کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی کو تہمت لگائی ہوگی' کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا' وہ شخص بیٹھ جائے گا اور اس کی نیکیوں میں سے اس کو بدلہ دیا جائے گا اور اس کو بدلہ دیا جائے گا۔ پھر اگر اس پر جو حقوق ہیں' ان کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۲۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث: (۲۵۸۱) صحیح ابن حبان' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۴۴۱۱' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۸۰۳۵' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۶' ص ۹۳)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کو پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا' کیا میں نے تیرے لیے کان اور آنکھیں نہیں بنائی تھیں؟ اور کیا مال اور اولاد نہیں دیئے تھے؟ کیا تیرے لیے مویشیوں اور کھیتوں کو مسخر نہیں کیا تھا؟ کیا تجھے سرداری اور خوش حالی نہیں دی تھی؟ پھر کیا تو مجھ سے اس دن ملاقات کا یقین رکھتا تھا' وہ کہے گا نہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' آج میں تجھے اس طرح فراموش کردوں گا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔ (سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۳۶)

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن اپنے رب کے قریب کیا جائے گا' حتیٰ کہ اللہ اس کو اپنی رحمت سے گھیر لے گا۔ پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا (فرمائے گا) تم فلاں گناہ پہچانتے ہو؟ وہ دوبار کہے گا اے میرے رب! میں پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تمہارا پردہ رکھا تھا اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا' باقی رہے کفار تو ان کو تمام لوگوں کے سامنے پکار کر بلایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۸۵' صحیح مسلم' توبہ' ۵۲' (۲۷۶۸) ۶۸۸۲' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۳' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۲۴۲' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۵۸۲۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میں ضرور اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اور سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا' ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا پس کہا جائے گا اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہ اس سے دور رکھو۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں دن یہ یہ کام کیا تھا اور فلاں دن یہ یہ کام کیا تھا' وہ کہے گا ہاں! اور اس کا انکار نہیں کر سکے گا اور وہ اس سے ڈر رہا ہوگا کہ کہیں اس کے بڑے بڑے گناہ نہ پیش کر دیئے جائیں' پھر اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔ تب وہ شخص کہے گا' اے میرے رب میں نے تو اور بھی بہت سے کام کیے تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا' پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہنسے حتیٰ کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہوگئیں۔

(صحیح مسلم' ایمان ۳۱۴' (۱۹۰) ۴۵۹' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۶۰۵)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ سے میرے رب نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار (مزید) ہوں گے اور میرے رب نے دونوں ہاتھوں سے تین بار لپ (بک) بھرنے کا وعدہ کیا ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۴۵' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۸۶' صحیح ابن حبان' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۷۲۴۶' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۲۴۸۱' المعجم الکبیر' ج ۷' رقم الحدیث: ۷۶۷۲)

حساب کی کیفیت کے متعلق صحابہ' تابعین اور علماء کے نظریات

علامہ محمد بن احمد السفارینی الحنبلی المتوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

حساب کی کیفیات اور اس کے احوال مختلف اور متفاوت ہیں۔ بعض کا حساب آسان ہوگا اور بعض کا حساب مشکل ہوگا' بعض کے ساتھ عدل ہوگا' بعض پر فضل ہوگا' بعض کی تکریم ہوگی' بعض کی زجر و توبیخ ہوگی' بعض سے درگزر ہوگا اور بعض کی گرفت ہوگی۔ اور یہ سب اس اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین کی مرضی اور مشیت پر موقوف ہے۔

سب سے پہلے علماء' مجاہدوں' مال داروں اور خوش حالوں سے حساب لیا جائے گا۔ حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز اور حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کا حساب ہوگا۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ کس چیز کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "لا الہ الا اللہ" کے متعلق سوال ہوگا اور ضحاک نے کہا لوگوں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال کیا جائے گا اور علامہ قرطبی نے کہا تمام اقوال اور افعال کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنواسرائیل: ۳۶)

بے شک کان' آنکھ اور دل' ان سب کے متعلق پوچھا جائے گا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النحل: ۹۲-۹۳)

سو آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے' ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

امام رازی کا بھی یہی رجحان ہے کہ ہر کام کے متعلق سوال ہوگا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم ان سب سے سوال کریں گے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی سوال کیا جائے گا۔ انبیاء علیہم السلام سے سوال کے متعلق اس آیت میں تصریح ہے:

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (الاعراف: ۶)

سو ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے' اور بے شک ہم رسولوں سے (بھی) ضرور سوال کریں گے۔

یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ بہ شمول انبیاء علیہم السلام ہر شخص سے سوال کیا جائے گا۔ البتہ ان سے بہ طور مناقشہ سوال نہیں ہوگا' بلکہ تعظیم و تکریم کے ساتھ سوال کیا جائے گا اور احادیث میں جن کے متعلق یہ بشارت ہے کہ وہ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے' وہ ان آیات کے عموم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے تبلیغ رسالت کے متعلق سوال ہوگا اور کفار سے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ علامہ بلبانی نے لکھا ہے کہ کفار نے جو نیک کام کیے ہیں' ان سے ان کے عذاب میں تخفیف متوقع ہے (یہ صحیح نہیں ہے' قرآن مجید میں تصریح ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف

نہیں کی جائے گی۔ لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون (البقرہ: ۶۲)
شیخ ابن تیمیہ نے عقیدہ واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن سے تنہائی میں حساب لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا' جیسا کہ کتاب اور سنت میں ہے' اور جن لوگوں کی نیکیوں اور برائیوں کا وزن کیا جاتا ہے کفار سے اس قسم کا حساب نہیں لیا جائے گا' کیونکہ ان کی کوئی نیکیاں نہیں ہیں' لیکن ان کے اعمال کا شمار کیا جائے گا' ان سے ان کا اقرار کرایا جائے گا۔

نعمتوں کی کتنی مقدار پر حساب لیا جائے گا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص ایک قدم بھی چلتا ہے' اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس کا اس سے کیا ارادہ تھا۔ امام ترمذی' امام ابن حبان' امام حاکم اور امام بغوی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے یہ سوال کیا جائے گا' کیا میں نے تمہارے جسم کو صحت مند نہیں بنایا تھا؟ کیا میں نے تم کو ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! قیامت کے دن تم سے سایہ' ٹھنڈے پانی اور کھجور کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ امام احمد' امام بیہقی' اور امام ابونعیم نے حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں کے متعلق بندہ سے سوال نہیں کیا جائے گا' دھوپ سے بچنے کے لیے سایہ' روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے وہ اپنی پیٹھ سیدھی رکھ سکے اور کپڑے کا اتنا ٹکڑا جس سے وہ اپنی شرم گاہ ڈھانپ سکے۔

امام احمد نے سند جید کے ساتھ حضرت ابی عسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کسی انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۔ باغ کے مالک نے کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے اس کو کھایا' پھر آپ نے ٹھنڈا پانی منگا کر پیا۔ پس فرمایا قیامت کے دن تم سے اس کا سوال کیا جائے گا۔ عرض کیا گیا' یا رسول اللہ! ان چیزوں کے متعلق بھی قیامت کے دن سوال کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں! سوا ان تین چیزوں کے' وہ کپڑا جس کے ساتھ شرم گاہ کو لپیٹا جا سکے' روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے بھوک مٹائی جا سکے اور اتنا حجرہ جو دھوپ اور بارش سے بچانے کے لیے کافی ہو۔

حساب کو آسان کرنے کا طریقہ

امام طبرانی' امام بزار اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین خصلتیں جس میں ہوں' اللہ اس سے آسان حساب لے گا' اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کردے گا۔ صحابہ نے پوچھا وہ کیا خصلتیں ہیں؟ فرمایا جو تم کو محروم کرے اس کو دو۔ جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو۔ جو تم پر زیادتی کرے اس کو معاف کردو۔

امام اصبہانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم کر سکتے ہو کہ جب تم صبح اٹھو یا جب شام ہو تو تمہارے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہ ہو تو ایسا کرلو' کیونکہ اس سے تمہارا حساب زیادہ آسان ہو گا۔

امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے کہا یا رسول اللہ! قیامت کے دن مخلوق کا حساب کون لے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ! اس نے کہا رب کعبہ کی قسم! ہماری نجات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا اے اعرابی وہ کیسے؟ اس نے کہا اس لیے کہ کریم جب قادر ہوتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ کریم جب قادر ہوتا ہے تو بخش دیتا ہے اور جب تم سے کوئی لغزش ہو تو وہ پردہ رکھتا ہے اور جلدی

غصہ کرنا اور انتقام لینا' یہ کریم کی عادت نہیں ہے۔
مذکور الصدر احادیث میں ہے کہ تم کسی کی زیادتی معاف کر دو' اس سے تمہارا حساب آسان ہو گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم بندوں کی خطاؤں کو معاف کر دو' اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔
علامہ قرطبی اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی تکریم کے لیے اللہ تعالیٰ حساب کے وقت ان سے بغیر ترجمان کے کلام فرمائے گا اور کفار کی اہانت کے لیے ان سے خود کلام نہیں فرمائے گا' بلکہ فرشتے ان سے حساب لیں گے۔
(لوامع الانوار البہیہ' ج ۲' ص ۱۷۷-۱۷۳' ملخصا' مطبوعہ المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے تمہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے' جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس (مصیبت) سے بچالے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے O آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو اس (مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے' پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو! (الانعام: ۶۴-۶۳)

مصیبت ٹل جانے کے بعد اللہ کو بھول جانے پر ملامت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت پر بعض دلائل بیان فرمائے تھے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے' اور اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اور وہ تمام مخلوق پر غالب ہے اور ان کے اعمال کی فرشتوں سے حفاظت کراتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور قسم کی دلیل بیان فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال اور اس کی رحمت' اس کے فضل اور اس کے احسان پر دلالت کرتی ہے۔
اس آیت میں خشکی کی تاریکیوں کا ذکر فرمایا ہے' اس سے مراد حسی تاریکی بھی ہے اور معنوی تاریکی بھی۔ حسی تاریکی' رات کا اندھیرا گہرے بادلوں کا اندھیرا' بارش اور آندھیوں کا اندھیرا ہے' اور سمندروں کی حسی تاریکی رات کا اندھیرا' بادلوں کا اندھیرا اور موجوں کے تلاطم کا اندھیرا ہے اور معنوی تاریکی' ان اندھیروں کی وجہ سے خوف شدید' نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ سے منزل کی ہدایت نہ پانے کا خوف اور دشمن کے اچانک ٹوٹ پڑنے کا خوف ہے۔
اس سے مقصود یہ ہے کہ جب اس قسم کے اسباب مجتمع ہو جائیں جن سے بہت گھبراہٹ اور شدید خوف لاحق ہوتا ہے اور انسان کو نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور وہ ہر طرف سے ناامید ہو جاتا ہے' تو اس وقت وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے' اور اس وقت وہ زبان اور دل دونوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی فطرت سلیمہ کا یہی تقاضا ہے کہ اس حال میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی کے فضل و کرم پر اعتماد کیا جائے اور اسی کو ملاذ و ملجا اور جائے پناہ قرار دیا جائے۔ اور جب اس حال میں وہی فریاد رس اور دستگیر ہے تو ہر حال میں صرف اسی کو پکارنا چاہیے۔ اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے اور اسی کی عبادت کرنی چاہیے' لیکن انسان بڑا ناشکرا ہے' جب وہ مشکلات کے بھنور سے نکل جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس کو مادی اسباب کی وجہ سے یہ نجات ملی ہے' اور پھر وہ اخلاص اور رجوع الی اللہ کو ترک کر دیتا' اور اپنی خواہشات کے تراشیدہ بتوں کی پرستش کرنے لگتا ہے۔
اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اللہ سے دعا کرتا ہے اور عاجزی سے گڑگڑاتا ہے اور اس کی طرف اخلاص سے متوجہ ہوتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کا مطیع' فرمانبردار اور شکرگزار بن کر رہے گا' لیکن جیسے ہی وہ امن اور سلامتی کو پالیتا ہے۔ وہ پھر اپنی سابقہ روش پر لوٹ جاتا ہے۔
بہ ظاہر اس آیت میں مشرکین کو زجر و توبیخ کی گئی ہے اور ان کے طریقہ کار کی مذمت کی گئی ہے' لیکن یہ صورت حال ان

مسلمانوں پر بھی منطبق ہوتی ہے جو عام طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل رہتے ہیں' لیکن جب ان پر اچانک کوئی آفت آ ٹوٹتی ہے اور انہیں اس سے نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا' تو بے اختیار اللہ کو یاد کرتے ہیں اور گڑگڑا کر اس سے دعا کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ ان سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے' تو پھر وہ خدا کو بھول جاتے ہیں اور اپنے عیش و طرب اور لہو و لعب میں مست اور بے خود ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض آیتیں یہ ہیں:

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل: ۶۷)

اور جب تمہیں سمندر میں کوئی آفت پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے تھے وہ سب گم ہو جاتے ہیں' پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم (اس سے) منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ (الزمر: ۸)

اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے' اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے' پھر جب اللہ اپنی طرف سے اسے کوئی نعمت عطا فرمادے تو وہ اس (مصیبت) کو بھول جاتا ہے جس کے لیے اس سے پہلے وہ اللہ کو پکارتا تھا' اور اللہ کے لیے شریک قرار دیتا ہے' تاکہ اوروں کو بھی اس کی راہ سے بہکادے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھادے۔ دیکھئے! ہم کس طرح بار بار دلیلوں کو بیان کر رہے ہیں تاکہ یہ سمجھ سکیں۔ (الانعام: ۶۵)

اللہ کی طرف سے دیئے جانے والے عذاب کی اقسام

اس سے پہلے اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ مشرکین وغیرہ جب مصائب میں اخلاص کے ساتھ اس کو پکارتے ہیں تو وہ ان کو ان مصائب اور آفات سے نجات دے دیتا ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے تم پر عذاب نازل کرنے پر قادر ہے' تاکہ مشرکین عبرت اور نصیحت حاصل کریں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر ایک نوع کی دلیل ہے' تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے برے اور ظالم حکام۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد ہولناک آواز ہے یا آندھی ہے یا پتھروں کا برسنا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد سخت طوفانی بارشیں ہیں' جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے برے اور بدکار نوکر اور خدام۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد ہے زلزلہ' اور زمین میں دھنسنے کا عذاب۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھادے۔ مجاہد نے کہا اس امت کے جو لوگ ایمان لے آئے ان کا عذاب ایک دوسرے کو قتل کرنا ہے اور جنہوں نے تکذیب کی ان کا عذاب

کڑک اور زلزلہ ہے۔

اوپر سے عذاب نازل ہونے کی مثال یہ ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفانی بارشیں ہوئیں‘ جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسے یا جیسے ابرہہ کے ہاتھیوں پر ابابیلوں نے کنکریاں برسائیں اور جو عذاب پاؤں کے نیچے سے ظاہر ہوا اس کی مثال زلزلے ہیں‘ اور جیسے قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ یا بارش اور فصلوں کی پیداوار روک کر قحط کا عذاب نازل کیا گیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تیرے چہرے کی پناہ میں آتا ہوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی "او من تحت ارجلکم" تو آپ نے فرمایا میں تیرے چہرے کی پناہ میں آتا ہوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم باس بعض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ زیادہ سہل اور زیادہ آسان ہے۔

(صحیح البخاری‘ ج ۵‘ رقم الحدیث: ۴۶۲۸‘ السنن الکبریٰ للنسائی‘ رقم الحدیث: ۱۱۱۶۵)

امت کے اختلاف اور لڑائیوں سے نجات کی دعا سے اللہ تعالیٰ کا آپ کو منع فرمانا

اس آیت میں فرمایا ہے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رنگ و نسل اور زبان اور فقہی و اعتقادی نظریات میں اختلاف کی وجہ سے یہ امت مختلف فرقوں میں بٹ جائے گی۔ نیز فرمایا اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان اختلافات کی وجہ سے یہ امت باہم جدال اور قتال کرے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ آپ کی امت کو اللہ ان تمام قسم کے عذابوں سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اوپر اور نیچے سے دیئے جانے والے عذابوں سے حفاظت کے متعلق آپ کی دعا قبول کر لی اور امت کے آپس کے تفرقہ اور لڑائیوں سے حفاظت کی دعا کرنے سے آپ کو منع کر دیا‘ جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا‘ سو میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا‘ اور یقیناً جتنی زمین میرے لیے لپیٹی گئی ہے میری امت کا ملک وہاں تک پہنچے گا‘ اور مجھے سرخ اور سفید (سونے اور چاندی کے) دو خزانے دیئے گئے ہیں اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو عام قحط سے نہ ہلاک کرے‘ اور یہ کہ ان کے اوپر ان کا ایسا مخالف دشمن مسلط نہ کرے جو ان کو بالکل ختم کر دے۔ تب میرے رب نے فرمایا اے محمد! جب میں کوئی تقدیر بنا دیتا ہوں تو وہ مسترد نہیں ہوتی اور میں نے آپ کی امت کے لیے یہ کر دیا ہے کہ میں ان کو قحط عام سے ہلاک نہیں کروں گا‘ اور یہ کہ میں ان پر ان کا مخالف ایسا دشمن مسلط نہیں کروں گا جو ان کو بالکل ختم کر دے‘ خواہ وہ تمام روئے زمین سے ان کے اوپر چڑھائی کرے‘ حتیٰ کہ آپ کی امت کے بعض افراد بعض کو ہلاک کریں گے اور بعض بعض کو قید کریں گے۔

(صحیح مسلم‘ فتن‘ ۱۹ (۲۸۸۹) ۷۱۳۵‘ سنن ابوداؤد‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۴۲۵۲‘ سنن الترمذی‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۲۱۸۳‘ سنن النسائی‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۷‘ ۴۳‘ صحیح ابن حبان‘ ج ۱۶‘ رقم الحدیث: ۷۲۳۶‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۳۹۵۲‘ المعجم الکبیر‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۳۶۲۲‘ مسند احمد‘ ج ۷‘ رقم الحدیث: ۲۲۴۰۹‘ جامع البیان‘ جزء ۷‘ ص ۲۹۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بہت لمبی نماز پڑھی' صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے ایسی نماز پڑھی ہے جو آپ عام طور پر نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ سے رغبت اور اس سے خوف کی نماز تھی' میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا' اس نے مجھے دو چیزیں عطا کردیں اور ایک سے منع کردیا۔ میں نے اللہ سے سوال کیا کہ میری امت کو قحط میں ہلاک نہ کرنا تو اللہ نے مجھے یہ عطا کردیا' اور میں نے سوال کیا کہ میری امت پر ان کے مخالف کو مسلط نہ کرنا تو یہ مجھے عطا کردیا اور میں نے سوال کیا کہ میری امت کے بعض' بعض سے جنگ نہ کریں تو مجھے اس سے منع فرمادیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۸۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے تین چیزیں دی گئیں اور ایک چیز سے منع کردیا گیا' میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت پر ان کا مخالف دشمن نہ مسلط کیا جائے جو ان کو بالکل ختم کردے اور ان پر قحط نہ مسلط کیا جائے اور وہ گمراہی پر متفق نہ ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کردیا اور میں نے یہ سوال کیا کہ وہ متفرق نہ ہوں اور بعض' بعض سے لڑائی نہ کریں تو مجھے اس دعا سے روک دیا گیا۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "ویذیق بعضکم باس بعض" (الخ) (الانعام: ۶۵) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرکے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ آپ کی امت پر اوپر سے عذاب نہ بھیجے اور نہ نیچے سے عذاب بھیجے اور نہ ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرے اور نہ بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھائے۔ جیسا کہ بنو اسرائیل کو چکھایا تھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی طرف نازل ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنے رب سے چار چیزوں کا سوال کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو چیزیں عطا فرمادی ہیں اور دو چیزوں کے سوال سے منع فرمادیا ہے۔ آپ کی امت پر نہ اوپر سے عذاب آئے گا اور نہ ان کے پیروں کے نیچے سے ایسا عذاب آئے گا جو ان کو جڑ سے اکھاڑ دے' کیونکہ عذاب کی یہ دونوں قسمیں ہر اس امت کے لیے تھیں جس نے اپنے نبی کی تکذیب کی ہو اور اپنے رب کی کتاب کو مسترد کردیا ہو' لیکن وہ ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم فرمائے گا اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی کا مزہ چکھائے گا اور ان دو قسموں کے عذاب ان لوگوں کے لیے ہوتے ہیں جو کتاب کا اقرار کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی میں آپ کی امت کو اس قسم کے فتنوں کے عذاب سے محفوظ رکھا۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۲۹۳-۲۹۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

ان تمام احادیث اور روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے منع فرمادیا' یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول نہیں کی۔ ہرچند کہ اللہ تعالیٰ کسی کی دعا قبول کرنے پر مجبور نہیں ہے' لیکن اس نے اپنے فضل و کرم سے اپنے احباء کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کا سوال رد نہیں فرماتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر محبوب ہیں اور سب سے زیادہ مستجاب ہیں۔ اسی لیے جو چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھی' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی دعا مانگنے سے منع فرمادیا' تاکہ آپ کی دعا کا مسترد کرنا لازم نہ آئے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ شام کے وقت اور صبح کو ان کلمات سے دعا مانگنے کو ترک نہیں کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین اور اپنی دنیا میں اور اپنے اہل اور اپنے مال میں' عفو اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں سے مجھے خوف ہے' ان سے مامون رکھ۔ اے اللہ! مجھے آگے اور پیچھے سے' دائیں اور بائیں سے' اوپر سے اور نیچے سے حفاظت میں رکھ اور میں نیچے کی مصیبت (دھنسا دینے) سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(سنن ابن ماجہ' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۸۷۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہ ہر قسم کے عذاب سے پناہ کے لیے' بہت جامع دعا ہے اور نبی ﷺ اظہار عبودیت' امتثال امر اور ہماری تعلیم کے لیے صبح و شام یہ دعا مانگتے تھے کہ جب آپ اتنے عظیم الشان رسول اور اللہ کے محبوب ہو کر اس قدر یہ دعا کرتے ہیں تو ہم جو دعاؤں کے ویسے ہی زیادہ محتاج ہیں' ہمیں کس قدر یہ دعا کرنی چاہیے۔

فقہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھئے ہم کس طرح بار بار دلیلوں کو بیان کرتے ہیں' تاکہ یہ تفقہ کریں (سمجھ سکیں)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حاضر علم سے غائب علم تک رسائی حاصل کرنے کو فقہ کہتے ہیں اور اصطلاح میں احکام شرعیہ کے علم کو فقہ کہتے ہیں۔

(المفردات' ص ۳۸۴' مطبوعہ المکتبہ المرتضویہ' ایران' ۱۳۶۲ھ)

علماء شافعیہ نے فقہ کی یہ تعریف کی ہے احکام شرعیہ عملیہ کا علم جو دلائل تفصیلیہ سے حاصل ہو' اور حکم شرعی کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو' اور احکام شرعیہ یہ ہیں۔ فرض' واجب' سنت موکدہ' سنت غیر موکدہ' مستحب' مباح' حرام' مکروہ تحریمی' اساءت' مکروہ تنزیہی' خلاف اولیٰ' امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے۔

نفس کا یہ پہچاننا کہ کیا چیز اس کے لیے ضرر کا باعث ہے اور کیا چیز اس کے لیے نفع کا باعث ہے

دلائل اجمالیہ یہ ہیں۔ مثلاً امر وجوب کے لیے ہے اور نہی تحریم کے لیے ہے' اور دلائل تفصیلیہ یہ ہیں مثلاً "اقیموا الصلوٰۃ" اور "لا تقربوا الزنا" اور دلائل تفصیلیہ سے احکام شرعیہ کے حصول کی مثال یہ ہے۔ نماز کا امر کیا گیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اقیموا الصلوٰۃ" اور جس چیز کا امر کیا گیا ہے وہ واجب ہے' کیونکہ امر وجوب کے لیے ہے' لہٰذا نماز واجب ہے۔ دوسری مثال یہ ہے زنا سے نہی کی گئی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لا تقربوا الزنا" اور جس چیز سے نہی کی جائے وہ حرام ہے' کیونکہ نہی تحریم کے لیے ہے۔ لہٰذا زنا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلایا' حالانکہ یہی حق ہے۔ آپ کہئے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ہر خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے' اور عنقریب تم جان لوگے۔ (الانعام: ۶۷-۶۶)

اس آیت میں فرمایا ہے حالانکہ یہی حق ہے۔ اس میں کس چیز کو حق فرمایا ہے اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱- کفار نے اس عذاب کا انکار کیا' حالانکہ اس کا نزول حق ہے۔

۲- کفار نے اس قرآن کا انکار کیا' حالانکہ یہ قرآن حق ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور توحید پر استدلال کے لیے جو آیات نازل کی ہیں کفار نے ان دلائل کا انکار کیا' حالانکہ یہ دلائل

حق ہیں۔

اس کے بعد فرمایا آپ کہئے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں، یعنی اگر تم ان دلائل سے اعراض کرتے ہو اور حق کا انکار کرتے ہو تو میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں، یعنی نہ میں تم پر جبر کر کے تمہیں مومن بنا سکتا ہوں اور نہ تمہارے اعراض کرنے کی تمہیں سزا دے سکتا ہوں۔ میں تو تم کو صرف آخرت کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اس نہج پر قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ (ق: ۴۵)

ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اور آپ ان سے جبراً منوانے والے نہیں ہیں تو آپ قرآن سے اس کو نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو۔

فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ (الغاشیہ: ۲۲-۲۱)

پس آپ نصیحت کرتے رہیں آپ تو نصیحت ہی کرنے والے ہیں ۝ آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا ایک وقت مقرر ہے اور اس وقت میں یقیناً اس خبر کا ظہور ہوگا اور اس میں کوئی تقدیم تاخیر نہیں ہوگی۔ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے عذاب آخرت کی جو خبر دی ہے، وہ عذاب یقیناً نازل ہوگا۔ اور اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ خبر دی ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ میں مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے، تو بغیر شک و شبہ کے اس خبر کا ظہور ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کے لیے وعید ہے، کیونکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔ اور دنیا میں بھی ان کے لیے وعید ہے جیسا کہ بدر وغیرہ میں وہ شکست سے دوچار ہوئے اور مسلمانوں کو بھی ڈرنا چاہیے، کیونکہ اگر انہوں نے قرآن مجید کے احکام پر عمل نہیں کیا، بلکہ قرآن کریم کے احکام کی خلاف ورزی کی، تو یہ قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے، تو ایسا نہ ہو کہ وہ بھی عذاب الٰہی سے دوچار ہو جائیں۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ

اور (اے مخاطب!) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو (طعن، تشنیع کا) مشغلہ بناتے ہیں تو ان سے اعراض کرو،

حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ۭ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ

حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَی

یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو ۝ اور پرہیزگاروں سے

الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی

ان (ظالموں) کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی، البتہ ان کو نصیحت کرتے رہیں

لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَ ذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا

تاکہ وہ (ظلم میں) اللہ سے ڈریں ○ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا ہے

وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ ذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا

اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، اور اس (قرآن) کے ساتھ ان کو نصیحت کرتے رہو، کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے

كَسَبَتْ ۖۗ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ ۚ وَ اِنْ

ہلاکت میں مبتلا نہ ہو جائیں، اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا نہ شفاعت کرنے والا، اور اگر وہ ہر قسم

تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا

کا فدیہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے

بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا

ہلاکت میں مبتلا کیے گئے، ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے کیوں کہ وہ

یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

کفر کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو (طعن و تشنیع کا) مشغلہ بناتے ہیں تو ان سے اعراض کرو، حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو ○ (الانعام: ۶۸)

دین میں تفرقہ ڈالنے کی مذمت

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس رازی بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس قسم کی آیتوں میں اللہ نے مسلمانوں کو اپنی جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے، اور ان کو آپس میں اختلاف کرنے اور تفرقہ سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس سے پہلے کی قومیں اپنے دین میں اختلاف کرنے اور مناظرے کرنے کی وجہ سے ہلاک اور تباہ و برباد ہو گئیں۔

سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ خوض کا معنی ہے تکذیب کرنا اور یہ آیت مشرکین اور اہل اعداء کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

سدی نے بیان کیا ہے کہ مشرکین جب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھتے تو نبی ﷺ اور قرآن مجید کے متعلق بدگوئی کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ جب تک وہ کسی اور موضوع پر بات نہ کریں ان کے پاس نہ بیٹھو۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۴، ص ۱۳۱۴، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، الریاض، ۱۴۱۷ھ)

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ نبی ﷺ منکروں اور مکذبوں کے اعمال کے ذمہ دار' محافظ اور نگہبان نہیں ہیں۔ آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے اور وقت آنے پر انہیں اپنی تکذیب کا انجام خود معلوم ہو جائے گا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب یہ لوگ دین اسلام' رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید پر نکتہ چینی کریں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی مجلس میں نہ بیٹھیں۔ اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔

اسی طرح جب بدعتی اور گمراہ فرقے اپنی بدعت کی ترویج اور اشاعت کر رہے ہوں اور اہل سنت و جماعت کا رد کر رہے ہوں' تو ان کی مجلس سے بھی احتراز کرنا لازم ہے اور گمراہ لوگوں کے ساتھ الفت اور محبت کے ساتھ ملنا جلنا' ربط ضبط بڑھانا بھی جائز نہیں ہے' اور عام مسلمانوں کے لیے ان گمراہ فرقوں کا لٹریچر پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ یہ کتابیں پڑھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں گے۔ البتہ اہل علم کو ان کی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور ان کے شکوک و شبہات کا رد کرنا چاہیے۔

شیطان کے لیے نبی ﷺ کو نسیان میں مبتلا کرنا ممکن نہیں

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے اور نبی ﷺ اس آیت کے مخاطب نہیں ہیں اور اس پر قوی قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور یہ بات شرعاً محال ہے کہ شیطان کا نبی ﷺ پر تسلط ہو اور وہ آپ کو کوئی بات بھلا دے' اللہ تعالیٰ شیطان سے فرماتا ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ (الحجر: ۴۲)	بے شک میرے خاص بندوں پر تجھے غلبہ نہیں ہو گا۔ البتہ جو تیری پیروی کرے' گمراہوں میں سے۔

اور شیطان نے خود بھی اعتراف کیا کہ اللہ کے خاص بندوں پر اس کا کوئی زور نہیں چل سکے گا:

قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (ص: ۸۳-۸۲)	شیطان نے کہا پس تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور بہکاؤں گا' ماسوا ان کے جو ان میں سے تیرے خاص بندے ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون اللہ کا خاص بندہ ہے' پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر شیطان کا کوئی زور اور غلبہ یا تصرف اور تسلط نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ شیطان نبی ﷺ کو بھلا دے' اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس آیت میں خطاب سے مراد عام مسلمان ہو' لیکن سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس کے برعکس ترجمہ کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

اور اے محمد! جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینیاں کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں' اور اگر کبھی شیطان تمہیں بھلاوے میں ڈال دے تو جس وقت تمہیں اس غلطی کا احساس ہو جائے اس کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (تفہیم القرآن' ج ۱' ص ۵۴۹' طبع مارچ ۱۹۸۳ء)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

اور اگر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے رسول و نبی پر بھی بھول اور نسیان کا اثر ہو جایا کرے تو ان کی تعلیمات پر کیسے اعتماد و اطمینان رہ سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کسی خاص حکمت و مصلحت کے تحت بھول تو ہو سکتی ہے' مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً ان کو تنبیہ بذریعہ وحی ہو جاتی ہے' جس سے وہ بھول پر قائم نہیں رہتے۔ اس لیے بالآخر ان کی تعلیمات بھول اور نسیان کے شبہ سے پاک ہو جاتی ہیں۔

(معارف القرآن' ج ۳' ص ۳۷۲-۳۷۱' طبع جدید' ۱۴۱۴ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

یہاں خطاب اگرچہ واحد کے صیغہ سے ہے' جس کا غالب قرینہ یہی ہے کہ خطاب آنحضرت سے ہو لیکن یہ خطاب آنحضرت کے واسطے سے تمام مسلمانوں سے ہے۔ (تدبر قرآن' ج ۳' ص ۷۷' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن' ۱۴۰۹ھ)

ہمارے نزدیک اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب نہیں ہے' بلکہ عام مسلمانوں کو خطاب ہے اور اس کا غالب قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں ہے اگر شیطان تمہیں بھلا دے۔ الایہ۔ اور یہ محال ہے کہ شیطان نبی ﷺ کے دل میں وسوسہ اندازی کرے اور کوئی حکم شرعی آپ کو بھلا دے۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اس آیت میں آپ کو خطاب ہے لیکن اس سے مراد آپ کی امت ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: ۶۵) اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے سب عمل ضائع ہو جائیں گے۔

قرآن اور سنت کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کا نسیان

انبیاء علیہم السلام کے نسیان میں بھی کلام کیا گیا ہے۔ شیخ ابو جعفر محمد حسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

جبائی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سہو اور نسیان جائز ہے۔ اس کے برخلاف رافضی یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر سہو اور نسیان جائز نہیں ہے۔ جبائی کا یہ قول صحیح نہیں ہے' کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جن امور کو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا کرتے ہیں ان میں سہو اور نسیان جائز نہیں ہے' اور جن امور کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا نہیں کرتے' ان میں سہو اور نسیان جائز ہے۔ اور ان پر سہو اور نسیان کیسے جائز نہیں ہوگا؟ حالانکہ وہ سوتے ہیں اور بیمار ہوتے ہیں اور ان پر بے ہوشی طاری ہوتی ہے اور نیز بھی سہو ہے اور وہ اپنے بہت سے تصرفات میں بھول جاتے ہیں۔

(التبیان' ج ۴' ص ۱۶۶-۱۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

جس طرح بشری تقاضے سے اور کئی جسمانی عوارض انبیاء علیہم السلام پر طاری ہوتے ہیں' ان پر نسیان بھی طاری ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طٰہٰ: ۱۱۵) سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی عزم نہیں پایا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ (الکہف: ۷۳) میرے بھولنے کی وجہ سے مجھ سے مواخذہ نہ کریں۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ (الکہف: ۲۴) اور جب آپ بھول جائیں تو (یاد آتے ہی) اپنے رب کا ذکر کیجئے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم بھول گئے' سو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔

(سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۸۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھائی' اس میں آپ نے کچھ زیادتی یا کمی کی۔ جب

آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا' نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ نے پوچھا کیوں؟ صحابہ نے کہا آپ نے اس اس طرح نماز پڑھائی ہے' آپ نے پیر موڑے اور قبلہ کی طرف منہ کیا دو سجدے کیے' پھر سلام پھیر دیا۔ پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں تم کو خبر دیتا' لیکن میں محض تمہاری طرح بشر ہوں' میں اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو تو وہ صحیح امر پر غور کرے' نماز پوری کرے' پھر (سہو کے) دو سجدے کرلے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۰۱' صحیح مسلم' مساجد' ۸۹' (۵۷۲) ۱۲۵۱' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۲۰' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۲۴۲' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۱۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت ایک شخص کو ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا' تو آپ نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی' جس کو میں فلاں فلاں سورت سے بھلا دیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۰۳۸' صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' ۲۲۴' ۷۸۸' ۱۸۰۶' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۳۱' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۸۰۰۶' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۴۳۸۹' مسند احمد' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۲۴۲۱۶' طبع دار الحدیث' قاہرہ)

نبی ﷺ کے سہو اور نسیان کے متعلق فقہاء اور محدثین کا موقف

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ائمہ نے کہا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام پر نسیان طاری ہوتا ہے' تو اللہ تعالیٰ ان کو اس نسیان پر برقرار نہیں رکھتا' بلکہ ان کو اس پر متنبہ فرما دیتا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان کو علی الفور متنبہ فرماتا ہے یا تاخیر سے۔ قاضی ابوبکر اور اکثر علماء اول الذکر کے قائل ہیں اور ابوالمعالی ثانی الذکر کے قائل ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے افعال بلاغیہ اور عبادات شرعیہ میں سہو کو منع کیا ہے اور اقوال تبلیغیہ میں سہو اتفاقاً ممنوع ہے اور فرقہ باطنیہ نے یہ کہا ہے کہ نبی علیہ السلام پر سہو اور نسیان جائز نہیں ہے۔ آپ قصداً اور عمداً نسیان کی صورت طاری کرتے ہیں' تاکہ احکام شرعیہ مسنون ہو جائیں' ایک بہت بڑے امام ابوالمظفر الاسفرائنی نے بھی اپنی کتاب الاوسط میں یہی لکھا ہے' لیکن یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۱۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہے کہ شیطان کا نبی ﷺ کے دل میں وسوسے ڈال کر سہو اور نسیان پیدا کرنا محال ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے' بلاشبہ حق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کسی بھی خبر میں غلطی واقع ہونا محال ہے۔ خواہ سہواً یا عمداً' تندرستی میں یا بیماری میں' خوشی میں یا غضب میں' نبی ﷺ کی سیرت' آپ کے اقوال اور آپ کے افعال' جن کے مجموعہ سے ہر موافق و مخالف و مومن اور منکر واقف ہے' ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں فرمائی' نہ آپ کو کبھی کسی بات یا کسی کلمہ میں وہم ہوا۔ اگر ایسا ہوا تو یہ منقول ہوتا جیسا کہ نماز میں آپ کا سہو واقع ہونا منقول ہے۔ البتہ دنیاوی معاملات میں بعض مرتبہ آپ نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا جیسے کھجوروں میں پیوند لگانے کا واقعہ ہے۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۱۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

نبی ﷺ کے سہو اور نسیان کی بحث میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے:

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں' تاکہ (کسی کام کو) سنت کروں۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۲۲۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ کی مراد یہ ہے کہ میں امت کے لیے طریقہ معین کروں کہ وہ سہو کی صورت میں کس طرح عمل کریں اور میرے فعل کی اقتداء کریں۔ (الاستذکار' ج ۴' ص ۴۰۲' مطبوعہ مؤسستہ الرسالہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک نے از ابن شہاب' از سعید بن المسیب روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ایک شب خیبر سے واپس ہوئے' جب رات کا آخری حصہ ہوا تو آپ نے ایک جگہ قیام فرمایا اور حضرت بلال سے کہا تم صبح تک ہمارا پہرہ دینا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب سو گئے۔ جب تک حضرت بلال کی تقدیر میں تھا' وہ پہرہ دیتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنی سواری سے ٹیک لگا لی' وہ اس وقت فجر کے مقابل تھے۔ پھر ان کی آنکھوں پر نیند غالب آگئی' رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے' نہ حضرت بلال نہ قافلہ کا اور کوئی فرد حتی کہ ان پر دھوپ آگئی' پھر رسول اللہ ﷺ گھبرا گئے۔ پس بلال نے کہا یا رسول اللہ! میرے نفس کو بھی اسی ذات نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہاں سے کوچ کرو' تو انہوں نے اپنی سواریاں اٹھائیں اور وہاں سے کچھ دور چلے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو نماز کی اقامت کہنے کا حکم دیا' پھر آپ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی' پھر نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اسے یاد آئے وہ نماز پڑھے' کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھو۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۲۵)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ عام آدمیوں کی طرح سو جاتے تھے اور ایسا بہت کم ہوتا تھا' تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پوری ہو اور آپ کی امت کے لیے ایک ایسی سنت قائم ہو جائے جو آپ کے بعد باقی رہے اور اس پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے میں البتہ بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں' تاکہ میں کسی کام کو سنت کروں اور علاء بن خباب کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر اللہ ہمیں بیدار کرنا چاہتا تو بیدار کر دیتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ تمہارے بعد والوں کے لیے یہ سنت ہو جائے اور آپ کے سونے کا جو طبعی' فطری اور معروف طریقہ تھا اور آپ سے پہلے نبیوں کا بھی' وہ یہ ہے کہ جس کو آپ نے خود بیان فرمایا کہ بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا' آپ نے اپنے اس معمول کو مطلقاً بیان فرمایا ہے اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔

ایک اور حدیث میں ہے ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارے دل نہیں سوتے۔ اس حدیث میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ تمام نبیوں کا یہی معمول ہے' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا صف میں مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو اپنے پس پشت بھی دیکھتا ہوں' سو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبلت' فطرت اور آپ کی عادت ہے۔ باقی رہا سفر میں نماز کے وقت آپ کا سوتے ہوئے رہ جانا تو یہ آپ کی عادت کے خلاف تھا' تاکہ آپ کی امت کے لیے قضاء نماز کی سنت کا عمل قائم ہو اور آپ امت کو یہ تعلیم دیں کہ جو شخص نماز کے وقت سوتا رہا' حتی کہ نماز کا وقت نکل گیا' اس پر کیا کرنا واجب ہے اور وہ کس طرح کرے گا اور اس وقت میں آپ کی نیند کو اللہ تعالیٰ

نے آپ کی امت کے لیے تعلیم کا سبب بنا دیا۔

(التمہید 'ج ۶'ص ۳۹۳-۳۸۵ 'ملتقطا' مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ 'لاہور '۱۴۰۴ھ)

نیز حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

اس دن نبی ﷺ کا صبح کی نماز کے وقت طلوع آفتاب تک سوتے رہنا' یہ وہ امر ہے جو آپ کی عادت اور طبیعت سے خارج ہے' اور انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کا دل نہیں سوتا اور اس وقت آپ کی نیند اس لیے تھی کہ یہ امر سنت ہو جائے اور مسلمانوں کو یہ امر معلوم ہو جائے کہ جو شخص نماز کے وقت سو رہا ہے' یا نماز پڑھنا بھول جائے' حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل جائے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ اور یہ اس قبیل سے ہے کہ آپ نے فرمایا بے شک میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں' تاکہ کوئی کام سنت ہو جائے۔ اور نبی ﷺ کی فطرت اور عادت یہ تھی کہ نیند آپ کے دل کو نہیں ڈھانپتی تھی اور یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا' اور یہ حکم عام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے' ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتے۔ (یہ حدیث صحیح ہے' الجامع الصغیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۵۲۶) اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ نبی ﷺ کی امت کو قضاء نماز کا طریقہ تعلیم فرمائے تو اس نے آپ کی روح کو قبض کر لیا اور جو مسلمان آپ کے ساتھ تھے' ان کی روحوں کو بھی نیند میں قبض فرما لیا اور سورج طلوع ہونے کے بعد ان سب کی روحوں کو لوٹا دیا' تاکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اللہ تعالیٰ ان پر اپنی مراد بیان فرمائے۔ فقہاء اور محدثین نے اس حدیث کی یہی تاویل کی ہے اور یہ بالکل واضح ہے اور اس کی مخالفت کرنے والا بدعتی ہے۔

(التمہید 'ج ۵'ص ۲۰۹' ۲۰۵ 'ملخصا' مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ 'لاہور '۱۴۰۴ھ)

نیز حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

امام مالک از ابن شہاب' از عبدالرحمن اعرج' از عبداللہ بن بحینہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی' پھر آپ بیٹھے بغیر کھڑے ہو گئے' لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ جب آپ نے پوری نماز پڑھ لی تو ہم آپ کے سلام پھیرنے کے منتظر تھے' آپ نے اللہ اکبر کہا اور بیٹھ کر سلام سے پہلے دو سجدے کیے' پھر سلام پھیر دیا۔

(موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۲۱۸' مطبوعہ دار الفکر)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مخلوق میں سے کوئی شخص بھی وہم اور نسیان سے محفوظ نہیں ہے۔ اور نبی ﷺ پر جو نسیان طاری ہوتا ہے' وہ امت کے نسیان کی طرح نہیں ہوتا' کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں' تاکہ (کوئی کام) سنت ہو جائے۔

(التمہید 'ج ۱۰'ص ۱۸۴-۱۸۳ 'مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ 'لاہور '۱۴۰۴ھ)

فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق قرآن' سنت اور آثار سے تصریحات

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (ھود: ۱۱۳)

اور ظالموں سے میل جول نہ رکھو' ورنہ تمہیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات متشابہات کی

پیروی کرتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے' ان سے پرہیز کرو۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۵۴۷' سنن ابو داؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۵۹۸' کتاب السنہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۵)

امام ابوبکر عمرو بن ابی عاصم الشیبانی المتوفی ۲۸۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے عائشہ! جو لوگ اپنے دین سے الگ ہو گئے' وہ شیعہ (ایک فرقہ) تھے۔ یہ لوگ بدعتی اور اپنی خواہش کے پیروکار تھے اور اس امت کے گمراہ لوگ تھے۔ اے عائشہ! بدعتی اور خواہش کے پیروکار کے سوا ہر گنہ گار کی توبہ ہے' ان کی کوئی توبہ نہیں ہے' میں ان سے بیزار ہوں اور یہ مجھ سے بری ہیں۔

(کتاب السنہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۴' المعجم الصغیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۶۰' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بدعتی کی تعظیم کرنے کے لیے گیا' اس نے اسلام کے منہدم کرنے پر اعانت کی۔

(المعجم الکبیر' ج ۲۰' رقم الحدیث: ۱۸۸' ص ۹۶' حلیۃ الاولیاء' ج ۶' ص ۹۶' اس کی سند میں بقیہ ضعیف ہے)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں کا مجھے تم پر خوف ہے' وہ تمہارے پیٹوں اور شرم گاہوں کی گمراہ کن خواہشیں ہیں اور فتنوں سے گمراہ کرنے والی چیزیں ہیں۔

(مسند احمد' ج ۴' ص ۴۲۰' حلیۃ الاولیاء' ج ۲' ص ۳۲' کتاب السنہ' رقم الحدیث: ۱۴)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے۔ وہ تم کو ایسی باتیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے' تم ان سے دور رہنا' وہ تم سے دور رہیں' کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں' کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

(مقدمہ صحیح مسلم' باب ۴' حدیث ۷' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۸۲۵۰' ۸۵۸۰' طبع دار الحدیث' قاہرہ' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۴۹' طبع قدیم)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھی' اس میں یہ الفاظ تھے جو تیری نافرمانی کرے' ہم اس سے قطع تعلق کرتے ہیں اور اس کو ترک کرتے ہیں۔

(سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۲' ص ۲۱۱' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منکرین تقدیر اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

(سنن ابو داؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۹۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

رضین بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت یوشع بن نون کی طرف وحی کی' میں تمہاری قوم میں سے ایک

لاکھ چالیس ہزار نیکوکاروں کو اور ساٹھ ہزار بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں! حضرت یوشع نے عرض کیا: اے میرے رب! تو بدکاروں کو تو ہلاک فرمائے گا؟ نیکوکاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بدکاروں کے پاس جاتے تھے' ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضبناک نہیں ہوتے تھے۔

(شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۴۲۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی سمرقندی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

ایوب بیان کرتے ہیں کہ ابوقلابہ نے کہا کہ اہل اہواء (بدعتی) کے ساتھ بیٹھو نہ ان سے بحث کرو' کیونکہ میں اس سے بے خوف نہیں ہوں کہ وہ تم کو اپنی گمراہی میں ڈبو دیں گے' یا جس دین کو تم پہچانتے ہو اس میں شبہات ڈال دیں گے۔

(سنن الدارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹۱)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس نے دین میں نئی باتیں نکالی ہیں (بدعتی ہو گیا ہے) اگر وہ بدعتی ہو گیا ہے تو اس کو میرا سلام نہ کہنا۔ (سنن الدارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اسماء بن عبید بیان کرتے ہیں کہ بدعتیوں میں سے دو شخص ابن سیرین کے پاس گئے اور کہا اے ابوبکر! ہم آپ کو ایک حدیث سنائیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا پھر ہم آپ کے سامنے کتاب اللہ سے ایک آیت پڑھیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تم یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ' ورنہ میں اٹھ جاؤں گا' سو وہ دونوں چلے گئے۔ کسی نے کہا اے ابوبکر! اگر وہ آپ کو قرآن مجید کی ایک آیت سنا دیتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے کہا مجھے یہ خوف تھا کہ وہ میرے سامنے ایک آیت پڑھیں گے' پھر اس میں معنوی تحریف کریں گے' کہیں ان کی بیان کردہ باطل تاویل میرے دل میں بیٹھ نہ جائے۔

(سنن الدارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹۷' مطبوعہ بیروت)

سلام بن ابی مطیع بیان کرتے ہیں کہ ایک بدعتی نے ایوب سے کہا میں آپ سے ایک بات کے متعلق سوال کرتا ہوں۔ وہ اٹھ کر چل دیئے اور کہا میں آدھی بات کا بھی جواب نہیں دوں گا۔ (سنن الدارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹۸)

ہشام بیان کرتے ہیں کہ حسن اور ابن سیرین نے کہا بدعتیوں کے پاس نہ بیٹھو' نہ ان سے بحث کرو اور نہ ان کی باتیں سنو۔

(سنن الدارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۰۱' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اہل بدعت کے مصداق

اصحاب الاہواء اور اہل بدعت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین اور عقائد میں ایسی نئی نئی باتیں داخل کر دیں جن کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے اور وہ دین کے عقائد اور احکام کی مغیر ہیں۔ مثلاً رافضیہ جنہوں نے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا انکار کیا اور ان کو غاصب اور کافر قرار دیا' اور ناصبیہ جنہوں نے اہل بیت رسول کو برا کہا اور ان سے بغض رکھا' اور خارجی ہیں جنہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں پر لعنت کی اور ان کو کافر کہا اور معتزلہ ہیں جنہوں نے تقدیر کا انکار کیا اور ہمارے دور میں منکرین حدیث ہیں جن میں سے بعض مطلقاً حدیث کا انکار کرتے ہیں اور بعض ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جو ان کی عقل کے خلاف ہوں' بعض بدعتی ائمہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں اور نبی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہتے ہیں' بعض بدعتی دعا میں فوت شدہ بزرگوں کے وسیلہ کو ناجائز کہتے ہیں اور بعض لوگ تعین عرفی پر تعین شرعی کے احکام جاری کرتے ہیں اور کوئی شخص ایصال ثواب کے لیے بغیر وجوب کے بطور استحسان عرفاً کسی دن کی تعین کرے تو اس کو ناجائز اور حرام

کہتے ہیں اور جو مسلمان یارسول اللہ! کہے' اس کو مشرک کہتے ہیں اور بعض غالی لوگ مزاروں کا طواف کرتے ہیں اور ان کو سجدہ کرتے ہیں۔

فاسق اور بدعقیدہ سے اجتناب کے متعلق فقہاء کی تصریحات

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا جو شخص قرآن مجید کی آیات پر طعن کرے' اس کی مجلس ترک کردی جائے' خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ اسی طرح ہمارے علماء نے دشمن کے علاقہ اور اس کی عبادت گاہوں میں داخل ہونے سے منع کیا ہے اور کفار اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ ان کے ساتھ دوستی رکھی جائے' نہ ان کی باتیں سنی جائیں اور نہ ان سے مناظرہ کیا جائے۔ فضیل بن عیاض نے کہا جس شخص نے بدعقیدہ سے دوستی رکھی' اللہ اس کے عمل کو ضائع کردے گا' اور اس کے دل سے اسلام کے نور کو نکال دے گا اور جس نے اپنی بیٹی کی شادی کسی بدعقیدہ سے کی' اس نے اس سے رحم منقطع کردیا اور جو شخص کسی بدعتی کے ساتھ بیٹھا' اللہ تعالیٰ اس کو حکمت نہیں دے گا اور جب اللہ تعالیٰ یہ جان لیتا ہے کہ فلاں شخص کسی بدعتی سے بغض رکھتا ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۱۴-۱۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوسلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کے درمیان جو تین دن سے زیادہ قطع کلام کو ممنوع قرار دیا گیا ہے' اس کا محمل یہ ہے کہ وہ دنیاوی معاملات اور معاشرتی وجوہ میں سے کسی وجہ سے ایک دوسرے سے ناراض ہوں اور دین کی وجہ سے جو ناراضگی ہو' وہ دائمی ہے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔ اس لیے بدعقیدہ اور بدعتی شخص سے جب تک وہ توبہ نہ کرے' دوستی اور محبت کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔

(معالم السنن' ج ۷' ص ۵' مطبوعہ دارالمعرفہ' بیروت)

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کو ولیمہ میں بلایا گیا اور اس گھر میں لہو و لعب اور گانا بجانا تھا تو وہاں بیٹھ کر کھانا کھالے اور اگر جس جگہ دسترخوان بچھا تھا' وہاں یہ برے کام تھے تو اس کو وہاں نہیں بیٹھنا چاہیے' بلکہ اٹھ کر چلے جانا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' پس یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (الانعام: ۶۸) اگر وہ ان لوگوں کو منع کرنے پر قادر ہے تو منع کرے' ورنہ صبر کرے۔ اگر وہ لوگوں کا پیشوا ہے اور منع کرنے پر قادر نہیں ہے تو اٹھ کر چلا جائے' کیونکہ اس کے بیٹھے رہنے سے دین کی بدنامی ہوگی۔ (الدرالمختار' ج ۵' ص ۲۲۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر دسترخوان پر لوگ ایک دوسرے کی غیبتیں کر رہے ہوں تب بھی اٹھ کر چلا جائے' کیونکہ غیبت لہو و لعب سے بڑا گناہ ہے۔

نیز علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو بوڑھا شخص مذاق کرتا ہو' جھوٹ بولتا ہو' اور بے ہودہ باتیں کرتا ہو' اس کو سلام نہ کرے' اور جو شخص لوگوں کو گالیاں دیتا ہو اور اجنبی خواتین کے چہروں کو دیکھتا ہو' اس کو بھی سلام نہ کرے اور نہ فاسق ملعون کو سلام کرے اور نہ گانے بجانے والے کو سلام کرے اور جو لوگ کسی گناہ میں مشغول ہوں' ان کو بھی سلام نہ کرے۔ (ردالمحتار' ج ۵' ص ۲۶۷' مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور پرہیزگاروں سے ان (ظالموں) کے اعمال پر کوئی بازپرس نہیں ہوگی' البتہ ان کو نصیحت کرنی

چاہیے تاکہ وہ ظالم اللہ سے ڈریں۔ (الانعام: ۶۹)

احتجاجاً واک آؤٹ کرنے کی اصل

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے شان نزول کے متعلق تین اقوال ہیں:

۱۔ مسلمانوں نے کہا اگر ایسا ہو کہ جب بھی مشرکین قرآن مجید کا مذاق اڑائیں اور اس پر اعتراضات کریں تو ہم ان کو منع کریں' پھر ہمارے لیے مسجد حرام میں بیٹھنا اور کعبہ کا طواف کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور پرہیزگاروں سے ان کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

۲۔ مسلمانوں نے کہا اگر ہم ان کو قرآن مجید پر اعتراض کرنے سے منع نہ کریں تو ہم کو یہ خوف ہے کہ ہم گنہگار ہوں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دونوں روایتیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں اور مذکور ذیل تیسری روایت مقاتل سے مروی ہے:

۳۔ اگر ان کے اعتراضات کے وقت ہم ان کے پاس سے اٹھ جائیں تو ہمیں یہ خوف ہے کہ جب ہم ان کے اعتراضات کے وقت ان کے پاس بیٹھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ (زاد المسیر' ج ۳' ص ۴۲' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے قرآن مجید' نبی ﷺ اور دین اسلام پر اعتراض کرنے والوں کے پاس بیٹھنے سے احتراز کیا' تو ان کے اعتراضات اور نکتہ چینیوں پر مسلمانوں سے باز پرس نہیں ہوگی اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہیں' ہو سکتا ہے یہ لوگ اپنی اسلام دشمنی سے باز آجائیں۔

بعض مفسرین نے کہا جب یہ لوگ اسلام اور نبی ﷺ کے خلاف طعن و تشنیع کی باتیں کریں اور اس وقت مسلمان ان کی مجلس سے اٹھ جائیں تو ان کا مجلس سے اٹھنا اس پر دلالت کرے گا کہ مسلمانوں کو مشرکین کی یہ باتیں ناگوار گزری ہیں۔ ہو سکتا ہے مسلمانوں کے اس واک آؤٹ سے ان مشرکوں کو حیا آئے اور ان کا ضمیر انہیں ان باتوں پر ملامت کرے اور آئندہ کے لیے وہ مسلمانوں کے سامنے ان دل آزار باتوں سے احتراز کریں۔

ثانی الذکر تفسیر واک آؤٹ کی اصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا ہے' اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور اس (قرآن) کے ساتھ نصیحت کرتے رہو کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں نہ مبتلا ہو جائیں' اللہ کے سوانہ کوئی ان کا مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا' اور اگر وہ ہر قسم کا فدیہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا کیے گئے' ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے' کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔ (الانعام: ۷۰)

بسل کا معنی

اس آیت میں بسل کا لفظ ہے' بسل کا معنی ہے بہادر ہونا' کسی کو اس کی حاجت سے روکنا' منع کرنا۔ ابسلہ کا معنی ہے کسی کو ہلاکت کے سپرد کر دینا' رہن رکھنا۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

بسل کا معنی ہے کسی شے کا ضم ہونا اور روکنا' جس شخص کے چہرے پر ناگواری ہو اس کو باسل کہتے ہیں اور کیونکہ اس

میں منع کا معنی ہے' اس لیے حرام چیز اور رہن رکھی ہوئی چیز کو بھی بسل کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَذَكِّرْ بِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ (الانعام: ۷۰) اور ان کو اس (قرآن) کے ساتھ نصیحت کرتے رہو' کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں۔

اس آیت میں بسل منع اور محروم کے معنی میں ہے۔

بسل کا معنی ہلاک ہونا بھی ہے اور ثواب سے محروم ہونا بھی ہلاک کو متضمن ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا معنی ہلاکت کیا ہے۔

بت پرستی کا لہو و لعب ہونا

خلاصہ یہ ہے کہ اے رسول! آپ اور مسلمانوں میں سے جو آپ کے پیروکار ہیں' وہ ان مشرکین سے اعراض کریں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر پھر ان کی عبادت کر کے اپنے دین کو لہو و لعب بنالیا ہے' انہوں نے اپنی عمر اس غیر مفید عبادت میں ضائع کر کے اس کو لہو و لعب بنالیا ہے۔ انہوں نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں بغیر کسی شرعی دلیل کے کچھ جانوروں سے نفع اندوزی اور ان کے کھانے کو حرام قرار دے لیا اور یہ بھی لہو و لعب ہے اور انہوں نے اس بے کار اور بے مقصد عبادت میں اشتغال کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور آپ کی دعوت سے باوجود دلائل اور معجزات دیکھنے کے اعراض کیا' اور ان کا یہ عمل بھی لہو و لعب ہے وہ اس حقیر دنیا کی لذتوں میں منہمک ہو گئے اور انہوں نے فانی دنیا کی لذتوں کو آخرت کی دائمی اور سرمدی لذتوں پر ترجیح دی اور وہ اللہ کی آیات میں غور و فکر کرنے کی بجائے ان کا مذاق اڑانے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے میں منہمک ہو گئے۔ سو آپ ان لوگوں سے اعراض کیجئے' یعنی ان لوگوں سے حسن معاشرت اور ملنا جلنا چھوڑ دیجئے' یہ معنی نہیں ہے کہ ان کو دین کی تبلیغ کرنا چھوڑ دیجئے' اور ان کو عذاب الٰہی سے ڈرایا نہ کریں' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (الحجر: ۳) انہیں چھوڑ دیجئے' وہ کھائیں اور فائدہ اٹھائیں اور ان کی جھوٹی امیدیں ان کو غافل رکھیں' پس وہ عنقریب جان لیں گے۔

اور لوگوں کو قرآن مجید سے ہدایت دیجئے اور نصیحت کیجئے' تاکہ وہ خیر سے محروم نہ رہیں اور وہ لوگ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے جہنم میں گر کر ہلاک نہ ہو جائیں اور ہر شخص نے اپنے آپ کو اپنے دنیاوی اعمال کے بدلہ میں رہن رکھا ہوا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۝ (المدثر: ۳۹-۳۸) ہر شخص اپنے عمل کے بدلہ میں گروی ہے ۝ سوائے دائیں طرف والوں کے۔

اس کے بعد فرمایا اللہ کے سوا نہ ان کا کوئی مددگار ہو گا' نہ شفاعت کرنے والا اور اگر وہ ہر قسم کا فدیہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا

اس آیت میں کافروں کے لیے شفاعت کی نفی کی گئی ہے۔ اس قسم کی قرآن مجید میں بہت آیتیں ہیں:

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ (المؤمن: ۱۸) ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا' نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

اور یہ بھی فرمادیا کہ ان سے کسی قسم کا فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا' یعنی جس طرح دنیا میں جسمانی یا مالی فدیہ دے کر قید سے آزاد ہو جاتے ہیں' آخرت میں نجات کا اس طرح کا کوئی حیلہ کارگر نہیں ہو گا اور نہ وہاں کسی کے زور یا سفارش سے کوئی فائدہ

پہنچے گا' اور ان کو یہ سزا جو دی جائے گی یہ دنیا میں ان کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ ہیں' ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا' جو ان کے پیٹوں کو جلا ڈالے گا اور ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد: ۱۵)

اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ

آپ کہیے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں؛ اور ہم اللہ

عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ

کے ہدایت دینے کے بعد اسلٹے پاؤں لوٹا دیے جائیں! اس شخص کی طرح جس کو جنات نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو

فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ

اور وہ اس حال میں حیران و پریشان پھر رہا ہو، اس کے احباب اس کو پکار رہے ہوں کہ یہ سیدھا راستہ ہے ہمارے پاس

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

آؤ، آپ کہیے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے رب کے لیے سرِ اطاعت خم کر دیں ○

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرتے رہو، اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے ○

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا، اور جس دن وہ (ہر فنا شدہ چیز سے) فرمائے گا،

كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ

ہو جا تو وہ ہو جائے گی اس کا فرمانا حق ہے اور اسی کی حکومت ہو گی جس دن صور میں پھونکا جائے گا،

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی نہایت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں' نہ نقصان پہنچا

سکتے ہیں اور ہم اللہ کے ہدایت دینے کے بعد الٹے پاؤں لوٹا دیئے جائیں اس شخص کی طرح جس کو جنات نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو اور وہ اس حال میں حیران و پریشان پھر رہا ہو' اس کے احباب اس کو پکار رہے ہوں کہ یہ سیدھا راستہ ہے' ہمارے پاس آؤ' آپ کہئے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے رب کے لیے سر اطاعت خم کر دیں○ اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے○ (الانعام: ۷۲-۷۱)

گمراہی میں بھٹکنے والے شخص کی مثال

خلاصہ یہ ہے کہ اے رسول مکرم! آپ ان مشرکوں سے کہئے کہ اللہ بزرگ و برتر جو نفع اور نقصان کا مالک ہے' کیا اس کو چھوڑ کر ہم ان بتوں کی پرستش کریں جو ہمیں نفع دینے یا نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتے اور ہم الٹے پیر شرک اور کفر کی طرف لوٹا دیئے جائیں' جب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے کر اسلام کی طرف ہماری رہنمائی کر چکا ہے۔ پھر ہماری مثال اس شخص کی طرح ہوگی جس کو کسی جنگل یا صحراء میں جنات نے راستہ سے بھٹکا دیا ہو اور اس کی عقل کام نہ کر رہی ہو کہ وہ کدھر جائے' وہ حیران اور پریشان پھر رہا ہو! اور اس کے دوست اور ساتھی اس کو بلا رہے ہوں کہ ہماری طرف آؤ' ادھر سیدھا راستہ ہے۔

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کی اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی یہ مثال بیان فرمائی ہے' جیسے ایک شخص راستہ سے بھٹک گیا ہو اور اسے کوئی شخص پکارے کہ اس طرف آؤ اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں جو اس کو بلائیں کہ اس راستہ پر آؤ' تو اگر وہ پہلے بلانے والے کی پکار پر چلا جائے تو وہ اس کو تباہی کے گڑھے میں گرا دے گا۔ اور اگر وہ ہدایت کی دعوت دینے والے کے پاس چلا جائے تو راستہ کی ہدایت پا جائے گا اور یہ صحرا' یا جنگل میں بلانے والے جنات ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۲۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ جنات ہیں جو جنگل میں بھٹکے ہوئے انسان کو اس کا نام اور اس کے باپ دادا کا نام لے کر بلاتے ہیں۔ اے فلاں بن فلاں بن فلاں! ادھر آؤ۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۳۰۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جو انسان حق سے باطل کی طرف لوٹ آئے یا حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف آئے' اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے پیروں پر لوٹ گیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان ابتداء میں جاہل تھا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں سے علم اور ہدایت کو حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (النحل: ۷۸)

اللہ نے تمہاری ماؤں کے پیٹ سے تم کو پیدا کیا' تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے کان' آنکھیں اور دل بنائے' تاکہ تم شکر ادا کرو۔

سو جو شخص علم سے جہل کی طرف لوٹ جائے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے پیروں پر لوٹ گیا۔

آپ ان سے کہئے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ رب العٰلمین کی اطاعت کے لیے سر تسلیم خم کر دیں' یعنی صرف اسی کی اخلاص سے عبادت کریں اور ہم کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نماز قائم کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے اس طرح مناجات کی جائے گویا کہ بندہ اللہ کے سامنے کھڑا ہوا اس کو دیکھ رہا ہے' جس کے آثار سے ایک اثر یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی کے

کاموں سے رک جائے اور اس کا نفس پاکیزہ ہو جائے اور نیز ہمیں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا ہے' یعنی خوف خدا سے ہر قسم کے برے کاموں اور گناہوں کو چھوڑ دیا جائے اور فرائض و واجبات پر پابندی سے عمل کیا جائے اور سنن اور مستحبات کا نفس کو عادی بنایا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے' دوام کے ساتھ کامل طریقہ سے نماز پڑھی جائے اور ظاہر و باطن ہر حال میں تقویٰ کے تقاضوں پر عمل کیا جائے۔ پھر فرمایا قیامت کے دن تم سب اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے' وہ تمہارے اعمال کا حساب لے گا اور تم کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ پس عقل اور حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا اور جس دن وہ ہر (فنا شدہ چیز سے) فرمائے گا "ہو جا" تو وہ ہو جائے گی۔ اس کا فرمانا حق ہے اور اسی کی حکومت ہو گی جس دن صور میں پھونکا جائے گا' وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی نہایت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے ○ (الانعام: ۷۳)

آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش برحق اور صحیح ہے' یعنی باطل اور خطا نہیں ہے' جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا (ص: ۲۷)

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' بے فائدہ نہیں بنایا۔

آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' ان کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے' وہ علیم اور حکیم ہے' اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اپنے برحق کلام کے ساتھ پیدا کیا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (حٰم السجدہ: ۱۱)

پس آسمان اور زمین دونوں سے فرمایا تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ' انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہو گئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو اپنے کلام سے پیدا فرمایا ہے اور جب یہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی' تو پھر ان کو دوبارہ اپنے کلام سے پیدا فرمائے گا' وہ ان سے فرمائے گا "ہو جاؤ" پس وہ ہو جائیں گی۔

قرآن اور احادیث کی روشنی میں صور پھونکنے کا بیان

اس کے بعد فرمایا اور اسکی حکومت ہو گی جس دن صور میں پھونکا جائے گا۔ مذکورہ ذیل آیت میں بھی صور پھونکنے کا ذکر ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ (الزمر: ۶۸)

اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہے' وہ سب فنا ہو جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے' پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا' تو وہ اچانک دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۳۸' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۷۴۲' صحیح ابن حبان' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۷۳۱۲' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۵۱۷' سنن الداری' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۹۸)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کس طرح نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤں' حالانکہ سینگ والے نے اپنے منہ میں سینگ ڈال رکھا ہے اور وہ غور سے سن رہا ہے کہ کب اسے اس میں پھونک مارنے کا حکم دیا جائے' تو وہ اس میں پھونک مارے۔ یہ حدیث نبی ﷺ کے اصحاب پر دشوار گزری' آپ نے ان سے فرمایا یوں کہو ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے اور ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۳۹' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۱۶۹۶)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے قیامت کے فتنوں کے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر صور پھونک دیا جائے گا' جو شخص بھی اس کو سنے گا' وہ ایک طرف گردن جھکائے گا اور دوسری طرف سے اٹھالے گا۔ جو شخص سب سے پہلے اس کی آواز سنے گا' وہ اپنے اونٹوں کا حوض درست کر رہا ہو گا' وہ بے ہوش ہو جائے گا اور دوسرے لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح ایک بارش نازل فرمائے گا' جس سے لوگوں کے جسم اگ پڑیں گے۔ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا' پھر لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ پھر کہا جائے گا' اے لوگو! اپنے رب کے پاس آؤ اور (فرشتوں سے کہا جائے گا) ان کو کھڑا کرو۔ ان سے سوال کیا جائے گا' پھر کہا جائے گا' دوزخ کے لیے ایک گروہ نکالو' کہا جائے گا' کتنے لوگوں کا' کہا جائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور اس دن ساق (پنڈلی) کھولی جائے گی۔

(صحیح مسلم' فتن ۱۱۶' (۲۹۴۰) ۷۲۴۷' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۶۲۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہو گا۔ لوگوں نے کہا اے ابو ہریرہ! چالیس دن؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے کہا چالیس ماہ؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے کہا چالیس سال؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا۔ جس سے لوگ اس طرح اگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی اور وہ دم کی ہڈی کا سرا ہے' اور قیامت کے دن اسی سے انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۴۹۵۵' صحیح مسلم' فتن ۱۴۱' (۲۹۵۵) ۷۲۸۰' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۴۵۹)

صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے کہ یہ مدت چالیس سال ہے۔ امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ دو مرتبہ صور پھونکنے کی مدت چالیس سال ہے' اور ایک سند ضعیف سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے کہ دو بار صور پھونکنے کی مدت چالیس سال ہے۔ امام حاکم اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا' یا رسول اللہ! دم کی ہڈی کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ رائی کے دانے کی طرح ہے۔ وہ پشت کی جڑ میں

ایک باریک ہڈی ہے اور وہ دم کی ہڈی ہے' جو چوپائے میں دم کے سر کی جگہ ہوتی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی۔ اس قاعدہ سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا زمین پر حرام کردیا ہے اور اسی طرح شہداء بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں' کیونکہ قرآن مجید نے شہداء کی حیات کی تصریح کی ہے۔

(فتح الباری' ج ۸' ص ۵۵۳-۵۵۲ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں یہ دلیل ہے کہ صور میں پھونکا جائے گا۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ اس میں حقیقتاً پھونک ماری جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ صور پھونکنے والا کہے گا' اے بوسیدہ اجسام اور منتشر ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلہ کے لیے جمع ہو جاؤ۔

(اکمال اکمال المعلم' ج ۹' ص ۲۱۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت میں تشریف فرما تھے' آپ نے فرمایا جب اللہ تبارک و تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے فارغ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے صور کو پیدا کیا اور وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو عطا کیا' انہوں نے اس صور کو اپنے منہ میں رکھا ہوا ہے اور وہ نظر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھ رہے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ انہیں کب حکم دیا جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ! صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سینگ ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ عظیم ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اس کی گولائی اتنی بڑی ہے جتنی آسمانوں کی چوڑائی ہے۔ ایک اور راوی نے کہا زمین میں تین مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا۔ پہلی مرتبہ پھونکنے سے لوگ دہشت زدہ ہو جائیں گے' دوسری بار پھونکنے سے سب مر جائیں گے اور تیسری بار پھونکنے سے سب رب العلمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ اللہ عزوجل پہلی مرتبہ حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دے گا تو حضرت اسرافیل سے فرمائے گا' دہشت ڈالنے کے لیے صور میں پھونکو' تو آسمان اور زمین میں سب دہشت زدہ ہو جائیں گے۔ سوا ان کے جنہیں اللہ چاہے' اور اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ وہ مسلسل رکے بغیر صور میں پھونکتے رہیں' اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ (ص: ۱۵)

اور وہ صرف ایک زبردست چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان سانس لینے کی بھی مہلت نہیں ہوگی۔

پھر اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو اڑا دے گا تو وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے' پھر وہ خاک کا ڈھیر ہو جائیں گے' اور زمین اپنے ساکنوں کے ساتھ لرز رہی ہوگی۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ (النزعت: ۸-۶)

جس دن لرزنے والی لرز جائے گی' پھر پیچھے آنے والی اس کے پیچھے آئے گی' بہت سے دل اس دن لرز رہے ہوں گے۔

اور زمین اس طرح ہلنے اور جھولنے لگے گی جس طرح بلند جہاز کو سمندر میں موجیں ہر طرف دھکیلتی رہتی ہیں یا جس طرح چھت میں لٹکی ہوئی قندیل کو ہوا جھونٹے دیتی رہتی ہے' پھر لوگ زمین پر گرنے لگیں گے۔ دودھ پلانے والیاں بچوں کو بھول جائیں گی' حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے' اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے' شیاطین جان بچانے کے لیے زمین کے آخری کناروں تک بھاگیں گے' فرشتے ان سے مقابلہ کرکے ان کے چہروں پر ماریں گے' اور لوگ پیٹھ موڑ کر بھاگیں گے۔

زمین ہر طرف سے پھٹنے لگے گی اور ایسا عظیم واقعہ ظاہر ہو گا جو اس سے پہلے دیکھا نہ گیا تھا اور ایسی گھبراہٹ اور دہشت طاری ہو گی جس کو اللہ ہی جانتا ہے' پھر لوگ آسمان کی طرف دیکھیں گے تو وہ پرزے پرزے ہو کر اڑ رہا ہو گا' سورج اور چاند دھندلا جائیں گے اور ستارے بکھر جائیں گے' آسمان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لیکن مردوں کو اس کی بالکل خبر نہیں ہو گی۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کس کا استثناء فرمایا ہے؟

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (النمل: ٨٧)

اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں' وہ سب گھبرا جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے گا۔

آپ نے فرمایا وہ شہداء ہیں وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے' اور گھبراہٹ کا اثر (ظاہراً) زندہ لوگوں پر ہو گا۔ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ اور مامون رکھے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے برے لوگوں پر بھیجے گا اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ○ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ (الحج: ٢-١)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو' بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی (بھاری) چیز ہے' جس دن تم اسے دیکھو گے تو ہر دودھ پلانے والی اس (بچے) سے غافل ہو جائے گی جس کو اس نے دودھ پلایا تھا اور ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور (اے مخاطب) تو لوگوں کو مخمور دیکھے گا' حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے' لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

پھر جب تک اللہ چاہے گا لوگ اس عذاب میں مبتلا رہیں گے اور ایک طویل عرصہ تک یہ حالت رہے گی' پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دے گا کہ وہ موت کا صور پھونکیں' سو وہ موت کا صور پھونکیں گے۔ جس سے تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے' ماسوا ان کے جنہیں اللہ چاہے گا اور جب وہ سب ہلاک ہو جائیں گے تو ملک الموت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے' اے میرے رب! تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ ہلاک ہو گئے' ماسوا ان کے جنہیں تو نے چاہا' اللہ عزوجل پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے' تو کون کون باقی رہ گیا؟ وہ کہیں گے' اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور تو نہیں مرے گا' اور تیرے عرش کو اٹھانے والے باقی ہیں اور جبرائیل اور میکائیل باقی ہیں اور میں باقی ہوں۔

اللہ عزوجل فرمائے گا جبرائیل اور میکائیل کو بھی فوت ہونا چاہیے' پس عرش کہے گا' اے میرے رب! تو جبرائیل اور میکائیل کو بھی مار ڈالے گا! اللہ عزوجل فرمائے گا خاموش رہو! میں نے اپنے عرش کے نیچے ہر ایک کے لیے موت مقرر کر دی ہے' وہ دونوں مر جائیں گے۔ پھر ملک الموت علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے' جبرائیل اور میکائیل فوت ہو گئے۔ اللہ عزوجل پوچھے گا' حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے' تو اب کون باقی ہے؟ وہ عرض کریں گے' اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور جس کو موت نہیں آئے گی اور تیرے عرش کے حاملین باقی ہیں اور میں باقی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میرے عرش کے حاملین کو بھی موت آ جائے' پس وہ مر جائیں گے۔ پھر ملک الموت اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے' عرض کریں گے اے میرے رب! تیرے عرش کے حاملین بھی فوت ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے

تو اب کون باقی ہے؟ وہ کہیں گے' اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور جس کو موت نہیں آئے گی اور میں باقی ہوں۔ اللہ عزوجل فرمائے گا تو بھی میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے' میں نے تجھے اسی کام کے لیے پیدا کیا تھا' اب تو بھی مرجا سو وہ مر جائے گا' اور اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ الواحد الاحد الصمد جو نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا' وہی آخر ہو گا جیسا کہ وہ اول تھا۔ آپ نے فرمایا اہل جنت پر موت ہو گی نہ اہل نار پر موت ہو گی۔ پھر آسمان اور زمین کو اس طرح لپیٹ دیا جائے گا جس طرح اوراق کو لپیٹ دیا جاتا ہے' ان کو پھر کھولا جائے گا اور پھر لپیٹا جائے گا۔ پھر فرمائے گا میں جبار ہوں' پھر اللہ تبارک و تعالیٰ بلند آواز سے فرمائے گا "لمن الملک الیوم؟" آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر فرمائے گا "لله الواحد القهار" (غافر: ۱۶) اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے۔ پھر فرمائے گا' سنو! جس نے میرے لیے شریک بنایا ہو' وہ لے آئے۔ سنو! جس نے میرے لیے شریک بنایا ہو' وہ لے آئے۔ سنو! جس نے میرے لیے شریک بنایا ہو' وہ لے آئے۔ پھر اس آسمان اور زمین کے علاوہ دوسرے آسمان اور زمین پیدا کرے گا اور ان کو پھیلا کر دراز کر دے گا' جس میں تم کو کوئی کجی اور نقص نہیں دکھائی دے گا' پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کو زبردست آواز کے ساتھ جھڑکے گا' پھر لوگ اس نو پیدا شدہ زمین میں پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر عرش کے نیچے سے پانی نازل فرمائے گا' پھر تم پر چالیس دن تک آسمان سے بارش ہوتی رہے گی' حتیٰ کہ تم پر بارہ ہاتھ پانی بلند ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جسموں کو اگنے کا حکم دے گا تو وہ سبزیوں کی طرح اگنے لگیں گے' جب اجسام پہلے کی طرح مکمل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا' حاملین عرش زندہ ہو جائیں' پھر اللہ عزوجل حضرت اسرافیل کو صور پکڑنے کا حکم دے گا' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' جبرائیل اور میکائیل زندہ ہوں' سو وہ زندہ ہو جائیں گے۔ پھر اللہ عزوجل ارواح کو بلائے گا' وہ لائی جائیں گی۔ مسلمانوں کی روحیں نور کی طرح چمک رہی ہوں گی اور دوسری روحیں تاریک ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو صور میں ڈال دے گا' پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل سے فرمائے گا ان کو زندہ کرنے کے لیے صور میں پھونکو' تو وہ زندہ کرنے کے لیے صور پھونکے گا' پھر تمام روحیں شہد کی مکھیوں کی طرح نکلیں گی جن سے زمین اور آسمان بھر جائیں گے' اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا' تمام روحیں اپنے اجسام میں داخل ہو جائیں' تو سب روحیں جسموں میں داخل ہونے لگیں گی اور نتھنوں کے راستہ داخل ہوں گی۔ جس طرح زہر کسی مارگزیدہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ پھر زمین پھٹنے لگے گی اور میں سب سے پہلے زمین سے نکلوں گا' لوگ سرعت کے ساتھ اپنے رب کی طرف نکلیں گے' تم سب تیس سال کی عمر میں اٹھو گے اور اس دن سب کی زبان سریانی ہو گی:

خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ ۞ مُّهۡطِعِيۡنَ اِلَى الدَّاعِ‌ؕ يَقُوۡلُ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا يَوۡمٌ عَسِرٌ (القمر: ۸-۷)

وہ نیچی آنکھیں کیے ہوئے قبروں سے نکلیں گے' گویا وہ زمین پر پھیلے ہوئے ٹڈی دل ہیں' بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے' کافر کہیں گے یہ بڑا سخت دن ہے۔

یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے' اس دن ہم تم کو جمع کریں گے اور تم میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے' پھر وہ ایک جگہ میں ستر سال تک کھڑے رہیں گے۔ اللہ تمہاری طرف نہ دیکھے گا اور نہ کسی کا کوئی فیصلہ کرے گا' خلقت روئے گی اور جب آنسو ختم ہو جائیں گے تو آنکھوں سے خون بہنے لگے گا' لوگ اپنے پسینہ میں شرابور ہو جائیں گے' ان کی ٹھوڑیوں اور منہ تک پسینہ پہنچا ہوا ہو گا' لوگ کہیں گے کہ ہمارے رب کے پاس کون ہماری شفاعت کرے گا' تاکہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ لوگ کہیں گے کہ تمہارے باپ حضرت آدم سے زیادہ اس کا کون حقدار ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے اور ان سے بالمشافہ کلام کیا ہے۔ پھر لوگ حضرت آدم کے پاس جا کر اپنا مقصد بیان کریں گے' حضرت آدم

اس سے انکار کردیں گے۔ پھر وہ ہر نبی کے پاس باری باری جائیں گے اور وہ اس کام سے انکار کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر وہ میرے پاس آئیں گے' حتیٰ کہ جب وہ میرے پاس آئیں گے تو میں عرش کے نیچے سجدہ میں گر پڑوں گا' حتیٰ کہ اللہ عزوجل میرے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا جو مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھائے گا' پھر اللہ عزوجل پوچھے گا' حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) کیا بات ہے؟ میں کہوں گا' اے میرے رب! تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ فرمایا تھا' پس اپنی مخلوق کے متعلق میری شفاعت قبول فرما اور ان کا فیصلہ فرما' اللہ عزوجل فرمائے گا' میں نے تمہاری شفاعت قبول کی' میں تمہارے پاس آکر تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں واپس آکر لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا' سو جس وقت ہم کھڑے ہوئے ہوں گے تو آسمان سے ایک زبردست آواز آئے گی جس سے ہم گھبرا جائیں گے' اور زمین کے جن و انس سے دگنی تعداد میں آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے' حتیٰ کہ وہ زمین کے قریب آجائیں گے اور زمین ان کے نور سے روشن ہو جائے گی' وہ اپنی صفیں بنائیں گے۔ ہم ان سے پوچھیں گے' کیا تم میں ہمارا رب ہے؟ وہ کہیں گے' نہیں وہ آنے والا ہے۔

پھر تیسرے آسمان سے اس سے دگنے فرشتے نازل ہوں گے اور وہ زمین کے جن و انس سے بھی دگنے ہوں گے' حتیٰ کہ جب وہ زمین کے قریب ہوں گے تو زمین ان کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ اور وہ اپنی صفیں بنائیں گے۔ ہم ان سے کہیں گے' کیا تم میں ہمارا رب ہے؟ وہ کہیں گے نہیں' وہ آنے والا ہے۔ پھر اس سے دگنے فرشتے نازل ہوں گے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ بادلوں اور فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہو گا۔ آٹھ فرشتے اس کا عرش اٹھائے ہوئے ہوں گے' حالانکہ اس وقت تو اس کا عرش چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں' ان کے اقدام سب سے نچلی زمین کی تہہ میں ہیں۔ تمام زمینیں اور آسمان ان کی آدھے دھڑ تک پہنچتے ہیں' عرش ان کے کندھوں پر ہے اور وہ بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے ہیں

سبحان ذی الملک والملکوت' سبحان ذی العزة والجبروت' سبحان الحی الذی لایموت' سبحان الذی یمیت الخلائق ولایموت' سبوح قدوس رب الملائکة و الروح قدوسا قدوسا' سبحان ربنا الاعلیٰ' سبحان ذی الملکوت و الجبروت و الکبریاء والسلطان والعظمه سبحانه ابد الاباد۔

پھر اللہ تعالیٰ زمین پر جہاں چاہے گا' اپنا عرش رکھے گا۔ پھر فرمائے گا' مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! کوئی شخص بھی ظلم کر کے میرے قریب نہیں ہو گا' پھر ایک منادی ندا کرے گا جس کو تمام مخلوق سنے گی۔ اے جن اور انس کی جماعت! میں نے جب سے تمہیں پیدا کیا ہے' آج تک خاموش تھا' تمہاری باتیں سنتا رہا' تمہارے اعمال دیکھتا رہا۔ اب تم خاموش رہو تمہارے اعمال کے صحیفے تم کو پڑھ کر سنائے جائیں گے' جو شخص نیکیاں پائے' وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کے صحیفے اس کے خلاف ہوں' وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے' پھر اللہ تعالیٰ دوزخ کو حکم دے گا تو اس میں سے ایک سیاہ چمکتی ہوئی گردن نمودار ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (یٰس: ۶۰-۵۹)

اے مجرمو! آج (نیکوں سے) الگ ہو جاؤ' اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا' بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ جن و انس کے سوا تمام مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' بعض کا بعض سے قصاص لیا جائے گا' حتیٰ کہ بغیر سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا' حتیٰ کہ جب کسی کا کسی پر حق نہیں رہے گا' تو فرمائے گا' تم سب مٹی ہو

جاؤ' اس وقت کافر کہے گا:

يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (النبا: ٤٠) — اے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

پھر اللہ عزوجل جن اور انس کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ پس سب سے پہلے خون کے متعلق فیصلہ فرمائے گا' اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا اور اس کے قاتل کو لایا جائے گا' مقتول کی رگوں سے خون بہ رہا ہو گا' وہ کہیں گے' اے ہمارے رب! ہم کو اس شخص نے قتل کیا ہے۔ اللہ عزوجل پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے' تم نے ان سے قتال کیوں کیا تھا؟ وہ کہے گا: اے میرے رب؟ میں نے تیری عزت کی خاطر ان سے قتال کیا تھا' اللہ عزوجل فرمائے گا تم نے سچ کہا پھر اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ سورج کی طرح منور کر دے گا' پھر فرشتے اس کو جنت کی طرف لے جائیں گے۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اطاعت کے' محض دنیاوی غلبہ کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا' اور اس کا قاتل بھی آئے گا۔ مقتول اپنے خون میں لتھڑے ہوئے سر اٹھائے ہوئے ہوں گے اور ان کی آنتیں خون میں لتھڑی ہوئی ہوں گی' وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم کو اس شخص نے قتل کیا ہے' اللہ عزوجل پوچھے گا' حالانکہ وہ ان سب سے زیادہ جاننے والا ہے' تم نے ان کو کیوں قتل کیا؟ وہ کہے گا' اے میرے رب! میں نے غلبہ حاصل کرنے کے لیے ان کو قتل کیا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا تم ہلاک ہو گئے' پھر اس کا چہرہ سیاہ اور اس کی آنکھیں نیلی کر دی جائیں گی' پھر ہر قاتل کو مقتول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ باقی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ پھر دودھ میں پانی ملانے والے کو اس بات کا مکلف کرے گا کہ وہ اس دودھ سے پانی کو الگ کر کے فروخت کرے' حتیٰ کہ جب کسی شخص کا کسی شخص پر کوئی حق باقی نہیں رہے گا تو ایک منادی ندا کر کے تمام مخلوق کو سنائے گا اور کہے گا' سنو! سب لوگ اپنے اپنے خداؤں کے ساتھ لاحق ہو جائیں اور ان کے ساتھ جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے' اور جس شخص نے بھی اللہ کو چھوڑ کر کسی معبود کی پرستش کی تھی' اس کے سامنے وہ معبود متمثل کر دیا جائے گا اور اس دن ایک فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں بنا دیا جائے گا۔ نصاریٰ اس کے پیچھے چلے جائیں گے اور ایک فرشتہ حضرت عزیر کی شکل میں بنا دیا جائے گا' یہودی اس کے پیچھے چلے جائیں گے' پھر ان کے معبود ان کو جہنم کی طرف لے جائیں گے' اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (الانبیاء: ٩٩) — اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے اور (یہ) سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

حتیٰ کہ جب صرف مومن رہ جائیں گے اور ان میں منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس جس طرح چاہے گا' اپنی ہیبت میں آئے گا۔ پس فرمائے گا' اے لوگو! اپنے خداؤں کے ساتھ لاحق ہو جاؤ اور ان کے ساتھ جن کی تم عبادت کرتے تھے' وہ کہیں گے بہ خدا' اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ پھر اللہ ان کے پاس سے ہٹ جائے گا' پھر اللہ ان کو برقرار رکھے گا اور جتنی دیر اللہ ٹھہرنا چاہے گا' ٹھہرے گا۔ پھر جس طرح چاہے گا' ان کے پاس اپنی ہیبت میں آئے گا اور فرمائے گا' اے لوگو! سب لوگ اپنے اپنے خداؤں کے ساتھ جا ملے ہیں۔ تم بھی اپنے معبودوں سے جا ملو' وہ کہیں گے بہ خدا' اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ پھر اللہ عزوجل فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں' وہ کہیں گے ہم تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں' پھر اللہ فرمائے گا' کیا تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان کوئی ایسی نشانی ہے جس سے تم اس کو پہچان لو؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر اللہ ان کے لیے اپنی پنڈلی کھولے گا اور ان کے لیے اللہ کی عظمت سے تجلی فرمائے گا جس سے وہ اس کو پہچان لیں گے۔ پھر وہ سجدہ میں گر جائیں گے' پھر جب تک اللہ چاہے گا' وہ

اس کو سجدہ کریں گے' اور اللہ عزوجل منافقوں کی پشتوں کو گائے کی پشتوں کی طرح سیدھا (بغیر لچک کے) کردے گا' وہ اپنی پیٹھوں کے بل گر پڑیں گے۔

پھر اللہ عزوجل ان کو اٹھنے کا حکم دے گا' پھر ان کے لیے جہنم کی پشت کے اوپر صراط (پل) بنا دیا جائے گا۔ جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہوگا' اس میں جگہ جگہ آنکڑے اور کانٹے ہوں گے' اور اس میں پھسلنے کی جگہیں ہوں گی۔ بعض مسلمان اس پر سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے اور بعض ہوا کے جھونکے کی طرح گزر جائیں گے' بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح اور بعض تیز چلنے والے کی طرح گزریں گے' بعض صحیح سالم گزر جائیں گے' بعض زخمی ہو کر گزریں گے' بعض منہ کے بل جہنم میں گر جائیں گے۔ اللہ عزوجل کی مخلوق میں سے ایک گروہ جہنم میں جا گرے گا' ان کے اعمال ان کو ہلاک کریں گے۔ بعض کے صرف پیروں تک آگ پہنچے گی' اس سے آگے تجاوز نہیں کرے گی' بعض کی نصف پنڈلیوں تک آگ پہنچے گی' بعض کے معقد ازار تک آگ پہنچے گی' بعض کے چہروں کے سوا پورے جسم تک آگ پہنچے گی' اور ان کے چہروں پر اللہ نے آگ کو حرام کر دیا ہوگا اور جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو لوگ کہیں گے کہ ہمارے رب کے پاس ہماری کون شفاعت کرے گا؟ تاکہ ہم بھی جنت میں چلے جائیں۔ پس وہ کہیں گے کہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ اس کا اور کون حقدار ہوگا۔ اللہ عزوجل نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور ان سے بالمشافہ کلام کیا' پھر لوگ حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے۔

حضرت آدم کو اپنا (صورۃً) گناہ یاد آئے گا' وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں' لیکن تم حضرت نوح کے پاس جاؤ' وہ اللہ کے پہلے رسول علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف بھیجا۔ پھر وہ حضرت نوح کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے' وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں' لیکن تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنایا ہے۔ پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے' وہ کہیں گے' میں اس کے لائق نہیں ہوں' لیکن تم حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ' اللہ تعالیٰ نے ان سے سرگوشی میں کلام کیا ہے اور ان پر تورات نازل کی ہے۔

پھر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے' وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں' لیکن تم روح اللہ اور کلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر ان سے شفاعت طلب کریں گے' وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں' لیکن عنقریب میں صاحب شفاعت کی طرف تمہاری رہنمائی کروں گا۔ تم (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جاؤ' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور میرے رب کے پاس میری تین شفاعتیں ہیں جن کا اس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے' پھر میں جنت کی طرف روانہ ہوں گا اور جنت کے دروازہ کو کھلواؤں گا' پھر میرے لیے جنت کے دروازہ کو کھول دیا جائے گا اور مجھے تعظیم کے ساتھ خوش آمدید کہا جائے گا۔

میں جنت میں داخل ہو کر عرش کے اوپر اپنے رب عزوجل کو دیکھوں گا' میں اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا۔ اور جب تک اللہ چاہے گا' میں سجدہ میں رہوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ایسی حمد اور تمجید کرنے کی اجازت دے گا جو اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی تھی۔ پھر اللہ عزوجل مجھ سے ارشاد فرمائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور سوال کیجئے! آپ کو دیا جائے گا۔ پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا' حالانکہ وہ سب

کچھ جاننے والا ہے۔ کیا بات ہے؟ میں کہوں گا اے میرے رب! تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ کیا تھا۔ تو اہل جنت کے متعلق میری شفاعت قبول فرما' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہاری شفاعت قبول کرلی اور میں نے ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی' سو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اور رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے تھے' تم دنیا میں اپنے گھروں اور بیویوں کو اس قدر نہیں پہچانتے جس قدر تم جنت میں اپنے گھروں اور بیویوں کو پہچانو گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں شفاعت کروں گا اور یہ کہوں گا' اے میرے رب! میری امت میں سے جو لوگ دوزخ میں گر گئے ہیں' اللہ عزوجل فرمائے گا' جاؤ جن کی صورت تم پہچانتے ہو' ان کو دوزخ سے نکال لو۔ پھر ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا حتیٰ کہ دوزخ میں میرا ایک امتی بھی نہیں رہے گا۔ پھر اللہ عزوجل شفاعت کی اجازت دے گا۔ اور ہر نبی' ہر شہید اور لعنت کرنے والے کے سوا ہر مومن شفاعت کرے گا' کیونکہ لعنت کرنے والے کو نہ شہید لکھا جائے گا اور نہ اس کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ پھر اللہ عزوجل فرمائے گا جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی ایمان ہو' اس کو دوزخ سے نکال لو۔ پھر فرمائے گا جس کے دل میں دو تہائی (۳/۲) دینار کے برابر بھی ایمان ہو' پھر فرمائے گا جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی ایمان ہو' پھر فرمائے گا جس کے دل میں ایک تہائی (۳/۱) دینار کے برابر بھی ایمان ہو' پھر فرمائے گا' جس کے دل میں ایک قیراط (چھ جو) کے برابر بھی ایمان ہو' پھر فرمائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو' اس کو دوزخ سے نکال لو اور بے شک ابلیس لعنہ اللہ اس دن یہ امید کرے گا کہ اس کی بھی کوئی شفاعت کرے گا۔

اور جب ہر شخص شفاعت کر چکے گا اور دوزخ میں کوئی ایسا شخص نہیں باقی بچے گا جس نے اللہ کے لیے کوئی نیکی کی ہو' تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اب میں باقی رہ گیا ہوں' اور میں سب سے زیادہ نیکی کرنے والا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ دوزخ میں اپنا ہاتھ داخل کرے گا۔ اور بے شمار لوگوں کو دوزخ سے نکال لے گا جن کی تعداد کو وہی جانتا ہے' وہ لوگ جلی ہوئی لکڑیوں کی طرح ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نہر الحیوان میں ڈال دے گا' وہ اس طرح اگنے لگیں گے جیسے دریا کے کنارے کی مٹی میں دبا ہوا دانہ اگنے لگتا ہے' جو سورج کی دھوپ میں سرسبز اور سائے میں زرد ہو جاتا ہے۔ عربوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تو وہ کہنے لگے' یا رسول اللہ! لگتا ہے کہ آپ جنگل میں رہے ہیں۔ وہ شاداب سبزیوں کی طرح اگیں گے اور ذرات کی طرح پھیلے ہوئے ہوں گے۔ ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوا ہو گا رحمٰن کے آزاد کیے ہوئے دوزخی اس تحریر سے اہل جنت ان کو پہچانیں گے' جب تک اللہ چاہے گا' وہ جنت میں اسی طرح رہیں گے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے' اے اللہ! یہ تحریر ہم سے مٹا دے' سو اللہ تعالیٰ ان سے یہ تحریر مٹا دے گا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں یہ حدیث مشہور ہے اور بہت طویل اور بہت غریب ہے۔ متفرق احادیث میں اس کے متفرق ٹکڑے ہیں۔ اس میں درج بعض امور لائق انکار ہیں۔ اسماعیل بن رافع قاضی مدینہ اس کی روایت میں منفرد ہیں' اس کی صحت میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس کی توثیق کی ہے' بعض نے اس کو ضعیف کہا ہے' بعض نے انکار کیا ہے' بعض نے متروک کہا ہے۔ دراصل یہ حدیث کئی احادیث کو جوڑ کر بنائی گئی ہے اور اس کو ایک ہی سند سے بیان کر دیا گیا ہے' اس لیے یہ قابل انکار ہو گئی۔ میں نے اپنے استاذ حافظ المزی سے سنا ہے کہ یہ ولید بن مسلم کی ایک تصنیف ہے۔ جس کو اس نے جمع کر رکھا ہے' گویا یہ بعض الگ الگ حدیثوں کے شواہد ہیں۔

(کتاب العظمۃ' رقم الحدیث: ۳۸۸' ص ۱۴۳' ۱۳۷' جامع البیان' ج ۲۴' ص ۳۹-۳۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۱۰' ص ۳۳۶۲-۳۲۵۶' تفسیر ابن کثیر' ج ۳' ص ۵۲' ۴۶' تفسیر در منثور' ج ۷' ص ۲۴۳-۲۵۶)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا

اور (یاد کیجیے) جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے

اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ

ہو ؟ بیشک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا

مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دیکھتا ہوں ○ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی دکھائی اور اس لیے

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ

کہ وہ (کامل) یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں ○ پھر جب ان پر رات کی تاریکی پھیل گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا

قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا

انہوں نے کہا یہ میرا رب ہے؛ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ پھر جب انہوں نے

رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ

جگمگاتا ہوا چاند دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے ؛ پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرا رب

یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ

مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا ○ پھر جب انہوں نے

الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ

روشن آفتاب دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے ؛ یہ (ان سب سے) بڑا ہے ، پھر جب وہ غروب ہوگیا تو انہوں نے

یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْۤءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ

کہا اے میری قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو ○ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے

فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ ۚ

آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے جب کہ میں باطل مذاہب سے اعراض کرنے والا ہوں ، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ○

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّىْ فِى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ

اور ان کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا، انہوں نے کہا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں

اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّىْ شَيْـــًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّىْ

ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، سوا اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے، میرے رب کا علم

كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ

ہر چیز کو محیط ہے، کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ ○ میں ان سے کیسے ڈر سکتا ہوں جن کو تم نے اللہ کا

وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ

شریک قرار دیا ہے؛ جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان کو شریک بنانے سے نہیں ڈرتے جن کے متعلق اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل

فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۱

نہیں کی، پس ہر دو فریق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حق دار ہے؛ اگر تم علم رکھتے ہو ○

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا ان ہی کے لیے بے خوفی ہے

وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۸۲ۧ

اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ○

وقف لازم

ع ۱۵ ۱۲ ۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں جتلا دیکھتا ہوں ○ (الانعام: ۷۴)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے آیت ۷۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا آپ کہئے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں' نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں تو اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر کیا۔ ان کی قوم بھی بت پرستی کرتی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو بت پرستی سے منع کرتے تھے۔ سو اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کا کفار مکہ کو بت پرستی سے منع کرنا' ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کے جد محترم سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو بت پرستی سے منع کرتے تھے' اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اپنے نیک آباء واجداد کی پیروی کرنی چاہیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر اور اپنی قوم کے ساتھ بت پرستی کے ابطال اور توحید کے احقاق پر جو مناظرہ کیا' اس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا' تا کہ اس سے مشرکین عرب

کے خلاف استدلال کیا جائے' کیونکہ تمام مذاہب اور ادیان کے ماننے والے ان کی فضیلت اور بزرگی کا اعتراف کرتے تھے' اور سب ان کی ملت کی طرف انتساب کے دعویٰ دار تھے۔ یہود و نصاریٰ ان کی ملت کی اتباع کے مدعی تھے' اور مشرکین عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے تھے۔ اس لیے ان کی شخصیت اور سیرت سب پر حجت تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام' نسب اور تاریخ پیدائش

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نسب اس طرح لکھا ہے:

ابراہیم بن آزر اور وہ تارخ ہیں بن ناحور بن شاروغ بن ارغو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن خنوخ اور وہ ادریس ہیں' بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔

حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن ہیں' اور آپ کی کنیت ابو الضیفان ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم عراق کے شہر بابل کے موضع کوثی میں پیدا ہوئے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے باپ نہیں تھے' صحیح وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے وہ ابراہیم بن آزر ہیں اور تورات میں ہے وہ ابراہیم بن تارخ ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق' ج ۳' ص ۳۴۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد آزر تھے یا تارخ؟ ہماری تحقیق یہ ہے کہ آپ کے والد تارخ تھے جیسا کہ ان شاءاللہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

محمد بن عمر واقدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح اور حضرت آدم کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت نوح کے درمیان دس صدیاں ہیں۔ پس حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن حضرت آدم کی پیدائش کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے' ایوب بن عتبہ قاضی یمامہ بیان کرتے ہیں:

حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس آباء تھے اور یہ ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دس آباء تھے اور یہ بھی ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان سات آباء ہیں اور ان کے سال معلوم نہیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار پانچ سو سال ہیں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے اور یہ زمانہ فترت ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق' ج ۳' ص ۳۴۹-۳۴۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے تین ہزار تین سو سینتیس (۳۳۳۷) سال بعد پیدا ہوئے' اس وقت طوفان نوح کو بارہ سو تریسٹھ (۱۲۶۳) سال گزر چکے تھے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو سو سال کی عمر گزار کر فوت ہوئے۔ کلبی نے کہا ایک سو پچھتر (۱۷۵) سال کی عمر تھی اور مقاتل نے کہا ایک سو نوے (۱۹۰) سال کی عمر تھی۔ آپ حبرون میں مقام غارہ پر مدفون ہیں۔ وہ جگہ اب مدینۃ الخلیل کے نام سے مشہور ہے۔

(عمدۃ القاری' ج ۱۵' ص ۲۴۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے متعدد بار توحید کو ثابت کیا اور مشرکین کے قول کو دلائل سے باطل کیا۔ انہوں نے اپنے عرفی باپ سے مناظرہ کیا' اپنی قوم سے' بادشاہ وقت سے اور کافروں سے مناظرہ کیا اور راہ حق میں سرخرو ہوئے۔ عرفی باپ

سے مناظرہ کی یہ مثال ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ (مریم: ۴۲)

جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا اے میرے باپ! تم کیوں ایسے کی پرستش کرتے ہو جو نہ سنتا ہے' نہ دیکھتا ہے اور نہ تمہارے کسی کام آسکتا ہے۔

اور اپنی قوم سے مناظرہ کی یہ مثال ہے:

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (الانعام: ۷۸)

پھر جب انہوں نے روشن آفتاب دیکھا تو کہا' یہ میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے' پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔

اور بادشاہ وقت سے مناظرہ کی یہ مثال ہے:

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ (البقرہ: ۲۵۸)

جب ابراہیم نے کہا میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس (بادشاہ) نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں' ابراہیم نے کہا بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال تو اس پر وہ کافر ہکا بکا رہ گیا۔

اور کافروں سے مناظرہ کی یہ مثال ہے:

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ (الانبیاء: ۵۸)

پس (ابراہیم نے) بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' تاکہ وہ ان کی طرف رجوع کریں۔

اور جب کافر ان کو دلائل سے جواب دینے سے عاجز آگئے تو انہوں نے کہا ان کو جلا ڈالو اور اپنے بتوں کی مدد کرو' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا اور اللہ نے اس آگ کو سلامتی کے ساتھ ٹھنڈا کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ انہوں نے اپنا دل عرفان الٰہی کے لیے' زبان توحید پر برہان کے لیے اور اپنے بدن کو اللہ کی راہ میں آگ میں جھونکنے کے لیے اور اپنے بیٹے کو قربانی کے لیے اور اپنے مال کو مہمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

آزر کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے آزر کے متعلق چار قول لکھے ہیں:

۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن' سدی اور ابن اسحاق نے کہا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے۔

۲- مجاہد نے کہا آزر بت کا نام ہے اور حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ ہے۔

۳- زجاج نے کہا کہ آزر نام نہیں ہے' بلکہ مذمت کا کلمہ ہے گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے خطاکار! تو بتوں کو معبود قرار دے رہا ہے۔

۴- مقاتل بن حیان نے کہا کہ آزر حضرت ابراہیم کے باپ کا نام نہیں ہے' یہ ان کا لقب ہے۔

(زاد المسیر' ج ۳' ص ۷۶-۷۵' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت)

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے یا تارخ ہے۔ دراصل یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے والدین کا کافر ہونا جائز ہے یا نہیں۔ امام ابن جریر' امام رازی' علامہ قرطبی' اور علامہ ابوالحیان وغیرہم کی رائے ہے کہ ان کے والدین کا کافر ہونا جائز ہے' اور متاخرین میں سے علامہ نیشاپوری' علامہ سیوطی اور علامہ آلوسی کی تحقیق یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے آباء کرام مومن تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے سلسلہ نسب میں تمام آباء اور امہات مومن تھے۔ اب ہم وہ روایات ذکر کریں گے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر آپ کا چچا تھا' اور عرب محاورات میں چچا پر باپ کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تارخ تھا نہ کہ آزر!

امام ابواسحاق زجاج متوفی ۳۱۱ھ لکھتے ہیں:

نسب بیان کرنے والوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا' اور قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا نام آزر تھا۔ (معانی القرآن واعرابہ للزجاج' ج ۲' ص ۲۶۵)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ مجاہد نے کہا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام نہیں ہے' وہ بت کا نام ہے۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۳۱۶' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر نہیں تھا' ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں سے مدد مانگتے ہو ایسا نہ کرو اور حضرت ابن عباس فرماتے تھے حضرت ابراہیم کے والد کا نام آزر نہیں تھا' ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۲۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آزر بت ہے اور حضرت ابراہیم کے باپ کا نام یازر ہے اور ان کی ماں کا نام مثلی ہے اور ان کی بیوی کا نام سارہ ہے اور ان کی باندی حضرت اسماعیل کی ماں ہیں۔ ان کا نام ہاجرہ ہے۔ امام ابن ابی شیبہ' امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر اور امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا آزر حضرت ابراہیم کے والد کا نام نہیں ہے' لیکن یہ بت کا نام ہے۔

(در منثور' ج ۳' ص ۳۰۰' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

آزر کو حضرت ابراہیم کا باپ کہنے کی توجیہ

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

امام ابن المنذر نے سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں ہے' وہ ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن شاروغ بن عابر بن فالغ ہیں۔

قرآن مجید میں آزر کے اوپر حضرت ابراہیم کے اب (باپ) کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ عرب میں

"اب" کا اطلاق عم پر بہ کثرت کیا جاتا ہے' اگرچہ یہ مجاز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ (البقرہ: ۱۳۳)

کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم' اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔

اس آیت میں حضرت اسماعیل پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے' حالانکہ وہ حضرت یعقوب کے باپ نہیں' بلکہ چچا ہیں اور امام ابوالعالیہ نے اسی آیت کی تفسیر میں کہا کہ اس آیت میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ ماموں والد ہے اور چچا والد ہے اور اس آیت کی تلاوت کی۔

(الحاوی للفتاوی' ج ۲' ص ۲۱۴' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' لائل پور' پاکستان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے مومن ہونے پر دلیل

امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت سلیمان بن صرد سے روایت کیا ہے کہ جب کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو وہ لکڑیاں جمع کرنے لگے' حتیٰ کہ ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کرنے لگی۔ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے لگے تو آپ نے کہا "حسبی اللہ ونعم الوکیل" اور جب انہوں نے آپ کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ینار کونی بردا وسلاما علی ابراھیم" (الانبیاء: ۶۹) اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا نے کہا میری وجہ سے ان سے عذاب دور کیا گیا ہے' تب اللہ تعالیٰ نے آگ کی ایک چنگاری بھیجی جو اس کے پیر پر لگی اور اس کو جلا دیا۔

اس اثر میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا اور اس اثر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آزر اس وقت میں ہلاک کیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور اللہ سبحانہ نے قرآن مجید میں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ آزر اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس کے لیے استغفار کرنا ترک کر دیا' اور احادیث میں آیا ہے کہ جب وہ حالت شرک میں مر گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کا دشمن خدا ہونا معلوم ہو گیا اور انہوں نے پھر اس کے لیے استغفار نہیں کیا۔

امام ابن ابی حاتم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ کے لیے مسلسل استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے۔ پھر انہوں نے اس کے لیے استغفار نہیں کیا اور انہوں نے محمد بن کعب' قتادہ' مجاہد اور حسن وغیرہم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم اس کی حیات میں اس کے ایمان کی امید رکھتے تھے اور جب وہ شرک پر مر گیا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ پھر آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی' جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی تصریح کی ہے' پھر ہجرت کے کافی عرصہ بعد وہ مصر میں داخل ہوئے اور وہاں حضرت سارہ کے سبب سے ظالم بادشاہ کے ساتھ ان کا واقعہ پیش آیا اور انجام کار حضرت ہاجرہ آپ کی باندی بنادی گئیں' اس کے بعد آپ پھر شام کی طرف لوٹ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو مکہ میں منتقل کر دیں اور وہاں آپ نے یہ دعا کی:

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ وَ ارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡكُرُوۡنَ ○ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِیۡ وَمَا نُعۡلِنُ وَمَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ○ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ وَهَبَ لِیۡ عَلَی الۡكِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ○ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوةِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ○ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ○ (ابراھیم: ۳۷-۴۱)

اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے' اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں' سو تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو بعض پھل عطا فرما تاکہ وہ شکر ادا کریں' اے ہمارے رب! بے شک تو جانتا ہے جس کو ہم چھپاتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور آسمان اور زمین میں سے کوئی چیز اللہ پر مخفی نہیں ہے سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحق عطا فرمائے' بے شک میرا رب ضرور میری دعا سننے والا ہے' اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری اولاد (سے) بھی' اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما' اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب قائم ہو گا۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے فوت ہونے کے طویل عرصہ بعد اپنے والدین کی مغفرت کے لیے دعا کی۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں جس شخص کے کفر اور اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیزار ہونے کا ذکر ہے وہ ان کے چچا تھے' نہ کہ ان کے حقیقی والد۔

امام محمد بن سعد نے الطبقات میں کلبی سے روایت کیا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی طرف ہجرت کی تو ان کی عمر سینتیس (۳۷) سال تھی' پھر انہوں نے کچھ عرصہ حران میں قیام کیا' پھر کچھ عرصہ اردن میں قیام کیا پھر وہاں سے مصر چلے گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا' پھر وہاں سے شام کی طرف لوٹ گئے اور ایلیا اور فلسطین کے درمیان قیام کیا۔ پھر وہاں کے لوگوں نے آپ کو ستایا تو آپ رملہ اور ایلیا کے درمیان چلے گئے اور امام ابن سعد نے واقدی سے روایت کیا ہے کہ نوے سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان دونوں اثروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے والے واقعہ کے بعد جب آپ نے بابل سے ہجرت کی تھی اور مکہ مکرمہ میں جو آپ نے دعا کی تھی' انکے درمیان پچاس اور کچھ سال کا عرصہ ہے۔

(الحاوی للفتاویٰ' ج ۲' ص ۲۱۵-۲۱۴' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد)

خلاصہ یہ ہے کہ آزر کے مرنے کے پچاس سے زیادہ سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت کے لیے دعا کی ہے اور جب کہ آزر سے وہ بیزار ہو چکے تھے اور اس کے لیے دعا کو ترک کر چکے تھے تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آزر اور شخص تھا اور ان کے والد اور شخص تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کے چچا آزر کو اب (عرفی باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کے حقیقی باپ کو والد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے' تاکہ تغیر عنوان تغیر معنون پر دلالت کرے۔ ہم نے علامہ سیوطی کے جس استدلال کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے' علامہ آلوسی نے بھی اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۱۹۵' طبع بیروت)

قیامت کے دن آزر کو باپ کہنے کی توجیہ

اس سلسلہ میں اس حدیث سے بھی اعتراض کیا جاتا ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے (عرفی) باپ آزر سے قیامت کے دن ملاقات ہوگی اور آزر کے چہرے پر دھواں اور گرد و غبار ہو گا۔ حضرت ابراہیم اس سے فرمائیں گے کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میری نافرمانی نہ کرنا؟ ان کے (عرفی) باپ کہیں گے 'آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت ابراہیم فرمائیں گے 'اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو قیامت کے دن مجھ کو شرمندہ نہیں کرے گا اور اس سے بڑی اور کیا شرمندگی ہوگی کہ میرا (عرفی) باپ رحمت سے دور ہو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے' پھر کہا جائے گا اے ابراہیم! تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے تو وہ گندگی میں لتھڑا ہوا ایک بجو ہوگا۔ اور اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۵۰' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۳۷۵' المستدرک' ج ۲' ص ۳۳۸' کنز العمال' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۲۲۹۲' مشکوۃ المصابیح' ج ۳' رقم الحدیث: ۵۵۳۸)

حافظ عماد الدین ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر ہے اور جمہور اہل نسب' بہ شمول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سب اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارخ ہے اور اہل کتاب تارح کہتے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ' ج ۱' ص ۱۴۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۹۷۳ء)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام شرک اور کفر کی آلودگی سے پاک اور منزہ ہیں۔ ان کے نزدیک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں' ان کو مجازاً باپ کہا گیا ہے اور ان کے باپ کا نام تارخ ہے۔ اسی وجہ سے مطلقاً نہیں فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی' تاکہ ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن متوجہ نہ ہو' اور ان کے والد کے ساتھ آزر کا ذکر کیا' تاکہ معلوم ہو کہ یہاں مجازی باپ مراد ہے۔

(اشعۃ اللمعات' ج ۴' ص ۳۶۸' مطبوعہ مطبع تیج کمار' لکھنؤ)

شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا' اس کو مجاز متعارف کے طور پر باپ کہا گیا ہے اور آپ کے باپ کا نام تارخ ہے۔ بعض محققین علماء جنہوں نے آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء سے کفر کی نفی کی ہے' ان کی یہی تحقیق ہے۔ اس بناء پر اس حدیث میں آزر کا ذکر اس لیے ہے کہ اگر یوں کہا جاتا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی' تو اس سے ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن چلا جاتا' اور جب آزر کی قید لگائی تو ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔ حضرت ابراہیم کے اس چچا پر باپ کا اطلاق اس لیے کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کا اختلاط اور ان کی الفت اپنے اس چچا کے ساتھ بہت زیادہ تھی اور وہ مشرکین کا رئیس تھا اور اسی کے ساتھ ان کا مناظرہ ہوا تھا۔

(التعلیق الصبیح' ج ۶' ص ۳۰۱' مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ' لاہور)

اس حدیث پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام زندگی میں آزر کے دشمن خدا ہونے کی وجہ سے اس سے بیزار ہو گئے تھے' تو پھر قیامت کے دن اس کی سفارش کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کے لیے نجات کی دعا کرنے سے بیزار ہو گئے تھے اور قیامت کے دن انہوں نے اس کی نجات کے لیے سفارش نہیں کی' بلکہ اس کے عذاب میں تخفیف کے لیے سفارش کی تھی اور بعض خصوصیات کی بناء پر کفار کے عذاب میں تخفیف کردی جاتی ہے۔

نبی ﷺ کے تمام آباء کرام کے مومن ہونے پر دلیل

ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے سلسلہ نسب میں تمام آباء کرام مومن تھے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک نبی ﷺ کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب سے خیر (بہتر) اور سب سے افضل تھے' اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے:

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ أَعْجَبَكُمْ (البقرہ: ۲۲۱)

اور بے شک مومن غلام 'مشرک (آزاد) سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں اچھا لگے۔

اور جب مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہے اور نبی ﷺ کے آباء کرام اپنے اپنے زمانہ میں سب سے بہتر اور افضل تھے تو ضروری ہوا کہ وہ مومن ہوں۔ نیز احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک' بلکہ قیامت تک روئے زمین پر کچھ ایسے لوگ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہے اور اس کی عبادت کرتے رہے اور ان ہی کی وجہ سے زمین محفوظ رہی' ورنہ زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے' اور ان مقدمات سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی ﷺ کے آباء میں کوئی مشرک نہیں تھا۔ کیونکہ زمین کبھی مومنین اور مشرکین سے خالی نہیں رہی اور نبی ﷺ کے آباء اپنے اپنے دور میں سب سے بہتر اور افضل تھے اور مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کے تمام آباء کرام مومن تھے' پہلے ہم اس امر پر دلائل پیش کریں گے کہ زمین کبھی مومنین اور موحدین سے خالی نہیں رہی اور پھر اس امر پر دلائل پیش کریں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک نبی ﷺ کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب لوگوں سے بہتر اور افضل تھے۔

موحدین اور عابدین سے زمین کبھی خالی نہیں رہی

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان فرماتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں از معمر' از ابن جریج' از ابن المسیب روایت کیا ہے' روئے زمین پر ہمیشہ قیامت تک کم از کم سات مسلمان رہے ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے اور ہر چند کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے' لیکن اس قسم کی بات رائے سے نہیں کی جاسکتی' پس یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔ امام ابن المنذر نے اس حدیث کو امام عبدالرزاق کی سند سے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا زمین میں ہمیشہ چودہ ایسے نفوس رہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا تھا اور ان کی برکت زمین میں پہنچاتا تھا' ماسوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے' کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک تھے۔

امام ابن المنذر نے قتادہ سے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین میں اللہ کے اولیاء رہے ہیں' جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا ہے' کبھی زمین ابلیس کے لیے خالی نہیں رہی' اس میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء رہے

ہیں' جو اس کی اطاعت کرتے رہے ہیں۔

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر' از قاسم' از امام مالک روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب تک زمین میں شیطان کا ولی ہے' تو زمین میں اللہ کا ولی بھی ہے۔

امام احمد بن حنبل نے کتاب الزھد میں بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی سات ایسے نفوس سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا ہے۔ یہ حدیث بھی حکماً مرفوع ہے۔

امام ازرقی نے تاریخ مکہ میں زہیر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین پر کم از کم سات ایسے مسلمان رہے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر رہے' اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

امام بزار نے اپنی مسند میں اور امام ابن جریر' امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفاسیر میں اور امام حاکم نے المستدرک میں صحیح سند کے ساتھ اس آیت "کان الناس امۃ واحدۃ" کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن ہیں اور ان میں سے ہر ایک شریعت حق پر ہے۔ پھر ان کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور زمین والوں پر اللہ تعالیٰ نے جو سب سے پہلا رسول بھیجا' وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ اور امام محمد بن سعد نے طبقات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام تک دس آباء ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔ (الحاوی للفتاوی' ج ۲' ص ۲۳-۲۲' مطبوعہ فیصل آباد)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔ حضرت انس سے دوسری روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کہتا رہے گا اس پر قیامت قائم نہیں ہو گی۔

(صحیح مسلم' ایمان ۲۳۴' ۳۷۴(۱۴۸)' ۳۶۸' ۳۶۹' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۴۴' صحیح ابن حبان' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۸۴۹' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۳۸۳۴' طبع جدید' مسند احمد' ج ۳' ص ۲۶۸' ۲۰۱' ۱۰۷' طبع قدیم' مسند ابو یعلیٰ' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۵۲۶' مصنف عبد الرزاق' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۲۰۸۴۷' مسند ابو عوانہ' ج ۱' ص ۱۰۱' المستدرک' ج ۴' ص ۴۹۴' شرح السنۃ' ج ۷' ص ۱۷۸' ۴۱۱' کنز العمال' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۳۸۴۸۵' مسند البزار' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۴۱۸' مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۳۳۱' ج ۸' ص ۱۲' مشکوۃ المصابیح' ج ۳' رقم الحدیث: ۵۵۱۶)

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر دور میں اللہ اللہ کہنے والے مسلمان بندے روئے زمین پر رہے ہیں اور کسی دور میں بھی اللہ اللہ کہنے والوں سے زمین خالی نہیں رہی' ورنہ قیامت آچکی ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام کا اپنے اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور بہتر ہونا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر

قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا' حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۵۵۷' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۹۳۶۰' ۸۸۴۳' طبع دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ۲' ص ۴۱۷' طبع قدیم' مشکوۃ المصابیح' ج ۳' رقم الحدیث: ۵۷۳۹' کنز العمال' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۳۲۰۰۵' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۱' ص ۱۷۵)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ھاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہوں۔ جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے' اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا' میں (جائز) ماں باپ سے پیدا کیا گیا ہوں' مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں' بدکاری سے پیدا نہیں کیا گیا' حضرت آدم کے زمانہ سے لے کر پاکیزگی کا یہ سلسلہ میرے باپ اور میری ماں تک پہنچا ہے' میں بطور شخصیت کے تم سب سے بہتر ہوں اور بہ طور باپ کے تم سب سے بہتر ہوں۔ (دلائل النبوۃ' ج ۱' ص ۱۷۵' ۱۷۴)

امام ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ماں باپ کبھی بھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔ اللہ عزوجل ہمیشہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا' جو صاف اور مہذب تھیں۔ جب بھی دو شاخیں پھوٹیں' میں ان میں سے بہتر شاخ میں تھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۱' رقم الحدیث: ۱۵)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قریش آپس میں بیٹھے ہوئے اپنے حسب و نسب کا ذکر کر رہے تھے۔ انہوں نے آپ کی مثال اس طرح دی جیسے زمین کے گھورے (گندگی ڈالنے کی جگہ) میں کھجور کا درخت پیدا ہو گیا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے ان میں سب سے بہتر لوگوں میں اور سب سے بہتر گروہوں میں اور سب سے بہتر فرقوں میں رکھا' پھر قبیلوں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا' پھر گھروں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا۔ پس میں بطور شخص سب سے بہتر ہوں اور بہ طور گھر سب سے بہتر ہوں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۲۷' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۱' ص ۱۶۹' دلائل النبوۃ لابی نعیم' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۶)

مطلب بن ابی وداعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کوئی ناگوار بات سنی تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا میں کون ہوں؟ صحابہ نے کہا آپ رسول اللہ ہیں۔ علیک السلام! آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں' بے شک اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا۔ پھر اللہ نے ان کے دو گروہ کیے' تو مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا۔ پھر اللہ نے ان کو قبائل میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا' پھر اللہ نے ان کو گھروں میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا اور سب سے بہتر شخص میں رکھا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۳۸' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۱' ص ۱۷۰' المعجم الکبیر' ج ۲۰' رقم الحدیث: ۶۷۶-۶۷۵' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۶۶-۱۶۵)

امام ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "وتقلبک فی الساجدین" کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں' نبی ﷺ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں منقلب ہوتے رہے' حتیٰ کہ آپ اپنی والدہ سے پیدا ہوئے۔ (دلائل النبوۃ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں سے اوپر والے آسمانوں کو پسند کیا اور ان میں سکونت رکھی' اور باقی آسمانوں میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہا' سکونت دی۔ پھر اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق میں سے بنو آدم کو پسند کیا اور بنو آدم میں سے عربوں کو پسند کیا اور عربوں میں سے مضر کو پسند کیا اور مضر میں سے قریش کو پسند کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند کیا' سو میں پسندیدہ لوگوں میں سے پسند کیا گیا ہوں۔ لہٰذا جس نے عربوں سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

(دلائل النبوۃ ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸' المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۳۶۵۰' المستدرک' ج ۴' ص ۸۷-۸۶' کامل ابن عدی' ج ۲' ص ۳۰۱-۳۰۱' علل ابن ابی حاتم' ج ۲' ص ۳۶۸-۳۶۷' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۱۵)

اس حدیث کی سند میں حماد بن واقد کے سواسب کی توثیق کی گئی ہے اور وہ بھی معتبر راوی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو پسند کر لیا اور کنانہ سے قریش کو پسند کر لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند کر لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند کر لیا۔

(صحیح مسلم' فضائل ا' (۲۲۷۶) ۵۸۲۸' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۰۵' صحیح ابن حبان' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۶۲۴۲' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۶۹۸۴' المعجم الکبیر' ج ۲۲' رقم الحدیث: ۱۶۱)

امام ابو القاسم سلیمان بن طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا میں نے زمین کے تمام مشارق و مغارب کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا تو (سیدنا) محمد ﷺ سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا اور نہ بنو ہاشم سے افضل کسی خاندان کو پایا۔

اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی ایک ضعیف راوی ہے۔

(المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۲۸۱' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۰۰' طبع جدید دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ان تمام احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ تک نبی علیہ السلام کے نسب میں تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے خیر اور افضل تھے' اور قرآن مجید میں تصریح ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع بھی ہے کہ مومن مشرک سے خیر اور افضل ہے' لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کے تمام آباء کرام مومن تھے۔

ان احادیث میں سے ہمارا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے نسب کے لیے خیر اور افضل کا لفظ ہے اور جن احادیث میں ہے کہ میں پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کیا گیا ہوں' ان سے ہمارا استدلال نہیں ہے۔ ان احادیث کو ہم نے صرف رسول اللہ ﷺ کے شرافت نسب کے لیے بیان کیا ہے۔

ابوین کریمین کے ایمان کے مسئلہ میں تفسیر کبیر پر بحث و نظر

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس مسئلہ سے اختلاف کیا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا اور اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ یہود و نصاریٰ نبی ﷺ کی تکذیب پر بہت حریص تھے۔ اگر فی الواقع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہ ہوتا اور قرآن کہتا کہ ان کے باپ آزر نے یوں کہا تو عادۃً یہود و نصاریٰ کا خاموش رہنا ممکن نہ تھا' اور وہ نبی علیہ السلام کی تکذیب کرتے اور کہتے کہ آزر ان کے باپ نہیں ہیں اور جب انہوں نے نبی ﷺ کی تکذیب نہیں کی تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا بیان کیا ہوا نسب صحیح ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر ہی ہیں۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۷۰' دار الفکر' ۱۳۹۸ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح ہے۔ بائبل میں لکھا ہے نحور انتیس برس کا تھا جب اس سے تارح پیدا ہوا' اور تارح کی پیدائش کے بعد نحور ایک سو انیس برس اور جیتا رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور تارح ستر برس کا تھا جب اس سے ابرام اور نحور اور حاران پیدا ہوئے۔

(پرانا عہد نامہ' پیدائش' باب ۱۱' آیت ۲۶-۲۴' کتاب مقدس' ص ۱۳' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

باقی رہا یہ کہ پھر اہل کتاب نے نبی ﷺ پر یہ اعتراض کیوں نہیں کیا کہ قرآن نے آزر کو باپ کہا ہے جبکہ وہ حضرت ابراہیم کا چچا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب محاورات عرب سے واقف تھے کہ محاورات عرب میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ نیز قرآن مجید میں حضرت اسماعیل کو اولاد یعقوب علیہ السلام کا باپ فرمایا ہے' حالانکہ وہ ان کے بالاتفاق چچا تھے' اور اس پر بھی اہل کتاب نے اسی وجہ سے اعتراض نہیں کیا تھا۔ ورنہ امام رازی کی تقریر کے مطابق یہودیوں کو اس کی تکذیب کرنی چاہیے تھی۔

نیز امام رازی نے لکھا ہے کہ شیعہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے آباء و اجداد میں سے کوئی شخص کافر نہیں تھا اور اس پر ان کی کئی دلیلیں ہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے "الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین" (الشعراء: ۲۱۹) جو آپ کو حالت قیام میں دیکھتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو دیکھتا ہے پھر امام رازی نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے اس آیت کے دیگر محامل بیان کیے ہیں۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۷۱) لیکن ہمارا بنیادی استدلال اس دلیل سے نہیں ہے' یہ دلیل تائید کے درجہ میں ہے۔ ہمارا بنیادی استدلال اس سے ہے کہ آزر کے مرنے کے تقریباً پچاس سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت کی دعا کی۔ (ابراہیم: ۴۱) جب کہ اس کی موت علی الشرک کی وجہ سے وہ اس سے بیزار ہو چکے تھے۔ لہٰذا اپنے والدین کی مغفرت کی دعا کرنا ان کے ایمان کی دلیل ہے۔ امام رازی نے اس دلیل سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ شیعہ کی طرف سے دوسری دلیل انہوں نے یہ پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہوتا رہا اور مشرک نجس ہیں' اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے آباء مومن تھے۔ اس پر امام رازی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے آباء مشرک نہ ہوں' کیونکہ پاکیزہ پشتوں کا معنی ہے آپ نکاح سے پیدا ہوئے ہیں' زنا سے نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا' ہمارا استدلال صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہے۔ مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سے سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا' حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔ اس سے لازم آیا کہ آپ کے تمام آباء خیر تھے اور مومن مشرک سے خیر اور بہتر ہے۔ لہٰذا آپ کے تمام آباء کا مومن ہونا ثابت ہوا' اس دلیل سے بھی امام رازی نے تعرض نہیں کیا۔ امام رازی نے شیعہ کی طرف سے تیسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضرت ابراہیم

نے بہت شدت اور سختی کے ساتھ آزر کا رد کیا ہے' اگر وہ ان کے باپ ہوتے تو ان کے ساتھ نرمی سے کلام کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ان کے چچا تھے' پھر اس دلیل کا رد کیا ہے کہ ان کی یہ سختی اس کے شرک پر اصرار کی وجہ سے تھی۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۷۱' ملخصا) ہر چند کہ ہم نے اس دلیل سے استدلال نہیں کیا' لیکن اس پر امام رازی کا اعتراض قوی نہیں ہے' کیونکہ کفر اور شرک کے باوجود ماں باپ کے ساتھ نرمی سے کلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھئے! فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تھا' اس نے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے نرم گفتاری کا حکم دیا:

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ: ۴۴)

(اے موسیٰ اور ہارون!) آپ دونوں فرعون کے پاس جائیے بے شک اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے' آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں' تاکہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈرے۔

اگر آزر حضرت ابراہیم کا باپ ہوتا تو آپ اس سے اس قدر سختی اور شدت کے ساتھ بات نہ کرتے' لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ آپ کا باپ نہیں' چچا تھا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم نے آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ (الانعام: ۷۴) اگر آزر حضرت ابراہیم کا باپ ہوتا تو وہ اس سے اس قدر اہانت آمیز کلام نہ فرماتے۔

اس بحث کے بعد امام رازی نے لکھا ہے کہ رہے ہمارے اصحاب تو ان کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والد کافر تھے' اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں تصریح ہے کہ آزر کافر تھا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد تھا۔
(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۷۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ' طبع قدیم)

ہم اس قول کی شناعت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ امام رازی صحیح العقیدہ تھے' دین اسلام کے لیے ان کی بڑی خدمات ہیں اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قول سے رجوع کی توفیق دی۔ جن دلائل کو انہوں نے تفسیر کبیر میں رد کر دیا ہے' اسرار التنزیل میں ان ہی دلائل سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین اور آپ کے تمام آباء کرام کا ایمان ثابت کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے' ہم اس کا اقتباس یہاں پیش کر رہے ہیں۔

ابوین کریمین کے ایمان کے متعلق امام رازی کا صحیح موقف

مسلک ثانی: نبی ﷺ کے والدین سے شرک ثابت نہیں ہے' بلکہ وہ اپنے جد اکرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر تھے' جیسا کہ عرب کی ایک جماعت اس دین پر تھی۔ مثلاً زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہما' اور یہ علماء کی ایک جماعت کا مسلک ہے۔ ان ہی میں سے امام فخر الدین رازی ہیں' انہوں نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں لکھا ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے ایک قول یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا اور اس پر کئی وجوہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ ایک دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے آباء کافر نہیں تھے اور اس پر کئی دلائل ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین" اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اس تقدیر پر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے تمام آباء مسلمان تھے اور اب قطعی طور پر یہ کہنا واجب ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کافروں میں سے نہیں تھے اور آزر آپ کا چچا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا

سکتا ہے کہ "وتقلبک فی الساجدین" کے اور بھی کئی محامل ہیں اور جب کہ ہر محمل کے متعلق ایک روایت وارد ہے اور ان میں باہم کوئی منافات بھی نہیں ہے تو اس آیت کو ان تمام محامل پر محمول کرنا واجب ہے' اور جب یہ صحیح ہے تو ثابت ہوگیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بت پرستوں میں سے نہیں تھے۔ پھر امام رازی نے فرمایا سیدنا محمد ﷺ کے تمام آباء کے مشرک نہ ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انما المشرکون نجس" مشرک محض ناپاک ہیں پس واجب ہوا کہ آپ کے اجداد کرام سے کوئی شخص مشرک نہ ہو۔ امام رازی کا کلام ختم ہوا۔

تم امام رازی کی امامت اور جلالت پر غور کرو' وہ اپنے زمانہ میں اہل سنت کے امام ہیں اور بدعتی فرقوں کا رد کرنے والے ہیں' اور وہ اپنے زمانہ میں مذہب اشاعرہ کے ناصر اور موید ہیں اور وہی چھٹی صدی ہجری میں ایسے عالم ہیں جو اس امت کے لیے بہ طور مجدد بھیجے گئے ہیں اور میرے نزدیک امام فخرالدین رازی کے مذہب کی تائید میں اور بھی دلائل ہیں۔

(الحاوی للفتاویٰ' ج ۲' ص ۲۱۰' مطبوعہ فیصل آباد)

امام رازی نے یہ بحث اسرار التنزیل وانوار التاویل ص ۲۷۳-۲۷۹' مطبوعہ بغداد' ۱۹۹۰ء میں کی ہے۔ یہ کتاب مجھے بعد میں ملی ان شاء اللہ الشعراء: ۲۱۹ میں' میں اس کتاب سے امام رازی کی اصل عبارات پیش کروں گا۔

ابوین کریمین کے ایمان کی بحث میں حرف آخر

یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا مسئلہ متقدمین علماء پر مخفی رہا۔ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر منکشف کیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

لیکن متاخرین علماء نے حضور ﷺ کے والدین کریمین' بلکہ حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء و امہات کا ایمان ثابت کیا ہے' اس اثبات کے لیے انہوں نے تین طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے۔ دوسرا یہ کہ ان حضرات کو دعوت اسلام نہ پہنچی' بلکہ یہ حضرات زمانہ فترت میں ہی انتقال کر چکے تھے' ان کو حضور ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہ ملا۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین کریمین کو خدا تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے آپ کے دست اقدس پر دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کے زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ اپنی حد ذات میں ضعیف ہے' لیکن متعدد طرق سے اس کی تصحیح اور تحسین کر دی گئی ہے اور یہ بات گویا متقدمین سے پوشیدہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت متاخرین علماء پر کھول دی۔ "واللہ یختص برحمتہ من یشاء" اس بارے میں رسائل تصنیف کیے اور دلائل سے اس مسئلہ کا اثبات فرمایا' مخالفین کے شبہات کے جوابات دیئے۔ ان دلائل اور جوابات کو اگر یہاں نقل کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔ ان کے رسائل میں دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

(اشعۃ اللمعات' ج ۱' ص ۷۱۸' مطبوعہ مطبع تیج کمار' لکھنؤ)

میں نے ابوین کریمین کے مسئلہ پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ تفسیر کبیر میں امام رازی نے جو گفتگو کی ہے' اس سے بہت سے صحیح العقیدہ علماء بھی متشوش تھے' اس لیے میں نے چاہا کہ امام رازی کی تفسیر کبیر کی بحث کا جواب لکھوں اور یہ واضح کروں کہ امام رازی نے اس نظریہ سے رجوع فرمالیا ہے اور یہی سلف صالحین اور علماء ربانیین کی نشانی ہے۔

آخر میں' میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور مجھے اپنی رضا اور اپنے حبیب اکرم ﷺ کی خوشنودی عطا فرمائے' اس بحث کی مزید تفصیل کے لیے البقرہ: ۱۱۹ کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

بتوں کی پرستش کا کھلی ہوئی گمراہی ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں جتلا دیکھتا ہوں۔ (الانعام: ۷۴)

یعنی تمہاری عبادت کا طریقہ ہر صاحب عقل سلیم کے نزدیک کھلی ہوئی گمراہی اور جہالت ہے اور اس سے زیادہ واضح جہالت اور گمراہی کیا ہوگی کہ تم اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر ان کی پرستش کرتے ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصفت: ۹۶-۹۵)

ابراہیم نے کہا کیا تم ان بتوں کی پرستش کرتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ تمہیں اور تمہارے سب کاموں کو اللہ نے ہی پیدا فرمایا ہے۔

اور یہ بت بالکل بہرے ہیں، تمہاری فریاد کو نہیں سنتے، نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں کسی نقصان سے بچا سکتے ہیں!

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الانبیاء: ۶۷-۶۶)

ابراہیم نے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں کچھ نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان، تف ہے تم پر (اور تمہارے بتوں پر) جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو پس کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ بتوں کی پرستش کا بطلان بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ (الحج: ۷۳)

بے شک تم اللہ کو چھوڑ کر جن (بتوں) کی عبادت کرتے ہو، وہ سب مل کر بھی ہرگز ایک مکھی کو نہیں بنا سکتے، اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے، طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔

پھر ایسے کمزور، لاچار، بے حس اور بے جان تراشیدہ پتھروں کو اپنا خدا ماننا اور ان کی پرستش کرنا کھلی ہوئی گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی دکھائی اور اس لیے کہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ (الانعام: ۷۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے ملکوت کا مصداق

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے سات آسمان کھل گئے، حتیٰ کہ عرش بھی، پھر انہوں نے ان کو دیکھ لیا اور ان کے لیے سات زمینیں کھل گئیں اور انہوں نے ان کو بھی دیکھ لیا۔

عطاء بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان کے ملک کے اوپر اٹھایا گیا تو انہوں نے ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا، انہوں نے اس کے خلاف دعا کی، وہ ہلاک ہو گیا۔ انہیں دوبارہ اٹھایا گیا، انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا، انہوں نے اس کے خلاف دعا کی، وہ ہلاک ہو گیا۔ انہیں پھر اٹھایا گیا، انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے

دیکھا' انہوں نے پھر اس کے خلاف دعا کی تو ان کو ندا کی گئی اے ابراہیم ٹھہرو' تم مستجاب بندے ہو اور میرے اپنے بندہ کے ساتھ تین معاملات ہیں' یا تو وہ مجھ سے توبہ کرے تو میں اس کی توبہ قبول فرماؤں گا' یا میں اس سے نیک اولاد پیدا کروں گا' یا بدکاری میں اس کو ڈھیل دوں گا اور پھر میں اس کو دیکھ لوں گا۔ اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۲۶)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ سے بھاگ کر ایک سرنگ میں چھپ گئے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رزق ان کی انگلیوں کے پوروں میں رکھ دیا۔ جب بھی وہ اپنی انگلی کو چوستے' تو ان کو رزق مل جاتا' جب وہ اس سرنگ سے باہر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں کی حکومت دکھائی' ان کو سورج اور چاند اور ستارے اور بادل اور ایک عظیم مخلوق دکھائی اور ان کو زمین کی حکومت دکھائی تو ان کو پہاڑ' سمندر' دریا' درخت اور ہر قسم کے جانور اور ایک عظیم مخلوق دکھائی۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ ملکوت کی زیادہ بہتر تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان اور زمین کا ملک دکھایا اور جو چیزیں ان میں پیدا کی گئی ہیں' مثلاً سورج' چاند' ستارے اور جانور وغیرہ اور ان کے لیے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے اور مخلوق کے اعمال میں سے کوئی عمل ان سے مخفی نہیں رہا اور جب وہ گناہ کرنے والوں پر لعنت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے اور ان کو پہلی کیفیت پر لوٹا دیا۔ اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۲۷)

حضرت عبدالرحمن بن عائش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی' آپ سے کسی نے کہا میں نے آج سے پہلے آپ کو زیادہ خوش نہیں دیکھا' آپ نے فرمایا ایسا کیوں نہ ہو۔ میرے پاس میرا رب (خواب میں) نہایت حسین صورت میں آیا۔ اس نے کہا اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا تو ہی خوب جانتا ہے! پھر اللہ نے اپنا دست قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو جان لیا' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: "وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموت و الارض ولیکون من الموقنین"

(جامع البیان' جز ۷' ص ۳۲۲' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۲۱۷۰' طبع جدید دار الفکر' شیخ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۲۳۰۰۸' طبع دار الحدیث' قاہرہ' مسند احمد' ج ۵' ص ۲۴۳' طبع قدیم' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۲۳۶' ۳۲۳۵' ۳۲۳۴' شرح السنہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۶۵' الشریعہ للآجری ص ۴۹۳۔ ۴۹۲' مسند ابو یعلی' رقم الحدیث: ۲۶۰۸)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام حکومت اور مخلوق دکھائی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر برقرار رہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی ہدایت دی ہے' اس کی حقیقت کو جان لیں' اور انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت اور اپنی قوم کی گمراہی اور جہالت پر بصیرت حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔ انہوں نے کہا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ پھر جب انہوں نے جگمگاتا ہوا چاند دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ (بھی) ڈوب گیا' تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا ○ پھر

جب انہوں نے روشن آفتاب دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو' میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے، جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (الانعام: ۷۹-۷۶)

ستارے' چاند اور سورج کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنا

جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بہت چمک دار ستارہ دیکھا' انہوں نے اپنی قوم سے اثناء استدلال میں فرمایا یہ میرا رب ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول قوم کے سامنے ستارے کی ربوبیت کے انکار کی تمہید تھی اور ان کے خلاف حجت قائم کرنے کا مقدمہ تھا' تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان کے موافق ہیں۔ پھر مشاہدہ اور عقل سے اس قول کا رد فرمایا' چنانچہ جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا یہ کیا بات ہوئی؟ میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا' کیونکہ خدا وہ ہے، جس کا تمام کائنات پر غلبہ ہے' وہ تمام دنیا کو ہر وقت دیکھنے والا ہے' ان کی باتوں کو سننے والا ہے' وہ کبھی کسی چیز سے غافل ہوتا ہے' نہ غائب ہوتا ہے۔

ستارہ کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام چاند کی الوہیت کو باطل کرنے کے درپے ہوئے' جو ستارہ سے زیادہ روشن تھا' اور اسی طرح انکار کی تمہید کے طور پر فرمایا یہ میرا رب ہے اور جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اپنی قوم کو سنانے کے لیے فرمایا اگر میرا رب مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں ان کی قوم پر تعریض ہے کہ وہ گمراہی کا شکار ہے' اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جس نے چاند کو خدا مانا وہ بھی گمراہ ہے اور اس میں یہ رہنمائی ہے کہ الوہیت کے متعلق صحیح عقیدہ کی معرفت وحی الٰہی پر موقوف ہے۔

چاند کی خدائی کے عقیدہ کو باطل کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سورج کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے' تمام سیاروں میں سب سے عظیم سیارہ سورج ہے۔ اس کی حرارت' اس کی روشنی اور اس کا نفع سب سے زیادہ ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے انکار کی تمہید کے طور پر فرمایا یہ میرا رب ہے' یہ تمام ستاروں اور سیاروں میں سب سے بڑا ہے۔ سو یہی سب کی بہ نسبت الوہیت کے زیادہ لائق ہے اور جب دیگر ستاروں کی طرح سورج بھی ان کے افق سے غروب ہو گیا' تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عقیدہ کی تصریح کی اور اپنی قوم کے شرک سے بیزاری کا اظہار کیا اور فرمایا اے میری قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اپنا رب قرار دیتے ہو' میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے کی طرف اپنا رخ کر چکا ہوں' میں ہر گمراہی کے عقیدہ سے منہ موڑ کر دین حنیف' دین حق اور دین توحید پر ثابت قدم اور برقرار ہوں۔ میں ان مشرکوں کے گروہ سے نہیں ہوں' جو اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی پرستش کرتے ہیں۔ میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمام کائنات کا خالق' اس کا مدبر اور اس کا مربی ہے' جس کے قبضہ و قدرت میں ہر چیز ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو "ھذا ربی" کہنا شک کی بنا پر نہیں تھا

ان استدلال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا یہ میرا رب ہے' یہ آپ نے بطور تنزل فرمایا تھا' کہ اگر بر سبیل فرض یہ ستارہ میرا رب ہو تو اس کا غروب ہو جانا اس کے رب ہونے کی تکذیب کرتا ہے اور یا یہاں استفہام محذوف ہے' جس کا آپ نے ذکر نہیں فرمایا کہ کہیں قوم بات اور استدلال مکمل ہونے سے پہلے ہی بدک نہ جائے۔ اس لیے آپ نے سوال کو دل میں رکھ کر فرمایا یہ میرا رب ہے' اور آپ کا منشا تھا' کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ توجیہات اس لیے ضروری ہیں کہ نبی ایک آن کے لیے بھی حقیقتاً ستارہ کو اپنا رب نہیں کہہ سکتا اور نہ کبھی اسے اللہ تعالیٰ کی توحید میں تردد ہو سکتا ہے' ہر نبی پیدائشی مومن اور نبی

ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں تصریح ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مناظرہ کرنے سے پہلے بھی مومن تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (الانبیاء: ۵۲-۵۱)

اور بے شک ہم نے پہلے ہی سے ابراہیم کو ہدایت عطا فرما دی تھی اور ہم انہیں خوب جانتے تھے اور جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسے بت ہیں جن کی پرستش پر تم جمے بیٹھے ہو۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۗ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۗ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (النحل: ۱۲۱-۱۲۰)

بے شک ابراہیم اپنی ذات میں ایک فرمانبردار امت تھے باطل سے الگ حق پر قائم رہنے والے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ۝ اس کی نعمتوں پر شکر کرنے والے' اللہ نے ان کو چن لیا اور ان کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی۔

استدلال سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا

ان آیات میں الوہیت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات کے لیے مناظرہ کا ثبوت ہے اور یہ کہ دین حق کے اثبات اور اس کی نصرت کے لیے مناظرہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ جو غروب یا غائب ہو جائے' وہ خدا نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا جسم نہیں ہو سکتا' کیونکہ اگر وہ جسم ہوتا تو وہ کسی ایک افق کے سامنے ہوتا تو دوسرے افق سے غائب ہوتا۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا صفات حادثہ کا محل نہیں ہو سکتا' کیونکہ جو محل حوادث ہو وہ متغیر ہوگا اور متغیر خدا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح غروب ہونے والا خدا نہیں ہو سکتا' کیونکہ اس میں بھی تغیر کا معنی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے' بلکہ عقائد دلائل پر مبنی ہوتے ہیں ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس استدلال کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے عقائد دلائل پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مخلوق کے احوال سے استدلال کیا جائے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ' چاند اور سورج کے غروب ہونے سے یہ استدلال کیا کہ ڈوبنے والا اور متغیر خدا نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا' انہوں نے کہا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو' سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے' میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے' کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ (الانعام: ۸۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مباحثہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے حضرت ابراہیم کو اپنے بتوں سے ڈرایا اور کہا اگر تم ہمارے خداؤں کی مخالفت کرتے رہے تو تم برص میں مبتلا ہو جاؤ گے یا تمہارے اعضاء خراب ہو جائیں گے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو' سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے۔ (جامع البیان' ج ۷' ص ۳۲۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں ان سے کیسے ڈر سکتا ہوں جن کو تم نے اللہ کا شریک قرار دیا ہے' جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان

کو شریک بنانے سے نہیں ڈرتے جن کے متعلق اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ پس ہر دو فریق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حقدار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو۔ (الانعام: ۸۱)

یہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو جواب ہے' جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو اپنے بتوں سے ڈرایا تھا کہ اگر تم نے ان کی مذمت کرنا نہ چھوڑی تو تمہیں کوئی آفت یا مصیبت پہنچے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں ان بتوں سے کیسے ڈروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' جو کسی کو نفع پہنچانے یا اس کو ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ اگر وہ کسی چیز پر کچھ قادر ہوتے تو جس وقت میں نے ان کو کلہاڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا' اسی وقت میرا کچھ بگاڑ لیتے' اور میں ان بتوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں جو کسی نفع اور نقصان پر قادر نہیں ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون مامون اور محفوظ ہے؟ جو اس کی عبادت کرتا ہے جس کی قدرت میں نفع اور ضرر پہنچانا ہے یا وہ جو اس کی عبادت کرتا ہے جو کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا' ان ہی کے لیے بے خوفی ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ (الانعام: ۸۲)

اس مباحثہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان جو مباحثہ ہوا تھا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ سنایا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے وہی محفوظ رہے گا جس نے اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کی ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کی آمیزش نہ کی ہو' اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب ہے۔ جب انہوں نے فرمایا پس ہر دو فریق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حقدار ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا' تو وہی دنیا اور آخرت میں محفوظ اور مامون ہونے کے زیادہ حقدار ہیں' لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح ہے۔

اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے' کیونکہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مقام پر نہ رکھنا اور جو شخص غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے' وہ عبادت کو اس کے محل میں نہیں رکھتا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم" (الانعام: ۸۲) تو یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب پر بہت دشوار ہوئی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص اپنی جان پر کچھ نہ کچھ ظلم کرتا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظلم کا یہ معنی مراد نہیں ہے۔ کیا تم نے لقمان کا اپنے بیٹے کے متعلق یہ قول نہیں سنا کہ شرک ظلم عظیم ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۲' صحیح مسلم' ۱۹۷' (۱۲۴) ۳۲۰' سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۷۸' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۶۶' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۳۱' السنن الکبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۸۵' جامع البیان' جز ۷' ص ۳۳۲-۳۳۱)

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ط

یہ تھی ہماری وہ قوی دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی'

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٨٣﴾ وَوَهَبْنَا

ہم جس کو چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں، بیشک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے ○ اور ہم نے ابراہیم کو

لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ

اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا کیے، اور ہم نے سب کو ہدایت دی، اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى

اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمٰن اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور

وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى

ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں ○ اور زکریا اور یحییٰ

وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ

اور عیسیٰ اور الیاس، یہ سب صالحین میں سے ہیں ○ اور اسمٰعیل اور الیسع

وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ

اور یونس اور لوط، اور ہم نے سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی ○ اور ان کے باپ دادا

وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ

اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان سب کو صراطِ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

مستقیم کی ہدایت دی ○ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے کیے ہوئے نیک عمل ضائع ہو جاتے ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کو

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ

ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی تھی، پس اگر یہ لوگ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں تو کوئی

وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى

حرج نہیں) ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرما دیا ہے جو ان چیزوں کا انکار کرنے والی نہیں ہے○ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے

اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُلْ لَّآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا

ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں، آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ اسلام) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، یہ تو صرف

ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾ ع

تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے○

ع ١٠ ٨ ١٦

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ تھی ہماری وہ قوی دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی، ہم جس کو چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں، بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ٨٣)

مسلمانوں پر مصائب نازل ہونے کی وجوہات

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دیئے ہوئے ان تمام دلائل کی طرف اشارہ ہے، جن کا ذکر اس سے پہلی آیتوں میں آچکا ہے۔ ان کی قوم کے کافروں نے کہا تھا کہ تم ہمارے بتوں کی مخالفت کرتے ہو' اس لیے تمہیں ان کی مخالفت کی وجہ سے کوئی آفت یا مصیبت پہنچ جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کی آمیزش نہیں کی' وہی لوگ ہر قسم کی آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی آفات اور مصائب کا شکار رہتے ہیں۔ پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہو گا کہ ایمان والے دنیا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ آفات اور مصائب انسان کی اپنی بعض بداعمالیوں کے سبب سے لاحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ: ٣٠)

اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تو وہ تمہارے اپنے کرتوتوں کے سبب تمہیں پہنچی ہے اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف کر دیتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اور اس آزمائش میں ان کی استقامت اور ان کا ضبط اور صبر ان کے تقرب اور ان کے درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو جو بلند درجات عطا فرمائے گا' تو اس کی دلیل اور حجت کے طور پر آفات' مصائب اور مشکلات میں ان کی استقامت اور ان کے صبر و ضبط کو ظاہر فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُّتْرَكُوْٓا أَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ٢)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ (محض) ان کے اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ

اور ہم تم کو کچھ خوف' اور بھوک اور مال اور جان اور

نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (البقرہ: ۱۵۷-۱۵۵)

پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور آپ صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنائیے جب ان لوگوں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں' بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے صلوات اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

انبیاء علیہم السلام' علماء اور مومنین کے درجات کی بلندی

نیز اس آیت میں فرمایا ہے ہم جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے ان کے درجات بلند کرتے ہیں۔ یہ درجات ایمان' علم و حکمت اور نبوت کے درجات ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (البقرہ: ۲۵۳)

یہ سب رسول' ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کسی کو (سب پر) درجات کی بلندی عطا فرمائی ہے۔

رسولوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور علماء کے درجات کی بلندی کا بھی ذکر فرمایا ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ: ۱۱)

تم میں سے جو لوگ کامل ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا' اللہ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔

اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اجر و ثواب کے اعتبار سے ان کے درجات بلند فرمائے گا۔ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کی قوت اور غلبہ کے اعتبار سے دنیا میں بلند درجہ عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیے' اور ہم نے سب کو ہدایت دی۔ اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (الانعام: ۸۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تسلسل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اپنی نعمتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ نعمت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفار کے مقابلہ میں حجت اور دلیل کے اعتبار سے غالب اور سرخرو کیا اور دوسری نعمت یہ تھی کہ ان کے درجات بلند فرمائے اور تیسری نعمت یہ ہے کہ ان کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا' جن کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت سارہ دونوں بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس وقت حضرت لوط علیہ السلام کی طرف جاتے ہوئے ان کے پاس فرشتے آئے اور ان کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی۔ اس بشارت سے حضرت سارہ کو بہت تعجب ہوا۔ انہوں نے کہا

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ○ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ

سارہ نے کہا ہائے افسوس! کیا میں بچہ جنوں گی' حالانکہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرے شوہر (بھی) بوڑھے ہیں' بے شک یہ عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے حکم سے

عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ (ھود: ۷۳-۷۲) تعجب کرتی ہو! اے ابراہیم کے اہل بیت' تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں' بے شک وہی ہے تعریف کیا ہوا بڑی بزرگی والا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق کے نبی ہونے کی بشارت دی:

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (الصّٰفّٰت: ۱۱۲) اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق کے بعد حضرت سارہ کو (ان کے پوتے) حضرت یعقوب کی بشارت دی:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ (ھود: ۷۱) اور ہم نے سارہ کو اسحٰق کی بشارت دی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی۔

حضرت ابراہیم کی اولاد میں حضرت اسماعیل کو ذکر نہ کرنے کی وجہ

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے حضرت اسحٰق کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں فرمایا' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کے بوڑھے ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کا ظہور اول حضرت اسحٰق کی پیدائش سے ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس جگہ انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر کرنا مقصود ہے اور بنو اسرائیل کے تمام انبیاء حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب کی اولاد سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں' ان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو نبوت اور حکمت سے نوازا تھا اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت بڑی نعمت ہے' ان کے جد اکرم نبی تھے۔ وہ خود بھی نبی تھے اور ان کی اولاد میں بھی انبیاء علیہم السلام ہیں۔ حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت یوسف' حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام یہ سب ان کی ذریت طیبہ ہے:

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (آل عمران: ۳۴) ان میں سے بعض' بعض کی اولاد ہیں۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ من ذریتہ کی ضمیر حضرت ابراہیم کی طرف راجع ہے یا حضرت نوح کی طرف۔ اگر یہ ضمیر حضرت نوح کی طرف راجع ہو تو اس آیت کا معنی ہو گا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت ایوب' حضرت یوسف' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اگر یہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہو تو یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد قرار پائیں گے۔ اس اعتبار سے تو یہ مناسب ہے' کیونکہ اس کلام کا سیاق و سباق حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نعمتوں کا بیان ہے اور یہ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ یہ سارے انبیاء علیہم السلام ان کی اولاد ہیں' لیکن اس پر اعتراض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صلبی بیٹے نہیں ہیں' بلکہ وہ ان کی بیٹی حضرت مریم کے بیٹے ہیں اور دور کی پشتوں میں جا کر آپ کے نواسے ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی اولاد کا اطلاق کس طرح درست ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے۔ اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ ہم آیت ۸۵ کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس یہ سب صالحین میں سے ہیں۔ (الانعام: ۸۵)

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ من ذریتہ کی ضمیر کا مرجع حضرت نوح ہیں یا حضرت ابراہیم۔

ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء المتوفی ۲۰۷ھ نے لکھا ہے یہ ضمیر حضرت نوح کی طرف راجع ہے۔ (معانی القرآن' ج ۱' ص ۳۴۲)

نواسوں کا اولاد میں داخل ہونا

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ ابوالاسود سے روایت کرتے ہیں کہ حجاج نے یحییٰ بن یعمر کو بلا کر کہا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ حضرت حسن اور حضرت حسین نبی ﷺ کی اولاد ہیں۔ کیا قرآن مجید میں اس پر کوئی دلیل ہے؟ میں نے اول سے آخر تک قرآن مجید پڑھا' مجھے اس پر کوئی دلیل نہیں ملی! یحییٰ بن یعمر نے کہا تم نے سورۃ الانعام کی یہ آیت نہیں پڑھی ومن ذریته الی قوله ویحیی وعیسی اس نے کہا کیوں نہیں! انہوں نے کہا کیا حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم کی اولاد نہیں ہیں' حالانکہ ان کا کوئی باپ نہیں ہے۔ حجاج نے کہا آپ نے سچ کہا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۳۵' مطبوعہ نزار مصطفیٰ' ریاض' ۱۴۱۷ھ)

ابو اسحٰق ابراہیم الزجاج المتوفی ۳۱۱ھ نے لکھا ہے' جائز ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں۔

(معانی القرآن واعرابہ للزجاج' ج ۲' ص ۲۶۹' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ من ذریته کی ضمیر کا ابراہیم کی طرف لوٹنا بھی جائز ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ ان انبیاء میں حضرت لوط علیہ السلام کا بھی ذکر ہے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں' بلکہ وہ ان کے بھتیجے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کے بھانجے ہیں اور جو شخص ماموں پر باپ کا اطلاق کرتا ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور یہ بہت مناسب ہے۔

(المحرر الوجیز' ج ۶' ص ۹۷' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ' مکہ مکرمہ)

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ ماموں بھی والد ہے اور چچا بھی والد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی ان کے ماموں کی طرف نسبت کی ہے اور فرمایا "ومن ذریته (الی قوله) وزکریا ویحیی وعیسی والیاس کل من الصلحین.

(تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۳۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' ریاض' ۱۴۱۷ھ)

نواسوں کو اولاد میں شمار کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ یہ مذکور انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اس آیت میں حضرت یونس اور حضرت لوط علیہما السلام کا ذکر بھی کیا گیا اور وہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں' حضرت لوط ان کے بھتیجے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے بھانجے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی طرف منسوب ہیں' اگرچہ ان میں بعض انبیاء ایسے ہیں جو ماں اور باپ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے نہیں ہیں' کیونکہ حضرت لوط' حضرت ابراہیم کے بھائی کے بیٹے ہیں اور عرب چچا کو باپ کہتے ہیں' جیسا کہ قرآن مجید نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے نقل فرمایا ہے' انہوں نے کہا

نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَ — ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ

اِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ (البقرہ: ۱۳۳) دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے۔ . . .

حالانکہ حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے شمار فرمایا ہے، حالانکہ وہ ان کی بیٹی کے بیٹے ہیں، اسی بناء پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد نبی ﷺ کی ذریت ہے اور جو فقہاء بیٹیوں کی اولاد کو بھی اولاد میں داخل کرتے ہیں، وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں اور ان کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو لے کر آئے اور ان کو منبر پر چڑھایا، پھر آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اسی کے سبب سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(صحیح البخاری، ج ۴، رقم الحدیث: ۳۶۲۹، سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۷۹۸، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۶۶۲، سنن النسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۴۰۹، صحیح ابن حبان، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۶۹۶۴، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۰۴۰۷، طبع جدید، مسند احمد، ج ۵، ص ۵۱، ۴۴، طبع قدیم، المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۵۹۰، مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۷۵)

ہمیں کسی کے متعلق یہ علم نہیں ہے کہ اس نے بیٹیوں کی اولاد پر ان کے نانا کی اولاد کے اطلاق کو ناجائز کہا ہو اور لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ولد (بیٹا) کا لفظ تولد سے مشتق ہے اور وہ لامحالہ اپنی ماں کے باپ سے متولد ہیں۔ سو قرآن مجید کی آیت "ومن ذریتہ" (الانعام: ۸۴) اس حدیث اور لغت سے یہ ثابت ہے کہ کسی شخص کی بیٹی کی اولاد پر بھی اس شخص کی اولاد کا اطلاق ہوتا ہے، اس سے حسب ذیل مسئلہ متفرع ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے کسی جائیداد کو وقف کیا تو اس میں اس کی بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہوگی، اسی طرح جب کسی شخص نے اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کی تو اس میں بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم کو قرابت شامل ہے، اور ان کے نزدیک اس وصیت سے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کے بیٹے ساقط ہو جائیں گے، کیونکہ وہ محرم نہیں ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم اور اس کے غیر کو قرابت شامل ہے، سو ان کے نزدیک اس وصیت سے چچا کا بیٹا اور اس کا غیر ساقط نہیں ہوگا، اور امام مالک کے نزدیک اس وصیت میں بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی اور اس کا اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وصیت کرنے کی مثل ہے اور اس وصیت میں بیٹے کی اولاد داخل ہوگی اور بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی۔ امام شافعی کا بھی ایک قول اسی طرح ہے۔

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ (النساء: ۱۱) اللہ تمہاری اولاد (کے حصوں) کے متعلق حکم دیتا ہے۔

تمام مسلمان اس آیت کا یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں اولاد سے مراد صلبی اولاد ہے اور خصوصاً بیٹا مراد ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِى الۡقُرۡبٰى (الانفال: ۴۱) رسول کے لیے اور اس کے قرابت داروں کے لیے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ حصص قرابت داروں میں سے چچا کو دیئے ماموں کو نہیں دیئے اسی طرح عرف میں بیٹیوں کی اولاد ان کے نانا کی طرف منسوب نہیں کی جاتی اور شجرہ نسب میں وہ نانا کے ساتھ نہیں ملتی۔

(الجامع لاحکام القرآن ' جز ۷ ' ص ۳۰ ' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

بیٹی کی اولاد پر اولاد کے اطلاق اور اولاد میں اس کے داخل ہونے پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ (آل عمران: ۶۱)

پھر (اے رسول مکرم!) آپ کے پاس وحی آنے کے بعد بھی جو لوگ حضرت عیسیٰ کے متعلق بحث کریں تو آپ (ان سے) کہیں ' آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلالیں اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے آپ کو اور تم اپنے آپ کو ' پھر ہم عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے بیٹوں کے لیے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا تھا اس سے واضح ہوا کہ بیٹی کی اولاد بھی اولاد میں داخل ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ ' امام سعید بن منصور ' امام عبد بن حمید ' امام ابن جریر اور امام ابو نعیم شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ اہل نجران عیسائیوں کی ایک بڑی قوم تھے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق ایک سنگین بات کہی اور وہ نبی ﷺ سے اس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے ' تو اللہ تعالیٰ نے ان سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا۔ صبح کو نبی ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت حسن ' حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں ' تو انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر صلح کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے رب نے بشارت دی تھی حتیٰ کہ درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں نے بھی کہ اگر یہ مباہلہ کرتے تو تمام اہل نجران ھلاک ہو جاتے۔

امام مسلم ' امام ترمذی ' امام ابن المنذر ' امام حاکم اور امام بیہقی نے (اپنی سنن میں) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "قل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم" تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ' حضرت فاطمہ ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا اے اللہ! یہ سب میرے اہل بیت ہیں۔

(در منثور ' ج ۲ ' ص ۲۳۳-۲۳۲ ' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت ' ۱۴۱۴ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بیٹی کی اولاد کو بیٹا کہنا ' یہ نبی ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اور ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) کے اس مسئلہ میں مختلف فتوے ہیں اور میرا رجحان یہ ہے کہ بیٹی کی اولاد ' اولاد میں داخل ہے۔

(روح المعانی ' جز ۷ ' ص ۲۱۴ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ' بیروت)

حضرت الیاس کا نسب اور ان کا مصداق

حضرت الیاس علیہ السلام کے نسب اور ان کے مصداق میں اختلاف ہے۔ امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ادریس الیاس ہیں اور اسرائیل یعقوب ہیں۔

اور اہل انساب نے یہ کہا ہے کہ ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے جد (دادا) ہیں۔ وھب بن منبہ سے اسی طرح مروی ہے' کیونکہ اس آیت میں حضرت الیاس کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت قرار دیا ہے تو پھر وہ حضرت ادریس کیسے ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ حضرت ادریس علیہ السلام تو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں' اس لیے اہل انساب کا قول صحیح ہے۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۳۴۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت ادریس ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۳۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم نے یہ وہم کیا ہے کہ الیسع ہی الیاس ہیں' حالانکہ اس طرح نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ وھب بن منبہ نے کہا کہ حضرت الیسع حضرت الیاس کے شاگرد ہیں اور یہ دونوں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے گزرے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت ادریس ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ حضرت ادریس حضرت نوح کے دادا ہیں اور حضرت الیاس ان کی اولاد میں سے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت خضر ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں' بلکہ حضرت الیسع حضرت خضر ہیں۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۳۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے حضرت الیاس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے' الیاس بن لیس بن فنحاص بن العیزار بن ہارون۔ یہ وہ ہارون ہیں جو حضرت موسیٰ بن عمران علیہم السلام کے بھائی ہیں۔ قتیبی نے نقل کیا ہے کہ حضرت الیاس حضرت یوشع کے نواسے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل کے نواسے ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے کہا وہ ادریس ہیں' اور امام ابن اسحاق نے حضرت ادریس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے' ادریس بن یرد بن مھلائیل' بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت نوح اور حضرت ادریس کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔ (روح المعانی' جز ۷' ص ۲۱۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط اور ہم نے سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی اور ان کے باپ دادا اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان سب کو صراط مستقیم کی ہدایت دی ○ (الانعام: ۸۷-۸۶)

علامہ قرطبی نے وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت الیسع حضرت الیاس کے صاحب تھے اور یہ دونوں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے گزرے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں ایک نوع کی مناسبت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے چار نبیوں کا ذکر فرمایا اور وہ حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام ہیں۔ پھر ان کی اولاد میں سے چودہ نبیوں کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہیں۔ حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت ایوب' حضرت یوسف' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ' حضرت الیاس' حضرت اسماعیل' حضرت الیسع' حضرت یونس اور حضرت لوط علیہم السلام اور یہ کل اٹھارہ نبیوں کا ذکر ہے۔

جب متعدد شخصیات کا ذکر ہو تو ان کے درمیان ترتیب یا تو سنین وفات کے اعتبار سے ہوتی ہے اور یا فضل اور شرف کے اعتبار سے ترتیب ہوتی ہے۔ امام رازی نے یہاں ترتیب کی ایک اور وجہ بیان کی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حصول ہے' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا پہلے ذکر فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک' سلطنت اور قدرت کی عظیم نعمت عطا فرمائی تھی۔ پھر حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا' انہیں مصائب میں صبروضبط اور آزمائش میں ثابت قدم رہنے کی بہت بڑی نعمت عطا فرمائی تھی اور ان کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا' وہ ان دونوں نعمتوں کے جامع ہیں۔ پہلے انہوں نے سخت مصائب برداشت کیے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک اور سلطنت سے نوازا۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام پر نعمتوں کا دوسرا سلسلہ ہے۔ وہ ان کے معجزات کی قوت اور ان کے دلائل اور براہین کی کثرت ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو یہ نعمت پوری طرح حاصل تھی۔ لہٰذا ان کا ذکر فرمایا' اس کے علاوہ نعمت کی ایک قسم ہے دنیا سے ترک تعلق کر کے زاہدانہ زندگی گزارنا اور حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس اس نعمت کے حامل ہیں' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو صالحین کے وصف کے ساتھ متصف کیا ہے۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ایک وہ نوع ہے' جن کے دنیا میں پیروکار باقی نہیں رہے' اور وہ یہ ہیں۔ حضرت اسماعیل' حضرت الیسع' حضرت یونس اور حضرت لوط علیہم السلام۔ ان انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں یہ ایک عمدہ مناسبت ہے جس کو امام رازی نے مستنبط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' ہم نے ان کو ہدایت دی' اس کا معنی ہے ہم نے ان کو جنت کے راستوں کی طرف ہدایت دی' یا اس کا معنی ہے ہم نے ان کو احکام شرعیہ پر عمل کرنے اور محاسن اخلاق کو حاصل کرنے کی ہدایت دی۔

انبیاء علیہم السلام کا ملائکہ سے افضل ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے ان (سب) انبیاء کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں' کیونکہ عالم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود کو شامل ہے اور ملائکہ بھی عالمین میں داخل ہیں۔ سو اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں اور اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے لیے سجدہ کا حکم دیا جائے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء کی تعلیم دی اور پھر فرشتوں سے ان چیزوں کے متعلق سوال فرمایا اور جب وہ ان چیزوں کے نام نہ بتا سکے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا آپ انہیں ان چیزوں کے نام بتائیں اور جب حضرت آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام بتا دیئے تو فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ سورۂ بقرہ ۳۴-۳۰ میں یہ واقعہ مذکور ہے اور اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی فرشتوں سے افضل ہوتا ہے' اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں شہوت اور غضب کو رکھا ہے جو علمی اور عملی کمالات کے حصول سے مانع ہیں' پھر اس میں نجی' خانگی اور تمدنی ضروریات اور حاجات رکھی ہیں اور کمزوریاں اور بیماریاں رکھی ہیں جو فضائل اور محاسن کے حصول سے مانع ہوتی ہیں اور فرشتوں کے اندر ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ ہر وقت تسبیح' تہلیل اور عبادت کرتے ہیں اور ان کے لیے کوئی چیز مانع اور حائل نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مشاغل' صوارف اور موانع کے باوجود معرفت الٰہی اور عبادات میں کمال حاصل کرنا زیادہ اخلاص اور فضیلت کا موجب ہے۔ اس لیے عام اور خاص ملائکہ سے انبیاء علیہم السلام افضل ہیں اور عام ملائکہ سے کامل مسلمان اور عبادت گزار مومنین افضل ہیں' لیکن وہ خاص ملائکہ یعنی رسل ملائکہ سے افضل نہیں ہیں' بلکہ رسل ملائکہ ان سے افضل ہیں اور فساق' فجار اور کفار سے عام ملائکہ بھی افضل ہیں۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام اولیاء سے افضل ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام کو العلمین پر فضیلت دی ہے اور العلمین میں اولیاء کرام بھی داخل ہیں۔

بہ ظاہر اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ سے بھی افضل ہوں' کیونکہ اس میں فرمایا ہے ہم نے ان (سب) کو العلمین پر فضیلت دی ہے اور العلمین میں ہمارے نبی بھی داخل ہیں۔ اس لیے مفسرین نے اس آیت میں یہ قید لگائی ہے کہ ان سب کو اپنے اپنے زمانوں میں تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے' ان کے علاوہ قرآن مجید میں سات انبیاء علیہم السلام کا اور ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہیں: حضرت آدم' حضرت ادریس' حضرت ھود' حضرت ذوالکفل' حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

ان آیتوں میں اس پر دلیل ہے کہ جس رسول نے سب سے پہلے حلال اور حرام اور دیگر شرعی احکام بیان کیے' وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے کیے ہوئے نیک اعمال ضائع ہو جاتے O یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی تھی۔ پس اگر یہ لوگ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں (تو کوئی حرج نہیں) ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرما دیا ہے جو ان چیزوں کا انکار کرنے والی نہیں ہے۔ (الانعام: ٨٩-٨٨)

اللہ کی ہدایت

یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ اس سے مراد وہ ہدایت ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل علیہم السلام کو ہدایت دی ہے اور ان کو دین حق کے ساتھ متصف ہونے کی توفیق دی ہے' جس کے سبب سے انہوں نے دنیا اور آخرت کی عزت اور کرامت کو حاصل کیا اور اللہ کی ہدایت کا معنی ہے اللہ کی توحید کا اقرار کرنا' ہر قسم کے شرک سے دائماً مجتنب رہنا اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنا۔ پھر فرمایا (بہ فرض محال) اگر ان نبیوں اور رسولوں نے بھی شرک کیا تو ان کے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے' کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کی آمیزش کے ساتھ کسی نیک عمل کو قبول نہیں فرماتا۔ اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے لیے تعریض ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام سے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اگر انہوں نے بالفرض شرک کیا تو ان کے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے تو ان کی امتیں کس گنتی شمار میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' یہ وہ انبیاء ہیں جن کو ہم نے کتابیں دی ہیں ان کتابوں سے مراد حضرت ابراہیم کے صحیفے ہیں اور حضرت موسیٰ کی تورات ہے' حضرت داؤد کی زبور ہے اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوۃ والسلام کی انجیل ہے اور حکم سے مراد ہے کتاب اللہ میں مذکور احکام کی فہم اور معرفت' اور نبوت کا معنی ہے اللہ کی طرف سے غیب کی خبریں اور احکام شرعیہ حاصل کر کے بندوں تک پہنچانا۔

پھر فرمایا اگر اہل مکہ نے میری کتاب کی ان آیات کا کفر اور انکار کیا تو میں نے ان آیات پر ایمان لانے کے لیے ایسی قوم کو مقرر کیا ہے جو اس کا انکار نہیں کریں گے۔ ابن جریج نے کہا اس قوم سے مراد اہل مدینہ اور انصار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اہل مدینہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے اہل ایمان کے لیے مدینہ میں جگہ بنا چکے تھے۔

قتادہ نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے: کہ اگر قریش نے ہماری آیات کی تکذیب کی (تو کیا نقصان ہے!) ہم نے اس سے پہلے

اٹھارہ نبیوں کا ذکر کیا ہے' جو ہماری آیات پر ایمان لانے والے ہیں۔ امام ابن جریر نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔
(جامع البیان' جز ۷' ص ۳۴۵-۳۴۲' ملخصا' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔ آپ کہئے میں اس (تبلیغ اسلام) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا' یہ تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ (الانعام: ۹۰)

نبی ﷺ کا تمام صفات انبیاء کا جامع ہونا

اس آیت کا معنی ہے اے رسول مکرم! ان نبیوں اور رسولوں نے جو عمل کیا ہے آپ اس کے مطابق عمل کریں اور جس منہاج پر یہ چلتے رہے ہیں' اس منہاج پر چلیں اور ہماری دی ہوئی ہدایت اور توفیق کے مطابق جس طرح انہوں نے زندگی گزاری ہے' آپ اس طرح زندگی گزاریں اور ان تمام نبیوں اور رسولوں کے جس قدر محاسن اور خوبیاں ہیں آپ وہ سب اپنے اندر جمع کرلیں۔ اس آیت میں نبی ﷺ کی عظیم منقبت ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں میں جو خوبیاں اور کمالات الگ الگ اور متفرق طور پر پائے جاتے تھے' وہ سب کمالات آپ کی ذات میں جمع ہو گئے' جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ حسن اخلاق کو مکمل کردوں۔
(الموطا' رقم الحدیث: ۱۶۷۷' مشکوٰۃ' رقم الحدیث: ۵۰۶۷' ۵۰۶۶)

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں صالح اخلاق کو مکمل کردوں۔

(المستدرک' ج ۲' ص ۶۱۳' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۹۲' الاستذکار' ج ۲۶' رقم الحدیث: ۳۸۹۳۲' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۸۹۳۲' شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۸۱' طبع قدیم' کنز العمال ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۱۹۶۹)

امام احمد بن عمر عتیکی بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے صرف مکارم اخلاق کو پورا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

(مسند البزار' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۴۷۰' المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۸۹۱' علامہ الہیثمی نے کہا امام بزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد' ج ۹' ص ۱۵' طبرانی کی روایت میں ایک راوی ضعیف ہے' الدر المنثورہ' رقم الحدیث: ۱۶۸)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہمارے رسول ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ صفات کمال اور خصال شرف ان میں متفرق ہیں۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نعمت پر بہت شکر کرنے والے تھے' اور حضرت ایوب علیہ السلام آزمائشوں پر بہت صبر کرنے والے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام صبر اور شکر کے جامع تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قوی شریعت کے بانی اور غالب معجزات کے حامل تھے اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس علیہم السلام زہد میں راسخ قدم رکھتے تھے۔ حضرت اسماعیل پر صدق غالب تھا اور حضرت یونس اللہ

کی بارگاہ میں بہت گڑگڑا کر دعا کرنے والے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء علیہم السلام کا یہاں ذکر فرمایا ہے' ان میں سے ہر ایک پر شرف اور فضیلت کی کوئی نہ کوئی صفت غالب تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ وہ ان تمام انبیاء کی اتباع کریں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ عبودیت اور اطاعت کی کل صفات جو ان تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں' آپ تمام ان صفات سے متصف ہو جائیں اور خصائل رفیعہ اور شمائل جمیلہ کو اپنی ذات میں جمع کر لیں' اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تو یہ محال ہے کہ آپ ان صفات کمال کے حصول میں کوئی کوتاہی کریں۔ پس ثابت ہوا کہ شرف اور فضیلت کی یہ تمام صفات آپ کی ذات میں جمع ہو گئیں اور جو کمال تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق تھے' وہ سب آپ کی ذات مبارکہ میں جمع ہو گئے۔ لہٰذا یہ کہنا واجب ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ (تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ' ج ۱۳' ص ۱۷' مطبوعہ مصر)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہیے میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اس سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء سابقین علیہم السلام کی سیرت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سیرت یہ تھی کہ وہ دین کو پہنچانے اور شریعت کی تبلیغ کرنے پر اجر اور معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتے تھے تو آپ نے بھی ان کے طریقہ کی پیروی کی اور فرمایا میں دین کے پہنچانے کے عوض تم سے کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتا اور یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے' یعنی تمام انسانوں کو اپنی دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کے لیے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے' وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تمام دنیا کے انسانوں کی طرف مبعوث ہیں' نہ کہ کسی ایک قوم کی طرف۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا' جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں

شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى

کیا' آپ کہیے پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لائے تھے' وہ لوگوں کے لیے نور اور

لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَ

ہدایت تھی' تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنا لیے' تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو' اور

عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ

تمہیں وہ علم دیا گیا جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا' آپ کہیے اللہ (ہی نے اس کتاب کو نازل کیا ہے) پھر ان کو ان

فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۹۱ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ

کی کج بحثی میں کھیلنے کے لیے چھوڑ دیں ○ یہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والی ہے' یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں کی

الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِیْنَ

کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد ونواح کے لوگوں کو (عذاب سے) ڈرائیں اور ان

یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے اور اس کتاب پر (بھی) ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ○

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے

وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ

حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل

اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

کی ہے، اور (اے مخاطب!) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے

بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ

ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا

الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ

دی جائے گی کیوں کہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے

اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

تکبر کرتے تھے ○ اور بےشک تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ

(تنہا) پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان

شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ

سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم یہ گھمنڈ کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں ہمارے

بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع

شریک ہیں، بے شک تمہارا باہمی تعلق ٹوٹ گیا اور جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے وہ تم سے جاتے رہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ آپ کہئے: پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لائے تھے؟ وہ لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی، تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنا لیے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو، اور تمہیں وہ علم دیا گیا ہے جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہئے: اللہ (ہی نے اس کتاب کو نازل کیا ہے) پھر ان کو ان کی کج بحثی میں کھیلنے کے لیے چھوڑ دیں۔ (الانعام: ۹۱)

مناسبت اور شان نزول

قرآن مجید کا موضوع توحید، رسالت اور آخرت کو ثابت کرنا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان کردہ دلائل توحید کو نقل فرمایا پھر ان کو مزید مستحکم فرمایا اور اب اللہ تعالیٰ نے رسالت کے اثبات کے لیے دلائل کو ذکر فرمایا۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے یا مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ یہودیوں کے متعلق نازل ہونے پر یہ قرینہ ہے کہ نبوت اور رسالت کے یہود معتقد تھے، اس لیے اس آیت میں جو معارضہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں ہوتی تو بتاؤ: موسیٰ پر تورات کیسے نازل ہوئی؟ یہ معارضہ صرف یہود پر ہی حجت ہو سکتا ہے، مشرکین تو نبوت اور رسالت کے معتقد نہیں تھے۔ تاہم اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ بعض مشرکین اہل کتاب سے سن کر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی رسالت کے معتقد تھے، وہ صرف سیدنا محمد ﷺ کی رسالت ماننے سے انکار کرتے تھے اور مشرکین کے متعلق اس آیت کے نزول پر یہ قرینہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور پوری سورت یکبارگی نازل ہوئی ہے اور یہود سے نبی ﷺ کے مناظرے مدینہ منورہ میں ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ آیت مشرکین ہی سے متعلق ہے، لیکن اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ ایک آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اور نبی ﷺ نے اس آیت کو اس سورت میں رکھوا دیا اور روایات دونوں کے متعلق ہیں۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ مالک بن صیف نام کا ایک یہودی نبی ﷺ کے ساتھ بحث کر رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات کو نازل کیا ہے۔ کیا تم نے تورات میں یہ نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو ناپسند کرتا ہے اور وہ موٹا عالم تھا، وہ غضب ناک ہو گیا، اس نے کہا بہ خدا اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان، جز ۷، ص ۳۴۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اور مشرکین کے متعلق یہ روایت ہے:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ مشرکین قریش نے یہ کہا تھا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، تو اللہ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل کی۔ (جامع البیان، جز ۷، ص ۳۴۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا آخری حصہ جس میں یہ مذکور ہے تم نے اس کے الگ کاغذ بنا لیے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر

حصہ کو چھپالیتے ہو یہ اس روایت کو مسترد کرتا ہے' کیونکہ تورات میں تحریف کرنا بہرحال یہودیوں کا کام تھا۔ مشرکین کا کام نہیں تھا' اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

تورات میں تحریف کے متعلق امام رازی کا موقف اور بحث و نظر

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں تورات کو نور اور ہدایت فرمایا ہے اور یہاں نور سے مراد نور معنوی ہے اور ہدایت بھی نور معنوی ہے اور ان میں فرق یہ ہے کہ پہلی جگہ نور سے مراد اس کا فی نفسہ ظاہر ہونا ہے اور دوسری جگہ اس سے مراد دوسروں کے لیے مظہر ہونا ہے۔

اس کے بعد فرمایا تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنا لیے' تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپالیتے ہو اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر کتاب کو کاغذوں میں محفوظ کیا جاتا ہے تو اگر یہود نے تورات کو کاغذوں میں محفوظ کر لیا تھا تو ان کی مذمت کس وجہ سے کی جارہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مذمت کاغذوں میں محفوظ کرنے کی وجہ سے نہیں ہے' بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کتاب کے دو حصے کر دیئے تھے۔ ایک حصہ لوگوں پر ظاہر کرتے تھے اور اس کا اکثر حصہ چھپا لیتے تھے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہود تورات کو چھپانے پر کیونکر قادر تھے؟ جبکہ وہ مشرق اور مغرب میں پھیل چکی تھی اور بہت سے لوگوں نے اس کو حفظ کر لیا تھا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر اب کوئی شخص قرآن مجید سے کچھ آیتوں کو چھپانا چاہے تو اس پر قادر نہیں ہو سکے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تورات میں تحریف کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی آیات کی من گھڑت اور باطل تفسیر کی تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ سیدنا محمد ﷺ کے متعلق تو تورات میں بہت کم آیات تھیں' اگر آیات کو چھپانے سے مراد ان کا صحیح محمل چھپانا اور ان میں باطل تاویل کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا ہے کہ تم اس میں سے اکثر حصہ کو چھپالیتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود بعض احکام کی آیات میں بھی باطل تاویل کرتے تھے۔ مثلاً رجم کی آیت کی باطل تاویل کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۶۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ج ۱۳' ص ۷۹' مطبوعہ مصر)

یہ امام رازی کی تقریر ہے لیکن اس پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے متعلق اور رجم کے متعلق مل کر بھی آیات بہت قلیل ہیں' جبکہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ تم اس کا اکثر حصہ چھپالیتے ہو۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہودی تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی تحریف بھی کرتے تھے اور امام رازی کا اس کو قرآن مجید پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ کسی دور میں بھی تورات کی اشاعت قرآن مجید کی طرح نہیں ہوئی اور نہ اس کے قرآن مجید کی طرح حافظ ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید سے کسی آیت کا چھپالینا ممکن نہیں ہے اور تورات سے کچھ چھپالینا کچھ دشوار نہ تھا' خصوصاً جس زمانہ میں قرآن کریم نازل ہوا اس سے پہلے کیونکہ اس وقت نشرو اشاعت کے اتنے ذرائع اور وسائل نہ تھے اور یہودیوں کی تعداد اس وقت بھی دنیا میں بہت کم تھی اور وہ شرق و غرب میں پھیلے ہوئے نہ تھے' اس لیے قرآن مجید کے الفاظ کو بلاوجہ ان کے ظاہری اور حقیقی معنی سے ہٹانا اور آیات کے چھپانے کو باطل تاویل پر محمول کرنا ہماری رائے میں درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

آیت مذکورہ کا منسوخ نہ ہونا

اس کے بعد فرمایا آپ کہیے "اللہ" اس کا معنی یہ ہے کہ عقل سلیم یہ شہادت دیتی ہے کہ جو کتاب ہدایت اور نور ہے' اور

جس کی تائید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے قوی معجزات لے کر آئے ہوں' اس کو نازل کرنے والا اللہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ اور یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص وجود باری پر استدلال کرتے ہوئے کہے وہ کون ہے جو مردہ میں جان ڈالتا ہے؟ وہ کون ہے جو لاعلمی کے بعد علم پیدا کرتا ہے؟ وہ کون ہے جس نے آنکھ کے ڈھیلے میں بینائی رکھی؟ وہ کون ہے جس نے کان کے سوراخ میں سماعت رکھی؟ پھر وہ کہنے والا خود کہے: اللہ' اور اس سے متصور یہ ہے کہ جب کلام یہاں تک پہنچے گا تو ہر صاحب عقل اعتراف کرے گا کہ اس فعل کا فاعل اللہ ہی ہے' اور اخیر میں فرمایا پھر ان کو ان کی کج بحثی میں کھیلنے کے لیے چھوڑ دیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ نے ان کے خلاف حجت پوری کر دی اور ان کے تمام شکوک و شبہات کو زائل کر دیا اور ان کو عذاب خداوندی سے ڈرا چکے تو آپ اپنی ذمہ داری پوری کر چکے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (الشوریٰ: ۴۸)

پس اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا' آپ کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت' آیت قتال سے منسوخ ہے۔ یہ قول بعید ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان کو ان کی کج بحثی کے لیے چھوڑ دیں یہ ارشاد بطور تہدید ہے اور یہ حصول قتال کے منافی نہیں ہے' لہٰذا اس آیت کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی قدر ناشناسی

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہ کی جس طرح قدر کرنے کا حق تھا' جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ امام رازی نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ یہود نے نبوت اور رسالت کا انکار کیا اور جس نے نبوت اور رسالت کا انکار کیا' اس نے رسولوں کے بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر طعن کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت سے جہالت ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کرنے کا۔

اخفش نے کہا اس آیت کا معنی ہے انہوں نے اللہ کی کماحقہ معرفت حاصل نہیں کی اور حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ تعظیم نہیں کی۔ ہمارا یہ دور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناقدری اور ان کی تعظیم نہ کرنے کا دور ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض واعظین اولیاء اللہ کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھا دیتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ خضر ولی تھے اور حضرت موسیٰ نبی تھے۔ اور حصول علم کے لیے نبی کو بھی ولی کے پاس جانا پڑتا ہے' حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے' جیسا کہ ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سادس میں بیان کیا ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ حضرت زکریا کو جب بیٹے کی طلب ہوئی تو وہ ایک ولیہ حضرت مریم کے پاس گئے' اور وہاں دعا کی تو ان کی دعا قبول ہوئی' حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت زکریا جب اس طرف متوجہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم کو بے موسمی پھل دے رہا ہے تو ان کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا جو بے موسمی پھل دے سکتا ہے' وہ مجھے بڑھاپے میں اولاد بھی دینے پر قادر ہے۔ اور پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے دعا کی' اس طرح اولیاء اللہ کی شان میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتا ہے' جو لوگ میری ذات سے محبت رکھتے ہیں' ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے اور ان پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۹۷' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۲۱۳۱' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۵۷۷' المعجم الکبیر' ج ۲۰' رقم الحدیث: ۱۴۴' حلیۃ الاولیاء' ج ۲' ص ۱۳۱)

حالانکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ انبیاء اور شہداء بھی ان کی تحسین کریں گے' یہ اس بات کی چند مثالیں ہیں کہ آج کل کے واعظین اولیاء اللہ کو نبی اور رسول سے بڑھا دیتے ہیں اور اب چند مثالیں اس امر کی بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیتے ہیں۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

امام دار قطنی اور امام ابن شاہین نے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے کہ جنگ احد میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ نکل کر رخسار پر گر گئی' نبی ﷺ نے اس آنکھ کو لوٹا دیا اور وہ دونوں آنکھوں میں زیادہ تندرست اور صحیح آنکھ تھی۔

(الاصابہ' ج ٣' ص ٢٢٥' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٣٩٨ھ)

اس دور کے واعظین اس حدیث میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی آنکھ میں وہ روشنی نہیں تھی جو مصطفیٰ ﷺ کی دی ہوئی آنکھ میں تھی۔ (العیاذ باللہ) حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنے کے لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ آنکھیں تو دونوں ہی خدا کی دی ہوئی تھیں' لیکن پہلی آنکھ ماں باپ کے واسطے سے ملی تھی اور دوسری آنکھ سرور دو عالم ﷺ کے ہاتھوں سے ملی تھی۔ اسی طرح بعض لوگ کلمہ طیبہ میں اللہ کا نام پہلے اور رسول اللہ ﷺ کا نام بعد میں لینے کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے اللہ کا نام لینے سے زبان پاک ہو جائے گی' پھر اس زبان سے نام محمد لیا جائے۔ حالانکہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک قرآن مجید کو کسی ناپاک مرد یا عورت (خواہ جنبی ہو' محتلم ہو یا حائض و نفساء ہو) کا زبان سے پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح جنبی اور بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا بھی حرام ہے اور ادب و احترام کی وجہ سے احادیث کو ان حالتوں میں نہ پڑھنا اور نہ چھونا ایک الگ بات ہے' لیکن اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس کی ممانعت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ ادب اور احترام اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے نام کا ہے' اور کلمہ طیبہ میں اللہ کے نام کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تقدم کی جتنی بھی وجوہ یہاں ہو سکتی ہیں' تقدم بالذات ہو' تقدم بالشرف ہو یا تقدم بالذکر ہو' ہر وجہ سے اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ پر مقدم ہے۔

اسی طرح ایک شعر ہے:

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد
محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

اول تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ میں اختیارات کا تقابل کرنا ہی غلط اور باطل ہے۔ پھر یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کی طاقت اور اقتدار اور آپ کا اختیار اللہ کے اختیار اور اقتدار سے زیادہ ہے۔ (معاذ اللہ) خالص کفر اور زندیقی ہے۔ "وما قدروا اللہ حق قدرہ" ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا کر نہ اسلام کی کوئی خدمت کی ہے' نہ رسول اللہ ﷺ کو خوش اور راضی کیا ہے اور دلائل کے اعتبار سے بھی یہ مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ ابو طالب' ابو لہب اور دیگر کفار اور مشرکین کو دائمی عذاب میں مبتلا کرے گا اور رسول اللہ ﷺ ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے اور ان کو دائمی عذاب سے نہیں چھڑائیں گے اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو دیکھ کر ایک مرتبہ نبی ﷺ نے تیوری چڑھائی اور پیٹھ پھیر لی تو اللہ تعالیٰ نے سورہ عبس نازل فرمائی اور آپ کو ان کی طرف توجہ نہ کرنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ (عبس: ١٠-٨)

اور جو دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا' اور وہ اپنے رب سے ڈر رہا ہے' تو آپ اس سے بے توجہی کرتے ہیں!

یاد رکھیے رسول اللہ ﷺ ایسی تعریف سے کبھی خوش نہیں ہوں گے بلکہ اس کے برعکس ناراض اور رنجیدہ ہوں گے' جس تعریف میں آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بڑھانے کا وہم ڈالا جائے یا اس کا تصور دیا جائے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

جبیر بن محمد اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگ مشقت میں پڑ گئے اور بچے ضائع ہو گئے اور مال لوٹ لیے گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے' آپ ہمارے لیے بارش کی دعا کیجئے۔ ہم آپ کو اللہ کی بارگاہ میں شفیع بناتے ہیں اور اللہ کو آپ کے حضور شفیع لاتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افسوس ہے! تم کو پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ بار بار سبحان اللہ' سبحان اللہ فرماتے رہے' حتیٰ کہ آپ کے اصحاب کے چہروں پر خوف کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ نے پھر فرمایا تم پر افسوس ہے اللہ کو اس کی مخلوق میں سے کسی کے پاس شفیع اور سفارشی نہیں بنایا جاتا' اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ تم پر افسوس ہے! کیا تم کو پتا ہے اللہ کی کیا شان ہے؟ اس کا عرش تمام آسمانوں پر اس طرح محیط ہے' آپ نے اپنی انگلیوں سے گنبد بنا کر دکھایا اور وہ اس طرح چرچرا رہا ہے جس طرح سواری کے بوجھ سے پالان چرچراتا ہے۔ (سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۲۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حافظ زکی الدین ابو محمد المنذری المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت بیان کرنے کے لیے یہ مثال ذکر فرمائی ہے' تاکہ سننے والے کو اللہ تعالیٰ کی بلند شان' جلالت قدر اور عظیم ذکر کا اندازہ ہو اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے پاس سفارشی نہ بنائے' ورنہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے مشابہ نہیں ہے' اور نہ وہ کسی صورت سے کیف ہے۔ (مختصر سنن ابوداؤد' ج ۷' ص ۹۶' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

ایک اعرابی نے اللہ تعالیٰ کو نبی ﷺ کے پاس سفارشی بنایا تو نبی ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے' بار بار افسوس کیا: اور سبحان اللہ' سبحان اللہ پڑھا۔ آپ سوچئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھانے کی نکتہ آفرینی کی گئی تو اس سے رسول اللہ ﷺ کو کتنا افسوس ہوگا؟

اس سے بھی بڑا ظلم یہ ہے کہ آج کل کے واعظین یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی دجلہ پر آئے اور یا اللہ کہتے ہوئے اس پر زمین کی طرح چلنے لگے' بعد میں ایک شخص آیا۔ اس کو بھی دریا کے پار جانا تھا اور کشتی کوئی نہ تھی' اس نے حضرت کو جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا میں کس طرح آؤں؟ آپ نے فرمایا یا جنید یا جنید کہتا چلا آ۔ اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا۔ جب بیچ دریا میں پہنچا تو شیطان نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلواتے ہیں۔ میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں؟ اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا' پکارا حضرت میں چلا' فرمایا وہی کہہ کہ یا جنید یا جنید! جب کہا' دریا سے پار ہوا۔ بعد میں حضرت سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا ارے نادان! ابھی تو جنید تک پہنچا نہیں اللہ تک رسائی کی ہوس ہے۔

اس حکایت کو پڑھ کر بے اختیار زبان پر یہ آیت آتی ہے "وما قدروا اللہ حق قدرہ" انہوں نے اللہ کی کماحقہ قدر اور تعظیم نہیں کی اس حکایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا جنید کہنے سے بندہ پار لگتا ہے اور یا اللہ کہنے سے ڈوب جاتا ہے اور اس میں مخلوق کے ذکر کو اللہ کے ذکر سے بڑا درجہ دینا ہے اور اس حکایت میں اللہ کے ذکر کے ارادہ کو شیطان کا وسوسہ قرار دیا ہے اور یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اس میں حضرت جنید پر بہتان ہے' اللہ کے نیک اور صالح بندے اپنے متوسلین کو اللہ کے ذکر کی تلقین کرتے ہیں' نہ کہ اپنے ذکر کی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے اس حکایت کے متعلق سوال کیا گیا' تو انہوں نے اس کا رد فرمایا۔
مسئلہ: از شفاخانہ فرید پور ڈاک خانہ خاص اسٹیشن پتمبر پور مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر' ۷ رمضان ۱۳۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جنید ایک بزرگ کامل تھے' انہوں نے سفر کیا' راستے میں ایک دریا پڑا' اس کو پار کرتے وقت ایک آدمی نے کہا کہ مجھ کو بھی دریا کے پار کر دیجئے۔ تب ان بزرگ کامل نے کہا تم میرے پیچھے یا جنید یا جنید کہتے چلے آؤ اور میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا۔ درمیان میں وہ آدمی بھی اللہ اللہ کہنے لگا' تب وہ ڈوبنے لگا' اس وقت ان بزرگ نے کہا کہ تو اللہ اللہ مت کہو' یا جنید یا جنید کہو' تب اس آدمی نے یا جنید یا جنید کہا جب وہ نہیں ڈوبا' یہ درست ہے یا نہیں اور بزرگ کامل کے لیے کیا حکم ہے اور آدمی کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔
الجواب: یہ غلط ہے کہ سفر میں دریا ملا بلکہ دجلہ ہی کے پار جانا تھا' اور یہ بھی زیادہ ہے کہ میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا اور یہ محض افترا ہے کہ انہوں نے فرمایا تو اللہ اللہ مت کہہ۔ یاجنید کہنا' خصوصاً حیات دنیاوی میں' خصوصاً جبکہ پیش نظر موجود ہیں' اسے کون منع کر سکتا ہے کہ آدمی کا حکم پوچھا جائے اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حکم پوچھنا کمال بے ادبی و گستاخی و دریدہ دہنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ' ج ۹' ص ۱۹۷' مطبوعہ مکتبہ رضویہ' کراچی)
اعلیٰ حضرت نے اس حکایت کا جو رد کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ (الملفوظ ج ۱' ص ۱۱۷' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' اور ج ۱' ص ۱۲۷' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور) میں اس حکایت کی نسبت جو اعلیٰ حضرت کی طرف کی گئی ہے اور اس کو اعلیٰ حضرت کا ملفوظ قرار دیا گیا ہے' وہ صحیح نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت کے دل میں اللہ تعالیٰ کی جو عظمت اور جلالت ہے' اس سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ ایسی حکایت بیان کریں' اس سلسلہ میں یقیناً الملفوظ کے مرتب کو سہو ہوا ہے۔ اس پر دلیل فتاویٰ رضویہ کی مذکور الصدر عبارت ہے:
وماقدروا اللہ حق قدرہ ○ (الانعام: ۹۱) اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔
اس آیت کی تفسیر میں ہم نے اپنے دور کے **واعظین** کی چند مثالیں بیان کی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور معرفت سے بے بہرہ ہیں اور وہ نبی ﷺ اور اولیاء کرام کی شان میں غلو کرنے کے لیے ان کی قدر و منزلت کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیتے ہیں اور ان کو بڑھانے کے لیے اللہ کی شان کو ان سے کم دکھاتے ہیں معاذ اللہ۔ اس تحریر سے ہمارا مقصد صرف اصلاح ہے' میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو نفع آور بنائے اور اس عاجز کو سلامتی کے ساتھ اسلام پر قائم رکھے اور عزت اور کرامت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ فرمائے اور اپنے فضل سے مغفرت فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العلمین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے' یہ برکت والی ہے' یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو (عذاب سے) ڈرائیں اور ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کتاب پر (بھی) ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (الانعام: ۹۲)

قرآن مجید کی خیر اور برکت

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس قول کو باطل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی اور جب

یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کی ہیں' تو پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے' ہم نے اس کتاب کو بہت خیر اور برکت والی بنایا ہے اور یہ سابقہ آسمانی کتابوں کی تائید' تصدیق اور حفاظت کرتی ہے۔

اس کتاب کی خیرو برکت یہ ہے کہ انسان کو علم اور عمل کی فضیلت سے دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور سب سے افضل اور اشرف علم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم ہے اور نبی کی ضرورت اور اس کے مقام و منصب اور احکام شریعت کا علم ہے اور اس علم کا متکفل قرآن مجید ہے اور سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنا اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرنا ہے' اور اس علم کا منبع بھی قرآن کریم ہے۔ سو جس نے قرآن مجید کا علم حاصل کیا اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا' اسے دین اور دنیا کی خیر اور برکت حاصل ہو جائے گی' کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امراء' حکام اور سرمایہ داروں کو وہ عزت حاصل نہیں ہے' جو علماء کرام کو حاصل ہوتی ہے۔

زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ہم نے دیکھا ہے کہ گزرے ہوئے بادشاہوں کے مقبرے ویران پڑے رہتے ہیں' وہاں لوگ پکنک منانے اور سیرو تفریح کے لیے تو جاتے ہیں' تلاوت قرآن اور ایصال ثواب کے لیے کوئی نہیں جاتا۔ اس کے برعکس علماء اور اہل اللہ کے مزارات مرجع خلائق ہوتے ہیں اور وہاں دن رات مسلمانوں کا ہجوم رہتا ہے اور یہ صرف قرآن مجید پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی خیرو برکت ہے۔

قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ کتاب سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اس تصدیق کی تفصیل یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ اصول اور فروع' اصول سے مراد ہیں عقائد' مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات' توحید' رسالت' ملائکہ' تقدیر' قیامت' مرنے کے بعد اٹھنا' جزاء و سزا' جنت اور دوزخ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ زمان و مکان کی تبدیلی اور انبیاء کے فرق سے ان عقائد میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ تورات' زبور اور انجیل میں جو عقائد تھے' وہی عقائد قرآن مجید میں ہیں' اس لحاظ سے قرآن مجید ان سابقہ کتابوں کا مصدق ہے اور فروع سے مراد ہیں احکام شریعت اور ہر زمانہ کے مخصوص حالات' رسم و رواج اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے اس زمانہ کے نبی کی شریعت دوسرے انبیاء سے مختلف ہوتی ہے اور یوں تمام انبیاء کے احکام شریعت ایک دوسرے سے مختلف ہیں' لیکن نفس عبادت اور اطاعت رسول اور اتباع شریعت میں تمام آسمانی کتابیں متفق ہیں اور اس چیز میں قرآن ان کا مصدق ہے۔ نیز ان تمام سابقہ آسمانی کتابوں میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آخری زمانہ میں نبی آخر سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا جائے گا' جو سابقہ شریعت کو منسوخ کردیں گے اور سب لوگوں کو صرف ان کی شریعت کی اتباع کرنی ہوگی اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ مبعوث ہوگئے اور قرآن مجید کے ذریعہ آپ کی شریعت نافذ ہوگئی تو سابقہ آسمانی کتابوں کی یہ بشارت پوری ہوگئی' اس لحاظ سے قرآن مجید تمام سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق ہے۔

مکہ مکرمہ کا ام القریٰ ہونا

اس آیت میں مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے ام القریٰ فرمایا ہے' ام القریٰ کا لفظی معنی ہے شہروں کی ماں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس لیے فرمایا ہے کہ تمام زمینیں اس کے نیچے سے نکال کر پھیلائی گئی ہیں اور ابوبکر اصم نے کہا ہے کہ مکہ تمام دنیا والوں سے پہلے آباد ہوا ہے' تو گویا یہی اصل ہے اور باقی تمام شہر اور قصبات اس کے تابع ہیں۔ نیز تمام دنیا کے مسلمانوں کی ہر دور میں مرکزی عبادت حج ہے اور حج مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے تمام مخلوق مکہ مکرمہ میں

جمع ہوتی ہے' جیسے بچے ماں کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کو ام القریٰ فرمایا' نیز حج کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں انواع و اقسام کی تجارت ہوتی ہے اور اس شہر میں کسب معاش اور روزی حاصل کرنے کے ذرائع دوسرے شہروں کی بہ نسبت زیادہ ہیں' اس لیے اس کو ام القریٰ فرمایا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ کی عبادت کا پہلا گھر مکہ مکرمہ میں بنایا گیا' اس لیے اس کو ام القریٰ فرمایا۔

نبی ﷺ کی عمومی بعثت پر یہودیوں کے اعتراض کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گردو نواح کے لوگوں کو ڈرائیں۔

یہود کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ نبی ﷺ صرف جزیرہ عرب کے رسول ہیں اور وہ اس آیت سے مسلمانوں پر الزام قائم کرتے ہیں کہ اس آیت میں فرمایا ہے' تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گردو نواح کے لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مکہ اور اس کے اردگرد کے لوگوں کو ڈرانے کا ذکر ہے اور باقی علاقہ کے لوگوں کو ڈرانے کی نفی نہیں ہے' جبکہ دوسری آیات سے ثابت ہے کہ آپ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان: ۱)

وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی' تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہوں۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: ۱۵۸)

آپ کہیے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ (آل عمران: ۲۰)

اور آپ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہیے: کیا تم اسلام لے آئے؟ اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے ہدایت پالی اور اگر انہوں نے اعراض کیا تو آپ کا کام صرف حکم پہنچا دینا ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں کے لیے رسول ہیں اور اس سے پہلی آیات میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ تمام مخلوق کے لیے رسول ہیں۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' پہلے نبی بالخصوص ایک قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے بالعموم تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں اور وہ مجھ سے پہلے حرام تھیں اور میرے لیے تمام روئے زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی اور ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر میرا رعب طاری کر دیا جاتا ہے اور مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

(سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۳۸۹' صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۳۵' صحیح مسلم' المساجد' ۳ (۵۲۱) ۱۱۴۳' سنن الترمذی' ۳' رقم الحدیث: ۱۵۵۹' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۳۶-۴۳۲)

آخرت پر ایمان نبی ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے

اس آیت میں فرمایا ہے جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں' اور اس آیت کا بہ ظاہر یہ معنی ہے کہ آخرت پر ایمان لانا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔ علماء نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں۔ ایک وجہ

یہ ہے کہ جو شخص آخرت پر ایمان لائے گا وہ وعدہ وعید اور ثواب و عذاب پر بھی ایمان لائے گا اور ایسا شخص ثواب کے حصول کی کوشش کرے گا اور عذاب کے موجبات سے بچے گا' اور وہ توحید اور رسالت کے دلائل میں غور و فکر کرے گا' اور یہ اس کے اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا ذریعہ ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے دین میں مرنے کے بعد اٹھنے اور قیامت قائم ہونے کے عقیدہ پر بہت زور دیا گیا ہے اور اتنا زور کسی اور نبی کے دین میں نہیں دیا گیا' اس وجہ سے آخرت پر ایمان لانا سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔

تمام عبادات میں نماز کی اہمیت

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ آخرت پر ایمان لانے والے تمام نیک اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور تمام برے کاموں سے بچتے ہیں تو اس آیت میں نماز کا خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ ایمان لانے کے بعد سب سے افضل اور اشرف عبادت نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں نماز پر ایمان کا اطلاق فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۔ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہارا ایمان (نماز) ضائع کر دے۔ (البقرہ: ۱۴۳)

نیز احادیث میں عمداً نماز ترک کرنے پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عمداً نماز کو ترک کیا اس نے کھلم کھلا کفر کیا۔ اس کی روایت میں محمد بن ابی داؤد منفرد ہے' باقی راوی ثقہ ہیں۔

(المعجم الاوسط' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۴۷' مطبوعہ ریاض' ۱۴۱۵ھ)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گئے اور ان کا حال پوچھا' گھر والوں نے کہا جیسا تم دیکھ رہے ہو' میں نے کہا ان کو نماز کے لیے بیدار کرو۔ وہ نماز سے زیادہ اور کسی چیز کے لیے فکر مند نہیں ہوتے۔ گھر والوں نے کہا یا امیر المومنین! نماز' حضرت عمر نے کہا اللہ! یہ نماز کا وقت ہے اور فرمایا اس شخص کا اسلام میں کوئی حصہ (ایک روایت میں ہے حق) نہیں جو نماز کو ترک کرے' پھر انہوں نے نماز پڑھی اور ان کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

(المعجم الاوسط' ج ۹' رقم الحدیث: ۸۱۷۸' علل دار قطنی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۲۷۔ حافظ ہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد' ج ۱' ص ۲۹۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا انسان اور کفر و شرک کے درمیان نماز کو ترک کرنا ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان ۱۳۴' (۸۲) ۲۴۱' سنن ابو داؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۶۷۸' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۲۸' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۶۴' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۷۸' مسند احمد' ج ۳' ص ۳۸۹' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۴۹۸۳)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے درمیان اور ان کے درمیان عہد' نماز ہے۔ سو جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن' صحیح' غریب ہے۔ اور یہ حدیث حضرت انس اور حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۳۰' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۶۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۰۷۹)

تارک نماز کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے نماز کو ترک کیا اس کے اور کفر کے درمیان کوئی مانع اور حجاب نہیں ہے وہ کافر ہو گیا اور یہ حدیث اسی ظاہری معنی پر محمول ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب وہ نماز ترک کر دے تو جمہور کا قول یہ ہے کہ اگر اس نے آخر وقت تک نماز نہیں پڑھی تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت علی' امام احمد' امام ابن المبارک' اسحاق اور علامہ ابن حبیب مالکی کے نزدیک اس کو کفر کی بناء پر قتل کیا جائے گا اور امام مالک' امام شافعی اور دیگر علماء کے نزدیک اس کو حداً قتل کیا جائے گا۔ فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا' اس کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا اور اس کو اس وقت تک سزا دی جائے گی اور قید میں رکھا جائے گا' جب تک وہ نماز نہ پڑھ لے۔

صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہیں' کیونکہ کفر انکار کو کہتے ہیں اور یہ نماز کی فرضیت کا منکر نہیں ہے' اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جس شخص نے ان نمازوں کے لیے اچھی طرح وضو کیا اور ان کو اپنے اوقات میں پڑھا اور ان کا پورا پورا رکوع اور خشوع کیا تو اللہ نے ازراہ کرم اس کی مغفرت کرنے کا ذمہ لیا ہے اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اللہ پر اس کا کوئی ذمہ نہیں ہے' اگر وہ چاہے تو اس کو بخش دے اور وہ چاہے تو اس کو عذاب دے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۲۵' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۶۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۴۰۱' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۲۷۵۶' ۲۲۷۶۷' ۲۲۷۸۳' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۵' ص ۳۲۲' ۳۱۷' طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نماز کا ترک کرنا کفر نہیں ہے اور یہ شرک سے کم درجہ کی معصیت ہے اور شرک سے کم درجہ کی معصیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کرنے کا اعلان فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم درجہ کے گناہ کو جس کے لیے چاہے گا' بخش دے گا۔

قرآن مجید اور حدیث شریف کی تصریح سے واضح ہو گیا کہ سستی اور کاہلی سے نماز کو ترک کرنا کفر اور شرک نہیں ہے۔
(المفہم' ج ۱' ص ۲۷۲-۲۷۱' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

تارک نماز کو قتل کرنے کے عدم جواز پر یہ دلیل ہے کہ اسلام میں صرف تین جرموں کی سزا قتل ہے' کسی مسلمان کو ناجائز قتل کیا ہو' شادی شدہ شخص نے زنا کیا ہو یا کسی شخص نے اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کر لیا ہو۔ ان تین جرموں کے سوا اور کسی جرم میں کسی مسلمان کو (بطور حد) قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان مرد کو جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں' تین جرموں میں سے کسی ایک کے سوا قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ (وہ یہ ہیں) جان کا بدلہ جان' شادی شدہ زانی اور دین سے نکلنے والا اور جماعت کو چھوڑنے والا۔

(صحیح البخاری ' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۸۷۸ ' صحیح مسلم ' قسامہ ' ۲۵ (۱۶۷۶) ۴۲۹۶ ' سنن ابوداؤد ' ج ۴ ' رقم الحدیث: ۴۳۵۲ ' سنن ترمذی ' ج ۳ ' رقم الحدیث: ۱۴۰۷ ' سنن ابن ماجہ ' ج ۲ ' رقم الحدیث: ۲۵۳۴ ' سنن کبریٰ ' ج ۸ ' ص ۲۸۴ ' ۲۸۳ ' ۲۱۳ ' سنن نسائی ' ج ۷ ' رقم الحدیث: ۴۰۳۰ ' ۴۰۲۹ ' صحیح ابن حبان ' ج ۱۰ ' رقم الحدیث: ۴۴۰۸ ' مسند احمد ' ج ۱ ' ص ۴۲۸ ' ۳۲۲ ' طبع قدیم ' مسند احمد ' ج ۲ ' رقم الحدیث: ۳۶۲۱)

یہ حدیث امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے کہ تارک نماز کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے اور (اے مخاطب!) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی 'کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے تکبر کرتے تھے۔ (الانعام: ۹۳)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان فرمائی تھیں اور اس آیت میں ان لوگوں پر وعید ہے جنہوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ آیت کا پہلا حصہ یعنی اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے ' حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی ' مسیلمہ کے متعلق نازل ہوا ہے ' جو بنو عدی بن حنیفہ کے قبیلہ سے تھا۔ اور آیت کا دوسرا حصہ یعنی "اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے" یہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق نازل ہوا ہے ' یہ بنو عامر بن لوی کے قبیلہ سے تھا ' یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھتا تھا۔ اس نے ایک دن عزیز حکیم کی جگہ غفور رحیم لکھ دیا اور کہنے لگا یہ دونوں برابر ہیں پھر یہ اسلام سے مرتد ہو کر قریش کے ساتھ جا ملا ' پھر فتح مکہ کے موقع پر دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ (جامع البیان ' جز ۷ ' ص ۳۵۵ ' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

مسیلمہ اور اسود العنسی کے احوال

علامہ ابو العباس احمد بن عمر المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں

امام ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ مسیلمہ کا نام مسیلمہ بن ثمامہ بن کثیر تھا ' یہ قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دس ہجری میں نبوت کا دعویٰ کیا ' یہ کلمہ پڑھتا تھا "لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ" اس کا زعم تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک ہے ' بنو حنیفہ بہت جلد اس کے تابع ہو گئے۔ اس نے اپنی قوم کے دو آدمیوں کو اپنا خط دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا ' اس میں لکھا تھا ' یہ مسیلمہ رسول اللہ کی جانب سے محمد رسول اللہ کی طرف ہے۔ سلام علیک ! میں اس معاملہ میں تمہارا شریک ہوں ' سو نصف زمین میری ہے اور نصف تمہاری ہے ' لیکن قریش بے انصاف قوم ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکتوب کو پڑھا تو آپ نے اس کے قاصدوں سے فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا وہی جو ہمارے صاحب نے کہا ہے ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ایلچیوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب لکھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کی

طرف' اس پر سلام ہو جو ہدایت کا پیروکار ہے:

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (الاعراف: ۱۲۸)

بے شک زمین اللہ کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

جب مسیلمہ نے یہ جواب پڑھا تو وہ مایوس ہو گیا اور بنو حنیفہ نے کہا ہمارا خیال ہے کہ (سیدنا) محمد ﷺ ہمارے صاحب کو اپنا شریک بنانے پر تیار نہیں ہیں۔

امام ابن اسحاق نے کہا رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسیلمہ اور صنعاء کے صاحب اسود بن عزہ العنسی اور طلیحہ اور سجاح تمیمیہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا' سجاح مسیلمہ کے پاس گئی اور کہنے لگی' تم پر کیا وحی آئی ہے' اس نے کہا مجھ پر یہ وحی آئی ہے:

الم تر الی ربک کیف خلق الحبلی' اخرج منها نسمة تسعی بین صفاق وحشا

کیا تم نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا' اس نے کس طرح حاملہ کو پیدا کیا' اس سے ایک روح نکالی جو باریک کھال اور پیٹ کے اندر دوڑتی ہے۔

اس نے کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ تم نبی ہو۔ مسیلمہ نے کہا تم مجھ سے شادی کر لو' ہم دونوں مل کر عرب کو کھا لیں گے۔ اس نے شادی کر لی اور اس کے منادی نے ندا کی' سنو! ہم بنو حنیفہ کے دین میں داخل ہو گئے ہیں اور بنو حنیفہ کے منادی نے ندا کی' سنو! ہمارے نبی نے تمہاری نبیہ سے شادی کر لی ہے اور سجاح نے مسیلمہ سے کہا' اپنی قوم سے یہ دو لمبی نمازیں عشاء اور فجر منسوخ کر دو' تو مسیلمہ کے منادی نے ان دو نمازوں کے منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا' اس سے بنو حنیفہ بہت خوش ہوئے۔

پھر مسیلمہ اسی حال میں یمامہ چلا گیا' یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا' اور تمام اہل یمامہ اسلام سے مرتد ہو کر مسیلمہ کے تابع ہو گئے اور دیگر مرتدین بھی آکر ان سے مل گئے اور ان کی شوکت بہت بڑھ گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف بہت خطوط لکھے' اس کو بہت نصیحتیں کیں اور بہت ڈرایا' بالآخر آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں کا ایک عظیم لشکر بھیجا' جس نے مسیلمہ سے قتال کیا اور انجام کار مسیلمہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔

(المفہم علی المسلم' ج ۶' ص ۴۱-۳۹' ملخصا' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھ دیئے گئے ہیں۔ میں ان سے گھبرا گیا اور ان کو ناپسند کیا' پھر مجھے ان کو پھونک مارنے کی اجازت دی گئی تو وہ اڑ گئے' میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ میرے بعد دو کذاب نکلیں گے۔ عبید اللہ نے کہا ان میں سے ایک العنسی ہے جس کو فیروز نے یمن میں قتل کیا اور دوسرا مسیلمہ ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۳۷۳' صحیح مسلم' رؤیا' ۲۲' (۲۲۷۴) ۵۸۲۶' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۹۹' صحیح ابن حبان' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۶۵۴' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۵' ص ۳۳۵' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۸۲۵۶' طبع دار الفکر)

اس حدیث میں ہے کہ دو کذاب نکلیں گے۔ اس کا معنی ہے میری وفات کے بعد ان کا ظہور اور غلبہ ہو گا' ورنہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں موجود تھے اور ان کے متبعین بھی تھے۔ صنعاء اور یمامہ کے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور اسلام کے معاون اور مددگار تھے' لیکن وہ لوگ مسیلمہ اور العنسی کی سنہری باتوں میں آ گئے۔ یہ دونوں شہر نبی ﷺ کے دو ہاتھوں کی طرح

تھے' کیونکہ آپ ان سے قوت حاصل کرتے تھے اور سونے کے دو کنگن صاحب یمامہ اور صاحب صنعاء تھے' اور ان کی چکنی چپڑی باتوں کو سونے کی ملمع کاری سے تشبیہ دی ہے اور آپ نے جو ان کو پھونک مار کر اڑایا' اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ آپ کی امت کے ہاتھوں ہلاک ہوں گے۔

امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ صاحب صنعاء اسود بن کعب ہے' اس کا لقب ذوحمار ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک دن یہ جا رہا تھا اور سامنے سے ایک گدھا آ رہا تھا' وہ لڑکھڑایا اور منہ کے بل گر گیا تو اس نے کہا اس گدھے نے مجھے سجدہ کیا ہے۔ پھر یہ اسلام سے مرتد ہو گیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا' جاہل لوگ اس کے پیروکار ہو گئے اور یہ صنعاء پر قابض ہو گیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے عامل مہاجر بن اسد مخزومی کو صنعاء سے نکال دیا۔ فیروز دیلمی اور قیس بن کشوح نے اس کو قتل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا سر لے کر آئے اور بعض مورخین نے کہا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا۔ اور میرے نزدیک یہی صحیح ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے وہ میرے بعد نکلیں گے۔ یعنی ان کا ظہور اور غلبہ میرے بعد ہو گا۔ (المفہم' ج ۶' ص ۴۵-۴۴' ملحصاً' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

معرفت کے جھوٹے دعویٰ داروں کا رد اور ابطال

علامہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے کہ نبوت کے جھوٹے دعویٰ داروں کی سلک میں وہ لوگ منسلک ہیں جو فقہ' حدیث اور علوم دینیہ کے حصول سے اعراض کرتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات واقع ہوئی ہے یا میرے دل نے یہ کہا ہے اور ان کا یہ زعم ہوتا ہے کہ چونکہ ان کا دل گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے پاک اور صاف ہے اور وہ غیر اللہ کے اختلاط سے مامون ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے دل پر علوم اور معرفت کی تجلیات نازل فرماتا ہے اور وہ حقائق ربانیہ اور اسرار کائنات کے واقف ہیں' اس وجہ سے وہ قواعد شرع سے مستغنی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شرعی احکام عام لوگوں کے لیے ہیں اور خواص اور اولیاء اللہ ان سے مستغنی ہیں اور وہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

حضرت وابصہ بن معبد الاسدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وابصہ سے فرمایا تم نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا جی! آپ نے ان کی انگلیوں کو اکٹھا کر کے ان کے سینہ پر مارا اور تین بار فرمایا اے وابصہ! اپنے نفس سے فتویٰ لو' اپنے دل سے فتویٰ لو' نیکی وہ ہے جس پر تمہارا نفس مطمئن ہو' جس پر تمہارا دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس سے تمہارے ضمیر میں خلش ہو اور تمہارے سینہ میں کھٹک ہو' خواہ لوگ تمہیں فتوے دیتے رہیں۔

(سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۳۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بتایئے' کیا چیز میرے لیے حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟ انہوں نے کہا پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور نظر جھکائی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا نیکی وہ ہے جس پر ضمیر پر سکون ہو اور دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس پر ضمیر میں خلش ہو اور دل مطمئن نہ ہو خواہ تمہیں مفتی فتوے دیتے رہیں۔ (مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۷۵۷' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۹۴' طبع قدیم)

ان احادیث کا محمل یہ ہے کہ جس پیش آمدہ مسئلہ میں قرآن مجید اور حدیث شریف کی صریح ہدایت نہ ہو اور نہ اس کے متعلق اجماعی حکم موجود ہو اور اس میں حلال اور حرام مشتبہ ہو' اس میں انسان اپنے ضمیر کے فیصلہ پر عمل کرے۔ مثلاً روزے میں انجکشن لگوانے کے متعلق ہمارے دور کے اکثر مفتی کہتے ہیں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا' لیکن ایک سلیم الفطرت انسان کا

ضمیر یہ کہتا ہے کہ جب منہ سے دوا کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور منہ سے کھائی ہوئی دوا نظام ہضم کے مراحل طے کرنے کے بعد خون میں مل جاتی ہے اور اسی وقت وہ دوا موثر ہوتی ہے' تو اگر وہ دوا انجکشن کے ذریعہ براہ راست خون میں پہنچا دی جائے تو بہ طریق اولی روزہ ٹوٹ جانا چاہیے۔ ان احادیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید' احادیث اور ائمہ مجتہدین سے بے نیاز ہو کر انسان اپنے بے لگام دل کے فیصلوں پر عمل کرے' جیسا کہ ان بناوٹی پیروں اور معرفت کے جھوٹے دعویٰ داروں نے سمجھ رکھا ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کے زندیق ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے' اسلامی حکومت ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان سے توبہ طلب کی جائے نہ ان سے بحث کی جائے' کیونکہ ان کے اقوال سے احکام شرعیہ کا منہدم ہونا اور ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا اثبات لازم آتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۴۲-۳۶' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' مختصراً و موضحاً)

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے احوال

اس آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا ہے اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتا تھا' یہ مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا تھا۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين..... ثم انشانه خلقا اخر" (المومنون: ۱۴-۱۲) تو عبداللہ بن سعد کو انسان کی خلقت پر بہت تعجب ہوا اور اس نے بے ساختہ کہا "تبارک الله احسن الخالقين" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس وقت عبداللہ بن سعد کو اپنے ایمان میں شک پڑ گیا اور اس نے کہا اگر (سیدنا) محمد ﷺ صادق ہیں تو مجھ پر بھی ایسی ہی وحی کی گئی ہے' جیسی ان پر وحی کی گئی ہے۔ پھر وہ اسلام سے مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس کی مذمت میں نازل کی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتے تھے۔ ان کو شیطان نے لغزش دی' وہ کفار کے ساتھ جا ملے' رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے پناہ طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو پناہ دے دی۔

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۵۸' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۰۸۰)

سعد بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گئے' پھر حضرت عثمان نے ان کو لا کر نبی ﷺ کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا یا رسول اللہ! عبداللہ کو بیعت کر لیجئے۔ آپ نے سر اقدس اوپر اٹھایا اور تین بار اس کی طرف دیکھا اور ہر بار انکار کر دیا' پھر تین بار انکار کے بعد بیعت کر لیا' پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے انکار کر رہا ہوں تو وہ اس کو قتل کر دیتا' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم نہیں جان سکے کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ نے آنکھوں سے ہماری طرف اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ آپ نے فرمایا نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو۔

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۵۹' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۰۷۸)

امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے اس کو زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے۔

سعد بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے چار مردوں اور دو عورتوں کے سوا سب کو امان دے دی۔ وہ

چار مرد یہ تھے۔ عکرمہ بن ابی جہل' عبداللہ بن خطل' مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ آپ نے فرمایا اگر یہ لوگ کعبہ کے پردوں سے بھی لٹکے ہوئے ہوں تو ان کو قتل کر دینا۔ عبداللہ بن خطل کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا پکڑا گیا۔ حضرت سعد بن حریث اور حضرت عمار بن یاسر نے اس کو پکڑا اور حضرت سعد نے حضرت عمار پر سبقت کی۔ وہ دو مردوں سے زیادہ جوان تھے' انہوں نے اس کو قتل کر دیا' اور مقیس بن صبابہ کو لوگوں نے بازار میں پکڑ کر قتل کر دیا اور عکرمہ سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہو گئے' اس کشتی کو تیز ہواؤں نے آلیا۔ کشتی والوں نے کہا خلوص کے ساتھ اللہ سے دعا کرو کیونکہ تمہارے معبود یہاں پر کسی کام نہیں آسکتے۔ عکرمہ نے دل میں کہا بہ خدا اگر اس سمندر میں میری نجات صرف اخلاص سے ہو سکتی ہے تو خشکی میں بھی صرف اللہ کے ساتھ اخلاص ہی کام آسکتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا اے اللہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس گرداب سے بچا لیا تو میں سیدھا (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور جا کر ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دوں گا اور میں ان کو ضرور معاف کرنے والا اور کریم پاؤں گا' پھر وہ آپ کے پاس گئے اور مسلمان ہو گئے۔ اور رہے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گئے' جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان نے ان کو لے جا کر نبی ﷺ کے پاس کھڑا کر دیا اور کہا یا رسول اللہ! عبداللہ کو بیعت کر لیجئے۔ آپ نے تین بار اس کی طرف دیکھا اور ہر بار انکار کیا' پھر تین بار انکار کے بعد آپ نے بیعت کر لیا۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم میں اتنا سمجھ دار شخص کوئی نہیں تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے ہاتھ کھینچ رہا ہوں تو وہ اس کو قتل کر دیتا' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں کیا پتا تھا کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ نے ہماری طرف آنکھوں سے اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ آپ نے فرمایا نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو۔

(سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۰۷۸' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۶۸۳' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۵۹)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح فتح مکہ کے ایام میں دوبارہ مسلمان ہوئے اور انہوں نے اسلام پر بہت اچھی طرح عمل کیا اور اس کے بعد ان سے کوئی ناپسندیدہ بات صادر نہیں ہوئی' وہ قریش کے معزز دانش مند سرداروں میں سے ایک تھے' پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۲۵ھ میں انہیں مصر کا گورنر بنا دیا' ۲۷ھ میں انہوں نے افریقیہ کو فتح کیا۔ مصر کی فتح کے موقع پر حضرت عمرو بن العاص صاحب میمنہ تھے' مصر کی تمام جنگوں میں حضرت عمرو بن العاص ہی والی تھے' جب حضرت عثمان نے ان کو معزول کر کے حضرت عبداللہ بن سعد کو ان کی جگہ مقرر کیا تو حضرت عمرو بن العاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی کرنے لگے اور ان کی خلافت پر تنقید کرنے لگے' حضرت عبداللہ بن سعد حضرت عثمان کی شہادت تک فلسطین میں رہے۔ انہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی' حضرت معاویہ کی خلافت منعقد ہونے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ افریقیہ میں فوت ہوئے اور صحیح یہ ہے کہ ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں عسقلان میں فوت ہوئے۔

(الاستیعاب' ج ۲' ص ۳۷۸-۳۷۶' علی حامش الاصابہ' مختصر تاریخ دمشق' ج ۱۲' ص ۲۳۱-۲۲۷' ملخصاً)

کافر کے جسم سے روح نکالنے کی کیفیت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور (اے مخاطب!) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے' نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی' کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے تکبر کرتے تھے۔ (الانعام: ۹۳)

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ کافروں میں بلکہ کسی بھی انسان میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنے بدن سے اپنی جان نکال سکے' پھران کو یہ حکم دینے کا کیا فائدہ ہے کہ "نکالو اپنی جانوں کو" اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر مکلف کرنے کے لیے نہیں ہے' بلکہ ان کو عاجز کرنے اور ان کو رسوا کرنے کے لیے ہے' موت کے وقت کفار بہت سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اور جس طرح کوئی کانٹے دار شاخ کیچڑ اور گارے میں پھنسی ہوئی ہو تو اس کو کھینچ کر بڑی سختی سے نکالا جاتا ہے' اسی طرح ان کی روح ان کے بدن سے عذاب اور سختی کے ساتھ نکالی جائے گی' اس وقت ان سے فرشتے کہیں گے کہ اگر تم آسانی کے ساتھ روح کو اپنے بدن سے نکال سکتے ہو تو نکال لو۔ کافر مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور اللہ سے ملاقات کے منکر تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ذلت والے عذاب میں مبتلا کر کے ان کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکلواتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات سے محبت رکھے' اللہ بھی اس کی ملاقات سے محبت رکھتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرے' اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۰۷' صحیح مسلم' الدعوات' ۱۴' (۲۶۸۳) ۶۶۹۳' سنن الترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۰۶۸' سنن النسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۸۳۷)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے لکھا ہے کہ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کو عذاب اور سزا اور گلے میں ڈالے جانے والے طوقوں اور زنجیروں' دوزخ' گرم پانی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی بشارت دیتے ہیں تو اس کی روح اس کے جسم میں منتشر ہو جاتی ہے اور جسم سے نکلنے سے انکار کرتی ہے۔ تب فرشتے اس کے چہرے اور دبر پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی' کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کافر بندے پر موت وارد کرتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے اور اس کے پاس ایک ٹاٹ کا ٹکڑا بھیجتا ہے۔ جو ہر بدبودار چیز سے زیادہ بدبودار اور ہر سخت چیز سے زیادہ سخت ہوتا ہے' فرشتے اس سے کہتے ہیں' اے خبیث روح! جہنم کی طرف نکل اور دردناک عذاب کی طرف' اور تیرا رب تجھ پر ناراض ہے' باہر نکل تو نے بہت برے اعمال بھیجے ہیں' وہ روح ایسے بدبودار مردہ کی طرح نکلے گی کہ اگر تم میں سے کوئی شخص دیکھ لے تو اپنی ناک بند کر لے اور آسمان کے اردگرد والے فرشتے کہیں گے' سبحان اللہ! زمین سے ایک مردہ اور خبیث روح آئی ہے' اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ پھر اس کے جسم کو زمین پر پھینکنے کا حکم دیا جائے گا اور اس کی قبر میں تنگی کی جائے گی اور اس کو اونٹ کی گردن جتنے موٹے سانپوں سے بھر دیا جائے گا' وہ اس کا گوشت کھائیں گے اور اس کی ہڈیوں میں سے بھی کچھ نہیں چھوڑیں گے' پھر اس کے پاس بہرے اور اندھے فرشتے بھیجیں جائیں گے' ان کے پاس لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے' وہ کچھ دیکھیں گے نہیں' تاکہ انہیں رحم آئے اور کوئی آواز نہیں سنیں گے' تاکہ انہیں اس پر ترس آئے۔ وہ اس کو بری طرح ماریں گے' اور اس کے لیے دوزخ کی ایک کھڑکی کھول دی جائے گی جس سے وہ صبح و شام کو دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھے گا' اور وہ اللہ سے یہ دعا کرے گا کہ وہ اس کو اسی جگہ رکھے اور دوزخ میں نہ بھیجے۔

حافظ الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا کہ یہ حدیث المعجم الکبیر میں ہے اور اسکے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۲' ص ۳۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ (تنہا) پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا' وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی

نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم یہ گھمنڈ کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں ہمارے شریک ہیں ' بے شک تمہارا باہمی تعلق ٹوٹ گیا اور جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے وہ تم سے جاتے رہے۔ (الانعام: ۹۴)

مال و دولت اور شرک کے پرستاروں کی آخرت میں محرومی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ کفار دنیا میں مال جمع کرتے تھے اور اس کی طاقت پر بھروسہ کرتے تھے اور بتوں کی شفاعت اور مدد پر اعتماد کرتے تھے ' لیکن قیامت کے دن وہ تنہا آئیں گے ' ان کے پاس مال ہو گا نہ ان کے ساتھ ان کے خود ساختہ اور باطل معبود ہوں گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں ' ننگے بدن اور غیر مختون حالت میں جمع کیا جائے گا ' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! عورتیں اور مرد جمع ہوں گے ' کیا وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ اس دن معاملہ اس سے بہت ہولناک ہو گا کہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں۔

(صحیح البخاری ' ج ۷ ' رقم الحدیث: ۶۵۲۷ ' صحیح مسلم ' جنت ' ۵۶ ' (۲۸۵۹) ۷۰۶۵ ' سنن النسائی ' ج ۴ ' رقم الحدیث: ۲۰۸۴ ' سنن ابن ماجہ ' ج ۴ ' رقم الحدیث: ۴۲۷۶ ' سنن کبریٰ للنسائی ' ج ۴ ' رقم الحدیث: ۲۲۱۱)

اس آیت سے حسب ذیل سبق حاصل ہوتے ہیں:

انسان کو دنیا میں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور اس کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطابق زندگی بسر کرے اور اگر اس نے اپنی زندگی شیطان اور نفس کی پیروی میں گزار دی تو آخرت میں وہ بالکل یکہ و تنہا ناکام اور خائب و خاسر ہو گا ' جو انسان ساری عمر مال و دولت کے حصول میں سرگرداں رہا اور دنیا کی دلفریبیوں میں منہمک اور مشغول رہا اور اس نے نجات اخروی کی کوئی تیاری نہیں کی ' وہ شخص قیامت کے دن کف افسوس ملتا ہوا رہ جائے گا۔ جو شخص دنیا میں جھوٹی امیدوں سے وابستہ رہا اور باطل مذاہب کے ساتھ پیوستہ رہا ' قیامت کے دن جب اس پر ان جھوٹے خداؤں کا جھوٹ ظاہر ہو گا ' اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے سے فریب کا پردہ اتر جائے گا ' وہ سلامتی اور سچائی کی راہ پر واپس آنا چاہے گا ' لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے ، وہی زندہ کو مردہ سے

الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ

نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے ، یہی تو اللہ ہے ! تم کہاں

تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ

بہک رہے ہو ○ وہ رات کو چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے ، اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج

وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

اور چاند کو حساب کے لیے، یہ بہت غالب اور بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے ○ وہی ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ

تمہارے لیے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کرو، بیشک

فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں ○ وہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک نفس سے پیدا

وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

کیا، پھر ہر ایک کے ٹھیرنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے، بیشک ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دیں ○

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے ہر قسم کی نباتات اگائی، پھر

شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ

اس سے سرسبز کھیت اور درخت پیدا کیے، پھر ان سے تہ بہ تہ لگے ہوئے دانے اور کھجور کے

طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَ

شگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کیے جو جھکے پڑتے ہیں اور انگوروں اور زیتون اور انار

الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ

کے باغ اگائے جو ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں، جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے

وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

پکنے کی طرف دیکھو، بیشک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ

اور انہوں نے اللہ کے لیے جنات کو شریک قرار دیا حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾

اور بیٹیاں گھڑ لیں، اور وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے' وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے' یہی تو اللہ ہے! تم کہاں بھٹک رہے ہو؟ (الانعام: ۹۵)

زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور رسالت اور قرآن مجید کا بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور وجود باری پر دلائل دیئے ہیں۔ ایک باریک سے دانہ کو چیر کر اللہ تعالیٰ اس میں ایک کونپل پیدا کرتا ہے' وہ کونپل اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ اگر ہم اس کو ہاتھ میں لے کر مسل دیں تو ہمارے ہاتھ میں صرف پانی کی نمی رہ جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ اس کونپل میں اتنی قوت پیدا فرماتا ہے کہ وہ سخت سے سخت زمین کو چیر کر زمین کے اندر نفوذ کر جاتی ہے' اس کا ایک حصہ زمین کے نیچے چلا جاتا ہے اور ایک حصہ زمین کے اوپر نکل آتا ہے' پھر نچلے حصہ سے جڑیں بنتی ہیں جو دور تک زمین کی گہرائی میں چلی جاتی ہیں اور اوپر کے حصہ سے ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔ جس میں شاخیں ہوتی ہیں' ان میں سرسبز پتے ہوتے ہیں' شگوفے کھلتے ہیں اور پھل اور پھول لگتے ہیں' اسی ایک دانہ سے جس کی طبیعت واحد ہوتی ہے' مختلف رنگ کے پھل' پھول اور پتے پیدا ہوتے ہیں' مختلف ذائقے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان میں مختلف خواص اور الگ الگ تاثیریں ہوتی ہیں۔ کیا یہ سب کچھ خود بہ خود ہو رہا ہے؟ کیا یہ صرف دانہ یا بیج کا کارنامہ ہے؟ کیا یہ کسی بے جان بت یا دیوی یا دیوتا کا کیا دھرا ہے؟ یہ دیوی اور دیوتا تو خود اپنے مرنے اور جینے میں کسی اور کی مشیت کے پابند ہیں' سورج' چاند اور ستارے ایک مقرر شدہ نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں۔ پھر ان میں سے کسی نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اس نظام کی تخلیق کا موجب ہے۔ بتاؤ اللہ کے سوا کون ہے جو اس تخلیق کا دعویٰ رکھتا ہے؟ کیا کبھی کسی نے یہ نعرہ لگایا کہ میں اللہ کا شریک ہوں؟ کیا کبھی کسی نے کسی نبی' کسی رسول کو بھیجا' کوئی کتاب نازل کی کہ اللہ کے سوا فلاں اور بھی اس کار تخلیق میں اس کے معاون اور شریک ہیں؟ پھر ہمیں کیا پڑی ہے کہ بلاوجہ' بلا دلیل اور بلا دعویٰ کے کسی کو اللہ کا شریک مان لیں؟

اسی ایک درخت پر غور کرلو' اس کی جڑیں بھی لکڑی کی ہیں' اس کا تنا بھی لکڑی کا اور جڑیں زمین کے نیچے جارہی ہیں اور تنا زمین کے اوپر جارہا ہے' اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا زمین کے نیچے جانا ہے تو تنا اوپر کیوں جارہا ہے؟ اور اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا زمین کے اوپر جانا ہے تو جڑیں زمین کے نیچے کیوں جارہی ہیں؟ معلوم ہوا کہ لکڑی کی طبیعت کا تقاضا کچھ بھی نہیں' یہ سب کچھ ایک قادر قیوم کے حکم سے ہو رہا ہے' وہ جس حصہ کو چاہتا ہے' اس کو نیچے کر دیتا ہے اور جس حصہ کو چاہتا ہے' اوپر کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ نطفہ سے زندہ بشر پیدا فرماتا ہے اور زندہ بشر سے نطفہ نکالتا ہے' اسی طرح بے جان انڈے سے مرغی کا چوزہ نکالتا ہے اور زندہ مرغی سے بے جان انڈا نکالتا ہے' اور ایک ضد سے دوسری ضد کا نکلنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ سب کچھ محض طبعی تقاضوں سے نہیں ہو رہا' بلکہ ایک زبردست مدبر اور علیم کی قدرت سے ہو رہا ہے۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بے جان بیج سے سرسبز کونپل نکل آتی ہے' اور سرسبز درخت سے بے جان بیج نکل آتے ہیں' اسی طرح کافر کے ہاں مومن اور مومن کے ہاں کافر پیدا

ہوتا ہے' اور عالم کے ہاں جاہل اور جاہل کے ہاں عالم پیدا ہوتا ہے۔

اور جب تم اللہ کے وجود اور اس کے واحد ہونے کے ان دلائل کا مشاہدہ کر رہے ہو تو پھر ان بتوں کی پرستش کیوں کر رہے ہو؟ اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کو کیوں پکارتے ہو؟ ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور ان سے منتیں اور مرادیں کیوں مانگتے ہو؟ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جب تم یہ مشاہدہ کر رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ پیدا کر دیتا ہے تو تم مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کا کیوں انکار کرتے ہو؟ جب وہ ایک بے جان قطرہ سے جیتا جاگتا انسان کھڑا کر دیتا ہے تو وہ تمہارے مرنے اور پھر ریزہ ریزہ ہونے کے بعد تم کو ان ہی منتشر ذرات سے دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا؟ تم سوچتے کیوں نہیں اور ادھر ادھر کیوں مارے مارے پھر رہے ہو؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ رات کو چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے' یہ بہت غالب اور بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔ (الانعام: ۹۶)

آسمان کی نشانیوں سے وجود باری اور توحید پر دلائل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نباتات اور زمین کی نشانیوں سے اپنے وجود اور توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں سورج اور چاند اور آسمان کی نشانیوں سے اپنے وجود اور توحید پر استدلال فرمایا ہے۔

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا' اللہ تعالیٰ نے ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا ہے' اب فرمایا ہے کہ وہ رات کی ظلمت اور تاریکی کو چیر کر صبح کی روشنی کو پیدا فرماتا ہے جو آسمان کے کناروں پر پھیل جاتی ہے اور اس سے رات کی سیاہی مضمحل ہوتی ہوئی کافور ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنی قدرت سے متضاد چیزیں پیدا فرماتا ہے اور اس سے اس کی غالب قدرت اور عظیم سلطنت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا' یعنی رات کو جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو لوگ دن کے کام کاج سے رک جاتے ہیں اور تھکے ہارے لوگ رات کی گود میں سو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ (النباء: ۱۱-۹)

اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا اور ہم نے رات کو پردہ پوش کر دیا اور دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا۔

پھر فرمایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنایا' یعنی سورج کے یومیہ دورہ سے دن اور رات وجود میں آتے ہیں جن کو تم چوبیس ساعتوں میں تقسیم کرتے ہو اور چاند کے حساب سے تم مہینوں کا تعین کرتے ہو اور بارہ مہینوں کی گنتی سے تم سال کا حساب کرتے ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (الرحمٰن: ۵)

سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ (گردش میں) ہیں۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُورًا وَّقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ (یونس: ۵)

وہی ہے جس نے سورج کو روشن بنایا اور چاند کو نور اور اس کی منزلیں مقرر کیں' تاکہ تم لوگ سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔

یعنی سورج اور چاند کی گردش کے لیے ایک سال کا نصاب اور نظام مقرر کر دیا ہے۔ گرمیوں میں دن کا بڑا ہونا اور سردیوں میں دن کا چھوٹا ہونا اسی مقررہ نصاب اور نظام کی وجہ سے وجود میں آتا ہے اور سورج کے طلوع اور غروب میں اور طلوع کے بعد بتدریج نصف النہار تک پہنچنے میں اور زوال کے بعد ڈھل جانے میں تمہاری نمازوں کے اوقات اور ماہ رمضان میں سحری اور

افطاری کے اوقات ہیں اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علامتوں سے تم مہینوں کا تعین کرتے ہو اور ماہ رمضان' عید الفطر' عید الاضحیٰ اور حج کی عبادات انجام دیتے ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں' رات کو چیر کر صبح کو پیدا کرنا' رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنایا۔

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے ساتھ ثناء کر کے دعا کی ہے۔

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

امام مالک کو یحییٰ بن سعید سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! (رات کی تاریکی سے) صبح کو چیر کر نکالنے والے اور رات کو آرام کے لیے بنانے والے' سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنانے والے' میری طرف سے قرض کو ادا کر دے اور مجھے فقر سے غنی کر دے اور میری سماعت اور بصارت اور میری طاقت سے مجھے اپنے راستہ میں نفع عطا فرما۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۴۹۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو بنایا' تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کرو' بے شک ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ (الانعام: ۹۷)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو پیدا کرنے کا فائدہ بیان کیا کہ تم اپنے سفروں میں سورج اور چاند کے علاوہ ستاروں سے بھی راہنمائی حاصل کرتے ہو۔ ان کی مدد سے انسان راستوں کو تلاش کرتا ہے اور راستہ بھٹکنے سے محفوظ رہتا ہے' جب انسان آسمان کی ان نشانیوں اور ان کی باریکیوں اور ان کے اسرار و رموز پر غور کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حکمت منکشف ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا بے شک ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں' یعنی ہم نے قرآن مجید کی آیات کو اور کائنات میں وجود باری تعالیٰ پر بکھری ہوئی نشانیوں کو اہل علم اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اسرار کو پا سکیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی وحدانیت اور اس کے علم اور اس کی قدرت پر استدلال کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک نفس سے پیدا کیا' پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے' بے شک ہم نے سمجھنے والوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ (الانعام: ۹۸)

انسان کے نفس سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل

زمین اور آسمانوں میں وجود باری اور اس کی توحید پر نشانیوں کا بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ نشانیاں بیان فرمائیں جو خود انسان کے اندر پائی جاتی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے تم کو ایک نفس سے پیدا فرمایا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کی نسل سے ازدواج اور تناسل کے ذریعہ تمام انسان پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النساء: ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی زوجہ (حوا) کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔

تمام انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی وحدت' اس کے علم اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلالت کرتا ہے' کہ انسان غور کرے جس طرح تمام انسانوں کا سلسلہ ایک نفس پر جا کر ختم ہو جاتا ہے' اسی طرح اس کائنات اور حوادث کا سلسلہ بھی ایک اصل اور ایک فاعل مختار پر ختم ہو جاتا ہے اور وہ اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ ہے اور وجود واحد ہے اور

واجب اور قدیم ہے ورنہ اسے بھی کسی موجد کی ضرورت ہوتی اور اس تمام کائنات کو اس نمط واحد پر اس نے علم اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور ظاہر ہے اس کے علم اور قدرت کے بغیر انسانوں کا یہ سلسلہ وجود میں نہیں آسکتا تھا۔

تمام انسان نسلاً برابر ہیں

تمام انسانوں کا ایک نفس سے پیدا ہونا جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت کا ذریعہ ہے اسی طرح اس میں یہ رہنمائی بھی ہے کہ تمام انسان ایک اصل اور ایک نوع سے ہیں ان کا ایک خمیر ہے۔ یہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں یہ سب آپس میں بھائی ہیں انہیں باہم بھائیوں کی طرح شیر و شکر رہنا چاہیے اور اختلاف اور انتشار نہیں کرنا چاہیے ان میں رنگ نسل اور علاقہ اور زبان کا جو اختلاف ہے وہ محض شناخت اور تعارف کے لیے ہے ورنہ اصل ان سب کی ایک ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں (مختلف) بڑی قومیں اور قبائل بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابو نضرہ بیان کرتے ہیں کہ ایام تشریق کے وسط میں جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کا خطبہ سنا اس نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کی عربی پر کوئی فضیلت ہے کسی گورے کی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے نہ کسی کالے کی گورے پر کوئی فضیلت ہے۔ (الحدیث)

(مسند احمد ج ۱۷ رقم الحدیث: ۲۳۳۸۱ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱ طبع قدیم حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۶۶)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق کے وسط میں ہمیں حجۃ الوداع کا خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! تمہارا رب واحد ہے اور تمہارا باپ واحد ہے سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے مگر صرف تقویٰ سے بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو سنو کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تو حاضر غائب تک یہ پیغام پہنچا دے۔

(شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

مستقر اور مستودع کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا استقرار کی جگہ رحم ہے اور سپردگی کی جگہ وہ زمین ہے جہاں وہ دفن ہو گا۔ اور حسن بصری نے کہا استقرار کی جگہ قبر میں ہے اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ استقرار کی جگہ قبر ہے اور سپردگی کی جگہ صلب (پشت) میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ استقرار کی جگہ زمین میں ہے اور سپردگی کی جگہ پشت میں ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا کیا تم نے شادی کر لی ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا اللہ عزوجل تمہاری پشت سے ان

کو نکالے گا جن کو اس نے تمہاری پشت کے سپرد کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ مستقر وہ ہیں جو پیدا ہو چکے اور مستودع وہ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت یہ ہے کہ مستودع وہ ہیں جو اللہ کے نزدیک ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن 'جز ۷ 'ص ۴۳ 'مطبوعہ دارالفکر 'بیروت '۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید کی ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقر زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (البقرہ: ۳۶) اور تمہارے لیے ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنے کی جگہ اور فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا' پھر اس سے ہر قسم کی نباتات اگائی' پھر اس سے سرسبز کھیت اور درخت پیدا کیے' پھر ان سے تہ بہ تہ لگے ہوئے دانے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کیے جو جھکے پڑتے ہیں اور انگوروں اور زیتون اور انار کے باغ اگائے جو ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں' جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو' بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ (الانعام: ۹۹)

سابقہ آیات سے ارتباط

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر استدلال کیا' دوسری بار آسمان کی نشانیوں میں سے سورج اور چاند سے استدلال کیا' پھر تیسری بار ستاروں سے استدلال کیا' چوتھی بار نفس انسان سے استدلال کیا اور اب پانچویں بار آسمان سے نازل ہونے والی بارش سے استدلال کیا۔ اس آیت میں وجود باری اور اس کی توحید پر دلیل بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی بیان ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اولاً آسمان سے پانی بادلوں کی طرف آتا ہے اور پھر بادلوں سے زمین پر پانی برستا ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ دریاؤں اور سمندروں سے بخارات اوپر اٹھ جاتے ہیں اور بادل بن جاتے ہیں اور برسنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا اس کا معنی ہے آسمان کی جانب سے پانی برسایا۔

کھجور کے فضائل اور اس کا مومن کی صفت پر مشتمل ہونا

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چار قسم کے درخت بیان فرمائے ہیں۔ کھجور' انگور' زیتون اور انار اور درخت کے پھلوں سے پہلے کھیتوں کا ذکر فرمایا' کیونکہ کھیتوں سے غذا حاصل ہوتی ہے اور درختوں کے پھلوں سے لذت حاصل ہوتی ہے اور غذا لذت سے اہم اور اس پر مقدم ہے' اور کھجور کو باقی پھلوں پر مقدم کیا' کیونکہ کھجور غذا کے قائم مقام ہے خصوصاً عربوں میں اور حکماء نے بیان کیا ہے کہ کھجور کی حیوان کے ساتھ کئی وجوہ سے مناسبت ہے' اس کے متعلق حدیث میں ہے:

امام احمد بن علی المثنی التمیمی المتوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھجور کے درخت کی توقیر اور تعظیم کرو' وہ تمہاری پھوپھی ہے' کیونکہ وہ اس مٹی سے پیدا کی گئی ہے جس سے حضرت آدم پیدا کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کسی درخت کو گابھن نہیں کیا جاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچہ جننے والی عورتوں کو تازہ کھجوریں کھلاؤ اور تازہ کھجوریں میسر نہ ہوں تو چھوارے کھلاؤ' اور اللہ کے نزدیک اس درخت سے زیادہ اور کوئی عزت والا درخت نہیں ہے' جس کے نیچے مریم بنت عمران اتری تھیں۔ (مسند ابو یعلی' موصلی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۵۵' حلیۃ الاولیاء' ج ۶' ص ۱۲۳' کامل ابن عدی' ج ۶' ص ۲۲۳۴' مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۸۹)

اس حدیث کی سند منقطع ہے۔ عروہ بن رویم کی حضرت علی سے ملاقات نہیں ہے' اس کے علاوہ اس کا ایک راوی مسرور بن سعید ضعیف ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا درختوں میں سے ایک درخت ہے' جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے۔ مجھے بتاؤ' وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف گیا' حضرت عبداللہ نے کہا میرا ذہن کھجور کے درخت کی طرف گیا' لیکن مجھے (بڑے لوگوں کے سامنے بولنے سے) شرم آئی۔ پھر لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! بتایئے! وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے' میں نے حضرت عمر سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا اگر تم اس وقت یہ بتا دیتے کہ یہ کھجور کا درخت ہے تو مجھے یہ فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۲-۶۱' صحیح مسلم' منافقین' ۶۳' (۲۸۱۱) ۶۹۶۵' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۲۶۱' مسند احمد' ج ۲' ص ۱۲۳' ۶' طبع قدیم)

رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے درخت کو مومن اور مسلم کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ اس درخت میں خیر بہت زیادہ ہے' اس کا سایہ دائمی ہے' اس کا پھل میٹھا ہے اور یہ ہمیشہ کھایا جاتا ہے۔ تازہ بھی اور خشک بھی' اس کے منافع بہت ہیں' اس کے تنے کے شہتیر بناتے ہیں جو تعمیر کے کام آتے ہیں۔ اس کے پتوں سے رسی' چٹائی' ٹوپی اور پنکھے بنائے جاتے ہیں' اس کی گٹھلی سے تسبیح بنتی ہے اور کئی قسم کے کام آتی ہے' پھر یہ بہت حسین و جمیل درخت ہے۔ اسی طرح مومن میں بھی بہت خیر ہے۔ اس کا عبادت کرنا' اچھے اخلاق سے پیش آنا' عبادت میں توانائی حاصل کرنے کے لیے کھانا پینا' آرام کرنا اور سونا۔ غرضیکہ حسن نیت سے اس کا ہر نیک کام عبادت ہے' اور اس میں اجر و ثواب ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے اور درختوں میں کھجور کے درخت کی یہ صفت ہے کہ وہ آپ سے بہت محبت کرتا ہے' حتیٰ کہ کھجور کا ایک شہتیر جس سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ دیتے تھے' وہ آپ کے فراق سے چلا چلا کر رونے لگا' مومن کی محبت کے متعلق یہ حدیث ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو گا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اھل' اس کے مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ ایک اور روایت میں ہے حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد' اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۵' صحیح مسلم' ایمان ۶۹ (۴۴) ۱۶۷-۱۶۶' سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۰۱۳' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۷)

اور آپ سے محبت کی بنا پر آپ کے فراق میں کھجور کے درخت کے رونے کے متعلق یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ انصار کی ایک خاتون نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے لیے ایک منبر نہ بنا دوں! آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو' انہوں نے آپ کے لیے ایک منبر بنا دیا' پھر جب جمعہ کا دن آیا تو آپ منبر پر کھڑے ہو گئے' تو وہ کھجور کا تنا بچہ کی طرح چیخ چیخ کر رونے لگا' آپ

نے اس کو اپنے ساتھ لپٹایا تو وہ بچہ کی طرح سسکیاں اور ہچکیاں بھرنے لگا۔ حضرت جابر نے کہا وہ آپ کے ذکر کے فراق سے رو رہا تھا۔ دوسری سند کے ساتھ حضرت جابر سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں سے بنی ہوئی تھی اور نبی ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر بنا دیا گیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے، تو ہم نے اس تنے سے اس طرح رونے کی آواز سنی جس طرح اونٹنی اپنے بچوں کے فراق میں روتی ہے، حتی کہ نبی ﷺ نے آکر اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو پھر اس کو قرار آگیا۔

(صحیح البخاری، ج ۴، رقم الحدیث: ۳۵۸۵، ۳۵۸۴، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۰۵، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۹۹، سنن النسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۹۵، مسند احمد، ج ۵، ص ۱۳۹، طبع قدیم، مسند ابو یعلی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۶۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰-۳۰۲، المعجم الاوسط، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۲۰۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۷۹۶-۱۱۷۹۷، مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۸۱-۱۸۰)

امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی سمرقندی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ خطبہ دیتے وقت طویل قیام کرتے ہوئے تھک جاتے تو ایک کھجور کے تنے کے سہارے کھڑے ہو جاتے۔ صحابہ میں سے کسی شخص نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ پسند کریں تو میں آپ کے لیے منبر بنا دوں جس پر بیٹھ کر آپ خطبہ دیں۔ آپ نے فرمایا بنا دو، تو انہوں نے تین یا چار سیڑھیوں کا منبر بنا دیا، نبی ﷺ کو اس میں آرام ملا، جب نبی ﷺ اس تنے سے الگ ہوئے اور منبر پر بیٹھے تو نبی ﷺ کی جدائی کی وجہ سے وہ تنا اونٹنی کی طرح چیخ چیخ کر رونے لگا۔ جب آپ نے اس کے رونے کی آواز سنی تو آپ نے اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا تم دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لو، اگر تم چاہو تو میں تم کو اسی جگہ رہنے دوں اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں جنت میں لگا دوں، تم جنت کی نہروں اور چشموں کے پانی سے سیراب ہو، تمہارے پتے اور پھل خوبصورت ہوں اور اولیاء اللہ تمہارے پھلوں سے کھائیں۔ اس تنے نے نبی ﷺ سے کچھ کہا جس کو آپ نے سنا اور فرمایا اس نے یہ اختیار کر لیا ہے کہ میں اس کو جنت میں اگا دوں۔

(سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۲، المعجم الاوسط، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۷۱، دلائل النبوۃ لابی نعیم، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰)

امام طبرانی اور امام ابو نعیم کی روایت میں ہے، تمہارے پھلوں سے متقی اولیاء اللہ اور انبیاء و مرسلین کھائیں۔

کھجور، انگور، زیتون اور انار کے خواص

کھجور کا مزاج گرم خشک ہے، اس کی اصلاح انار اور سکنجبین سے ہو جاتی ہے۔ اس میں وٹامنز (حیاتین) اور تمام اہم معدنی نمکیات پائے جاتے ہیں، اس کے استعمال سے خون کے سرخ ذرات میں اضافہ ہوتا ہے، یہ کولیسٹرول کو متوازن رکھتی ہے، مدینہ منورہ کی کھجور عجوہ خاص طور پر دل کے لیے مفید ہے، یہ پیٹ کے کیڑے مارتی ہے اور پیشاب کھول کر لاتی ہے، سو گرام کھجور میں ۲۱۴ حرارے، ۲ گرام پروٹین، ۳۔۷ گرام نشاستہ، ایک گرام چکنائی، ۵۔۵ ملی گرام کیلشیم، ۲۔۹ گرام سوڈیم، ۷۔۰۰ ملی گرام پوٹاشیم، ۲۔۷ ملی گرام فاسفورس، ۵۔۳ ملی گرام فولاد اور ۲۔۷ ملی گرام پھوک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کھجور کے بعد انگور کا ذکر فرمایا، کیونکہ انگور تمام پھلوں میں افضل ہے، کیونکہ یہ پھل بھی اول سے لے کر آخر تک نفع بخش ہے۔ اس سے سرکہ اور نبیذ بھی بنایا جاتا ہے۔ انگور دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک چھوٹا انگور ہوتا ہے، یہ جب خشک ہو جائے تو اس کو کشمش کہتے ہیں، اور بڑا انگور جب خشک ہو جائے تو اس کو منقیٰ کہتے ہیں۔ انگور کا مزاج گرم تر ہے، یہ زود ہضم اور کثیر الغذا ہے، خون صالح بہ کثرت پیدا کرتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے، سو گرام انگور میں ۶۹ حرارے، ایک گرام پروٹین ۱۶،

گرام نشاستہ' ایک گرام چکنائی' ۷ ملی گرام کیلشیم' ۲۱ ملی گرام فاسفورس' ۰ء۶ ملی گرام فولاد' ۱۰۰ ملی گرام وٹامن اے' ۰ء۷ ملی گرام وٹامن بی اور ۳۲ ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔

انگور کے بعد زیتون کا ذکر فرمایا ہے' اس کا پھل سبز اور سیاہ دو رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ فلسطین' عرب' ایران اور جنوبی یورپ میں پیدا ہوتا ہے' زیتون کا تیل بہت مفید ہے۔ سردی کے دردوں میں اس سے بدن پر مالش کی جاتی ہے' یہ بدن کو غذائیت بخشتا ہے۔ اعصاب کو تقویت دیتا ہے' بڑھاپے کے تمام عوارض میں مفید ہے' جدید سائنسی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ روغن زیتون کولیسٹرول کو حل کرلیتا ہے۔

انار دو قسم کا ہوتا ہے۔ سرخ دانوں والا اور سفید دانوں والا۔ سرخ دانوں والے کا ذائقہ کھٹا میٹھا ہوتا ہے اور سفید دانوں والا شیریں ہے۔ اس کا مزاج سرد تر ہے۔ اس میں غذائیت کم ہے' خون صالح پیدا کرتا ہے۔ اس میں جراثیم کش خصوصیات بھی ہیں' ۱۰۰ گرام انار میں ۴۳ ملی گرام کیلشیم اور ۲۵ ملی گرام فاسفورس' ۳ء۲ ملی گرام فولاد' ۳۲۰ ملی گرام وٹامن اے' ۱۰۸ ملی گرام وٹامن بی اور ۳۸ ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔

پھلوں کی ابتدائی حالت اور ان کے پکنے سے وجود باری پر استدلال

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے' "جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو' بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں"۔

اس آیت کا یہی حصہ موضع استدلال ہے' اور یہی اس آیت سے مقصود ہے' کیونکہ پھل کے پکنے کے بعد اور اس کی ابتداء کی حالتیں' شکل و صورت' رنگ' ذائقہ اور مزاج کے اعتبار سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ بعض پھلوں کا رنگ ابتداء میں سبز ہوتا ہے اور پکنے کے بعد سرخ یا زرد ہو جاتا ہے اور ابتداء میں ان کا ذائقہ ترش ہوتا ہے اور بعد میں شیریں ہو جاتا ہے اور ابتداء میں ان کی تاثیر سرد ہوتی ہے اور پکنے کے بعد گرم ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھلوں کی نشوونما میں جو یہ تغیر ہوتا ہے اس کا موجد اور خالق کون ہے؟ پھلوں کی طبیعت' موسم' ستارے اور افلاک تو ان کے موجد نہیں ہو سکتے' کیونکہ ان کی نسبت سب چیزوں کی طرف مساوی ہے اور جس کی نسبت سب کی طرف مساوی ہو' اس سے بعض میں مثلاً سرد اور بعض میں گرم' تاثیرات صادر نہیں ہو سکتیں۔ نیز موسم' ستارے اور افلاک تو خود ایک لگے بندھے نظام کے تابع ہیں' ان سے یہ اثرات صادر نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوا کہ ان مختلف اور متضاد اثرات کا خالق وہی قادر و قیوم اور مدبر عالم ہے جو اپنی رحمت' مصلحت' حکمت' علم اور قدرت سے اس ساری کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔

توڑے بغیر پکنے سے پہلے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کا عدم جواز

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کے بیچنے سے منع فرمایا' بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کھجوروں کی بیع سے منع فرمایا تاوقتیکہ وہ سرخ یا زرد نہ ہو جائیں اور سفید ہونے سے پہلے بالیوں کی بیع سے منع فرمایا' تاوقتیکہ وہ آفات سے محفوظ نہ ہو جائیں۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۱۹۴' صحیح مسلم' بیوع ۴۹' (۱۵۳۴) ۳۷۸۸' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۳۶۸-۳۳۶۷' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۲۳۰' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۵۵۱' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۲۱۷)

فقہاء احناف کے نزدیک ظہور صلاحیت کا یہ معنی ہے کہ پھل اتنی مقدار کو پہنچ جائیں کہ وہ قدرتی آفات سے محفوظ ہو

جائیں اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک اس کا معنی پھلوں کا پک جانا اور اس میں مٹھاس کا آجانا ہے۔ (مبسوط' ج ۱۲' ص ۱۹۶)

باغوں میں پھلوں کی مروجہ بیع کے جواز کی صورتیں

ہمارے زمانہ کے اکثر اسلامی شہروں میں باغات کے پھلوں کی بیع کا طریقہ یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع ہوتی ہے۔ پھلوں کو درختوں سے توڑ کر بیع نہیں کرتے اور بالعموم اس وقت بیع کی جاتی ہے جب پھلوں کا ظہور بھی نہیں ہوتا اور صرف ان کا بور ظاہر ہوتا ہے' اور کبھی بور کے بھی ظہور سے پہلے بیع ہو جاتی ہے۔ ان احادیث کے پیش نظر بیع کی یہ مروجہ صورتیں باطل ہیں۔ ہمارے فقہاء نے اس کے حل کی چار صورتیں بیان کی ہیں:

۱- علامہ سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ نے بیان کیا کہ خریدار ظہور سے پہلے پھلوں کو خرید لے اور ایک مدت معینہ تک زمین کو کرائے پر لے لے' پھر پھلوں کے اتارنے تک جو زمین سے افزائش اور روئیدگی حاصل ہو گی' وہ کرایہ کا عوض اور اس کا جائز حق ہو گا۔ (المبسوط' ج ۱۲' ص ۱۹۶' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

۲- اگر بعض پھلوں کے بور کا ظہور ہو گیا ہو اور بعض یا اکثر کا ظہور نہ ہوا ہو تو جن کا ظہور ہو گیا ہے' ان کو اصل قرار دیا جائے اور جن کا ظہور نہیں ہوا ان کو تابع قرار دیا جائے۔ یہ امام مالک' امام محمد بن حسن شیبانی' امام حلوانی اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک جائز ہے' اگرچہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔ (المبسوط' ج ۱۲' ص ۱۹۷' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

۳- درختوں پر جس قدر بھی بور یا پھل ہوں ان کو خریدار خرید لے' اس کے بعد فصل تک جس قدر بھی پھل آئیں ان سب کو باغ کا مالک خریدار پر حلال کر دے۔

(المبسوط' ج ۱۲' ص ۱۹۷' فتح القدیر' ج ۵' ص ۴۹۲' مطبوعہ سکھر' البحر الرائق' ج ۵' ص ۳۰۱' مطبوعہ مصر)

یہ تین حل صرف اس صورت میں ہیں جب باغ کے درختوں میں سے کسی ایک پر بھی کم از کم بور لگ گیا ہو' لیکن ہمارے ہاں اس وقت باغ کے پھلوں کی بیع ہوتی ہے جب باغ کے کسی ایک درخت پر بھی بور تک نہیں ہوتا۔ اس صورت میں صرف یہ حل ہے کہ اس بیع کو حکماً بیع سلم قرار دیا جائے' اس لحاظ سے یہ بیع جائز ہو جائے گی۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں ضرورت کا متحقق ہونا مخفی نہیں ہے۔ خاص طور پر دمشق میں جہاں پھلوں کے درخت بہت زیادہ ہیں اور چونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے' اس لیے شرعی حل پر ان سے عمل کرانا عادۃً محال ہے۔ ہر چند کہ انفرادی طور پر بعض لوگوں سے عمل کرانا ممکن ہے' لیکن دنیا کے تمام لوگوں سے اس پر عمل کرانا محال ہے اور لوگوں سے ان کی عادت چھڑانے میں بہت حرج ہے اور اس صورت میں جن شہروں میں صرف اس طرح پھلوں کی بیع ہوتی ہے' ان کے لیے ان پھلوں کا کھانا حرام ہو جائے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع سلم کی رخصت ضرورت کی بناء پر ہی دی ہے' حالانکہ وہ بھی بیع المعدوم ہے۔ پس چونکہ یہاں بھی ضرورت متحقق ہے' اس لیے اس بیع کو بیع سلم کے ساتھ بطریق دلالت لاحق کرنا ممکن ہے۔ سو اب یہ بیع اس حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ "کوئی شخص وہ چیز فروخت نہ کرے جو اس کے پاس نہیں ہے"۔ اس وجہ سے فقہاء نے اس بیع کو استحساناً جائز قرار دیا ہے' جبکہ ظاہر قیاس کے مطابق اس بیع کو ناجائز ہونا چاہیے۔

(ردالمحتار' ج ۴' ص ۵۳' مطبوعہ استنبول' ج ۴' ص ۳۹-۳۸' مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کے لیے جنوں کو شریک قرار دیا' حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے' انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں اور وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ (الانعام: ۱۰۰)

مشرکین کے اپنے شرکاء کے متعلق نظریات اور ان کے فرقے

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر پانچ دلیلیں قائم کیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے نظریات بیان فرما رہا ہے' اور ان کے باطل نظریات کا رد فرما رہا ہے۔

حسن بصری وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب کے متعلق نازل ہوئی ہے اور جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے کا معنی یہ ہے کہ وہ جنوں کی اس طرح اطاعت کرتے ہیں جس طرح اللہ عزوجل کی اطاعت ہوتی ہے۔ قتادہ وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور کلبی نے کہا یہ آیت زندیقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ اور ابلیس دو بھائی ہیں۔ اللہ انسانوں اور مویشیوں کا خالق ہے اور ابلیس جنات' درندوں اور بچھوؤں کا خالق ہے اور اس قول کے قریب مجوس کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ اس جہان کے دو بنانے والے ہیں۔ ایک خدا قدیم ہے اور دوسرا شیطان حادث ہے اور ان کا زعم یہ ہے کہ برائی کا پیدا کرنے والا حادث ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۴۹-۴۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے شریک قرار دینے والوں کے حسب ذیل فرقے ہیں:

۱- بت پرست لوگ ہیں۔ یہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ بتوں کو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں ہے' لیکن یہ بتوں کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں اور بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

۲- بعض مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کے مدبر کواکب ہیں' اور ان کے دو فرقے ہیں ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ کواکب واجبۃ الوجود لذاتہا ہیں اور ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ یہ ممکنۃ الوجود لذاتہا ہیں اور حادثہ ہیں اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' مگر اللہ سبحانہ نے اس عالم اسفل کی تدبیر ان کی طرف سونپ دی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان ہی سے مناظرہ کیا تھا' جب کہا تھا "لا احب الافلین"۔

۳- بعض مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اس جہان کے دو خدا ہیں۔ ایک برائی کا خالق ہے' وہ اہرمن ہے اور ایک بھلائی کا خالق ہے' وہ یزدان ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت زندیقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اور ابلیس دو بھائی ہیں۔ اللہ انسانوں' مویشیوں اور نیکیوں کا خالق ہے اور ابلیس درندوں' سانپوں' بچھوؤں اور برائیوں کا خالق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو مذہب بیان کیا ہے' وہ مجوسیوں کا مذہب ہے جو یزدان اور اہرمن کے قائل ہیں۔

۴- کفار یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جن سے مراد فرشتے ہیں' کیونکہ جن کا معنی ہے چھپی ہوئی چیز اور فرشتے بھی آنکھوں سے چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔

۵- یہود حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۹۰-۸۸ مختصراً و موضحاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے لیے مولود نہ ہونے پر دلائل

اس آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں۔ وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ سے اولاد کی نفی پر علماء اسلام نے حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں:

۱- خدا اور معبود کا واجب لذاتہ ہونا ضروری ہے' اگر خدا کے لیے بیٹے کو فرض کیا جائے تو وہ واجب لذاتہ ہو گا یا ممکن لذاتہ ہو گا' اگر وہ واجب لذاتہ ہو تو اس کا مولود ہونا باطل ہے' کیونکہ مولود والد سے متاخر اور اس کی طرف محتاج ہوتا ہے' اور واجب لذاتہ کسی سے متاخر اور کسی کا محتاج نہیں ہوتا' بلکہ مستغنی اور قدیم ہوتا ہے اور اگر وہ ممکن لذاتہ ہو تو پھر وہ اللہ کا بندہ اور اس کی مخلوق ہو گا اور مولود والد کا بندہ اور اس کی مخلوق نہیں ہوتا' نیز مولود والد کی جنس سے ہوتا ہے اور ممکن' محتاج اور حادث' واجب' مستغنی اور قدیم کی جنس سے نہیں ہے۔

۲- مولود کی احتیاج اس لیے ہوتی ہے کہ والد کی موت کے بعد وہ اس کا قائم مقام ہو اور اس کے مشن کو آگے بڑھائے اور اللہ عزوجل پر موت کا آنا محال ہے' اس لیے اس کا مولود بھی محال ہے۔

۳- مولود والد کا جز ہوتا ہے اور جس کا کوئی جز ہو وہ مرکب ہوتا ہے اور مرکب حادث ہوتا ہے' اس لیے اللہ کا مولود ہونا اس کے مرکب اور حادث ہونے کو مستلزم ہے اور اس کا مرکب اور حادث ہونا محال ہے' اس لیے اس کا مولود بھی محال ہے۔

۴- مولود والد کے مشابہ ہوتا ہے اور اللہ کے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے' اس لیے اللہ کا مولود ہونا محال ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ موجودہ عیسائی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو باپ اور عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا مجازاً کہتے ہیں' باپ سے مراد رحیم اور شفیق ہے۔ جسمانی لحاظ سے باپ مراد نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ کو خصوصیت سے بیٹا کیوں کہتے ہو؟ اور اس پر اصرار کیوں کرتے ہو؟ ساری کائنات کو اللہ کا بیٹا کہو' وہ سب پر شفیق اور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو شفیق اور رحیم اور حضرت عیسیٰ کو عزیز اور رحیم کیوں نہیں کہتے۔ جب کہ باپ اور بیٹا کے الفاظ جسمانی رشتہ کو ظاہر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جناب سے صراحتاً نقص ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متصور نہیں کہ وہ خدا کو باپ کہیں جو اس کے لیے نقص کا موجب ہے۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ

وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے، اس کی اولاد کیونکر ہو گی حالانکہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے،

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ یہی ہے اللہ جو تمہارا رب ہے، اس کے سوا

اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے سو تم اسی کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر چیز کا نگہبان

وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ

ہے ○ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ نہایت باریک بین

اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ

بہت باخبر ہے ○ بےشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن نشانیاں آگئیں، سو جس نے آنکھیں

فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَ

کھول کر دیکھ لیا تو اس کا فائدہ ہے اور جو اندھا بنا رہا تو اسی کا نقصان ہے ، میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں ○ ہم

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ

بار بار مختلف انداز سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ کہیں کہ آپ نے (کسی سے) پڑھا ہے ، اور تاکہ ہم اس قرآن کو علم والوں

یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

کے لیے بیان کر دیں ○ آپ اس چیز کی پیروی کیجیے جس کی آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے ، اس کے سوا کوئی عبادت

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا

کا مستحق نہیں ہے اور مشرکین سے اعراض کیجیے ○ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے ، اور ہم نے

جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا

آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا ، اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں ○ اور

تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا

(اے مسلمانو!) تم ان کو بُرا نہ کہو جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں ورنہ یہ بے علمی اور جہالت سے اللہ کو

بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ

بُرا کہیں گے ، ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے ، پھر انہوں نے اپنے رب کی

مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ

طرف لوٹنا ہے ، پھر وہ ان کو خبر دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے ○ اور انہوں نے پکی قسمیں کھائیں کہ

جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا

اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے ، آپ کہیے کہ نشانیاں تو

الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا یُشْعِرُكُمْ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے ○

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ

ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے

وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ رہے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے' اس کی اولاد کیونکر ہوگی حالانکہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے' اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۱۰۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کا دلائل سے رد

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا تھا کہ مشرکین کے عقائد باطل ہیں اور اس آیت میں ان کے باطل ہونے پر دلائل قائم کیے ہیں' ان دلائل کی تقریر امام رازی نے اس طرح فرمائی ہے:

۱- بدیع کا معنی ہے کسی چیز کو بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونہ کے پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء۔ بغیر کسی سابقہ مثال کے پیدا کرنے والا ہے' اور یہی عیسائیوں کے عقیدہ کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا ہے' جس کی پہلے کوئی نظیر اور مثال نہیں تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہے' اللہ تعالیٰ نے اس دلیل کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء۔ بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونہ کے پیدا کیا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا باپ ہے اور اگر اس وجہ سے وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا باپ نہیں ہے' تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس وجہ سے کیسے باپ ہو سکتا ہے؟

۲- عیسائی جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا باپ ہے۔ اگر اس سے ان کی یہ مراد ہے کہ جیسے انسانوں میں معروف طریقہ سے اولاد ہوتی ہے' اس طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تو بیوی ہی نہیں ہے تو اس کا بیٹا کیسے ہوگا؟ نیز معروف طریقہ سے اولاد کے حصول میں وہ شخص محتاج ہوگا جو علی الفور کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ نو ماہ کے انتظار کے بعد اولاد کو حاصل کرے گا' لیکن جس کی شان یہ ہو کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے تو وہ ایک لفظ کن فرماتا ہے اور وہ چیز اسی وقت موجود ہو جاتی ہے۔ وہ اس معروف دنیاوی طریقہ سے اولاد کو کیوں حاصل کرے گا؟ اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔

۳- اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا فرض کیا جائے تو وہ قدیم ہوگا یا حادث؟ اس کا قدیم ہونا اس لیے باطل ہے کہ بیٹا' باپ سے متاخر ہوتا ہے اور قدیم کسی چیز سے متاخر نہیں ہوتا' اور اس کا حادث ہونا اس لیے باطل ہے کہ بیٹے کے ہونے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی صفت کمال حاصل ہوگی یا صفت نقص۔ نقص کا فرض باطل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ محل نقص نہیں اور صفت کمال حاصل ہونا اس لیے باطل ہے کہ وہ قدیماً اور ازلاً تمام صفات کمال سے متصف ہے۔ پھر بیٹے کو قدیم ہونا چاہیے' حالانکہ اس کو حادث فرض کیا تھا اور اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' کیونکہ اگر اس کے علم میں یہ ہوتا کہ بیٹے کا ہونا اس کے لیے باعث کمال ہے تو بیٹا ازلی اور قدیم ہوتا' حالانکہ بیٹا باپ سے متاخر ہوتا ہے اور

متاخر ہونا قدیم کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ (الانعام: ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا ذکر فرمایا ہے کہ صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر حسب ذیل دلائل ہیں:

۱- ہم کہتے ہیں کہ تمام کائنات کی تخلیق کے لیے ایک صانع' عالم' قادر اور مدبر کافی ہے۔ اگر ایک سے زیادہ صانع کی ضرورت ہے تو ہم پوچھتے ہیں' کتنے صانعین کی ضرورت ہے؟ اگر تم کسی عدد کی تخصیص کرو' مثلاً تین یا چار کی تو یہ ترجیح بلا مرجح ہے' کیونکہ تمام اعداد مساوی ہیں اور اگر تم کسی عدد میں صانع کا حصر نہ کرو تو غیر متناہی صانعین کا ہونا لازم آئے گا اور یہ براہین ابطال تسلسل سے باطل ہے۔

۲- ہم کہتے ہیں کہ تمام کائنات کو پیدا کرنے کے لیے ایک صانع کافی ہے' جو تمام معلومات کا عالم ہو اور تمام ممکنات پر قادر اور مدبر ہو۔ اب اگر دوسرا صانع فرض کیا جائے تو یا تو ان دونوں میں سے ہر ایک اس جہان کے حوادث میں سے کسی چیز کو وجود میں لانے کا مستقل فاعل ہو گا اور دوسرے کو اس میں مداخلت کرنے سے مانع ہو گا۔ ایسی صورت میں کسی چیز کو موجود کرنے کے لیے ان دونوں میں سے صرف ایک کافی ہو گا اور دوسرا عاجز اور معطل ہو گا اور اگر کسی چیز کو موجود کرنے کے لیے وہ دونوں باہم اشتراک اور تعاون کے محتاج ہوں تو یہ باطل ہے' کیونکہ جو محتاج ہو وہ الوہیت اور خدائی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۳- اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ضروری ہے کہ وہ دونوں صفات کمال کے جامع ہوں اور اس صورت میں تمام صفات کمال ان دونوں میں مشترک ہوں گی' پھر ان دونوں میں امتیاز کے لیے ایک امر ممیز ماننا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ تعدد اور اثنینیت بلا امتیاز باطل ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ امر ممیز صفت کمال ہے یا صفت نقص۔ اگر وہ صفت کمال ہے' تو پھر دونوں تمام صفات کمال کے جامع نہ رہے' کیونکہ یہ ایک اور صفت کمال ہے اور اگر وہ انہی صفات کمال میں سے ہے' تو یہ ما بہ الاشتراک ہے ما بہ الامتیاز نہیں ہے اور اگر یہ ممیز صفت نقص ہے تو نقص کا حامل الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۴- اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو وجوب وجود اور قدم ان میں مشترک ہو گا اور کیونکہ اثنینیت بلا امتیاز باطل ہے' اس لیے ان میں ایک اور ممیز ہو گا اور ہر خدا دو چیزوں سے مرکب ہو گا امر مشترک اور امر ممیز اور جو مرکب ہو' وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۵- اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو اگر ایک معین وقت میں مثلاً ایک خدا زید کو متحرک کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کو ساکن کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں کا ارادہ پورا ہونا محال ہے' کیونکہ یہ اجتماع ضدین ہے۔ اس صورت میں صرف ایک کا ارادہ پورا ہو گا اور وہی غالب ہو گا اور دوسرا مغلوب ہو گا' اور مغلوب الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ دونوں اتفاق کر لیتے ہیں اور اختلاف نہیں کرتے' تو ہم کہتے ہیں کہ ان میں اختلاف کرنا ممکن ہے یا نہیں' اگر اختلاف کرنا ممکن نہیں تو وہ عاجز ہوں گے اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اگر اختلاف کر سکتے ہیں تو پھر وہی پہلی تقریر جاری ہو گی۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ اتفاق کرتے ہیں تو ضرور ایک دوسرے کی موافقت کرے گا اور جو موافقت کرے گا' وہ تابع ہو گا اور تابع الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اشارہ فرمایا ہے:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (المومنون: ۹۱)

اللہ نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے' ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ہر ایک معبود دوسرے پر غلبہ پاتا' اللہ ان چیزوں سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء: ۲۲)

اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ضرور وہ دونوں (آسمان اور زمین) تباہ ہو جاتے۔

۶- اگر دو خدا ہوں تو یا تو وہ صفات ذاتیہ میں ایک دوسرے کے بالکل مساوی ہوں گے یا ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ ہوگا۔ پہلی صورت اس لیے باطل ہے کہ اثنینت بلا امتیاز محال ہے اور دوسری صورت اس لیے باطل ہے کہ جو ادنیٰ ہو وہ الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۷- اگر دو خدا ہوں تو یا تو ان میں سے ہر ایک اپنی مصنوع پر خصوصی دلیل قائم کرنے پر قادر ہوگا' یا کوئی قادر نہیں ہوگا' یا صرف ایک قادر ہوگا؟ موخر الذکر دونوں صورتیں اس لیے باطل ہیں کہ قادر نہ ہونا عجز ہے اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اول الذکر صورت اس لیے باطل ہے کہ جب فی الواقع کسی مصنوع کے دو صانع ہوں تو عقل کے نزدیک یہ محال ہے کہ اس کی دلالت کسی ایک صانع پر ہو' نہ کہ دوسرے پر۔ مثلاً ایک درخت ہل رہا ہے اب اس کا ہلنا اس پر دلیل ہے کہ اس کا کوئی ہلانے والا ہے' لیکن عقل کے نزدیک اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کا ہلانے والا فلاں ہے اور فلاں نہیں ہے۔

۸- اگر دو خدا ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ ایک خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر وہ قادر نہ ہو تو اس کا عجز لازم آئے گا اور اگر وہ اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہو تو دوسرے خدا کا جہل لازم آئے گا اور نہ عاجز خدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ جاہل۔

۹- اگر دو خدا ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے تعاون کے مستقلاً تمام جہان کو پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس پر قادر نہیں ہے تو عاجز ہوگا' اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے تعاون کے مستقلاً تمام جہان کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو دوسرے کا معطل ہونا لازم آئے گا اور اس کو خدا ماننا عبث ہوگا۔

۱۰- ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہان کا نظام ایک نمط اور طرز واحد پر چل رہا ہے اور کبھی اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ مثلاً سورج' چاند اور ستارے ہمیشہ ایک مخصوص جہت سے طلوع ہوتے ہیں اور اس کے مقابل جانب غروب ہوتے ہیں۔ بارش آسمان کی جانب سے ہوتی ہے اور غلہ زمین سے پیدا ہوتا ہے' کبھی اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ انسان کے ہاں ہمیشہ انسان پیدا ہوتا ہے' بندر یا لنگور پیدا نہیں ہوتا' اور شیر کے ہاں شیر پیدا ہوتا ہے کبھی لومڑی پیدا نہیں ہوتی۔ سیب کے درخت میں کبھی تربوز نہیں لگتا اور گندم کی بالیوں میں کبھی جوار نہیں لگتا۔ یہ ساری کائنات نظام واحد پر چل رہی ہے' اور اس کا نظام واحد پر جاری ہونا زبان حال سے بتاتا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔ اگر اس کائنات کے خالق متعدد ہوتے تو اس میں متعدد نظام ہوتے اور ان میں یکسانیت اور وحدت نہ ہوتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے اسی دلیل کی طرف اشارہ فرمایا تھا:

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (البقرہ: ۲۵۸)

ابراہیم نے کہا کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال۔

۱۱- ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے اور جو کثرت کسی وحدت کے تابع نہ ہو تو اس کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔ مثلاً کلاس میں طلباء کسی ایک استاد کے تابع ہوتے ہیں' اور جب اسکول میں متعدد استاد ہوں تو وہ کسی ہیڈ ماسٹر کے تابع ہوتے ہیں۔ صوبہ میں جب کئی وزیر ہوں تو ان کے اوپر وزیر اعلیٰ واحد ہوتا ہے اور متعدد مرکزی وزراء پر وزیر اعظم واحد ہوتا ہے۔ کسی ملک میں دو بادشاہ نہیں ہوتے' نہ دو صدر ہوتے ہیں' نہ دو وزیر اعظم ہوتے ہیں' نہ کسی فوج کے دو کمانڈر انچیف ہوتے ہیں' نہ کسی ادارہ میں دو منیجنگ ڈائریکٹر ہوتے ہیں۔ ہر شعبہ میں مرکزی اقتدار صرف ایک کے پاس ہوتا ہے اور ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے۔ سو اسی طرح اس کائنات کا کارساز مطلق اور مقتدر اعلیٰ بھی واحد ہے۔ اگر اس کائنات کے صانع اور مدبر بھی دو یا دو سے زائد ہوتے تو اس کا نظام بھی فاسد ہو جاتا۔ اور جس طرح کسی مملکت کے دو صدر نہیں ہو سکتے' اسی طرح اس کائنات کے بھی دو خدا نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر جو میں نے دلائل پیش کیے ہیں' ان میں سے کچھ دلائل علماء متقدمین سے مستفاد ہیں جن کی میں نے اپنے انداز سے تقریر کی ہے' اور ان میں سے کچھ دلائل اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء فرمائے ہیں۔ وللہ الحمد علی ذالک حمدا کثیرا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے' وہ نہایت باریک بین اور بہت باخبر ہے۔ (الانعام: ۱۰۳)

رویت باری کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

تقریباً ہر دور کے علماء اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت (اس کا دکھائی دینا) دنیا اور آخرت میں ممکن ہے یا نہیں۔ بعض علماء نے اس کا انکار کیا اور جمہور علماء اسلام کا موقف یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن ہے اور دنیا میں یہ رویت صرف سیدنا محمد ﷺ کے لیے معراج کی شب واقع ہوئی اور آخرت میں تمام انبیاء علیہم السلام اور مومنین کے لیے یہ رویت واقع ہوگی' میدان حشر میں بھی اور جنت میں بھی۔

منکرین رویت کے دلائل اور ان کے جوابات

معتزلہ اور دیگر منکرین رویت کی ایک دلیل یہ ہے کہ جو چیز دکھائی دے' وہ دیکھنے والے کی مقابل جانب میں ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ دکھائی دے تو اس کے لیے ایک جانب اور جہت کا ہونا لازم آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا بھی انکار کر دو' کیونکہ دیکھنے والا بھی دکھائی دینے والی چیز کی جانب مخالف میں ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دیکھنے اور دکھائی دینے کا یہ قاعدہ ممکنات اور مخلوقات کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے لیے جانب اور مقابلہ کی شرط ہے' نہ دکھائی دینے کے لیے۔

منکرین رویت کی دوسری دلیل یہ آیت ہے جس کا معنی وہ یہ کرتے ہیں کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سلب عموم اور نفی شمول ہے۔ عموم السلب اور شمول النفی نہیں ہے۔ یعنی ہر ہر آنکھ کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے' نہ ہر ہر زمانہ میں دیکھنے کی نفی ہے' نہ ہر ہر مواقع پر دیکھنے کی نفی ہے' بلکہ بعض زمانہ میں بعض مواقع پر بعض لوگوں کے دیکھنے کی نفی ہے' سو دنیا میں دیکھنے کی نفی ہے اور آخرت کے بعض مواقع میں جب اللہ تعالیٰ غضب اور جلال میں ہوگا' اس وقت اس کو دیکھنے کی نفی ہے اور کفار اور منافقین کے دیکھنے کی نفی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے شب معراج میں جو اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور محشر میں اور جنت میں دیگر انبیاء علیہم السلام

اور جملہ مومنین کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے۔

منکرین رویت کی تیسری دلیل یہ ہے کہ جن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کو بہ طور مذمت نقل کیا ہے اور اس مطالبہ پر عذاب نازل کیا:

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ (البقرہ: ۵۵)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے' حتیٰ کہ ہم اللہ کو کھلم کھلا دیکھ لیں تو تم کو (بجلی کی) کڑک نے پکڑ لیا اور تم (اس منظر کو) دیکھ رہے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر عذاب نازل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کی باتوں پر یقین کرنے کو از راہ عناد اور سرکشی اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر معلق کر دیا تھا' اس وجہ سے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے تھے۔

منکرین رویت کی چوتھی دلیل یہ حدیث ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی' اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا جس شخص نے یہ زعم کیا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے' اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ مسروق نے کہا میں ٹیک لگائے ہوئے تھا' میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اے ام المومنین! مجھے مہلت دیں اور جلدی نہ کریں' کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا:

وَلَقَدْ رَاٰہُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ○ (التکویر: ۲۳) — اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا۔

وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی ○ (النجم: ۱۳) — اور بے شک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور دیکھا۔

حضرت عائشہ نے فرمایا میں اس امت میں وہ سب سے پہلی شخص ہوں جس نے ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا؟ آپ نے فرمایا اس سے مراد حضرت جبرائیل ہیں' حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جس صورت پر پیدا کیا گیا' میں نے اس صورت پر ان کو صرف دو بار دیکھا ہے۔ میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا' ان کی عظیم خلقت نے آسمان سے زمین تک کی جگہ کو بھر لیا تھا۔ حضرت عائشہ نے (مسروق سے) فرمایا کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیتیں نہیں سنیں:

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ (الانعام: ۱۰۳)

آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ (الشوریٰ: ۵۱)

اور کسی بشر کے لائق نہیں کہ وہ اللہ سے کلام کرے' مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے' جو کچھ اللہ چاہے' پہنچا دے۔

(صحیح مسلم' ایمان' ۲۸۷' (۱۷۷) ۴۳۲' صحیح البخاری ج ۵' رقم الحدیث: ۴۸۵۵' ۴۶۱۲' سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۶۸' مسند احمد' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۶۰۹۹' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۴۳۷)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا' جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کی قائل نہیں تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا

ہے' لیکن وہ آخرت میں رویت باری کا انکار نہیں کرتی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شب معراج میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے قائل تھے اور جمہور علماء اسلام ان کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۃ الانعام کی جس زیر بحث آیت سے استدلال کیا ہے' اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں' نہ یہ کہ آنکھیں اس کا مطلقاً ادراک نہیں کر سکتیں۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ (القیامہ: ۲۳-۲۲)

کتنے ہی چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

اس آیت میں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی تصریح ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (التطفیف: ۱۵)

بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے اور یہ چیز ان کے لیے اسی وقت باعث حرمان و یاس ہوگی جب مسلمان اس دن اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں' کیونکہ اگر ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل نہ ہو اور نہ کافروں کو' تو پھر یہ چیز ان کے لیے باعث افسوس نہیں ہوگی۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام: ۱۰۳)

آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں ہے' اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں اسی وقت ہو سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن ہو' کیونکہ اسی چیز کی نفی وجہ کمال ہوتی ہے جس کا ثبوت ممکن ہو۔ مثلاً ہوا' خوشبو اور آواز کا دکھائی دینا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ان کی مدح اور تعریف میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ہوا' خوشبو اور آواز کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں' تو اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں' یہ اللہ تعالیٰ کی مدح اور تعریف اسی وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہو۔ سو یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے:

قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ (الاعراف: ۱۴۳)

موسیٰ نے عرض کیا' اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا میں تجھے دیکھوں۔

اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے یہ سوال نہ کرتے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ (حم السجدہ: ۳۱)

اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو گے۔

نیک اور صاف دل لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار طلب کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ جنت میں ان کی ہر خواہش پوری فرمائے گا' سو یہ آیت جنت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے۔

آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' اچانک آپ نے چودھویں رات کے چاند کی

طرف دیکھا۔ آپ نے فرمایا تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اس کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی‘ پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو تو اس طرح کرو۔

(صحیح البخاری‘ ج ۱‘ رقم الحدیث: ۵۵۴‘ ج ۸‘ رقم الحدیث: ۷۴۳۶‘ ۷۴۳۵‘ ۷۴۳۴‘ صحیح مسلم‘ المساجد‘ ۲۱۱ (۶۳۳) ۱۴۰۷‘ سنن ابوداؤد‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۴۷۲۹‘ سنن الترمذی‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۲۵۶۰‘ سنن کبریٰ للنسائی‘ ج ۱‘ رقم الحدیث: ۴۶۰‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۱‘ رقم الحدیث: ۱۷۷‘ مسند احمد‘ ج ۷‘ رقم الحدیث: ۱۹۲۱۱‘ طبع جدید‘ مسند احمد‘ ج ۴‘ ص ۳۶۸‘ طبع قدیم)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ — جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے اچھی جزاء ہے اور اس سے بھی زیادہ۔ (یونس: ۲۶)

آپ نے فرمایا جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی ندا کرے گا کہ اللہ کے پاس تمہارا ایک وعدہ ہے‘ وہ کہیں گے: کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کیے اور ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ وہ کہیں گے‘ کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر حجاب کھول دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا جنتیوں کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں۔

(سنن ترمذی‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۵۶۱۱‘ صحیح مسلم‘ ایمان‘ ۲۹۷ (۱۸۱) ۴۴۲‘ السنن الکبریٰ للنسائی‘ ج ۶‘ رقم الحدیث: ۱۱۲۳۴‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۱‘ رقم الحدیث: ۱۸۷‘ مسند احمد‘ ج ۴‘ ص ۳۳۲-۳۳۳‘ طبع قدیم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت کا ادنیٰ درجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی جنتوں‘ اپنی بیویوں اور اپنی نعمتوں اور اپنے خادموں اور اپنی باندیوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہوگا جو صبح اور شام اس کے چہرے کی زیارت کرے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ○ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ — کتنے ہی چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے‘ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ (القیامہ: ۲۲-۲۳)

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن‘ صحیح‘ غریب ہے۔ (سنن الترمذی‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۲۵۶۳)

حضرت ابو بکر بن عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو جنتیں چاندی کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا ہے‘ اور دو جنتیں سونے کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے‘ سونے کا ہے‘ اور ان لوگوں اور ان کے رب کے دیدار میں صرف اللہ کی کبریائی کی چادر ہے جو جنت عدن میں اس کے چہرے پر ہے۔

(صحیح مسلم‘ ایمان‘ ۲۹۶‘ (۱۸۰) ۴۴۱‘ صحیح البخاری‘ ج ۵‘ رقم الحدیث: ۴۸۷۸‘ سنن الترمذی‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۲۵۳۶‘ السنن الکبریٰ للنسائی‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۷۷۶۵‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۱‘ رقم الحدیث: ۱۸۶‘ صحیح ابن حبان‘ ج ۱۰‘ رقم الحدیث: ۴۶۱۱‘ مسند احمد‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۸۴۲۷‘ طبع جدید‘ مسند احمد‘ ج ۲‘ ص ۳۳۹‘ ۳۳۵‘ طبع قدیم‘ المستدرک‘ ج ۱‘ ص ۸۰)

شب معراج اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق علماء امت کے نظریات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ‘ صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

متقدمین اور متاخرین کا اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے میں اختلاف رہا ہے۔ اکثر مبتدعین دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا انکار کرتے ہیں اور اہل السنہ اور اہل السلف دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے جواز اور وقوع کے قائل ہیں۔ پھر اس میں بھی متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابو ہریرہ' مشہور روایت کے مطابق حضرت ابن مسعود' سلف صالحین اور متکلمین اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے' اور سلف صالحین کی ایک عظیم جماعت نے یہ کہا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مسلک ہے۔ انہوں نے کہا حضرت موسیٰ کلام کے ساتھ خاص کیے گئے۔ حضرت ابراہیم خلت کے ساتھ اور سیدنا محمد ﷺ رویت کے ساتھ خاص کیے گئے' حضرت ابوذر' کعب' حسن بصری اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود سے بھی ایک یہی روایت ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے' مشائخ کی ایک جماعت نے توقف کا قول کیا ہے۔ انہوں نے کہا اس کی نفی اور اثبات پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے' لیکن یہ عقلاً جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا عقلاً اور نقلاً" جائز ہے' عقلی دلائل علم کلام میں ہیں اور نقلی دلائل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رویت کا سوال کرنا ہے' کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے۔ نیز احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ (المفہم' ج ۱' ص ۴۰۲-۴۰۱' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن الحارث نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی ملاقات ہوئی۔ حضرت ابن عباس نے کہا ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ پھر حضرت ابن عباس نے کہا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور دیدار سیدنا محمد ﷺ کے لیے ہو۔ پھر حضرت ابی بن کعب نے بہت بلند آواز سے کہا اللہ اکبر حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے۔ پھر حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ نے رویت اور کلام کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ اور امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حسن بصری اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور ابو عمر الطلمنکی نے اس قول کو عکرمہ سے روایت کیا ہے اور بعض متکلمین نے اس قول کو حضرت ابن مسعود سے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: کہ کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! اور نقاش نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میں حضرت ابن عباس کی حدیث کے مطابق کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

وہ بار بار کہتے رہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے حتیٰ کہ امام احمد کا سانس منقطع ہو گیا۔ شیخ ابوالحسن اشعری اور ان کے اصحاب کا بھی یہی نظریہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حضرت انس' حضرت ابن عباس' عکرمہ' ربیع اور حسن بصری کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابوالعالیہ' قرظی اور ربیع بن انس کا یہ قول ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے امام احمد سے بھی اس قول کی حکایت کی ہے۔ امام مالک بن انس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں نہیں دکھائی دیتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ باقی ہے اور فانی آنکھوں سے باقی کو نہیں دیکھا جا سکتا' اور جب مسلمان آخرت میں پہنچیں گے تو ان کو باقی رہنے والی آنکھیں دی

جائیں گی تو پھرباقی آنکھوں سے باقی ذات کو دیکھ لیں گے۔ قاضی عیاض نے کہا یہ عمدہ کلام ہے۔ اس دلیل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی اس دنیا میں قدرت ضعیف ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے' اتنی قدرت عطا فرمادے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا بوجھ اٹھا سکے تو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رویت ممتنع نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۵۲-۵۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار رویت کے جوابات

علامہ یحیٰی بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

صاحب تحریر کا مختار یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا اس مسئلہ میں بہت دلائل ہیں' لیکن ہمارا استدلال اس قوی حدیث سے ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور رویت سیدنا محمد ﷺ کے لیے ہو عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا' کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں! ایک معتمد سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اس مسئلہ میں دلیل حبر الامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ صحابہ کرام مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس مسئلہ میں ان سے رجوع کیا ہے اور ان سے یہ سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے' انہوں نے کہا ہاں دیکھا ہے' اور اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت سے کوئی اثر نہیں پڑے گا' کیونکہ حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے یہ روایت نہیں کیا کہ آپ نے فرمایا ہے میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا' بلکہ انہوں نے خود قرآن مجید کی دو آیتوں سے اس مسئلہ کا استنباط کیا ہے' اور جب صحابی کا قول کسی دوسرے صحابی کے قول کے خلاف ہو تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ رویت ثابت ہے تو اس روایت کو قبول کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ محض عقل سے نہیں جانا جاسکتا اور اس میں ظنی دلائل کافی ہیں' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے ظن اور اجتہاد سے یہ کہا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے' اور معمر بن راشد نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زائد نہیں ہیں اور حضرت ابن عباس نے ایک چیز کو ثابت کیا ہے جس کی دوسروں نے نفی کی ہے۔ اور مثبت روایت نافی پر مقدم ہوتی ہے۔ (صاحب تحریر کا کلام ختم ہوا)

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے' کیونکہ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اور یہ انہوں نے صرف رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ کا استدلال صرف آیتوں سے ہے' پس سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۳ کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ادراک بہ طور احاطہ کی نفی ہے' اور سورۂ شوریٰ کی آیت ۵۱ سے جو انہوں نے استدلال کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بلا حجاب رویت کی نفی نہیں ہے' بلکہ بلا حجاب کلام کی نفی ہے اور رویت کلام کو مستلزم نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے صرف اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہو اور دیدار کے وقت کلام نہ کیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں عام قاعدہ بیان کیا ہے اور عام مخصوص البعض ہے اور دوسرے دلائل سے ہمارے نبی ﷺ اس عام قاعدہ سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی' ج ۱' ص ۹۸۳-۹۷۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' ریاض' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں آگئیں' سو جس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کا فائدہ ہے اور جو اندھا بنا رہا تو اسی کا نقصان ہے' میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ (الانعام: ۱۰۴)

کیا چیز رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا چیز آپ کے ذمہ نہیں ہے!

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا بیان کیا تھا اور اس آیت میں رسالت کا بیان فرمایا ہے کہ کیا چیز رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا چیز رسول کے ذمہ نہیں ہے۔ دین حق کی دعوت دینا دلائل اور معجزات سے رسالت کو ثابت کرنا اور شبہات کو زائل کرنا اور احکام شرعیہ کو بیان کرنا' یہ رسولوں کے ذمہ ہے' اور کسی شخص کا ایمان لانا اور کفر کو ترک کر دینا' یہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ نہیں۔ یہ انسان کے اپنے ذمہ ہے' وہ ایمان اور کفر میں سے جس کو بھی اختیار کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لیے پیدا کر دیتا ہے۔ سو نبی ﷺ کی تبلیغ سے ایمان لانے میں بندوں کا اپنا نفع ہے اور کفر پر برقرار رہنے میں ان کا اپنا نقصان ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے دین حق کے دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ اب لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں اور دین حق کو قبول کر لیں' یہ ان کے اختیار میں ہے۔ ان کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جائے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفع کے لیے دین حق پر بصیرت افروز دلائل بیان کر دیئے ہیں' ان سے ہمیں فائدہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر کوئی شخص ان دلائل میں غور و فکر نہیں کرے گا تو اسے نقصان ہو گا' اللہ کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے اور یہ کہ دین حق کو قبول کرنا یا نہ کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے اور اس میں جبریہ کے مذہب کا رد ہے۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت میں ایمان لانے یا نہ لانے کا جو اختیار دیا ہے وہ قتال اور جہاد کی آیتوں سے منسوخ ہو گیا۔ یہ قول صحیح نہیں ہے' جہاں تک ممکن ہو آیات کو عدم نسخ پر محمول کرنا چاہیے اور جہاد اور قتال کے بعد بھی ایمان کا لانا یا نہ لانا انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم بار بار مختلف انداز سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں' تاکہ یہ لوگ کہیں کہ آپ نے (کسی سے) پڑھا ہے اور تاکہ ہم اس قرآن کو علم والوں کے لیے بیان کر دیں○ (الانعام: ۱۰۵)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کا شبہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ منکرین رسالت کا ایک شبہ بیان فرما رہا ہے۔ اس کی تمہید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک آیت کر کے قرآن نازل فرماتا ہے اور ایک معنی کو مختلف اسالیب سے بیان فرماتا ہے' تاکہ اہل علم پر اللہ تعالیٰ کی مراد منکشف ہو جائے اور ان کے ذہنوں میں وہ معنی مستقر ہو جائے' لیکن کفار کو اس سے یہ شبہ ہوا کہ نبی ﷺ علماء سے مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں۔ پھر اس بحث و تمحیص سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے' اس کو مختلف فقروں اور جملوں میں ڈھالتے ہیں۔ پھر اس کو یاد کر کے ہمارے سامنے پڑھتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ آپ پر وحی نازل ہوئی ہے' حالانکہ یہ سب آپ کا لوگوں سے پڑھا ہوا اور حاصل کیا ہوا ہے۔ ورنہ اگر یہ اللہ کا نازل کیا ہوا کلام ہوتا تو ایک ایک جملہ کی شکل میں کیوں نازل ہوتا؟ یک بارگی پوری کتاب نازل ہوتی' کفار کے اس شبہ کا بیان اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی آیات میں کیا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ○ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الفرقان: ۵-۴)	اور کافروں نے کہا یہ (قرآن) صرف بہتان ہے' جس کو اس رسول نے گھڑ لیا ہے اور اس کام پر دوسرے لوگوں نے ان کی مدد کی ہے (یہ کہہ کر) انہوں نے بہت بڑا ظلم کیا اور انہوں نے کہا یہ پہلے لوگوں کے (جھوٹے) قصے ہیں جو اس (رسول) نے

لکھوالیے ہیں۔ سووہ صبح شام ان پر پڑھے جاتے ہیں۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُولُونَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ (النحل: ۱۰۳)

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ قرآن ایک آدمی سکھاتا ہے' حالانکہ جس کی طرف یہ (سکھانے کی) جھوٹی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ قرآن نہایت روشن عربی ہے۔

ان کے اس شبہ کا قرآن مجید نے متعدد بار جواب دیا ہے "کہ اگر تمہارے زعم میں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اور کسی انسان کا بنایا ہوا یا سکھایا ہوا کلام ہے' تو تم اس کی کسی چھوٹی سورت کی ہی مثال بنا کر لے آؤ' لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کی کسی ایک سورت کی بھی نظیر نہیں لا سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس چیز کی پیروی کیجئے جس کی آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔ (الانعام: ۱۰۶)

کفار کی دل آزار باتوں پر نبی ﷺ کو تسلی دینا

اس سے پہلی آیت میں یہ بتلایا تھا کہ کفار آپ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ آپ نے کچھ علماء سے کچھ مضامین سیکھ لیے ہیں اور ان کو آپ الفاظ میں ڈھال کر پیش کر دیتے ہیں اور پھر اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ اپنے رب کی نازل کی ہوئی وحی کی پیروی کیجئے' تاکہ ان کی طعن آمیز باتوں سے آپ کی دعوت اور تبلیغ متاثر نہ ہو۔ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ان کے اس شک وشبہ اور طعن و تشنیع سے جو آپ کو حزن و ملال ہوا ہے' وہ زائل ہو جائے اور آپ کے دل کو تقویت حاصل ہو۔ پھر فرمایا اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ اس قول میں اس پر متنبہ کیا کہ آپ صرف اس کی اطاعت کیجئے اور جاہلوں کی جہالت کی وجہ سے اپنے مشن کو متاثر نہ ہونے دیں اور فرمایا مشرکین سے اعراض کیجئے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ آیت' آیت قتال سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے' اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ان سے مقابلہ نہ کریں' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی دل آزار باتوں سے اعراض کریں اور ان پر غم اور افسوس نہ کریں' تاکہ آپ کی دعوت اور تبلیغ کا مشن متاثر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں۔ (الانعام: ۱۰۷)

اس آیت کا تعلق بھی اسی سابق طعن سے ہے' مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ نے علماء سے مذاکرات کر کے یہ قرآن بنالیا ہے' تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان کی ان جاہلانہ اور معاندانہ باتوں کی طرف توجہ نہ کریں اور ان کا کفر آپ پر بوجھ نہ بنے' کیونکہ اگر میں ان سے کفر زائل کرنے کا ارادہ کرتا تو میں اس پر قادر تھا' لیکن میں نے باوجود قدرت کے' ان کو ان کے کفر پر چھوڑ دیا تو آپ بھی ان کی طعن آمیز باتوں سے اپنے دل پر اثر نہ لیں' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو موکد کرنے کے لیے فرمایا کہ آپ ان کے کفر کی وجہ سے کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ ہم نے آپ کو ان کا نگہبان اور ذمہ دار نہیں بنایا' آپ کے ذمہ صرف عقائد کی تعلیم دینا ہے اور احکام شرعیہ کا پہنچا دینا ہے۔ اگر انہوں نے آپ کے پیغام کو قبول کر لیا تو اس کا نفع ان کو ہوگا اور اگر آپ کے پیغام کو قبول نہیں کیا تو اس کا ضرر بھی صرف ان کو ہوگا اور آپ کے منصب رسالت پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) تم ان کو برا نہ کہو جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں' ورنہ یہ بے

علمی اور جہالت سے اللہ کو برا کہیں گے۔ ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے' پھر انہوں نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر وہ ان کو خبر دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے۔ (الانعام: ۱۰۸)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے

اس آیت کا بھی اس سابق آیت کے ساتھ ربط ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ شبہ بیان فرمایا تھا کہ انہوں نے اہل علم کی باتیں سن سن کر فقرے بنالیے ہیں اور یہ قرآن جمع کر لیا ہے اور اس وقت یہ بعید نہیں تھا کہ مسلمان اس بات کو سن کر مشتعل ہوتے اور بطور معارضہ کے' کفار کے بتوں کو برا کہتے۔ اس لیے پیش بندی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے بتوں کو برا کہنے سے منع فرمایا' تاکہ کفار اس کے جواب میں اپنی جہالت سے مسلمانوں کے خدا کو برا نہ کہنے لگیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی جاہل سے سابقہ ہو تو انسان اس کو کوئی سخت بات نہ کہے' ورنہ وہ اس سے بھی زیادہ سخت بات کہے گا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان کفار کے بتوں کو برا کہتے تھے' تو کفار اس کا معارضہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو برا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا تم ان کے بتوں کو برا نہ کہو' ورنہ وہ اپنی جہالت سے تمہارے خدا کو برا کہیں گے۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۴۰۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار مکہ اور قریش اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے اور بتوں کی عبادت بھی اس لیے کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کریں' تو ان سے یہ کس طرح متصور ہے کہ وہ اللہ کو برا کہتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان بتوں کو برا کہتے تھے تو دراصل کفار اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کو برا کہتے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو برا کہنا' اللہ تعالیٰ کو برا کہنا قرار دیا' کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ (الفتح: ۱۰)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

اسی طرح جب ستر انصار نے عقبہ ثانیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا جب ہم اپنی جانوں اور مالوں کو آپ کی اطاعت میں خرچ کریں تو ہمیں اس کے عوض کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت تو یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ: ۱۱۱)

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا (الاحزاب: ۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں' اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا متصور نہیں ہے' دراصل رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینا ہی اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے۔

يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا (البقرہ: ۹)

وہ اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے' ان کا اختلاف صرف رسول اللہ ﷺ سے تھا۔ ان کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ممکن نہ

تھا' وہ اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دیتے تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ رسول اللہ کو دھوکا دینا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ — جس نے رسول کی اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔ (النساء: ۸۰)

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے۔ آپ کا خریدنا اللہ کا خریدنا ہے' آپ کو ایذاء دینا اللہ کو ایذاء دینا ہے' آپ کو دھوکا دینا اللہ کو دھوکا دینا ہے اور آپ کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت کرنا ہے اور جب آپ کے ساتھ کوئی معاملہ اللہ کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے' تو آپ کو برا کہنا اللہ کو برا کہنا ہے۔ اس لیے بتوں کو برا کہنے کے جواب میں کفار رسول اللہ ﷺ کو برا کہتے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تم ان کے بتوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ اللہ کو برا کہیں گے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور دیگر مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔

جب ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو قریش نے کہا ان کے پاس چلو اور ان سے کہو کہ وہ اپنے بھتیجے کو منع کریں' کیونکہ ہم کو اس سے حیا آتی ہے کہ ان کی موت کے بعد ہم ان کے بھتیجے کو قتل کریں۔ لوگ کہیں گے کہ وہ اپنے بھتیجے کا دفاع کرتے تھے اور ان کے مرنے کے بعد انہوں نے ان کے بھتیجے کو قتل کر دیا۔ تب ابو سفیان' ابو جہل' نضر بن الحارث' امیہ بن خلف' عقبہ بن ابی معیط' عمرو بن العاص اور الاسود بن البختری نے ایک آدمی بھیج کر ابو طالب سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت مل گئی تو انہوں نے کہا اے ابو طالب! تم ہمارے بڑے اور ہمارے سردار ہو اور (سیدنا) محمد ﷺ ہمیں اور ہمارے خداؤں کو اذیت پہنچاتے ہیں' ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم انہیں بلا کر ان سے کہو کہ وہ ہمارے خداؤں کا ذکر نہ کیا کریں' ابو طالب نے آپ سے کہا آپ کی قوم نے انصاف کی بات کی ہے۔ نبی ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا یہ بتاؤ! اگر میں ایسا کر لوں تو کیا تم مجھے ایک ایسا کلمہ دو گے کہ اگر تم وہ کلمہ پڑھ لو تو تم عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور عجم کے لوگ تمہارے باجگزار ہو جائیں گے۔ ابو جہل نے کہا ہاں! تمہارے باپ کی قسم ہم تم کو ضرور وہ کلمہ دیں گے' بلکہ اس کا دس گنا دیں گے۔ بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم کہو لا الٰہ الا اللہ انہوں نے اس کو پڑھنے سے انکار کر دیا۔ ابو طالب نے کہا اے بھتیجے! کوئی اور بات کہو' تمہاری قوم اس کلمہ سے بدکتی ہے' آپ نے فرمایا اے میرے چچا! میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کہوں گا۔ حتیٰ کہ یہ سورج کو لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں اور اگر انہوں نے سورج کو لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا' تب بھی میں اس کلمہ کے سوا اور کچھ نہیں کہوں گا۔ تب وہ غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے آپ ہمارے بتوں کو برا کہنے سے باز آجائیں' ورنہ ہم آپ کو بھی برا کہیں گے اور جو آپ کو حکم دیتا ہے اس کو بھی برا کہیں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان' جزء ۷' ص ۴۰۴' تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۶۷' تفسیر ابن کثیر' ج ۳' ص ۷۹-۷۸)

سد ذرائع کی بناء پر بتوں کو برا کہنے کی ممانعت

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کفار کے خداؤں کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم اس امت میں ہر حال میں باقی ہے' لہٰذا جب تک کافر اپنی حفاظت میں ہو اور یہ خدشہ ہو کہ وہ اسلام کو یا نبی ﷺ کو یا اللہ عزوجل کو برا کہے گا' تو کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی صلیب کو یا ان کے دین کو یا ان کی عبادت گاہوں کو برا کہے' اور نہ کسی ایسے کام کے درپے ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو برا کہیں' کیونکہ یہ معصیت پر ابھارنے کے قائم مقام ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ جو کام کسی برائی کا ذریعہ بنے' اس کو روکنا اور اس کا نہ کرنا واجب ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ بعض اوقات کسی حقدار کو اس کا حق وصول کرنے سے اس لیے روک دیا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے دین میں کسی ضرر کے پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ اگر حق واجب ہو تو اس کو ہر حال میں وصول کرے اور اگر جائز ہو تو پھر اس میں یہ قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اطاعت گزاروں کے لیے اطاعت کو مزین کر دیا ہے اور کافروں کے لیے کفر کو مزین کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے' آپ کہئے کہ نشانیاں تو صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۱۰۹)

فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی وجہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کا نبی ﷺ کی نبوت میں ایک شبہ بیان کیا' پھر اس کے جوابات دیئے اور اس میں آپ کی نبوت میں ان کا دوسرا شبہ بیان فرمایا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اے محمد! آپ ہمیں یہ خبر دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے پاس ایک لاٹھی تھی جس کو انہوں نے پتھر پر مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' اور آپ خبر دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور آپ خبر دیتے ہیں کہ ثمود کے پاس ایک اونٹنی تھی تو آپ بھی ان معجزات میں سے کوئی معجزہ پیش کریں' تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہیں کس قسم کا معجزہ دکھاؤں؟ انہوں نے کہا آپ ہمارے لیے صفا پہاڑ سونے کا بنادیں۔ آپ نے پوچھا اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! بہ خدا اگر آپ نے ایسا کر دیا تو ہم سب آپ کی اتباع کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا آپ کو اختیار ہے اگر آپ چاہیں تو صبح کو یہ پہاڑ سونے کا ہو جائے گا اور اگر یہ معجزہ پیش کر دیا گیا اور یہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو ہم ان سب کو عذاب دیں گے اور اگر آپ چاہیں تو آپ ان کو چھوڑ دیں' حتیٰ کہ ان میں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ آپ نے فرمایا بلکہ ان میں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کر لی جائے۔ تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۴۰۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں' جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ رہے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۰)

جب اللہ نے کفار کے دلوں کو پھیر دیا تو ان کا کفر میں کیا قصور ہے؟

یہ آیت بھی ان آیات میں سے ایک ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کفر اور ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی قضاء قدر سے ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کفار کے طلب کردہ معجزات پیش کر دیئے گئے اور کفار کو پتا چل گیا کہ یہ معجزات سیدنا محمد ﷺ کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور آنکھوں کو اس صحیح دلالت سے پھیر دیا' تو وہ اپنے کفر پر قائم رہے اور ان معجزات کی دلالت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں اور آنکھوں کو سچائی' ہدایت اور اسلام کی راہ سے پھیر دیا' تو پھر ان کے ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ پہلی بار جب ان کا فرمائشی معجزہ دکھایا گیا اور چاند کو شق کر دیا گیا اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو دوسری بار اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ جب معجزہ نبی ﷺ کے صدق پر دلالت کرتا' تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیتا اور وہ اپنے کفر پر برقرار رہتے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور آنکھوں کو دوزخ کے شعلوں اور انگاروں کی طرف پھیر دے گا' تاکہ ان کو عذاب ہو' جس طرح دنیا میں یہ پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مُردے ان سے

الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا

باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی وہ

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ایمان نہ لاتے، سوائے اس کے کہ اللہ کی مشیت ہوتی لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں ○

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا جو (لوگوں کو) دھوکے

يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القا کرتے رہتے ہیں اور اگر آپ کا رب

مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ

چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے، سو آپ انہیں اور ان کی افترا پردازیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں ○ اور تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ

وہ ان (خوشنما باتوں) کی طرف مائل ہوں اور ان کو پسند کریں اور ان برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں جن کا

مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ

وہ ارتکاب کرنے والے ہیں ○ تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور انصاف کرنے والا تلاش کروں حالانکہ یہ وہی ہے جس نے تمہاری

الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ

طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن ان کے رب کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ

حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، سو (اے مخاطب!) تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ○ اور آپ کے رب کی

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ

بات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پوری ہو گئی، اس کے احکام کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے، اور وہ بہت سننے والا،

الْعَلِیْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ

خوب جاننے والا ہے ○ اور (اے مخاطب!) اگر تو زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کرے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ

سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

کر دیں گے، وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں ○

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ

بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہو گا، اور وہ ہدایت پانے والوں

بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۱۷﴾

کو (بھی) خوب جانتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے، تب بھی وہ ایمان نہ لاتے، سوائے اس کے کہ یہ اللہ کی مشیت ہوتی لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں۔ (الانعام: ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ کا مطلوب بندوں کا اختیاری ایمان ہے

اس سے پہلے آیت ۱۰۹ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آ جائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے (الانعام: ۱۰۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے تمام مطلوبہ معجزات فراہم کر دے، بلکہ اس سے بھی زیادہ مہیا کر دے، کہ فرشتے نازل کر دے اور مردے ان سے کلام کریں، بلکہ ہر چیز ان کے سامنے جمع کر کے پیش کر دی جائے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ایمان صرف وہی لوگ لا سکتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان لانا مقدر کر دیا تھا اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایمان لانے

والے نہیں ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایمان مقدر نہیں کیا' وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں' یہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس حد کو پہنچ چکے ہیں کہ اب اگر اللہ تعالیٰ ان میں جبراً ایمان پیدا کر دے' یہ تبھی ایمان لائیں گے' لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

یہ واضح رہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اپنے اختیار سے ایمان لائیں اور وہ کسی میں جبراً ایمان پیدا نہیں کرنا چاہتا' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندے اپنے ایمان کے خالق ہیں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندے اپنے اختیار سے ایمان لانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں ایمان پیدا کر دیتا ہے' بندہ کسب اور ارادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خلق اور پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا' جو (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القا کرتے رہتے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۲)

انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین (سرکشوں) کا ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے لیے سرکش اور شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا تھا' اسی طرح آپ کے لیے بھی سرکش اور شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا ہے۔

اس آیت میں شیاطین الانس والجن فرمایا ہے۔ اس کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ شیطان سے مراد سرکش ہے اور انسانوں اور جنوں میں سے بعض سرکش ہوتے ہیں اور یہ دونوں مومنوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ تمام شیطان ابلیس کی اولاد ہیں' اور اس نے ان کے دو گروہ کر دیئے ہیں۔ ایک گروہ انسانوں کو بہکاتا ہے اور دوسرا گروہ جنوں کو بہکاتا ہے اور ان دونوں گروہوں کو شیاطین الانس والجن کہا جاتا ہے' لیکن پہلی تفسیر راجح ہے اور اس کی تائید میں یہ حدیث ہے:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے' اور صحابہ کا یہ گمان تھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے' اس لیے وہ آپ کے سامنے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آ کر آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر! کیا تم نے آج نماز پڑھ لی ہے' انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اب کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ جب انہوں نے چار رکعات چاشت کی نماز پڑھ لی تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جنوں اور انسانوں کے شیطانوں سے پناہ طلب کیا کرو' انہوں نے کہا یا نبی اللہ! کیا انسانوں کے لیے بھی شیطان ہوتے ہیں' آپ نے فرمایا ہاں! جن اور انس کے شیاطین (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القا کرتے ہیں۔ الحدیث بطولہ۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(مسند احمد' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۲۲۱۸۹' ۲۱۴۳۸' طبع دار الحدیث' قاہرہ' مسند احمد' ج ۵' ص ۲۶۶' ۲۶۵' طبع قدیم' سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۵۲۲' المعجم الکبیر' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۸۷۱' مجمع الزوائد' ج ۳' ص ۱۱۵)

وحی' زخرف القول اور غرور کے معنی

اس آیت میں فرمایا ہے ان میں سے بعض' بعض کی طرف غرور (دھوکے) میں مبتلا کرنے کے لیے زخرف القول کی وحی کرتے ہیں۔

وحی کا معنی ہے اشارہ کرنا' لکھنا اور کلام خفی۔ جب وحی کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر بلاواسطہ یا فرشتے کی وساطت سے نیند یا بیداری میں نازل فرماتا ہے' اور جب اس کی نسبت عام مسلمانوں کی طرف ہو تو اس سے مراد الہام ہوتا ہے۔ یعنی کسی خیر اور نیک بات کا دل میں ڈالنا اور جب اس کی نسبت شیطان کی طرف ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے تو اس کا معنی ہے وسوسہ' یعنی کسی بری بات یا برے کام کی طرف انسانوں کے دل کو مائل اور راغب کرنا۔ زخرف اس چیز کو کہتے ہیں جس کا باطن باطل' برائی اور گناہ ہو اور اس کا ظاہر مزین' خوش نما اور خوب صورت ہو۔ جیسے چاندی پر سونے کا ملمع کر کے اسے سونا بنا کر پیش کیا جائے۔

غرور کے معنی ہیں دھوکا' مغرور وہ شخص ہے جو کسی چیز کو مصلحت کے مطابق عمدہ اور نفع آور گمان کرے اور در حقیقت وہ اس طرح نہ ہو۔

شیطان کے وسوسہ اندازی کی تحقیق

شیطان کے وسوسہ سے دھوکا کھانے کی تحقیق یہ ہے کہ جب تک انسان کسی چیز کے متعلق یہ یقین نہ کرے کہ اس میں خیر غالب ہے اور نفع زیادہ ہے' وہ اس چیز میں رغبت نہیں کرتا اور اس کے حصول کے درپے نہیں ہوتا۔ پھر اگر اس کا یہ یقین واقع کے مطابق ہو تو یہ حق اور صدق ہے اور اگر یہ یقین کسی فرشتے کے القاء کرنے کی وجہ سے ہے' تو یہ الہام ہے اور اگر اس کا یہ یقین واقع کے مطابق نہیں ہے اور اس کا ظاہر حسین اور مزین ہے اور اس کا باطن فاسد اور باطل ہے' تو یہ کلام مزخرف ہے۔ اب یا تو اس نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے بری چیز کو اچھا اور پیتل کو سونا سمجھ لیا اور یا ارواح خبیثہ نے اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا ہے اور اس کے ذہن میں برائی کو خوش نما بنا کر پیش کیا ہے' اور یہی معنی اس آیت میں مراد ہے۔

در حقیقت روحیں دو قسم کی ہوتی ہیں' ایک طیب اور طاہر ہوتی ہیں یہ فرشتے ہیں' اور دوسری ناپاک اور شریر ہوتی ہیں' یہ شیاطین ہیں۔ ارواح طیبہ جس طرح لوگوں کو نیکی کا حکم دیتی ہیں' اسی طرح ایک دوسرے کو بھی نیکی کا حکم دیتی ہیں' اور ارواح خبیثہ جس طرح لوگوں کو برائی کا حکم دیتی ہیں' اسی طرح ایک دوسرے کو بھی برائی کا حکم دیتی ہیں۔ پھر انسانوں میں جن کی سرشت نیک ہوتی ہے اور ان پر پاکیزگی اور خیر کا غلبہ ہوتا ہے' ان کی فرشتوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان پر الہام ہوتا ہے اور جن کی سرشت خبیث ہوتی ہے اور ان پر برائی کا غلبہ ہوتا ہے' ان کی شیطانوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں شیطان وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔ پھر انسانوں میں جو زیادہ خبیث اور سرکش ہوتے ہیں' وہ دوسرے انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتے ہیں اور برائیوں کو خوش نما بنا کر دوسرے لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو برائیوں اور گناہوں پر راغب کرتے ہیں۔ اس آیت میں یہی بتایا ہے کہ شیطان جن اور شیطان انسان لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے برائیوں کو خوش نما بنا کر بیان کرتے ہیں' اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے شیطان انسانوں اور شیطان جنوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔

اس بحث میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابن آدم کے قریب ایک شیطان کا نزول ہوتا ہے اور ایک فرشتہ کا نزول ہوتا ہے (یعنی اس کے دل میں ایک القاء کرنے والا شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ) شیطان کی طرف سے القاء کرنے والا اس کو مصائب سے ڈراتا ہے اور حق کی تکذیب کراتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے القاء کرنے والا خیر کی بشارت دیتا ہے۔ جو شخص اس کو اپنے دل میں پائے وہ اللہ کا شکر بجا لائے' اور جو شخص اپنے دل میں دوسری بات پائے وہ اعوذ باللہ من الشیطن

الرحیم پڑھے' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ (البقرہ: ۲۶۸) شیطان تم کو مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۹۹۹' صحیح ابن حبان' ج ۳' رقم الحدیث: ۹۹۷' السنن الکبریٰ' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۰۵۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک جن پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی پیدا کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! میرے ساتھ بھی پیدا کیا گیا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اعانت فرمائی' وہ مسلمان ہو گیا۔ وہ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم' منافقین' ۶۹' (۲۸۱۴) ۶۹۷۵' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۴۸)

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم' آپ کا دل اور آپ کی زبان شیطان کے آثار سے محفوظ ہے اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرین جن (ہم زاد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور آپ کی مبارک صحبت سے مسلمان ہو گیا اور برائی کا حکم دینے والا نیکی کا حکم دینے والا بن گیا' اور ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو شیطان کے اغواء اور اس کے وسوسوں سے بچانے کی کوشش کریں۔

شیطان کی طرف سے القاء وسوسہ ہوتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے القاء الہام ہوتا ہے۔ شیطان کفر' فسق اور ظلم کے وسوسے ڈالتا ہے اور توحید' رسالت' مرنے کے بعد اٹھنے' قیامت اور جنت اور دوزخ کے انکار کی تلقین کرتا ہے اور فرشتہ' اللہ' اور رسول اور قرآن مجید کی تصدیق کی تلقین کرتا ہے اور نماز' روزہ اور دیگر نیکی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ جب اس کے دل میں اس قسم کی باتیں آئیں تو اللہ کا شکر ادا کرے اور جب اس کے خلاف باتیں آئیں' تو شیطان کے شر سے پناہ مانگے۔ ہرچند کہ احکام شرعیہ میں الہام معتبر نہیں ہے' لیکن وساوس شیطان سے اجتناب میں وہ معتبر ہے' عارفین نے کہا ہے کہ جو شخص حرام کھاتا ہو' وہ الہام اور وسوسہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے' سو آپ انہیں اور ان کی افتراء پردازیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ (الانعام: ۱۱۲)

شیاطین کو پیدا کرنے کی حکمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسانوں اور جنوں میں سرکش اور شیاطین سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے امتیوں کو اپنے وسوسوں اور سازشوں سے نقصان نہ پہنچاتے اور اسی طرح وہ آپ کو اور آپ کی امت کو بھی ضرر پہنچانے سے باز رہتے' لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ بعض نیک لوگ ان شیاطین کی سازشوں اور وسوسوں کی وجہ سے ضرر میں مبتلا ہوں' پھر اللہ تعالیٰ ان شیاطین کو آخرت میں سزا دے اور نیک لوگوں کو ان کے امتحان میں کامیاب ہونے اور مصائب پر صبر کرنے کی وجہ سے جزا دے' تو آپ ابلیس اور اس کے پیروکاروں کو اور ان کی مزخرف باتوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ یہ آیت کفر پر عذاب کی وعید اور اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کی بشارت کو متضمن ہے۔ اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے اور آپ کے قلب مبارک سے غم کو زائل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے' وہ ان (خوش نما باتوں) کی طرف مائل ہوں اور ان کو پسند کریں اور ان برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں جن کا وہ ارتکاب کرنے والے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۳)

لتصغٰی کا معنی

اس آیت میں لتصغٰی کا لفظ ہے' اس کا مادہ صغی ہے۔ علامہ جار اللہ محمد بن عمر زمخشری متوفی ۵۸۳ھ نے اس کا معنی لکھا ہے' صغی کا معنی ہے کسی چیز کی طرف میلان کرنا اور جھکنا۔

(الفائق ج ۲' ص ۲۵۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اور علامہ ابن اثیر محمد جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بلی کی حدیث میں "کان یصغی الیہ الاناء" وہ اس کے لیے برتن جھکاتے تھے' تاکہ وہ سہولت سے پانی پی لے' اور حدیث میں اس کا معنی کان لگا کر سننا بھی ہے۔ (النہایہ' ج ۳' ص ۳۲' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۷ھ)

اس آیت کا معنی ہے یہ شیاطین ایک دوسرے کی طرف مزخرف اور مزین اقوال پہنچاتے ہیں' تاکہ نیک مسلمانوں کو بہکائیں اور ان کی طرف ان کفار اور فساق کے دل مائل ہوں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے' کیونکہ ان کے وسوسے ان کی خواہشوں کے موافق ہیں اور تاکہ وہ ان سے خوش ہوں' لیکن جو مسلمان انجام پر نظر رکھتے ہیں' وہ ان کی خوش نما باتوں میں نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آپ کہئے) تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور انصاف کرنے والا تلاش کروں' حالانکہ یہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے' اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن ان کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوا ہے' سو (اے مخاطب!) تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ (الانعام: ۱۱۴)

نبوت کی دو دلیلیں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کفار نے پکی قسمیں کھا کر کہا کہ اگر ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیئے جائیں تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے' اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ ان معجزات کے دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا' کیونکہ وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو چکی ہے' اور وہ قرآن مجید ہے۔ وہ کتاب مفصل ہے جس میں علوم کثیرہ ہیں اور وہ انتہائی فصیح اور بلیغ کلام پر مشتمل ہے۔ جس کے معارضہ سے تمام مخلوق عاجز ہو چکی ہے' اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل نازل کی جن میں آپ کی نبوت پر دلائل اور پیشین گوئیاں ہیں اور تورات اور انجیل کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ آپ سچے اور برحق نبی ہیں' سو ان دو دلیلوں کے بعد اب اور کون سی دلیل کی ضرورت ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آپ کہئے) کیا میں اللہ کے سوا اور کوئی حکم تلاش کروں؟ یعنی آپ کہئے کہ تم مجھ سے فرمائشی معجزات طلب کرتے ہو' کیا اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد اور کسی کی شہادت کی ضرورت ہے۔ جس نے میری نبوت کی تصدیق کے لیے قرآن مجید کو نازل کیا' جو کتاب معجز ہے اور جو اس کتاب سے پہلے تورات اور انجیل کو نازل کر چکا ہے' جس میں میرے نبی ہونے کی پیش گوئی ہے' اور میری علامتیں اور نشانیاں بیان کر دی گئی ہیں اور جن لوگوں نے تورات اور انجیل کو پڑھا ہے جیسے حضرت سلمان فارسی' حضرت صہیب رومی' حضرت عدی بن حاتم اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم وغیرہم وہ آپ کے نبی ہونے کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔

پھر فرمایا نبوت کی ان دو دلیلوں کے آنے کے بعد تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ اس میں بہ ظاہر آپ کو خطاب

ہے، لیکن مراد اس سے آپ کی امت ہے، یا اس میں ہر پڑھنے والے کو خطاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پوری ہو گئی، اس کے احکام کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۱۱۵)

کلمات رب کے صادق اور عادل ہونے کے معانی

اس سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا تھا کہ قرآن مجید معجز ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کے رب کا کلمہ صدق اور عدل کے اعتبار سے پورا ہو گیا۔ یعنی قرآن مجید جو معجز کلام ہے، وہ پورا ہو گیا، جو نبی ﷺ کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مکلفین کو قیامت تک علم اور عمل کے اعتبار سے جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ سب قرآن مجید میں بتمامہ موجود ہیں اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے وہ سب تمام اور مکمل ہیں، ان میں نہ کوئی تغیر ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔

(سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۵۲۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے علم پر قلم خشک ہو چکا ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۶۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا تم جن چیزوں سے ملاقات کرنے والے ہو، ان کے متعلق قلم (لکھ کر) خشک ہو چکا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب القدر، باب ۲)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ، اس نے کہا اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیامت تک ہر چیز کی تقدیر لکھ۔ (الحدیث)

(سنن ابوداؤد، ج ۴، رقم الحدیث: ۴۷۰۰، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۱۷، المعجم الکبیر، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۲۲۷، ۱۱۲۴۳، السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۲۰۴، مختصر اتحاف السادۃ المہرۃ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳۲)

علامہ ابوبکر بن اسماعیل بوصیری متوفی ۸۴۰ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد بن منیع نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور امام ابوداؤد الطیالسی اور امام ابوداؤد سجستانی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور اس کی سند میں احمد بن سلیم ضعیف ہے۔ (اتحاف السادۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ، ج ۱، ص ۱۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں اللہ کے کلمہ کو جو صدق اور عدل فرمایا ہے، اس کا چوتھا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم میں خبریں ہیں اور دوسری قسم میں عقائد اور احکام شرعیہ ہیں۔ صدق کا تعلق قرآن مجید کی دی ہوئی خبروں کے ساتھ ہے اور عدل کا تعلق عقائد اور احکام شرعیہ کے ساتھ ہے، یعنی اس کی دی ہوئی تمام خبریں صادق ہیں اور اس کے بیان کردہ عقائد اور احکام شرعیہ سب عادل ہیں، یعنی متوسط ہیں اور صحیح ہیں۔ کیونکہ عدل کا معنی متوسط ہے جو افراط اور تفریط کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ کا کلمہ صادق ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید دونوں میں خلف محال ہے۔ (تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۱۴۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اشاعرہ تو خلف وعید کے قائل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بہ ظاہر خلف وعید کو جائز کہتے ہیں لیکن حقیقتاً جائز نہیں کہتے' کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی جرم کی کوئی سزا بیان کی ہے وہاں پر یہ شرط یا یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر میں معاف نہ کروں یا اگر میں چاہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا تو عذاب دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تو عذاب نہیں دے گا۔ لہٰذا اب وعید کے خلاف نہیں ہو گا' ہاں! شرک پر جو عذاب کی وعید سنائی ہے' وہاں یہ قید ملحوظ نہیں ہے اور اس وعید کا خلاف ہونا اور کافر اور مشرک کا بخشا جانا محال ہے اور امام رازی نے جو کہا ہے کہ خلف وعید محال ہے' اس سے مراد شرک کی وعید ہے۔ دیگر گناہوں پر جو وعید ہے اس کا خلف مراد نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک اور کفر کے علاوہ ہر گناہ کو بہر حال بخش دے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خلف وعید کذب کو مستلزم ہے' اور خلف وعید کا امکان کذب کا امکان ہے' ان کا یہ قول باطل ہے' کیونکہ خلف وعید تو بالفعل واقع ہو گا' لہٰذا ان کے قاعدہ پر اللہ کے کلام کا بالفعل کذب ہونا لازم آئے گا۔ معاذ اللہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) اگر تو زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کرے' تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے' وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۶)

عقیدہ اور عمل کی گمراہیوں کی تفصیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کے شبہات بیان کیے اور ان کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد فرمایا جب حق واضح ہو گیا' پھر بھی اگر کوئی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرے اور آپ کے پیغام کو نہ مانے' تو وہ محض اپنے گمان کی پیروی کرنے والا ہو گا اور گمراہ ہو گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ زمین کے اکثر لوگ تمہیں گمراہ کر دیں گے اور گمراہ کرنا گمراہ ہونے کی فرع ہے' اور گمراہی تین چیزوں میں متصور ہو سکتی ہے۔ الوہیت کے اعتقاد میں' نبوت کے اعتقاد میں اور احکام شرعیہ کے اعتقاد میں۔

الوہیت کے اعتقاد میں گمراہی یہ ہے کہ کوئی شخص خدا کے وجود کو نہ مانے۔ جیسے دہریے ہیں' یا متعدد خدا مانے۔ جیسے مشرکین اور بت پرست ہیں' یا وہ لوگ جو خدا کے بیٹے مانتے ہیں۔ جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ کو اور یہودی حضرت عزیر کو۔

نبوت کے اعتقاد میں گمراہی یہ ہے کہ مطلقاً نبی کو نہ مانے۔ جیسے ہندو' سکھ اور بدھ مذہب والے یا سیدنا محمد ﷺ کے آنے اور ختم نبوت کے بعد کسی اور نبی کی بعثت کا اعتقاد رکھے۔ جیسے مرزائی' بہائی اور دیندار جو صدیق چن بشوشور کو مانتے ہیں' یا سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کو لعنت اور تبرا کرنے والے جیسے رافضی ہیں' یا آپ کی آل اطہار کو برا کہنے والے جیسے ناصبی ہیں' یا دونوں کو برا کہنے والے جیسے خارجی ہیں' یا رسول اللہ ﷺ کی تنقیص اور بے ادبی کرے' آپ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہے اور بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات کو آپ پر منطبق کرے' آپ کے فضائل اور کمالات کو کم کرنے اور چھپانے میں کوشاں رہے' یا جو دوسری جانب غلو کرے' آپ کے بشر ہونے کا انکار کرے' یا آپ کے لیے ذاتی علم غیب اور ذاتی قدرت مانے یا آپ کے کمالات اللہ تعالیٰ کے مساوی یا زائد قرار دے۔

احکام شرعیہ میں گمراہی یہ ہے کہ جس کام کو نبی ﷺ نے حرام قرار دیا ہو' اس کو مستحب جاننا۔ جیسے شیعہ ماتم کرنے کو مستحب جانتے ہیں۔ یا جس کام کو نبی ﷺ نے حرام نہ کہا ہو' اس کو حرام کہنا' جیسے کوئی شخص عرفاً تاریخ مقرر کر کے ایصال ثواب

کرے جیسے سوئم، چہلم، عرس اور گیارہویں شریف میں ایصال ثواب کیا جاتا ہے تو اس کو حرام کہا جائے' یا میلاد شریف کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ کے فضائل' آپ کی سیرت اور آپ کا ذکر خیر کیا جائے تو اس کو حرام کہا جائے' تو یہ احکام شرعیہ میں گمراہی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص سوئم، چہلم، عرس، گیارہویں شریف اور میلاد شریف کو فرض یا واجب کہے یا ان کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کرے بایں طور کہ نہ کرنے والے کو ملامت کرے اور گمراہ جانے یا اذان سے پہلے یا بعد صلاۃ و سلام پڑھنے کو واجب کہے' یا اللہ کے بجائے اولیاء اللہ کی نذر اور منت مانے یا ان کی قبروں کا طواف کرے' یا سجدۂ تعظیمی کرے' یا اولیاء اللہ کو مستقل فی التصرف جانے' اور یہ جان کر ان کو پکارے اور ان سے مدد چاہے تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ امور احکام شرعیہ میں گمراہی ہیں۔

اتباع ظن کی مذمت کی وضاحت

اس آیت میں اتباع ظن کی مذمت کی گئی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اخبار آحاد اور قیاس پر جو عمل کیا جاتا ہے' وہ بھی تو ظن کے درجہ میں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین جو ظن کی اتباع کرتے تھے تو اس کا استناد کسی قطعی دلیل پر نہیں تھا۔ اس کے برخلاف اخبار آحاد اور قیاس کا استناد' دلیل قطعی پر ہے جو قرآن کریم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہو گا اور وہ ہدایت پانے والوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔ (الانعام: ١١٧)

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے' تو پھر آپ ان مخالفین کے درپے نہ ہوں' بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے؟ وہ ہر شخص کو اس کے عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے جزا دے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کافر اگرچہ بہت یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں لیکن وہ جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے احوال پر مطلع ہے' اس کو معلوم ہے کہ یہ گمراہی کے راستہ میں بھٹک رہے ہیں اور جہالت کی وادیوں میں سرگرداں ہیں۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ

اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا

بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ

نام لیا گیا ہو ○ اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس ذبیحہ سے نہیں کھاتے جس پر

اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ

اللہ کا نام لیا گیا ہے، حالانکہ حالتِ اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتا دی

إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ

ہے، اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں، اور بے شک آپ کا رب

هُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُعۡتَدِيۡنَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوۡا ظَاهِرَ الۡاِثۡمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ

حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے ○ اور کھلا گناہ اور پوشیدہ گناہ چھوڑ دو ، بیشک جو

الَّذِيۡنَ يَكۡسِبُوۡنَ الۡاِثۡمَ سَيُجۡزَوۡنَ بِمَا كَانُوۡا يَقۡتَرِفُوۡنَ ﴿١٢٠﴾

لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو عنقریب ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی ○

وَلَا تَاۡكُلُوۡا مِمَّا لَمۡ يُذۡكَرِ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ وَاِنَّهٗ لَفِسۡقٌ ؕ وَاِنَّ

اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا بیشک اس کو کھانا گناہ ہے ، بیشک شیطان

الشَّيٰطِيۡنَ لَيُوۡحُوۡنَ اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓـئِهِمۡ لِيُجَادِلُوۡكُمۡ ۚ وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ

اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں ، اور اگر تم نے ان کی اطاعت

اِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُوۡنَ ﴿١٢١﴾ ع

کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو (الانعام: ١١٨)

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ اور مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم اس جانور کا گوشت کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو' اور مشرکین کی طرف توجہ نہ کرو جو مردار تو کھالیتے ہیں اور مسلمان جس جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں اس کا کھانا برا جانتے ہیں۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ لوگوں نے آکر کہا یا رسول اللہ! کیا ہم اس کو کھالیں جس کو ہم نے قتل کیا ہے اور اس کو نہ کھائیں جس کو اللہ نے قتل کیا ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی 'اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

(سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣٠٨٠' سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٢٨١٩' سنن النسائی' ج ٧' رقم الحدیث: ٤٤٤٩' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ١١١٧١)

بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اور اس پر بھول کر بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے' اور فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان بھول کر بسم اللہ نہ پڑھے تو اس ذبیحہ کا کھانا جائز ہے۔ البتہ اگر وہ عمداً بسم اللہ پڑھنے کو ترک کردے' تو پھر اس ذبیحہ کو کھانا جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیلی بحث سورۃ الانعام: ١٢١' میں انشاء اللہ آئے گی۔

مشرکین یہ کہتے تھے کہ مسلمان خدا کے مارے ہوئے جانور کو حرام کہتے ہیں اور اپنے مارے ہوئے جانور کو حلال کہتے ہیں'

ان کا یہ قول حماقت پر مبنی تھا۔ کیونکہ دونوں جانوروں کو مارنے والا اللہ ہے۔ البتہ جو طبعی موت مرا ہے اس کی جان خدا کے نام پر نہیں نکلی اور جس جانور کو مسلمانوں نے اللہ کے نام پر ذبح کیا ہے' اس کی جان خدا کے نام پر نکلی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس ذبیحہ کو نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے' حالانکہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں' ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتادی ہے' اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں اور بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (الانعام: ۱۱۹)

مکی سورت میں مدنی سورت کے حوالہ کا اشکال اور اس کا جواب

حالانکہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں' ان کی تفصیل تمہیں بتادی ہے۔ اس کے متعلق اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس تفصیل سے مراد وہ تفصیل ہے جو سورۂ مائدہ: ۳' میں بیان فرمائی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (الآیہ)

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔

لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورۃ المائدہ مدنی ہے اور سورۃ الانعام مکی ہے' لہٰذا یہ تفصیل اس سورت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ تو اس سے پہلے نازل ہونے والی سورت میں اس کے بعد نازل ہونے والی سورت کا حوالہ کس طرح دیا جاسکتا ہے۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ سورۃ الانعام میں بھی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے اور وہ یہ آیت ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (الانعام: ۱۴۵)

آپ کہئے کہ جو وحی میری طرف کی گئی ہے اس میں' میں کسی کھانے والے کے لیے ان کے سوا کوئی کھانے کی چیز حرام نہیں پاتا کہ وہ مردار ہو یا بہنے والا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو' سو وہ بے شک نجس ہے' یا نافرمانی کے لیے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آیت ۱۱۹ میں آیت ۱۴۵ کا حوالہ دینا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ ترتیب وضع کے اعتبار سے ہے' ہو سکتا ہے اس کا نزول پہلے ہو گیا ہو۔

لیکن یہ جواب اس لیے درست نہیں ہے کہ سورۃ الانعام پوری کی پوری یکبارگی نازل ہوئی ہے اور اس میں کوئی آیت دوسری آیت پر نزول کے اعتبار سے مقدم یا موخر نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حرام چیزوں کی یہ تفصیل نبی ﷺ نے مسلمانوں کو پہلے ہی بتادی تھی اور مکہ مکرمہ کی زندگی میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں' اگرچہ ان کے متعلق آیت بعد میں نازل ہوئی۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ مکہ میں وضوء کرنا مشروع تھا اور مسلمان وضو کرکے نماز پڑھتے تھے۔ اگرچہ آیت وضوء مدینہ میں سورۂ مائدہ میں نازل ہوئی ہے۔

تقلید صحیح اور تقلید باطل کا فرق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد عمرو بن لحی اور اس کے بعد کے مشرکین ہیں' کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین میں تغیر کیا اور بحیرہ اور سائبہ کو حرام قرار دیا اور مردار کھانے کو جائز کہا اور عمرو بن لحی نے محض اپنی جہالت سے یہ مذہب نکالا۔

ابو اسحاق ابراہیم بن السری الزجاج المتوفی ۳۱۱ھ لکھتے ہیں:

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مردار کو حلال کہتے ہیں اور تم سے اس کے حلال ہونے کے متعلق مناظرے کرتے ہیں اور اس طرح وہ تمام لوگ جو اس گمراہی میں مبتلا ہیں' وہ محض اپنی ہواو ہوس کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی بصیرت ہے' نہ کوئی علم ہے۔ (معانی القرآن واعرابہ للزجاج' ج ۲' ص ۲۸۷' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ محض ہواء نفسانی کی بناء پر تقلید کرنا مذموم اور حرام ہے اور ہم جو ائمہ دین کی تقلید کرتے ہیں' وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے ائمہ کے اقوال قرآن اور حدیث کی نصوص پر مبنی ہیں اور ہمارے ائمہ نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر ہمارا قول کسی حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اس قول کو چھوڑ کر حدیث صحیح پر عمل کرو اور تقلید صحیح اور تقلید باطل میں یہی فرق ہے کہ تقلید صحیح کا مبنی قرآن اور حدیث ہے اور تقلید باطل کا مبنی ہوائے نفس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کھلا گناہ اور پوشیدہ گناہ چھوڑ دو' بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو عنقریب ان کے گناہوں کی سزا دی جائے گی۔ (الانعام: ۱۲۰)

ظاہر اور پوشیدہ گناہوں کی ممانعت

قرآن مجید کی ایک اور آیت میں بھی ظاہر اور خفی گناہوں سے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ — اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ' جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ۔ (الانعام: ۱۵۱)

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ چھپ کر زنا کرتے تھے' اس کو وہ حلال کہتے تھے اور عدی نے بیان کیا ہے کہ جو لوگ بدکار عورتوں کی دکانوں پر جا کر زنا کرتے تھے اس کو برا جانتے تھے اور سعید بن جبیر نے کہا ظاہری گناہ ماؤں' بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرنا تھا اور باطنی گناہ زنا کرنا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے گناہوں کی ممانعت کر دی۔

(جامع البیان' جز ۸' ص ۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اثم کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ اثم ان افعال کو کہتے ہیں جو ثواب کو ساقط کرنے کے موجب ہوتے ہیں۔ نیز انہوں نے لکھا ہے اثم عدوان سے عام ہے۔ (المفردات' ص ۱۰' مطبوعہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے لکھا ہے اثم کا معنی ہے ذنب (گناہ) خمر اور قمار اور ہر ناجائز کام کرنے کو اثم کہتے ہیں' اور اثیم کا معنی ہے کذاب۔ (القاموس المحیط' ج ۴' ص ۹۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اثم کی تعریف اور مصادیق کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت نواس بن سمعان انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بر (نیکی) اور اثم (گناہ) کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا بر اچھے اخلاق ہیں اور اثم وہ کام ہیں جو تمہارے دل میں اضطراب پیدا کریں اور جس کام پر تم لوگوں کے مطلع ہونے کو ناپسند کرو۔

(صحیح مسلم البر' ۱۴' (۲۵۵۳) ۶۳۹۶' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۹۶' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۹۷' الادب المفرد' رقم الحدیث: ۳۰۲' ۲۹۵' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۶۵' طبع دار الفکر)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' یارسول اللہ! کون سا اثم سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ کے لیے شریک قرار دو' حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا' یارسول اللہ! پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ (شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۴۱۱' طبع دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ۱' ص ۴۶۲' طبع قدیم' بیروت)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے' مگر اس میں اثم کی جگہ ذنب کا لفظ ہے۔

(دیکھئے صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۴۷۷' ۶۰۰۱' ۶۸۱۱' ۶۸۶۱' ۷۵۲۰' ۷۵۳۲' نیز دیکھئے صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۴۱' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۳۱۰' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۳۱۹۳' السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۰۹۸۷' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۸۰' طبع قدیم' ان تمام احادیث میں اثم کی جگہ ذنب کا لفظ ہے)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

خیثمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' اتنے میں ان کا قہرمان (کار مختار' آمدنی اور مصارف کا ذمہ دار) آیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے اس سے پوچھا کیا تم نے غلاموں کو کھانا کھلا دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا جاؤ ان کو کھانا کھلاؤ۔ پھر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے اثم (گناہ) کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کا کھانا روک لے جن کو کھلانے کا وہ ذمہ دار ہے۔

(صحیح مسلم' زکوٰۃ' ۴۰' (۹۹۶) ۲۲۷۵' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۶۹۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے اثم (گناہ) کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۹۹۲' صحیح مسلم' مقدمہ' رقم الحدیث: ۵' صحیح ابن حبان' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اثم (گناہ) کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہو۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۰۱' المعجم الکبیر' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۱۰۳۲)

دل کے افعال پر مواخذہ کے دلائل

ظاہر گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو علانیہ اور کھلم کھلا کیے جائیں اور پوشیدہ گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو چھپ کر کیے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ظاہری گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو ظاہری اعضاء سے کیے جائیں اور پوشیدہ گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو دل سے کیے جائیں۔ مثلاً تکبر' حسد' خود پسندی' مسلمانوں کا برا چاہنا' حرام کاموں کا ارادہ کرنا' بدگمانی کرنا' بے حیائی کے کاموں سے محبت کرنا۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ صرف اعضاء کی معصیت پر مواخذہ ہوتا ہے اور دل کے برے کاموں پر مواخذہ نہیں ہوتا' یہ قول صحیح نہیں ہے اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ (النور: ۱۹)

بے شک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات پھیلنے کو پسند کرتے ہیں' ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کے اندر بے حیائی کی بات پھیلنے کے پسند کرنے پر عذاب کی وعید فرمائی ہے اور یہ پسند کرنا دل کا فعل ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے کے لیے جانے لگا' تو میری ملاقات حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا تم کہاں جارہے ہو؟ میں نے کہا میں اس شخص کی مدد کروں گا' انہوں نے کہا لوٹ جاؤ۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان تلواروں سے لڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو قاتل ہے' مقتول کا کیا قصور ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی اپنے مقابل کو قتل کرنے پر حریص تھا۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۱' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۸۷۵' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۰۸۳' صحیح مسلم' فتن' ۱۴' (۲۸۸۸) ۷۱۱۹' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۲۶۸' ۴۲۶۹' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۱۳۰' ۴۱۲۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۹۶۵' سنن کبریٰ ج ۸' ص ۱۹۰' حلیۃ الاولیاء' ج ۳' ص ۳۰۳' ج ۶' ص ۳۱۳' الکامل لابن عدی' ج ۷' ص ۲۶۵۰' مشکوٰۃ' رقم الحدیث: ۳۵۳۸)

اس حدیث میں کسی مسلمان کو قتل کرنے کی حرص پر عذاب کی وعید ہے اور یہ حرص دل کا فعل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو' وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں' اس کی جوتی اچھی ہو' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان ۱۴۷' (۹۱) ۲۵۹' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۰۶' ۲۰۰۵' صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۶۵۷' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۰۹۱' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۹' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۷۳' صحیح ابن حبان' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۵۶۸۰' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۹۱۳' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۹۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو' دشمنی نہ رکھو' بغض نہ رکھو' حسد نہ کرو' اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ امام ابوعیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۴۲' صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۰۷۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۵۵۹' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۹۱۰' صحیح ابن حبان' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۵۶۶۰' مصنف عبدالرزاق' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۲۰۲۲۲' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۲۰۷۴' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۶۸۳' مسند الطیالسی' رقم الحدیث: ۲۰۹۱' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۳۰۳)

اس حدیث میں ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے' بغض رکھنے اور حسد کرنے سے منع فرمایا ہے' اور یہ سب دل کے افعال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا' بے شک اس کو کھانا گناہ ہے۔ بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔ (الانعام: ۱۲۱)

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو' اس کے متعلق مذاہب فقہاء

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو' اس کے متعلق فقہاء مذاہب کی مختلف آراء ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک مسلمان نے جس جانور کو ذبح کیا ہو اس کا کھانا حلال ہے۔ خواہ اس نے عمداً بسم اللہ نہ پڑھی ہو یا نسیاناً۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۱۳۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام احمد کے نزدیک اگر بھولے سے بسم اللہ نہیں پڑھی تو ذبیحہ حلال ہے' اور اگر عمداً بسم اللہ کو ترک کر دیا ہے تو اس میں ان کے دو قول ہیں۔ (زاد المسیر' ج ۳' ص ۱۱۵' طبع بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر عمداً بسم اللہ کو ترک کر دیا تو وہ ذبیحہ حرام ہے اور نسیاناً بسم اللہ کو ترک کر دیا تو پھر وہ ذبیحہ حلال ہے۔ (بدایۃ المجتہد' ج ۱' ص ۳۲۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام ابو حنیفہ کے مذہب پر دلائل

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ عمداً بسم اللہ ترک کرنے سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے کہ جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہے۔ خواہ عمداً نام نہ لیا ہو یا نسیاناً۔ لیکن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نسیاناً بسم اللہ کو ترک کرنا موجب حرمت نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے کہا یہاں نسیان مراد نہیں ہے' اب اگر بسم اللہ کو عمداً ترک کرنا بھی جائز ہو تو اس آیت پر بالکل عمل نہیں ہو گا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (المائدہ: ۴) شکار پر (سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لو۔

اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے' اس لیے شکار پر شکاری جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور سنت سے بھی اس پر دلیل ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے شکاری کتے کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا جب تم اپنا سدھایا ہوا کتا چھوڑو اور اس پر بسم اللہ پڑھو تو اس کو کھالو' بشرطیکہ اس نے تمہارے لیے شکار کو (کھانے سے) روک رکھا ہو' اور جب تم اس کے سوا دوسرا کتا دیکھو جس نے ہلاک کیا ہو تو اس کو نہ کھاؤ' کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اور دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی۔ اس آیت اور اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذبیحہ پر بھی بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور اس کو عمداً ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

(احکام القرآن' ج ۳' ص ۷-۶' ملخصاً' مطبوعہ لاہور)

اور اگر بھولے سے بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو ذبیحہ کے حلال ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمانوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں' ہمیں پتا نہیں کہ انہوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں! آپ نے فرمایا تم اس پر بسم اللہ پڑھ کر کھالو' حضرت عائشہ نے کہا اس وقت لوگ نئے نئے کفر سے نکلے تھے۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۵۰۷' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۴۳۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۱۷۴' مصنف عبد الرزاق' ج ۴' رقم الحدیث: ۸۷۹۵' کنز العمال' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۵۵۹۸' سنن دار قطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۶۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مسلمان کے لیے اللہ کا نام کافی ہے۔ اگر وہ ذبح کے

وقت اللہ کا نام لینا بھول گیا تو وہ کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھ کر کھالے۔ (اس حدیث کی سند حسن ہے)
(سنن دار قطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۶۲' سنن کبریٰ للبیھقی' ج ۹' ص ۲۴۰)

حلال کو حرام کرنے یا حرام کو حلال کرنے کا شرعی حکم

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں' تا کہ وہ تم سے بحث کریں۔

اس وسوسہ کا بیان اس حدیث میں ہے۔ امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ مشرکین یہ کہتے تھے کہ جس پر اللہ کا نام لیا جائے' اس کو نہ کھاؤ اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے' اس کو کھالو۔
(سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۱۷۳' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۱۸)

اور وہ بحث یہ کرتے تھے کہ یہ کیا بات ہے' جس کو اللہ نے مارا ہے اس کو تم نہیں کھاتے اور جس کو تم نے قتل کیا ہے اس کو کھالیتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حلال کیے ہوئے کو حرام کیا یا اس کے حرام کیے ہوئے کو حلال کیا' تو وہ مشرک ہو جائے گا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال اعتقاد کرے۔ تب وہ کافر اور مشرک ہوگا اور اگر وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے کاموں کو اپنی نفسانی خواہش سے کرتا ہو' لیکن وہ ان کاموں کو حرام ہی جانتا ہو تو وہ فاسق اور مرتکب معصیت کبیرہ ہوگا' کافر اور مشرک نہیں ہوگا۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا

کیا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے

يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ

ایک نور بنایا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور ان سے نکل

مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ

نہ سکتا ہو، اسی طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ ان کے لیے خوشنما بنا دیے گئے ہیں ○ اور اسی طرح

جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا

ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کو سردار بنا دیا تاکہ وہ وہاں فریب کاری کریں (حالانکہ حقیقت میں) وہ صرف

يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ

اپنے ساتھ فریب کرتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے ○ اور جب ان کے پاس کوئی نشانی

وقف لازم
وقف منزل

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ

آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ ہمیں بھی اس کی مثل دیا جائے جیسا اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے،

اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ

اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا، عنقریب مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب

عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ

پہنچے گا کیوں کہ وہ فریب کاری کرتے تھے ○ سو اللہ جس کو ہدایت

اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ

دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جس میں گمراہی پیدا کرنا چاہے

اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ

اس کا سینہ گھٹا ہوا تنگ کر دیتا ہے گویا وہ مشقت سے آسمان پر چڑھ

فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

رہا ہے، اسی طرح اللہ ان لوگوں پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے ○

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

اور یہ آپ کے رب کا (پسندیدہ) سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے تفصیل سے آیتوں

يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا

کو بیان کر دیا ہے ○ ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس سلامتی کے گھر ہیں اور وہی ان کا کارساز ہے کیونکہ وہ

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ

(نیک) کام کرتے تھے ○ اور جس دن وہ (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا) اے جنات کی جماعت

قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ

تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے،

رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ

اے ہمارے رب! ہمارے بعض لوگوں نے بعض سے (ناجائز) فائدے اٹھائے اور ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے جو تونے

لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

ہمارے لیے مقرر کی تھی، اللہ فرمائے گا (دوزخ کی) آگ تمہارا ٹھکانا ہے تم ہمیشہ اس میں رہنے والے ہو مگر جسے اللہ چاہے، بیشک آپ کا

حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا

رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے ○ اور ہم اسی طرح بعض ظالموں پر بعض کو مسلط کر دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ (معصیت کے)

كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

کام کرتے تھے ○

١٥ ع ٨ ٢

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنایا، جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور ان سے نکل نہ سکتا ہو، اسی طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ ان کے لیے خوش نما بنا دیئے گئے ہیں۔ (الانعام: ١٢٢)

کافر کے مردہ اور مومن کے زندہ ہونے کی مثالیں

امام ابن ابی حاتم متوفی ٣٢٧ھ حضرت زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی، اے اللہ! ابوجہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کے غلبہ کا سبب بنا دے۔ یہ دونوں گمراہی میں مردہ پڑے ہوئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کو اسلام سے زندہ کیا اور ان کو عزت اور توقیر دی اور ابوجہل کو گمراہی کی موت میں برقرار رکھا۔ زید بن اسلم نے کہا ہے، یہ آیت ان دونوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۴، ص ١٣٨١، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، ١٤١٧ھ)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ٤٦٨ھ لکھتے ہیں اس آیت میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ابوجہل مراد ہیں، کیونکہ ایک دن ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ پر لید پھینک دی، اس وقت تک حضرت حمزہ ایمان نہیں لائے تھے۔ ابوجہل کی اس حرکت کی حضرت حمزہ کو خبر دی گئی، وہ اس وقت ہاتھ میں کمان لیے ہوئے شکار سے واپس آ رہے تھے، یہ سن کر غضبناک ہوئے اور جا کر ابوجہل کو کمان سے مارا، ابوجہل فریاد کر رہا تھا کہ تم کو پتا نہیں وہ کم عقل کیا کہتا ہے؟ ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے اور ہمارے باپ دادا کی مخالفت کرتا ہے۔ حضرت حمزہ نے کہا تم سے بڑا بے وقوف اور کون ہے؟ تم اللہ کو چھوڑ کر پتھروں کی عبادت کرتے ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

(اسباب النزول، رقم الحدیث: ٤٥٠، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ان حدیثوں کے مطابق حضرت عمر یا حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہما پہلے کفر میں مردہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو

اسلام سے زندہ کیا اور ان کو اسلام کی نمایاں خدمات کرنے کی توفیق دی، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تاریخ میں وہ دونوں آج تک روشن ہیں اور بعد کے لوگوں کے لیے منارۂ نور ہیں، ایسے لوگ ابوجہل جیسے لوگوں کی مثل کب ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ کفر کے اندھیروں میں رہے اور ان اندھیروں سے کبھی نکل نہ سکے، ہرچند کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں، لیکن مفسرین نے کہا ہے کہ ان آیتوں میں مطلقاً مومن اور کافر مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔

علم اور جہل کے مراتب

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے کہا ہے کہ ارواح بشریہ کی معرفت میں چار مراتب ہیں۔ پہلے مرتبہ میں اس کو بالفعل کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن وہ علوم اور معارف کی استعداد رکھتا ہے، بسا اوقات یہ استعداد کامل ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ استعداد کم اور ضعیف ہوتی ہے۔ اس مرتبہ کو اس آیت میں موت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کو علوم کلیہ اولیہ حاصل ہوتے ہیں، اس کو عقل کہتے ہیں۔ اس مرتبہ کی طرف اس آیت میں فاحییناہ (ہم نے اس کو زندہ کیا) سے اشارہ فرمایا ہے۔ تیسرے مرتبہ میں انسان معلومات بدیہیہ سے مجہولات نظریہ کو حاصل کرتا ہے، اس کی طرف اس آیت میں وجعلنا له نورا (اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنایا) سے اشارہ فرمایا اور چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ تمام معارف قدسیہ اس کے سامنے حاضر بالفعل ہوں، اور وہ روح ان معارف کے ساتھ منور اور کامل ہو جائے۔ اس کی طرف اس آیت میں یمشی به فی الناس (جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے) سے اشارہ فرمایا ہے، اور اس مرتبہ کے حصول کے بعد نفس انسان کی سعادت کے درجات مکمل ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ دیکھنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ آنکھ سلامت ہو اور کوئی خارجی روشنی بھی ہو، اسی طرح بصیرت کے لیے بھی دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ عقل سلیم ہو اور نور وحی اور نور کتاب دستیاب ہو۔ اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد قرآن ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد دین ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد حکمت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بصر اور بصیرت کے لیے آنکھ اور عقل کا سالم ہونا اور خارجی روشنی اور نور قرآن کا میسر ہونا ضروری ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے مومن کو عطا کی ہیں اور رہا کافر تو وہ ہمیشہ جہل، برے اخلاق اور بداعمالیوں کی تاریکیوں اور کفر اور گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبا رہتا ہے، اور خوف، دہشت اور عجز کے اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۳۴-۱۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کو سردار بنا دیا، تاکہ وہ وہاں فریب کاری کریں (حالانکہ وہ حقیقت میں) صرف اپنے ساتھ فریب کرتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (الانعام: ۱۲۳)

کفار اور فساق کو مقتدر بنانے کی حکمت

مجرموں کو ان بستیوں کا سردار اس لیے بنایا کہ عہد شکنی، مکر و فریب اور جھوٹی اور باطل باتوں کو لوگوں میں رائج کرنا ان ہی لوگوں کی زیادہ قدرت اور اختیار میں تھا۔ نیز مال کی کثرت اور منصب کی قوت انسان کو ان کی حفاظت میں زیادہ کوشش کرنے پر ابھارتی ہے اور اس کے لیے انسان ہر قسم کے جائز اور ناجائز حیلے اختیار کرتا ہے اور جھوٹ، مکر اور فریب، عہد شکنی اور دغابازی سے کام لیتا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اہل مکہ کے اعمال ان کے لیے مزین کر دیئے گئے ہیں، اسی طرح انسانی معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ، یہ ہے کہ ہر بستی میں اس کے فساق اور فجار کو مقتدر اور سردار بنا دیتا ہے، اور اس وجہ سے حق اور باطل،

ایمان اور کفر کے درمیان شورش بپا رہتی ہے۔ ان بستیوں کے سردار انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو تنگ کرتے ہیں۔ اور ان کے خلاف فریب سے کام لیتے ہیں، لیکن درحقیقت اس فریب کا نقصان ان ہی کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس وجہ سے آخرت میں ان کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ دنیا میں کفار اور فساق کو غلبہ دینے کی حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کیا جائے اور جو مسلمان اس امتحان میں کامیاب اور سرخرو ہوں، ان کو آخرت میں بلند درجات دیئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ ہمیں بھی اس کی مثل دیا جائے، جیسا اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا، عنقریب مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا، کیونکہ وہ فریب کاری کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۲۴)

حصول نبوت کا معیار

ولید بن مغیرہ نے کہا کہ اگر نبوت حق ہوتی تو آپ سے زیادہ میں نبوت کے لائق تھا، کیونکہ میں آپ سے عمر میں بھی بڑا ہوں اور میرے پاس مال بھی زیادہ ہے اور ابوجہل نے کہا بخدا ہم اس وقت تک ان سے راضی نہیں ہوں گے اور ان کی پیروی نہیں کریں گے جب تک کہ ہمارے پاس اس طرح وحی نہ آئے جس طرح ان کے پاس آتی ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ ہر کافر یہ چاہتا تھا کہ اس کو وحی اور رسالت کے ساتھ خاص کر لیا جائے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (المدثر: ۵۲)
بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے آسمانی صحیفے اس کو دے دیئے جائیں۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں، حصول نبوت کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نفس حقیقت کے لحاظ سے تمام انسان حصول نبوت میں مساوی ہیں اور بعض انسانوں کا رسالت کے ساتھ مخصوص ہونا، یہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ نفوس انسانیہ اپنی ذات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، بعض روحیں پاکیزہ ہوتی ہیں، تعلقات جسمانیہ سے منزہ اور انوار الٰہیہ سے منور ہوتی ہیں اور بعض روحیں خسیس اور مکدر ہوتی ہیں اور جسمانی تعلقات میں جکڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ پس اس قسم کی روحیں حصول وحی کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور پہلی قسم کی روحیں حصول وحی کی صلاحیت رکھتی ہیں، پھر ان میں بھی مراتب اور درجات ہیں۔ اس لیے نبیوں اور رسولوں کے درجات بھی متفاوت ہیں، بعض کی عمر اور معجزات زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار کم ہوتے ہیں۔ اور بعض کی عمر اور معجزات کم ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار زیادہ ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۷، ۱۳-۱۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حکماء کے نزدیک استحقاق نبوت کی صفات اور ان کا رد

رسولوں کو بھیجنے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ جو لوگ عبادات میں سخت ریاضات کریں اور خلوت میں مجاہدے کریں اور دنیا سے منقطع ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور جن کے جوہر ذات میں گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے تجرد اور تنزہ ہو اور ان کی فطرت باوقار اور روشن ہو اور وہ غایت درجہ کے ذکی ہوں، ان کو اللہ تعالیٰ رسول بنا لیتا ہے، بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔ لہٰذا نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عطا ہے جو اس کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے، اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس جگہ رکھے گا؟ (الانعام: ۱۲۴) اور یہی اہل حق کا مذہب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

قادر مختار ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اور جو پسند کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس کے برخلاف فلاسفہ نے یہ کہا کہ نبی وہ شخص ہے جس میں تین خواص مجتمع ہو جائیں:

۱- اس کو ماضی' حال اور مستقبل کے تمام مغیبات پر اطلاع ہو۔

۲- اس کا مجردات عالیہ اور نفوس سماویہ کے ساتھ ارتباط اور تعلق ہو' اور اس کے کانوں میں کلام منظم سنائی دے جس کو یاد کیا جائے اور جس کی تلاوت کی جائے اور یہی وحی ہے۔

۳- اس پر فرشتہ اور کتاب کا نزول ہو جس میں نظام معاش' نجات' آخرت اور بندوں کی اصلاح اور فلاح کے احکام کا بیان ہو۔

ان کے نزدیک جو شخص اوصاف ثلاثہ کا حامل ہو اس کا نبی ہونا واجب ہے' لیکن سورۃ الانعام: ۱۲۴' کی روشنی میں ان کا یہ قول باطل ہے۔ نیز اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور ان میں سے بعض اوصاف غیر نبی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اولیاء اللہ کو بھی بعض مغیبات کا علم ہوتا ہے' اور تمام اوصاف بعض انبیاء میں نہیں پائے جاتے' مثلاً ہر نبی پر کتاب کا نزول نہیں ہوتا۔

(شرح مقاصد' ج ۵' ص ۷-۲-۱۹' ملحضا' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۹ھ' شرح مواقف' ج ۸' ص ۲۲۲-۲۱۸' ملحضا' مطبوعہ ایران)

اہل حق کے نزدیک ثبوت نبوت کا منشاء

علامہ محمد السفارینی الحنبلی المتوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

رسولوں کو بھیجنا' کتابوں کو نازل کرنا اور شریعتوں کو مقرر کرنا' اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے' یہ اس پر واجب نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک اللہ تعالیٰ نے جس قدر نبی اور رسول بھیجے' یہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور کرم ہے۔ تاکہ وہ اللہ سبحانہ کے امر اور نہی اور وعد اور وعید کو بیان کریں اور اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کو یہ بتائیں کہ وہ اپنے معاش اور معاد میں کن احکام کے محتاج ہیں۔ بندے تین اصولوں کی معرفت میں رسولوں کے محتاج ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی صفات' تقدیر' ملائکہ اور اللہ کے اولیاء اور اعداء کے انجام کا بیان۔

۲- احکام شرعیہ کی تفصیل کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کو کیا پسند اور کیا ناپسند ہے؟

۳- قیامت' جنت' دوزخ' حساب و کتاب اور ثواب اور عذاب۔

نبی کی صفات لازمہ

نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہو' وہ اس میں سب سے اشرف اور اکرم ہو اور وہ آزاد ہو کیونکہ غلامی ایک نقص ہے جو مقام نبوت کے لائق نہیں ہے اور مرد ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ۔ (یوسف: ۱۰۹)

اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں کے سوا کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا۔

اس آیت کی بناء پر جمہور اہل سنت کے نزدیک عورت کا نبی ہونا جائز نہیں ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اور علامہ قرطبی مالکی کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ حضرات حضرت مریم' آسیہ' سارہ' ھاجرہ اور حضرت موسیٰ کی والدہ کی نبوت کے قائل ہیں۔ نیز نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوی ہو' فہیم اور عالم ہو اور اس کے اخلاق عمدہ ہوں' تاکہ لوگ سہولت کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکیں۔ انبیاء علیہم السلام بخل' بزدلی' لغو اور بے فائدہ کاموں اور تمام رذائل سے مجتنب ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ دنیا کی حرص سے بھی منزہ ہوتے ہیں اور اپنی قوم میں ان کا نسب سب سے عمدہ اور اشرف ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقل' ذکاوت اور شجاعت کے لحاظ سے وہ نوع انسان کے کامل ترین فرد ہوتے ہیں اور وہ ہر ایسی صفت و کیفیت سے منزہ ہوتے ہیں جس سے طبیعت سلیمہ متنفر ہو۔ مثلاً ان کے آباء میں کوئی رذالت نہیں ہوتی' نہ ان کی ماؤں کی طرف بدکاری کی نسبت ہوتی ہے اور نہ ان پر کوئی ایسی بیماری آتی ہے جس سے لوگ متنفر ہوں' مثلاً برص اور جذام وغیرہ۔ اور نہ وہ عامیانہ کام کرتے ہیں' مثلاً بازاروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے نہیں اور نہ کوئی ایسا کسب کرتے ہیں جو لوگوں میں معیوب سمجھا جاتا ہو۔

بدن کو گناہوں کی کدورت سے پاک کرنے اور عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہونے اور سخت عبادات اور ریاضت کرنے سے نبوت و رسالت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے' نبوت عطا فرماتا ہے۔ لیکن استقرار تام اور تتبع سے اور قرآن اور حدیث کے دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبوت عطا فرمائی' وہ مذکور الصدر صفات کا حامل تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص میں یہ صفات ہوں وہ نبی ہو' اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی نبوت کو رکھے گا۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا' اولوالعزم پانچ ہیں حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ ۔ کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

(لوامع الانوار البہیہ' ج ۲' ص ۲۶۹-۲۵۶' ملخصا' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ جس کو ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس میں گمراہی پیدا کرنا چاہے اس کا سینہ گھٹا ہوا تنگ کر دیتا ہے۔ گویا وہ مشقت سے آسمان پر چڑھ رہا ہے' اسی طرح ان لوگوں پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ (الانعام: ۱۲۵)

اسلام کے لیے شرح صدر کی علامت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت کے راستہ کی طرف ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے گا' اس کا سینہ دنیا میں اسلام کے لیے کھول دے گا' حتیٰ کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہے گا اور اسلام کو ترک نہیں کرے گا' یہ حالت ایمان لانے کے بعد ہو گی' جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ (التغابن: ۱۱) اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا' اللہ اس کے دل کو ہدایت فرمائے گا۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۶۹) اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا' ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے۔

اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے' اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۱' ۳۱۱۶' ۳۶۴۱' ۷۳۱۲' ۷۴۶۰' صحیح مسلم' الامارہ ۱۰۳۷' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۶۴۷)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام تو صحابہ نے پوچھا اس کا شرح صدر کیسے ہو گا؟ آپ نے فرمایا جب اس کے دل میں نور نازل ہو گا تو

اس کا سینہ کھل جائے گا' صحابہ نے پوچھا کیا اس کو پہچاننے کی کوئی علامت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اس کا دل آخرت کی طرف راغب ہوگا اور دنیا سے وہ پہلو بچائے گا اور موت کے آنے سے پہلے وہ موت کے لیے تیار رہے گا۔

(جامع البیان' جز ۸' ص ۳۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین جو دعوت اسلام کو مسترد کر رہے ہیں' آپ ان سے رنجیدہ نہ ہوں' جو شخص اللہ کے ارادہ اور اس کی تقدیر میں ایمان لانے کا اہل ہوگا' اللہ اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دے گا' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰهُ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ (الزمر: ۲۲)

تو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے رب کی طرف سے (عظیم) نور پر ہے۔

وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَكَرَّهَ اِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ ۝ (الحجرات: ۷)

لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا کی اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر اور فسق اور معصیت سے تمہیں متنفر کر دیا' یہی لوگ کامل ہدایت یافتہ ہیں۔

اور جس شخص نے شرک سے اپنی فطرت کو فاسد کر دیا اور فسق اور معصیت سے اپنے دل کو میلا کر دیا' وہ اسلام کو قبول کرنے سے اپنے دل میں شدید تنگی اور گھٹن محسوس کرتا ہے اور کسی بھی نیکی کے لیے اس کے دل کے دروازے نہیں کھلتے۔ جیسے کوئی شخص اپنے میلان طبعی کے خلاف آسمان کی جانب چڑھ رہا ہو تو اس کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے اوپر اللہ شیطان کو مسلط کر دے گا اور اسی طرح ان لوگوں پر بھی جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں' پھر شیطان اس کو گمراہ کر دے گا اور سیدھے راستہ سے بھٹکا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ آپ کے رب کا پسندیدہ سیدھا راستہ ہے' ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے تفصیل سے آیتوں کو بیان کر دیا ہے۔ (الانعام: ۱۲۶)

اس آیت کا معنی ہے' یہ اسلام جس کے لیے اللہ تعالیٰ مومنوں کا سینہ کھول دیتا ہے' یہی آپ کے رب کا وہ طریقہ ہے جس کو اس نے لوگوں کے لیے پسند کر لیا ہے اور یہی طریق مستقیم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بیان کیا ہوا راستہ مستقیم ہی ہوتا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں قرآن مجید کے متعلق ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور یہ ذکر حکیم ہے اور یہ صراط مستقیم ہے۔ (سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۹۱۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے تفصیل سے آیتوں کو بیان کر دیا ہے اور' جو لوگ اسلام پر صحیح عمل کرتے ہیں' ان کے لیے جنت ہے جو سلامتی کا گھر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس سلامتی کے گھر ہیں' اور وہی ان کا کارساز ہے' کیونکہ وہ (نیک) کام کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۲۷)

جنت کو دار السلام فرمانے کی وجوہات

اس آیت میں جار مجرور کی تقدیم مفید حصر ہے۔ یعنی دار السلام ان ہی کے لیے ہے' ان کے غیر کے لیے نہیں ہے۔

دارالسلام کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ پس دارالسلام کا معنی ہے وہ گھر جس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے' اور یہ اضافت تشریف اور عزت افزائی کے لیے ہے۔ جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے۔

اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ سلام دار کی صفت ہے' یعنی یہ سلامتی کا گھر ہے اور جنت کو دارالسلام اس لیے فرمایا ہے کہ جنت میں ہر قسم کے عیوب' تکلیفوں اور مشقتوں سے سلامتی ہے۔

جنت کو دارالسلام کہنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جنتیوں کو جنت میں دخول کے وقت سلام کیا جائے گا' اللہ کی طرف سے' فرشتوں کی طرف سے اور اہل اعراف کی طرف سے ان کو سلام پیش کیا جائے گا اور جنتی بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے' جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

و نادوا اصحاب الجنۃ ان سلام علیکم (الاعراف:۴۶) و تحیتھم فیھا سلام (یونس:۱۰) سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار (الرعد:۲۴) ادخلوھا بسلام امنین (الحجر:۴۶) یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون (النحل:۳۲) سلام قولا من رب رحیم (یس:۵۸) وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین (الزمر:۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا) اے جنات کی جماعت! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے بعض لوگوں نے بعض سے (ناجائز) فائدے اٹھائے اور ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی۔ اللہ فرمائے گا (دوزخ کی) آگ تمہارا ٹھکانا ہے' تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو' مگر جسے اللہ چاہے' بے شک آپ کا رب' بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔

(الانعام:۱۲۸)

جہنم کے خلود سے استثناء کی توجیہات

یعنی جب ہم قیامت کے دن تمام انسانوں اور جنات کو جمع کریں گے اور کہیں گے اے جنات کی جماعت! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا' اور جن انسانوں نے جنات کے وسوسے غور سے سنے تھے' اور ان سے محبت رکھی تھی' اور ان کی اطاعت کی تھی' وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے جواب میں کہیں گے ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے نفع اٹھایا' انسانوں نے شیطانوں سے نفع اٹھایا کیونکہ شیطانوں نے ان کو ان کی شہوت پوری کرنے کے ناجائز ذرائع بتائے اور جب انسانوں نے ناجائز ذرائع اور گناہ کے راستوں پر چل کر اپنی شہوت کو پورا کر لیا' تو شیاطین جو ان کو گمراہ کرنا چاہتے تھے' ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس طرح ہر ایک فریق نے دوسرے فریق سے فائدہ اٹھالیا۔ پھر وہ کہیں گے کہ ہم نے وہ میعاد پوری کرلی جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی' یعنی ہم نے طبعی زندگی پوری کرلی اور ہم پر موت آگئی اور یا ہم اس میعاد کو پورا کر کے میدان حشر میں پہنچ گئے۔ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ حشر کا دن بہت ہولناک دن ہو گا' اور اس دن سب اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیں گے اور اپنی تقصیرات پر حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے' اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے تو مالک اور احکم الحاکمین ہے' ہمارے متعلق جو چاہے فیصلہ فرما۔

پھر اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا' تم دونوں کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے جس میں تم ہمیشہ رہنے والے ہو۔ اس کے بعد فرمایا مگر جسے اللہ چاہے' اس استثناء کی دو توجیہیں ہیں۔ (۱) وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے مگر اس سے دو وقت مستثنیٰ ہیں۔ ایک قبر سے حشر تک کا زمانہ اور دوسرا میدان حشر میں ان کے محاسبہ تک کا وقت۔ اس کے بعد ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' اور وہ اس میں

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۲) جب دوزخی دوزخ کی آگ کی شدت سے فریاد کریں گے' تو ان کو دوزخ کی آگ سے نکال کر زمہریر (سخت ٹھنڈا اور برفانی طبقہ) میں ڈال دیا جائے گا اور جب زمہریر کی ٹھنڈک سے گھبرا کر فریاد کریں گے' تو ان کو پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ الغرض' وہ ہر حال میں ایک عذاب سے دوسرے عذاب کی طرف منتقل ہوں گے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا' کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ حکم لگائے کہ وہ اپنی کسی مخلوق کو جنت میں نہیں داخل کرے گا' یا دوزخ میں نہیں داخل کرے گا۔

(جامع البیان' ج ۸' ص ۴۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم اسی طرح بعض ظالموں پر بعض کو مسلط کر دیتے ہیں' کیونکہ وہ (معصیت کے) کام کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۲۹)

ظالم حکومت کا سبب عوام کا ظلم ہے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ بعض جن اور انسان ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کا یہ باہمی استفادہ اللہ تعالیٰ کے سابق علم اور قضاء و قدر کے موافق تھا' اور وہ جس چیز کا ارادہ کرتے تھے' اللہ تعالیٰ ان میں وہی چیز پیدا کر دیتا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو بعض کا ولی' کارساز اور مددگار بنا دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (التوبہ: ۷۱) — مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (الانفال: ۷۳) — بعض کافر بعض کے مددگار ہیں۔

اور جس طرح بعض انسان اور جن ایک دوسرے کے کام آتے تھے' اسی طرح کافر کفر اور معصیت میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دے گا اور اس آیت میں ہر قسم کے ظالم داخل ہیں۔ وہ شخص جو معصیت کر کے اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور جو حاکم اور افسر اپنے ماتحت لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور جو تاجر جعلی اشیاء اور ملاوٹ والی چیزیں فروخت کر کے صارفین پر ظلم کرتا ہے' اسی طرح جو چور اور ڈاکو مسافروں اور شہریوں پر ظلم کرتے ہیں اور سیاسی عہدہ دار اور وزراء عوام کے ٹیکسوں سے اللے تللے کرتے ہیں اور ٹیکس پر ٹیکس لگا کر عوام کی رگوں سے خون نچوڑتے رہتے ہیں' ان سب ظالموں پر اللہ تعالیٰ کوئی ان سے بڑا ظالم مسلط کر دیتا ہے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ ہمارے لیے اپنے رب سے سوال کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ اس کے راضی ہونے کی علامت کیا ہے اور اس کے ناراض ہونے کی علامت کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! انہیں یہ بتاؤ کہ جب میں ان کے اچھے لوگوں کو ان پر حاکم بناؤں تو میں ان سے راضی ہوں اور جب میں ان کے برے لوگوں کو ان پر حاکم بناؤں تو میں ان سے ناراض ہوں۔

(شعب الایمان' ج ۶' رقم الحدیث: ۷۳۸۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کے مطابق بادشاہ مقرر کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی

بہتری کا ارادہ کرے تو نیک بادشاہ مقرر کرتا ہے اور جب ان کی ہلاکت کا ارادہ کرے تو عیش پرست بادشاہ مقرر کرتا ہے۔

(شعب الایمان' ج ۶' رقم الحدیث: ۷۳۸۹)

ابراہیم بن ہمش بیان کرتے ہیں کہ میرے والد یہ کہتے تھے' اے اللہ تو نے ہمارے اعمال کے مطابق ہم پر حکام مسلط کر دیئے' جو ہم کو پہچانتے ہیں نہ ہم پر رحم کرتے ہیں۔ (شعب الایمان' ج ۶' رقم الحدیث: ۷۳۹۰)

یونس بن اسحاق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جیسے تم ہو گے ویسے تم پر حاکم بنائے جائیں گے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (شعب الایمان' ج ۶' رقم الحدیث: ۷۳۹۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ظلم پر مدد کی وہ تادم مرگ اللہ کی ناراضگی میں رہے گا۔

(سنن ابو داؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۵۹۸' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۳۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو سزا دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس پر بدترین لوگوں کو حاکم بنا دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (الشوریٰ: ۳۰)

اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے کیے ہوئے کاموں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ

اے جنات اور انسانوں کے گروہ: کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیات بیان

اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى

کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے ہاں ہم خود اپنے خلاف گواہی

اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

دیتے ہیں اور (اب) انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے اور انھوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی

اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝۱۳۰ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ

کہ وہ کافر تھے ۝ یہ (گواہی اس وجہ سے لی گئی) کہ آپ کا رب بستیوں کو ظلماً ہلاک کرنے

الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝۱۳۱ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ

والا نہیں ہے درآں حالیکہ ان میں رہنے والے (شریعت سے) بے خبر ہوں ۝ اور ہر ایک کے لیے اس کے عمل کے مطابق درجات میں

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۲ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ

اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے ۝ اور آپ کا رب ہی مستغنی رحمت والا ہے

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ

اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ جن لوگوں کو چاہے لے آئے، جس طرح تم کو ایک

اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ

اور قوم سے پیدا کیا ہے ○ بیشک جس (روز قیامت) کا تم سے وعدہ

وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ

کیا گیا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو○ آپ کہیے اے میری قوم: تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو

اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ

میں (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں، سو تم عنقریب جان لو گے کہ آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے۔

الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے' جو تم پر میری آیات بیان کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے' ہاں! ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں اور (اب) انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے اور انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی کہ وہ کافر تھے۔ (الانعام: ۱۳۰)

جنات کے لیے رسولوں کے ذکر کی توجیہات

اس آیت میں بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات سے بھی رسول مبعوث ہوتے رہے ہیں' حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ رسول صرف انسانوں سے مبعوث کیے گئے ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ جنات کے رسول سے رسول کا اصطلاحی اور معروف معنی مراد نہیں ہے' یعنی وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے احکام کی تبلیغ کے لیے لوگوں کے پاس بھیجا ہو اور اس پر وحی اور کتاب کا نزول ہو' بلکہ یہاں رسول سے لغوی معنی مراد ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جنات کے رسول وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے وحی سن کر اپنی قوم کو پہنچائی' یعنی مبلغ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ (الاحقاف: ۲۹)

اور یاد کیجئے جب ہم آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو لائے' سو جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے (آپس میں) کہا خاموش رہو' پھر جب (قرآن کی تلاوت) ہو چکی تو وہ اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے لوٹے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ

آپ کہئے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک

فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًاۙ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا۝ (الجن: ٢-١)

جماعت نے میری تلاوت کو غور سے سنا' تو انہوں نے (اپنی قوم سے) کہا بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے' جو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے' ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

۲- مجاہد نے کہا انسانوں کی طرف رسولوں کو مبعوث کیا گیا ہے اور جنات کی طرف منذرین کو اور اس آیت میں جنات کے رسول سے مراد منذرین ہیں' یعنی ڈرانے والے۔

۳- کلبی نے کہا کہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانوں اور جنات دونوں کی طرف رسول بھیجے جاتے تھے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ سے پہلے ہر رسول صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور آپ کو تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا' تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور طہارت کا آلہ بنا دی گئی۔ پس میرا امتی جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے' وہیں نماز پڑھ لے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئیں اور مجھے شفاعت دی گئی اور پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۳۵' ۴۳۸' ۳۱۲۲' صحیح مسلم المساجد ' ۳' (۵۲۱) ۱۱۳۳' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۳۲' ج ۲' رقم الحدیث: ۷۳۶)

۴- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا پہلے صرف انسانوں کی طرف رسول مبعوث ہوتے تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ انسانوں کے بھی رسول ہیں اور جنات کے بھی رسول ہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے (سابق) انبیاء علیہم السلام پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم (جس کلام میں الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ) عطا کیے گئے ہیں۔ رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا اور انبیاء کی بعثت مجھ پر ختم ہو گئی۔

(صحیح مسلم' المساجد' ۵' (۵۲۳) ۱۱۴۷' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۵۸' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۶۷' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۹۳۴۸' طبع جدید دار الفکر)

۵- اس آیت میں تغلیباً جنات کے مبلغین پر رسولوں کا اطلاق کیا گیا ہے' جیسے مذکر کو مونث پر غلبہ دیا جاتا ہے اور قرآن مجید کی آیات میں صرف مذکر کو خطاب کیا جاتا ہے اور مونث پر بھی مذکر کے صیغہ کا اطلاق کیا جاتا ہے' حالانکہ وہ مذکر نہیں ہوتیں۔ اسی طرح جنات کے مبلغین پر بھی رسول کا اطلاق کر دیا گیا ہے' حالانکہ جنات میں معروف اور مصطلح معنی میں رسول نہیں ہوتے۔ جنات کے مبلغین پر تغلیباً رسول کا اطلاق اس لیے فرمایا ہے کہ میدان قیامت میں صرف انسانوں اور جنات سے حساب لیا جائے گا اور باقی مخلوق سے حساب نہیں لیا جائے گا اور جب ان دونوں گروہوں سے ثواب اور عذاب کے ترتب کے لیے ایک طرح کا

حساب لیا جائے گا' تو گویا یہ دونوں ایک جماعت ہیں اور ان سے ایک خطاب کیا گیا۔

جنات کو شعلوں والی آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے' دونوں کی خلقت الگ الگ ہے۔ ان میں بھی مومن اور کافر ہوتے ہیں اور ابلیس دونوں کا دشمن ہے' وہ ان کے کافروں سے دوستی رکھتا ہے اور ان کے مومنوں سے عداوت رکھتا ہے۔ ان میں بھی شیعہ' قدریہ اور مرجئہ وغیرہا فرقے ہیں۔ وہ ہماری کتاب کی تلاوت کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے جنات کا یہ قول نقل کیا ہے:

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا (الجن: ۱۱) — اور ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف' ہم کئی مسلکوں میں متفرق ہیں۔

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ۔ (الجن: ۱۴) — اور ہم میں کچھ اللہ کے فرمانبردار ہیں اور ہم میں کچھ نافرمان ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا: ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے' اور قیامت کے دن جب ان کے اعضاء خود ان کے خلاف گواہی دیں گے تو وہ اپنے شرک کا اعتراف کرلیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (گواہی اس وجہ سے لی گئی) کہ آپ کا رب بستیوں کو ظلماً ہلاک کرنے والا نہیں ہے درآنحالیکہ ان میں رہنے والے (شریعت سے) بے خبر ہوں۔ (الانعام: ۱۳۱)

جن علاقوں میں اسلام کا پیغام نہیں پہنچا' وہاں کے باشندوں کا حکم

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسولوں کو بھیجا ہے' اور انہوں نے لوگوں کو کفر اور شرک پر عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحائف نازل کیے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ جب تک کسی قوم کے پاس اللہ کی طرف سے ایمان لانے کی دعوت نہ پہنچے اللہ تعالیٰ اس قوم کو ملامت کرنے کے لیے عذاب نہیں بھیجتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر: ۲۴) — اور ہر قوم میں ایک ڈرانے والا گزر چکا ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: ۳۶) — اور بے شک ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنو اسرائیل: ۱۵) — ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں۔

ان آیتوں سے یہ استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ جن علاقوں میں بالفرض اسلام کا پیغام نہیں پہنچا' ان کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے واحد ہونے کو مان لینا کافی ہے' ان کی نجات ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر ایک کے لیے اس کے عمل کے مطابق درجات ہیں اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ (الانعام: ۱۳۲)

آیا مومن جن جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن اور انس میں سے ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن جن بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ حسب ذیل آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ○ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (الاحقاف: ۱۹-۱۸)	یہ گزری ہوئی قوموں میں سے جن اور انس کے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی بات پوری ہو کر رہی' یہ یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں کے مطابق درجات ہیں' تا کہ اللہ انہیں ان کے کاموں کا پورا پورا اجر دے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسانوں کی طرح جنات میں سے بھی جو اطاعت گزار اور نیکوکار ہو گا' وہ جنت میں جائے گا اور جو نافرمان اور بدکار کافر ہو گا' وہ دوزخ میں جائے گا۔ اس مسئلہ میں زیادہ صحیح قول یہی ہے' اس کے برخلاف بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جنات جنت میں نہیں جائیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۸۰' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جنات کے دخول جنت کے متعلق علماء کی آراء

علامہ احمد شہاب الدین بن الحجر الہیتمی المکی المتوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنات میں سے کافروں کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ' ابو الزناد' لیث بن ابی سلیم سے یہ روایت ہے کہ جنات میں سے مومنین کو آخرت میں کوئی ثواب نہیں ہو گا' سوا اس کے کہ ان کو دوزخ سے نجات ہو جائے گی۔ پھر حیوانوں کی طرح ان سے بھی کہا جائے گا کہ تم مٹی ہو جاؤ اور صحیح قول وہ ہے جس کو ابی ابن لیلیٰ' اوزاعی' امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ ان کو ان کی عبادات پر ثواب دیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے یہ منقول ہے کہ جنات میں سے مومنین جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ قول ابن حزم نے جمہور سے نقل کیا ہے اور اس پر سورۃ الانعام کی اس آیت سے استدلال کیا ہے ولکل درجات مما عملوا (۱۳۲) کیونکہ اس آیت کو جن اور انس کے ذکر کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور امام ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ کل ملائکہ جنت میں ہوں گے اور کل شیاطین دوزخ میں ہوں گے اور جنت اور دوزخ دونوں میں انسان اور جن ہوں گے۔

(فتاویٰ حدیثیہ' ص ۶۱' مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی حلبی و اولادہ بمصر' ۱۳۵۶ھ)

مسلمان جنوں کے جنت میں داخل نہ ہونے کے دلائل

امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا مومن جن جنت میں داخل نہیں ہوں گے' کیونکہ وہ ابلیس کی اولاد ہیں اور ابلیس کی اولاد جنت میں داخل نہیں ہو گی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۱۰' ص ۳۲۹۷)

امام ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد اصفہانی متوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

سلمہ نے کہا کہ جن جنت میں داخل ہوں گے نہ نار میں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کو جنت سے نکال دیا۔ اب وہ ان کے باپ کو جنت میں لوٹائے گا نہ ان کو۔ (کتاب العظمۃ' رقم الحدیث: ۱۱۶۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

مسلمان جنوں کے جنت میں داخل ہونے کے دلائل

امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

یعقوب بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ جنوں کو ثواب ملے گا اور اس کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (الاحقاف: ۱۹) اور (جن و انس میں سے) ہر ایک کے لیے ان کے عمل کے

مطابق درجات ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۸۹)

امام ابوالشیخ عبداللہ بن محمد اصفہانی متوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مخلوق کی چار قسمیں ہیں۔ ایک قسم مکمل جنت میں جائے گی' وہ فرشتے ہیں اور دوسری قسم کل دوزخ میں جائے گی' وہ شیاطین ہیں' اور مخلوق کی دو قسمیں جنت اور دوزخ میں جائیں گی۔ وہ جن اور انسان ہیں' ان کو ثواب بھی ہوگا اور عذاب بھی ہوگا۔ (کتاب العظمۃ' رقم الحدیث: ۱۱۶۰' مطبوعہ بیروت)

ضحاک نے کہا جن جنت میں داخل ہوں گے اور کھائیں اور پئیں گے۔ (کتاب العظمۃ' رقم الحدیث: ۱۱۶۱' مطبوعہ بیروت)

ارطاۃ بن المنذر نے ضمرۃ بن حبیب سے پوچھا کیا جن جنت میں داخل ہوں گے؟ انہوں نے کہا ہاں! اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے:

لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ إِنسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ ۚ

ان حوروں کو اس سے پہلے نہ انسان نے چھوا ہے نہ جنوں نے۔ (الرحمٰن: ۵۶)

انہوں نے کہا جنوں کے لیے جنت میں جنیات ہیں اور انسانوں کے لیے انسیات ہیں۔

(کتاب العظمۃ' رقم الحدیث: ۱۱۶۲' مطبوعہ بیروت)

حرملہ بیان کرتے ہیں کہ ابن وہب سے سوال کیا گیا کہ آیا جنوں کے لیے ثواب اور عذاب ہوگا؟ ابن وہب نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَحَقَّ عَلَيۡهِمُ ٱلۡقَوۡلُ فِيٓ أُمَمٖ قَدۡ خَلَتۡ مِن قَبۡلِهِم مِّنَ ٱلۡجِنِّ وَٱلۡإِنسِ ۖ إِنَّهُمۡ كَانُواْ خَٰسِرِينَ ○ وَلِكُلّٖ دَرَجَٰتٞ مِّمَّا عَمِلُواْ ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمۡ أَعۡمَٰلَهُمۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ ○ (الاحقاف: ۱۹-۱۸)

یہ گزری ہوئی قوموں میں سے جن اور انس کے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی بات پوری ہو کر رہی۔ یہ یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں کے مطابق درجات ہیں' تاکہ اللہ انہیں ان کے کاموں کا پورا پورا اجر دے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(کتاب العظمۃ' رقم الحدیث: ۱۱۶۳' مطبوعہ بیروت)

قرآن مجید کے ان واضح دلائل کے اعتبار سے انہی علماء کا نظریہ درست ہے' جو کہتے ہیں کہ مسلمان جن جنت میں جائیں گے اور کافر جن دوزخ میں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کا رب ہی مستغنی' رحمت والا ہے' اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ جن لوگوں کو چاہے لے آئے' جس طرح تم کو ایک اور قوم سے پیدا کیا ہے۔ (الانعام: ۱۳۳)

اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کے رب نے اپنے بندوں کو بعض کام کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض کاموں سے منع کیا ہے' اس کا یہ حکم دینا اپنے کسی فائدہ' کسی غرض یا کسی عوض کے لیے نہیں ہے' بلکہ ان کو اپنی عبادت کرنے اور احکام بجالانے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ ان کی زندگی اور ان کی موت' ان کا رزق اور ان کی روزی اور ان کا نفع اور ان کا نقصان اس کے ہاتھ میں ہے' وہ اس کے مکمل طور پر محتاج ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ عبادت کر کے اپنی احتیاج اس کے

سامنے ظاہر کریں' تاکہ وہ ان پر اپنا لطف و کرم اور اپنا فضل و احسان کرے۔ نیز گناہوں کی آلودگی اور معصیت کے زنگ سے ان کی روحیں مکدر اور ظلمانی ہوں گی۔ اس لیے ارواح بشریہ اور نفوس انسانیہ کو متقین اور ابرار کے درجہ میں پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کو اطاعات و عبادات کی ترغیب دی جائے اور ممنوعات اور گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ سو اس لیے فرمایا کہ آپ کا رب مستغنی ہے' یعنی اس کو بندوں کی اطاعت اور عبادت کی احتیاج نہیں ہے۔ وہ رحمت والا ہے' اس لیے یہ احکام اس کی رحمت کا تقاضا ہیں' تاکہ اس کے بندے دائمی فوز و فلاح حاصل کر سکیں۔

استغناء اور رحمت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا

اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اگر وہ مستغنی نہ ہو تو وہ اپنے کمال کے حصول میں غیر کا محتاج ہو گا اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا' اور یہ کلام مفید حصر ہے' یعنی اس کے سوا اور کوئی مستغنی نہیں ہے' کیونکہ واجب لذاتہ واحد ہی ہوتا ہے اور اس کے ماسوا سب ممکن ہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ اسی طرح رحم فرمانے والا بھی وہی ہے' اس کے سوا اور کوئی رحم کرنے والا نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں' بھوکے کو کھانا کھلاتے ہیں' پیاسے کو پانی پلاتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کھانے پینے کی چیزیں پیدا نہ کرتا' تو وہ کیسے کھلاتے اور پلاتے اور اگر یہ چیزیں پیدا کر دی تھیں پھر بھی اگر رحم کرنے والے میں اتنی قدرت نہ ہوتی کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا تو وہ کیسے ان کو کھلاتا اور پلاتا؟ اور اگر قدرت بھی ہوتی' لیکن اس کے دل میں اللہ تعالیٰ رحم کا جذبہ پیدا نہ کرتا تو وہ کیسے کھلاتا اور پلاتا؟ اور اگر یہ سب کچھ ہوتا لیکن جس کو کھلانا پلانا ہے' اس میں کھانے پینے کی قدرت نہ ہوتی' مثلاً اس کے منہ میں ناسور ہوتا یا اس کا اوپر کا جبڑا نچلے جبڑے پر بیٹھ جاتا اور اس کا منہ بند ہو جاتا' تو وہ کیسے کھاتا پیتا؟ اور یہ کیسے اس کو کھلاتا اور پلاتا؟ پس غور کیجئے کھانے پینے کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں' ان کے حصول کی قدرت بھی اس نے دی' دل میں رحم کا جذبہ بھی اس نے پیدا کیا' بھوکے اور پیاسے میں کھانے اور پینے کی صلاحیت اور قدرت بھی اس نے دی تو وہی رحم کرنے والا ہے۔ بندے نے کیا کیا ہے! پھر بندہ کا رحم کرنا کسی غرض اور کسی عوض کے لیے ہوتا ہے' کبھی سابق احسان کو اتارنے کے لیے رحم کرتا ہے' کبھی دنیا میں تعریف' کبھی آخرت میں اجر کے لیے رحم کرتا ہے' کبھی اس لیے رحم کرتا ہے کہ وقت پڑنے پر اس پر بھی رحم کیا جائے اور کبھی اس لیے کہ کسی ضرورت مند کو دیکھ کر اس کے دل میں جو رقت پیدا ہوتی ہے' اس کو زائل کرنے کے لیے رحم کرتا ہے۔ سو بندہ جو رحم کرتا ہے' اس میں کسی غرض یا کسی عوض کی احتیاج ہوتی ہے اور ان اسباب کی احتیاج ہوتی ہے جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اور جو ہر سبب' ہر عوض اور ہر غرض سے مستغنی ہو کر رحم کرتا ہے' وہ صرف اللہ عزوجل ہے۔ اسی لیے فرمایا آپ کا رب ہی مستغنی ہے اور وہی رحمت والا ہے۔

اس آیت میں چونکہ رحمت کا ذکر فرمایا ہے' اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ گمان کرتا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی جہان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اس جہان کے لوگوں نے اس کی اطاعت نہیں کی تو وہ اس جہان کے لوگوں کو فنا کر کے ایک اور قوم کو پیدا کر دے گا' جیسا کہ وہ ان لوگوں کو ایک اور نسل سے پیدا کر چکا ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ اس کے رحیم ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس کی رحمت کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہے' بلکہ وہ ہر قوم سے مستغنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جس (روز قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' وہ ضرور آنے والا ہے' اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ (الانعام: ۱۳۴)

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' اس کی تفسیر یہ ہے کہ ان سے قیامت کا وعدہ کیا گیا تھا اور وہ اس کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آنے والی ہے اور تم اللہ کو اس کے لانے سے عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اس میں اور بھی کئی احتمال ہیں کہ مسلمانوں سے جو ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور کفار اور منافقین کو جو عذاب کی وعید سنائی ہے' وہ بھی آنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں' سو تم عنقریب جان لوگے کہ آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے' بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔ (الانعام: ۱۳۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے طریق کار پر قائم رہو میں اپنے طریق کار پر قائم ہوں۔ اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار کو کفر کے طریقہ پر قائم رہنے کا حکم کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم مکلف کرنے کے لیے نہیں ہے' بلکہ تہدید اور سرزنش کے طور پر ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

(الکہف: ۲۹)

اور اس تہدید پر اس آیت کا یہ آخری جملہ دلالت کرتا ہے سو عنقریب تم جان لوگے کہ آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ

اور انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ

نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ

کے لیے مقرر کر لیا اور بزعم خویش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے، سو جو حصہ ان کے

لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ

شرکاء کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا ، اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف

اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ

پہنچ جاتا ہے ، یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں ○ اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ

شرکاء نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مزین کر دیا تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں اور

لِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو آپ ان کو اور

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ

ان کی افترا پردازیوں کو چھوڑ دیجیے ○ اور انہوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں ، ان کو وہی کھائے گا جس کو

اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ

ہم چاہیں گے ، (یہ پابندی) ان کے زعم باطل میں ہے ، اور بعض مویشیوں پر سواری حرام کی گئی اور بعض مویشیوں

لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا

پر یہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے ، اللہ پر افتراء کرتے ہوئے ، وہ عنقریب ان کو ان کی افترا پردازیوں

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ

کی سزا دے گا ○ اور انہوں نے کہا جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں

لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ

کے لیے مخصوص ہیں اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہیں ، اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو اس میں مرد

فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

اور عورتیں سب شریک ہیں ، وہ ان کی من گھڑت باتوں کی عنقریب سزا دے گا ، بیشک وہ بہت حکمت والا بہت جاننے والا ہے ○

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا

بیشک ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے حماقت اور جہالت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا اور جو رزق اللہ نے دیا تھا

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

اللہ پر افترا پردازی کر کے اس کو حرام قرار دیا ، بیشک یہ گمراہ ہو گئے اور یہ ہدایت پانے والے تھے ہی نہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا اور بزعم خویش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لیے ہے' وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے' وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے' یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

(الانعام: ۱۳۶)

اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کے محامل

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس لیے مذمت کی تھی کہ وہ قیامت کا اور مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کا انکار کرتے

ہیں اور ان کے دیگر جاہلانہ اقوال کی مذمت کی تھی اور ان کی عقل اور سوچ کا ضعف اور فساد بیان فرمایا تھا۔ ان کی ان ہی جہالات میں سے ایک یہ جہالت تھی کہ وہ اپنی زرعی پیداوار اور مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کر دیتے اور کچھ حصہ اپنے بتوں کے لیے اور اپنے زعم فاسد کے مطابق کہتے کہ یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ بتوں کا ہے! اور یہ ان کا محض جھوٹ تھا اور یہ جھوٹ اس لیے تھا کہ انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے دو حصے کیے۔ ایک اللہ کا اور ایک بتوں کا' حالانکہ سب کچھ اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور سب اسی کی ملکیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا' اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جن پھلوں کو انہوں نے اللہ کا حصہ قرار دیا تھا' اگر ان میں سے کچھ پھل شیطان کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو چھوڑ دیتے اور اگر شیطان کے حصہ کے پھلوں میں سے کچھ پھل اللہ کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو چن کر ان کی حفاظت کرتے اور ان کو شیطان کے حصہ میں ڈال دیتے۔ اسی طرح اللہ کے حصہ کی کھیتی میں پانی دیتے ہوئے اگر کچھ پانی کھیت سے نکل جاتا تو اس کو نکلنے دیتے اور شیطان کے حصہ کی کھیتی میں سے پانی نکلنے لگتا تو اس کو روک لیتے۔

۲- حسن نے کہا اگر بتوں کے لیے رکھے ہوئے حصہ میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں اللہ کے حصہ میں سے اتنی چیز اٹھا کر بتوں کے حصہ میں رکھ دیتے اور اگر اللہ کے رکھے ہوئے حصہ میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں بتوں کے حصہ میں سے کوئی چیز نہ اٹھاتے۔

۳- قتادہ نے کہا اگر قحط آ جاتا تو اللہ کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو کھانے پینے کے کام میں لاتے' لیکن بتوں کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو اسی طرح محفوظ رکھتے۔ (جامع البیان' جز ۸' ص ۵۶-۵۳' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس تقسیم کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں؟ اس فیصلہ کے برے ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

۱- پھلوں اور غلہ کی حفاظت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حصہ پر بتوں اور شیطان کے حصہ کو ترجیح دی۔

۲- انہوں نے از خود کچھ حصہ بتوں کے لیے مخصوص کیا' اور کچھ اللہ کے لیے' حالانکہ سب اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا تھا' یہ ان کی جہالت ہے۔

۳- حصوں کی یہ تقسیم انہوں نے بغیر کسی عقلی اور شرعی دلیل کے کی اور یہ ان کی جہالت ہے۔

۴- پھلوں اور مویشیوں کی پیدائش میں بتوں کا کوئی دخل نہیں ہے نہ وہ ان پھلوں اور مویشیوں سے کوئی نفع حاصل کر سکتے ہیں' تو پھر بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں میں سے حصہ رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا محض ان کی جہالت ہے۔

ان وجوہ سے ظاہر ہو گیا کہ مشرکین کا یہ بہت برا فیصلہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مزین کر دیا' تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں' اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے' سو آپ ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو چھوڑ دیجئے۔ (الانعام: ۱۳۷)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کرنا' اپنے خالق اور منعم کی

معرفت سے نہایت جہالت تھی' اسی طرح شیطان کے ورغلانے سے اپنی اولاد کو قتل کرنا بھی ان کی نہایت جہالت اور گمراہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے احکام اور افعال لغو اور باطل ہونے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

مجاہد نے بیان کیا ہے کہ ان کے شیاطین نے ان کو یہ حکم دیا کہ یہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں' تاکہ رزق میں کمی کی وجہ سے ان کو اولاد کی پرورش کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ اور بعض نے یہ کہا کہ شیطان نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیں' تاکہ بیٹی کے باپ کو جس عار اور ذلت کا سامنا ہوتا ہے' اس سے یہ بچ جائیں۔

(جامع البیان' جز ۸' ص ۵۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب اور تشہیر کا شرعی حکم

شیطان نے جو ان کے لیے قتل اولاد کو مزین کیا تھا' اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ شیاطین نے ان کے دلوں میں یہ خوف ڈالا کہ اگر بچے زیادہ ہو گئے تو ان کی پرورش مشکل ہو گی' سو وہ تنگی رزق کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل کر دیتے تھے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (الاسراء: ۳۱) اور اپنی اولاد کو فاقہ کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔

آج کل حکومتی ذرائع نشر و اشاعت سے ضبط تولید اور خاندانی منصوبہ بندی کا بہت زبردست پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ کم بچے اور خوش حال گھرانا اور یہ کہا جاتا ہے کہ قیام پاکستان سے اب تک (۴۷ء تا ۹۷ء) پچاس سال میں ملک کی آبادی تقریباً چار گنی ہو چکی ہے' اور ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنا ضروری ہے۔ ملک کے وسائل آبادی کے اس سیلاب کے متحمل نہیں ہیں' اس لیے بچے دو ہی اچھے۔ لیکن خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید کی بنیاد تنگی رزق کا خوف ہے اور یہی زمانہ جاہلیت میں کافروں اور مشرکوں کا نظریہ تھا۔ جس کا قرآن مجید نے سختی کے ساتھ رد کیا ہے' اور نبی ﷺ نے اس پر زور دیا ہے کہ بچے زیادہ پیدا کیے جائیں۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا' مجھے ایک عورت ملی ہے جو بہت خوبصورت اور عمدہ خاندان کی ہے' لیکن اس سے بچے نہیں ہوتے (وہ بانجھ) ہے' کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں' وہ دوبارہ آیا اور پھر اجازت طلب کی' آپ نے پھر منع فرمایا۔ اس نے تیسری مرتبہ آکر اجازت طلب کی' تب آپ نے فرمایا محبت کرنے والی اور بچہ پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو' کیونکہ بے شک میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

(سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۰۵۰' سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۲۷' صحیح ابن حبان' ج ۹' رقم الحدیث: ۴۰۵۷' ۴۰۵۶' ۴۰۲۸' سنن سعید بن منصور' رقم الحدیث: ۴۹۰' مسند احمد' ج ۳' ص ۲۴۵' ۱۹۸' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۸۲-۸۱' مجمع الزوائد' ج ۴' ص ۲۵۸-۲۵۲' المعجم الاوسط' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۷۴۲)

قرآن مجید کی اس صریح آیت اور اس حدیث صحیح کا صاف اور صریح منشاء اولاد کی کثرت ہے' نہ کہ اولاد کی قلت! اس لیے خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید کا وسائل پیداوار میں کمی کی بنیاد پر پروپیگنڈہ کرنا اسلام کے خلاف ہے' اور اس کو کسی جبری قانون کے ذریعہ عوام پر لاگو کرنا شرعاً جائز نہیں ہے' البتہ کسی صحیح شرعی عذر کی بناء پر جدید طبی طریقہ سے ضبط ولادت کو روکا

جائے تو وہ جائز ہے۔

ضبط تولید کے بارے میں مصنف کی تحقیق

خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ جبراً تمام مسلمانوں پر لاگو کر دینا جائز نہیں ہے' کیونکہ اول تو اس کی اباحت تمام مکاتب فقہ کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے۔ شیخ ابن حزم اور علامہ رویانی عزل کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور بعض فقہاء کراہت کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں اور جو فقہاء اس کی بلا کراہت اجازت دیتے ہیں' وہ اس کو بیوی کی اجازت کے ساتھ مشروط کرتے ہیں۔ اس لیے خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ ہر شخص پر لازم کر دینا شرعاً جائز نہیں ہے اور انفرادی طور پر بھی دو صورتوں میں خاندانی منصوبہ بندی اصلاً جائز نہیں ہے۔

(الف) کوئی شخص تنگی رزق (خشیۃ املاق) کے خوف کی وجہ سے ضبط تولید کرے' یہ اس لیے ناجائز ہے کہ اس کا حرمت کی علت ہونا قرآن مجید میں منصوص ہے لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق (اسراء: ۳۰)

(ب) کوئی شخص لڑکیوں کی پیدائش سے احتراز کے لیے ضبط تولید کرے' کیونکہ ان کی تزویج میں مشقت اور عار کا سامنا کرنا پڑتا ہے' اور یہ نیت زمانہ جاہلیت کے مشرکین عرب کی ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کی بہت زیادہ مذمت کی گئی ہے۔

جن صورتوں میں مخصوص حالات کے تحت انفرادی طور پر ضبط تولید جائز ہے' وہ حسب ذیل ہیں:

(الف) لونڈیوں سے ضبط تولید کرنا' تاکہ اولاد مزید لونڈی اور غلام بننے سے محفوظ رہے' ہرچند کہ اب لونڈی غلاموں کا رواج نہیں ہے' لیکن اسلام کے احکام دائمی اور کلی ہیں۔ اگر کسی زمانہ میں یہ رواج ہو جائے تو لونڈیوں کے ساتھ ضبط تولید کا عمل جائز ہو گا۔

(ب) اگر سلسلہ تولید کو قائم رکھنے سے عورت کے شدید بیمار ہونے کا خدشہ ہو تو ضبط تولید جائز ہے۔

(ج) اگر مسلسل پیدائش سے بچوں کی تربیت اور نگہداشت میں حرج کا خدشہ ہو تو وقفے سے پیدائش کے لیے ضبط تولید جائز ہے' کیونکہ جب گھر میں صرف ایک عورت ہو اور نو دس ماہ بعد دوسرا بچہ آجائے' تو اس کے لیے دونوں بچوں کو سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔

(د) حمل اور وضع حمل کے وقفوں کے دوران بعض صورتوں میں انسان اپنی خواہش پوری نہیں کر سکتا' اس لیے زیادہ عرصہ تک بیوی سے جنسی خواہش پوری کرنے کی نیت سے ضبط تولید کرنا جائز ہے۔

(ہ) بعض عورتوں کو آپریشن سے بچہ ہوتا ہے' بیوی کو آپریشن کی تکلیف اور جان کے خطرہ سے بچانے کیلئے یہ عمل جائز ہے۔

(و) جب پیٹ میں مزید آپریشن کی گنجائش نہ رہے تو ایسا طریقہ اختیار کرنا واجب ہے' جس سے سلسلہ تولید بالکلیہ بند ہو جائے۔

(ز) اگر ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ مزید بچہ پیدا ہونے سے عورت کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی' تب بھی سلسلہ تولید کو بند کرنا واجب ہے۔

عزل کے علاوہ ضبط تولید کے حسب ذیل مروج طریقے بھی شرعاً جائز ہیں:

(الف) کھانے والی گولیاں اور انجکشن (ب) کیمیاوی اشیاء (Chemical Methods) مثلاً فوم جیلی اور کریم وغیرہ کا بیرونی استعمال (ج) ساتھی (Condom) (د) ڈایا فرام۔ (ہ) چھلہ (Loop) (و) نل بندی (Tubal Ligation)

آخر الذکر عمل' یعنی نل بندی میں عورت کے بیضہ دان کی نالی کو (Fallopion Tube) کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے' اس

عمل کے بعد عورت کبھی بھی بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی' یہ عمل صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔ ایک اس صورت میں جب عورت کا آپریشن سے بچہ پیدا ہوتا ہو اور مزید آپریشن کی گنجائش نہ رہے' اور دوسری اس صورت میں جب کوئی ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ بچہ پیدا ہونے سے یا مزید بچے پیدا ہونے سے عورت کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔ ان صورتوں میں نل بندی صرف جائز ہی نہیں' بلکہ واجب ہے۔

ضبط تولید کا ایک طریقہ شرعاً ممنوع ہے' اور وہ ہے نس بندی (Vasec Tomy) اس عمل میں مرد کی جن نالیوں سے تولیدی جرثومے (Sperm) گزرتے ہیں' ان نالیوں کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے۔ اس عمل کے بعد مرد میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔

نس بندی سے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے مرد بانجھ ہو جاتا ہے اور مرد کا اپنے آپ کو بانجھ کرالینا جائز نہیں ہے' کیونکہ انسان اپنے جسم کا خود مالک نہیں ہے' انسان خود کو بیچ سکتا ہے نہ خود کشی کرکے خود کو ختم کر سکتا ہے' نہ اپنا کوئی عضو کاٹ کر کسی کو دے سکتا ہے' اسی لیے اسلام میں اعضاء کی پیوند کاری بھی جائز نہیں ہے۔ بنابریں نس بندی بھی جائز نہیں ہے۔ صحیح مسلم کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ بعض صحابہ نے عسرت کی بناء پر رسول اللہ ﷺ سے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو اجازت نہیں دی اور شہوت کم کرنے کے لیے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ (صحیح مسلم' ج ۱' ص ۴۴۹' مطبوعہ کراچی)

استقرار حمل کو روکنے کے لیے گولیاں کھائی جائیں' کیمیائی اشیاء لگائی جائیں یا خارجی حائل (ساتھی اور چھلہ وغیرہ) کا استعمال کیا جائے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی حمل سے رکاوٹ کا یقینی سبب نہیں ہے۔ بسا اوقات دوائیں اور کیمیاوی اشیاء اثر نہیں کرتیں' بعض مرتبہ ڈایا فرام کے استعمال کے باوجود قطرات رحم میں چلے جاتے ہیں اور حمل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات چھلہ کے استعمال کے باوجود حمل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات کنڈوم (ساتھی) پھٹ جاتا ہے اور قطرے رحم میں چلے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے: جس پانی سے بچہ نے پیدا ہونا ہے اگر تم اس کو پتھر پر بھی ڈال دو تو اللہ تعالیٰ اس سے بچہ پیدا کر دے گا اور یہ بارہا مشاہدہ ہوا کہ ضبط تولید کے تمام ذرائع استعمال کرنے کے باوجود بچے پیدا ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات جڑواں بچے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں ان تمام چیزوں کے مضر اثرات بہت زیادہ ہیں۔ چھلہ اور ڈایا فرام کے استعمال سے الرجی اور انفیکشن کی شکایات عام ہیں' اور کھانے والی دواؤں سے سنا گیا ہے کہ چھاتی کا کینسر ہو جاتا ہے۔ انسان جب بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری اور طبعی نظام سے ہٹ کر کوئی کام کرے گا' مشکلات میں گرفتار ہوگا۔ اس لیے ناگزیر حالات کے علاوہ ضبط تولید سے احتراز کرنا چاہیے۔

امام غزالی نے اپنے زمانے' حالات' ضروریات اور وسائل کے اعتبار سے عزل کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں۔ ایک صورت حرام' ایک بدعت' اور تین صورتیں جائز قرار دی ہیں۔ اب چونکہ ترقی یافتہ دور ہے' بہت سے نئے اسباب اور وسائل وجود میں آ چکے ہیں' اور ضروریات اور تقاضے بھی بڑھ گئے ہیں اور مسائل بھی زیادہ ہیں۔ اس اعتبار سے ہم نے ضبط تولید کی نو صورتیں بیان کی ہیں' جن میں پانچ مباح (جائز ہیں) دو ناجائز ہیں۔ اور دو صورتوں میں سلسلہ تولید ختم کرنا واجب ہے۔ ان میں عورت کی نسوانی انڈوں والی نس (Fallopian Tube) کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے' تاکہ یہ نسوانی انڈے رحم میں نہ داخل ہو سکیں' اس عمل کو نل بندی (Tubal Ligation) کہتے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ پریشانی ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (ھود: ۶)

زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس لیے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف ہے؟ ایسے لوگوں سے میں یہ کہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذمہ لے لیا ہے' تو وہ حصول رزق کے لیے نوکریاں اور کاروبار کیوں کرتے ہیں؟ مستقبل کے لیے رقم پس انداز کیوں کرتے ہیں؟ کیا ان کے یہ اعمال اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف نہیں ہیں؟ پس جس طرح حصول رزق کے ذرائع اور اسباب کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف نہیں ہے' اسی طرح بار معیشت کو کم کرنے کے لیے ضبط تولید کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی رزاقیت' ایمان اور توکل کے خلاف نہیں ہے اور بعض لوگوں کو یہ الجھن ہوتی ہے کہ ضبط تولید کرنا تقدیر پر ایمان کے خلاف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر آپ مصائب اور پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں کرتے ہیں؟ جب تقدیر کا ہونا اٹل ہے اور تقدیر بدل نہیں سکتی تو آپ دعا کریں یا نہ کریں جو ہونا ہے' وہ ہو کر رہے گا۔ اسی طرح آپ بیمار پڑ جانے پر علاج کیوں کراتے ہیں؟ اگر تقدیر میں بیمار رہنا ہے تو آپ لاکھ علاج کریں' صحت مند نہیں ہو سکتے! لیکن اس موقع پر آپ یہی کہتے ہیں کہ اسباب کو اختیار کرنا بھی جائز ہے' اسباب کو اگر اس نیت سے اختیار کیا جائے کہ یہ اسباب اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر مبرم کو بدل دیں گے' تو یہ یقیناً ناجائز اور کھلا ہوا کفر ہے۔ لیکن اگر اسباب کو اس نیت سے بروئے کار لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نتائج کے حصول کے لیے اسباب کو پیدا کیا ہے اور اسباب کے حصول کے بعد جو نتیجہ سامنے آتا ہے' وہی دراصل تقدیر ہوتی ہے۔ ہم دعا اور علاج تقدیر بدلنے اور نظام قدرت میں مداخلت کے لیے نہیں کرتے' بلکہ اس لیے دعا اور علاج کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو راحت اور شفاء ہمارے لیے مقدر کی ہے اس کو وجود میں لا سکیں۔ اسی طرح ضبط تولید کا عمل تقدیر کو بدلنے یا اللہ تعالیٰ کے نظام خلق میں مداخلت کے لیے نہیں ہے (اور اگر کوئی اس نیت سے کرے تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں) بلکہ ضبط تولید کا یہ عمل اس رکاوٹ اور پیدائش میں اس وقفہ کو وجود میں لانے کے لیے ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر کیا ہے۔

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عزل کرتے تھے اور بچہ کی پیدائش سے احتراز ہی کے لیے کرتے تھے۔ کیا کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل نہیں تھا' اس لیے عزل کرتے تھے' یا صحابہ کرام کا تقدیر پر ایمان نہیں تھا' اس لیے عزل کرتے تھے' یا صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے نظام خلق میں مداخلت کے لیے عزل کرتے تھے۔ پس جان لیجئے کہ جس طرح صحابہ کرام کا عزل کرنا ان خرابیوں کی نیت سے نہیں تھا' بلکہ نیت صحیحہ کی بناء پر تھا' اسی طرح دوسرے مسلمانوں کے اس عمل کو بھی نیت صحیحہ پر محمول کرنا چاہیے۔

یاد رکھئے! اسباب و علل کو اختیار کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ کی سیرت ہے۔ آپ کئی کئی دنوں کے لیے کھانا لے کر غار حرا میں جاتے تھے' ازواج کو ایک سال کے لیے خرچ دیتے تھے' زرہ میں ملبوس ہو کر میدان جنگ میں جاتے رہے ہیں' بیماری میں مختلف انواع سے آپ نے علاج کیا ہے اور صحابہ کرام اور عام مسلمانوں کو علاج کرانے کی ہدایت دی ہے' اس لیے کسی ضرورت کے وقت ضبط تولید کرنا تعلیمات اسلام کے خلاف نہیں' بلکہ عین مطابق ہے۔

ہم نے ضبط تولید کے مسئلہ پر جو بحث کی ہے اور اس کی اباحت کی جو صورتیں بیان کی ہیں' یہ خالص علمی اور فقہی نوعیت کی بحث ہے۔ اور اس کو اسی تناظر میں پڑھنا اور سمجھنا چاہیے اور یہ بحث اسلام کے اس عمومی فلسفے پر مبنی ہے کہ اسلام دین یسر ہے' اور اس کے مبادیات اور اصولوں میں اتنی جامعیت اور ہمہ گیری ہے جو ہر دور کے پیش آمدہ مسائل اور پیچیدگیوں کا مثبت حل پیش کر سکتے ہیں۔ اس سے خالص مادہ پرستانہ اور سیکولر فلسفے پر مبنی خاندانی منصوبہ بندی کی اس بین الاقوامی تحریک کی تائید و حمایت یا حوصلہ افزائی ہرگز مقصود نہیں ہے' جو موجودہ دور میں پراپیگنڈے کے سحر اور ترغیب و تحریص کے مختلف طریقوں کو

بروئے کار لاکر چلائی جارہی ہے' بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ کسی اضطراری صورت حال' کسی فرد کی ایسی خالص شخصی وجوہ جو معقولیت پر مبنی ہوں یا واقعی ضرورت کے پیش نظر اسلام کی دی ہوئی رخصتوں کو بیان کردیا جائے۔

جہاں تک دور جدید کے مادہ پرستانہ نظریہ خاندانی منصوبہ بندی کا تعلق ہے تو یہ خالص الحاد پر مبنی ہے اور اسلام میں اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس نظریہ کا مرکزی نقطہ اور محور یہ ہے کہ انسانی آبادی کے پھیلاؤ کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت محدود کردیا جائے' تاکہ وسائل معاش اور اسباب معیشت کی تنگی کا سامنا نہ کرنا پڑے' یہ خالص خود غرضی پر مبنی فلسفہ ہے۔ جس کی اساس یہ ہے کہ ہم اپنی آسائش کے لیے دوسرے انسانوں کا وجود برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ تاریخ انسانیت کا مطالعہ اور دور حاضر کے انسانوں کا مشاہدہ اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ہر نئے دور میں نسل انسانی کی افزائش کے باوجود بحیثیت مجموعی' انسان نے اپنے گزشتہ ادوار کے مقابلہ میں زیادہ سہل اور پر آسائش زندگی بسر کی ہے اور وہ وسائل رزق کے اعتبار سے بھی مرفہ الحال رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قانون قدرت ہے اور وسائل واسباب سے برتر اور بالاتر رزق مخلوق کی حقیقی منصوبہ بندی قادر مطلق نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جب اور جہاں ظاہری طور پر جغرافیائی' موسمی یا سائنسی اور علمی و فنی وجوہ کی بناء پر وسائل رزق انسانوں کے کسی گروہ یا کسی ملک یا قوم کے پاس ان کی ضرورت سے زیادہ مجتمع ہوئے تو بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ انہوں نے اس سے مخلوق خدا کو فیض یاب کرنے کی بجائے لاکھوں ٹن غلہ سمندر میں بہادینا' یا اسے ضائع کردینا (Damping) زیادہ مناسب سمجھا' درحقیقت یہی وہ اقوام ہیں جو فلاح انسان اور انسان دوستی کے پرکشش نام پر زرکثیر صرف کرکے خاندانہ منصوبہ بندی کی مہم کو پس ماندہ اقوام اور تیسری دنیا کے ممالک میں پھیلارہی ہیں' حالانکہ آج بھی ایک سادہ لوح دیہاتی سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہتا ہے کہ انسان کھانے کے لیے ایک منہ اور کمانے کے لیے دو ہاتھ لے کر پیدا ہوا ہے۔ گویا قدرت الٰہی اس طرف اشارہ کررہی ہے کہ اگر تم محنت اور مشقت کرو گے تو روزی کے دروازے کبھی تم پر تنگ نہیں ہوں گے' بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب (طلاق: ۲) جس شخص کے دل میں خوف خدا ہو' تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے (عالم غیب سے) راہیں کھول دے گا اور وہاں سے رزق عطا فرمائے گا' جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں' ان کو وہی کھائے گا جس کو ہم چاہیں گے (یہ پابندی) ان کے زعم باطل میں ہے اور بعض مویشیوں پر سواری حرام کی گئی اور بعض مویشیوں پر یہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے' اللہ پر افتراء کرتے ہوئے' وہ عنقریب ان کو ان کی افتراء پردازیوں کی سزا دے گا۔ (الانعام: ۱۳۸)

مشرکین کے خود ساختہ احکام کا رد اور ابطال

کفار اور مشرکین نے زمانہ جاہلیت میں اپنے مویشیوں اور اپنے کھیتوں کی تین قسمیں کردی تھیں:

۱- وہ مویشی اور کھیت جن کے متعلق وہ کہتے تھے' ان سے نفع اٹھانا کسی شخص کے لیے بھی جائز نہیں ہے' یہ ان کے باطل معبودوں اور بتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ کہتے تھے ان کو وہی شخص کھا سکتا ہے۔ جس کو ہم کھلانا چاہیں اور ان کو صرف بتوں کے مرد خادم کھاسکتے ہیں' عورتیں نہیں کھاسکتیں اور ان کے اس خود ساختہ قول پر کوئی دلیل نہیں تھی' عقلی نہ نقلی۔

۲- وہ مویشی جن کی پشت حرام کردی گئی تھی' ان پر کوئی سواری کرسکتا تھا اور نہ ان پر سامان لاد سکتا تھا' ان جانوروں کو وہ البحائر' السوائب اور الحوامی کہتے تھے۔ ان کی تفصیل المائدہ: ۱۰۳ میں گزر چکی ہے۔

۳- وہ جانور جن پر ذبح کے وقت وہ اللہ کا نام نہیں لیتے تھے' وہ ان پر ذبح کے وقت صرف بتوں کا نام لیتے تھے اور ان سے

کوئی نفع نہیں اٹھاتے تھے' حتی کہ حج میں بھی اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔

انہوں نے جو یہ تقسیم کی تھی یہ محض اللہ تعالیٰ پر افترا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو مشروع نہیں کیا تھا اور ان کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ از خود اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی چیز کو حلال یا حرام کریں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (یونس: ۵۹)

آپ کہئے: کہ بھلا! بتاؤ تو سہی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تھا' تم نے اس میں سے بعض کو حرام کر لیا اور بعض کو حلال کر لیا۔ آپ پوچھئے: کیا تمہیں اللہ نے (اس کی) اجازت دی تھی یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی کہ عنقریب اللہ ان کو ان کی افتراء پردازیوں کی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہیں اور ہماری عورتوں پر حرام ہیں اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہیں' وہ ان کی من گھڑت باتوں کی عنقریب سزا دے گا' بے شک وہ بہت حکمت والا بہت جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۱۳۹)

جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد دودھ ہے۔ عامر نے کہا بحیرہ کا دودھ صرف مرد پیتے تھے اور اگر بحیرہ مر جائے تو اس کا گوشت مرد اور عورتیں دونوں کھاتے تھے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے' اس سے مراد دودھ ہے۔ وہ اس دودھ کو عورتوں پر حرام قرار دیتے تھے اور اس دودھ کو صرف مرد پیتے تھے اور بکری جب نر کو جنتی تو اس کو صرف مرد کھاتے اور عورتیں نہیں کھاتی تھیں اور اگر وہ مادہ کو جنتی تو اس کو ذبح نہیں کرتے تھے اور اگر وہ مردہ جنتی تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ (جامع البیان' ج ۸' ص ۷۳-۶۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو ان کے اس جھوٹ کی سزا دے گا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ○ (النحل: ۱۱۶)

اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں' ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے' تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو' بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں' وہ فلاح نہیں پائیں گے۔

خود ساختہ شریعت سازی کا رد اور ابطال

ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ اپنی طرف سے بغیر شرعی دلیل کے کسی چیز کو فرض یا واجب قرار دینا' یا بغیر شرعی دلیل کے کسی چیز کو ناجائز اور حرام کہنا' اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے کے مترادف ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ امام جعفر صادق کی نیاز کی کھیر پوریوں کو اسی جگہ بیٹھ کر کھایا جائے اور اس کو وہاں سے منتقل کرنا جائز نہیں ہے' یا جیسے لوگ بغیر کسی شرعی دلیل کے قبضہ بھر داڑھی کو واجب کہتے ہیں' یا جیسے بعض لوگ میلاد شریف' گیارہویں شریف' سوئم اور چہلم وغیرہ کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں اور بعض لوگ یارسول اللہ! کہنے کو حرام کہتے ہیں اور بعض لوگ ائمہ کی تقلید کو ناجائز اور حرام بلکہ شرک کہتے ہیں' اور بعض لوگ یارسول اللہ! کہنے کو بھی شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں اس پر وعید ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں کا مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف ہے' ان میں سے یہ ہے کہ ایک شخص قرآن پڑھے گا حتی کہ جب تم اس پر

قرآن کا نور دیکھو گے اور وہ اسلام کی پشت پناہ ہو گا' تو قرآن اس سے جاتا رہے گا اور وہ اس کو پس پشت پھینک دے گا اور اپنے پڑوسی پر تلوار سے حملہ کرے گا اور اس پر شرک کی تہمت لگائے گا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! ان میں سے کون شرک کا مصداق ہو گا' جس پر شرک کی تہمت لگائی گئی ہے' یا شرک کی تہمت لگانے والا۔ آپ نے فرمایا بلکہ شرک کی تہمت لگانے والا۔ اس حدیث کو امام ابو یعلی موصلی نے روایت کیا ہے۔

(مختصر اتحاف السادة المہرة بزوائد العشرہ' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۶۹۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے جہالت اور حماقت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا اور جو رزق اللہ نے دیا تھا' اللہ پر افترا پردازی کر کے اس کو حرام قرار دیا' بے شک یہ گمراہ ہو گئے اور ہدایت پانے والے تھے ہی نہیں۔ (الانعام: ۱۴۰)

بیٹیوں کو قتل کرنے کی شقاوت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا اور ان کو زندہ درگور کر دیا' ان لوگوں نے نقصان اٹھایا۔ ان لوگوں نے اپنی جہالت سے اپنی اولاد کو قتل کیا۔ یہ تنگ دستی اور قلت رزق سے ڈرتے تھے اور یہ لوگ اس بات سے جاہل تھے کہ رزق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو پاکیزہ رزق دیا تھا' اس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھ کر حرام کر دیا اور یہ کھلی گمراہی میں پڑ گئے' کیونکہ انہوں نے دین اور دنیا کی سعادت کو کھو دیا اور یہ ہدایت کو حاصل کرنے والے تھے بھی نہیں۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے بیان کیا ہے کہ روایت ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص ہمیشہ مغموم رہتا تھا' آپ نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ تم کیوں مغموم رہتے ہو؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بہت بڑا گناہ کیا تھا اور میں ڈرتا ہوں کہ اللہ میرے اس گناہ کو نہیں بخشے گا' خواہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ! تمہارا گناہ کیا تھا؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ میرے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی' اس کی ماں نے مجھ سے سفارش کی کہ میں اس کو چھوڑ دوں حتیٰ کہ وہ بڑی ہو گئی' حتیٰ کہ وہ عورتوں میں حسین ترین لڑکی تھی۔ لوگوں نے اس سے نکاح کرنے کا پیغام دیا' مجھے اس پر عار آیا اور میرے دل نے یہ برداشت نہیں کیا کہ میں اس کا نکاح کر دوں' یا اس کو بغیر نکاح کے رہنے دوں۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا میں اس کو فلاں فلاں قبیلہ میں اپنے رشتہ داروں سے ملانے کے لیے لے جا رہا ہوں' وہ یہ سن کر خوش ہوئی۔ اس نے اس کو اچھے کپڑے اور زیور پہنائے' میں اس کو لے گیا حتیٰ کہ میں ایک کنوئیں پر پہنچا اور میں نے کنوئیں میں جھانک کر دیکھا' وہ لڑکی سمجھ گئی کہ میں اس کو کنوئیں میں ڈالنا چاہتا ہوں' وہ مجھے چمٹ گئی اور رونے لگی اور کہنے لگی' اے میرے باپ! تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تم میرے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟ مجھے اس پر رحم آیا' پھر میں نے کنوئیں کی طرف دیکھا اور مجھ پر پھر عار غالب آگیا۔ وہ لڑکی پھر مجھ سے چمٹ گئی اور کہنے لگی' اے میرے باپ! میری ماں کی امانت کو ضائع نہ کر۔ میں نے پھر دوسری مرتبہ کنوئیں کی طرف دیکھا اور پھر اس کی طرف دیکھا۔ مجھے اس پر رحم آیا لیکن مجھ پر شیطان غالب آگیا' میں نے اس کو پکڑا اور اس کو اوندھے منہ کنوئیں میں ڈال دیا اور وہ کنوئیں میں چلا رہی تھی' اے میرے باپ! تو نے مجھے مار ڈالا؟ میں اس کنوئیں پر ٹھہرا رہا حتیٰ کہ آواز آنی بند ہو گئی' پھر میں واپس آگیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب یہ سن کر رونے لگے۔ اور آپ نے فرمایا اگر میں کسی شخص کو زمانہ جاہلیت کے فعل پر سزا دیتا تو تمہیں دیتا۔

(الجامع لاحکام القرآن' جزء ۷' ص ۸۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

وَهُوَ الَّذِىٓ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَيۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ وَّالنَّخۡلَ وَ

اور وہی ہے جس نے بیلوں والے باغ پیدا کیے اور جس نے درختوں والے باغ پیدا کیے اور کھجور کے درخت اور کھیت اگائے جن کے کھانے

الزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ‌ ؕ

مختلف ہیں اور زیتون اور انار اگائے جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی

كُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ يَوۡمَ حَصَادِهٖ‌ ۖ وَلَا تُسۡرِفُوۡا ‌ؕ

جب وہ درخت پھل دار ہوں تو ان کے پھلوں سے کھاؤ اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو ان کا حق ادا کرو اور

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۞۱۴۱ ۙ وَمِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَةً وَّفَرۡشًا‌ ؕ كُلُوۡا

بے جا خرچ نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور اس نے بعض (قد آور) مویشی پیدا کیے جو بوجھ اٹھانے

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ‌ ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ

والے ہیں اور بعض زمین سے لگے ہوئے (کوتاہ قد) مویشی پیدا کیے، اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بیشک وہ

مُّبِيۡنٌ ۞۱۴۲ ۙ ثَمٰنِيَةَ اَزۡوَاجٍ‌ ۚ مِنَ الضَّاۡنِ اثۡنَيۡنِ وَمِنَ الۡمَعۡزِ

تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ○ اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے، دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے،

اثۡنَيۡنِ‌ ؕ قُلۡ ءٰٓالذَّكَرَيۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَيَيۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ

آپ کہیے کیا اس نے دو نر حرام کیے یا دو مادہ حرام کیں، یا وہ جسے دونوں مادہ اپنے

عَلَيۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ ؕ نَبِّئُوۡنِىۡ بِعِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۞۱۴۳ ۙ

پیٹوں میں لیے ہوئے ہیں، مجھے علمی دلیل سے خبر دو اگر تم سچے ہو ○

وَمِنَ الۡاِبِلِ اثۡنَيۡنِ وَمِنَ الۡبَقَرِ اثۡنَيۡنِ‌ ؕ قُلۡ ءٰٓالذَّكَرَيۡنِ

اور اللہ نے اونٹ کی قسم سے دو اور گائے کی قسم سے دو (جوڑے) پیدا کیے آپ کہیے کیا اس نے دو نر

حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَيَيۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَيۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ ؕ اَمۡ

حرام کیے یا دو مادہ حرام کیں، یا وہ جسے دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں لیے ہوئے ہیں، یا تم اس

كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا، سو اس سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جو اللہ

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

پر افترا پردازی کرے تاکہ وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے، بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٤﴾ ع

نہیں دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے بیلوں والے باغ پیدا کیے اور جس نے درختوں والے باغ پیدا کیے اور کھجور کے درخت اور کھیت اگائے، جن کے کھانے مختلف ہیں اور زیتون اور انار اگائے جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی۔ جب وہ درخت پھل دار ہوں تو ان کے پھلوں سے کھاؤ اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو ان کا حق ادا کرو اور بے جا خرچ نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الانعام: ۱۴۱)

مشکل الفاظ کے معانی

معروشات: یہ لفظ عرش سے بنا ہے، عرش کا معنی ہے چھت۔ جس چیز پر بادشاہ بیٹھتا ہے، اس کو بھی بلندی کی وجہ سے عرش (تخت) کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں عرشت الکرم میں نے انگور کی چھت بنا دی، یعنی انگور کی بیلیں اس طرح پھیلا دیں کہ ان سے چھت بن گئی۔ اس آیت میں جنات معروشات سے مراد وہ باغ ہیں جن میں پھلوں کی بیلیں ہوں، مثلاً انگور کی یا خربوزہ اور تربوز کی۔

غیر معروشات: جن پھلوں کے درختوں کو زمین پر چھوڑ دیا گیا ہو، جو اپنے تنے اور شاخوں کی وجہ سے کسی چھت پر ڈالے جانے سے مستغنی ہوں۔

حصاد: یہ لفظ حصد سے بنا ہے، اس کا معنی ہے فصل کاٹنا۔ درختوں سے پھلوں کے توڑنے کو بھی حصاد کہتے ہیں۔

وجود باری اور توحید پر دلیل

قرآن مجید کا موضوع توحید، رسالت، احکام شرعیہ، معاد اور جزاء و سزا کو بیان کرنا ہے۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو سرزنش کی تھی جو شرک کرتے تھے اور از خود احکام بنا لیتے تھے، اس کے بعد اب پھر اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوا اور وجود باری اور توحید پر دلائل دیئے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیلوں اور درختوں والے باغات پیدا کیے اور کھجور کے درخت اور کھیت پیدا کیے۔ ان پھلوں کی شکل و صورت، ان کا رنگ، ان کی خوشبو اور ان کا ذائقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح کھیتوں سے جو غلہ پیدا ہوتا ہے، ان کی ہیئت ان کا ذائقہ اور ان کے فوائد ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ چیزیں از خود تو پیدا نہیں ہوئیں، اور نہ یہ چیزیں سورج، چاند اور ستاروں نے پیدا کی ہیں۔ کیونکہ جب وہ غروب ہو جاتے ہیں تب بھی یہ چیزیں اسی طرح برقرار رہتی ہیں۔ پھر دنیا بھر کے لوگ جو اللہ کے سوا اور چیزوں کی خدائی کے قائل ہیں، ان چیزوں میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ

نہیں کیا کہ وہ ان باغوں اور کھیتوں کے پیدا کرنے والے ہیں۔ بلکہ اللہ کے سوا کوئی بھی ان کے پیدا کرنے کا دعویٰ دار نہیں ہے تو پھر ہم کیوں نہ مانیں کہ اللہ ہی دنیا بھر کے باغوں' کھیتوں اور ہرے بھرے جنگلوں کا خالق ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ نباتات کا خالق ہے تو جمادات' حیوانات' انسانوں' جنوں اور فرشتوں اور ساری کائنات کا بھی وہی خالق ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔

فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عشر ہے یا عام صدقہ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' جب فصل کی کٹائی کا دن آئے تو اس کا حق ادا کرو۔

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس' جابر بن زید' محمد بن حنفیہ' حسن بصری' سعید بن مسیب' طاؤس' زید بن اسلم' قتادہ اور ضحاک کا یہ قول ہے کہ اس حق سے مراد عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) اور نصف العشر (پیداوار کا بیسواں حصہ) ہے اور حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس حق کو اس حدیث نے منسوخ کر دیا جس میں عشر اور نصف عشر کو فرض کیا گیا' اور یہ قول اس اصول پر مبنی ہے کہ قرآن کے حکم کو سنت سے منسوخ کرنا جائز ہے' حسن بصری سے روایت ہے کہ اس حکم کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا' ضحاک نے کہا ہے کہ قرآن میں مذکور ہر صدقہ کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا' اور حضرت ابن عمر اور مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت محکمہ (غیر منسوخ) ہے اور فصل کی کٹائی کے وقت اس حق کو ادا کرنا واجب ہے اور یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے رات کے وقت کھجور توڑنے اور فصل کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ یہ ممانعت اس لیے ہے تاکہ دن میں کٹائی کے وقت مساکین آسکیں۔ مجاہد نے کہا جب فصل کاٹی جائے تو اس میں سے کچھ حصہ مساکین کو دیا جائے' اس طرح جب درخت سے کھجوریں توڑی جائیں تو کچھ کھجوریں ان کو دی جائیں۔ اسی طرح جب ان کو صاع کے حساب سے ماپا جائے تو ان کو کچھ کھجوریں دی جائیں۔ (احکام القرآن' ج ۳' ص ۹' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس آیت میں فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عشر یا نصف عشر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس حق سے مراد عام صدقہ ہے اور یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس لیے راجح ہے کہ احادیث میں بھی ارضی پیداوار کی زکوٰۃ' عشر یا نصف عشر بیان کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو باغ یا کھیت بارش سے یا چشموں سے یا بارش کے جمع شدہ پانی سے سیراب کیا گیا ہو' اس میں عشر ہے اور جن کو کنوئیں سے پانی حاصل کر کے سیراب کیا گیا ہو' اس میں نصف عشر ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۴۸۳' سنن الترمذی ج ۲' رقم الحدیث: ۶۴۰' صحیح مسلم' زکوٰۃ ۷' (۹۸۱) ۲۲۳۶' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۵۹۷' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۴۸۹)

عشر کے نصاب میں مذاہب فقہاء

امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمین کی پیداوار قلیل ہو یا کثیر' اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پانچ وسق (تقریباً تیس من) سے کم کی مقدار میں عشر واجب نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ ہے اور نہ پانچ اواق دو سو درہم' ۶۱۲.۳۶ گرام' ساڑھے باون تولہ چاندی سے کم میں صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۴۴۷، صحیح مسلم، زکوٰۃ ۱ (۹۷۹) ۲۲۲۷، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۵۵۸، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۳۶، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۴۴۵، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۹۳)

امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلائل

امام ابوحنیفہ کی دلیل قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت ہے۔ امام فخرالدین رازی نے اس کی یہ تقریر کی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا قلیل اور کثیر میں عشر واجب ہے اور جمہور نے کہا جب زمین کی پیداوار پانچ وسق کو پہنچ جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام: ۱۴۱) اور فصل کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

یہ آیت قلیل اور کثیر میں حق کے ثبوت پر دلیل ہے اور جب یہ حق زکوٰۃ (عشر) ہے تو قلیل اور کثیر میں وجوب زکوٰۃ کا قول کرنا واجب ہے۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۶۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نیز امام ابوحنیفہ نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا جس زمین کو بارش، چشمے یا بارش کا جمع شدہ پانی سیراب کرے، اس میں عشر ہے اور جو زمین کنوئیں کے پانی سے سیراب کی جائے، اس میں نصف عشر ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۴۸۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۵۹۶، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۶۴۰، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۴۸۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۸۱۷، سنن دار قطنی، رقم الحدیث: ۲۰۱۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۱۳۸۵، ۳۲۸۶، ۳۲۸۷)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے زمین کی پیداوار پر بہ سبیل عموم عشر یا نصف عشر واجب کیا ہے اور اس کو پانچ وسق کے ساتھ خاص نہیں کیا اور عام، خاص پر مقدم ہوتا ہے، لہٰذا جس حدیث میں آپ نے پانچ وسق پر وجوب زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے، وہ مال تجارت پر محمول ہے، یعنی جس شخص کے پاس پانچ وسق سے کم مال تجارت ہو، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی اور اس وقت پانچ وسق دو سو درہم کے برابر ہوتے تھے۔

نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال اس آیت سے بھی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ اے ایمان والو اپنی کمائی ہوئی پسندیدہ چیزوں کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔ (البقرہ: ۲۶۷)

وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہ سبیل عموم فرمایا ہے کہ زمین سے ہم نے جو کچھ پیدا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرو اور اس کو اللہ تعالیٰ نے کسی مقدار اور نصاب کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور اس میں امام ابوحنیفہ کے موقف کی تائید ہے کہ زمین کی پیداوار خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر واجب ہے۔

نفلی صدقہ کرنے میں کیا چیز اسراف ہے اور کیا نہیں؟

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور بے جا خرچ نہ کرو بے شک اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اہل لغت کے اسراف میں دو قول ہیں۔ ابن الاعرابی نے کہا حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے اور شمر نے کہا مال کو لغو اور بے فائدہ کاموں میں خرچ کرنا اسراف ہے۔ (لسان العرب، ج ۹، ص ۱۴۸، مطبوعہ ایران)

انسان جب اپنا تمام مال صدقہ کردے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ نہ چھوڑے تو یہ بھی اسراف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ (الاسراء: ۲۹)
اور نہ اپنا ہاتھ پوری طرح کھول دے کہ بیٹھا رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہارا۔

ابن جریج نے کہا یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے درخت سے کھجوریں توڑیں اور کہا آج جو شخص بھی آئے گا میں اس کو کھلاؤں گا' پھر وہ لوگوں کو کھجوریں کھلاتے رہے۔ حتیٰ کہ شام ہو گئی اور ان کے پاس ایک کھجور بھی باقی نہیں بچی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ بے جا خرچ نہ کرو' بے شک اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (جامع البیان' جز ۸' ص ۸۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جو خوشحالی کی حالت میں دیا جائے' اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔

(صحیح مسلم' الزکوۃ' ۹۵' (۱۰۳۴) ۲۳۴۸' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۵۴۳' صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۳۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جو خوشحال چھوڑے' اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو' بیوی کہے گی مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دو' نوکر کہے گا مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو' بیٹا کہے گا مجھے کھلاؤ' مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟

(صحیح البخاری ج ۶' رقم الحدیث: ۵۳۵۵' مسند احمد ج ۲' ص ۲۴۵' المنتقی' رقم الحدیث: ۷۵۱' مسند القضاعی' رقم الحدیث: ۱۲۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا صدقہ کرو' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا تم کو زیادہ معلوم ہے' یعنی تم کو زیادہ معلوم ہے تمہارے رشتہ داروں میں کون زیادہ ضرورت مند ہے؟ اس کو دو۔

(سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۶۹۱' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۵۳۴' مسند الشافعی' ج ۲' ص ۶۳-۶۴' مسند احمد' ج ۲' ص ۴۷۱' ۲۵۱' صحیح ابن حبان' ج ۸' رقم الحدیث: ۳۳۳۸' المستدرک' ج ۱' ص ۴۱۵' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۴۶۶)

حضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا دینے والے کا ہاتھ بلند ہوتا ہے اور صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔ اپنی ماں' اپنے باپ' اپنی بہن اور اپنے بھائی کو دو۔ پھر جو تمہارے زیادہ قریب ہوں اور جو ان سے قریب ہوں۔

(سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۵۳۱' صحیح ابن حبان' ج ۸' رقم الحدیث: ۳۳۴۱' سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۹۵۷' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۳' ص ۲۱۲' المعجم الکبیر' ج ۸' رقم الحدیث: ۸۱۷۵' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۳۴۵' مسند احمد' ج ۳' ص ۶۴)

ان احادیث میں ماں باپ اور بیوی بچوں پر جو صدقہ کی ابتداء کرنے کا حکم ہے اس سے مراد صدقہ نفلیہ ہے' کیونکہ صدقہ واجبہ کو ان پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ جس شخص کا دل مضبوط ہو اور اس کا نفس مستغنی ہو' اور وہ اللہ تعالیٰ پر متوکل ہو اور وہ اکیلا ہو' اس پر ماں باپ' بیوی' بچوں اور بہن بھائیوں کی ذمہ داری اور ان کی پرورش کا بار نہ ہو اور وہ مالی حقوق سے متعلق اللہ تعالیٰ کے تمام فرائض ادا کر چکا ہو تو وہ اگر اللہ کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کر دے تو یہ جائز ہے اور اسراف نہیں ہے۔

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا اگر تم ابو قیس (ایک پہاڑ) کے برابر سونا بھی اللہ کی اطاعت میں خیرات کر دو تو یہ اسراف نہیں ہے اور اگر تم ایک صاع (چار کلو) بھی اللہ کی معصیت میں خرچ کرو تو یہ اسراف ہے۔ (رقم الحدیث: ۷۹۶۳)

(تفسیر امام ابن ابی حاتم 'ج ۵ 'ص ۱۳۹۹ 'مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ 'مکہ مکرمہ '۱۴۱۷ھ)

امام ابوالشیخ نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ابو بشر نے بیان کیا کہ لوگوں نے ایاس بن معاویہ سے پوچھا اسراف کیا ہے؟ انہوں نے کہا جب تم اللہ کے حکم سے تجاوز کرو تو یہ اسراف ہے۔ سفیان بن حسین نے کہا جب تم اللہ کے حکم میں کمی کرو تو یہ اسراف ہے۔ (در منثور 'ج ۳ 'ص ۳۶۹ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت '۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے بعض قد آور مویشی پیدا کیے جو بوجھ اٹھانے والے ہیں اور بعض زمین سے لگے ہوئے (کوتاہ قد) مویشی پیدا کیے 'اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو 'بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (الانعام: ۱۴۲)

مویشیوں کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مزید رحمتوں اور برکتوں کا بیان فرمایا ہے کہ اس نے سواری اور بوجھ لادنے کے لیے بڑے بڑے اور قد آور جانور پیدا کیے جیسے گھوڑے 'اونٹ 'بیل اور بھینسے وغیرہ اور چھوٹے جانور پیدا کیے جن کو زمین پر بچھا کر ذبح کیا جا سکتا ہے 'جیسے بھیڑ 'بکری اور دنبے وغیرہ۔ ان جانوروں سے دودھ حاصل کیا جاتا ہے جو ہماری غذائی ضرورت پورا کرتے ہیں اور ان سے اون بھی حاصل کیا جاتا ہے جو ہماری لباس کی ضرورت پورا کرتے ہیں 'جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ○ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ○ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ○ (یٰسٓ: ۷۳-۷۱)

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے جن کے وہ مالک ہیں 'اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا 'سو وہ بعض پر سواری کرتے ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں 'اور ان کے لیے ان مویشیوں میں بہت فائدے ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں تو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ○ (النحل: ۶۶)

اور بے شک مویشیوں میں تمہارے لیے مقام غور ہے 'ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے گوبر اور خون کے درمیان سے پینے والوں کے لیے خالص خوش گوار دودھ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جس طرح غلہ جات اور پھلوں سے کھانے کا حکم دیا تھا 'اسی طرح اب ان مویشیوں سے کھانے اور ان کا دودھ پینے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ درخت اور کھیت ہوں یا مویشی 'سب کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے منافع اور فوائد کے لیے پیدا فرمایا ہے 'سو اس کو چاہیے کہ ان سے نفع حاصل کرے اور شیطان کے قدموں پر نہ چلے 'کیونکہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے 'جیسا کہ ان آیتوں میں ارشاد ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ○ (فاطر: ۶)

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے 'سو تم بھی اس کو دشمن ہی بنائے رکھو 'وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں۔

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ (البقرہ: ۱۶۹) شیطان تم کو صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے متعلق ایسی بات کہنے کا جس کو تم نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے' دو بھیڑ کی قسم سے' اور دو بکری کی قسم سے' آپ کہیے: کہ کیا اس نے دو نر حرام کیے یا دو مادہ حرام کیں' یا وہ جسے دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ مجھے علمی دلیل سے خبر دو اگر تم سچے ہو○ اور اللہ نے اونٹ کی قسم سے دو اور گائے کی قسم سے دو پیدا کیے۔ آپ کہئے کہ کیا اس نے دو نر حرام کیے' یا دو مادہ حرام کیں' یا وہ جسے وہ دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں' یا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا' سو اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا؟ جو اللہ پر افترا پردازی کرے' تاکہ وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے' بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (الانعام: ۱۴۴-۱۴۳)

مناظرہ اور قیاس کی اصل

وہ مویشی جو دراز قد اور کوتاہ قد ہیں ان کی آٹھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک اونٹ اور اونٹنی کا جوڑا ہے' دوسرا بیل اور گائے کا جوڑا ہے' تیسرا مینڈھا اور بھیڑ کا جوڑا ہے اور چوتھا بکرے اور بکری کا جوڑا ہے اور یہ کل آٹھ عدد ہیں۔

مشرکین عرب نے مویشیوں میں سے بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام بنا رکھے تھے اور عام لوگوں کے لیے ان پر سواری کرنا' بوجھ لادنا ان کو کھانا اور ان کا دودھ پینا حرام کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول مکرم ﷺ آپ ان سے پوچھئے کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے دو نر حرام کیے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ نے نر کی صنف حرام کردی ہے تو تم نر جانور کیوں کھاتے ہو اور اگر اللہ نے مادہ کی صنف حرام کردی ہے تو تم مادہ کیوں کھاتے ہو اور اگر اللہ نے دونوں حرام کر دیئے ہیں تو پھر تم نر اور مادہ دونوں کیوں کھاتے ہو؟

اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی صنف کو حرام نہیں کیا۔ یہ تحریم کے دعویٰ میں محض جھوٹے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس انکار کو مزید مؤکد کرنے کے لیے فرمایا کیا تم اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام کرنے کی وصیت فرمائی تھی؟ سو یہ محض تمہارا جھوٹ اور افتراء ہے اور اگر تم سچے ہو تو بتاؤ اللہ تعالیٰ نے کس نبی کی کتاب میں ان جانوروں کی تحریم نازل کی تھی یا کس نبی پر وحی آئی تھی؟ اگر تمہارے پاس کوئی نقل ہے تو پیش کرو' ان آیتوں میں علمی مباحثہ اور مناظرہ کے جواز پر دلیل ہے اور اس میں قیاس کی بھی اصل ہے' کہ اگر اللہ نے مذکر کو حرام کیا ہے تو ہر مذکر حرام ہے اور اگر مونث کو حرام کیا ہے تو ہر مونث حرام ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے

طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ

والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا: وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو' یا خنزیر کا

خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ

گوشت ہو کیوں کہ وہ نجس ہے یا بطور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو' سو جو شخص مجبور

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ

ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بیشک آپ کا رب بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور یہودیوں پر

هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا ، اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی

شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ

تھی ، مگر جو چربی ان کی پیٹھوں پر ہو یا ان کی آنتوں پر ہو یا جو چربی ان کی ہڈی

بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ

پر ہو ، یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور بیشک ہم ضرور سچے ہیں ○ پس اگر وہ آپ

كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ

کی تکذیب کریں تو آپ کہیے کہ تمہارا رب بہت وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب جرم کرنے

الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَآ

والوں سے ٹالا نہیں جا سکتا ○ اب مشرک یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے

اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ

باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے ، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے

مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰي ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ

بھی تکذیب کی تھی حتی کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا ، آپ کہیے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے ؟ (اگر ہے تو)

فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

اس کو ہمارے سامنے پیش کرو ، تم صرف ظن کی پیروی کرتے ہو اور تم محض اٹکل پچو سے بات کرتے ہو ○

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

آپ کہیے کہ قوی دلیل تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے ، پس اگر اللہ چاہتا تو وہ ضرور تم سب کو ہدایت دے دیتا ○

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ

آپ کہیے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کرو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے، پس اگر وہ

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

یہ (جھوٹی) گواہی دیں تو (اے مخاطب!) تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور نہ ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا

بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے' میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا وہ مردار ہو' یا بہا ہوا خون ہو' یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو' تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (الانعام: ۱۴۵)

قرآن اور حدیث میں حرام کیے ہوئے طعام کی تفصیل

زمانہ جاہلیت میں کفار اور مشرکین بعض اشیاء کو از خود حلال کہتے اور بعض اشیاء کو از خود حرام کہتے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا' کہ کسی چیز کا حلال کرنا اور کسی چیز کا حرام کرنا صرف وحی سے معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ کہیے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے اس میں صرف چار چیزیں حرام کی گئی ہیں' وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ مردار' بہا ہوا خون' خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ ان کی تفسیر ہم البقرہ: ۱۷۳ اور المائدہ: ۳ میں تفصیل سے کر چکے ہیں' ان کا وہاں مطالعہ فرمائیں۔ یہ سورت مکی ہے' اس لیے اس میں صرف ان چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں میں اور بھی کئی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی کئی جانوروں کو حرام فرمایا ہے' بعض دیگر جانوروں اور شراب کی حرمت کا بیان المائدہ میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ (المائدہ: ۳)

(یہ چیزیں) تم پر حرام کر دی گئی ہیں مردار' خون' خنزیر کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور جس کا گلا گھٹ گیا ہو' اور جو ضرب سے مارا گیا ہو اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو اور سینگ مارا ہوا اور جس کو درندے نے کھا لیا ہو سوا اس کے جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو اور جو بتوں کے تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور جوئے کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا بھی تم پر حرام کیا گیا ہے۔ یہ سب کام گناہ ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ

اے ایمان والو! شراب' جوا' بت اور قسمت معلوم کرنے کے تیر (سب) ناپاک ہیں۔ شیطانی کاموں سے ہیں' سو تم ان

فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (المائدہ: ۹۰) سے بچو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔

اور نبی ﷺ نے بھی کئی جانوروں کو حرام فرمایا ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۵۷۸۰' ۵۷۸۱' صحیح مسلم' الصید والذبائح' ۱۲' (۱۹۳۲) ۴۹۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے اور ہر ناخن والے پرندے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم' الصید والذبائح' ۱۶' (۱۹۳۴) ۴۹۰۸' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۸۰۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۳۳' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۰۷۵)

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام فرمادیا۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۵۲۷' صحیح مسلم' الصید والذبائح' ۲۳' (۱۹۳۶) ۴۹۲۰' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۳۴۹)

حضرت عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۷۹۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ دو مردار مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۱۴' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۵۷۲۷)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن جانوروں کو سمندر پھینک دے' یا جن سے پیچھے ہٹ جائے ان کو کھالو اور جو جانور سمندر میں مرجائیں اور مر کر اوپر آجائیں ان کو نہ کھاؤ۔

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۸۱۵' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۴۷)

کاٹنے والے کتے' سانپ' بچھو' چیل اور کوے کو نبی ﷺ نے حرم اور غیر حرم میں قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۲۸) اس لیے ان کو کھانا بھی حرام ہے۔

حشرات الارض اور بول و براز اور دیگر ہر قسم کی نجاست کے حرام ہونے پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

مچھلی کو کھانا بالاتفاق حلال ہے اور مچھلی کے علاوہ باقی دریائی جانوروں میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ حرام ہیں' کیونکہ وہ سب خبیث ہیں' یعنی طبع سلیم ان سے متنفر ہوتی ہے اور خبیث چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے۔

(ھدایہ اخیرین' ص ۴۴۲)

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: ۱۵۷) وہ نبی امی ان کے لیے طیب چیزیں حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

امام مالک کے نزدیک تمام سمندری جانور حلال ہیں' ماسوا ان کے جن کی مثل خشکی میں حرام ہے۔ مثلاً خنزیر (حاشیہ الدسوقی' ج ۲' ص ۱۱۵) امام احمد کے نزدیک بھی مچھلی سمیت تمام جانور حلال ہیں۔ البتہ ان کے نزدیک مینڈک کو کھانا جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن النسائی) اور یہ اس کی تحریم کی دلیل ہے اور مگرمچھ اور کوسج (ایک قسم کی مچھلی جس کی سونڈ پر آرا ہوتا ہے) کو کھانا بھی جائز نہیں ہے' کیونکہ یہ دونوں آدمیوں کو کھاجاتے ہیں۔ (مغنی ابن قدامہ'

ج ۹' ص ۳۳۸' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت) امام شافعی کے نزدیک مینڈک کے سوا تمام سمندری جانوروں کو کھانا جائز ہے اور بعض ائمہ شافعیہ نے مینڈک کے کھانے کو بھی جائز کہا ہے۔ (المہذب' ج ۲' ص ۲۵۰)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (المائدہ: ۹۶)

تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے' تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے۔

اور اس حدیث سے بھی ان کا استدلال ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پانی کم ہوتا ہے۔ اگر ہم اس پانی سے وضو کرلیں تو پیاسے رہ جائیں گے' کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرلیں؟ آپ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۹' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۳' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۸۶' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۴۳' المستدرک' ج ۱' ص ۱۴۰' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۱۲۴۳' المنتقی' رقم الحدیث: ۴۳' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۷۲۳۷' طبع جدید' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۳۷' طبع قدیم)

علامہ ابن قدامہ نے کہا ہے کہ عطاء اور عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لیے سمندر میں ہر چیز کو ذبح کر دیا ہے۔ (المغنی' ج ۹' ص ۳۳۸' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی مگر جو چربی ان کی پیٹھوں پر ہو' یا ان کی آنتوں پر ہو' یا جو چربی ان کی ہڈی پر ہو' یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔ (الانعام: ۱۴۶)

بعض الفاظ کے معنی

ذی ظفر: ناخن والے' اس سے مراد ایسے جانور ہیں' جن کے ناخن ان کی انگلیوں سے الگ نہ ہوں۔ جیسے اونٹ اور دیگر مویشی' اس کے برخلاف پھاڑنے والے درندوں کے ناخن ان کی انگلیوں سے الگ ہو جاتے ہیں' جن سے وہ شکار کرتے ہیں۔

شحم کا معنی ہے چربی اور الحوایا' الحاویہ کی جمع ہے' اس کا معنی ہے آنت' انتڑی۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک دلیل

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ناخن والے جانوروں سے مراد اونٹ' شتر مرغ اور اس قسم کے دیگر چوپائے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد ایسے جانور ہیں جن کی انگلیاں کھلی ہوئی نہ ہوں۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد اونٹ' شتر مرغ اور پرندے ہیں۔

(جامع البیان' جز ۸' ص ۹۷-۹۶' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ فلاں شخص نے خمر (شراب) فروخت کی ہے۔ حضرت عمر نے کہا اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو قتل کرے' وہ نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے ان پر چربی حرام کی گئی تھی' انہوں نے اس کو پگھلایا اور پھر

فروخت کر دیا۔ (صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۲۲۳' صحیح مسلم 'المساقاۃ' ۷۲' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۰)

اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو بنو اسرائیل پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا حرام کیا۔ کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور سود کھاتے تھے اور دیگر ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے' اور یہ اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی چیز کو حرام نہیں کیا ماسوا اس کے جس کو حضرت یعقوب نے خود اپنے نفس پر حرام کیا تھا' اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ماضی کی خبر دی تھی جس کا کسی کو علم نہیں تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک ہم اس خبر میں ضرور سچے ہیں اور یہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کہ آپ نے یہود کو ماضی کی ایسی بات کی خبر دی جس کا کسی کو علم نہیں تھا اور جس کو جاننے کے لیے وحی کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہئے کہ تمہارا رب بہت وسیع رحمت والا ہے' اور اس کا عذاب جرم کرنے والے لوگوں سے ٹالا نہیں جا سکتا۔ (الانعام: ۱۴۷)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم اگر یہ یہود اس خبر میں آپ کی تکذیب کریں جو ہم نے آپ کو ابھی بیان کی ہے کہ ان کی سرکشی کی بنا پر ہم نے ان پر کیا کیا حرام کر دیا تھا' تو آپ کہئے ہمارا رب سب پر رحیم ہے۔ اس کی رحمت تمام مخلوق پر محیط ہے۔ خواہ وہ اس پر ایمان لائے ہوں یا نہ لائے ہوں۔ نیک ہوں یا بدکار۔ وہ نہ کافروں کو جلد پکڑتا ہے نہ گنہ گاروں سے جلد انتقام لیتا ہے' اور وہ ایمان لانے والوں اور اطاعت گزاروں کو یونہی نہیں چھوڑ دیتا اور ان کو ان کے اعمال کے ثواب سے محروم نہیں کرتا۔ لیکن جب مجرموں کی بداعمالیوں کی سزا دینے کا وقت آئے گا تو پھر اس کے عذاب کو کوئی ان سے ٹال نہیں سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اب مشرک یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کرتے' نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا۔ آپ کہئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہے تو) اس کو ہمارے سامنے پیش کرو تم صرف ظن کی پیروی کرتے ہو اور تم محض اٹکل پچو سے بات کرتے ہو۔ (الانعام: ۱۴۸)

مشرکین کے شبہات کا جواب

مجاہد نے کہا کہ کفار قریش نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ وہ بحیرہ' سائبہ اور وصیلہ وغیرہ کو حرام قرار دیتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہمارے آباء و اجداد کی طرف رسول بھیجتا' جو ان کو شرک سے منع کرتا اور ان جانوروں کو حرام قرار دینے سے منع کرتا اور وہ ان کاموں سے رک جاتے' پھر ہم بھی ان کی اتباع کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور فرمایا تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ جس طرح تم کہہ رہے ہو ماضی میں ایسا ہی ہوا تھا اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو پیش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا رد فرمایا' اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی' حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا۔ یعنی جس طرح کفار مکہ نے نبی ﷺ کے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دیئے ہوئے دلائل کی تکذیب کی ہے' اسی طرح پہلے بھی مشرکین نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور اس کی بنیاد بھی کوئی علم اور عقل کی دلیل نہیں تھی۔ وہ بھی محض ظن اور اٹکل پچو سے اپنے رسولوں کی تکذیب کرتے تھے اور اگر ان کا یہ قول صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب کیوں نازل فرماتا اور ان کو صفحہ ہستی سے کیوں مٹا دیتا' یعنی جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تو ان پر عذاب آیا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے

ان کی طرف رسول بھیجے تھے جنہوں نے ان کو شرک اور خود ساختہ تحریم سے منع فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ قوی دلیل تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے' پس اگر وہ چاہتا تو وہ ضرور تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ (الانعام: ۱۴۹)

جبریہ کا رد اور ابطال

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایسی دلیل جو تمام شکوک و شبہات کو بیخ و بن سے اکھاڑ دے' صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ اس آیت میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ واحد ہے' اس نے رسولوں کو دلائل اور معجزات دے کر بھیجا اور ہر مکلف پر اپنے احکام کو لازم کیا ہے اور ان کو مکلف کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت یہی ہے کہ بندے اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں اور اس کے احکام کی تعمیل کریں' ورنہ اگر وہ چاہتا تو جبراً سب انسانوں کو مومن بنا دیتا' لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہیں ہے۔ اس لیے ان کا یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کرتے' نہ ہمارے باپ دادا' نہ وہ بحائر وغیرہ کو حرام قرار دیتے' کیونکہ اس قسم کا ایمان اللہ تعالیٰ کا مطلوب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنی عقل سے کام لیں' حق اور باطل کو جانچیں' کھرے اور کھوٹے کو پرکھیں۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور شیطان کے وسوسوں میں فرق محسوس کریں اور اپنے اختیار سے برے کاموں اور بری باتوں کو ترک کریں اور شیطان کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لانے کو اختیار کریں۔ وہ جس چیز کو اختیار کریں گے' اللہ اسی چیز کو پیدا کر دے گا۔ ان آیتوں میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں بنایا' مختار بنایا ہے اور ان میں جبریہ کے مذہب کا رد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کرو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے' پس اگر وہ (جھوٹی) گواہی دیں تو (اے مخاطب!) تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور نہ ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ (الانعام: ۱۵۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ مشرکین سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بحیرہ' سائبہ وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے' وہ اس پر کوئی گواہ لائیں اور کوئی شہادت پیش کریں' کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں نبی پر اس حکم کو نازل کیا تھا یا فلاں کتاب میں یہ حکم نازل ہوا ہے اور اگر بالفرض وہ کوئی جھوٹی شہادت پیش کر دیں تو اے مسلمانو! تم ان کی تصدیق نہ کرنا اور جو لوگ فوائد اور منافع کے حصول اور مصائب اور نقصانات سے بچنے کے معاملہ میں اپنے بتوں اور جھوٹے معبودوں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں' ان کی موافقت نہ کرنا۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْــًٔا وَّ

آپ کہیے کہ آؤ میں تم پر تلاوت کروں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں، یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ

دو، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور اپنی اولاد کو رزق میں کمی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی

نرزقكم واياهم ۚ ولا تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما

رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی ، اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ

بطن ۚ ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق ۗ ذلكم

پوشیدہ اور جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو ، یہی وہ کام ہیں

وصىكم به لعلكم تعقلون ﴿۱۵۱﴾ ولا تقربوا مال اليتيم الا

جن کا اللہ نے تم کو مؤکد حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو ○ اور اچھے طریقہ کے بغیر یتیم کے مال کے

بالتي هي احسن حتى يبلغ اشده ۚ واوفوا الكيل والميزان

قریب نہ جاؤ حتی کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول

بالقسط ۚ لا نكلف نفسا الا وسعها ۚ واذا قلتم فاعدلوا

کرو ، ہم ہر شخص کو صرف اس کی طاقت کے مطابق مکلف کرتے ہیں اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف کے ساتھ

ولو كان ذا قربى ۚ وبعهد الله اوفوا ۗ ذلكم وصىكم به لعلكم

کہو، خواہ وہ تمہارے قرابت دار ہوں اور اللہ کے عہد کو پورا کرو ، یہی وہ امور ہیں جن کا تمہیں اللہ نے مؤکد حکم دیا ہے

تذكرون ﴿۱۵۲﴾ وان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ۚ ولا تتبعوا

تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اسی راستہ پر چلو ، اور دوسرے راستوں پر

السبل فتفرق بكم عن سبيله ۗ ذلكم وصىكم به لعلكم

نہ چلو وہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے ، اسی بات کا اللہ نے تمہیں مؤکد حکم دیا ہے تاکہ

تتقون ﴿۱۵۳﴾ ثم اتينا موسى الكتب تماما على الذي احسن

تم گمراہی سے بچو ○ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی ، اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک

وتفصيلا لكل شيء وهدى ورحمة لعلهم بلقاء ربهم

کام کیے درآں حالیکہ وہ ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر

يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٤﴾ ع

ایمان لے آئیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ آؤ میں تم پر تلاوت کروں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں؟ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دو' اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو' اور اپنی اولاد کو رزق میں کمی کی وجہ سے قتل نہ کرو' ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ' خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو' یہی وہ کام ہیں جن کا اللہ نے تم کو مؤکد حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو○ اور اچھے طریقہ کے بغیر مال یتیم کے قریب نہ جاؤ' حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور انصاف کے ساتھ پوری ناپ تول کرو' ہم ہر شخص کو صرف اس کی طاقت کے مطابق مکلف کرتے ہیں اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف کے ساتھ کہو' خواہ وہ تمہارے قرابت دار ہوں اور اللہ کے عہد کو پورا کرو' یہی وہ امور ہیں جن کا اللہ نے تمہیں مؤکد حکم دیا ہے' تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

(الانعام: ١٥٢-١٥١)

اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کاموں کی تفصیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ مشرکین نے بعض کاموں اور بعض چیزوں کو از خود حرام قرار دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام نہیں فرمایا اور اب اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام فرمائی ہیں؟ ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نو چیزوں کی حرمت بیان فرمائی ہے اور ان کی ضد کو فرض اور واجب قرار دیا ہے۔ وہ نو چیزیں یہ ہیں:

(١) اللہ کا شریک قرار دینا۔ (٢) ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک نہ کرنا۔ (٣) اولاد کو قتل کرنا۔ (٤) بے حیائی کے کام کرنا۔ (٥) ناحق قتل کرنا۔ (٦) یتیم کے مال میں بے جا تصرف کرنا۔ (٧) ناپ تول میں کمی کرنا۔ (٨) ناحق بات کہنا۔ (٩) اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا نہ کرنا۔

ان نو کاموں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اور ان کی ضد اور ان کے خلاف کرنے کو فرض اور واجب فرمایا ہے۔ ہم ان میں سے ہر ایک کی قدرے تفصیل بیان کر رہے ہیں۔

شرک کا حرام ہونا

بعض مشرکین بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے تھے' جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (الانعام: ٧٤) — اور جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا' کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے۔

اور بعض مشرکین ستاروں کی پرستش کرتے تھے' اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (الانعام: ٧٦) — پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو ابراہیم نے کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بعض مشرکین جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے تھے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ (الانعام: ١٠٠) — اور انہوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دیا۔

بعض مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں مانتے تھے۔ جیساکہ اس آیت میں ہے:

وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور انہوں نے بغیر علم کے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں۔ (الانعام: ۱۰۰)

اللہ تعالیٰ کے لیے ہر قسم کا شریک ماننا حرام ہے۔ اور یہ ایسا گناہ ہے۔ جس کی آخرت میں معافی نہیں ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا' اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ کے لیے شریک قرار دو' حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے کہا بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ پھر کون سا بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا پھر یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ میں نے پوچھا' پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا پھر یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

(صحیح البخاری' ج۵' رقم الحدیث: ۴۴۷۷' صحیح مسلم' ایمان' ۱۴۱' (۸۶) ۲۵۱' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۱۰' سنن الترمذی' ج۵' رقم الحدیث: ۳۱۹۳' سنن نسائی' ج۷' رقم الحدیث: ۴۰۲۰۔ ۳۰۲۰' سنن کبریٰ للنسائی' ج۶' رقم الحدیث: ۱۰۹۸۷)

والدین کے ساتھ بدسلوکی کا حرام ہونا

اس کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے' کیونکہ انسان پر سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کے بعد انسان کے اوپر ماں باپ کا احسان ہے' کیونکہ انہوں نے اس کی پرورش کی اور جب وہ بہت چھوٹا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا' اس وقت اس کو ضائع ہونے سے بچایا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی انتہائی تعظیم اور توقیر کا حکم دیا ہے' اور اپنا شکر ادا کرنے کے بعد ماں باپ کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۲۳-۲۴)

اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک رکھو' اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرنا اور نرم دلی کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی سے جھکے رہنا اور یہ دعا کرنا کہ اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرمانا جیساکہ ان دونوں نے بچپن میں مجھے پالا۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (لقمان: ۱۴)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق (نیکی کا) حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں اٹھایا اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے (وہ حکم یہ ہے کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو (تم نے) میری ہی طرف لوٹنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا' میں آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتا ہوں اور اللہ سے اجر چاہتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں۔ آپ نے پوچھا تم اللہ سے اجر چاہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اپنے ماں باپ کے پاس جاؤ اور ان سے نیک سلوک کرو۔ (صحیح مسلم' البر والصلۃ' ۶' (۲۵۴۹) ۶۳۸۷)

والدین کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ ان کی فرمانبرداری اور اطاعت کی جائے' ان کا ادب اور احترام کیا جائے۔ ان کی ضروریات پوری کی جائیں اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھا جائے۔ اگر وہ ظلم کریں' پھر بھی ان کی اطاعت کی جائے۔ البتہ اغیر شرعی احکام میں ان کی اطاعت نہ کی جائے' پھر بھی ان کے ساتھ نرمی رکھی جائے اور اگر وہ فوت ہو جائیں تو ان کی قبر کی زیارت کی جائے' اور ان کے لیے استغفار کیا جائے۔

قتل اولاد کا حرام ہونا

زمانہ جاہلیت میں بعض مشرکین رزق میں کمی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اور بعض عار کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرما دیا' اور بعض لوگ عمل تزویج کے وقت عزل کرتے تھے۔ (یعنی انزال کے وقت اندام نہانی سے آلہ باہر نکال لینا)

بعض مسلمان بھی عزل کرتے تھے' نبی ﷺ نے عزل کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بنو مصطلق میں گئے۔ ہم نے عرب کی خوبصورت عورتوں کو قید کر لیا' ہمیں اپنی بیویوں سے الگ ہوئے کافی دن گزر چکے تھے' ہم نے چاہا کہ مشرکین سے فدیہ لے کر ان عورتوں کو چھوڑ دیں اور ہم نے یہ بھی چاہا کہ ان عورتوں سے جسمانی فائدہ بھی حاصل کریں اور عزل کر لیں (یعنی انزال کے وقت آلہ باہر نکال لیں' تاکہ حمل قائم نہ ہو) پھر ہم نے سوچا کہ ہم عزل کر رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں تو کیوں نہ ہم آپ سے اس کا حکم معلوم کر لیں۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم ایسا نہ کرو' کیونکہ قیامت تک اللہ تعالیٰ نے جس روح کے پیدا ہونے کے متعلق لکھ دیا ہے' وہ پیدا ہو کر رہے گی۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۵۲۱۰' صحیح مسلم' نکاح ۱۲۵' (۱۴۳۸) ۳۴۸۰' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۱۷۲' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۵۰۴۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے' وہ ہماری خادمہ ہے اور ہمارے لیے پانی لاتی ہے۔ میں اس سے اپنی خواہش پوری کرتا ہوں اور اس کے حاملہ ہونے کو ناپسند کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس سے عزل کر لو' بے شک جو کچھ مقدر کیا گیا ہے وہ عنقریب ہو جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شخص آیا اور اس نے کہا وہ باندی حاملہ ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جو کچھ مقدر ہو گیا ہے' وہ ہو کر رہے گا۔ (صحیح مسلم' نکاح' ۱۳۴' (۱۴۳۹) ۳۴۹۲' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۱۷۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔ سفیان نے کہا اگر یہ کوئی ممنوع چیز ہوتی تو قرآن ہمیں اس سے منع کر دیتا۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۵۸۰۲' صحیح مسلم' نکاح' ۱۳۶' (۱۴۴۰) ۳۴۹۵' سنن الترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۴۰' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۹۰۹۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۹۲۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کرتے تھے' نبی ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح مسلم' نکاح' ۱۳۸' (۱۴۴۰) ۳۴۹۵)

عزل کیا جائے یا کسی اور جدید طبی طریقہ سے ضبط تولید کا عمل کیا جائے تو بلا ضرورت شرعی وہ مکروہ ہے' اور اگر تنگی رزق کے خوف کی وجہ سے یا لڑکیوں سے عار کی بنا پر عزل کیا جائے' تو حرام ہے اور اگر کوئی نیک مسلمان ڈاکٹر یہ کہے کہ اگر ضبط تولید پر

عمل نہ کیا گیا تو عورت کی جان کو خطرہ ہے' تو پھر یہ عمل واجب ہے اور اگر اس کے بیمار ہونے کا خدشہ ہو تو پھر عزل کرنا جائز ہے۔ اس کی پوری تفصیل ہم (الانعام: ۱۳۶) کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں۔

بے حیائی کے کاموں کا حرام ہونا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت کوئی زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا' اور جس وقت کوئی شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۵۷۸' صحیح مسلم' ایمان' ۱۰۰' (۵۷) ۱۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو کسی جانور کے ساتھ بدکاری کرے اور تین بار فرمایا اللہ اس شخص پر لعنت کرے جو قوم لوط کا عمل کرے۔

(شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۳۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاعل اور مفعول بہ کو قتل کردو اور اس کو جو کسی جانور کے ساتھ بدکاری کرے۔ (شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۳۸۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا' اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ بوڑھا زانی اور جھوٹا حکمران اور متکبر فقیر۔

(صحیح مسلم' ایمان' ۱۷۲' السنن الکبریٰ' ج ۴' رقم الحدیث: ۷۱۳۸' شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۴۰۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا سرسبز میٹھی ہے اور بے شک اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنانے والا پھر دیکھنے والا ہے کہ تم اس میں کیسا عمل کرتے ہو؟ سنو! دنیا کے فتنہ سے بچو اور عورتوں کے فتنہ سے بچو۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۹۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۰' صحیح ابن حبان' ج ۸' رقم الحدیث: ۳۲۲۱' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۱۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ لامحالہ پائے گا' آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور نفس تمنا کرتا اور اشتہاء کرتا ہے اور شرمگاہ اس سب کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۲۴۳' صحیح مسلم' قدر' ۲۰' (۲۶۵۷) ۶۶۲۹' سنن ابو داؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۱۵۲)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو مسلمان کسی عورت کے محاسن کو دیکھے اور پھر اپنی نظر پھیرے تو اللہ اس کے دل میں عبادت کی حلاوت پیدا کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۴۳۱)

حسن بن ذکوان کہتے تھے کہ خوبصورت بے ریش لڑکے حسین دوشیزاؤں سے زیادہ فتنہ انگیز ہیں۔

(شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۳۹۷)

قتل ناحق کا حرام ہونا اور قتل برحق کی اقسام

قتل ناحق کو سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ قتل برحق کون کون سے ہیں۔ جو شخص نماز پڑھنے یا زکوٰۃ دینے سے انکار کرے' اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر انہوں نے یہ کر لیا تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچا لیا' ماسوا ان کے حقوق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۵' صحیح مسلم' ایمان' ۳۶' (۲۲) ۱۲۸)

اور مرتد' شادی شدہ زانی اور مسلمان کے قاتل کو بھی قتل کرنا برحق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان شخص کو جو اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اور میں اللہ کا رسول ہوں (اس کو) قتل کرنا صرف تین میں سے ایک وجہ سے جائز ہے۔ شادی شدہ زانی ہو' کسی مسلمان کا قاتل ہو اور دین اسلام کو ترک کر کے مسلمانوں کی جماعت سے نکلنے والا ہو۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۸۷۸' صحیح مسلم' حدود' ۲۵' (۱۶۷۶) ۴۲۹۶' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۵۲' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۰۷' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۰۱۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۳۴)

ایک خلیفہ کے انعقاد کے بعد اگر دوسرے خلیفہ کے لیے بیعت کی جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دو خلیفوں کے لیے بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کر دو۔ (صحیح مسلم' الامارۃ' ۶۱' (۱۸۵۳) ۴۷۱۷)

جو شخص قوم لوط کا عمل کرے اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جس کو قوم لوط کا عمل کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول بہ کو قتل کر دو۔

(سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۴۶۲' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۶۱' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۶۱)

جو شخص جانور کے ساتھ بدفعلی کرے' اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص جانور کے ساتھ بدفعلی کرے' اس شخص کو قتل کر دو اور اس جانور کو بھی قتل کر دو۔ (سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۴۶۴' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۶۰)

اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ڈاکو کو قتل کر دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (المائدہ: ۳۳)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں' ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو قتل کیا جائے' یا ان کو سولی دی جائے' یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو شہر بدر کر دیا جائے۔

اگر ڈاکوؤں نے مال بھی لوٹا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے اور اگر انہوں نے صرف مال لوٹا ہو تو ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانبوں سے (یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر) کاٹ دیئے جائیں اور اگر انہوں نے صرف دھمکایا ہو تو ان کو شہر بدر کر دیا جائے۔ جو لوگ مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت کریں' ان کو بھی قتل کر دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا

اگر ایک جماعت دوسری جماعت کے خلاف بغاوت کرے

الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ (الحجرات: ۹)

تو باغی جماعت سے قتال کرو' حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

جو شخص چوتھی بار شراب پیئے اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خمر (شراب) پیئے اس کو کوڑے لگاؤ اور اگر وہ چوتھی بار شراب پیئے تو اس کو قتل کر دو۔

(سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۴۹' مصنف عبدالرزاق' ج ۹' رقم الحدیث: ۱۷۰۸۷' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۶۸۵۹' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۴۸۲' صحیح ابن حبان' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۴۴۴۶' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۵۲۹۷' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۳۱۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۷۳)

ذمی کو قتل کرنا ناجائز ہے اور ذمی کے قاتل کو قتل کر دیا جائے گا۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مسلمان (وجوب قصاص میں) ایک دوسرے کی مثل ہیں۔ ان میں سے ادنیٰ اپنے حق کی سعی کرے گا (یعنی کسی کو پناہ دے گا) اور ان میں سے بعید بھی کسی کو پناہ دے سکے گا' اور وہ ایک دوسرے کی معاونت کریں گے۔ ان کے قوی کو ان کے ضعیف کے پاس لوٹایا جائے گا' اور لشکری کو بیٹھنے والے پر لوٹایا جائے گا اور کسی مومن کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا' اور نہ ذمی کو اس کے عہد میں قتل کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۵۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو ایک ذمی کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں' میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۲' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۳۰)

قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں ہم نے قتل برحق کی یہ صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نماز پڑھنے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۲) زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا (۳) مرتد کو قتل کرنا۔ (۴) شادی شدہ زانی کو سنگسار کر کے قتل کرنا۔ (۵) مسلمان کے قاتل کو قتل کرنا۔ (۶) ایک خلیفہ منعقد ہونے کے بعد دوسرے مدعی خلافت کو قتل کرنا۔ (۷) قوم لوط کے عمل کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۸) جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۹) ڈاکو کو قتل کرنا (۱۰) چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کرنا (۱۱) ذمی کے قاتل کو قتل کرنا۔

مسلمان اور ذمی کے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور باقی (۹) کو تعزیراً قتل کیا جائے گا' اور ان کو قتل کرنا حکومت کا منصب ہے۔ عوام میں سے کسی شخص کو انہیں قتل کرنے کا اختیار نہیں ہے' مسلمان کے قاتل پر قرآن مجید اور احادیث میں سخت وعیدیں ہیں' ہم ان میں سے بعض کا ذکر کر رہے ہیں:

قتل مومن پر وعید

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۞ (النساء: ۹۳)

جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہو گا اور اس پر لعنت فرمائے گا اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مقتول قاتل کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر لائے گا' در آنحالیکہ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہو گا' وہ کہے گا کہ اے میرے رب! اس نے مجھے قتل کیا تھا' حتیٰ کہ اس کو عرش کے قریب کھڑا کرے گا۔ حضرت ابن عباس کے سامنے لوگوں نے توبہ کا ذکر کیا تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہوئی ہے' نہ تبدیل ہوئی ہے' اس کی توبہ کہاں سے ہو گی!

امام احمد' امام نسائی اور امام ابن المنذر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ ہر گناہ کو اللہ معاف فرما دے گا' سوا اس شخص کے جو کفر پر مرے اور سوا اس شخص کے جو کسی مومن کو عمداً قتل کرے۔

امام ابن المنذر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص کسی ایک بات سے بھی مومن کے قتل میں تعاون کرے گا' قیامت کے دن جب وہ اللہ سے ملاقات کرے گا تو اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا کہ یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔

امام سعید بن منصور' امام ابن جریر' امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ابو مجلز نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ جہنم کی سزا کا مستحق ہے' اگر اللہ چاہے گا تو اس کی سزا سے درگزر فرمائے گا۔

(در منثور' ج ۲' ص ۶۲۸' ۶۲۴' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

یتیم کے مال میں بے جا تصرف کا حرام ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے اور اچھے طریقہ کے بغیر مال یتیم کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور سورۂ نساء میں فرمایا ہے اور یتیموں کو جانچتے رہو' حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں اور اگر تم ان میں عقل مندی (کے آثار) دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو' اور ان کے اموال کو فضول خرچی اور جلد بازی سے نہ کھاؤ' اس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔ (النساء: ۶)

سورۂ نساء کی اس آیت میں ان کی بدنی قوت کا بھی اعتبار کیا ہے۔ جیسا کہ بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے اور ان کی ذہنی صلاحیت اور قوت کا بھی اعتبار کیا ہے جیسا کہ اس قید سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم ان میں عقل مندی کے آثار دیکھو' کیونکہ اگر جوان ہونے کے بعد یتیم کا مال اس کے حوالہ کر دیا جائے اور وہ ذہین اور عقل مند نہ ہو تو اس بات کا خدشہ ہے کہ وہ اپنی خواہشوں اور شوق کو پورا کرنے میں سارا مال ضائع کر دے گا اور اس کے پاس کچھ نہیں رہے گا' اس لیے جب تک وہ سمجھ دار نہ ہو جائے' مال اس کے حوالے نہ کیا جائے۔ اس عمر کے تعین میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن زید نے کہا وہ بالغ ہو جائے۔ اہل مدینہ نے کہا' وہ بالغ بھی ہو اور اس میں سمجھ داری کے آثار بھی ظاہر ہوں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ عمر پچیس سال ہے۔

یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانے کے متعلق بہت سخت وعید ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۠ (النساء: ۱۰)	بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں' وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچیں گے۔

امام ابن ابی شیبہ' امام ابو یعلی' امام طبرانی' امام ابن حبان اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے در آنحالیکہ ان کے مونہوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو

لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں' وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں شب معراج کے واقعات میں بیان فرمایا میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ان کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے اور ان پر ایک شخص مقرر تھا جو ان کے ہونٹوں کو پکڑتا اور ان کے منہ میں آگ کے بڑے بڑے پتھر ڈال دیتا' پھر وہ پتھر ان کے نچلے دھڑ سے نکل جاتے اور وہ زور زور سے چلاتے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق یتیموں کا مال کھاتے تھے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار ایسے شخص ہیں کہ اللہ پر حق ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کرے اور نہ ان کو کوئی نعمت چکھائے۔ دائم الخمر' سود خور' یتیم کا مال ناحق کھانے والا اور ماں باپ کا نافرمان۔ (در منثور' ج ۳' ص ۳۷۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ناپ تول میں کمی کا حرام ہونا

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ (هود: ۸۴)

اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ (هود: ۸۵)

اے میری قوم! ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کی چیزیں کم کر کے انہیں نقصان نہ پہنچاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہوگی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جائے گا' اور جس قوم میں بہ کثرت زنا ہو گا ان میں بہ کثرت موت ہوگی' اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرے گی ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا' اور جو قوم ناحق فیصلے کرے گی ان میں بہت خون ریزی ہوگی' اور جو قوم عہد شکنی کرے گی اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط کر دے گا۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۹۹۸)

ناحق بات کا حرام ہونا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا (النساء: ۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر اچھی طرح قائم رہنے والے ہو جاؤ' در آنحالیکہ اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو' خواہ (وہ گواہی) خود تمہارے خلاف ہو یا والدین کے یا رشتہ داروں کے (جس کے متعلق گواہی دی ہے) خواہ وہ مالدار ہو یا فقیر' اللہ ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے' لہٰذا تم اپنی خواہش کی پیروی کر کے عدل سے گریز نہ کرو۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ: ۴۴)

پس تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' ایک شخص نے رکاب میں پیر رکھتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا۔

(سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۲۲۰' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ظالم حکمران کے سامنے کلمہ

حق کہنا افضل جہاد ہے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۴۴' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۸۱' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۱۱' مسند احمد' ج ۳' ص ۱۹' ج ۴' ص ۳۱۵' ۳۱۴' ج ۵' ص ۲۵۱' طبع قدیم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں جو باتیں فرمائیں' ان میں یہ بھی فرمایا کہ جب کسی شخص کو کسی حق بات کا علم ہو تو وہ لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے اس کو بیان کرنے سے باز نہ رہے۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۹۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۷' صحیح ابن حبان' ج ۸' رقم الحدیث: ۳۲۲۱' مسند احمد' ج ۳' ص ۹۲' ۸۷' ۸۴' ۷۱' ۶۱' ۵۳' ۵۰' ۴۷' ۴۴' ۱۹' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۱۱۶۹' طبع جدید' دار الفکر' المعجم الاوسط' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۲۵)

اللہ تعالیٰ سے بدعہدی کرنے کا حرام ہونا

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (النحل: ۹۱)

اور جب تم عہد کرو تو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (التوبہ: ۷۷)

سو اللہ سے ملاقات کے دن تک ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا' کیونکہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی تھی اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جب اللہ اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا تو ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی کا جھنڈا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۱۷۷' صحیح مسلم' جہاد ۹' (۱۷۳۵) ۴۴۴۸' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۸۷' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۵۶' صحیح ابن حبان' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۷۳۴۳' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۶۴۸' مسند احمد' ج ۱' ص ۴۱۱' ۴۱۷' ۴۴۱' ج ۲' ص ۵۶' ۴۹' ۴۸' ۲۹' ۱۶' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۶۴۸' طبع جدید' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۱۶۰-۱۵۹)

حضرت انس رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں فرمایا سنو جو امانت دار نہ ہو اس کا ایمان نہیں اور جو عہد پورا نہ کرے وہ دین دار نہیں۔ (شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۵۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اسی راستے کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو' وہ راستے تمہیں اللہ کے راستہ سے الگ کر دیں گے۔ اسی بات کا اللہ نے تمہیں موکد حکم دیا ہے تاکہ تم (گمراہی سے) بچو۔ (الانعام: ۱۵۳)

بدعات سے اجتناب کا حکم

اس سے پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے احکام بیان فرمائے تھے کہ شرک نہ کرو' ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو وغیرہ۔ یہ نو تفصیلی اور جزئی احکام تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تفصیلی اور کلی حکم بیان فرمایا ہے۔ جس میں یہ نو احکام اور باقی تمام شرعی احکام داخل ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ میری صراط مستقیم ہے اور یہی دین اسلام اور منہج قدیم ہے' تم اجمالاً اور تفصیلاً اسی راستہ کو اختیار کرو اور اگر اس راستہ سے ادھر ادھر ہوئے تو گمراہی میں پڑ جاؤ گے' اس سے معلوم ہوا کہ حق کا راستہ صرف ایک ہے اور باطل کے بہت راستے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے' پھر آپ نے اس کے دائیں اور بائیں جانب متعدد خطوط کھینچے اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں اور ان میں سے ہر راستے کی طرف شیطان دعوت دے رہا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی' بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے' سو تم اسی راستے کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو۔ (الایہ) (الانعام: ۱۵۳)

(سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۰۲' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۱۴۲' ۴۴۳۷' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱)

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اس آیت میں دوسرے راستوں سے مراد بدعات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا علم کے اٹھنے سے پہلے علم کو حاصل کر لو اور علم کا اٹھنا یہ ہے کہ اصحاب علم اٹھ جائیں گے۔ علم کو حاصل کرو' کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اسے کب علم کی ضرورت پیش آئے گی۔ تم عنقریب کچھ لوگوں کو دیکھو گے جو یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ تمہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلا رہے ہیں' حالانکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ لہٰذا تم علم حاصل کرو اور بدعات سے بچو اور تم مبالغہ آرائی سے اور گہرائی میں جانے سے بچو' اور قدیم نظریات کے ساتھ وابستہ رہو۔ (سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۴۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نصیحت کی اور وہ بہت موثر نصیحت تھی جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل خوفزدہ ہو گئے۔ ایک شخص نے کہا یہ تو الوداع ہونے والے شخص کی نصیحت ہے۔ آپ ہم کو کیا وصیت فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور حاکم کا حکم سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں' خواہ وہ حبشی غلام ہو۔ تم میں سے جو شخص بعد میں زندہ رہے گا' وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ تم نئی نئی باتوں میں پڑنے سے بچنا' کیونکہ نئی نئی باتیں گمراہی ہیں۔ تم میں سے جو شخص دین میں نئی نئی باتیں دیکھے' وہ میری سنت کو لازم کر لے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم کرے اور اس سنت کو دانتوں سے پکڑ لو' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۸۵' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۶۰۷' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۲' سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۵' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۱۳۵' المستدرک' ج ۱' ص ۹۷-۹۶)

بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام

علامہ مجد الدین ابن الاثیر محمد جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کے متعلق فرمایا یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے! (صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۰۱۰)

بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت ھدی اور بدعت ضلال' جو نیا کام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو وہ مذموم ہے اور لائق انکار ہے' اور جو نئے کام اللہ تعالیٰ کے بیان کیے ہوئے عموم استحباب میں داخل ہوں اور جن پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے برانگیختہ کیا ہو' وہ کام لائق مدح ہیں اور جن کاموں کی پہلے مثال موجود نہ ہو جیسے جود و سخا کی اقسام اور دیگر نیک کام تو وہ افعال محمودہ سے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کام احکام شرع کے خلاف ہوں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کاموں کے لیے ثواب کی خبر دی ہے' سو آپ نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں نیک طریقہ کو ایجاد کیا اس کو اس کا اجر ملے گا اور جو اس طریقہ پر عمل کرے گا' اس کا اجر بھی اس کو ملے گا (صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۰۱۷) اور اس کی ضد کے متعلق فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اسے اس کا گناہ ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا اور یہ اس وقت

ہوگا جب وہ نیا کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا تھا یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے' یہ پہلی قسم سے ہے اور جب کہ نیک کام لائق مدح ہیں تو حضرت عمر نے اس تراویح کو بدعت فرمایا اور اس کی تعریف کی۔ تراویح کو حضرت عمر نے بدعت اس لیے فرمایا کہ نبی ﷺ نے تراویح کو مسلمانوں کے لیے سنت نہیں کیا' آپ نے چند راتیں تراویح پڑھیں' پھر اس کو ترک فرمادیا اور اس کی حفاظت کی' نہ اس کے لیے مسلمانوں کو جمع کیا' اور نہ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی۔ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی جماعت کرانے کا اہتمام کیا اور اس کی دعوت دی' اس وجہ سے حضرت عمر نے اس کو بدعت فرمایا اور یہ درحقیقت سنت ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا میری سنت کو لازم رکھو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم رکھو۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۶۰۷) اور فرمایا میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتداء کرو اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے ہر نیا کام بدعت ہے اس سے مراد دین میں وہ نئے کام ہیں جو شریعت کے قواعد کے خلاف ہوں اور سنت کے موافق نہ ہوں اور بدعت کا زیادہ تر استعمال مذمت میں ہوتا ہے۔ (نہایہ' ج ۱' ص ۱۰۷-۱۰۶' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۷ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے بھی بدعت کا معنی بیان کرتے ہوئے یہی لکھا ہے اور مزید یہ لکھا ہے کہ بعض بدعات واجب ہوتی ہیں' جیسے متکلمین کا اسلام کی حقانیت اور گمراہ فرقوں کے رد پر دلائل قائم کرنا اور بعض بدعات مستحب ہوتی ہیں جیسے علمی کتابوں کی تصنیف کرنا' دینی مدارس کو بنانا اور تراویح اور بعض بدعات مباح ہوتی ہیں' جیسے انواع و اقسام کے نئے نئے کھانے۔ (مجمع بحار الانوار' ج ۱' ص ۱۶۱-۱۶۰' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان' المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض بدعات واجب ہوتی ہیں جیسے گمراہ فرقوں کے رد پر دلائل قائم کرنا اور کتاب و سنت کو سمجھنے کے لیے علم نحو کو پڑھنا اور بعض بدعات مستحب ہوتی ہیں' جیسے سرائے اور مدرسہ بنانا اور ہر وہ نیک کام جو اسلام کے ابتدائی عہد میں نہیں تھا' اور بعض بدعات مکروہ ہوتی ہیں جیسے مساجد کو مزین کرنا اور بعض بدعات مباح ہوتی ہیں جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزیں اور عمدہ کپڑے۔ علامہ طحاوی نے شرح جامع صغیر میں' علامہ نووی نے تہذیب میں اور علامہ برکلی نے الطریقۃ المحمدیہ میں اسی طرح لکھا ہے اور علامہ شمنی نے بدعت محرمہ کی یہ تعریف کی ہے ہر وہ نیا عقیدہ یا نیا کام یا نیا حال جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ امور کے خلاف ہو' اس کو کسی قسم کے شبہ یا تاویل کی بناء پر دین قدیم اور صراط مستقیم بنالیا جائے' جیسے شیعہ پیروں کو دھونے کی بجائے ان کا مسح کرتے ہیں اور موزوں پر مسح کا انکار کرتے ہیں۔

(رد المحتار' ج ۱' ص ۳۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی' اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک کام کیے درآنحالیکہ وہ ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لے آئیں۔ (الانعام: ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ نے نو احکام ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہم نے موسیٰ کو کتاب دی' اس میں یہ رمز ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کے اختلاف سے ان احکام میں اختلاف نہیں ہوا' بلکہ یہ احکام تکلیف کے ابتدائی عہد سے لے کر قیامت تک ثابت اور مستمر ہیں۔

اور یہ جو فرمایا ہے اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک کام کیے' حسن بصری نے اس کی تفسیر میں کہا: بنی اسرائیل میں محسن (نیک) بھی تھے اور غیر محسن (غیر نیک) بھی تھے تو اللہ تعالیٰ نے محسنین پر اپنی نعمت پوری کرنے کے لیے یہ کتاب نازل کی۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کے مطابق نیک کام کرتے

تھے‘ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر نعمت پوری کرنے کے لیے ان کو کتاب (تورات) دی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے تورات میں دین کی کیا نعمتیں رکھی ہیں؟ فرمایا اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں دین کے تمام احکام‘ عقائد اور مسائل کی تفصیل ہے۔ لہٰذا اس میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت کا بیان ہے اور آپ کی نبوت کے تمام دلائل ہیں اور یہ ہدایت اور رحمت ہے‘ تاکہ یہ لوگ اللہ سے ملاقات پر ایمان لے آئیں‘ اللہ سے ملاقات کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ثواب اور عتاب کا جو وعدہ کیا ہے‘ اس سے ملاقات پر ایمان لے آئیں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے لہٰذا تم اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ

(یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ) کہیں تم یہ (نہ) کہو کہ ہم سے پہلے صرف دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک

كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے ○ یا تم یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر (بھی) کتاب نازل کی

الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، لو اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آ گئی

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ

اور ہدایت اور رحمت، تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے، اور

صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ

ان سے اعراض کرے، ہم عنقریب ان لوگوں کو بُرے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ

تھے کیوں کہ وہ اعراض کرتے تھے ○ وہ صرف یہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے

تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ

پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو

اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا

اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہیے کہ تم بھی انتظار

اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا

کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ○ بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بہت سے

لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ

فرقے بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ ان کو خبر دے گا

بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

جو کچھ وہ کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے' لہٰذا تم اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الانعام: ۱۵۵)

مشرکین پر اتمام حجت کے لیے قرآن مجید کو نازل فرمانا

اس آیت کا معنی ہے یہ قرآن' جس کو ہم نے اپنے نبی محمد ﷺ پر نازل کیا ہے' یہ برکت والی کتاب ہے۔ تم اس کی پیروی کرو' یعنی اس کتاب کو اپنا امام بنا لو اور جو عقائد اس میں مذکور ہیں ان کو مانو' اور جو احکام اس میں مذکور ہیں ان پر عمل کرو' اور ڈرتے رہو' یعنی اپنے دلوں میں اللہ سے ڈرو اور اس کے خلاف عمل نہ کرو اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال نہ کرو۔ ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے احکام بیان کیے اور کئی احکام سنت کے لیے چھوڑ دیئے اور نبی ﷺ نے سنتیں قائم کیں اور کئی امور رائے اور قیاس کے لیے چھوڑ دیئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۵' ص ۱۴۲۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ) کہیں تم یہ (نہ) کہو کہ ہم سے پہلے صرف دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے۔ (الانعام: ۱۵۶)

ان تقولوا' لئلا تقولوا کے معنی میں ہے جیسے یبین اللہ لکم ان تضلوا' لئلا ان تضلوا کے معنی میں ہے یا کراھیۃ ان تقولوا کے معنی میں ہے۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۱۸۷' جامع البیان' جز ۸' ص ۱۲۲' بیضاوی علی حاشیۃ الکازرونی' ج ۲' ص ۴۶۸' کشاف' ج ۲' ص ۸۱)

اس آیت میں اہل مکہ سے خطاب ہے کہ کہیں قیامت کے دن وہ یہ نہ کہیں کہ اس سے پہلے یہود اور نصاریٰ پر تورات اور انجیل نازل کی گئی تھی اور ہم چونکہ ان پڑھ تھے' اس لیے ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے قاصر تھے اور ہم پر کوئی کتاب نازل

نہیں کی گئی تھی جس کی ہم پیروی کرتے، ہمیں کوئی حکم دیا گیا تھا نہ کسی چیز سے روکا گیا تھا۔ ہم سے کوئی وعدہ کیا گیا نہ ہم پر کوئی وعید نازل ہوئی اور اللہ کی حجت تو صرف ان دو گروہوں پر قائم ہوئی جو ہم سے پہلے تھے جن پر تورات اور انجیل نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **یا تم یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر (بھی) کتاب نازل کی جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، لو! اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آگئی اور ہدایت اور رحمت تو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے، ہم عنقریب ان لوگوں کو برے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے، کیونکہ وہ اعراض کرتے تھے۔** (الانعام: ۱۵۷)

اس آیت کا معنی ہے یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے، تاکہ مشرکین مکہ اور قریش قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ ہم سے پہلے یہود اور نصاریٰ پر کتاب نازل کی گئی تھی، اور وہ یہ نہ کہیں کہ جس طرح ان پر کتاب نازل کی گئی تھی، اگر اس طرح ہم پر کتاب نازل کی جاتی اور ہم کو حکم دیا جاتا اور منع کیا جاتا اور بتایا جاتا کہ فلاں راستہ صحیح ہے اور فلاں غلط ہے، تو ہم ان سے کہیں زیادہ صحیح راستہ پر قائم رہتے اور احکام پر عمل کرتے اور ممنوع کاموں سے باز رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لو! اب تمہارے پاس تمہاری ہی عربی زبان میں کتاب آگئی ہے، اور اس میں معجز کلام ہے جس کی نظیر قیامت تک کوئی نہیں لا سکتا، اور یہ ہدایت ہے اس میں طریق مستقیم کا بیان ہے اور جو اس پر عمل کریں اور اس کی اتباع کریں، ان کے لیے یہ رحمت ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے زیادہ ظالم، خطاکار اور حد سے بڑھنے والا اور کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے ان واضح دلائل اور حجتوں کا انکار کرے، ان کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے اور اللہ تعالیٰ عنقریب ان مکذبین کو دوزخ کے سخت عذاب کی سزا دے گا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیوں سے منہ پھیرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وہ صرف یہ انتظار کر رہے ہیں، کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے، جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہو گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو، یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہئے کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔** (الانعام: ۱۵۸)

قیامت سے پہلے دس نشانیوں کا ظہور

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ مشرکین جو بتوں کو اپنے رب کے مساوی قرار دیتے ہیں اور باوجود آپ کی بسیار کوشش اور تبلیغ کے ایمان نہیں لاتے، وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ موت کے فرشتے آئیں اور ان کی روحوں کو قبض کر لیں، یا حشر کے دن آپ کا رب مخلوق کے سامنے اپنی شان کے مطابق آئے یا آپ کے رب کی بعض نشانیاں آئیں جن کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی۔ آپ کہئے کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، ہم اس وقت آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا تم کیا باتیں کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر آپ نے دھوئیں کا ذکر کیا اور دجال کا اور دابۃ الارض کا اور مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے نزول کا اور یاجوج اور ماجوج کا اور تین بار زمین کے دھنسنے کا۔ ایک بار مشرق کا دھنسنا ایک بار مغرب کا دھنسنا اور ایک بار جزیرہ عرب کا دھنسنا اور سب سے آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو دھکیل کر مشرق کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم الفتن' ۳۹' (۲۹۰۱) ۷۱۵۲' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۱۱' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۹۰' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۳۸۰' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۴۱' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۶۱۴۴' صحیح ابن حبان' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۷۹۱' المعجم الکبیر' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۰۲۸' مسند احمد' رقم الحدیث: ۸۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۵' ص ۱۶۳)

اس حدیث میں جس دھوئیں کا ذکر ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ جب کفار قریش پر قحط مسلط کیا گیا تو انہیں زمین اور آسمان کے درمیان دھوئیں کی شکل کی کوئی چیز دکھائی دی اور حضرت حذیفہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے یہ کہا ہے کہ قیامت کے قریب ایک دھواں ظاہر ہوگا' جس سے کفار کا دم گھٹنے لگے گا اور مومنوں کو صرف زکام ہوگا' یہ دھواں ابھی تک ظاہر نہیں ہوا ہے' اور یہ دھواں چالیس روز تک رہے گا۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ (الدخان: ۱۰)

سو آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان واضح دھواں لائے گا۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ○ (النمل: ۸۲)

اور جب ان پر (عذاب کا) قول واقع ہو جائے گا' تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دابۃ الارض) نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا' یہ اس لیے کہ لوگ ہماری باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔

اہل تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ یہ ایک بہت بڑی مخلوق ہے جو صفا پہاڑ کو پھاڑ کر نکلے گی' کوئی شخص اس سے بچ نہیں سکے گا' مومن پر ایک نشانی لگائے گی تو اس کا چہرہ چمکنے لگے گا اور اس کی آنکھوں کے درمیان مومن لکھ دے گی' کافر پر نشانی لگائے گی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھ دے گی۔ اس کی شکل و صورت میں اختلاف ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کس جگہ سے نکلے گی۔ ان میں سے کسی چیز کے متعلق حدیث مرفوع نہیں ہے' بعض متاخرین نے یہ کہا ہے کہ یہ دابہ انسان کی شکل میں ہوگا اور اہل بدعت اور کفار سے مناظرہ کرے گا اور ان کو دلائل سے ساکت کر دے گا۔

(المفہم' ج ۷' ص ۲۴۰-۲۳۹' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بہت سے فرقے بن گئے' آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں' ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے' پھر وہ ان کو خبر دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۵۹)

فرقہ بندی کی مذمت

اس آیت کی تفسیر میں کئی قول ہیں:

قتادہ اور مجاہد سے مروی ہے کہ اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے اور بعد میں مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا یہ اس امت کے اہل بدعت اور اہل الشبہات ہیں اور اہل الضلالہ ہیں۔ (مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۲۳-۲۲' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اے عائشہ! یہ لوگ اصحاب الاھواء اور اصحاب بدعت ہیں اور اہل بدعت کے سوا ہر گنہ گار کی توبہ ہے' ان کی توبہ مقبول نہیں ہے' وہ مجھ سے بری ہیں اور میں ان سے بیزار ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کو اختلاف اور فرقہ بندی سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس سے پہلے لوگ اللہ کے دین میں جھگڑنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ' ج ۵ ' ص ۱۴۳۰ ' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ ' مکہ مکرمہ ' ۱۴۱۷ھ)

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین کے فرقے ہیں ' بعض مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے ' بعض مشرکین بتوں کو اللہ کا شریک کہتے تھے ' اور بعض مشرکین ستاروں کو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بعض لوگ قرآن مجید کی بعض آیتوں کو مانتے تھے اور بعض کا انکار کرتے تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس امت کے بدعتی اور گمراہ فرقے ہیں۔

خلاصہ: اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک نظریہ پر متفق ہونا چاہیے اور دین میں تفرقہ نہیں کرنا چاہیے اور بدعات کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہو گا ' اور جو شخص ایک برائی

فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ

لے کر آئے گا اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○ آپ کہیے بیشک میرے رب نے

رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ

مجھے صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے ' مستحکم دین ' ملتِ ابراہیم ہر باطل سے ممتاز ' اور

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَ

وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ○ آپ کہیے کہ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور

مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ

میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ○ اس کا کوئی شریک نہیں ہے ' اور

بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ

مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ○ آپ کہیے کہ کیا میں اللہ کے

اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا

سوا کوئی اور رب تلاش کروں ' حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے ؛ اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی

عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

ذمہ دار ہے، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ

تو وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ○ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں

خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ

خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلندی عطا فرمائی تاکہ اس نے جو کچھ

فِىْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ

تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے، بیشک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ بہت بخشنے

رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

والا بے حد مہربان ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہو گا اور جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (الانعام: ۱۶۰)

دس گنا اجر' سات سو گنا اور بے حساب اجر کے محامل

سعید بن جبیر' عطاء اور ابراہیم وغیرہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں الحسنہ سے لا الٰہ الا اللہ کہنا مراد ہے اور السیئہ سے مراد شرک ہے۔

قتادہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ یہ فرماتے تھے کہ اعمال چھ قسم کے ہیں۔ دو عمل (جزاء اور سزا کو) واجب کرتے ہیں اور دو عمل اجر کو بڑھاتے ہیں اور دو عمل برابر برابر کرتے ہیں۔ جو دو عمل واجب کرتے ہیں' وہ یہ ہیں: جو شخص اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہو' وہ جنت میں داخل ہو گا' اور جو شخص اللہ کے ساتھ اس حال میں ملاقات کرے کہ اس نے شرک کیا ہو' وہ دوزخ میں داخل ہو گا اور جو دو عمل اجر بڑھاتے ہیں' وہ یہ ہیں جو مسلمان اللہ کی راہ میں خرچ کرے اس کو سات سو گنا اجر ملے گا' اور جو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اس کو دس گنا اجر ملے گا' اور جو عمل برابر برابر ہیں' وہ یہ ہیں ایک بندہ نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے' تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جو بندہ برائی کا ارادہ کرے اور اس برائی کو کرلے تو اس کی ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا دس گنا اجر اعراب (دیہاتی' بادیہ نشین) کے لیے ہے اور مہاجرین کے لیے سات سو گنا اجر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا یہ آیت اعراب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کسی نے پوچھا اور مہاجرین کے لیے کتنا اجر

ہے؟ انہوں نے کہا وہ اس سے بہت زیادہ ہے اور یہ آیت پڑھی:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا (النساء: ۴۰)

بے شک اللہ کسی پر ایک ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرے گا اور اگر کوئی نیکی ہوگی تو اس کو بڑھاتا رہے گا' اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اور جب اللہ کسی شے کو عظیم فرمائے تو وہ بہت بڑی ہوگی۔ (جامع البیان 'ج ۸' ص ۱۴۵-۱۴۲' ملخصا' مطبوعہ دار الفکر 'بیروت)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر: ۱۰)

صبر کرنے والوں کا اجر بے حساب ہی ہوگا۔

نیک عمل کرنے والوں کو دس گنا اجر بھی ملتا ہے' سات سو گنا اجر بھی ملتا ہے اور اللہ اس سات سو گنا کو دگنا بھی فرما دیتا ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ (البقرہ: ۲۶۱)

جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات بالیں اگائیں' ہر بالی میں سو دانے ہیں اور جس کے لیے چاہے اللہ بڑھا دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا' بہت علم والا ہے۔

اور صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرماتا ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ایک نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے تو اگر انسان ایک دن نماز پڑھ لے اور دس دن نماز نہ پڑھے یا رمضان کے تین دن روزے رکھ لے اور باقی ستائیس دن روزے نہ رکھے تو کیا یہ اس کے لیے جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اس نماز کا مکلف ہے جس کا دس گنا اجر ہے اور اس روزے کا مکلف ہے جس کا دس گنا اجر ہے اور اجر کی یہ کثرت اس عمل کو ساقط نہیں کرتی جس کا اسے مکلف کیا گیا ہے' اور اجر کی دس مثلوں میں جو ایک مثل ہے اس کو حاصل کرنے کا وہ مکلف نہیں ہے' بلکہ اس نیکی کو کرنے کا مکلف ہے جس کا اجر دس نیکیوں کی مثل ہے۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ کافر کا کفر تو محدود زمانہ میں ہوتا ہے اور اس کو سزا لامحدود زمانہ کی ہوتی ہے' تو یہ اس جرم کے برابر سزا نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سزا میں یہ لازم نہیں ہے کہ وہ زمانہ جرم کے برابر ہو' مثلاً اس زمانہ میں ایک شخص کسی کو ایک منٹ میں قتل کر دیتا ہے اور اس کو سزا عمر قید کی دی جاتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ سزا اس کی نیت کے اعتبار سے ہے' کیونکہ کافر کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دائماً کفر کرے گا اس لیے اس کو دوام کی سزا دی جاتی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس کی مثل دس یا اس سے زائد نیکیوں کا اجر ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا' اس کو صرف اسی کی مثل برائی کی سزا ملے گی' یا میں اس کو بخش دوں گا۔ اور جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے' میں اس کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میرے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے' میں اس کے چار ہاتھ قریب ہوتا ہوں' اور جو میرے پاس چل کر آتا ہے' میں دوڑتا ہوا اس کے پاس آتا ہوں اور جو شخص روئے زمین کے برابر گناہ لے کر میرے پاس آئے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو' میں اتنی ہی مغفرت کے ساتھ اس سے ملاقات کروں گا۔

(صحیح مسلم 'الذکر والدعا' ۲۲' سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۲۱' مسند احمد 'ج ۱۵' رقم الحدیث: ۲۱۳۸۰' طبع قاہرہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' یارسول اللہ! ﷺ مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا جب تم کوئی گناہ کرو تو اس کے فوراً بعد کوئی نیکی کرو' وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا لا الہ الا اللہ بھی نیکیوں میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تو افضل نیکی ہے۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس کی سند ضعیف ہے۔

(مسند احمد' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۲۱۳۷۶' جامع البیان' ج ۸ ص ۱۳۵' تفسیر امام ابن ابی حاتم' رقم الحدیث: ۸۱۶۴' مجمع الزوائد' ج ۱۰ ص ۸۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو' اللہ سے ڈرو اور گناہ کے بعد نیک عمل کرو' وہ اس گناہ کو مٹا دے گا' اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۲۱۳۵۱' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۹۴' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۹۱' المستدرک' ج ۱' ص ۵۴' امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے)

اجر میں جو زیادتی کے یہ مختلف مراتب ہیں ان کی توجیہ اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ نیکی کرنے والے کے احوال اور اس کے اخلاص کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک بھوکے کو کھانا کھلانا نیکی ہے' لیکن اگر ایک کروڑ پتی کسی بھوکے کو کھانا کھلائے تو جیسے اس نے سمندر سے ایک قطرہ خرچ کیا اگر ایک لکھ پتی کھلائے تو وہ اس کے اعتبار سے زیادہ خرچ ہو گا اور اگر ایسا شخص کسی بھوکے کو کھانا کھلائے جس کے پاس صرف وہی کھانا ہو اور اس شخص کو کھانا کھلا کر وہ خود بھوکا رات گزارے تو یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی کروڑ پتی اپنی ساری دولت راہ خدا میں خرچ کر دے' کیونکہ اس کی کل دولت تو وہی کھانا تھا۔ اس لیے ان کے اجر کے مراتب بھی مختلف ہوں گے اور کروڑ پتی کو دس گنا اجر ملے گا' لکھ پتی کو سات سو گنا اور اس تیسرے شخص کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ بے شک میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے۔ مستحکم دین' ملت ابراہیم ہر باطل سے ممتاز' اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (الانعام: ۱۶۱)

اس سورت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے۔ پھر مشرکین اور منکرین تقدیر کا رد فرمایا' اب اس کلام کو اس پر ختم فرمایا کہ مستحکم دین اور صراط مستقیم تو ملت ابراہیم ہے جو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت پر مبنی ہے اور ہدایت صرف اللہ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے' اور ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا ملے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ سے یہ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم آپ ان بت پرستوں اور مشرکوں سے کہئے کہ مجھے میرے رب نے صراط مستقیم کی ہدایت دی ہے اور یہی ملت حنیفہ مستقیمہ ہے۔ اللہ نے مجھے دین مستقیم کی ہدایت دی ہے جو حضرت ابراہیم کی ملت ہے' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام باطل ادیان سے اعراض کرنے والے تھے اور وہ مشرکین اور بت پرستوں میں سے نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (الانعام: ۱۶۲)

نسک کا معنی

صلوٰۃ سے مراد یا تو تہجد کی نماز ہے یا نماز عید ہے اور نسک' نسیکہ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے ذبیحہ اور اس کا معنی ہے حج اور عمرہ میں مینڈھا ذبح کرنا اور نماز اور ذبیحہ کو اس آیت میں اس طرح جمع کیا ہے جیسے فصل لربک وانحر (الکوثر: ۲) میں جمع کیا ہے۔ حسن بصری نے کہا نسکی سے مراد ہے میرا دین۔ زجاج نے کہا اس سے مراد ہے میری عبادت۔ ایک قوم نے کہا

اس آیت میں نسک سے مراد تمام نیک کام اور عبادات ہیں۔

محیای: اس سے مراد ہے میں زندگی میں جو عمل کروں گا اور مماتی: اس سے مراد ہے میں وفات کے بعد جن چیزوں کی وصیت کروں گا۔

نماز کا افتتاح انی وجھت سے واجب ہے یا تکبیر سے

امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز کو اس ذکر سے شروع کرنا چاہیے 'کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس کا حکم دیا ہے اور اس کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کی تائید حدیث میں بھی ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو فرماتے وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین O ان صلاتی ونسکی ومحیای و مماتی للہ رب العلمین O لاشریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین (الحدیث)

(صحیح مسلم 'صلوۃ المسافرین' ۲۰۱' (۷۷۱) ۱۷۸۱ سنن ابوداؤد 'ج ۱' رقم الحدیث: ۷۴۰' سنن نسائی 'ج ۲' رقم الحدیث: ۸۹۶)

امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس ذکر کے ساتھ نماز کو شروع کرنا واجب نہیں ہے' بلکہ نماز کا افتتاح تکبیر کے ساتھ واجب ہے اور اس کے بعد قرآن مجید کو پڑھنا فرض ہے اور اس کے درمیان اس ذکر کو بھی پڑھنا مستحب ہے اور دیگر اذکار کو بھی- مثلاً سبحانک اللھم وبحمدک کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم 'صلوۃ ۵۰' ۳۹۹' ۸۶۵) اور نبی ﷺ نے جب اعرابی کو نماز کی تعلیم دی تو فرمایا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو' پھر قرآن پڑھو۔ (صحیح البخاری 'ج ۱' رقم الحدیث: ۷۹۳) آپ نے انی وجھت کا ذکر نہیں فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ اس سے افتتاح واجب نہیں ہے' بلکہ تکبیر سے افتتاح واجب اور اس سے افتتاح کرنا مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ (الانعام: ۱۶۳)

نبی ﷺ کا اول المسلمین ہونا

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ سیدنا محمد ﷺ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا آپ سے پہلے حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام مسلمان نہیں تھے؟ تو اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱- ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ معنی اول الخلق ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم آخر ہیں اور ہم قیامت کے دن سابق ہوں گے۔

(صحیح مسلم '۹' ۸۵۵' صحیح البخاری 'ج ۱' رقم الحدیث: ۸۷۶)

۲- نبی ﷺ سب سے پہلے نبی ہیں جیسا کہ ان احادیث میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ فرمایا اس وقت آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (سنن الترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۲۹' دلائل النبوۃ لابی نعیم 'ج ۱' رقم الحدیث: ۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں خلق کے اعتبار سے تمام نبیوں میں اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے آخر ہوں۔ (کنز العمال 'ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۲۱۲۶' کامل ابن عدی 'ج ۳' ص ۱۲۰۹)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں خلق میں سب سے اول ہوں اور بعثت میں سب سے آخر ہوں۔

(کنز العمال' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۱۹۱۶' کامل ابن عدی' ج ۳' ص ۹۱۹' طبقات ابن سعد' ج ۱' ص ۱۴۹)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں اللہ کے پاس خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور آدم ہنوز مٹی اور گارے میں تھے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم' ج ۱' رقم الحدیث: ۹' المستدرک' ج ۲' ص ۶۰۰' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۲۸-۱۲۷' طبقات ابن سعد' ج ۱' ص ۱۴۹' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۲۳)

۳- نبی ﷺ اپنی امت میں اول المسلمین ہیں۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۵' رقم الحدیث: ۸۱۸۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے' تو وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۶۴)

فتنہ کے زمانہ میں نیک علماء کا گوشہ نشین ہونا

روایت ہے کہ کفار نے نبی ﷺ سے کہا اے محمد! ﷺ ہمارے دین کی طرف آئیں اور ہمارے خداؤں کی عبادت کریں' اور اپنے دین کو چھوڑ دیں اور ہم دنیا اور آخرت میں آپ کی ہر ضرورت کے کفیل ہوں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کہئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے! (الجامع لاحکام القرآن' جز ۸' ص ۱۴۱)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے' اس کا وہی ذمہ دار ہے۔

ربیع بیان کرتے ہیں کہ عبادت گزار علماء کے لیے اس زمانہ میں صرف دو صورتیں ہیں اور ہر صورت دوسری سے افضل ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور حق کی دعوت دیں' یا فتنہ انگیز لوگوں کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جائیں اور بدکردار اور بدعنوان لوگوں کے اعمال میں شریک نہ ہوں اور اللہ کے احکام کی پیروی کرتے رہیں اور فرائض بجالائیں اور اللہ کے لیے محبت رکھیں اور اسی کے لیے بغض رکھیں۔ (جامع البیان' جز ۸' ص ۱۳۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

فضول کے عقد اور وکیل کے تصرفات میں مذاہب فقہاء

فضول کی بیع یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کے لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرید لے۔ اس بیع کا جواز اس مالک کی مرضی پر موقوف ہے۔ اگر وہ اس کو جائز قرار دے تو یہ بیع جائز ہے' ورنہ نہیں۔ اسی طرح فضول کا کیا ہوا عقد نکاح بھی' لڑکے یا لڑکی کی بعد میں رضامندی سے جائز ہو تا ہے' ہمارے دور میں اکثر نکاح ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لڑکی سے نکاح کی اجازت وکیل لیتا ہے' لیکن لڑکے سے ایجاب و قبول وکیل کی بجائے نکاح خوان کرتا ہے۔ یہ بھی فضولی کا عقد ہے' لیکن جب لڑکی رخصت ہو جاتی ہے تو گویا وہ اس فضولی کے عقد پر راضی ہو جاتی ہے اور یہ نکاح نافذ ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک فضولی کا عقد جائز نہیں ہے۔ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے' اس کا وہی ذمہ دار ہے (الانعام: ۱۶۴) یعنی دوسرا اس کا ذمہ دار نہیں ہے' اور اس آیت کے پیش نظر وہ فضول کے عقد کو ناجائز کہتے ہیں۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک فضولی کی بیع جائز ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو ایک دینار عطا کیا' تاکہ وہ آپ کے لیے ایک بکری خریدیں۔ انہوں نے اس دینار سے دو بکریاں خریدیں' پھر ایک بکری کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا اور نبی ﷺ کے پاس ایک بکری اور ایک دینار

لے کر آ گئے، آپ نے ان کے لیے بیع میں برکت کی دعا کی، پھر یہ ہوا کہ وہ مٹی بھی خریدتے تو ان کو نفع ہوتا۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۴۲، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۸۴، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۲۶۲، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۴۰۲، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۱۹۳۸۱، ۱۹۳۸۰، طبع جدید، مسند احمد، ج ۴، ص ۳۷۶، طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فضولی کا عقد صحیح ہے اور اصل شخص کی رضامندی کے بعد اس کا عقد نافذ ہو جائے گا۔ نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ وکیل کا تصرف صحیح ہے اور اس کے تصرف سے جو منفعت اسے حاصل ہوگی، وہ اصیل کے لیے ہوگی۔ امام مالک، امام ابویوسف، اور امام محمد بن حسن کا یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مثلاً یہ کہے کہ سو روپے کا ایک کلو بکری کا گوشت خرید کر لاؤ اور وہ سو روپے کا دو کلو بکری کا گوشت لے آئے تو وہ زائد ایک کلو گوشت وکیل کا ہوگا۔ ہو سکتا ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو، کیونکہ اس زمانے میں احادیث کی نشرو اشاعت کے اس قدر وسائل نہیں تھے، جتنے اب میسر ہیں اور احادیث کی اشاعت میں تدریجاً وسعت ہوئی ہے۔

برائی کے موجد کو اس برائی کے مرتکبین کی سزا میں سے حصہ ملے گا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیتوں اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے؟ کہ بعض لوگوں کے گناہوں کا عذاب بعض دوسروں کو ہوگا، اور یہ اس آیت کے خلاف ہے:

وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ (العنکبوت: ۱۳)	اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ اٹھائیں گے۔
لِيَحۡمِلُوۡۤا اَوۡزَارَهُمۡ كَامِلَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ۙ وَمِنۡ اَوۡزَارِ الَّذِيۡنَ يُضِلُّوۡنَهُمۡ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ (النحل: ۲۵)	تاکہ وہ (متکبر کافر) قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے اٹھائیں جنہیں وہ اپنی جہالت سے گمراہ کرتے تھے، سنو! وہ کیسا برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھاتے ہیں۔

اسی طرح بعض احادیث میں بھی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے خون کی سزا سے ایک حصہ پہلے ابن آدم (قابیل) کو بھی ملے گا، کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کرنے کی رسم اور گناہ کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری، ج ۴، رقم الحدیث: ۳۳۳۵، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۳۲۱، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۸۶۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۶۷۷، سنن ترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۶۸۱، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۹۹۶، مسند احمد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۳۰، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۱۹۷۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۹، ص ۳۶۳، صحیح ابن حبان، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۵۹۸۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۱۵)

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی برائی اور گناہ کو ایجاد کیا تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی پر عمل کریں گے، تو ان کے گناہوں کی سزا میں اس برائی کے ایجاد کرنے والے کا بھی حصہ ہوگا، کیونکہ وہ ان سب لوگوں کے لیے اس برائی کے ارتکاب کا سبب بنا تھا، اور بعد کے لوگوں کی سزا میں کوئی کمی نہیں ہوگی، جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی تو اس کو ہدایت پر

تمام عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور ان متبعین کے اجروں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے کسی گمراہی کی دعوت دی' تو اس کو اس گمراہی پر تمام عمل کرنے والوں کے برابر سزا ملے گی اور ان متبعین کی سزاؤں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۸۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۶۷۴' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۶۰۹' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۵۰۷' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۹۱۷۱)

کوئی شخص دوسرے کے جرم کی سزا نہیں پائے گا' اس قاعدہ کے بعض مستثنیات

کسی شخص کو دوسرے کے گناہ کی سزا نہیں ملے گی' یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جب وہ شخص دوسروں کو اس گناہ سے منع کرتا رہے' لیکن اگر کوئی شخص خود نیک ہو اور اس کے سامنے دوسرے گناہ کرتے رہیں اور وہ ان کو منع نہ کرے تو اس نیک شخص کو اس لیے عذاب ہوگا کہ اس نے ان دوسروں کو برائی سے نہیں روکا۔ قرآن مجید میں ہے:

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (المائدہ: ۷۹)

وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیے تھے' البتہ وہ بہت برا کام کرتے تھے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نیند سے یہ فرماتے ہوئے بیدار ہوئے لا الہ الا اللہ عرب کے لیے تباہی ہو اس شر سے جو قریب آپہنچا' یاجوج ماجوج کی رکاوٹ کے ٹوٹنے سے' آج روم فتح ہو گیا۔ سفیان نے اپنے ہاتھ سے دس کا عقد بنایا' میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے' حالانکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے آپ نے فرمایا ہاں جب برائیاں زیادہ ہو جائیں گی۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۴۶' صحیح مسلم' فتن ۱' (۲۸۸۰) ۷۱۰۲' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۹۴' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۲۰۷۴۹' مسند الحمیدی' رقم الحدیث: ۳۰۸' مصنف ابن ابی شیبہ' رقم الحدیث: ۱۹۰۶۱' مسند احمد' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۷۴۸۶' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۹۳)

اسی طرح اس قاعدہ سے بعض احکام بھی مستثنیٰ ہیں' مثلاً اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو خطاً قتل کر دے یا اس کا قتل شبہ عمد ہو (قتل شبہ عمد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو سزا دینے کے قصد سے لاٹھی' کوڑے یا ہاتھ سے ضرب لگائے اور اس کا قصد قتل کرنا نہ ہو) تو اس کی دیت عاقلہ پر لازم آتی ہے' تاکہ اس کا خون رائیگاں نہ ہو' اب یہاں جرم تو ایک شخص نے کیا ہے اور اس کا تاوان اس کے عاقلہ ادا کریں گے۔ عاقلہ سے مراد مجرم کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں جن کو عصبات کہتے ہیں' حدیث شریف میں ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی ایک چوب سے مارا درآنحالیکہ وہ مضروبہ حاملہ تھی اور (اس ضرب سے) اس کو ہلاک کر دیا۔ ان میں سے ایک عورت بنو لحیان کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے قاتلہ کے عصبات (باپ کی طرف سے رشتہ دار) پر مقتولہ کی دیت لازم کی' اور اس کے پیٹ کے بچہ کے تاوان میں ایک باندی یا ایک غلام کا دینا لازم کیا۔

(صحیح مسلم' القسامہ' ۳۷' ۱۶۸۲' ۴۳۱۴' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۵۶۸' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۱۵' سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۸۲۲' ۴۸۳۶' ۴۸۳۷' ۴۸۳۲' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۶۳۳)

اسی طرح اگر مسلمانوں کے محلہ میں کوئی مسلمان مقتول پایا جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا قاتل کون ہے؟ تو اس محلہ کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں گے کہ نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے' نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں اور ان کے قسم کھانے کے بعد

اہل محلہ پر دیت لازم آئے گی' تاکہ مسلمان کا قتل رائیگاں نہ جائے' اس کو قسامت کہتے ہیں' یہاں بھی قتل کسی اور نے کیا ہے اور اس کا تاوان یہ محلہ والے ادا کریں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک شخص یہود کی رہٹ والی زمین میں مقتول پایا گیا۔ انہوں نے اس کا نبی ﷺ سے ذکر کیا' آپ نے یہود کے پچاس چنے ہوئے لوگوں کو بلایا اور ہر ایک سے یہ قسم لی کہ اللہ کی قسم انہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ مجھے اس کے قاتل کا علم ہے پھر ان پر دیت لازم کر دی۔ یہود نے کہا بہ خدا یہ وہی فیصلہ ہے' جو موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت میں تھا۔ (سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۱۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلندی عطا فرمائی' تاکہ اس نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک آپ کا رب' بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔ (الانعام: ۱۶۵)

مسلمانوں کو خلیفہ بنانے کے محامل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے' اس خلافت کے حسب ذیل محامل ہیں:

۱- سیدنا محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں' اس لیے آپ کی امت خاتم الامم ہے اور چونکہ یہ امت پچھلی تمام امتوں کے بعد ہے' اس لیے یہ تمام امتوں کی خلیفہ ہے۔

۲- اس امت کا ہر قرن دوسرے قرن کے بعد ہے' اس لیے ہر قرن دوسرے قرن کا خلیفہ ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے' تاکہ وہ زمین میں اللہ کے احکام جاری کریں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں ضرور بہ ضرور خلیفہ بنائے گا' جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ان کے لیے اس دین کو مضبوط کر دے گا جس کو ان کے لیے پسند فرما لیا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور جس نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج: ۴۱)

جن لوگوں کو ہم زمین میں سلطنت عطا فرمائیں' تو وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

مسلمانوں کی آزمائش

اس کے بعد فرمایا تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلندی عطا فرمائی' تاکہ اس نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے' اس

میں تمہاری آزمائش کرے، یعنی عزت اور شرف، عقل اور مال، رزق اور شجاعت اور سخاوت میں اور تم میں یہ فرق مراتب اور تفاوت درجات اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو برابر کا درجہ دینے سے عاجز تھا، بلکہ اس نے تمہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے تم کو ان مختلف درجات میں رکھا، تاکہ دنیا والوں پر اور قیامت کے دن سب لوگوں کو معلوم ہو کہ مال اور رزق کی فراوانی سے کون دولت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلا بیٹھا اور عیش و عشرت میں پڑ گیا اور نفسانی خواہشوں کی اتباع میں فواحش و منکرات میں مبتلا ہو گیا اور کون ایسا ہے جو روپے پیسے کی ریل پیل کے باوجود خدا سے ڈرتا رہا، اور اپنے مال کو اللہ کے احکام کی اطاعت اور خلق خدا کی خدمت میں صرف کرتا رہا، اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا رہا۔ اسی طرح کس نے اپنی صحت کو عبادت میں خرچ کیا اور کس نے عیاشی میں ضائع کیا اور کون غربت اور افلاس میں اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کرتا رہا؟ اور کون اللہ سے شکوہ اور شکایت کرتا رہا؟ اور عبادت سے غافل رہا اسی طرح کون بیماری میں عبادت کرتا رہا؟ اور کون بیماری میں گلے شکوے کرتا رہا؟ اور اللہ کی اطاعت سے گریزاں رہا۔

مسلمانوں کے گناہوں پر مواخذہ اور مغفرت کا بیان

پھر فرمایا "بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ فساق و فجار کو بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فاسقوں کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ توبہ کرلیں؟ اور عذاب بھی آخرت میں ہو گا پھر کس طرح فرمایا کہ وہ بہت جلد سزا دینے والا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کرنے والا ہے، وہ اس کے اعتبار سے بہت قریب ہے اور بہت جلد ہونے والا ہے، جیسا کہ قیامت کے متعلق فرمایا

وَمَآ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ (النحل: ۷۷)
اور قیامت محض پلک جھپکنے میں واقع ہو جائے گی، بلکہ وہ اس سے بھی قریب تر ہے۔

اِنَّهُمۡ يَرَوۡنَهٗ بَعِيۡدًاۙ وَّنَرٰىهُ قَرِيۡبًاؕ (المعارج: ۷-۶)
بے شک وہ یوم حشر کو بہت دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسے بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔

نیز بعض اوقات اللہ تعالیٰ بعض مسلمانوں کی خطاؤں پر جلد ہی دنیا میں ہی گرفت فرمالیتا ہے اور ان کو کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے جو ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ (الشوریٰ: ۳۰)
اور تم کو جو مصیبت پہنچی تو وہ تمہارے کرتوتوں کے سبب تھی اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، خواہ کانٹا چبھے یا اس سے بھی کم ہو، اللہ اس تکلیف کے سبب اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے، یا اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم، البر والصلۃ ۴۷، (۲۵۷۲) ۶۴۴۰، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۹۶۷)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے خواہ دائمی ہو، خواہ تھکاوٹ ہو، خواہ کوئی اور بیماری ہو، خواہ غم ہو، خواہ پریشانی ہو اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۹۶۶، صحیح مسلم، البر والصلۃ ۵۲، (۲۵۷۳) ۶۴۴۶، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۹۶۸)

نیز فرمایا "وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے" وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم اور رحمت سے دنیا میں گناہوں پر پردہ رکھتا ہے اور آخرت میں انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مومن کو اس کے رب عزوجل کے قریب کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کے بازو میں چھپا لے گا۔ پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور فرمائے گا' کیا تم اس (گناہ) کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا ہاں میرے رب میں پہچانتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تم پر پردہ رکھا تھا اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کو اس کی نیکیوں کا صحیفہ دے دیا جائے گا اور کفار و منافقین کو تمام مخلوقات کے سامنے بلایا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۸۵' صحیح مسلم' التوبہ' ۵۲' (۲۷۶۸) ۶۸۸۲' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۳' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۲۴۲)

حرف آخر

آج ۱۵ رجب ۱۴۱۸ھ / ۱۶ نومبر ۱۹۹۷ء بروز اتوار بعد از نماز ظہر سورۃ الانعام کی تفسیر کو میں اس حدیث پر ختم کر رہا ہوں اور اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری لغزشوں پر پردہ رکھے گا اور آخرت میں میرے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اللہ العالمین! جس طرح آپ نے مجھے سورۃ الانعام تک تفسیر لکھنے کی سعادت بخشی ہے' اپنے فضل و کرم سے مجھے باقی قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی بھی عزت عطا فرما' مجھ پر قرآن مجید کے اسرار و معارف کھول دے اور احادیث میں مجھے وسیع نظر عطا فرما' مجھے اس تفسیر میں خطا اور لغزشوں سے بچا اور باقی ماندہ زندگی میں نیکی عطا فرما اور گناہوں سے محفوظ رکھ' اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے دنیا اور آخرت میں ہر پریشانی' مصیبت اور عذاب سے محفوظ رکھ اور دارین کی خوشیاں عطا فرما۔ اس تفسیر کو موثر اور مفید بنا اور اس کو تاقیام قیامت فیض آفریں اور باقی رکھ' اس کے مصنف' مصحح' کمپوزر' ناشر' قارئین' محبین اور معاونین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور ہر عذاب سے بچا اور دارین کی کامیابیاں اور کامرانیاں ان کا مقدر کر دے۔ آمین یا رب العالمین۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين قائد الغر المحجلين شفيع المذنبين رحمة للعلمين وعلى آله الطاهرين واصحابه الكاملين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى اولياء امته وعلماء ملته من المحدثين والمفسرين والفقهاء والمجتهدين والمسلمين اجمعين۔

ماخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید

۲- تورات

۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۵- امام مالک بن انس اصبحی، متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۹ھ

۶- امام عبد اللہ بن مبارک، متوفی ۱۸۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، متوفی ۱۸۲ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۸- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۹- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ

۱۰- امام وکیع بن جراح، متوفی ۱۹۷ھ، کتاب الزہد، مکتبۃ الدار، مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ

۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی، متوفی ۲۰۴ھ، مسند طیالسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۹۱ھ

۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، المسند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ

۱۳- امام محمد بن عمر واقد، متوفی ۲۰۷ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ

۱۴- امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، المصنف مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

۱۵- امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی، متوفی ۲۱۹ھ، المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی مکی، متوفی ۲۲۷ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

۱۷- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ

۱۸- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، المسند، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۹- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، کتاب الزھد، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ المکرمہ، ۱۴۱۴ھ
۲۰- امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی، متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ
۲۱- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۲۲- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ
۲۳- امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۲۴- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۵- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۶- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مراسیل ابو داؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۲۷- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۸- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۵ھ
۲۹- امام ابو بکر عمرو بن ابی عاصم الشیبانی متوفی ۲۸۷ھ، کتاب السنۃ، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۰ھ
۳۰- امام علی بن عمر دار قطنی، متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۱- امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار، متوفی ۲۹۲ھ، البحر الزخار المعروف بمسند البزار، مطبوعہ مؤسسۃ القرآن، بیروت، ۱۴۰۹ھ
۳۲- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۳۳- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۳۴- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ
۳۵- امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی، المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی، مطبوعہ دار المامون تراث، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۳۶- امام عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری، متوفی ۳۰۷ھ، کتاب المنتقیٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۷- امام ابو بکر محمد بن ہارون رویانی، متوفی ۳۰۷ھ، مسند الرویانی، مطبوعہ دار لکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۸- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ، متوفی ۳۱۱ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۵ھ
۳۹- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی، متوفی ۳۱۲ھ، مسند عمر بن عبد العزیز، مطبوعہ موسسہ علوم القرآن، دمشق
۴۰- امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق، متوفی ۳۱۶ھ، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ
۴۱- امام ابو عبد اللہ محمد الحکیم الترمذی، المتوفی ۳۲۰ھ، نوادر الاصول، مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ، ۱۴۰۸ھ
۴۲- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ المکرمہ، ۱۴۱۵ھ
۴۳- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۴۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ
۴۵- امام محمد بن جعفر بن حسین آجری، متوفی ۳۲۷ھ، مکارم الاخلاق، مطبوعہ مطبعہ المدنی، مصر، ۱۴۱۱ھ
۴۶- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، متوفی ۳۵۴ھ، صحیح ابن حبان ترتیب ابن بلبان، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۴۷- امام ابو بکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۶۰ھ، الشریعہ، مطبوعہ مکتب دار السلام، ریاض، ۱۴۱۳ھ
۴۸- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ

۴۹- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، معجم اوسط، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۵ھ

۵۰- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، معجم کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

۵۱- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ

۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، کتاب الدعاء، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ

۵۳- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی، متوفی ۳۶۴ھ، عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۵۴- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی، المتوفی ۳۶۵ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

۵۵- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ، متوفی ۳۹۶ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

۵۶- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ

۵۷- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۵۸- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار النفائس، بیروت

۵۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان۔

۶۰- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

۶۱- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۲- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ، ۱۴۱۰ھ

۶۳- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ

۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، شعب الایمان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ

۶۶- امام ابوعمر یوسف ابن عبد البر قرطبی، متوفی ۴۶۳ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۷- امام حسین بن مسعود بغوی، متوفی ۵۱۶ھ، شرح السنۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۶۸- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، مختصر تاریخ دمشق، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۴ھ

۶۹- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۷۰- امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ، الاحادیث المختارۃ، مطبوعہ مکتبۃ النہضۃ الحدیثیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ

۷۱- امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری، المتوفی ۶۵۶ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۰۷ھ

۷۲- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرۃ فی امور الآخرۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۷۳- امام ولی الدین تبریزی، متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ

۷۴- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی، متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

۷۵- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ

۷۶- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۴ھ

۷۷- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، موارد الظمآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

۷۸- امام محمد بن محمد جزری، متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین، مطبوعہ مصطفی البابی واولادہ، مصر، ۱۳۵۰ھ

۷۹- امام ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصیری شافعی، متوفی ۸۴۰ھ، زوائد ابن ماجہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۴ھ
۸۰- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان، متوفی ۸۴۵ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان
۸۱- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ
۸۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ
۸۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، البدور السافرۃ فی امور الآخرۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۸۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت ۱۳۹۱ھ
۸۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ
۸۶- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنتشرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۸۷- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
۸۸- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، شرح الصدور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۸۹- علامہ عبد الوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ مطبعہ عامرہ عثمانیہ، مصر، ۱۳۰۳ھ
۹۰- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۵ھ

کتب تفاسیر

۹۱- امام حسن بن عبد اللہ البصری، المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ
۹۲- امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء، متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعہ بیروت
۹۳- شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی، مطبوعہ دار الکتاب ایران، ۱۴۰۴ھ
۹۴- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۹۵- امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۳۱۱ھ، اعراب القرآن، مطبوعہ مطبعہ سلمان فارسی، ایران، ۱۴۰۶ھ
۹۶- امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۰۰ھ
۹۷- علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ۳۷۵ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ
۹۸- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۳۸۵ھ، التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت
۹۹- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران، ۱۴۱۲ھ
۱۰۰- علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، النکت والعیون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۰۱- علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری، متوفی ۴۶۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۰۲- علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۳ ھ، کشاف، مطبوعہ نشر البلاغہ، قم ایران، ۱۴۱۳ھ
۱۰۳- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۱۰۴- علامہ ابو بکر قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی، متوفی ۵۴۶ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ، مکہ مکرمہ
۱۰۵- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۴۰۶ھ
۱۰۶- علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ
۱۰۷- خواجہ عبد اللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار وعدۃ الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر، تہران، ۱۳۷۱ھ

۱۰۸- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۰۹- علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۹۷۸ء

۱۱۰- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۱۱- قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ

۱۱۲- علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور

۱۱۳- علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور

۱۱۴- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی، متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ

۱۱۵- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ

۱۱۶- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزی، متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزی، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۴ھ

۱۱۷- علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۱۱۸- علامہ ابو العباس بن یوسف السمین الشافعی، متوفی ۷۵۶ھ، الدر المصون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۱۱۹- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس، بیروت، ۱۳۸۵ھ

۱۲۰- علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت

۱۲۱- علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دار الکتب الاسلامی، قاہرہ، ۱۴۱۳ھ

۱۲۲- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ مکتبہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ

۱۲۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جلالین، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی

۱۲۴- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی، متوفی ۹۵۱ھ، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی، مطبوعہ مکتبہ یوسفی، دیو بند

۱۲۵- شیخ فتح اللہ کاشانی، متوفی ۹۷۷ھ، منہج الصادقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو، ایران

۱۲۶- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابو السعود، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ

۱۲۷- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی، متوفی ۱۰۶۹ھ، عنایۃ القاضی، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۲۸۳ھ

۱۲۸- علامہ احمد جیون جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، التفسیرات الاحمدیہ، مطبع کریمی، بمبئی

۱۲۹- علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

۱۳۰- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل، متوفی ۱۲۰۴ھ، الفتوحات الالہیہ، مطبوعہ المطبعۃ البہیۃ، مصر، ۱۳۰۳ھ

۱۳۱- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ، مصر

۱۳۲- قاضی ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ

۱۳۳- شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ھ، تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع فاروقی، دہلی

۱۳۴- شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت

۱۳۵- علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

۱۳۶- نواب صدیق حسن خان بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان، مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۰۱ھ

۱۳۷- علامہ محمد جمال الدین قاسمی، متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاسمی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ

۱۳۸- علامہ محمد رشید رضا، متوفی ۱۳۵۴ھ، تفسیر المنار، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت

۱۳۹- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۹ھ، الجواہر فی تفسیر القرآن، المکتبۃ الاسلامیہ، ریاض

۱۴۰- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۴ھ، بیان القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

۱۴۱- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، خزائن العرفان، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۴۲- شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۴۳- علامہ محمد طاہر بن عاشور، متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والتنویر، مطبوعہ تونس

۱۴۴- سید محمد قطب شہید، متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۸۶ھ

۱۴۵- مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ، نور العرفان، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، گجرات

۱۴۶- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ، معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۳۹۷ھ

۱۴۷- سید ابو الاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

۱۴۸- علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ، التبیان، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، ملتان

۱۴۹- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی، اضواء البیان، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت

۱۵۰- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

۱۵۱- آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، ایران، ۱۳۶۹ھ

۱۵۲- جسٹس پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۱۵۳- شیخ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن، لاہور

۱۵۴- علامہ محمود صافی، اعراب القرآن و صرفہ و بیانہ، مطبوعہ انتشارات زرین، ایران

۱۵۵- استاذ محی الدین درویش، اعراب القرآن و بیانہ، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت

۱۵۶- ڈاکٹر وہبہ زحیلی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۱۵۷- سعید حوی، الاساس فی التفسیر، مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۵۸- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ، البرہان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

۱۵۹- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور

۱۶۰- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی، مناہل العرفان، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

کتب شروح حدیث

۱۶۱- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، الاستذکار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ

۱۶۲- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبۃ القدوسیہ، لاہور، ۱۴۰۴ھ

۱۶۳- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی، متوفی ۴۷۴ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ مطبع السعادۃ، مصر، ۱۳۳۲ھ

۱۶۴- علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، عارضۃ الاحوذی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۶۵- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت

۱۶۶- حافظ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی' المتوفی ۶۵۶ھ ' المفہم شرح مسلم 'مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۶۷- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ ' شرح مسلم 'مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' ۱۴۱۷ھ

۱۶۸- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی' متوفی ۷۴۳ھ ' شرح الطیبی 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' ۱۴۱۳ھ

۱۶۹- علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی' متوفی ۸۲۸ھ ' اکمال اکمال المعلم 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۷۰- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ ' فتح الباری 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ

۱۷۱- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی' متوفی ۸۵۵ھ ' عمدۃ القاری 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ

۱۷۲- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ ' مکمل اکمال المعلم 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۷۳- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ ' ارشاد الساری 'مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ

۱۷۴- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ ' فیض القدیر 'مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۳۹۱ھ

۱۷۵- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ ' شرح الشمائل 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی

۱۷۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ ' جمع الوسائل 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی

۱۷۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ ' شرح مسند ابی حنیفہ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۵ھ

۱۷۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ ' الحرز الثمین 'مطبوعہ مطبعہ امیریہ' مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ

۱۷۹- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ ' تحفۃ الذاکرین 'مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ

۱۸۰- شیخ عبدالحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ ' اشعۃ اللمعات 'مطبوعہ مطبع تیج کمار' لکھنؤ

۱۸۱- شیخ عبدالرحمن مبارک پوری' متوفی ۱۳۲۵ھ ' تحفۃ الاحوذی 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان

۱۸۲- شیخ انور شاہ کشمیری' متوفی ۱۳۵۲ھ ' فیض الباری 'مطبوعہ مطبع حجازی مصر' ۱۳۵۷ھ

۱۸۳- شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ ' فتح الملہم 'مطبوعہ مکتبہ الحجاز' کراچی

۱۸۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی' متوفی ۱۳۹۴ھ ' التعلیق الصبیح 'مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ' لاہور

کتب اسماء الرجال

۱۸۵- علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ ' العلل المتناہیہ 'مطبوعہ مکتبہ اثریہ' فیصل آباد' ۱۴۰۱ھ

۱۸۶- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی' متوفی ۷۴۲ھ ' تہذیب الکمال 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ

۱۸۷- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ ' میزان الاعتدال 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ

۱۸۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ ' تہذیب التہذیب 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۸۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ ' تقریب التہذیب 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ

۱۹۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ ' موضوعات کبیر 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' دہلی

کتب لغت

۱۹۱- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ ' الصحاح 'مطبوعہ دار العلم' بیروت' ۱۴۰۴ھ

۱۹۲- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ ' المفردات 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ

۱۹۳- علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۳۸ھ ' الفائق 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۹۴- علامہ محمد بن اثیر الجزری، متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ، مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعات ایران، ۱۳۶۴ھ
۱۹۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۹۶- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ، قم، ایران، ۱۴۰۵ھ
۱۹۷- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی ۸۱۷ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
۱۹۸- علامہ محمد طاہر صدیقی، متوفی ۹۸۶ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ، ۱۴۱۵ھ
۱۹۹- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی، متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ، مصر
۲۰۰- لوئیس معلوف الیسوعی، المنجد، مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ، بیروت، ۱۳۶۷ھ
۲۰۱- شیخ غلام احمد پرویز، متوفی ۱۴۰۵ھ، لغات القرآن، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام، لاہور
۲۰۲- ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت و فضائل

۲۰۳- امام عبد الملک بن ہشام، متوفی ۲۱۳ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۰۴- امام محمد بن سعد، متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ
۲۰۵- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دار القلم، بیروت
۲۰۶- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۰۷- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۰۸- علامہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی، متوفی ۵۷۱ھ، الروض الانف، مکتبہ فاروقیہ، ملتان
۲۰۹- علامہ عبد الرحمان بن علی جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، الوفا، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
۲۱۰- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۱۱- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت
۲۱۲- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران
۲۱۳- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۴ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۳ھ
۲۱۴- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۱۵- حافظ نور الدین علی بن احمد سمہودی، متوفی ۹۱۱ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۱۶- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۱۷- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی ۹۴۲ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۱۸- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۲۱۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۲۰- شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
۲۲۱- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی، متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۲۲- علامہ محمد عبد الباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۳ھ

۲۲۳- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب، مطبوعہ تاج کمپنی لیمٹڈ، کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۲۴- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۲۵- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبۃ الثورۃ الاسلامیہ، افغانستان، ۱۴۰۵ھ

۲۲۶- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری، متوفی ۵۴۲ھ، خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ امجد اکیڈمی، لاہور، ۱۳۹۷ھ

۲۲۷- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ۔ایم۔سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ

۲۲۸- علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی ۵۹۲ھ، فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۲۹- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ، ھدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ، ملتان

۲۳۰- علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۳۱- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ تاتار خانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۱ھ

۲۳۲- علامہ ابوبکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ، الجوہرۃ النیرہ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان

۲۳۳- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردری، متوفی ۸۲۷ھ، فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ، بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۳۴- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ

۲۳۵- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۳۶- علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر

۲۳۷- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ، مصر، ۱۲۸۷ھ

۲۳۸- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۱۲ھ

۲۳۹- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ، صغیری، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی۔

۲۴۰- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور، ۱۲۹۱ھ

۲۴۱- علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ، مصر، ۱۳۱۱ھ

۲۴۲- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، حاشیہ ابو سعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ، مصر، ۱۲۸۷ھ

۲۴۳- علامہ حامد بن علی قونوی رومی، متوفی ۹۸۵ھ، فتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۴۴- علامہ خیر الدین رملی، متوفی ۱۰۸۱ھ، فتاویٰ خیریہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۴۵- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ، الدر المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۲۴۶- علامہ سید احمد بن محمد حموی، متوفی ۱۰۹۸ھ، غمز عیون البصائر، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۲۴۷- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالم گیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ، بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۴۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ، مصر، ۱۳۱۱ھ

۲۴۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، مطبوعہ دار الاشاعۃ العربیہ، کوئٹہ

۲۵۰- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۳۹۶ھ

۲۵۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۲۵۲- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی
۲۵۳- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ افریقیہ، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
۲۵۴- علامہ امجد علی، متوفی ۱۳۷۶ھ، بہار شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی
۲۵۵- علامہ نور اللہ نعیمی، متوفی ۱۴۰۳ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ کمبائن پرنٹرز، لاہور، ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۲۵۶- علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۵۷- علامہ ابو اسحاق شیرازی، متوفی ۴۵۵ھ، المہذب، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۳ھ
۲۵۸- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر، بیروت، ۱۴۱۳ھ
۲۵۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۶۰- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ
۲۶۱- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الحاوی للفتاویٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۶۲- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ، نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۶۳- علامہ ابوالضیاء علی بن علی شبراملسی، متوفی ۱۰۸۷ھ، حاشیہ ابوالضیاء علی نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

کتب فقہ مالکی

۲۶۴- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
۲۶۵- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۶۶- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی، متوفی ۷۶۷ھ، مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت
۲۶۷- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی المتوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل، مطبوعہ مکتبۃ النجاح، لیبیا
۲۶۸- علامہ علی بن عبد اللہ علی الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر، بیروت
۲۶۹- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی، متوفی ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۷۰- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

کتب فقہ حنبلی

۲۷۱- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، المغنی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ
۲۷۲- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، الکافی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۷۳- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ ریاض
۲۷۴- علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۶ھ

کتب شیعہ

۲۷۵- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۲۷۶- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۲۷۷- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی، المتوفی ۶۷۹ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ موسسۃ النصر، ایران، ۱۳۸۷ھ

۲۷۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران، ۱۳۴۷ھ
۲۷۹- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حیات القلوب، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ، تہران

کتب عقائد و کلام

۲۸۰- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۵ھ
۲۸۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی
۲۸۲- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران، ۱۴۰۹ھ
۲۸۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، شرح المواقف، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران، ۱۳۲۵ھ
۲۸۴- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، مسایرہ، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر
۲۸۵- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ، مسامرہ، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر
۲۸۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ، مصر، ۱۳۷۵ھ
۲۸۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی، کراچی

کتب اصول فقہ

۲۸۸- علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری، المتوفی ۷۳۰ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۱۱ھ
۲۸۹- علامہ محب اللہ بہاری، متوفی ۱۱۱۹ھ، مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ
۲۹۰- علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، نور الانوار، مطبوعہ ایچ۔ایم۔سعید اینڈ کمپنی، کراچی
۲۹۱- علامہ عبد الحق خیر آبادی، متوفی ۱۳۱۸ھ، شرح مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب متفرقہ

۲۹۲- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ، قوت القلوب، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۰۶ھ
۲۹۳- امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر، بیروت، ۱۴۱۳ھ
۲۹۴- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ
۲۹۵- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ، قاعدہ جلیلہ، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ، مصر، ۱۳۷۳ھ
۲۹۶- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، الکبائر، مطبوعہ دار الغد العربی، قاہرہ، مصر
۲۹۷- علامہ عبد اللہ بن اسعد یافعی، متوفی ۷۶۸ھ، روض الریاحین، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ، مصر، ۱۳۷۴ھ
۲۹۸- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ، مصر، ۱۳۰۶ھ
۲۹۹- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۳۰۰- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الزواجر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۳۰۱- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۴ھ، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۳۷۰ھ
۳۰۲- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، اتحاف السادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۱۱ھ
۳۰۳- شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی
۳۰۴- علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ، طہران، ۱۳۷۸ھ

۳۰۵- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ الملفوظ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور
۳۰۶- شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۳۸ھ ہدیۃ المہدی مطبوعہ میور پریس دہلی ۱۳۲۵ھ
۳۰۷- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ بہشتی زیور مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۳۰۸- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ حفظ الایمان مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۳۰۹- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی ندا یارسول اللہ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۴۰۵ھ

سرٹیفکیٹ

میں نے تبیان القرآن جلد سوئم تصنیف شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور کے پروف بغور پڑھے ہیں۔ میری دانست کے مطابق اس تفسیر کے متن اور تفسیر میں درج آیات قرآنی کے الفاظ اور اعراب میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں نے اطمینان کے بعد یہ سرٹیفکیٹ جاری کیا ہے۔

محمد ابراہیم فیضی
ظہور احمد فیضی